ہفتہ وار

# ہندستان

لکھنؤ

جلد ۱ | ۸ ر اگست سنہ ۱۹۳۷ء | نمبر ۱


## کانگرس کے صدر کا پیام

"ہندستان" ہماری سیاسی زندگی کے ایک عجیب دور میں رونما ہو رہا ہے. ایک طرف تو نئے نئے خیالات پیدا ہو کر ہمارے دیس کے باشندوں کے دلوں میں جوش اور خروش پیدا کر رہے ہیں اور دوسری طرف ہم یہ دیکھتے ہیں کہ کانگرس کی وزارتیں حکومت کے انتظام کا بوجھ اپنے کاندھوں پر اٹھانے کے لئے تیار ہیں. گویا ہم انقلاب اور دستور پسندی کے درمیان جھولا جھول رہے ہیں. آج کل کی سیاست کے یہ دو پہلو ہیں. اس لئے پہلے سے بہت زیادہ آج کل ہمیں صاف صاف سوچنے کی ضرورت ہے. ایک اخبار کا سب سے پہلا فرض یہی ہے کہ وہ اس کام میں ہماری مدد کرے مجھے یقین ہے کہ "ہندستان" اپنے اس فرض کو اچھی طرح پورا کریگا اور کانگرس کے پیغام کو تمام ملک میں پہونچا کر آزادی کی لڑائی میں اس طرح ہماری مدد کرے گا

جواہر لال نہرو

۲۹ رجولائی

۱۹۳۷ء

## فہرست

## وزارتیں

ملک کی بعض نوجوان جماعتوں کا خیال ہے کہ کانگریس نے وزارتیں قبول کر کے آنے والے انقلاب کو دس سال پیچھے ہٹا دیا۔ اب یہ ہوگا کہ چند معمولی اصلاحیں پاکر یہاں کے مزدور اور کسان آسودہ ہوجائیں گے اور جب تک زمانے کی حرکت اُن کو پھر سے گرداب میں گرفتار نہ کردے، ان میں انقلابی جذبات نہیں پیدا ہوں گے۔ یہ خیال ہندستان کے لئے موزوں نہیں ہے۔ یہاں کے کسان سیکڑوں برس سے مصیبتوں اور تکلیفوں کے عادی ہورہے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ یہ وہ بلائیں ہیں جو کبھی دور نہیں ہوسکتیں، اُمید کرنا ہی فضول ہے۔ اسی وجہ سے ان میں آزادی اور انقلاب کا ولولہ اور اُمنگ مشکل سے پیدا ہوتی ہے۔ اگر ان کی حالت میں ذرا سا تغیر ہوگیا اور وہ تغیر کانگریس کے ہاتھوں ہوا جنکو انہی لوگوں نے وزارت دلائی ہے۔ تب تو ان کی موجودہ مایوسی اُمید سے بدل جائے گی، وہ یہ سمجھنے لگیں گے کہ ہماری تباہی ایسی نہیں ہے جسکا دور ہونا ناممکن ہو۔ غریبی بھی گھٹ سکتی ہے اور ہم ہی لوگوں کی کوششوں سے گھٹ سکتی ہے۔ یہ جذبہ اُن کو انقلاب سے بہت قریب کردے گا۔

## اسپین

فرانکو نے اسپین کے بعض اچھے مقامات پر قبضہ کرلیا جس کی وجہ سے اسپین کی گورنمنٹ کافی کمزور ہوگئی اور اس کی فوج کو خیال ہونے لگا کہ اب اُمید صرف اسی میں ہے کہ ہم لوگ نکل کر حملہ کریں اور وہ مقامات از سر نو چھین لیں۔ میڈرڈ کے کمانڈر جنرل میاجا نے اعلان کیا تھا "جاؤ تم لوگوں کی تمنا تھی کہ دھاوا کیا جائے، تو اب دھاوا کردیا گیا۔ فاسزم دشمن اسپینی حکومت کی تمنا ہے کہ تم لوگ اپنے حقوق کے لئے لڑو"

میڈرڈ کی ترقی کا میدان ایک نصف دائرہ ہے جو میڈرڈ کے جنوب اور جنوب و مغرب پر واقع ہے۔ حکومت نے اس دائرے پر لڑائی کی اور شروع میں خاصی کامیابی حاصل کی اور آگے بڑھ کر دو ایک مقامات فتح کرلئے جو جنگی حیثیت سے بہت اہم تھے۔ ۶۰۰ قیدی گرفتار ہوئے، اور اچھا مال غنیمت ہاتھ لگا۔ دوسرے رخ پر بھی کامیابی حاصل کی۔

اسی سلسلہ میں ایک اخبار کا بیان ہے کہ فتح کی خوشی نے حکومت کی فوجوں کا جوش و خروش بہت بڑھا دیا ہے۔ صرف ایک دفعہ اتنا جوش و خروش دیکھنے میں آیا تھا جب گاڈل راجا میں حکومت نے باغیوں کی ایک پوری فوج کو ختم کردیا تھا۔ لیکن یہ کامیابی عارضی ثابت ہوئی، ہاواس ایجنسی خبر دیتی ہے:۔

"گورنمنٹ تین دن کی لڑائی میں ۵۰ ٹینک کھو چکی ہے۔ اس کی وہ فوجیں جو بہادری کے لئے مشہور تھیں مار ڈالی گئیں۔ ایک پورے دستہ کے متعلق خبر ملی ہے کہ وہ مع افسروں، اسلحہ اور سامان کے جاکر باغیوں سے مل گیا جو میڈرڈ کے شمال مغرب میں مقام الیو ایس تھے۔ کل کے مقابلہ میں جو مقام کہ بوبنو رسال میں ہوا تھا جس میں باغیوں نے مقام ویلا اور کالو مارٹے پر قبضہ کرلیا، حکومت کے ایک ہزار آدمی مارے گئے۔ اس ناکامی سے گورنمنٹ کی فوجوں میں سخت بددلی پھیل گئی ہے۔"

اس خبر سے معلوم ہوتا ہے کہ جرمنی اور اٹلی اس لڑائی میں کتنا حصہ لے رہے ہیں۔ جہاں حکومت ذرا کامیابی حاصل کرنے لگتی ہے فوراً ہی جنرل فرانکو کے پاس ہوائی جہاز اور فوجوں کی مقدار بڑھ جاتی ہے۔ ایک سخت حملہ ہوتا ہے، حکومت کو پسپا ہونا پڑتا ہے۔ دوسری طرف برطانیہ کا عجیب و غریب برتاؤ ہے، کہنے کو تو یہ غیر جانبداری ہے غیر جانبداری پکارتی ہے مگر اس میں اگر یہ ہے کہ اٹلی اور جرمنی تو غیر جانبدار رہ نہیں سکتے۔ ان دونوں حکومتوں کے امن کے لئے یہ بات سخت مضر ہے کہ انکے پڑوس ہی میں ایک سوشلسٹ حکومت قائم ہوجائے جہاں کے مزدور اور کسان ان ملکوں کے مزدوروں اور کسانوں سے زیادہ مطمئن اور آسودہ حال ہوں۔ انکے لئے غیر جانبدار رہنا اپنے پاؤں پر آپ کلہاڑی مارنا ہے۔ جنرل فرانکو کو قوت پہونچانے کے لئے یہ دونوں بہت کافی ہیں۔ اس صورت میں کہنے کو تو یہ ہوگا کہ برطانیہ غیر جانبدار ہے، مگر عملاً وہ سب سے زیادہ جانبداری کررہی ہے اور وہ یہ کہ روس کو کھلے خزانے اسپینی حکومت کی مدد نہیں کرنے دیتی۔ اسپینی حکومت اس وقت صرف فرانکو کا مقابلہ نہیں، بلکہ جرمنی، اٹلی اور برطانیہ کی مجموعی قوت کا مقابلہ کررہی ہے۔

## جناح اور راجندر پرشاد

۱۹۳۵ء میں بابو راجندر پرشاد اور مسٹر محمد علی جناح کے درمیان ہندو مسلم سمجھوتے کی جو بات چیت بخیر و خوبی دفن ہوگئی تھی اُسے الکشن کے زلزلے نے قبر سے پھر باہر نکال دیا۔ اب مشکل سے کوئی دن ایسا گزرتا ہے جب ایک نہ ایک بیان اس سلسلے میں نظر نہ آتا ہو۔ مسٹر جناح کی تو ساری شہرت اخباروں میں بیان شائع کرنے ہی پر ہے لیکن بابو راجندر پرشاد کو تو دنیا میں اور کام بھی ہیں۔ آخر وہی اس سلسلے کو کیوں نہیں ختم کرتے۔ اگر وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اُنکے معقول اور مدلل بیان سے مسٹر جناح یا اُن کے ساتھیوں کی تشفی ہوجائے گی تو وہ ان لوگوں کے بارے میں بہت حسن ظن سے کام لے رہے ہیں۔ فرقہ پرست لیڈروں کی تو ساری زندگی اسی میں صرف ہوتی ہے کہ جہاں دو فرقے ایک دوسرے کے قریب آنے لگیں فوراً کوئی نیا ہوا کھڑا کردیں۔ اس میں ہندو مہا سبھا اور مسلم لیگ دونوں کی ایک ہی کیفیت ہے۔ اگر واقعی سمجھوتا ہوگیا تو پھر اُن کو کہاں جگہ ملے گی، یہ تو اس قسم کے طبیب ہیں جنکا فائدہ اسی میں ہے کہ مریض کا مرض بڑھتا رہے۔ ہندو مسلم نفاق کو دور کرنے کے لئے جو نئے نئے نسخے اور رفارمولے یہ لوگ تیار کرتے ہیں اس سے مرض بجائے کم ہونے کے بڑھتا ہی جاتا ہے۔ اس مرض کا علاج ان طبیبوں سے نہیں ہوسکتا۔ فرقہ وارانہ اتحاد کے لئے کانفرنسیں کرنا یا فرقہ پرست لیڈروں سے سمجھوتے کی بات چیت کرنا بالکل فضول ہے، اسلئے کہ اگر لیڈروں کی ایک جماعت سے سمجھوتا ہو بھی گیا تو اس کی کیا ضمانت ہے کہ فرقہ وارانہ حقوق کی علمبردار ایک دوسری جماعت نہیں کھڑی ہوجائیگی۔ کانگریس کا پروگرام سیاسی اور معاشی ہے، اس میں کسی فرقہ کی قید نہیں۔ پھر کیا ضرورت ہے کہ ہم کسی فرقہ کے اصلی یا نام نہاد لیڈروں سے بات چیت کرنے میں اپنا وقت ضائع کریں۔ ہمیں تو یہ چاہئے کہ اپنا پروگرام عوام تک پہنچائیں جو واقعی طور پر تکلیف میں مبتلا ہیں۔ اور مذہب اور تمدن کے ان ٹھیکیداروں سے جو غریبوں کو دھوکا دے کر آپس میں لڑاتے ہیں ان بیچاروں کو بچائیں۔ ان لوگوں سے سمجھوتے کے تو یہ معنی ہیں کہ یہ لوگ واقعی نمائندے ہیں اور یہ جس طرح ملک کو فرقوں میں تقسیم کرنا اور رکھنا چاہتے ہیں وہ بالکل صحیح ہے۔

کانگریس نے جو نئی راہ عوام تک براہ راست پہنچنے کی اور اُن کو اپنا سیاسی اور معاشی پروگرام سمجھانے کی نکالی ہے وہی اس جھگڑے کا صحیح حل ہے۔ ضرورت ہے کہ کسانوں اور مزدوروں کو یہ بات اچھی طرح سمجھادی جائے کہ مختلف مذہبی فرقوں میں کوئی بنیادی اور لازمی فرق نہیں ہے۔ انسانوں کی صرف ایک تقسیم صحیح ہے اور وہ طبقوں یا درجوں کی تقسیم ہے۔ کسان چاہے مسلمان ہو یا ہندو، مزدور چاہے ہریجن ہو یا برہمن ان سب کا معاشی مفاد ایک ہے اور اگر وہ یہ امید رکھتے ہیں کہ مسلمان زمیندار مسلمان کسانوں کے ساتھ خاص رعایت کرینگے یا کارخانوں کے برہمن مالک برہمن مزدوروں کو دوسرے مزدوروں سے زیادہ مزدوری دیں گے تو وہ سخت دھوکے میں ہیں۔ ایسا کبھی ہوا ہے نہ ہو سکتا ہے۔ وہی لوگ جو مذہب اور تمدن کے نام پر غریبوں کو آپس میں لڑا دیتے ہیں جب خود ان کے معاشی مفاد کا سوال آتا ہے تو دوسرے فرقوں سے اتحاد کر کے انھی غریبوں کا گلا گھونٹنے کیلئے آمادہ ہوجاتے ہیں۔

# چین و جاپان

بازاروں میں جب ہم جاپان کی بنائی ہوئی چیزیں سستی خریدتے ہیں اور دوسری طرف دیکھتے ہیں کہ تجارتی مقابلہ میں جاپان ہر طرف بازی جیت رہا ہے تو خیال ہوتا ہے کہ شاید وہاں کی رعایا دنیا کی تمام قوموں کی رعایا سے زیادہ دولتمند ہوگی ہر ایک کے پاس کھانے پینے اور پہننے کو بہت کافی ہوگا لیکن اصلیت یہ ہے کہ جاپانی مال کے سستے ہونے کا سارا بھید یہ ہے کہ وہاں کی رعایا بہت غریب ہے، چند آنوں کے عوض وہاں کے لوگ دس دس اور بارہ بارہ گھنٹے روزانہ کام کرتے ہیں۔ جو سامان دیگر ملکوں میں ایک روپیہ کی مزدوری میں تیار ہوگا وہ جاپان میں ۸ - ۹ آنے کی مزدوری میں تیار ہوجائے گا۔

مزدوری کا اتنا سستا ہونا بتاتا ہے کہ وہاں بے روزگاری کتنی زیادہ ہے دوسری طرف جاپان بہت چھوٹی جگہ ہے۔ اس کی مناسبت سے آبادی بہت بڑھ گئی ہے۔ اور برابر تیزی کو بڑھتی جارہی ہے۔ آبادی کے بڑھنے کے معنی یہی ہیں کہ بے روزگاری اور بیکاری بڑھتی جارہی ہے۔ اسی سبب جاپان کے مزدوروں اور کسانوں میں بہت بے چینی پھیل گئی ہے وہاں کی یونیورسٹیوں کے طالب علموں میں خاص بیداری آگئی ہے۔ وہ لوگ مزدوروں اور کسانوں کی تحریکوں میں بہت جوش و خروش سے حصہ لینے لگے ہیں۔

بے روزگاری کم کرنے کی صرف ایک صورت ہے۔ وہ یہ کہ ملیں زیادہ چلیں۔ اور ملیں صرف ایک صورت میں زیادہ چل سکتی ہیں وہ یہ کہ کچا مال خوب ملے، اور تیار کئے ہوئے مال کے لئے بازار خوب ملے۔ ملک کے اندر سامان کی کھپت بہت کم ہے، کیونکہ ملوں میں کام کرنیوالے مزدور، اور کھیتوں میں محنت کرنے والے کسانوں کے پاس بچا ہی کیا ہے جو وہ ملوں کے بنائے ہوئے سامان سے کچھ خریدیں۔ انکی زندگی تو یہ ہے کہ جو دن بھر کمایا، رات کو پیٹ میں رکھ لیا۔ بازار کی اگر امید ہوسکتی ہے تو بیرونی ممالک میں جاپان نے چند سال کی کوششوں میں اپنے سامان کے لئے بیرونی ممالک میں نکاسی پیدا کرلی۔ وہاں کا بنا ہوا ریشمی اور سوتی کپڑا، چینی کے برتن، خوبصورت شیشہ آلات اور اسی طرح کی چیزیں انگلستان کے چھوٹے قصبوں میں، عراق، سیام، اسکینڈی ناویا، ٹرکی، کولمبیا جائکی، اور پیرو کی بازاروں میں، جنوبی امریکہ، ہندستان، اور برطانوی ممالک کے دوسرے حصوں میں خوب بکتی ہیں لیکن اتنی بازاریں جاپان کے عوام کو ابھارنے کے لئے کافی نہیں، دوسری بات یہ ہے کہ جاپان کے اندر کچا مال اتنا نہیں پیدا ہوتا کہ جاتی بڑی بڑی بازاروں کو کافی ہو۔ جو کانیں فی الحال پائی جاتی ہیں انکے متعلق بھی یہی خطرہ ہے کہ انکی پیداوار کہیں کم نہ ہوجائے۔

جاپان کی بازاریں ایسی نہیں جن پر تمام ملکوں کے دانت لگے ہوئے ہیں، اسی لئے جاپان کو ضرورت ہے کہ اسکے پاس زبردست فوجی طاقت ہو جو اسکے دعووں کی دلیل دینے کو ہر وقت تیار رہے۔ یہ طاقت جاپان کے پاس موجود ہے لیکن اس طاقت میں ایک بہت بڑی کمی ہے، وہ یہ کہ اگر کوئی زبردست لڑائی چھڑ گئی تو حکومت کو لوہے، کوئلہ اور پیٹرول کی بہت ضرورت ہوگی، اگر کبھی اس پیداوار میں کمی پڑگئی تو جاپان کی آزادی فوراً ختم ہوجائے گی، موجودہ حالت میں جاپان کو اس بات کا یقین نہیں کہ اسکے پاس ان چیزوں کی جو کانیں ہیں وہ کچھ زیادہ عرصہ تک کام دے سکیں گی۔

چین کے صوبے چہار اور ہوپی ایسے ہیں جو جاپان کی یہ تمام ضروریات پوری کرسکتے ہیں وہاں کی آبادی ۹ کروڑ ہے اور رقبہ میں بنگال و بہار سے بڑے ہیں۔ مل جانے پر وہ بڑی اچھی بازار ثابت ہونگے۔ اسوقت یہاں کی درآمد میں کروڑ روپیہ سالانہ کی ہے، گویا ستر کروڑ روپیہ اگر کہیں جاپان کا اس پر قبضہ ہوگیا۔ تو یہ رقم ساری کی ساری اسی کی جیب میں جائیگی۔ لوہا، پیٹرول، ٹین، تانبا، وغیرہ یہاں خوب پیدا ہوتا ہے، صرف ہوپی میں تقریباً دو کروڑ من کوئلہ نکلتا ہے اسکے علاوہ یہاں کی زمین خوب زرخیز ہے۔ یہاں کی آب و ہوا ایسی ہے کہ سوت کی ملیں یہاں چلائی جاسکتی ہیں۔

جنگی اعتباروں سے بھی یہ مقام بہت اچھا ہے۔ اگر یہ قبضہ میں آگیا تو چین کی طرف بڑھنے کے بہت موقعے ملیں گے۔ جاپان کو سویٹ روس اور سویٹ چین کی طرف سے خطرہ رہتا ہے۔ اس پر قبضہ کرلینے کے بعد یہ ہوگا کہ یہ چھوٹا سا ملک ڈھال کا کام دیا کرے گا۔

مدتوں سے جاپان کے اس حصہ پر دانت لگے ہوئے ہیں لیکن جن وجہوں سے جاپان اس پر قبضہ کرنا چاہتا ہے، انہی وجہوں سے امریکہ اور برطانیہ کی یہ خواہش ہے کہ جاپان کا اسپر قبضہ نہو۔ چہار اور ہوپی کی بازاروں اور کچے مال سے بہت سے ملک فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اگر یہ جاپان کے قبضہ میں چلے گئے تو پھر ان حکومتوں کا نفع غائب ہوجائیگا۔ اگر ان صوبوں پر جاپان نے قبضہ کرلیا تو اس کی فوجی طاقت بہت بڑھ جائے گی، اس صورت میں بحر الکاہل کی تمام حکومتوں کو اپنی فوجی طاقت بڑھانا پڑے گی۔ اس طرح ایک طرف تو ان حکومتوں کی آمدنی میں کمی ہوجائے گی، اور دوسری طرف خرچ میں اضافہ ہوجائے گا۔

لیکن اسوقت بین الاقوامی حالت ایسی ہے کہ جاپان پر دباؤ ڈالنا بہت مشکل ہے۔ اسپین کی لڑائی نے ایک طرف قوموں کو الجھا رکھا ہے۔ اور دوسری طرف کساد بازاری نے انکو اتنا توڑ دیا ہے کہ وہ چھوٹے نقصان اٹھالینا پسند کرلیتی ہیں، مگر لڑائی میں کودنا پسند نہیں کرتیں۔ یہی معاملہ اسوقت درپیش تھا جب اٹلی نے حبش پر حملہ کیا تھا۔ اور یہی اب بھی ہے۔

(بقیہ مضمون صفحہ ۱۳ کالم ۲ پر دیکھئے)

# اسمبلی کا پہلا اجلاس

ہمارے صوبے کی اسمبلی کا پہلا اجلاس ۲۹ رجولائی کو شروع ہوا۔ اس اجلاس کو دیکھنے صوبہ کے ہر کونے سے لوگ اس شہر میں جمع ہوئے۔ کہا جاتا ہے کہ جس گیلری میں بمشکل پانچ سو آدمیوں کے بیٹھنے کی جگہ تھی اس کے لئے ڈھائی ہزار ٹکٹ جاری کرنے پڑے۔ بہت سے لوگ بغیر ٹکٹ کے بھی اندر گھس پڑے۔ اسمبلی کی وہ شاندار عمارت جس میں اب تک صاف ستھرے رئیس آدمی مونڈھوں پر بیٹھ کر آتے اور تمیز اور سلیقہ سے اپنی اپنی جگہ پر بیٹھ جاتے ایک بے ہنگم بھیڑ سے ایسی بھر گئی تھی کہ کھوے سے کھوا چھلتا تھا۔ جو سو دو سو سفید پوش بڑی ہمت کر کے اور ناک بھویں چڑھا کر اس مجمع کو چیر کر اندر آ گئے تھے انکو کہیں بیٹھنے کی جگہ نہیں ملتی تھی۔ یہ لوگ کونوں میں کھڑے اپنے لباسوں کی شکنوں کو حسرت سے دیکھتے اور تہذیب و شائستگی کا ماتم کرتے اور اس بے تمیز مجمع کو دل ہی دل میں کوستے تھے لیکن گیلریوں اور راستوں میں لگے ہوئے سنگ مرمر کے بتوں کی طرح یہ بھی دم بخود تھے۔

باہر سڑک پر اور میدان میں جو کیفیت تھی اسکی تصویر لفظوں میں کھینچنی آسان نہیں۔ معلوم ہوتا تھا کہ انسانوں کا ایک سمندر لہریں مارتا ہوا بڑھتا آتا ہے۔ باوجود اسکے کہ موسم بہت خراب تھا اور رہ رہ کر بارش ہوتی تھی، لوگوں کی تعداد میں کوئی کمی نہیں ہوئی تھی۔ اس مجمع میں سب سے زیادہ نمایاں کئی ہزار کسانوں کی ایک جماعت تھی جو ترنگے جھنڈے لئے ہوئے آس پاس کے دیہاتوں سے اپنی قوت اور یکجہتی کا مظاہرہ کرنے اس موقع پر اکٹھا ہو گئی تھی۔ کانگرس کے نوجوان کارکن ان لوگوں میں انکے حقوق اور انکی طاقت کا احساس پیدا کرنے کے لئے دھواں دھار تقریریں کر رہے تھے اور سارا مجمع انقلابی نعروں سے گونج اٹھتا تھا۔

کانگرس کے وزارتیں قبول کرنے سے چاہے اور کوئی فائدہ ہوا یا نہ ہو لیکن اتنا تو ضرور ہوا کہ اس ملک کے عوام کو اس بات کا احساس ہو گیا کہ اگر وہ چاہیں اور اسکے لئے کوشش کریں تو حکومت اُن کی ہو سکتی ہے۔ جس عمارت کے پاس پھٹکنے کی انکو ہمت نہ ہوتی تھی اسکے سامنے جمع ہو کر اتنا بڑا مظاہرہ انھوں نے کیا اور اس کے بعد یہ اثر لیکر اپنے گھروں کو لوٹے کہ حاکموں اور زمینداروں کی سختیاں اگر وہ خود برداشت نہ کرنا چاہیں تو ایک دن بھی جاری نہیں رہ سکتیں۔ عوام کو اگر اپنی قوت کا صحیح طور پر احساس پیدا ہو جائے تو انقلاب کو کوئی طاقت نہیں روک سکتی۔ موجودہ نظام اسی وقت تک قائم ہے جب تک عوام اپنی طاقت سے بے خبر ہیں۔

اسمبلی کے اجلاس کا پہلا دن تو وفاداری کی قسموں میں گزر گیا اور دوسرا دن صدر وغیرہ کے انتخاب میں۔ آخری دو دنوں میں البتہ کچھ کام ہوا۔ ۲ راگست کو وزیر اعظم نے جو بیان اسمبلی کے سامنے دیا اس سے ان کی گورنمنٹ کا پروگرام ظاہر ہوتا ہے۔ سب سے پہلے تو انھوں نے یہ بات صاف کی کہ کانگرس کا مقصد مکمل آزادی ہے۔ موجودہ دستور کو وہ کسی طرح منظور نہیں کر سکتی۔ کانگرس تو صرف اسی دستور کو قبول کر سکتی ہے جو اس ملک کے باشندوں کا بنایا ہوا ہو۔ اس لئے یہ بالکل ظاہر ہے کہ کانگرس کی جو جماعت قانون ساز مجلسوں میں داخل ہوئی ہے اس کا مقصد یہ ہرگز نہیں ہو سکتا کہ موجودہ دستور کی بنیادیں مضبوط کرنے میں مدد دے۔ بلکہ اس کا کام تو یہ ہوگا کہ اس کی پوری مخالفت کرے۔ کانگرس نے جو وزارتیں قبول کی ہیں تو اس کا مقصد یہ ہے کہ اپنے پروگرام کو جہاں تک موجودہ حالات میں ممکن ہے، کامیاب بنائے۔ اس سلسلے میں سب سے اہم وہ تجویز ہے جو کراچی کی کانگرس میں بنیادی حقوق کے بارے میں منظور ہوئی تھی جس کی رو سے ہر شہری کو حق ہے کہ وہ آزادی سے اپنے خیالات کا اظہار کرے، اپنے مقصد کے لئے انجمنیں قائم کرے اور اپنے ضمیر و مذہب کے احکام پر آزادی سے عمل کرے بشرطیکہ یہ عمل عام مفاد اور اخلاق کے خلاف نہ ہو۔ اس تجویز میں اقلیتوں کی زبان اور تمدن کی ضمانت بھی موجود ہے اور یہ بھی یقین دلایا گیا ہے کہ کانگرس کی نظر میں ہر شہری برابر ہے۔

اسکے بعد وزیر اعظم نے یہ کہا کہ ان کی اور انکے ساتھیوں کی یہ خواہش ہے کہ تمام فرقوں میں اتحاد قائم رہے اور وہ اس بات کی پوری کوشش کرینگے کہ کسی قسم کا فرقہ وارانہ جھگڑا نہ پیدا ہونے پائے۔ اس معاملے میں وہ کسی قسم کی رعایت کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ اسکے بعد انھوں نے ان احکامات کا ذکر کیا جو گورنمنٹ اب تک جاری کر چکی ہے۔ اس سلسلے میں انھوں نے قیدیوں کی رہائی اور سیاسی انجمنوں پر سے جو پہلے غیر قانونی قرار دی گئی تھیں پابندی اُٹھا دیئے جانیکا بھی ذکر کیا اور کانپور کے مزدوروں کی ہڑتال اور مزدوروں اور کارخانوں کے مالکوں کے باہمی تعلقات کی چھان بین کے لئے ایک خاص افسر کے تقرر کی اطلاع بھی دی۔ قید خانوں، اور آنریری مجسٹریٹوں، میونسپلٹیوں، ڈسٹرکٹ بورڈوں اور آبکاری کے محکمے میں اصلاح کی ضرورت بیان کرنے کے بعد انھوں نے بہت تفصیل سے کاشتکاروں کی مصیبتوں کا ذکر کیا اور یہ کہا کہ گورنمنٹ جلد سے جلد ان کی حالت سدھارنے کیلئے کوشش کرے گی۔ اس مسئلہ پر غور کرنے کے لئے ان کی رائے ہے کہ دو کمیٹیاں مقرر کر دی جائیں جو اس سال کے آخر تک تفصیلی رپورٹ پیش کریں۔ اس درمیان میں جو کارروائی لگان کے بڑھانے یا بے دخلی وغیرہ کی جاری ہے اُس کو روک دینے کے لئے احکام صادر کرنیکا ارادہ بھی انھوں نے ظاہر کیا۔ آخر میں انھوں نے اسمبلی کے تمام ممبروں سے درخواست کی کہ پارٹیوں کی تفریق کا لحاظ کئے بغیر کسانوں اور مزدوروں کی حالت سدھارنے میں پوری پوری مدد کریں۔

اس بیان پر ۴ راگست کو عام بحث ہوئی۔ اس بحث میں سب سے دلچسپ بات یہ تھی کہ زمیندار جماعت کے ممبروں نے جو اپنے اقتدار کے زمانے میں سخت رجعت پسندی کا ثبوت دے چکے ہیں کانگرس کی وزارت کے اس پروگرام پر یہ اعتراض کیا کہ یہ بہت نرم ہے۔ ایک صاحب نے تو یہ ترمیم بھی پیش کی کہ مزدوروں کے لئے مزدوری کی ایسی شرح مقرر کر دی جائے جو ان کے گزارے کے لئے کافی ہو۔ جب ان کو یہ بتایا گیا کہ اس سے کارخانے کے مالکوں کی آمدنی گھٹ جائے گی تو انھوں نے گھبرا کر یہ تجویز واپس لے لی۔ کافی بحث کے بعد وزیر اعظم کے بیان کو اسمبلی نے منظور کیا اور پہلا اجلاس ختم ہوا۔

کانگرس نے وزارتیں قبول کر کے ایک نئے میدان میں قدم رکھا ہے۔ نئے دستور کے ماتحت کوئی ایسا کام نہیں ہو سکتا جس میں ملک کی مستقل بھلائی کی صورت نکلے۔ معمولی اصلاحوں کی راہ میں بھی طرح طرح کی رکاوٹیں پیدا ہوں گی۔ سب سے پہلی رکاوٹ تو یجسلیٹو کاونسل ہی ہے جو ہر اصلاحی تجویز کو کھٹائی میں ڈالنے کے لئے بنائی گئی ہے۔ باوجود ان دشواریوں کے اگر کسانوں اور مزدوروں کی حالت کچھ بھی سدھر گئی تو اسکا اس بات کا احساس ہو گیا کہ عالم اصل میں وہی لوگ ہیں جن کی ترگیا تو انکے نمائندے ہیں انکے عوام تو کانگرس کا وزارت قبول کرنا ملک کیلئے

# کانگریس کی وزارتیں

(سجاد ظہیر)

ہندوستان کے چھ صوبوں میں کانگریس کی وزارتیں قائم ہوگئیں اور اب کانگریس کے عہدے قبول کرنے یا نہ کرنے کی بحث ختم ہوگئی۔

ہمیں سمجھ لینا چاہئے کہ وزارتیں کن حالات میں قبول کی گئی ہیں۔

جب سے کہ برطانوی سامراج نے موجودہ دستور اساسی کی تکمیل دی ہے کانگریس کا یہ دعویٰ رہا ہے کہ وہ اپنی پوری کوشش اس غلامی اور غریبی قائم رکھنے والے دستور کا یکسر خاتمہ کرنے میں صرف کردے گی۔

کانگریس نے بارہا یہ کہا ہے کہ یہ دستور برطانوی شہنشاہیت اور ہندوستانی جاگیرداری نظام کے درمیان ایک ناپاک سمجھوتہ ہے جس کا مقصد ہندوستان پر غیر ملکی تسلط اور اقتصادی دست برد کو بدستور جاری رکھنا ہے۔ کانگریس کا دعویٰ ہے کہ وہ کسی دوسری قوم کے اس حق کو تسلیم نہیں کرتی کہ وہ ہندوستان کا دستور اساسی بنائے اور بغیر اہل ہند کی مرضی کے زبردستی اپنا بنایا ہوا قانون ہمارے اوپر لاد دے۔

کانگریس نے بار بار اپنی تجویزوں میں اس بات کو دہرایا ہے کہ ہم اسی دستور کو مانیں گے جسے ہندوستان کے تمام بالغ لوگ ایک مجلس دستور ساز (کانسٹی ٹیونٹ اسمبلی) کے ذریعہ خود بنائیں گے۔

بہرحال موجودہ غلامی کے کانسٹی ٹیوشن کی بلا کو جلد سے جلد اپنے سر سے ٹالنا اور اس کو توڑنا کانگریس کی پالیسی کا ایک اہم جزو ہے۔ بغیر اس کانسٹی ٹیوشن کا خاتمہ کئے ہوئے ہم آزادی کی طرف نہیں بڑھ سکتے۔ بغیر اس شہنشاہیت کے شکنجے کو توڑے ہوئے ہم ہندوستان میں جمہوری نظامِ حکومت نہیں قائم کر سکتے۔

نئے کانسٹی ٹیوشن کو چلانا نہیں (جیسا کہ مسلم لیگ اور لبرل اور دوسرے غیر کانگریسی کہتے ہیں) بلکہ اس کو توڑنا یہ کانگریس کا فرض ہے۔ ہر کانگریسی کو اس پر اتفاق ہے۔ نئے دستور کو ختم کرنے کا بہترین طریقہ کیا ہے اسکے بارے میں کانگریس میں اختلاف رائے ہے۔ ایک جماعت وزارتیں قبول کرکے اس کام کو سرانجام دینا چاہتی تھی۔ دوسری جماعت جس میں زیادہ تر سوشلسٹ تھے، عہدے قبول کرنے کے خلاف تھی۔ میری رائے میں اس اختلاف کا اصلی سبب یہ ہے کہ وہ کانگریسی جو وزارتیں قبول کرنا چاہتے ہیں یہ سمجھتے ہیں کہ وہ انگریزی سامراج سے بات چیت، دھمکی اور زیادہ سے زیادہ سول نافرمانی کے دباؤ سے آزادی حاصل کر سکتے ہیں۔ مہاتما گاندھی نے صاف طور پر فرمایا ہے کہ یہ کانسٹی ٹیوشن بُرا سہی لیکن ہم اس کی حیثیت بدل سکتے ہیں۔ راجگوپال آچاری صاحب نے کہا ہے کہ وہ اس بات کی کوشش کریں گے کہ گورنر کے اور کانگریسی وزارت کے درمیان جہانتک ممکن ہو جھگڑا نہ ہو۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ ذہنیت اصلاح پسند (رفارمسٹ) ذہنیت ہے۔ ان حضرات کا اور ان کے ساتھیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ ہندوستان کو آزادی دلانے کا اسکے علاوہ اور کوئی طریقہ نہیں۔

دوسری طرف سوشلسٹ جماعت کے لوگ ہیں یا وہ لوگ ہیں جو سوشلسٹ تو نہیں ہیں لیکن یہ سمجھتے ہیں کہ ہندوستان کی پینتیس کروڑ مخلوق کی نجات صرف ایک ایسے انقلاب کے ذریعہ سے ہو سکتی ہے جو برطانوی استعمار اور ہندوستانی جاگیرداری نظام دونوں کا بیک وقت خاتمہ کردے۔ موجودہ حالات میں یہ لوگ اس بات پر زور دیتے ہیں کہ جہانتک ممکن ہو ہمیں عوام کی طاقت کو بڑھانا چاہئے۔ ہمیں ہندوستان کے کارخانے کے مزدوروں، کسانوں، کاریگروں، دفتروں میں کام کرنے والوں، چھوٹے دوکانداروں، طالبعلموں، الغرض تمام اُن گروہوں کو جو آج غریبی اور بیروزگاری کا شکار ہیں، اُن کے حقوق کا احساس دلا کر اس بات پر آمادہ کرنا چاہئے کہ وہ منظم ہوکر اپنے حقوق کے لئے لڑیں، مزدور اپنی مزدور سبھائیں اور ٹریڈ یونین قائم کریں، زیادہ سے زیادہ تعداد میں ان میں شریک ہوں اور پھر اپنے مطالبات کو حاصل کرنے کی متحدہ طور پر کوشش کریں۔ آج کارخانے کے مالک اُن کی مزدوریاں گھٹا رہے ہیں، یا اُن کو اتنی کم مزدوری دیتے ہیں کہ جس میں ان کی اور اُن کے بال بچّوں کی پرورش ہونا ممکن نہیں۔ ذرا ذرا سی بات پر بے قصور مزدور کارخانے سے برخاست کر دئے جاتے ہیں، ان کے ساتھ سختی کا سلوک کیا جاتا ہے، اُن سے بہت زیادہ دیر تک کام لیا جاتا ہے۔ اُن کو اپنی سبھائیں اور ٹریڈ یونین قائم کرنے میں ہزاروں مشکلوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے، ان کے لیڈر ذرا سے بہانے پر جیلوں میں بھر دئے جاتے ہیں اسکے علاوہ اور بھی طرح طرح کی تکلیفوں کا روزان کو سامنا کرنا ہوتا ہے۔ اس قسم کے ابتدائی حقوق جو جمہوری ممالک میں مزدوروں نے حاصل کر لئے ہیں وہ ہندوستان کے مزدوروں کو حاصل نہیں۔ ان حقوق کو حاصل کرنے کے لئے مزدور طبقہ کا منظم ہوکر جد و جہد کرنا نہ صرف مزدوروں کے لئے فائدہ مند ہے، بلکہ اس تنظیم سے ہندوستان کی سامراج دشمن طاقتوں کا سب سے زیادہ اہم پہلو مضبوط ہوگا۔

اسی طرح سے کسانوں کا معاملہ ہے۔ آج کونسی آفت ہے جو کسانوں پر نہیں نازل ہو رہی ہے؟ قرض اور سود خواری، بیدخلی، لگان کی زیادتی، بیگاری اور بیگار، نذرانہ اور زمینداروں اور ان کے ضلعداروں وغیرہ کے ناجائز مطالبات، پولیس کی زیادتیاں اور پھولس، ان تمام چیزوں کے خلاف کسان آج جد و جہد کرنے کے لئے آمادہ ہیں۔ ہمارے صوبہ کی ہر کسان کانفرنس میں (اور حال میں صوبہ بہار میں بھی) کسانوں نے بار بار زمینداری نظام کو بالکل ختم کر دینے کے رزولیوشن پاس کئے ہیں۔ اس صوبہ کا ہر سیاسی کام کرنے والا جو دیہاتوں میں گیا ہے، جانتا ہے کہ آج کل کسانوں میں سخت بے چینی اور ہلچل ہے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی حالت اب یہاں تک پہونچ گئی ہے کہ زیادہ دیر تک وہ اپنے مصائب کا بار نہیں اٹھا سکتے۔ ان کے اُس گہرے اضطراب کو ایسے راستہ پر لگانا جس سے کہ ان کے ہاتھ مضبوط ہوں جس سے ان میں اپنی طاقت کا احساس پیدا ہو جس سے وہ سمجھ سکیں کہ ان کی موجودہ غربت اور تکلیف کا سبب دراصل برطانوی شہنشاہیت اور زمینداری نظام ہے (جو کہ ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں) یہ آج ہمارا سب سے پہلا فرض ہے۔ کسان سبھائیں اور کانگریس کمیٹیاں قائم کرکے ہر ہر گاؤں میں ہم کسانوں کی طاقت کو منظم کر سکتے ہیں، اور اس منظم طاقت کے ذریعہ سے ہم کسانوں کے بہت سے مطالبات

گورنمنٹ اور زمینداروں سے فوراً حاصل کرسکتے ہیں۔

یونہی شہروں کے متوسط طبقہ کے بے روزگاروں کا مسئلہ ہے، طالبعلموں اور نوجوانوں کے ایسوسی ایشن قائم کرنے اور ان کو فرقہ پرستی کی مہلک راہوں سے ہٹا کر ایسے راستے پر لگانا جس میں وہ یہ سمجھنے لگیں کہ بیروزگاری کی اسوجہ سے نہیں ہے کہ ہندو افسر ہندوؤں کو نوکریاں دیدیتے ہیں اور مسلمان افسر مسلمانوں کے ساتھ رعایت کرتے ہیں۔ بلکہ اس کا اصلی سبب یہ ہے کہ ہم سب ایسے مجہول نظام کے ماتحت ہیں جو ہمارے سکڑوں باشعور اور محنتی نوجوانوں کو نوکری دینے سے قاصر ہے اور اس لئے اس نظام کا خاتمہ کرنے کیلئے ہم سب کو خواہ وہ مسلمان ہوں یا ہندو مل کر کوشش کرنا چاہئے۔

غرضکہ جتنی بھی منظلوم اور بیکس ہوئی جماعتیں آج کل ہندوستان میں ہیں ہم چاہتے ہیں کہ وہ اپنے حقوق کو حاصل کرنے کے لئے جدوجہد کریں اور اس طرح سے اپنی تنظیم کریں۔ اس جدوجہد کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ ان میں نہ صرف سیاسی بیداری پیدا ہوگی۔ نہ صرف اس بات کا احساس پیدا ہوگا کہ ان کی نجات اس وقت تک ممکن نہیں جب تک کہ برطانوی شہنشاہیت ہمارے ملک سے اکھاڑ کر پھینک نہ دیجائے بلکہ ان میں انقلابی ذہنیت اور انقلابی طرز عمل کی قابلیت بھی پیدا ہوگی

انقلابی طریقہ عمل کا خاص عنصر کیا ہے؟ وہ یہ ہے کہ عوام کے ہاتھوں میں عمل کی باگ ڈور ہو، عوام براہ راست اپنے عمل سے مقابلہ کوشش اور جدوجہد کرکے اپنے مخالفوں کو مجبور کریں کہ اپنے حقوق حاصل کریں۔ ان کے سر پر دوسرے زحمت کی بارش نہ ہو بلکہ وہ خود آسمان استبداد پر حملہ کرکے اپنے ہاتھ سے اپنی محنت کا پھل توڑیں۔

آج جب کہ کانگریس نے عہدے قبول کر لئے ہیں اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ ہم عوام کو غافل نہ ہونے دیں، ہم انہیں بار بار کانگریس کی وہ رزولیوشن یاد دلاتے رہیں جن میں ان کے مطالبات کا اعادہ کیا گیا ہے، اور عملی طور پر یہ ثابت کرتے رہیں کہ اسمبلی اور کونسلوں کے باہر کی جدوجہد ہماری آزادی کی اصلی جدوجہد ہے اور ہمارے جو ساتھی (وزرا اور دوسرے اسمبلی اور کونسل کے ممبرا) کونسلوں کے اندر ہیں انکا سب سے پہلا فرض یہ ہے کہ ہماری اسمبلی کے باہر کی طاقت کو مضبوط کریں۔

ہم جانتے ہیں کہ موجودہ کانسٹی ٹیوشن کے ماتحت ہندوستان کی غریبی اور غلامی گھٹے گی نہیں بلکہ بڑھیگی۔ کانگریس کے وزارت قبول کرنے سے ہمیں سوراج نہیں ملگیا اور یہ جھوٹ ہے کہ کانگریس کی "گورنمنٹ" ہوگئی۔ جب تک کہ ہندوستان میں انگریزی فوجوں کا ڈیرا ہے اور جب تک ہندوستان کی اقتصادی زندگی برطانوی سرمایہ داری کے آہنی پنجے میں اسیر ہے، اسوقت تک اس قسم کی باتیں کرنا خطرناک خود فریبی ہے۔

عوام کی طاقت اور انکے دباؤ سے ہمیں غیر ملکی شہنشاہیت سے اپنے بہت سے حقوق حاصل کرنے ہیں، اسلئے ہمیں کانگریس وزارتوں سے اس بات کی توقع ضرور ہے کہ وہ کم از کم عوام کے ان ابتدائی حقوق کو حاصل کرنے کی ضرور کوشش کریںگی جن کا کانگریس کے الکشن مینیفسٹو میں وعدہ کیا گیا ہے۔

کانگریس کے وزارت قبول کرنے پر ہماری نظریں اسمبلی کے ایوانوں کیطرف نہیں اٹھی رہنی چاہئے۔ ہماری جگہ ہندوستان کے غریبوں کے یہاں ہے۔ ہمارا کام ان کے مستقل اداروں (مزدور سبھا) کو قائم کرنا اور ان کو مضبوط بنانا ہے، ہمارا کام ان کی روزمرہ کی شکایتوں کی بنا پر ان کو منظم کرکے ان میں انقلابی روح پھونکنا ہے، ہمارا کام کانگریس کمیٹیوں کو مضبوط بنا کر اور ستائے ہوئے غریب گروہ کو کانگریس کے پلیٹ فارم پر جمع کرکے ایک استعمار دشمن متحدہ محاذ قائم کرنا ہے۔ ہمارا کام عوام میں اپنے عمل پر بھروسا پیدا کرنا ہے اور اپنے پیر پر کھڑے ہو کر حریف کا مقابلہ کرنا سکھانا ہے، ہمارا کام انکے دوش بدوش ہو کر لڑنا ہے۔

یہی راستے بڑھتے بڑھتے شاہراہ انقلاب بن جائیں گے، وہ شاہراہ جس کی منزل مکمل آزادی ہے۔

# بندیلکھنڈ کا ضمنی انتخاب

(محمد اشرف)

بندیلکھنڈ کے ضمنی انتخاب میں ہم ہار گئے مگر ہماری جدوجہد ابھی ختم نہیں ہوئی۔ آئندہ ایسی صورتیں پھر آئیں گی کہ ہم انتخاب میں مسلم لیگ یا دوسری فرقہ وارانہ مسلم جماعتوں سے مقابلہ کریں۔ عجب نہیں کہ ہمیں دوبارہ پھر شکست کا سامنا کرنا پڑے لیکن اگر یہ صورت مستقل ہوگئی تو میرا خیال ہے کہ ہندستان کے مسلمانوں میں سیاسی زندگی یا سیاسی اور اقتصادی حقوق کا احساس پیدا کرنا ناممکن ہو جائے گا۔ جس کی ذمہ داری تمام تر ان جماعتوں اور مسلمان لیڈروں پر ہوگی جو مسلمانوں کے نام پر آج زندہ ہیں۔ اسکے متعلق کسیقدر تفصیلی طور پر آئندہ اشاعت میں لکھوں گا مگر اس وقت اس انتخاب کے بعض پہلوؤں پر سرسری طور سے اشارہ کرنا ضروری ہے۔

جہاں تک مجھے علم ہے مسلم لیگ کے ذمہ دار لیڈروں نے اپنے تحریروں یا تقریروں میں کہیں کوئی اشارہ سیاسی پروگرام یا عام مسلمانوں کے اقتصادی مطالبات کی طرف نہیں کیا۔ یہ سمجھ میں آسکتا تھا کہ پرانے انتخابات کے ڈھنگ پر امیدوار کے اوصاف اور اہلیت پر زور دیا جاتا مگر یہ صورت بھی نہ تھی۔ مسلم لیگ کی ساری منطق یہ تھی کہ مسلمانان ہندستان کے مذہبی اور تمدنی حقوق کی واحد محافظ مسلم لیگ نے مسٹر رفیع الدین کو اور ہندوؤں اور انکے خواہ داروں (یعنی کانگریسیوں) نے مسٹر شیروانی کو کھڑا کیا ہے اور خدا نخواستہ اگر کانگریس کا امیدوار کامیاب ہوگیا تو قرآن مسلمانوں کی زبان ان کے رسوم و رواج اور خصوصی روایات کے یکلخت مٹ جانے کا ڈر ہے۔ ظاہر ہے کہ اس خطرہ کی تاب کوئی مسلمان رائے دہندہ نہیں لاسکتا خصوصاً ایسی حالت میں کہ بیشتر رائے دہندہ علم اور سیاسی احساس سے نسبتاً محروم ہوں اور زندگی میں پہلی بار ایک سیاسی جماعت کا پروگرام ان کے سامنے پیش کیا جائے۔

مولانا شوکت علی کے جذبہ دینی کا مظاہرہ قابل ذکر ہے۔ پولنگ کے دن موصوف کلام پاک ہاتھ میں لئے بیٹھے تھے اور بار بار فرماتے تھے کہ مجھے اسکے مٹ جانے کا ڈر ہے، اور صرف یہی سوال اس الکشن میں درپیش ہے۔ یہ واقعہ ہے کہ ہارے جانے سے پہلے مولانا موصوف مسٹر رفیع الدین اپنے امیدوار کی برادری کے جلد ووٹرں کو قصبہ مودہا میں جمع کرکے اور قبلہ رو کھڑا کرکے کلام اللہ پر عہد لے چکے تھے کہ وہ کسی حال میں کانگریسی بندوں اور دشمنان دین کی بات نہ سنیں گے۔ اللہ کے نیک اور سادے بندوں نے عہد شکنی کے خوف سے لرز کر اور عذاب الٰہی سے ڈر کر اس عہد کا پورا پورا اتباع کیا اور ملت اور دین کی آبرو رکھ لی اور مسلم لیگ کے احباب کو یہ معلوم کرکے بڑی مسرت ہوئی ہوگی کہ اس مقام کا کوئی رائے دہندہ کسی کانگریسی کے جلسہ میں نہیں آیا۔ اس زمرہ میں مولانا حسین احمد، مولانا عبدالحلیم، مولانا حفظ الرحمن، مولانا نورالدین بہاری، پنڈت جواہرلال، خان عبدالغفار خاں سبھی شامل ہیں۔

یہ دو مثالیں اس وقت مسلم لیگ کی کامیابی اور ہماری ناکامی کا پتہ دینے کے لئے کافی ہیں۔

اب جبکہ الیکشن ختم ہوچکا ہے اور مسلم لیگ کی کامیابی پر مسٹر جناح اور جملہ مسلم لیڈر اپنی مسرت کا اظہار کرچکے ہیں، ہر ایک مسلمان اور ہندستانی کے لئے سوچنے کا موقع ہے کہ کیا ان حالات میں ہم کوئی سیاسی ترقی کرسکتے ہیں۔ اب چونکہ مولانا شوکت علی اور مسٹر جناح ملک کے مسلمانوں اور جملہ مسلمان جماعتوں کا ایک زبردست متحدہ محاذ قائم کرنا چاہتے ہیں اور مسلم لیگ کے آئندہ سالانہ اجلاس میں یہ پروگرام رکھنا چاہتے ہیں ہر ایک مسلمان کو فیصلہ کرنا چاہئے کہ ہمارے مذہبی جذبات اور نازک حسیات سے کب تک اس تاجرانہ انداز سے کھیلا جائے گا اور مسلمانان ہند اپنی تباہی میں کہاں جاکر دم لینگے

# اندھیری رات کا مُسافِر

(اسرار الحق مجاز)

جوانی کی اندھیری رات ہے ظلمت کا طوفاں ہے
مری راہوں سے نورِ ماہ و انجم تک گریزاں ہے
خدا سویا ہوا ہے، اہرمن محشر بداماں ہے
مگر میں اپنی منزل کی طرف بڑھتا ہی جاتا ہوں

افق پر زندگی کے لشکرِ ظلمت کا ڈیرا ہے
حوادث کے قیامت خیز طوفانوں نے گھیرا ہے
جہاں تک دیکھ سکتا ہوں، اندھیرا ہی اندھیرا ہے
مگر میں اپنی منزل کیطرف بڑھتا ہی جاتا ہوں

تلاطم خیز دریا، آگ کے میدان حائل ہیں
گرجتی آندھیاں، بپھرے ہوئے طوفان حائل ہیں
تباہی کے فرشتے، جبر کے شیطان حائل ہیں
مگر میں اپنی منزل کیطرف بڑھتا ہی جاتا ہوں

چراغِ دیر، فانوسِ حرم، قندیلِ رہبانی
یہ سب ہیں مدتوں سے بے نیازِ نورِ عرفانی
نہ ناقوسِ برہمن ہے نہ آہنگِ حدی خوانی
مگر میں اپنی منزل کی طرف بڑھتا ہی جاتا ہوں

زمیں چیں بر جبیں ہے آسماں تخریب پر مائل
رفیقانِ سفر میں کوئی بسمل ہے کوئی گھائل
تعاقب میں لٹیرے ہیں، چٹانیں راہ میں حائل
مگر میں اپنی منزل کی طرف بڑھتا ہی جاتا ہوں

فضا میں شعلہ افشاں دیو استبداد کا خنجر
مذاہب کی سنانیں، اہلِ زر کے خوں چکاں تیور
فریبِ بے خودی دیتے ہوئے بلور کے ساغر
مگر میں اپنی منزل کی طرف بڑھتا ہی جاتا ہوں

بدی پر بارشِ لطف و کرم نیکی پہ تعزیریں
جوانی کے حسیں خوابوں کی ہیبت ناک تعبیریں
نکیلی تیز سنگینیں ہیں خوں آشام شمشیریں
مگر میں اپنی منزل کی طرف بڑھتا ہی جاتا ہوں

حکومت کے مظاہر جنگ کے پرہول نقشے ہیں
کدالوں کے مقابل، توپ بندوقیں ہیں نیزے ہیں
سلاسل تازیانے بیڑیاں پھانسی کے تختے ہیں
مگر میں اپنی منزل کی طرف بڑھتا ہی جاتا ہوں

افق پر جنگ کا خونیں ستارہ جگمگاتا ہے
ہر اک جھونکا ہوا کا موت کا پیغام لاتا ہے
گھٹا کی گھن گرج سے قلبِ گیتی کانپ جاتا ہے
مگر میں اپنی منزل کی طرف بڑھتا ہی جاتا ہوں

فنا کے آہنی وحشت اثر قدموں کی آہٹ ہے
دھوئیں کی بدلیاں ہیں گولیوں کی سنسناہٹ ہے
اجل کے قہقہے ہیں زلزلوں کی گڑگڑاہٹ ہے
مگر میں اپنی منزل کیطرف بڑھتا ہی جاتا ہوں

فضا میں موت کے تاریک سائے تھرتھراتے ہیں
ہوا کے سرد جھونکے قلب پر خنجر چلاتے ہیں
گذشتہ عشرتوں کے خواب آئینہ دکھاتے ہیں
مگر میں اپنی منزل کی طرف بڑھتا ہی جاتا ہوں

یہیں زعمِ خودی اکثر قدم تھرا ہی جاتا ہے
کسی کے نازنیں ہاتھوں میں دامن آہی جاتا ہے
کوئی غمگیں تبسم روح کو تڑپا ہی جاتا ہے
مگر میں اپنی منزل کی طرف بڑھتا ہی جاتا ہوں

# سوشلزم اور فاسزم

مشینوں کی ایجاد سے پہلے انسان کو کھانا کپڑا اور دوسری ضروریات زندگی حاصل کرنے کے لئے بڑی کوششیں کرنا پڑتی تھیں۔ اناج اور کپڑا اتنا کافی نہ تھا کہ آسانی سے مل سکے۔ رسائل نقل و حرکت ایسے تھے کہ ایک جگہ کا سامان دوسری جگہ لیجانا بہت مشکل تھا۔ ایسے میں اگر قحط پڑتا تو وہاں غلہ پہونچانے کی کوئی صورت نہ تھی۔ چاہے بنگال میں غلہ کی کثرت ہی کیوں نہ ہو۔ لیکن اب مشینوں نے نقل و حرکت میں بھی بہت آسانیاں پیدا کر دی ہیں۔ اسٹریلیا۔ اور کناڈا سے بھی گیہوں بآسانی اڑلیسہ میں لایا جا سکتا ہے۔ پیداوار اتنی بڑھا دی ہے کہ ہم اندازہ نہیں لگا سکتے کہ اگر مشینوں سے پورا پورا کام لیا جائے تو اناج، کپڑا اور دوسری ضروریات زندگی کی کتنی کثرت ہو جائیگی۔ روس نے چند سال اسکا تجربہ کیا تو معلوم ہوا کہ جلد ہی اتنی پیداوار ہو سکتی ہے کہ دنیا کی آبادی کے خرچ کئے خرچ نہ ہو۔ موجودہ زمانہ میں ملوں، اور کھیتوں پر جن میں مشینیں کام کرتی ہیں ایسی پابندیاں عائد کر دی جاتی ہیں کہ وہ ایک خاص مقدار سے زیادہ سامان نہ تیار کر سکیں، ورنہ جب چیزیں ضرورت سے زیادہ ہوں گی تو بازار کا نرخ گر جائے گا۔ اور مل کے مالکوں کو بجائے فائدہ کے نقصان ہوگا جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ کچھ ملیں بند ہو جائیں گی۔ سرمایہ داروں اور مزدوروں کی ایک تعداد بیکار ہو جائے گی۔ لوگوں کے پاس روپیہ کم ہو جائیگا جس سے بکری اور گھٹ جائے گی۔ اس طرح ملک کو سخت نقصان پہونچے گا۔

مشینوں نے جو اثر سماج پر ڈالا وہ بہت اہم ہے۔

ا۔ اس اثر کو سمجھنے کے لئے بہتر ہے کہ ہم مثال میں انگلستان کو لے لیں۔ دو صدی پہلے انگلستان زراعتی ملک تھا۔ یہاں بھیڑیں بھی پالی جاتی تھیں۔ جنکے اون کا کپڑا تیار ہوتا تھا۔ گویا کہ یہاں کے عام باشندوں کے دو پیشے تھے۔ یا تو زراعت کرتے، اور بھیڑیں پالتے، یا چرخہ اور کرگہ چلاتے۔ کپڑے کے چھوٹے چھوٹے کارخانے تھے جہاں ۲۰ - ۲۵ مزدور کام کیا کرتے تھے۔

## مشینوں نے انسان کو دو جماعتوں میں تقسیم کر دیا

اسی دوران میں مشینوں کی ایجاد ہوئی۔ ایک مشین جو پانچ سو آدمیوں کی امداد سے چلتی تھی وہ کام کرتی تھی پچاس ہزار آدمیوں کے برابر۔ اس طرح اس نے ۴۹۵۰۰ آدمیوں کو بیکار کر دیا۔ رفتہ رفتہ مشینوں نے تمام کرگھوں کی جگہ لے لی۔ اور کپڑا افراط سے تیار ہونے لگا۔ جسکے تبادلہ میں اناج اور دوسری ضروریات باہر سے آنے لگیں۔ اس طرح کاشتکاروں کی بھی بہت بڑی جماعت بیکار ہو گئی۔ چھوٹے کارخانہ والوں اور زمینداروں میں چند آدمی تو ایسے خوش قسمت تھے جو مل کے مالک بن بیٹھے۔ ورنہ سب بیچارے مزدوروں کے گروہ میں مل کر ملوں میں نوکری کی تلاش میں مارے مارے گھومنے لگے۔ انتہائی بے بسی میں یہ لوگ مشینوں کو کوستے اور موقع ملتا تو ان کو توڑنے کی کوششیں کرتے۔ انکے نزدیک یہ تباہ کن چیزیں شیطان نے ان لوگوں کی خوشحالی چھین لینے کے لئے بنائی تھیں۔

اسکے برخلاف مل کے مالکوں کا خیال تھا کہ مشینیں رحمت خداوندی کا ایک کرشمہ ہے جو ان لوگوں کی خوشحالی بڑھانے کے لئے تیار کی گئی ہے۔ اسطرح ملک دو حصوں میں بٹ گیا۔ مالکوں، اور مزدوروں میں۔ مالکوں کی دولت دن دونی اور رات چوگنی تھی۔ اور مزدوروں کی غریبی اور ناداری کی کوئی حد نہ تھی۔

## بازار ملک، اور سرمایہ دار ملک

انگلستان کو ہندوستان ملگیا۔ اسکا سامان یہاں آ کر بکنے لگا۔ وہاں اور زیادہ مشینوں کی ضرورت ہوئی۔ نئی مشینیں کھلنے سے انگلستان کے بیکار مزدوروں کی اچھی خاصی جماعت برسرکار ہو گئی۔ لیکن ان لوگوں کے برسرکار ہونے کا خمیازہ ہندوستان کو بھگتنا پڑا۔ ۲۵ - ۳۰ سال کے اندر ہی اندر یہاں کی ملکی صنعتیں ختم ہونے لگیں۔ لوگ روزگار کی تلاش میں بیکار گھومنے لگے۔ روزگار ملتا تو کہاں ملتا۔ ہندوستان میں تو بنا بنایا مال آ کر بکتا تھا۔ اس طرح ہندوستان اور انگلستان ایک ملک بنگیا۔ جس کے سرمایہ دار انگلستان میں رہتے ہیں۔ اور مزدور یا صحیح لفظوں میں محروم ہندوستان میں۔

یہی حال ساری دنیا کا ہو گیا ہے۔ چین، برما، افریقہ بازار بنگئے ہیں۔ اور انگلستان، فرانس، جرمنی، اٹلی، ممالک متحدہ امریکہ سرمایہ داروں کے ملک۔ ان بڑے بڑے ملکوں میں جو بازار بن گئے ہیں بیکاری اور مفلسی راج کر رہی ہے۔ اور سرمایہ دار ملکوں میں آسائش اور آرام پھیلا ہوا ہے۔

## مزدوروں کا اتحاد

مشینوں کا دوسرا اثر یہ پڑا کہ ایک طرف دنیا کے مزدوروں میں میل جول پیدا ہو گیا، اور برابر بڑھتا جا رہا ہے۔ قاعدہ یہ ہے کہ ایک قسم کی مشینیں ایک ہی جگہ لگتی ہیں۔ جیسے جوٹ کی ملیں کلکتہ میں۔ سوت کی ملیں احمد آباد اور بمبئی میں۔ اس کی کئی وجہیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ ان کو کچا مال یعنی سن۔ اور روئی آسانی سے مل جاتا ہے۔ دوسرے یہ کہ وہاں آب و ہوا اس قسم کی صنعت کے لئے موزوں ہوتی ہے۔ تیسرے یہ کہ خرید و فروخت میں آسانی ہوتی ہے جسکو جوٹ کا سامان لینا ہوگا کلکتہ چلا جائیگا۔ اور جسکو سوت کا سامان لینا ہوگا احمد آباد چلا جائیگا۔ انکا مال آسانی سے نکل جائیگا۔

اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک ایک تجارتی جگہ پر لاکھوں مزدور جمع ہو جاتے ہیں۔ ان میں سے کچھ تو ایسے ہوتے ہیں جو کام سے لگے ہوتے ہیں اور باقی ان کے بھائی اور عزیز جو بیکار ہوتے ہیں اور کام کی تلاش میں وہاں رہتے ہیں۔ ان سب لوگوں کا ایک سا حال ہوتا ہے۔ آج جو ملازم ہے۔ دوسرے دن بیمار ہو جانے پر الگ کر دیا گیا اور دوسرا جو بیکار تھا اسکی جگہ رکھ لیا گیا۔ کسی کو اپنی ملازمت کا اطمینان نہیں۔ اگر آج ایک پر جرمانہ ہوتا ہے تو کل دوسرے پر۔ یہ لوگ ایک طرح کے دکھ درد میں گرفتار رہنے سے آپس میں دوست بن گئے۔ اور اس طرح مزدور سبھا کی بنیاد پڑی۔

مل میں کام کرنے سے فوراً اندازہ ہو جاتا ہے کہ سرمایہ دار کی دولت کس طرح مزدوروں کے ہاتھوں تیار ہوتی ہے۔ مزدور جب تک کام کرتے ہیں مل چلتی ہے اور سرمایہ دار کے لئے دولت تیار کرتی ہے۔ جب مزدور کام بند کر دیتے ہیں تو مل بند ہو جاتی ہے۔ اور مزدور جب تک پھر کام شروع نہ کر دیں مل نہیں چل سکتی۔ ان باتوں کا جہاں کہیں احساس ہوا مزدوروں کو اپنی اہمیت کا احساس ہو گیا اور انھوں نے سرمایہ داروں کی زیادتیوں کا مقابلہ کرنا شروع کیا۔

جب شروع شروع میں ملیں کھلی ہیں تو مزدوروں کے ساتھ جو برتاؤ ہوتا تھا

وہ گائے اور بیلوں کے ساتھ بھی نہیں کیا جاتا ہے۔ ان سے اکثر تو اٹھارہ اٹھارہ گھنٹے کام لیا جاتا تنخواہ بہت کم دیجاتی۔ انکے رہنے سہنے، دوا علاج کا کوئی انتظام نہوتا۔ مگر مزدوروں نے رفتہ رفتہ اسٹرائکیں کرکے، اور دوسری طرح شورشیں کرکے اتنا میدان فتح کیا کہ اب انگلستان میں آٹھ دس گھنٹے سے زیادہ کام نہیں لیا جاتا بچوں اور عورتوں کو کانوں میں ملازم نہیں رکھا جاتا وغیرہ وغیرہ۔

غلام ملکوں کے بیکار اور محروموں کی جماعت براہ راست ملوں اور کارخانوں کے مالکوں سے نہیں لڑ سکتی۔ اس لئے یہ لوگ حکومت سے لڑتے ہیں کیونکہ وہاں کی تجارت کی وہی اجارہ دار ہوتی ہے۔ اسطرح گویا اپنی آقا قوم کو مجبور کرتی ہے کہ ہماری مفلسی اور بیکاری کا علاج کرو۔

محروموں کی جماعت کے سامنے مشینوں کی ایجاد کے بعد ہی سے یہ سوال اٹھ کھڑا ہوا ہے کہ ہماری جماعت کی مفلسی کسیطرح بھی دور ہو سکتی ہے؟ کیا دنیا کا ہمیشہ یہی رنگ رہیگا کہ سو میں ۵ آرام و آسائش میں رہیں اور ۹۵ آدمیوں کو پیٹ بھرنے کو روٹی کا ٹکڑا تک میسر نہ آئے؟ رفتہ رفتہ حالات نے سمجھا دیا کہ سوالات کا حل کیا ہو سکتا ہے۔

## سوشلزم

سوشلسٹ کہتے ہیں کہ اس مفلسی اور بے روزگاری کا سبب مشینیں نہیں ہیں۔ بلکہ مشینوں اور دوسرے ذرائع آمدنی کا ذاتی ملکیت میں آجانا ہے۔ اگر یہ ہو جائے کہ مشینیں ساری سماج کی ملکیت ٹھرا دی جائیں۔ اور ان سے سب فائدہ اٹھائیں۔ ان کا انتظام منتخب شدہ کمیٹیوں کے ماتحت ہو تو یہ تمام خرابیاں نیست و نابود ہو جائیں گی اور اسوقت یہی مردم خور مشینیں خدا کی رحمت کا بہت بڑا ذریعہ بن جائیں گی۔ یہ لوگ اپنے کو اشتراکی (سوشلسٹ) کہتے ہیں یعنی سرمایہ کو چند آدمیوں کی مٹھی سے نکالکر ساری سماج کی ملکیت میں دیدینا چاہتے ہیں۔ روس میں اور چین کے ایک حصہ میں یہ لوگ کامیاب ہو گئے ہیں۔ اور رفتہ رفتہ سارے سرمایہ کو سماج کا مشترکہ سرمایہ بناتے جارہے ہیں۔ روس میں بیس سال کے اندر انھوں نے ایسی شاندار کامیابی حاصل کی ہے جسکی تاریخ میں مثال نہیں ملتی۔ یہ مثال دنیا کے دوسرے ملکوں کے مزدوروں کو ابھارنے کا ذریعہ بن گئی ہے۔

مزدوروں اور کسانوں نے تجربہ سے اپنا طرز جنگ بھی بنا لیا ہے۔ یہ لوگ سبھائیں بناکر باہم میل جول بڑھاتے ہیں۔ اور پھر اسٹرائکیں کرکے مل کے مالکوں، اور زمینداروں کو اپنے مطالبات کے لئے تنگ کرتے ہیں۔ ہر اسٹرائک ان لوگوں میں میل ملاپ بڑھا دیتی ہے۔ اور ان کی ہمتیں بڑھاتی جاتی ہے کہ مستقبل میں یہی لوگ کامیاب ہونگے۔

ہندوستان میں اسٹرائک کی ابتدا بمبئی کی اسٹرائک سے ہوئی جو ۲۰-۲۵ ہزار مزدوروں نے کی تھی، اور دس مہینہ رہی۔ اور اب اس چیز نے یہاں تک ترقی کرلی ہے کہ چند مہینہ ادھر کلکتہ میں ڈھائی لاکھ مزدوروں نے اسٹرائک کی اسکے علاوہ ہر تیسرے چوتھے روز ایک نہ ایک اسٹرائک کی خبر آتی رہتی ہے۔

ہندوستانی کسانوں کی جماعت بھی دن بدن متحد ہوتی جارہی، بہار میں یہ تحریک خوب جڑ پکڑ رہی ہے وہاں کی کسان سبھا بہت کامیابی سے اپنے حقوق مانگ رہی ہے۔

دنیا کے مزدوروں میں بھی دن بدن میل جول بڑھتا جاتا ہے۔ جب لنڈن کے موٹر والے اسٹرائک کرتے ہیں تو تمام دنیا کے مزدور یہ سمجھتے ہیں کہ یہ انکے نمائندے ہیں جو مشترکہ دشمنوں سے جنگ کررہے ہیں۔ اور یہ ہر طرح کی امکانی مدد کرتے ہیں۔

## سرمایہ دارونکا اتحاد

جن اسباب نے مزدوروں کو متحد کیا، انہی اسباب نے سرمایہ داروں کو بھی متحد کیا۔ بڑی بڑی ملیں کھولنا۔ ریلیں جاری کرنا۔ اور جہاز چلانا جن میں کروڑوں روپیہ خرچ ہوتا ہے۔ ایک آدمی کے بس کی بات نہ تھی، پھر اتنا روپیہ کیسے جمع کیا جائے؟ اس سلسلہ میں بہت سی دشواریاں پیش آئیں۔ آخرکار لمیٹڈ کمپنیوں کی بنیاد پڑی، یعنی کمپنیاں ایک مقرر سرمایہ سے شروع کیجائیں۔ اور اس سرمایہ کے بہت سے حصے مقرر کرکے ملک میں فروخت کئے جائیں۔ کہنے کو تو یہ ایسی صورت ہے جس سے سرمایہ داروں اور مزدوروں سب کا بھلا ہو سکتا ہے۔ اور بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی ایک ترکیب ہے سرمایہ کو مشترکہ بنانے کی۔ لیکن جب غور سے دیکھو تو پتہ چلتا ہے کہ اس سے صرف امیر لوگ فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

حصے صرف وہی لوگ خرید سکتے ہیں جنکے پاس کچھ روپیہ جمع ہو۔ کسان اور مزدوروں کا یہ حال ہے کہ جو کچھ کماتے ہیں وہ پیٹ کو جاتا ہے۔ یہ لوگ حصے کیسے خرید سکتے ہیں اسکے علاوہ کمپنی میں حصہ لگانا۔ ایک مستقل فن ہے۔ اسمیں ایسی پیچیدگیاں ہیں کہ ہر کس و ناکس نہیں سمجھ سکتا۔ وہی سمجھ سکتا ہے جسکے پاس روپیہ ہو، اسکو لگاتا رہے اور تجربہ کرتا رہے۔ اوسط طبقے کے لوگ امیروں کی دیکھا دیکھی اکثر حصے خرید لیتے ہیں مگر ان سے شاذ و نادر ہی نفع ہوتا ہے۔

اس طرح کمپنیاں صرف امیروں ہی کی آمدنی بڑھانے کا ذریعہ نہیں۔ اس سے پہلے کسی کمپنی کی تباہی کا نقصان چند شخصوں کو پہنچتا تھا۔ لیکن اب دولتمندوں کی جماعت کو پہنچنے لگا۔ اس نے ان کو متحد کردیا۔ اسکے علاوہ سرمایہ داروں کو تجارتی حقوق اور غیر ممالک کی بازاریں حاصل کرنا تھیں۔ یہ معاملہ ایسا تھا جس نے ہر قوم کے سرمایہ داروں کو اور متحد کردیا۔ اگر حقوق اور بازاریں ملتی ہیں تو انکے سب فائدہ اٹھا سکتے ہیں، اگر نہیں ملتیں تو کوئی نہیں۔

## مزدوروں اور سرمایہ دارونکے تعلقات

ان کی متحدہ جماعت بہت جلد مزدوروں کی متحدہ جماعت کے مدمقابل بن گئی۔ سرمایہ داروں کا کام بلا مزدوروں کے نہیں چل سکتا، اور مزدوروں کا کام بلا ان کے نہیں چل سکتا۔ اس لئے جب تک ملیں سرمایہ داروں کے پاس ہیں، نہ مزدور سرمایہ دار کو چھوڑ سکتا ہے اور نہ سرمایہ دار مزدور کو۔ دوسری طرف ان دونوں میں کبھی میل نہیں ہو سکتا، کیونکہ جس چیز میں سرمایہ دار کا نفع ہے مزدور کا نہیں ہو سکتا، اور جس چیز میں مزدوروں کا نفع ہے سرمایہ داروں کا نہیں ہو سکتا جیسے جیسے مزدوروں کے کام کرنے کے گھنٹوں میں کمی، اور انکی تنخواہوں میں زیادتی ہوتی جارہی ہے، سرمایہ داروں کا نفع گھٹتا جاتا ہے۔

## سرمایہ داروں کا قبضہ حکومت پر

سرمایہ داروں کے قبضہ میں روپیہ بھی تھا اور آدمی بھی جو انکی مرضی پر چلنے کیلئے مجبور تھے۔ ان دونوں چیزوں کی مدد سے سرمایہ داروں نے حکومت میں بہت دخل پیدا کرلیا۔ اب اگر اسٹرائک ہوتی ہے تو حکومت علانیہ سرمایہ داروں کا ساتھ دیتی ہے۔ ہندوستان پر انگریز قوم کی نہیں، بلکہ انگریز سرمایہ داروں کی حکومت ہے۔ اور ہندوستان صرف دو کاموں کے لئے غلام بنایا گیا ہے، ایک تو یہ کہ خام پیداوار مہیا کرے، اور دوسرے انگلستان کی مصنوعات کے لئے بازار بنے

## سرمایہ داروں کے اتحاد کی نوعیت

سرمایہ داروں میں باہم اتحاد ہوا، کیونکہ وہ مزدوروں سے مقابلہ کرنا چاہتے تھے۔ ان کو متحد ہوکر تجارتی حقوق اور بازار حاصل کرنا تھے۔ اور انکو متحد ہوکر حکومت پر قبضہ جمانا تھا۔ اگر غور کیا جائے تو انھیں اسباب اتفاق میں نفاق

کے اسباب بھی موجود ہیں۔ دولت مند ہونے کا ایک ہی ذریعہ ہے، وہ یہ کہ تجارت سے نفع حاصل کیا جائے۔ ہر سرمایہ دار، اور ہر وہ شخص جو کسی نہ کسی ترکیب سے سرمایہ اینٹھ سکتا ہے، اسی کی کوشش کرتا رہتا ہے۔ یہ کوشش مسلسل جاری ہے اور جب تک یہ نظام برقرار ہے، جاری رہے گی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اگر آج کسی چیز کے دس کارخانے ہیں، تو چند روز کے بعد پندرہ ہو جائیں گے۔ یعنی سرمایہ داروں کو جو بازار آج حاصل ہے وہ کل ناکافی ہو جائے گی۔ اس چیز نے دو باتیں پیدا کر دی ہیں (۱) سرمایہ داروں کا آپس کا مقابلہ ہر ایک یہی کوشش کرتا ہے کہ میرا ہی مال بازار میں بکے (۲) ایک قوم کے سرمایہ داروں کا دوسری قوم کے سرمایہ داروں سے مقابلہ۔ ہر قوم یہی کوشش کرتی ہے کہ بڑی سے بڑی بازار مجھے ملے۔

## تجارتی مقابلہ

(۱) نے ہر قوم کو بتا دیا کہ یہ بڑی تباہی کی چیز ہے۔ نہ معلوم کتنی خاصی کام دیتی ہوئی ملیں اس لیے بیکار ہو جاتی ہیں کہ ضرورت سے زیادہ ہیں اور مقابلہ کی تاب نہیں لا سکتیں اس طرح ہر سال قوم کی بہت سی دولت یوں ضائع ہو جاتی ہے۔ اسکے علاوہ جب آپس میں ایسا مقابلہ رہیگا۔ اور قوم کی دولت یوں ضائع ہوتی رہے گی۔ تو وہ دوسری قوموں سے مقابلہ نہیں کر سکتی، اسکے ہاتھوں سے روز بروز بازار یں نکلتی جائیں گی۔ اور فوجی حیثیت سے بھی وہ کمزور ہوتی جائے گی۔ سب سرمایہ دار تباہ ہو جائیں گے۔ ہر سرمایہ دار کو اسی میں اپنی بچت نظر آئی کہ سب ملکر کچھ سمجھوتہ کر لیں۔ سمجھوتہ کی صورت یہی ہو سکتی ہے کہ ہر سرمایہ دار تھوڑا بہت نقصان اٹھانے کو تیار ہو جائے۔

## فاسزم

ایک طرف محروموں کی سرکشی اور دوسری طرف دوسری قوموں کے سرمایہ داروں کے مقابلہ نے قومی سرمایہ داری حکومت کی بنیاد ڈالی۔ جرمنی۔ اٹلی۔ جاپان میں ایسی ہی حکومت ہے۔ تجربہ نے بتایا کہ ایسی حکومت کے لئے یہی مناسب ہے کہ عرصہ تک ایک طریقہ پر چلتی رہے۔ اسکے لئے یہ ضروری ہوا کہ ایک شخص کے قبضہ میں عنان حکومت ہو۔ اسطرح جرمنی میں ہٹلر، اور اٹلی میں مسولینی، کا اقتدار قائم ہوا۔

سرمایہ داروں اور مزدوروں کی کشمکش، اور سرمایہ داروں کی آپس کی کشمکش نے رفتہ رفتہ وہ اصول تیار کر دیے جن پر ان حکومتوں کو چلنا چاہیئے۔

## موازنہ سوشلزم اور فاسزم

سوشلزم کا دعوی ہے کہ جب تک ملیں اور زمین مشترکہ سرمایہ نہیں بن جائینگی دنیا کے مزدوروں کی حالت نہیں سدھر سکتی۔ صرف مٹھی بھر انسان زندگی کا مزہ اٹھائیں گے۔ باقی ہزارہا انسان بھوکوں مرتے رہیں گے، اور بھوک انکو چوری، خونریزی، اور بغاوتوں پر مجبور کرتی رہیگی۔ اور یہی چیز انکو متعد بناتی رہیگی جسکا نتیجہ صرف یہی ہو سکتا ہے کہ اشتراکی حکومت تیار ہو جائے اسکے علاوہ زیادہ بازار کیلئے سرمایہ دار ملک آپس میں ضرور لڑینگے، ہر جنگ انکو کمزور کر دے گی، اور وہی موقع ہوگا کہ مزدوروں اور کسانوں کی جماعت نظام حکومت بدلدے۔

انسانوں کے خیالات بھی بدل گئے ہیں۔ یہ انصاف اور ہمدردی کے بالکل خلاف نظر آتا ہے کہ ایک تو دولت میں نہائے اور دوسرے کے پاس پیٹ بھر نیکو بھی نہو۔

فاسزم کا یہ اصول ہے کہ دنیا میں ہمیشہ یہی رہا ہے کہ تندرست اور سمجھدار آدمی، کمزوروں اور بیوقوفوں پر حکومت کریں۔ اور یہی ہوتا رہیگا۔ خواہ کمزور خوشی سے کام کریں، یا مجبوری سے۔

رہا جنگ کا، تو جنگ بھی ہمیشہ ہوتی رہی ہے، اور ہوتی رہے گی، یہ زندہ رہنے والی قوموں کی شان ہے کہ میدان جنگ میں کود پڑیں اور کامیاب واپس آئیں۔ جنگ میں کامیابی اسی کو میسر آتی ہے جو تندرست اور سمجھدار ہیں، ہٹلر اور مسولینی کے نزدیک ہندوستان اور اسی طرح کے دوسرے ملکوں کو ہمیشہ ہمیشہ غلام رہنا چاہیے، کیونکہ اٹلی اور جرمنی کے مقابلہ میں یہ لوگ کمزور اور بیوقوف ہیں۔ اور اسی قابل ہیں کہ انکی دولت اور محنت جہانتک ممکن ہو ہتھیا لی جائے۔

# ایک دن

[ یہ افسانہ ہندی میں لکھا گیا تھا۔ یہاں اردو رسم الخط میں جوں کا تیوں نقل کیا جاتا ہے۔ زبان بہت کم بدلی گئی ہے۔ ]

پورب کا آسمان بھورا ہوا پھر پیلا ہوا۔ اسکے بعد خونی رنگ کی لالی جھلکی۔ قطار کے قطار بگلے آسمان میں ایک طرف سے اڑکر دوسری طرف جانے لگے۔ بازار کے اونچے مکانوں کی چوٹیوں پر نرم کرنیں پھیلنے لگیں۔ سڑک پر ادھر ادھر کوڑا کرکٹ پھونس کاغذ پھیلا ہوا تھا۔ جیسے کوئی نیند سے اٹھی۔ دیہاتی لڑکی جس کے چہرہ پر بال بکھرے ہوں اور آنکھوں میں کیچڑ بھرا ہو۔

ہری بھاجی لادے ہوئے، آدھ ننگے تندرست دیہاتی، بانگیہ بڑے صوق اٹھائے۔ اور انکی عورتیں ہلکی کر بوجھ کیوجہ سے ادھر ادھر لچکتی رہتی، بازار میں آتے جاتے نظر آرہے تھے۔ گھومنے والے لوگ جن میں زیادہ تر مدرہ شیریں (بیچ کے طبقے) کے ادھیڑ بابو تھے، ہاتھوں میں چھڑی لئے جلدی جلدی چلتے دکھائی دے رہے تھے۔

سڑک سونی تھی۔ نہ ٹھیلے تھے۔ اور نہ اللہ کے منتر پر غرانے والے موٹر۔ کچھ بھیک مانگنے والے اندھے۔ لنگڑے۔ اپنے اپنے بیٹھے ڈلوانے کے جھونپڑوں کو سڑک پر پھیلائے بازار کا روپ سنوارنے میں لگے تھے۔ چوراہے پر بیٹھے ہوئے داڑھی والے اندھے کیڑے کی سوتی ہوئی۔ بھاری اور درد بھری پکار "بابا خدا کی راہ پر دے۔ بابا اللہ کی راہ پر دے" اسوقت اپنے دن بھر کے ساتھی یعنی بازار کے شور سے ملے بغیر اکیلی چاروں طرف پھیل رہی تھی اور دل میں عجیب درد پیدا کر رہی تھی۔

لوہے کے بال کا ایک یکہ غازی پھل والے کی دکان کے پاس ہر کان کے پردوں کی مضبوطی کی آزمائش کرتا لگاتار کھڑ کھڑ کا راگ الاپتا نکل گیا۔ اور ہوا کیا؟ اس نے غازی کی دکان کے نیچے ہوئے ایک چبوترہ سا تھا۔ سوتے ہوئے بھکوڑی کو جگا دیا۔

سانپ کی گونڈلی کی طرح لپٹے ہوئے بدن کو بھکوڑی نے سیدھا کیا۔ اور اپنی کالی آنکھ سے یکہ والے کو ایسا گھورا جیسے منہ میں گڑ بڑ ڈالنے کے قصور پر یکہ والے کو اسی آنکھ سے نگل جائیگا۔ رات بھر، پھلوں کی ہیلیوں سے نکالکر پھینکے ہوئے پھونس پر سوتا رہا۔ چھ سات فٹ کا لمبا کوڑا خانہ۔ جو بھنگوں، اور مچھروں سے بسا ہوا تھا۔ نیچے کی نالی سے ٹھنڈا تو ضرور تھا لیکن بدبو کو کوئی کیا کرے۔

"بڑی دم دار تاڑی تھی کل کی ——— سب سے سوراجی کہتے ہیں کہ تاڑی نہ پیو۔ میاں بی مزے میں پیٹ بھر کھانے کا ملے، پھر تان کر سونے کا ملے نہ ہوئے سنسرتھ کا دوٹ نہ درد تو ہم سجن کا کو گرہ ٹوٹے کاٹے سب ہے جو جائے کے تاڑی ماں پیسہ گنوائی پھر اپن محنت مجبوری۔ تب کون ساتے کا اجارا ———"

بھکوڑی نے بڑبڑاتے ہوئے، مونچھ کے کونے پر جمی ہوئی سفید رال کو ہاتھ سے رگڑ کر پونچھا۔ تاڑی کا نشہ اترنے پر سڑے ہوئے پھل پھونس کی ملی جلی بدبو برداشت سے باہر ہو رہی تھی۔ اس پر منہ پر کپڑا باندھے ہوئے بھنگی کے

جھاڑو کی کھڑکھڑ۔ کل اس جگہ سونے کے قصور میں غازی کا گھونسہ۔ غنیمت ہے کہ آج ابھی تک غازی دوکان کھولنے نہیں آیا تھا۔ ایک چوپائے کیطرح بھکوڑی گھٹنوں اور ہاتھوں کے بل باہر آگیا۔

اپنی جائداد یعنی بوجھا ڈھونے کی ٹوکری۔ اور ایک میلا کپڑا اٹھایا۔

رات بھر میں ڈھیلی ہو جانیوالی دھوتی کو گانٹھ دی۔ اور پھر سے کس کس کر باندھی، بسی کو جس میں شاید کچھ پیسے تھے انٹی میں باندھا اور سڑک کے نیچے والے ہم ملیس کی طرف۔ ٹوکری کو سر لپیٹے ہوئے، چل کھڑا ہوا۔

راستہ میں بھکوڑی کیا دیکھتا ہے کہ اسکی جان پہچان کا قلی بھروسے جو کہ پندرہ سولہ سال کا لڑکا تھا ایک اکّے سے اترنے والے بابو کا سامان سر پر لاد کر اسطرف آرہا ہے۔ بابو کی پلکیں بھاری ہو رہی تھیں۔ بال الجھ رہے تھے جس سے صاف معلوم ہوتا تھا کہ ریل کے سفر سے چلے آرہے ہیں۔ بھروسے کو دیکھ کر بھکوڑی کی چال کچھ دھیمی ہوگئی۔ اور ایک عجیب طرح کی چالاکی سے اس نے اپنے سر کی ٹوکری کو سنبھالا۔

بابو قدم ناپتے ہوئے آگے آگے اور اسباب لادے ہوئے لڑکا پیچھے دونوں بھکوڑی کی طرف بڑھتے ہوئے آرہے تھے۔ بابو بھکوڑی کی بغل سے نکل گئے۔ لڑکا بھکوڑی کی بغل میں آیا۔ بھکوڑی نے سنجیدہ منھ بناکر ڈانٹتے ہوئے کہا۔

"کس سے ہم تورے باپ کا دادا آہی ہمکا بندگی کرے کا جاہی"

اور ایک زور کی تڑی لگا کر دیکھتے ہی دیکھتے لمبا پڑا۔

بھروسے ذات کا اہیر تھا۔ کانے نے چار ہوتے ہوئے مار دیا۔ سوئے سوئے سر میں چوٹ لگنے کے ساتھ ہی بھروسے کا سارا کام بجلی کے انجن سے چلنے والی کل پتلی کیطرح ہونے لگا۔ سر کا اسباب تو اس نے کھٹ سے زمین پر رکھا۔ اور کانے کو ایک آنکھ بند کرکے مسکاتا ہوا چمکتے چاندی کے کڑوں والے ہاتھ کو مونچھوں پر پھیرتا غصّے میں آگے بڑھا مگر اتنی دیر میں بھکوڑی دور سڑک کے موڑ پر نگاہ سے اوجھل ہو رہا تھا۔ اسکا ہاتھ آدھا اٹھا ہوا ڈھیلا پڑا۔ اور ایک مہین آواز سنائی پڑی "تو تو ہے بے"

بھروسے نے سامان کے پاس لوٹ کر اسیطرف دیکھتے ہوئے اُسے مارنے کی قسم کھائی۔ گالیاں دیں، جس میں کانے کی بہن اور ماں سے رشتہ جوڑنے کا اعلان کچھ زیادہ ٹھیٹھ زبان میں نہیں کیا گیا تھا۔

قلی کو لڑائی میں پڑتے دیکھ بابو دوسرا قلی ڈھونڈھ لینے کی دھمکی دی اور بگڑے۔ مزدوری کھٹائی میں پڑ جانے کے ڈر سے بھروسے نے اسباب اٹھایا اور بابو جی کی بات میں بات ملانے کی ادھی کوشش کرتا ہوا آگے بڑھا لیکن بابو جی کا پارہ کافی چڑھ چکا تھا۔ وہ قلیوں کی حرامزادی قوم سے پہلے ہی سے بہت خلاف تھے۔ اور بہت کچھ کہنے کے بعد انھوں نے ایک کہانی کہہ سنائی جس میں قلیوں نے انھیں پیسے کے لئے تنگ کیا تھا۔ اور گستاخی سے ہاتھ تک پکڑ لیا تھا۔

"بم پولس" کے پاس والے نل کی چاروں طرف قلی مزدور، ٹھیلے والے اپنے اپنے کاموں میں مشغول تھے، کوئی داتون کر رہا تھا۔ کوئی پاخانے جا رہا تھا۔ کوئی رات کی دیکھی ہوئی نوٹنکی کی نقل کلائی پر کالا ڈورا بندھے ہوئے ہاتھ کو ہلا کر سینے پر رکھتے ہوئے گا گا کر کر رہا تھا۔

بھکوڑی ایک جان پہچان کے قلی سے اسی کا لوٹا لیکر اور اپنی ٹوکری اُسے سونپ کر پاخانے گیا۔ وہاں بیٹھنے پر گئے پچھلے سات آٹھ دن کی کمائی کے پیسوں کی یاد آئی۔

"نی پانی کے کارن ای ہپتہ ماں مجوری تو بھر پور ملی رہا۔ ایک روپیہ چار آنہ اور ایک ڈبل اور پردا یا کی تیرسے ڈبل بچا"؟

زمین پر پیسوں کو رکھتے ہوئے کہتا ہے۔

"ای تو ایک گلٹ والی اکنی بھئی — چار پائی ای اور سات ڈبل یہ بھوا"۔۔۔

بھکوڑی خرچ کئے ہوئے حساب کو پھر ملانے کی کوشش کرنے لگا۔

"چار آنے کا ستوا، نون، چھ پیسے روج کی تاڑی، سات دن۔ اور ایک پیسہ روج کی تیل کی پھلوری۔ کل ای بھوا۔ اوں۔۔۔ اوں ایک دمیہ اور ایک ڈبل اور تین پیسے کی بیڑی تماکھو۔۔۔۔۔۔"

حساب قریب قریب ملگیا تھا۔ اور تاڑی کے پیسے موجود ہی تھے، اس لئے بھکوڑی گلٹ والی اکنی کو چلانے کی ترکیبیں سوچنے لگا۔ لیکن ٹین کے دروازہ پر کسی نے ایک ٹھوکر جمائی۔ جس نے اسکو باہر نکلنے پر مجبور کر دیا۔

ہاتھ منھ دھوکر بھکوڑی فارغ تو ہوگیا۔ مگر دوکان کے نیچے کے کوٹھے خانہ میں سونے کا ثبوت ایک تنکا باقی تھا جو اسکے سر میں پیچھے کیطرف کسی سڑے ہوئے پھل کے چھلکے سے مل کر چپک کر رہ گیا تھا۔

بھکوڑی نے لوٹا واپس کیا۔ ٹوکری اٹھائی اور پھر گھوم کر ایک سرمنڈے جوان آدمی سے کہا "کس ہے جوکھوا کل اُدھار لُکوا ایکے ڈبل مجوری دیس ہا"

جوکھو تیس برس کا ناٹا آدمی تھا، کالی پُتلی اور مہوان جی کی تصویریں گُدی ہوئی تھیں۔ ننگے بدن بیٹھا اونگھ رہا تھا۔ بغل میں ایک پنجرے کے اندر ایک تیتر بیٹھا ہوا تھا۔ بھکوڑی کی بات سنکر چونکا، یکایک تیزی آگئی۔ جلن اور غصّے سے اس کے نتھنے پھول اٹھے، وہ بھبھک اٹھا "ای تو ہی لوگ ہو جو جوری کے ستیاناس کر دیہو"،

اسکے گلے کی نسیں پھول اٹھیں۔ غصّے میں زور زور کہنے لگا۔

"جہاں کو لوگا ایک آدھ کہ پچاس جنے اوکا کو کرنے نائیں گھیر لیہن" کیو کہے لاگی "منگتا ہے" ہم چار پیسہ ماں لے جاب۔ کیہو تین ماں راجی ہوجائی۔ کل تو ہی رہوتا ہمار ٹپہ تین اور دو آنے ماں لے جات رہو۔ ایسے سُسر کے ناتی پوچھے آئے ہیں کہ کتے ڈبل دیہس۔"

گالی سنکر بھکوڑی آپے سے باہر ہوگیا۔ اسکا ایک سبب اور تھا۔ جوکھو نے اسکی بہن کی یادگار ایک مستی رکھنے کی ڈبیا جسکے اندر شیشہ لگا ہوا تھا چورالی تھی۔ ہواوں کہ ایک دن کوئی کام نہیں تھا۔ سب برابر والے ایک تکولائی میں بیٹھے سڑک کے کنارے چلم پی رہے تھے۔ بھکوڑی کی باری آئی تو وہ سر جھکا کر پھونک مارنے لگا کہ جوکھو نے اسکے سر میں لپٹے ہوئے کپڑے سے وہی ڈبیا چپکے سے نکال لی۔ اُس وقت تو پتہ چلا نہیں۔ مگر ایسی چیز چھپی نہیں رہتی۔

بھکوڑی کی نہ شادی ہوئی، اور نہ عورت کا منھ دیکھا۔ وہی تھی جو مصیبت میں کام آتی تھی۔ اپنی موت کے ساتھ لپیٹ کر سو جانیوالی، اسے دنیا کی تکلیفوں میں اکیلا چھوڑ جانے والی دیدی، کی یادگار تھی۔ گالی یوں بھی بُری چیز ہے۔ اب چارے بھی نہ تھے جو بھکوڑی لوگوں سے مروت قائم رکھنے کی فکر کرتا۔

او پیا ایسے دوست کی تلاش ہوتی تھی جو ایک گدی کا مالک ہو۔ اور رات کو کانے کو ساتھ سلانے پر راضی ہو جائے۔ دونوں غصّے میں ایک دوسرے سے دو لڑ کر لپٹ گئے، ٹھوکر لگ جانے سے تیتر کا پنجرا۔ لڑھک گیا۔ بھکوڑی کے سر کا کپڑا کھل کر زمین پر پھیل گیا۔ بھیڑ لگ گئی، یہاں روز کا یہی رنگ تھا۔ لوگوں کو اکٹھا دیکھکر چوراہے پر سے پولیس والا آپہونچا۔ دانت پیستا، ڈنڈا گھماتا۔ گالی دیتا۔ راستہ رک گیا تھا۔ نا۔

اس نے آتے ہی لڑنے والوں کی مٹھیوں کو ڈنڈے سے صاف کیا۔ دونوں بدمعاشوں کو ایک ایک دن حوالات میں سڑانے اور کھال اُدھیڑنے کی قسم کھاتا ہوا، اپنی جگہ پر لوٹ گیا۔

دونوں کے ہانپتے ہوئے منہ سے بلا ارادہ گالیاں نکل رہی تھیں۔ اور خاتمہ جب ہوا جب جوکھو کا ساتھی آکر اسے لے گیا۔

بھکوڑی چل سکے۔ بتوں کی طرح کھردری انگلیوں کو جھٹکے نا خون لگے لپے تھے۔ بوا پر گھسلاتا ہوا کسی جگہ گھما تیل کی جلیبی والوں سے ادھار کے پیسے مانگنے پر توہین کر کے جب بازار لوٹ رہا تھا تو دن کافی چڑھ چکا تھا۔ ایک بنتے ہوئے اونچے گھر کے سامنے، چنے والے کے پاس بیٹھ گیا۔ دھیلے کے چنے کی فرمائش کی ہی تھی کہ موٹر پر ایک بابو صاحب، انگریزی کپڑے پہنے۔ مع بی بی بچے اور کتے کے بازار کی طرف آتے ہوئے دکھائی پڑے۔ بھکوڑی چنے والے کو چھوڑ، موٹر کیطرف بھاگا۔ کانے کو موٹر کا پیچھا کرتے دیکھ کر، ایک غرّاتی ہوئی آواز آئی۔

"نہیں چاہئے۔ بھاگ جاؤ"

مگر تجربے نے بھکوڑی کو خوب بتا دیا تھا کہ ڈانٹوں سے کیا ہوتا ہے، نہیں چاہئے کہنے والوں کا کام بنا اسکے چلتا نہیں۔ اسی لئے جھڑکے جانے پر بھی وہ موٹر کیساتھ بزاز کی دکان تک دوڑتا چلا گیا۔

موٹر رکی۔ بابو صاحب اور انکی بی بی اترے۔ بچہ اور کتا اسی جگہ رہ گیا۔ چلتے وقت بابو صاحب نے کتے کو پیار کیا۔ اور بھکوڑی کیطرف تیوری چڑھا کر انگریزی کی اینٹھی ہوئی زبان میں کہا۔

"یو ڈیم ــ باگ جاؤ، نہیں مانگتا۔"

بھکوڑی نے ہانپتے ہوئے، ایک نگاہ کتے پر ڈالی۔ ماتھے کا پسینہ پوچھا اور بھنبھناتا ہوا لوٹ چلا۔ بابو صاحب نے زمین پر تھوکا، جیسے منہ میں گندہ بھکوڑی ہی چلا گیا ہو۔ پھر دکان کی سیڑھیاں چڑھتے میں بی بی سے کہا۔

کیسے سور کے بچے ہوتے ہیں ــ بدمعاش۔ کہنے پر بھی جان نہیں چھوڑتے سرکار کو انکا کچھ نہ کچھ انتظام ضرور کرنا چاہئے ــ جانور"

چنے والے کے پاس لوٹ کر بھکوڑی نے دھیلے کے چنے، اور بڑبڑاتا ہوا جلدی سے چل پان کیا۔ دھیلا نقد دینے کے احسان میں جوکھو کے کمینہ پن کا سارا حال چنے والے کے گلے کے نیچے اتارا۔ سڑک کے پائپ پر ہاتھ دھوتے وقت، ایک مکھی کو، جو بار بار اڑانے پر بھی منہ پر بیٹھ جاتی تھی، ٹپ سے مارا۔

پاس سے گذرنے والے دو بھلے مانسوں نے کہا۔

"یہ بھی کیسے گندے اور پھوہڑ ہوتے ہیں"،

دوسرا "گندگی، گندگی ہے یہ جناب"

"غریبی بھوک نہیں"

بھکوڑی بیڑی جلانے جا رہا تھا کہ سنائی پڑا "اے کوئی قلی ہے، کوئی قلی ہے"

ایک مہاجن نے سامان تول کر، ترازو کو کاٹو نیچے رکھتے ہوئے کہا، حرامزادے، جو ہے سو باوجی۔ دن بھر یہیں مرا کرتے ہیں پر وقت پر کوئی نہیں ملتا۔ جو ہے سو ہے"

قلی ٹوکری لیکر جان دیتے ہوئے دوڑے۔ بھکوڑی بھی دھکے کھاتا، دھکے دیتا آگے پہونچنے کی کوشش کرنے لگا۔ گرد سے بنی ہوئی چوٹیا، تتلی کیطرح ہوا میں اڑ رہی تھی۔ مونچھ اور ڈاڑھی کے بال جھینگوں کی طرح جگہ جگہ سے اڑے اڑے سے تھے۔ ٹخنے کا گٹھا ابھرا ہوا، رنگ کالا، عمر چالیس کے قریب۔ چہرے پر دبو پن لئے ہوئے غلامی اور چالاکی کا میل۔ پیر کی پنڈلی شکر قند کی طرح اٹھی ہوئی جس پر بوتے سے زیادہ بوجھ اٹھانے کی وجہ سے نسیں ابھر کر دیسے ہی

خونی رگیں تھیں، گویا کانے کے زندگی بھر کی محنت کی داستان کسی نے انہیں دو چار نیلی لکیروں میں لکھ دی تھی، اس کا بدن ننگا۔ کمر پر ایک دھوتی کے نام پر ایک ٹکڑا انگوچھا ایک ہی اور اس میں لال ڈورے۔ مہاجن کی دکان کے سامنے جو بابو کھڑے ہوئے تھے وہ ان دوڑنے والوں کی لہر کے سامنے سے ہٹکر بغل میں کھڑے ہو کر ادھر دیکھنے لگے۔

بھکوڑی اور ایک دوسرا قلی سب کے آگے برابر دوڑے آرہے تھے دوکان سے کچھ دور رہ گئے تھے کہ کانے نے اپنی کہنی اسکی بغل میں اڑا کر اسکو ڈھکیلا۔ پر وہ تھا جوان آدمی۔ لمبا چوڑا۔ اس نے بھکوڑی کو والیا دھکا دیا کہ وہ پرانی دیوار کی طرح منہ کے بل زمین پر آگیا۔ رونے لگا۔ پسلیاں دھونکنی کی طرح چلنے لگیں۔ گھٹنا پھوٹ گیا۔ خون نکل آیا۔ چاروں طرف ایک بھی بھناتی بھیڑ اکٹھا ہوگئی۔ بھکوڑی گھٹنا تھام، وہیں بیٹھ رہا۔

دوکاندار قلیوں کے اس دنگے اور بدمعاشی پر بہت بگڑا۔

دیکھا بابو جی۔ جو ہے سو کیسے سالے بدمعاش ہوتے ہیں۔ ابھی پولیس والا آئیگا اور ہمیں کو جو ہے سو پچاس بات سنائے گا۔ ان سالوں کی کھال اُدھیڑ کر جو ہے سو نمک چھڑک دیوے تب یہ ٹھیک ہو جاویں۔

بھیڑ دیکھ کر پولیس والا اپنی جگہ سے چلا۔ پر مہاجن نے اپنی بچت کے لئے پہلے ہی سے اٹھکر دو چار ہاتھ قلیوں کے جمائے اور پولیس والے کو سنانے کے لئے زور زور سے گالیاں دینے لگا۔ لیکن پھر بھی پولیس مین نے دانت پیستے ہوئے۔ اس کی مہر چھاپ ان لوگوں کی پیٹھوں پر لگا دی۔ دنگا کرنے والوں کا چالان ہوا۔ اور دونوں کی باہوں کو پکڑ کر پیغمبر خدا کے دربار میں لئے جا رہے تھے کہ بابو صاحب نے کہہ سنکر بچا دیا۔ بابو کی دیا کی وجہ سے بھکوڑی نے پٹہ باندھا اور لنگڑاتا ہوا چلا۔

ایک قلی نے اپنے ساتھی سے کہا۔

دیکھ بے بادن۔ کنواں کست چاہیں ہے۔ روئے دھوئے کے آپن مجبوری بھنک گرہیں۔ او زور سے ڈکارتا ہوا لاپرواہی سے تھوک کر سڑک کے اس طرف چلا آیا۔

بوجھ سر پر لئے ہوئے بھکوڑی سڑک پار کر ہی رہا تھا کہ پیچھے ایک سائکل کی گھنٹی سنائی دی۔ اور پار کرتے کرتے آگے کے پہیے نے آکر اس کی ٹانگ میں ایک رگڑا دیا۔ ایک بھلے مانس، گاندھی کیپ لگائے اُترنے پر مجبور ہوئے۔ اور بہت گرم ہو کر بھکوڑی کو گالی دینے لگے اور قصوروار ٹھہرانے لگے۔ اس کی بیوقوفی پر کہ ایک آنکھ ہونے پر بھی مزدور سنگھ کے ایسے بڑے نیتا کو نہیں دیکھا۔ اسکو بُری طرح دھتکارنے لگے

چراغ جل چکے تھے، بھکوڑی تاڑیخانہ سے نبٹ کر سیدھا "اوبجرا" کی طرف جھومتا ہوا گیا۔ قطار کی قطار کوٹھریاں جو کھپروں سے ڈھکی تھیں۔ اور ان کے سامنے ایک کچا دالان سا تھا۔ اوبجرا کی عمارتوں کی یہی شان تھی۔ یہاں کے باشندے یکہ والے۔ مزدور، خونچے والے، نوکر، نوکرانیاں، دن بھر اپنے آقاؤں کی غلامی کرتے۔ اور فرصت کے وقت آپس میں گالی گلوج کرتے، ہاکی اور یہی کام کرتے۔

بھکوڑی شام یہیں بتایا کرتا تھا۔ کبھی تاش جمتا۔ کبھی کوئی دو چار اکھیر کا جان کار، ڈونی دھونے والا کہار الگ الگ گاتا۔

"کہب کہب کہب تیتنا بولے بولے چیک چیک تلوار"

بھکوڑی ان سب چیزوں کو سنتا یا اخیر والی کوٹھری کی بیوہ سے گھل مل کر باتیں کرتا۔ روز کیطرح اوبجرا کے باشندے اپنی اپنی کوٹھریوں سے نکلکر ایک کچے دالان

میں گولائی سے بیٹھے ہوئے باری باری چلم پی رہے تھے سامنے طاق پر ایک مٹی کے تیل کا چراغ جل رہا تھا۔ اور لال لوٹے اوپر اٹھتی، اینٹھتی دھوئیں کی موٹی لکیر کچھ دور اوپر جاکر پھیل جاتی تھی۔

پاس کی کسی کوٹھری میں ایک بوڑھا بڑی طرح سے کھانس رہا تھا، اور کھانسی۔ گھٹنے پر بیٹھے ہوئے گلے سے

"ترسیا پانی ٹے دسے" — کہکر کھانسنے لگتا تھا۔

بھکوڑی چلم پینے والوں کے گھیرے کے پاس پہونچا۔ ایک مبین تینگ کا کاغذ منھ میں لگائے انگریزی باجے کیطرح جھن جھناتی ہوئی آواز نکال رہا تھا۔ لال آنکھ چڑھی ہوئی تھی، جسے دیکھ کر دیکھنے والے کی آنکھوں میں پانی آجاتا گال اور ملک کے اٹھے ہوئے حصّے پھول رہے تھے۔

"گرفٹ مانگ، نسیفں" — کہتے ہوئے بھکوڑی ایک طرف دبسے بیٹھ گیا

"بھیا جگبندن! تو لوگ شئو کرنا ہیں" (کا کیا اسکی شکل بھیانک ہوئی!)

"جو کہو سے ہم سے — — " (غصہ بڑھ گیا۔ لڑکھڑاتی آواز، ہاتھ جھٹکے سے پھینکتے ہوئے بھکوڑی نے کہا)۔

"آج سے جب تک جو کھو کا گھون نہ پی لینگے تب تک پانی نہ پینگے۔

...... تمہار تمہار کسم" — انگلی دکھاتے ہوئے اس نے کہا۔

"جگبندھن بھائی دیکھو! تم ہمرے مالک ہو۔ تم سے کچھ اپنی بات چھپی تھوڑے کو ہے۔ ...... ایک تو ہمرے، ہمرے بہن کی اونی گھری بھی بہن کی سار یادگار کی چیز جو رہیں اور تنی سا بات پر ہمسے لڑائی کیہس اور گالی دیہس؛ جگبندھن ہو! بھیا دیکھو ہم تہری قسم اپنی قسم بھگوان کی قسم کھائت ہے — یہ لیو تمری پرت ہے ......"

سینے پر ہاتھ ٹھونک کر — " اُسکو سارے کو نہ مارا تو ہم اپنے باپ کے نہیں۔ تہری بات دوسر ہے۔ تم ہمرے مالک ہو اسکو نہ مارا نہ مارا ...... اُو ہمار کون؟ آج مرے کل دوسر دن۔ کون سسُر جندگی ماں بڑا مجار کھا ہے۔ اوکرے اوکرے سارے کے باپ کی ایسی کا تیسی۔ اور تمرے باپ کی ایسی کی تیسی ..." بھکوڑی خوب نشے میں بڑبڑا رہا تھا کہ اتنے میں سامنے کو بھر دسے آیا

"دیہ آگیا — آگیا اوسکا جگری دوست"

کہکر وہ مارنے کے لئے لپکا کر خود لڑکھڑا کر گر پڑا۔ کچھ کہہ رہا تھا۔ چہرہ موم کی طرح بیجان اور سوجا ہوا ہو رہا تھا۔ تھوڑی تھوڑی دیر میں اُسے تے ہو رہی تھی

آواز آئی — "کھوں کھوں کھک کھک کھک ترسیو بیٹا پانی!"

لوگ بھکوڑی کو اٹھا کر بیوہ کے یہاں لے گئے۔

وہ بگڑی۔ اور بھکوڑی کو لٹانے کے لئے جگہ ٹھیک کرتی ہوئی بڑبڑائی۔

"منھ پیٹا کہیں کا! داڑھی جار مرنے کو نہیں آتا۔"

لیٹتے ہی بھکوڑی نے گڑگڑا کر بغل میں قے کر دی۔ کوٹھری میں تمام بدبو بھر گئی۔ بیوہ نے گالی دیتے ہوئے اسکی پیٹھ پر پھر ایک دھکا دیا اُسے اپنی دیدی سمجھ کر بھکوڑی لڑکھڑاتی زبان سے بڑبڑانے لگا۔

"دیدی دی دی دیدی دیدی یار آؤ ہم تمہرے ساتھ چل دیہیں چھوڑ کے چل دیہو؟ لے — لے لے لیو یہ ڈبی ہمکا چھوڑ کے کاہے چلی گیو دیدی؟ پہلے ای بتاؤ" بھکوڑی رو پڑا۔ جیسے دیدی کے ساتھ چھوڑ کر دوسری دنیا میں چلے جانے کے دھوکے کو وہ برداشت نہ کر سکا

اتنے میں سونی گلی میں ایک کتا رو پڑا۔ رونے کی آواز اندھیاری میں دور تک پھیل گئی۔

جلانے کی لکڑی، سوپ کا ٹھلہ دکھنگرکر پیچھے کھڑکھڑ ہوا۔ موت کی آخری چُوں چوں سنائی پڑی — اور ایک بلی جو چوہے کو منہ میں دبوچے ہوئے خون ٹپکاتی ہوئی لے گئی۔

بھکوڑی نے ادھر کر ایک بار سانس کھینچا اور چپٹ پڑ گیا۔

گھنگھنی سی آواز آئی۔

"ترسو آہ ترسو بیٹی! پانی۔ کھوں کھوں کھوں ......"

کسی نے دور پر گھر کا دروازہ بند کیا۔ اور ایک بھیانک سناٹا چھا گیا

---

# بقیہ مضمون صفحہ ۳

امریکہ کو کئی سال سے یہ خطرہ لگا ہوا تھا کہ جاپان شمالی چین پر حملہ نہ کر دے۔ آٹھ دس مہینہ ہوئے امریکہ کے ایک اخبار نے رائے دی تھی کہ بہتر یہ ہے کہ وہ تمام کمپنیاں جو امریکہ کے سرمایہ سے شمالی چین میں قائم ہیں توڑ دی جائیں۔ اور گورنمنٹ ان کا تاوان اس روپیہ سے ادا کرے جو اس نے فوجی طاقت کو گھٹا کر بچایا ہے۔

دوسرے اخبار کی رائے تھی کہ امریکہ کو اپنی ہوائی اور بحری قوتیں اتنی بڑھا لینا چاہئے کہ جاپان کو شمالی چین پر حملہ کرنے کی ہمت نہ پڑے۔

انگلستان کو بھی یہی خطرہ تھا جب سے واشنگٹن کی صلح سے جاپان نے انکار کر دیا اُسوقت سے انگلستان نے سنگاپور کو بحری مستقر بنانا شروع کیا۔ اور رفتہ رفتہ اسکو دنیا کا سب سے بڑا بحری طاقت کا مرکز بنا دیا۔

مگر ان باتوں سے کیا حاصل۔ یہ حکومتیں اپنے اندرونی جھگڑوں، بیرونی فسادوں اور کساد بازاری میں اتنی الجھی ہوئی ہیں کہ کسی کو اس معاملہ میں دخل دینے کی ہمت نہیں۔

جاپان نے اس بین الاقوامی معاملہ کو خوب سمجھ لیا ہے ممالک متحدہ امریکہ نے اپنے سفیر کے ذریعہ سے جاپانی حکومت کو اطلاع دی تھی کہ مشرق بعید کی لڑائی ممالک متحدہ کے مفاد کو نقصان پہونچاتی ہے۔ جاپان نے جواب دیا کہ وہ اپنے اندرونی معاملات میں بیرونی دخل در اندازی نہیں پسند کرتا ہے۔

حالات جہاں تک بتاتے ہیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ اب چین کی حالت ۱۹۳۲ء سے مختلف ہو۔ اب وہاں جاپانی دشمنی اتنی بڑھ گئی ہے کہ وہاں کی مختلف پارٹیوں نے اپنے جھگڑے طے کر لئے ہیں اور اس مشترکہ دشمن کے مقابلہ کے لئے خوب تیار ہیں۔ اس لئے کہ ہر پارٹی سمجھ رہی ہے کہ اگر جاپان نے ان صوبوں پر قبضہ کر لیا تو سب کا نقصان ہوگا۔ مرکزی حکومت پیکنگ کی حکومت کی امداد کرنے کو تیار ہے۔ ابھی تک اس کی خاص فوجیں میدان میں نہیں آئی ہیں۔ مارشل چیانگ کائی شیک کا بیان ہے کہ اب کی ان فوجوں کا نظم بہت عمدہ ہے۔ جاپان کا مستقر ٹنٹسن ہے، جہاں برابر کمک پہنچائی جا رہی ہے۔

ابھی لڑائی مکمل کر نہیں ہوئی ہے کسی مصلحت سے جنرل سنگ نے پیکنگ سے فوجیں ہٹا لیں۔ اور پیچھے ہٹ کر لڑنے کا ارادہ کیا ہے۔ جاپانیوں نے دریائے ینگ ٹنگ کے بائیں ساحل تک قبضہ کر لیا ہے۔ ٹنگ چاؤ اور ٹنٹسن کے قریب کچھ چینی چھاپے مار کر رہے ہیں۔

چینیوں کا خیال ہے کہ اب جاپانی حملہ پوٹنگ فو کی طرف ہوگا۔ مگر جاپانی ابھی چینیوں کی نقل و حرکت دیکھ رہے ہیں۔

# قطب شمالی کے راستہ سے امریکہ تک

(ژورنال دی ماسکو)

(دنیا کو پلٹنے والے ہوائی راستوں کی آخری کڑیاں اب تیار ہو رہی ہیں۔ ادھر چند ہفتوں میں بڑی کامیابیاں ہوئیں سب سے عجیب و غریب بات یہ ہے کہ روسی ہوابازوں اور سائنسدانوں نے قطب شمالی کے ایک برف کے تودے پر قیام گاہ بنائی ہے جہاں سے وہ ان ہوابازوں کی حالت کا مطالعہ کریں گے جو ماسکو سے سان فرانسسکو جائیں گے)

روس اور امریکہ کے درمیان دو ہوائی راستے زیر بحث ہیں۔

پہلا راستہ ماسکو سے نکل کر اسکینڈی ناویا اور آئس لینڈ ہوتا ہوا شمالی امریکہ کو جاتا ہے۔ اور نیویارک اور واشنگٹن پر ختم ہوتا ہے۔ دوسرا راستہ روس کو مغربی امریکہ سے ملاتا ہے۔

اب ایک اسٹیشن قطب شمالی پر تیار ہو گیا ہے۔ ماسکو قطب شمالی سیئٹل اور سان فرانسسکو والا راستہ عنقریب ابتدائی ہوائی سفر میں کام میں لایا جائے گا۔

قطب شمالی پر جو اسٹیشن بنایا گیا ہے۔ اس نے اس ہوائی راستہ کے متعلق بہت معلومات جمع کئے ہیں۔ جو ہوا باز ماسکو سے سان فرانسسکو جاتا ہو۔ اس کو یہ قیمتی باتیں بیچ بحر منجمد میں معلوم ہو سکتی ہیں۔ روسی افسروں نے اس لئے وہاں جا کر قیام کیا ہے کہ ان حالتوں کا مطالعہ کریں جو مختلف موسموں میں ہوابازوں کو پیش آتی ہیں، اور ان کا ایک باقاعدہ چارٹ بنائیں۔

یہ کوئی غیر ممکن بات نہیں ہے کہ رفتہ رفتہ فطرت کے وہ قوانین معلوم ہو جائیں جنکے تحت کبھی کُہرا بنتا ہے اور کبھی نہیں۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ ہمکو قطب پر چھائے ہوئے بادلوں کی لمبائی چوڑائی معلوم ہو جائے۔ اور ہوابازوں کو پہلے سے معلوم ہو جایا کرے کہ کس موسم میں کدھر سے جانا چاہیے۔

قطبی اسٹیشن سے جو مطالعہ کیا جائے گا وہ اس بات کو بھی صاف کر دے گا کہ قطب میں پہونچکر بھی قطب نما پر بھروسا کیا جا سکتا ہے اگر اس بات کا خیال رکھکر کہ فلاں مقام پر قطب نما کی سوئی اتنی ہٹ جاتی ہے اور فلاں مقام پر اتنی، راستوں کا کوئی چارٹ بن گیا تو پھر اس کی ضرورت نہیں رہے گی کہ سمت کا اندازہ کرنے کے لئے سورج تلاش کیا جائے۔ سورج کی مدد سے سمت معلوم کرنے کے لئے ہوا باز مجبور ہوتا ہے کہ بادلوں کے اوپر اڑے۔ ہوا باز کو اس چارٹ کی مدد سے جو قطب نما کے انحرافات کا لحاظ رکھکر بنے۔ اختیار رہیگا کہ جس بلندی پر چاہے اڑے۔ اسکے سوئچ بورڈ میں لگے ہوئے آلات راہ بتانے کو بالکل کافی ہوں گے۔ اسی طرح بحر منجمد کو پار کرنا آسان ہو جائے گا۔

قطب کے مقناطیسی طوفان کا صحیح مطالعہ کر لینے سے بڑے بڑے فائدے ہوں گے۔ ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ہمکو معلوم ہو جائے گا کہ قطب پر کیسے ریڈیو قائم کیا جائے۔

## برف کی تباہ کاریوں پر فتح

بحر منجمد کی پرواز بہت خطرناک ہے۔ پرزے بہت جلد جم جاتے ہیں روس کے ہوابازوں نے اس سے بچنے کے طریقے دریافت کر لئے۔ اور ان طریقوں سے بحر منجمد کی پرواز میں اچھی طرح کام لیا جا سکتا ہے۔

ان راستوں پر باقاعدہ آمد و رفت کی باتیں کرنا ابھی قبل از وقت ہے ابھی راستہ میں ہوائی اسٹیشن نادارد ہیں۔

کئی انجنوں کے ہوائی جہاز جو ان راستوں میں اُڑیں گے۔ ان کو ایک ہی سلسلہ میں بڑی مسافت طے کرنا پڑے گی۔ موسم کی تبدیلی ہوابازوں کو مجبور کر دے گی کہ وہ فی الفور راستہ بدل دیں انجن کا طاقتور ہونا بھی اہم بات ہے جو جہاز صرف ذرا سا سامان لے جا سکتا ہے، اس سے کچھ مالی فائدہ نہیں ہو سکتا اس کی حیثیت ہوائی محافظ کی سی ہوگی۔

ایسے ہوائی جہازوں کی ضرورت ہے جو خاصکر برف پر اُترنے کیلئے بنائے گئے ہوں، ان میں لمبے لمبے فاصلے طے کرنے اور بلندی پر اڑنے کی خاص طاقت ہونا چاہیے۔

ماسکو۔ سان فرانسسکو کا ہوائی راستہ اب خیال نہیں بلکہ واقعہ ہے۔ یہ امریکہ اور یورپ کو ملانے والا قریب ترین راستہ ہوگا۔ یعنی صرف ۶۲۵۰ میل

# قطب شمالی کے راز

## موسم کا عجائب خانہ

سوویٹ افسروں کے قطب شمالی جانے کا خاص مقصد یہ ہے کہ اس خطہ کے موسمی حالات کا مشاہدہ کریں، ہم کو ابھی تک اس خطے کے موسمی حالات کی بالکل اطلاع نہیں۔ کیونکہ جو لوگ قطب پر گئے وہ اتنی کم مدت ٹھہر سکے کہ ان کے معلومات سے کچھ زیادہ فائدہ نہیں اٹھایا جا سکتا۔

ایک مسئلہ جس کا حل کرنا بہت ضروری ہے یہ ہے کہ قطب شمالی کے تمام خطوں میں ہوائی اسٹیشنوں کا ایک جال بچھا دیا جائے۔ تاکہ شمالی موسم کے رازوں کی گتھیاں سلجھ جائیں۔

محکمہ شمالی سمندر کے مرکزی منتظم نے حال ہی میں کچھ قطبی موسمی اسٹیشن بنائے ہیں لیکن ایسے اسٹیشن امریکہ کیطرف تقریبًا نابید ہیں۔ خاص نقطہ شمالی پر کسی قسم کے مشاہدات نہیں ہو رہے ہیں اور نقطہ شمال بدستور موسم کا عجائب خانہ بنا ہوا ہے۔

اوپر کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ قطب شمالی میں موسمی مشاہدہ خانہ قائم ہو جانا کتنی اہم بات ہے۔ اگر مشاہدہ ہوتا رہا تو قطبی خطہ میں جو ذرا سا بھی تغیر ہوگا لکھ لیا جائے گا اور اس کا اثر وہاں کے مقامی حالات پر بھی دیکھا جائے گا۔ اور پھر موسم کے متعلق ذرا بھروسہ سے پیشین گوئی کی جا سکے گی۔ ایسے واقعات بہت کم ہوں گے کہ کوئی ہوائی جہاز دفعتًا طوفان، گہرے یا گھرے ہوئے بادلوں میں پھنس جائے اور ہماری زراعت کو بھی کم نقصان پہونچے گا۔ کیونکہ ہم کو اکثر قبل از وقت کھیت کاٹ ڈالنا پڑتے ہیں۔

قطبی مشاہدات کو کارآمد بنانے کے لئے ضرورت ہے کہ مشاہدات زیادہ عرصہ تک برابر ہوتے رہیں۔

صرف زمین پر مشاہدات کافی نہوں گے۔ ہوابازی کے لئے، اور موسم کے متعلق پیشین گوئی کرنے کے لئے یہی مناسب ہے کہ ذرا بلندی پر پہونچ کر موسم کا مشاہدہ کیا جائے۔ ترقی یافتہ ہوائی آلات کی مدد سے جن میں سے ایک کو ریڈیو کا غبارہ کہتے ہیں۔ فضائی حالات زمین تک پہونچ جاتے ہیں۔ سارے آلات میں خود بخود آواز بھر لینے والے پرزے استعمال کئے جاتے ہیں۔

### برف کیسے حرکت کرتی ہے

سائنس کا اسٹیشن جو بحر ظلمات کے مشاہدہ کیلئے قائم کیا گیا ہے سائنس کی ترقی اور عملی کاموں کے لئے بہت مفید ہوگا۔ پانی اور برف برابر حرکت میں رہتے ہیں۔ جہانتک ہماری معلومات کام کرتی ہیں برف جو بحیرہ ظلمات پر چھائی ہوتی ہے۔ بہار بیرنگ سمندر سے اس آبنائے کیطرف جو اسپٹسبرگن اور گرین لینڈ کو الگ کرتی ہے۔ حرکت کرتی رہتی ہے۔

ابھی بحر ظلمات کے پانی کی حرکت کے متعلق کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ کیونکہ مشاہدات کی بہت کمی ہے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ بحر ظلمات کی رو، اس کا سال بسال تغیر، قطبی برف کی تبدیلیاں شمالی سمندری راستوں پر بڑا اثر ڈالتی ہیں۔ جب بحر ظلمات کا مطالعہ کر لیا جائے گا تو آئندہ سال کی برف کے متعلق پیشین گوئی کرنا آسان ہو جائیگا۔ اور سائنسی معلومات پر جہازوں کو برف کی چٹانوں کے درمیان سے لے جانا آسان ہو جائے گا۔

## اطلاع نامہ بغرض اعلان و اشاعت حسب دفعہ ۱۱ ایکٹ جائدادھائے مقروضہ ممالک متحدہ (ایکٹ ۲۵ ۱۹۳۴ء)

بعدالت پنڈت بہاری لال بہار گو صاحب اڈیشنل اسپیشل جج صاحب بہادر درجہ دوم مقام بارہ بنکی

۱۳۱/۵

مقدمہ نمبری نمبر ۶ ۱۹۳۶ء

۱۔ سید ہدایت حسین
۲۔ حمایت حسین
۳۔ سید کفایت حسین } پسران ولایت حسین
۴۔ سید ظہیر الحسن ولد حمایت حسین

} ساکنان جرگا داں پرگنہ بہرتیوہ تحصیل حیدرگڈھ ضلع بارہ بنکی قرضدار سائل

بنام

جملہ قرضخواہان

چونکہ ہدایت حسین وغیرہ کی جانب سے ایک درخواست حسب دفعہ ۴۔ ایکٹ جائدادہائے مقروضہ پیش کی گئی ہے لہذا حسب دفعہ ۱۱ ضمن (۱) ایکٹ مذکور اطلاع دی جاتی ہے کہ اس جائداد کو جس کی تفصیل فہرست اسکے منسلکہ میں درج ہے درخواست دہندہ نے حسب دفعہ ۸ یا فریق ثانی نے حسب دفعہ ۱۰ اسائلان مذکور کی جائداد ظاہر کی ہے۔

اگر کوئی شخص جائداد مذکور کے متعلق کوئی دعویٰ رکھتا ہو تو اس اشتہار کے گزٹ ممالک متحدہ میں شائع ہونے کی تاریخ سے تین ماہ کے اندر اپنے استحقاق کے بارہ میں عدالت ہذا میں اپنی درخواست پیش کرے۔

میرے دستخط اور عدالت کی مہر سے آج بتاریخ ۷ جولائی ۱۹۳۶ء جاری ہوا

دستخط بخط انگریزی منصرم اڈیشنل اسپیشل جج درجہ دوم بارہ بنکی۔

مہر عدالت

### فہرست ھائے جائداد پیش کردہ حسب تفصیل

مندرجہ دفعہ ۸ پیش کردہ قرضخواہ حسب تفصیل مندرجہ دفعہ ۱۰ ایکٹ جائدادھائے مقروضہ ممالک متحدہ۔

### فہرست (الف)

قرضدار کے حقوق مالکانہ متعلقہ آراضی۔

| نمبر شمار | ضلع | [illegible] | [illegible] | [illegible] | [illegible] | [illegible] | کیفیت |
|---|---|---|---|---|---|---|---|
| ۱ | بارہ بنکی | اسعد اللہ ... ۴۲ [illegible] | جرگا داں پرگنہ بہرتیوہ مسمی ... حسین | موروثی اعلیٰ | اعلیٰ | مالگذاری ۶/۸ ۱۲ روپیہ ۵ | تیراں ... ۶/۸ |
| ۲ | . | . | . | . | . | . | . |

دستخط منصرم مورخہ ۷ جولائی ۱۹۳۶ء

# ہندستان نیوز پیپرس لمیٹڈ لکھنؤ

(جس کے ماتحت یہ اخبار شائع ہوتا ہے)

کل سرمایہ ۳۰۰۰۰
سرمایہ جس کے حصے آجکل فروخت ہو رہے ہیں ۱۰۰۰۰
سرمایہ جو وصول ہو چکا ہے ۳۵۰۰

## ڈائرکٹران

پنڈت گوبند ولبھ پنت
اچاریہ نریندر دیو
مسٹر رفیع احمد قدوائی
ڈاکٹر حسین ظہیر
ڈاکٹر محمد اشرف
ڈاکٹر عبدالعلیم

پتہ نمبر (۶) نیل روڈ لکھنؤ

# ہندستان میں اشتہار

## دے کر اپنے کاروبار کو بڑھائیے

### نرخنامہ اشتہارات

| باہر کا آخری صفحہ | اندر کے صفحے |
|---|---|
| پورا صفحہ ۲۵ روپئے | ۲۰ روپئے |
| آدھا ” ۱۳ ” | ۱۱ ” |
| چوتھائی ” ۷ ” | ۶ ” |

متفرق اشتہاروں کے لئے فی انچ چھ آنے۔ ڈیڑھ روپئے سے کم کا اشتہار نہیں لیا جائے گا۔ مستقل اشتہار دینے والوں کے ساتھ خاص رعایت کی جائے گی

منیجر "ہندستان"
۶ نیل روڈ، لکھنؤ



باہتمام منشی گرہاری لال سکسینہ طابع برقی پریس میں چھپوا کر حیات اللہ انصاری ایڈیٹر و پبلشر نے ۶ نیل روڈ لکھنؤ سے شائع کیا۔

جلد (۱) نمبر (۲) | ۱۵ ر اگست ۱۹۳۷ء | فی پرچہ ۱؎ سالانہ ۳؎

# انڈمن کی بھوک ہڑتال

کچھ دن ہوئے سر سموئل ہور نے کہا تھا کہ ڈارٹمور اور دوسرے مقامات پر قیدیوں کے ساتھ جو برتاؤ کیا جاتا ہے وہ بہت لغو ہے۔ زیادہ سختی کرنے سے صرف یہ ہوتا ہے کہ آدمی کے دل میں نیکی کا جذبہ مر جاتا ہے۔

ڈارٹمور کے جیل سے زیادہ یہ بات انڈمن کے جیلوں پر ٹھیک اترتی ہے۔ وہاں آدمیوں کے ساتھ جو برتاؤ ہوتا ہے وہ جانوروں کے لئے بھی مناسب نہیں، انڈمن کے قیدیوں میں سے ایک قیدی نے جو حال ہی میں رہا ہوا ہے اخباروں میں بیان دیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے۔

سر ہنری کریک نے انڈمن کو قیدیوں کا فردوس کہا ہے۔ اور سر ایمرسن نے ان کی ہاں میں ہاں ملائی ہے، ان لوگوں کے بیانات اسٹیٹسمین کے ہفتہ وار ایڈیشن میں چھپ چکے ہیں، ہم لوگوں نے انکے خلاف درخواستیں بھیجیں جو واپس کر دی گئیں۔ حکومت کو ہماری درخواستیں چھاپنے کی جرأت کیوں نہیں ہوئی؟ کیا یہ ظلم نہیں ہے کہ قیدیوں کو تو ایک لفظ کہنے کی اجازت نہ دی جائے۔ اور انکے مخالفین کے بیانات اخباروں میں نکلتے رہیں۔

جب کوئی آدمی کھائے پیئے، اچھے کپڑے پہنے جہاز سے اترتا ہے۔ اور سرسبز جزیرہ نیلے پانی اور نیلے آسمان سے گھرا دیکھتا ہے، تو اسکو یہ مقام واقعی جنت معلوم ہوتا ہے۔ لیکن اس کا حال ان لوگوں سے پوچھئے جو وہاں کی آہنی چار دیواری میں بند ہیں۔ ادھر کوئی سیاسی قیدی وہاں آیا، اور اسکی زندگی ختم ہو گئی۔ ہندستان کے جیل خانوں میں تو کبھی کبھار کوئی عزیز یا دوست ملنے آ جاتا ہے لیکن یہاں وہ بھی نہیں، نہ کوئی بات کہنے کو، نہ کوئی کتاب پڑھنے کو اور نہ کوئی مشغلہ جی بہلانے کو۔ اسپر اضافہ وہاں کا کھانا کپڑا۔ اور رہنے کی جگہ جسمانی، دماغی، جنسی ہر طرح کا قحط، اسی کا نتیجہ ہے کہ وہاں کے دو مریض حال ہی میں پاگل ہو گئے۔ اور بہت سے ایسے ہیں جو اپنا دماغی توازن کھو بیٹھے ہیں۔

صفائی کے نام پر اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ ایک چھوٹا سا صحن ہے جس میں باورچی خانہ، غسل خانہ، پیشاب گھر، اور پاخانہ سب ہی کچھ ہے۔ اگر کوئی نکل کر ٹہلتا ہے تو دھوئیں اور بو سے سانس گھٹتا ہے۔ صحن اتنا بڑا ہے کہ اگر ٹہلیں تو ایک دوسرے سے ٹکرا جائیں، آب و ہوا کی یہ حالت ہے کہ۔ پائریا، بدہضمی، ملیریا، انفلوئنزا، آشوب چشم، حلق آنا تو ایسا ہے کہ ہمیشہ ہر قیدی اس کا شکار رہتا ہے۔ ہم لوگ عنفوان شباب میں جاتے ہیں، مگر چند ہی سال میں جوانی کی تندرستی اور طاقت کھو بیٹھتے ہیں، ہر قیدی کا وزن گھٹ جاتا ہے۔ ابھی دس دق کا شکار ہو چکے ہیں۔

انڈمن کے قیدیوں کی یہ شکایت برسوں سے ہے ۱۹۳۳ میں انھوں نے بھوک ہڑتال کی تھی جس میں چار جوان مر گئے ۱۹۳۷ میں دو سو قیدیوں نے دو دن کا فاقہ کیا جب کچھ شنوائی نہ ہوئی تو ۲۴ جولائی کو حکومت کو اطلاع دی کہ ہم لوگ یکم اگست سے بھوک ہڑتال کرنے والے ہیں ورنہ ہم کو وطن واپس بلایا جائے۔ پہلی اگست سے بھوک ہڑتال شروع ہو گئی۔ کانگرس کی وزارتوں نے مرکزی حکومت سے اپنے اپنے قیدی بلا لینے کی درخواست کی ہے، لیکن بنگال کی وزارت نے جواب دیا کہ ہم ان قیدیوں کے متعلق اسی وقت غور کر سکتے ہیں جب وہ اسٹرائک ختم کر دیں، بنگالیوں نے ایک بہت بڑا جلسہ کیا جس کی صدارت رابندر ناتھ ٹیگور نے کی۔ اور اس میں حکومت سے ان لوگوں کو واپس بلا لینے کی درخواست کی۔

ان بدنصیب قیدیوں نے جب درخواستیں بھیجیں تو کوئی ادھر متوجہ نہیں ہوا۔ بلکہ یہ کہہ کر ٹال دیا گیا کہ وہ تو جنت ہے۔ اور اب جو وہ جان پر کھیل کر حکومت کو چونکا رہے ہیں تو جواب ملتا ہے کہ یہ تو دھمکانا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ راضی برضا کیوں نہیں رہتے۔ بنگال کے ہوم منسٹر نے کہا تھا کہ اگر انکی بات سن لی تو پھر ہر چور اچکا اسی طرح دھمکی دیا کرے گا۔ ہم پوچھتے ہیں کہ کیا اس کی دھمکی پر بھی پبلک میں یہی ہمدردی ہوگی؟ یوں ہی جلسے ہونگے اور رابندر ناتھ ٹیگور صدارت کریں گے؟ انسان قانون کے لئے نہیں، بلکہ قانون انسانوں کے لئے بنتا ہے، اور جیسی انسانوں کی ضرورتیں ہوں اسکو بدلتا رہنا چاہیے۔

## بے گناہ قیدی

بنگال میں عرصہ سے یہ دستور ہے کہ جو کوئی سیاست میں جوش کے ساتھ حصہ لیتا ہے، اسے دہشت انگیزی کے الزام میں بغیر کسی عدالت میں پیش کئے ہوئے قید کر لیا جاتا ہے۔ اس قسم کے سیکڑوں نوجوان جن پر کوئی جرم ثابت نہیں کیا گیا ہے اپنی عمر کا بہترین حصہ قید خانے میں گزار رہے ہیں۔ نئے دستور کے نافذ ہونے کے بعد یہ امید تھی کہ بنگال کی وزارت جس کا دعویٰ تھا کہ وہ پرجا کے حقوق کی محافظ اور آزادی کی علم بردار ہے فوراً ان بے گناہ قیدیوں کو چھوڑ دے گی، لیکن وہاں تو وہی دائے قائم ہیں جو نئے دستور سے پہلے تھیں۔ اب بھی فضل الحق صاحب وہی فرماتے ہیں جو ان سے پہلے کی حکومت کے نمائندے کہا کرتے تھے کہ دہشت انگیزی کم تو ضرور ہو گئی ہے لیکن ختم ابھی نہیں ہوئی ہے۔ اسلئے اندیشہ ہے کہ اگر قیدی چھوڑ دے گئے تو پھر لوگوں کی جانیں اور مال خطرے میں پڑ جائیں گے۔ ان کا بھی یہی خیال ہے کہ دہشت انگیزی کے کم ہونے کی وجہ یہ ہے کہ حکومت نے ان بے گناہوں کو قید کر دیا۔ اس سلسلے میں حکومت بنگال نے خصوصاً مشرقی بنگال کے نوجوانوں پر جو ظلم کیا ہے وہ اس سے ہزار گنا زیادہ ہے جو چند گمراہ نوجوانوں نے کسی زمانے میں دو چار انگریزوں پر کیا تھا اس چیز کو بہانہ بنا کر تمام بنگال کے نوجوانوں کو طرح طرح سے تنگ کرنے کا جو طریقہ پرانی حکومت نے اختیار کیا تھا "پرجا پارٹی" کے لیڈروں نے اسکو برقرار رکھا۔ ان نوجوان قیدیوں کو چھوڑنے کی تجویز کے بارے میں ان کا جو رویہ ہے اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وزیر اعظم بننے کے بعد ان تمام وعدوں کو جو انھوں نے انتخاب کے وقت کئے تھے، پورا کرنے کی بالکل ضرورت ہی نہیں سمجھتے۔ لیڈر ہی نہیں بلکہ پوری پرجا پارٹی کا یہی رویہ معلوم ہوتا ہے۔ دو تین دن ہوئے بنگال کی کانگرس پارٹی اور پرجا پارٹی کے درمیان اس معاملے پر بات چیت ہوئی لیکن پرجا پارٹی نے یہ بات منظور نہیں کی کہ ان قیدیوں کو فوراً چھوڑ دیا جائے بلکہ ان کی رائے تھی کہ حکومت کو اس کا اختیار دیا جائے کہ وہ مصلحت اور موقع دیکھ کر آہستہ آہستہ ان بے گناہ قیدیوں کو رہا کرے۔ چنانچہ بنگال اسمبلی میں کانگرس نے جو تجویز ان قیدیوں کو فوراً چھوڑ دینے کی پیش کی تھی وہ نامنظور ہو گئی اور پرجا پارٹی کی ترمیم رفتہ رفتہ چھوڑنے کی منظور ہوئی۔ اس سلسلہ میں بنگال کے وزیر اعظم نے جو تقریر کی، اس میں مرکزی حکومت کے ہوم ممبر یا سکریٹری آف اسٹیٹ کی تقریروں کی جھلک موجود ہے۔ وہی دفتری حکومت کا رنگ، وہی امن کے قائم نہ رہنے کا خطرہ، وہی حکومت کی گرفت مضبوط رکھنے کی ضرورت۔ یہ ہیں وہ مسٹر فضل الحق جن کو بنگال کے غریبوں نے اس لئے منتخب کیا تھا کہ وہ ان کے حقوق کے واسطے لڑیں گے اور یہ اسلئے ان لوگوں کے خلاف لڑ رہے ہیں جو رعایا کے حقوق کا مطالبہ کرتے ہیں

---

## گاندھی جی اور وائسرائے

چند روز ہوئے گاندھی جی یک بیک دہلی پہنچے اور وائسرائے سے ملے۔ اس واقعے کو ہمارے ملک کے اخباروں نے ایسی بڑی بڑی سرخیاں دے کر چھاپا اور اس پر ایسی خوشی منائی کہ گویا سوراج ہی مل گیا۔ گاندھی۔ ارون پیکٹ کے بعد سے ہر سیاسی مرض کی دوا یہ بتائی جاتی ہے کہ گاندھی جی اور وائسرائے میں ملاقات ہو۔ چنانچہ کانگرس پارٹی کے لیڈروں اور چھ صوبوں کے گورنروں میں جب وزارت کے بارے میں سمجھوتا نہ ہو سکا تو اس وقت بھی تمام ملک کے اخباروں نے یہی نسخہ تجویز کیا لیکن وائسرائے بہادر نے ایک نہ سنی اور گاندھی جی کو نہ بلایا۔ جب کسی نہ کسی طرح کانگرس نے وزارت قبول ہی کر لی، اور تمام ملک میں بقول ان اخباروں کے امن اور شانتی پھیل گئی تو وائسرائے کو یہ مناسب معلوم ہوا کہ دوستی کا ہاتھ بڑھائیں اور دیہات سدھار پر مہاتما جی سے گفتگو کریں۔ ہمیں تو اپنے دیس کے ان اخباروں کی عقل پر رونا آتا ہے جو یہ سمجھتے ہیں کہ برطانوی سامراج کے بندھن وائسرائے کی ملاقات اور بات چیت سے ٹوٹ سکتے ہیں۔ حاکم اور محکوم کے درمیان کتنی ہی میٹھی میٹھی باتیں کیوں نہ ہوں جب وقت آئیگا تو حاکم اپنی طاقت کی آزمائش سے کبھی نہ چوکیگا۔ اور جو محکوم غلامی سے آزاد ہونا چاہتا ہے اس کو چاہیے کہ ان میٹھی باتوں سے دھوکا نہ کھائے اور اپنی عملی قوت کو کمزور نہ ہونے دے، ورنہ اس کو آزادی کا منہ دیکھنا کبھی نصیب نہ ہوگا۔ وائسرائے نے گاندھی جی سے ملنے کی خواہش ظاہر کی اور وہ دہلی جا کر ان سے ملے۔ اس میں اعتراض کی کوئی بات نہیں لیکن اخباروں اور بہت سے سیاسی لیڈروں کا یہ کہنا کہ یہ بہت خوشی کی بات ہے ضرور اعتراض کے قابل ہے۔ اگر وزارت قبول کرنے کے یہ معنی ہیں کہ ایک نیا دور شروع ہو گیا اور غلام ہندستان کی برطانوی سامراج سے دوستی ہو گئی جب تو یہ واقعہ ضرور بہت مبارک ہے لیکن اگر آزادی کی کشمکش جاری ہے اور ہم اس کو کمی کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں تو اس واقعہ پر نہ خوشی منانے کی ضرورت ہے نہ افسوس کرنے کی۔

---

## فلسطین

شاہی کمیشن کے فیصلہ پر کہ فلسطین کو بانٹ دیا جائے دنیا کی بہت سی جماعتوں نے نفرین کیا ہے۔ خاصکر مسلمانوں نے بہت ناراضگی کا اظہار کیا ہے۔ کئی جلسوں میں اس پر اظہار نفرین کیا جا چکا ہے، اور برابر تازے جلسوں کی خبریں آ رہی ہیں۔ یہ معاملہ ہے بھی ایسا کہ اس پر جتنے غصہ کا اظہار کیا جائے کم ہے۔ لیکن بارہا تجربہ کیا جا چکا ہے کہ ایسے معاملے صرف جلسے کرنے، اور تجویزیں پاس کرنے سے حل نہیں ہوتے۔ کیونکہ اس طرح برطانوی سامراج پر کچھ اچھا دباؤ نہیں پڑتا۔ خلافت، خادم الحرمین، سرحد وغیرہ کی تحریکیں جو ڈھیلی پڑ گئیں، اسکی وجہ یہ ہے کہ ان تحریکوں میں عوام کے اغراض شامل نہ تھے اسلئے کوئی پائیدار جارحانہ کارروائی نہیں کی جا سکی۔ جب عوام کا فوری جوش مٹ گیا، تو تحریکیں بھی بے جان ہو گئیں۔ اصل یہ ہے کہ فلسطین کا معاملہ ہو یا چین کا۔ سرحد کا قصہ ہو یا اسپین کا، سب ایک سلسلہ کی کڑیاں ہیں یعنی سامراج کی جب تک دنیا میں سامراجی نظام باقی ہے یہ مظالم ہوتے رہیں گے۔ اس لئے ہماری کوششیں یہ ہونا چاہئیں کہ اس ناپاک نظام کو نیست و نابود کر دیں جو ایک طرف ہندستان کی ۳۳-۳۴ کروڑ آبادی کو فاقے دے رہا ہے، دوسری طرف چین پر گولے برسا رہا ہے، اور فلسطین کی عرب آبادی پر ظلم ڈھا رہا ہے۔ یہ نظام مشترکہ دشمن ہے۔ اس کا مقابلہ کرنے کو مزدور، کسان اور مفلوک الحال سفید پوش۔ سب دوش بدوش چلیں گے۔

---

## انگلستان اور اٹلی

انگلستان اور اٹلی میں میل کے موقعے بڑھتے جا رہے ہیں۔ کیونکہ دونوں جنرل فرانکو کی فتح چاہتے ہیں۔ انگلستان نے پہلے اپنے رویہ کو چھپائے رکھا تھا۔ لیکن اب جنرل فرانکو کی کھلم کھلا طرفداری کر رہا ہے۔ اور اسکو فریق مخالف تسلیم کرنے کی ساری کوششیں کر رہا ہے۔

جنرل فرانکو کو اٹلی اور جرمنی نے جو مدد دی ہے وہ ناکافی ہے۔ اور زیادہ مدد کیونکر دی جائے۔ مدد دینے کی صورت یہی ہے کہ انگلستان اپنی غیر جانبداری کی انجمن کی تحریک میں کامیاب ہو جائے، یعنی انجمن جنرل فرانکو کو باغی نہیں، بلکہ حکومت کا فریق مقابل تسلیم کرلے۔ انجمن کے ممبر ایسے ہیں کہ یہ بات کب کی تسلیم کر لی گئی ہوتی۔ مگر روس اور فرانس اس بات کے ماننے پر رضامند نہ ہو

## چین و جاپان

جاپانی فوجوں نے ٹنٹسن اور پے کنگ ریلوے پر قبضہ کر لیا۔ اور ان دونوں مقاموں کے درمیانی علاقہ پر بھی تسلط جما لیا۔ ان کا مقصد یہ ہے پے کنگ (چین کا پرانا دار الحکومت) اور ٹنگ تائی پر قبضہ کر لیں۔ اس طرح مرکزی حکومت پر دباؤ ڈال کر اپنے شرائط منوانے میں آسانی ہوگی۔ چین کی مرکزی حکومت نے اپنی فوج کے بیس جتھے اس علاقے کیطرف بھیجے۔ مقصد یہ ہے کہ پے کنگ اور ٹنٹسن ریلوے کے درمیانی علاقے پر پھر قبضہ کر لیا جائے۔ چینی ہوشیار افسر پے کنگ میں جمع ہیں اور لڑائی کے نقشہ پر غور کر رہے ہیں۔

پے پنگ کا دروازہ بند کر دیا گیا تھا۔ چیزوں کی قیمت بڑھ گئی تھی ۱۵۔ اگست کو جاپانی فوجیں وہاں داخل ہو گئیں اور انھوں نے چینی حکومت کا ریڈیو توڑ ڈالا۔

۱۱ اگست کو مقام نان کاؤ پر، جو پے پنگ کے جنوب مغرب میں ۲۵ میل کے فاصلہ پر واقع ہے، مرکزی حکومت کی خاص فوجوں اور جاپانی فوجوں سے مڈبھیڑ ہوگئی مقابلہ جاری ہے۔

لڑائی کی تیاریاں دونوں جماعتوں نے خوب کی ہیں۔ جاپانی پارلیمنٹ نے اکتالیس کروڑ ین کی اس لڑائی کے لئے منظوری دی ہے۔ امریکہ کی اطلاع ہے کہ جولائی میں اسلحہ کی خریداری میں اول نمبر چین کا ہے۔ اس نے تین لاکھ دس ہزار ڈالر کا جنگی سامان خریدا ہے جس میں سے دو لاکھ تین ہزار کے ہوائی جہاز خریدے ہیں، جاپان نے دو لاکھ چار ہزار کا سامان خریدا ہے جس میں زیادہ حصہ جنگی ہوائی جہازوں کا ہے، اور کچھ تجارتی ہوائی جہاز ہیں۔ جاپان نے اپنے بیس جنگی جہاز وبسنگ میں جو دریائے یانگ ٹزی کیانگ کے دہانے پر شنگھائی کے قریب واقع ہے بھیجے ہیں۔ ان میں سے چھ سپاہ گاہ

کے اندر گھس آئے مگر کوئی فیر نہیں کیا۔

ہان کاؤ میں جہاں جاپانیوں کی خاص تجارتی آبادی تھی لڑائی کا بہت اندیشہ تھا۔ وہاں جاپانی فوجیں اپنے تاجروں کی کوٹھیوں کی حفاظت کر رہی تھیں۔ چینی حکومت کو اعتبار نہیں تھا اس لئے اسکے ہوائی جہاز اوپر منڈلاتے رہے۔ مگر پھر رفتہ رفتہ جاپانی ہان کاؤ سے چلے گئے۔ جو باقی ہیں وہ جا رہے ہیں۔ اور وہاں لڑائی چھڑ جانے کا خطرہ اب بہت کم ہے۔

جاپان کا مقصد یہ نہیں ہے کہ کوئی بڑی لڑائی لڑے۔ اس میں خطرہ یہ ہے کہ چین کی ساری قوتیں مل جائیں گی۔ لڑائی طول کھینچ لے گی اور پھر بہت نقصان دہ ثابت ہوگی۔ جاپان صرف یہ چاہتا ہے کہ ڈرا دھمکا کر شمالی چین میں من مانے تجارتی حقوق حاصل کر لے۔

# کانپور کی اسٹرائک

کانپور کی اسٹرائک نے ہماری جدوجہد کو ایک قدم اور آگے بڑھا دیا یعنی یہ بات صاف ہو گئی کہ جب کبھی کانگریس کے ہاتھ میں قوت آئی تو وہ مزدوروں کا ساتھ دے گی نہ کہ کارخانہ داروں کا۔

وزارت قبول کرنے کا مقصد ہی یہ ہے کہ اپنی جدوجہد کو مضبوط کیا جائے۔ ظاہر ہے کہ مکمل آزادی ہکو عرض معروض سے نہیں مل سکتی۔ اس کے لئے کبھی نہ کبھی ہم کو کوئی زبردست تحریک اٹھانا پڑے گی۔ اور اس تحریک کا زور سو گنا بڑھ جائے گا، اگر اس میں مزدور سبھائیں شریک ہو گئیں۔ اس لئے اسوقت ہمارا سب سے بڑا کام یہ ہے کہ مزدور سبھاؤں کو مضبوط کیا جائے اور کارخانہ داروں کو مجبور کیا جائے کہ وہ ان کو مزدوروں کا نمائندہ تسلیم کریں۔

کہا جاتا ہے کہ اسٹرائک سے صنعت و حرفت کو نقصان پہونچتا ہے، مزدوروں کو بھلا صنعت و حرفت کی ترقی کی کیا پرواہ۔ انکی تو زندگی، روٹی اور دھوتی پر گذرتی ہے، وہ مصنوعات سے فائدہ ہی کیا اٹھا سکتے ہیں۔ انکا تو یہ حال ہے کہ پیٹ بھرنے کو ملجائے وہی بہت ہے۔ رہی اس بات کی لالچ کہ اگر اسٹرائک کروگے تو ہندستان کی صنعت و حرفت کو نقصان پہونچے گا، اور اگر اسٹرائک نہ کروگے تو صنعت بڑھے گی اور ملک کا روپیہ ملک ہی میں رہے گا۔ یہ بھی انپر کام نہیں کر سکتی، کیونکہ اس سے انکو کوئی نفع نہیں ہوتا۔ ہم کلکتہ کی اسٹرائک کا تماشا دیکھ چکے ہیں کہ ہندستانی کارخانہ دار بھی ہندستانی مزدوروں کے ساتھ ظالمانہ برتاؤ کر سکتے ہیں۔ سوباس چندر بوس نے اپیل کی تھی کہ بڑی شرم کی بات ہے کہ کارخانہ دار بھی ہندستانی مزدور بھی ہندستانی پھر بھی جھگڑا۔

### مزدور اور کارخانہ دار

یہ جھگڑا بنیادی جھگڑا ہے جس کا تعلق رنگ۔ زبان، قوم سے نہیں ہے۔ بلکہ موجودہ اقتصادی نظام سے ہے۔ کارخانہ دار اور مزدور دو ایسی جماعتیں ہیں جن میں کبھی میل نہیں ہو سکتا۔ کوئی قانون ایسا نہیں ہو سکتا جس میں دونوں کا نفع ہو۔ اس لئے کہ کارخانہ دار اور مزدور کے درمیان تعلق ہوتا ہے چند گھنٹوں اور تنخواہ کا۔ اگر گھنٹے کم ہوتے ہیں اور تنخواہ بڑھتی ہے تو نقصان ہوتا ہے کارخانہ دار کا۔ اگر روپیہ کم ملتا ہے اور کام کا وقت بڑھتا ہے تو نقصان ہوتا ہے مزدور کا۔ مزدوروں اور کارخانہ داروں کا رنگ کالا ہو یا گورا، وہ انگریزی بولتے ہوں یا ہندستانی، مسلمان ہوں یا ہندو۔ دونوں جماعتوں کا یہ اختلاف مٹ نہیں سکتا۔

### ہندستان کا مزدور

دنیا میں سب سے کم تنخواہ پانے والے، اور سب سے زیادہ دیر تک کام کرنے والے ہندستان کے مزدور ہوتے ہیں۔ بعض مقامات پر انکی تنخواہیں چھ پیسے اور چار پیسے روزانہ تک ہیں۔ اور دس گھنٹہ گیارہ گھنٹہ روزانہ کام کرتے ہیں۔ تنخواہ کی یہ کمی بتاتی ہے کہ مزدوروں میں کتنی زیادہ بیکاری ہے۔ بیکاری نے آقاؤں کو مزدوروں کے حالات کیطرف سے بالکل لاپروا بنا دیا ہے۔ ان کو انکی بیماری دکھ، زندگی موت سے کسی طرح کی غرض نہیں۔ اگر ایک

مزدور بیماری کی وجہ سے نہیں آسکتا ہے تو انکو ہٹادیا جائیگا۔ اگر ایک مزدور نے خفا ہوکر کام چھوڑ دیا ہے تو منشی کی فہرست پر ہزاروں فرضمندوں کے نام چڑھے رہتے ہیں جنکو جب چاہیں ملازم رکھ لیں۔

ہندستانی کارخانہ دار بھی چھوٹا سرمایہ دار ہوتا ہے۔ وہ زیادہ سے زیادہ نفع اٹھانا چاہتا ہے اس غرض سے زیادہ سے زیادہ دیر تک کام لیتا ہے، کام کا وقت تو مقرر ہے سات سے پانچ تک۔ مگر کھانے کیلئے ایک گھنٹہ کی جو چھٹی ملتی ہے اس میں سے دس منٹ کاٹ لیتے ہیں۔ کارخانے ۵ بجے بند کرتے ہیں۔ اکثر یہ کہکر کہ آج کام زیادہ ہے تم لوگوں کی نمک حلالی کا تقاضا یہ ہے کہ دو گھنٹہ زیادہ ٹھہر جاؤ" کام لے لیتے ہیں۔ جو لوگ ٹھہر جاتے ہیں ان میں ایک، دو کو ترقی دیدی جاتی ہے۔ اور جو نہیں ٹھہرتے انکا نام نمک حراموں کی فہرست میں لکھ لیا جاتا ہے۔ انکے لئے ترقی کا کوئی موقع نہیں رہتا اکثر ذرا ذراسی بات پر وہ لوگ علحدہ کردئے جاتے ہیں۔

دکھانے کے لئے اسپتال ہوتا ہے۔ تھوڑی بہت صفائی کا بھی انتظام ہوتا ہے۔ مگر یہ صرف دکھانے ہی کے لئے۔ اسپتال کا حال یہ ہے کہ ٹنچر آئڈین کی ایسی سستی دوا میں بھی آدھے سے زیادہ پانی ملا ہوتا ہے، مکانات چھوٹے چھوٹے ہوتے ہیں، اس میں مزدور کا پورا کنبہ جسکی تعداد کسیطرح دس بارہ آدمیوں سے کم نہیں ہوتی رہتا ہے۔ مزدوروں میں فیصدی ۷۵ ایسے ہوتے ہیں جن کی تنخواہ آٹھ آنہ روزانہ سے کم ہوتی ہے، اتنی ہی آمدنی میں سارے کنبہ کے پیٹ کو پالنا پڑتا ہے۔ اس لئے یہ موٹا جھوٹا کھاتے ہیں۔ اور کپڑا کم سے کم پہنتے ہیں۔ جاڑے میں تین تین چار چار آدمی ایک گدڑی میں بسر کرتے ہیں۔

یہ زندگی ایسی نہیں ہے جو بلا در دسر کے چلی جاتی، کنبہ میں سے اگر کوئی مرگیا تو خلاف معمول تین چار روپیہ خرچ ہوجاتے ہیں، حساب پورا کرنے کے لئے قرض لینا پڑتا ہے۔ اور وہ قرض مزدور کے سر پر مسلط رہتا ہے، بندھی ہوئی آمدنی میں تو ذراسی بھی گنجائش نہیں۔ اب قرض ادا ہو تو کہاں سے۔ اسوقت مزدور بدحواس ہوجاتا ہے اور یہ چاہتا ہے کہ کسی نہ کسی طرح آمدنی بڑھے۔ شادی بیاہ کی طرح اور بھی بہت سے مواقع ہیں جو مزدور کے دل کی قناعت کو پاش پاش کردیتے ہیں، جاڑوں میں سردی کپڑوں کی ضرورت کو یاد دلاتی ہے۔ روکھی سوکھی کھاتے کھاتے جی اکتا جاتا ہے اسکا جی چاہتا ہے کہ کبھی کبھی اچھا کھانا بھی میسر آجائے۔ لڑکے کھلونے چاہتے ہیں بیوی زیور چاہتی ہے، ان خواہشوں کو غریبی دبا سکتی ہے، مگر مٹا نہیں سکتی۔ جب آدمی ان خواہشوں کو پورا نہیں کرسکتا ہے تو دل میں ایک بےچینی رہتی ہے۔

سب سے بڑی مصیبت یہ ہے کہ مزدور کو ہر وقت یہ ڈر بنا رہتا ہے کہ ملازمت چھوٹ نہ جائے۔ مستری کی ذراسی ناخوشی۔ ایک دن کی غیر حاضری۔ دو تین دن کی بیماری جگہ چھڑوا دینے کیلئے کافی ہے، اسی لئے اس کو خواہ مخواہ بہت مسکین بنا رہنا پڑتا ہے جا و بیجا خوشامد کرنا پڑتی ہے۔

## مالک اور انتظام

مالک کو جس چیز کی سب سے زیادہ فکر ہوتی ہے وہ یہ بات ہے کہ مل میں انتظام رہے۔ انتظام کے معنے یہ ہیں کہ خرچ کم ہو۔ آمدنی زیادہ ہو۔ اس غرض سے وہ اچھی تنخواہوں پر کچھ آدمی ملازم رکھتا ہے، اگر وہ لوگ انتظام اچھا کرتے ہیں تو ان کی ترقی ہوجاتی ہے ورنہ وہ علحدہ کردیتے جاتے ہیں، یہ لوگ زیادہ تر اوسط طبقے کے ہوتے ہیں۔ یہ لوگ اپنے میں تھوڑی بہت "مالکیت" کا احساس کرتے ہیں، اور مزدوروں سے نہیں بلکہ مالک سے ہمدردی رکھتے ہیں۔ انکا کام یہ ہوتا ہے کہ کم تنخواہوں پر مزدور رکھ تلاش کریں۔ اُن سے زیادہ سے زیادہ کام لیں۔ اور ایسی صورتیں کرتے رہیں کہ مزدور آپس میں جتھا بناکر کسی طرح کا دباؤ نہ ڈال سکیں۔ اس لئے یہ کچھ مزدوروں کو جاسوس بناکر کام چلاتے ہیں، اُن کے ذریعہ سے مزدوروں کی سبھاؤں میں پھوٹ ڈلواتے رہتے ہیں۔

جہاں انکو پتہ چلا کہ کوئی آدمی مل کے "انتظام" کے لئے مضر ہے اسکو فوراً ترقی دے کر اپنے میں ملا لیا یا الگ کردیا۔

یہ وہ باتیں ہیں جو "کارخانے" کی خصوصیات ہیں، اور جب تک کارخانے باقی ہیں یہی مزدوروں کا اتحاد، اور اسٹرائک کارخانہ داروں کے لئے بے حد مضر ہے۔ اس سے ایک دن میں لاکھوں کے وارے نیارے ہوجاتے ہیں، اگر کارخانہ دار کو روپیہ کی لالچ ہے تو وہ ان چیزوں کے دبانے کی ہر امکانی کوشش کریگا۔ ظاہر ہے روپیہ کی لالچ نہ ہوتی تو کارخانہ ہی کیوں کھولتا۔ اتحاد اور اسٹرائک کو دبانے کی صرف دو صورتیں ہیں، یا تو یہ کہ ہتھکنڈے کرکے ان تحریکوں کو دبا دیا جائے یا مزدوروں کو خوشحال بنا دیں۔ چونکہ دوسری صورت اختیار نہیں کرسکتے اسلئے پہلی ہی صورت اختیار کرتے ہیں۔

## کیا مزدور مطمئن ہوسکتا ہے

دوسری صورت یوں اختیار نہیں کرسکتے کہ اگر ایک ایک پیسہ بھی مزدوری کی تنخواہ میں بڑھتا ہے تو سرمایہ دار کی جیب سے دس ہزار نکل جاتا ہے، دوسری طرف ایک ایک پیسہ بڑھنے سے مزدور ذرا بھی خوش نہیں ہوگا، جو مزدور تین آنے پاتا ہے، اگر اسکو ایک روپیہ روز بھی ملنے لگے تو بھی اسکو سکون نہیں میسر آسکتا۔ پہلے سے حالت ضرور بہتر ہوجائے گی، اور کچھ دنوں قناعت میں ڈوبا رہیگا۔ آدمی کا حال یہ ہے کہ سکون کی ابتدا اسوقت سے ہوتی ہے جب اچھا کھانا، اچھا کپڑا، اچھا گھر ملے اور ساتھ ہی ساتھ جو لوگ اپنے قریبی عزیز اور دوست ہیں انکو بھی یہی نعمتیں میسر ہوں، اس درجہ کو پہونچکر آدمی صلح پسند ہوجاتا ہے، اگر بآسانی کچھ ملگیا تو لے لیا ورنہ زیادہ جد وجہد نہیں کرتا، مزدور کا اس درجہ پر پہونچنا بہت مشکل ہے، اگر وہ اپنے بال بچوں سمیت خوشحال ہو بھی گیا تو بھی اسکے دو تین سگے بھائی، دو تین سگی بہنیں مصیبت میں رہیں گی، اور اس کا اس پر خاصا اثر پڑتا رہیگا، اس صورت میں اگر روز روز نہیں تو کبھی کبھی اسٹرائک ضرور کرے گا۔

مزدوروں کی بےچینی کی جڑیں ہندستان کے دیہاتوں میں جہاں سے یہ مزدور آتے ہیں پھیلی ہوئی ہیں، اس لئے یہ خیال کرنا کہ اسٹرائک بند ہوسکتی ہے، یا کم ہوسکتی ہے سخت غلطی ہے۔ جب تک ہندستان کے عوام کی حالت نہیں سدھرتی، اسٹرائکیں برابر ہوتی رہیں گی۔

مزدور کبھی چھوٹی بات پر اسٹرائک نہیں کرتے، سچ پوچھو تو اُن کے مطالبات میں کوئی چھوٹی بات ہوتی ہی نہیں، تنخواہ کا وقت پر نہ ملنا۔ رخصت نہ ملنا۔ بیمار ہوجانے پر علحدہ کردیا جانا۔ کام مقررہ گھنٹوں سے زیادہ لینا۔ نگرانوں کی بیجا سختیاں، ضروریات سے فراغت کے لئے اجازت نہ ملنا، ڈانٹ ڈپٹ وغیرہ، یہ وہ فہرست ہے جو ہر اسٹرائک میں رہتی ہے۔ اگر یہ سب باتیں دور بھی کردی جائیں تو سب سے بڑی مصیبت یعنی تنخواہ کی کمی رہجاتی ہے جس کو کارخانہ دار ہمیشہ ٹال جایا کرتے ہیں۔

## اسٹرائک کیسے ہوتی ہے

یہ مطالبات پہلے سالہا سال تک عرض معروض کی صورت میں پیش ہوتے رہتے ہیں یوں کہ ایک ایک نے شکایت کی کہ تنخواہ وقت پر نہیں ملتی ہے۔ پھر دس دس، بارہ بارہ آدمیوں نے شکایت کی۔ اس موقع پر انتظام سے کام لیا جاتا ہے۔ یعنی جو آدمی زیادہ اصرار کرتا ہے اسکو الگ کردیا جاتا ہے۔ جب مزدور مایوس ہوجاتے ہیں، اسوقت وہ یہ گوارا کرلیتے ہیں کہ دو تین مہینہ بیکار رہیں، ملازمت کھوئے کا خطرہ اٹھائیں، پولیس کے ڈنڈوں اور گولیوں کے سامنے سینہ سپر کردیں۔ اور بعد کو جیل خانے جائیں۔ اس کی دوسری تصویر یہ ہے کہ بال بچے فاقے سے پڑے ہوئے ہیں، اور بنیا پچھلے قرض کا تقاضا کررہا ہے، جس وقت ایک ہزار مزدور اسٹرائک کرتے ہیں تو اسکا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ۷۰۰۰ ہزار انسانوں نے اسٹرائک کی۔

اسٹرائک ایسی جد وجہد ہے جس کی تعلیم اسٹرائک کرنے کیلئے ہوتی ہے۔ پہلے مزدور الگ الگ اپنے حقوق کیلئے لڑتے ہیں، مگر جہاں انھوں نے جمع ہوکر اسٹرائک کردی فوراً صاف ہوجاتا ہے کہ سب کے حقوق ایک ہیں ملیں گے تو سب کے نہیں تو کسی کو نہیں۔ اس طرح انکے شخصی اغراض، جماعتی اغراض بن جاتے ہیں۔ اسٹرائک سے مزدور کو معلوم ہوتا ہے کہ کارخانہ دار ہمارا کتنا محتاج ہے۔ اگر ہم کام نہ کریں تو اسکو ایک پائی بھی نہ ملے۔ اسکو اپنی قوت پر گھمنڈ ہوجاتا ہے۔ دوست دشمن کا امتیاز ہوجاتا ہے۔ اسٹرائک انکو آئندہ کی جد وجہد کی لئے اس طرح تیار کرتی ہے، جیسے قواعد لڑائی کے میدان کے لئے۔

# اسپین کی خانہ جنگی

اسپین کی لڑائی چھڑے ایک سال سے زیادہ ہو گیا۔ اور لڑائی بھی معمولی لڑائی نہیں ہے۔ جنرل فرانکو نے کوئی ظلم اور خونریزی حکومت کی رعایا کے لئے اٹھا نہیں رکھی۔ امن پسند قصبات اور معصوم کاشتکاروں پر بم کے گولے برسائے، اناج، اور دواؤں سے لدے جہاز ڈبو دیئے۔ لیکن حکومت کی ہمت میں ذرا بھی کمی نہیں ہوئی، وہ اسی استقلال سے فرانکو کا مقابلہ کر رہی ہے۔

یہ لڑائی ایک دم سے شروع ہو گئی ہے۔ پہلے سے اس کیلئے نہ تو حکومت تیار تھی، اور نہ فرانکو۔ اس لئے یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ دونوں فریق نے پہلے سے فوجیں تیار کر لی تھیں۔ اسلحہ جمع کر لئے تھے، اور کھانے کا ذخیرہ مہیا کر لیا تھا۔ تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ کروروں روپیہ، اور لاکھوں جانیں جو لڑائی پر بھینٹ چڑھ رہی ہیں کہاں سے آ رہی ہیں اور کیوں آ رہی ہیں؟

اس غرض سے اسپین کی لڑائی کی بنیادوں کو ٹٹولنا پڑے گا

## زمین کا مسئلہ

اسپین کا زراعتی مسئلہ ہی وہ مسئلہ ہے جس نے وہاں کی آبادی کو دو گروہوں میں بانٹ دیا ہے۔ ایک باغی فرانکو کے ماتحت ہے۔ اور دوسرا حکومت کے ماتحت۔ اس جنگ سے جو فریق بھی فتحیاب ہو کر نکلے گا اسکو یہ مسئلہ حل کرنا پڑے گا۔ اگر یہ حل نہ ہوا تو پھر اسی طرح کی خانہ جنگیاں ہوں گی، اور اسوقت تک ہوتی رہیں گی جب تک یہ حل نہ ہو جائے۔

## کاشتکار

اسپینیوں میں سے ۷۰ فیصدی کاشتکار ہیں، اور وہاں کی زمین کا بہت حصہ کاشت کے قابل ہے۔ لیکن اس میں سے صرف ۴۰ فیصدی حصہ کاشت کیا جاتا ہے، باقی بیکار پڑا رہتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تقریباً چالیس پچاس ہزار بڑے بڑے جاگیردار ہیں جن کے قبضے میں آدھی سے زیادہ قابل زراعت زمینیں ہیں، اور دوسری طرف تینتالیس لاکھ پچاس ہزار کاشتکار ہیں جن میں سے کچھ لوگ تو ایسے ہیں جو ایک ایکڑ یا اس سے بھی چھوٹے کھیتوں کے مالک ہیں اور کاشتکاری سے اپنا اور اپنے جانوروں کا پیٹ پالتے ہیں، اور کچھ لوگ ایسے ہیں جو بیکار ہیں اور زمین کی تلاش میں مارے مارے گھومتے ہیں، کاشتکاروں کے ان دونوں گروہوں کی تقریباً ایک ہی سی حالت ہے یعنی دن بھر کی کمائی سے جو ملتا ہے وہ پیٹ کو جاتا ہے، اور ایک شخص اگر آج کھیت کا مالک ہے تو بہت ممکن ہے کہ دس سال کے بعد بیکار ہو کر مارا مارا گھومے، اور اسکا کھیت کسی دوسرے کے قبضے میں آ جائے۔

## جاگیردار

جاگیرداروں کے پاس اتنی دولت ہے کہ ان کو روپیہ کی پرواہ ہی نہیں۔ کہا جاتا ہے کہ شاہ الفانسو کے زمانہ میں اسپین بھر کی دولت کا آدھا حصہ ان لوگوں کے پاس تھا۔ ان جاگیرداروں کو کیا ضرورت کہ وہ خود انتظام کی فکروں کا بوجھ اپنے سر پر اٹھائیں یہ کام تو انکے کارندے کرتے ہیں۔ جنکو قدرتاً دولت کی چاٹ پڑ جاتی ہے۔ اور وہ دونوں ہاتھوں سے لوٹتے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ زمینوں کا بہت بڑا حصہ یا تو بیکار پڑا ہوا ہے یا شکارگاہوں، گالف کی فیلڈوں، گھوڑ دوڑ کے میدانوں کی صورت میں تبدیل کر دیا گیا، اب رہی وہ زمین جس میں کاشت ہوتی ہے سو اس کا حال یہ ہے کہ اس کی قوت پیداوار دن بدن گھٹتی جاتی ہے۔ کیونکہ نہ ان کو ٹھیک طرح سے کھاد دی جاتی ہے اور نہ ان کی ٹھیک طرح سے صفائی کرائی جاتی ہے، کوئی جاگیردار اگر اپنی زمین کی درستی کا ارادہ کرے بھی تو نہیں کر سکتا۔ کیونکہ اس کو ایک مشت بڑی لمبی رقم سالانہ صرف کرنا پڑے گی۔ اور دس بارہ سال تک بظاہر اس کا کوئی نفع نہیں ہوگا۔ کسی جاگیردار کے پاس اتنا روپیہ نہیں۔ ان لوگوں کی زندگی ایسی عیش و عشرت میں جکڑی ہوتی ہے کہ آمدنی سے کچھ زیادہ ہی خرچ ہو جاتا ہے۔

اسی کا ایک اثر یہ ہے کہ بادشاہت کے ختم ہونیکے وقت (سنہ ۱۹۳۱ء) اسپین کی مربعہ زمین میں سے ۰۰۰،۱۰۰،۱۵،۴۷ ایکڑ زمین بیکار پڑی ہوئی تھی، اور صرف ۰۰۰،۰۰۰،۴۸ ایکڑ پر کاشت ہو رہی تھی، اس کی بھی پیداواری قوت اتنی گھٹ گئی تھی کہ جس زمین میں تین سو من غلہ پیدا ہونا چاہئے، اس میں صرف دو سو من پیدا ہوتا تھا۔

## عام ابتری

اس طرح اسپین کی قومی دولت گھٹ گئی، چیزیں مہنگی ہو گئیں، بیکاری بڑھ گئی، عوام کی غریبی اور فاقہ کشی بڑھ گئی، ساتھ ہی ساتھ ان کی صحت بھی بگڑ گئی۔ سنہ ۱۹۳۵ء میں حساب لگایا گیا تھا کہ انگلستان کے مزدوروں کو جو مزدوری ملتی ہے اسکا ۱/۵ حصہ اسپینی مزدوروں کو اسپین میں ملتا ہے۔ اسپین کے کاشتکاروں میں بارہ لاکھ پچاس ہزار ایسے ہیں جنکے پاس صرف ایک ایکڑ زمین ہے اور بیس لاکھ ایسے کاشتکار ہیں جنکے پاس زمین ہی نہیں۔ جو نوکری کی تلاش میں مارے مارے پھرتے ہیں، اور ان کی نوکری کا تناسب یہ ہے کہ سال میں صرف چار مہینہ نوکری ملتی ہے۔ اس طرح گویا کہ بتیس لاکھ پچاس ہزار کاشتکاروں کی حالت بہت زبوں ہے۔

اگر ایک کاشتکار کے گھرانے کا اوسط ایک بیوی اور دو بچے رکھا جائے تو نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ دو کروڑ چالیس لاکھ کی آبادی میں ایک کروڑ تیس لاکھ انسانوں کی حالت یہ ہے کہ نہ انکے پاس کھانے کو ہے، نہ پہننے کو، اور نہ علاج کو، اور نہ ان لوگوں کی حالت اسوقت تک درست ہو سکتی ہے جب تک یہاں کا سارا نظام نہ بدل دیا جائے۔

## پہلا انقلاب

یہ مسئلہ ایسا نہیں تھا جو عرصہ تک دبا ہی رہتا۔ رفتہ رفتہ اس سے ایک جماعت متاثر ہوئی اور اس نے نئے سرے سے زمین کی تقسیم کا ایک پروگرام بنایا جس کا مقصد یہ نہیں تھا کہ زمین کو سماج کی ملکیت بنا دیا جائے۔ بلکہ یہ مطلب تھا کہ بیکار زمینوں کو پھر سے کارآمد بنایا جائے، زمین کی پیداواری قوت بڑھائی جائے اور نئے زراعتی آلات اور مشینوں کا رواج ہو، اسی کا ایک نتیجہ پیدا ہو رہا تھا، وہ یہ کہ حکومت جاگیرداروں پر اپنے اختیارات بڑھا رہی تھی۔ اسکا مقصد یہ تھا کہ عوام کا کچھ بھلا ہو جائے۔ گویا کہ وہ ایک طرف امیروں کی دولت گھٹا رہی تھی، اور دوسری طرف غریبوں کی غریبی۔

سنہ ۱۹۳۱ء میں اس جماعت کو کامیابی ہوئی، اور اس کے ممبر کثرت سے منتخب ہو کر آ گئے۔ دو سال تک انکی گورنمنٹ رہی۔ لیکن یہ لوگ کچھ نہ کر سکے، دو سال کے اندر جاگیرداروں نے اپنی قوت خاصی بڑھا لی اور پھر جو انتخاب ہوا اس میں جاگیرداروں کو

گئی ہوئی۔

اصلاح پسندوں کو اپنی جماعت کی خامیاں نظر آئیں وہ یہ کہ لوگ "انقلابی" بالکل نہیں تھے انھوں نے کوئی بنیادی تبدیلی نہیں کی کام اس طرح کا چاہتے تھے کہ جاگیردار بھی خوش رہیں اور کاشتکار بھی۔ اب ان لوگوں نے اپنی پارٹی کی پھر سے تشکیل کی اور اپنے اصول ایک حد تک "انقلابی" بنائے۔ اس کا ملک پر خاصا اثر پڑا۔ اور یہ لوگ سنہ میں پھر منتخب ہو کر آگئے گویا ملک نے فیصلہ کر دیا کہ جاگیرداری نظام نہیں باقی رہے گا۔

## ردعمل

جاگیردار ایسی بات کب پسند کر سکتے تھے۔ جنرل فرانکو نے ان لوگوں کا ہمدرد بنکر دو ہی مہینہ کے بعد بغاوت شروع کر دی۔

اب یہ مسئلہ خاصا واضح ہو گیا کہ حکومت کو قوت کن لوگوں سے پہونچ رہی ہے، اور فرانکو کن لوگوں سے۔

## اسپینی حکومت کی فوجی طاقت

اسپین کے مزدوروں اور کاشتکاروں کو یقین ہے کہ ہم لوگوں کی روٹی، اور آزادی کی صرف ایک ہی صورت ہے، وہ یہ کہ حکومت کی فتح ہو۔ وہ لوگ حکومت کی خاطر ہر طرح کی قربانیاں کرنے کو تیار ہیں، فرانکو نے امن پسند رعایا پر اسی لئے بم برسائے، کہ اس طرح وہ لوگ لڑائی سے ڈر جائیں، اور حکومت کا ساتھ نہ دیں، مگر اثر اس کا بالکل الٹا ہوا کاشتکار اگر سمجھے تو یہ سمجھے کہ یہ نمونہ ہے اس طرز کی حکومت کا جو فرانکو قائم کرنا چاہتا ہے، وہ بجائے بھاگنے کے زیادہ ثابت قدمی سے حکومت کے طرفدار بن گئے۔

دنیا کے مزدوروں اور کسانوں کو قدرتی طور پر اسپینی حکومت سے ہمدردی ہو گئی۔ بہت سے ملکوں سے مزدوروں کے جتھے اسپین گئے اور حکومت کیطرف سے لڑے۔

دنیا میں ایک جگہ ایسی بھی ہے جہاں مزدوروں اور کسانوں کی حکومت ہے، وہ جگہ روس ہے۔ روسی حکومت نے اسپینی حکومت کی ہر طرح سے مدد کی، رسد بھیجی، ہوائی جہاز بھیجے، وہاں کے ہوابازوں نے اسپینی رعایا کو یہ فن بہت جلد سکھا دیا، جس سے حکومت کی ہوائی طاقت، باغی جنرل کی ہوائی قوت سے کسی طرح کم نہیں رہی۔

یہ نہیں کہا جا سکتا کہ روس کے ہوا باز، اور ہوائی جہاز اسپین میں اب بھی ہیں یا نہیں۔

گر خبروں سے یہ بار بار معلوم ہوتا ہے کہ انکے سکھائے ہوئے اسپینی ہوا باز بہت جرأت اور اچھی تنظیم سے فرانکو کا مقابلہ کر رہے ہیں۔

## فرانکو کی فوجی طاقت

اندازہ کیا جا رہا ہے کہ فرانکو کا روزانہ پندرہ لاکھ روپیہ صرف ہو رہا ہے اس طرح ابتک ساٹھ کروڑ کے قریب خرچ ہو چکا ہوگا۔ یہ روپیہ کہاں سے آتا ہے۔

ایک دفعہ خیال ظاہر کیا گیا تھا کہ شاہ الفانسو کے خاندان والے فرانکو کی مدد کر رہے ہیں، ان لوگوں نے ایک بار اپنے تمام جواہرات بیچ کر فرانکو کی امداد کی تھی۔

اور بھی بہت سے سرمایہ دار ہیں جو فرانکو کی امداد و اعانت کر رہے ہیں۔ اس میں سب سے زبردست مدد وہ ہے جو اس باغی جنرل کو اٹلی اور جرمنی سے مل رہی ہے۔ ان دونوں ملکوں کا نفع اسی میں ہے کہ فرانکو کی فتح ہو اور حکومت ہار جائے، اگر حکومت جیت گئی اور اٹلی کے قریب ایک ایسی حکومت قائم ہو گئی جو مزدوروں اور کسانوں کی ہوگی تو پھر مسولینی اور ہٹلر کو اپنے یہاں کے مزدوروں اور کسانوں کو قابو میں رکھنا دشوار ہو جائے گا۔ ان دونوں ملکوں کے مزدوروں اور کسانوں کو ضرور یہ خیال ہوگا کہ اگر اسپین میں سرمایہ داروں کی طاقت کو یوں فنا کر دیا گیا ہے۔ تو ہمارے ملک میں کیوں نہیں اس میں کامیابی ہو سکتی۔ روس کی مثال ان میں بغاوت پیدا کرنے کے لئے بہت کافی ہے، اگر روس کا ایسا ایک اور ملک یورپ میں پیدا ہو گیا تو پھر ان کی بغاوت کی روح کسی طرح فنا نہیں کی جا سکے گی،

دوسری بات یہ ہے کہ اگر فرانکو کی فتح ہو گئی تو مسولینی اور ہٹلر کو اپنا ایک ساتھی مل جائے گا جو انکے دوش بدوش ہو کر برطانیہ اور فرانس سے اس بات کی خواہش کریگا کہ نو آبادیات کی تقسیم از سر نو کی جائے، اسکے علاوہ ان لوگوں کو یہ بھی امید ہے کہ اسپین میں بعض تجارتی اجارے مل جائیں گے۔ اس لئے یہ دن کھول کر فرانکو کی مدد کر رہے ہیں، جب غیر جانب دار انجمن کے یہ ممبر تھے اور انکے جہاز اسپین کے ساحل پر اس بات کی نگرانی کے لئے تعینات کئے گئے تھے کہ کوئی حکومت کسی فریق کی مدد نہ کرنے پائے تو ان لوگوں کو فرانکو کی مدد میں بڑی آسانی ہوئی تھی، انکے ہوائی جہاز دن کو حکومت پر بار بار گولے برسائے، جب اس بات کی شہرت ہوئی تو اٹلی اور جرمنی نے یہی مناسب سمجھا کہ غیر جانبداری انجمن سے علیحدہ ہو جائیں۔ یہ حکومتیں انجمن سے علیحدہ ہو گئی ہیں، لیکن خفیہ امداد بدستور جاری ہے۔

# اِسٹالن کے مظالم!

چند روز گذرے حکومت روس نے پھر کچھ افسروں کو حکومت کے خلاف سازشیں کرنے کے جرم پر گرفتار کیا۔ ہندوستانی اخباروں نے حسب دستور اس سے فائدہ اٹھا کر روس کے خلاف پروپگنڈہ شروع کر دیا۔ وہاں کے سیاسی مقدمات کی جو روداد آتی ہے وہ اس بے تکی طرح چھاپی جاتی ہے کہ اسٹالن کے مظالم کی دہشت تازہ ہو جاتی ہے۔ اور کوئی غور نہیں کرتا کہ یہ مظالم کیوں ہو رہے ہیں، روس میں ان مظالم کے خلاف ہیجان کیوں نہیں ہوتا۔ اگر یہ صورت ہے کہ وہاں ہیجان ہوتا ہے مگر زبردستی دبا دیا جاتا ہے تو اسٹالن کے پاس وہ کون سا طریقہ ہے جسکی مدد سے وہ ان لوگوں کو اس بری طرح دبا دیتا ہے؛ اگر کوئی ایسا طریقہ ہے تو اسکو حکومت کیطرف سے کیا انعام ملتا ہے؟ ایسے پروپگنڈے کی مثالیں بکثرت ہیں۔ حال ہی میں ایک مضمون بمبئی کرانیکل اور لیڈر میں چھپا ہے وہ شروع یوں ہوتا ہے "روئے زمین کے ایک چھٹے حصے سے زیادہ پر ایک گھٹا چھائی ہوئی ہے۔ سولہ کروڑ

عورتوں اور مردوں کے دلوں میں خوف اور بے چینی سمائی ہوئی ہے، سوویٹ یونین کے میدانوں پر، اسکے جنگلوں میں، اور اس کی سڑکوں پر دہشت کا راج ہو رہا ہے

قیدخانوں کی چار دیواریوں کے اندر سے طمنچہ کی بھیانک آواز آتی ہے جنرلوں کمیساروں اور گورنروں کا بھیجا اڑ جاتا ہے، اور وہ زمین پر ڈھیر ہو جاتے ہیں۔

صرف ایک شخص طے کرتا ہے کہ کب دہشت پھیلے گی، اور کب ہٹ جائے گی۔ وہ شخص جوزف اسٹالن ہے۔ روس کا آہنی انسان جو کریملن کی دیواروں اور فصیلوں کے اندر تنہا بیٹھا ہوا ہے۔ سارا سوویٹ یونین اس کی مٹھی میں ہے۔

اپنی مملکت میں اس کو خدائی کے اختیارات حاصل ہیں۔ جسے چاہتا ہے، اور جسکو چاہتا ہے مار ڈالتا ہے۔

اگر روس کوئی جنوبی امریکہ کی ریاست ہوتا تو ہم ان موتوں پر افسوس کرتے

گھران میں کوئی سیاسی دلچسپی نہ لیتے لیکن روس دنیا میں بہت بڑی طاقت ہے۔"

تحریر کا انداز بتاتا ہے کہ مصنف کو روس سے کتنا بغض للّہی ہے۔ اور اس کی کتنی کوشش ہے کہ پڑھنے والے کے دل میں اوپر والے سوالات نہ پیدا ہونے پائیں۔ اسی طرح ہندستان کے ۹۹ فیصدی اخباروں نے پیشہ اختیار کر لیا ہے کہ روس کے خلاف جیسا بھی مضمون ملجائے، اسکو بہت چمکا کر چھاپیں گے۔ اور نہ خود غور کریں گے اور نہ پڑھنے والوں کو غور کرنے دیں گے کہ یہ سب کیوں ہو رہا ہے؟

اپنے پروگنڈے کا اثر اچھا ہوا ہے۔ اگر کسی سے روس کی تعریف کرو تو وہ یہی کہتا ہے کہ وہاں سے تو دو قسم کی خبریں آتی ہیں، مخالف بھی اور موافق بھی، کوئی کہیں پر بھروسا کرے۔ ٹھیک کہتا ہے۔ یہ تو اخباروں کا کام ہے کہ واقعات کی چولیں بٹھا کر اُن کو نتیجہ خیز بنائیں۔

ہندستان کے اخبار تو چولیں بٹھانے کی ذمہ داری ہی نہیں لیتے ہیں۔ یورپ کے اخبار ذمہ داری لیتے ہیں تو ذرا دیکھئے کہ کس طرح؟

جنوری میں حکومت روس نے اپنے کچھ بڑے بڑے افسروں پر اس بات کا مقدمہ چلایا تھا کہ انھوں نے سویٹ کی رعایا میں بےچینی پھیلانے کے لئے کئی جگہوں پر آگ لگائی۔ ریلیں لڑائیں، سویٹ کی حکومت توڑنے کے لئے جرمنی اور جاپان سے سازشیں کیں، اور اسٹالن اور اسکے افسروں کو مار ڈالنے کی اسکیمیں بنائیں۔ مقدمہ کھلی عدالت میں چلایا گیا۔ جہاں دنیا کی بڑی بڑی تمام حکومتوں کے سفیر موجود تھے۔ مجرمین نے عدالت کے سامنے صرف اپنے جرموں کا اقبال ہی نہیں کیا۔ بلکہ اپنی اسکیمیں بتائیں جو ان تباہ کاریوں کے لئے تیار کیں تھیں۔ اُن حکومتوں کا نام لیا جو اس سازش میں شریک تھیں۔ عدالت نے "نام لینے" کی ممانعت کی، مگر مجرمین نہیں راضی ہوئے تھے۔ جب جج نے عدالت برخاست کر دینے کی دھمکی دی تب جا کر وہ نام لینے سے رُکے۔ ان لوگوں نے اپنی حرکتوں پر خوب نفرین کی، اور بہت پچھتاتے رہے، اور اقرار کیا کہ ہم لوگوں کی سزا کیلئے موت بھی کم ہے۔ حکومت نے اس پچھتانے کے صلے میں چار آدمیوں کی جنکا جرم کم تھا جان بخش دی، اور تین کو دس دس سال کی اور ایک کو آٹھ سال کی سزا دی۔

اس طرح کے اقبال پر لندن کے اخباروں نے عجب طرح سے رائے زنیاں کیں، مارننگ پوسٹ نے رائے ظاہر کی کہ یہ یا تو کسی دوا کا اثر ہے، یا ہپناٹزم کا اثر ہے۔

ایک ڈاکٹر نے اس کا جواب دیا کہ آج تک تو کوئی دوا ایسی دریافت نہیں ہوئی جو آدمیوں کو اتنا حواس میں چھوڑ کر بھی بدحواس کر دے۔ اور نہ ہپناٹزم میں یہ اثر ہے۔ جان بڑی پیاری چیز ہے۔ یہ سب اسی کے کارن ہو رہا ہے۔ ان لوگوں کا جرم تو کھل ہی گیا ہے۔ اب اگر زندگی کی کوئی امید ہے بھی تو صرف اسی صورت میں کہ گورنمنٹ رحم کرے، اس غرض سے یہ لوگ اس طرح اقبال کر رہے ہیں۔

یہ بات یوں نہیں جچتی کہ یہی وہ تھے جنھوں نے روس میں انقلاب لانے کے لئے اپنی جانوں کی کبھی پروا نہ کی۔ اب وہی اس طرح اپنے کو ذلیل کریں۔ اور ایک دو نہیں سب کے سب۔

مئی میں ایک واقعہ اور ہوا جس نے ان قیاس آرائیوں کو بُری طرح ڈھا دیا۔ وہ یہ کہ چند بڑے بڑے افسروں نے عدالت کے سامنے آ کر خود سے یہ اقرار کیا کہ ہم لوگ سمجھتے تھے کہ جس ڈھنگ پر سویٹ کی حکومت چل رہی ہے وہ سرمایہ داری کو از سر نو زندہ کر دے گا۔ اسی لئے اس حکومت کو توڑنے کی کوشش کرتے رہے لیکن حالات بتاتے ہیں کہ ہم غلطی پر تھے۔ کیا یہ بھی دوا کا اثر تھا؟ یا جان کی خاطر تھا؟

ہنسی اسوقت آتی ہے جب ہندستانی اخبار ان خبروں پر کہ روس میں قتل و غارت "روس کی رعایا میں بدامنی اور شورش" .... روس میں مطلق العنان حکومت"، کی سرخیاں دیتے ہیں، اور دو تین افسروں کے مقدمہ اور سزائے موت کی خبر سناتے ہیں۔ گویا انکے خیال کے موافق ملک میں کوئی باغی نہ ہونا چاہیئے۔ ملک کے کسی آدمی پر مقدمہ نہ چلنا چاہیئے۔ رعایا میں سے کسی کو سزائے موت نہ ہونی چاہیئے۔ یہ معیار دیکھیئے اور ہندستان کو دیکھیئے جہاں جیل خانے قیدیوں سے بھرے پڑے ہیں۔ روز نہ ہزاروں کو پھانسی ہوتی ہے۔ ۳۰ کروڑ مخلوق ایک وقت فاقہ یا ذرا سے ستو پر گذارہ کرتی ہے، اور دوسرے وقت وہ کھانا کھاتی ہے جو بیل اور بھینس کے ہضم میں کافی خون نہ پیدا کر سکے، یہ لوگ سسک سسک کر کم عمری میں مر جاتے ہیں۔ دوسری طرف حکومت کا جو حال ہے وہ ظاہر ہے، مگر افسوس ہے ان اخباروں کی دوربینیں اپنی آنکھ کا شہتیر نہیں دکھائی دیتیں۔

ہندستان کا تذکرہ ہی بیسود تھا۔ لینا چاہیئے انگلستان کو جو تجارت کا راجہ ہے۔ وہاں ملک معظم کی تاجپوشی کے زمانے میں موٹر والوں نے اسٹرائک کی اور کسی طرح نہیں مانے۔ اگر حکومت ذرا بھی سختی کرتی تو یہ اسٹرائک انگلستان کے تمام کارخانوں، ریلوں اور جہازوں میں پھیل جاتی، اور ملک معظم کی حکومت کو جشن تاجپوشی میں رونق پیدا کرنے میں بُری دشواری پیش آ جاتی۔ اٹلی کو لیجیئے۔ جس نے صرف اپنی رعایا کی بیکاری اور اس سے پیدا ہونے والی بےچینی کو دور کرنے کے لئے حبش کو ہڑپ کر لیا۔ جرمنی کو لیجیئے جو آئے دن جنگ کی دھمکی دیتا رہتا ہے۔ صرف اس لئے کہ جرمنی کی تجارت بڑھے۔ وہاں ملیں زیادہ چلیں اور وہاں کی بیکاری گھٹے۔ جاپان کو دیکھیئے جو اسی لئے چین سے لڑائی کر رہا ہے۔ یہ حرکتیں بتاتی ہیں کہ ان ملکوں میں کتنی بےچینی ہے۔

روس سے کبھی خبریں آتی ہیں کہ وہاں کی رعایا میں بےچینی ہے؟ یا مزدوروں نے کوئی زبردست اسٹرائک کی ہے؟ اسٹرائک اور بےچینی وہ چیزیں نہیں جو دبانے سے دب سکیں۔ اگر ایسا ہونا ممکن ہوتا تو ہندستان میں آج کانگریس نظر نہیں آتی۔ کلکتہ میں اسٹرائک ہوتی مزدوروں کی اسٹرائک پر وہ بلا ہے، جو آج تک کسی حکومت کے روکے نہیں رُکی۔ اگر وہاں کی رعایا میں بےچینی ہوتی تو اس صورت میں ظاہر ہوتی۔ اگر خبریں آتی ہیں تو اس بات کی کہ چند بڑے اور با اختیار لوگوں نے کچھ باغیانہ اسکیمیں بنائیں، وہ گرفتار ہوئے اور سزائے موت دی گئی۔ اگر ملک میں بےچینی ہوتی تو کم از کم عوام میں ان کی موت ہی پر کچھ ہنگامہ ہوتا۔ کیا ان لوگوں کی بےچینی سے ہم وہی نتیجے نکال سکتے ہیں جو انگلستان کے موٹر والوں کی اسٹرائک اور ہندستان کے الکشن سے؟ یا اٹلی کی حبش پر اور جاپان کی چین پر دستبرد سے۔

روس کا کیا حال ہے؟ یہ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ۱۹۳۲ء میں روس کی پیداوار جنگ عظیم کی پیداوار سے تگنی۔ اور ۱۹۲۸ء کی پیداوار سے دوگنی تھی ۱۹۳۴ء میں اور زیادہ ہو گئی ہے حالانکہ انگلستان اور دوسرے ممالک کی پیداوار جنگ عظیم کے بعد سے اتنی گھٹ گئی ہے کہ سو کی جگہ ۷۵ رہ گئی ہے۔ روس میں بڑے بڑے کارخانے بنتے جاتے ہیں۔ زار کے زمانے سے اب دس گنے کارخانے ہیں۔ ان کارخانوں میں اشتراکیوں کے کارخانے ۹۹ فیصدی ہیں۔ اسی طرح قابل زراعت حصہ زمین پہلے کی بہ نسبت دوگنی سے زائد ہے، اور سائنٹفک طریقوں، اور بڑے پیمانہ پر کاشت کرنے کی وجہ سے پیداوار تگنی سے زائد ہے۔ اس سے پہلے اگر ۴۴ آمدنی ہوتی تھی تو اب ۹۳ ہے۔ پہلے اُجرت اگر ۱۰۰ ملتی تھی تو اب ۱۶۸ ہے۔

پیداوار کی ایک طرف اتنی کثرت اور دوسری طرف بکری کی کمی نہیں۔ یہ برابر معلوم ہوتا ہے کہ جو سامان تیار ہو کر بازار میں آتا ہے فوراً بک جاتا ہے۔ وہاں کے دوکاندار کو نہ اشتہار بازی کرنا ہوتی ہے۔ نہ مال کو اس طرح سجانا ہوتا ہے کہ خریدار للچائیں، کسی اور طرح کا خریداروں کو لالچ دینا پڑتا ہے۔

یہ سب سامان کون خریدتا ہے؟ روس کے پاس کوئی غلام ملک نہیں جہاں

وہ تجارت کرے۔ جسکو اپنا بازار بنا سکے۔ اور نہ وہاں اتنے رئیس لوگ ہیں کہ سامان بہت سا خرید لیں۔ ہم کو ماننا پڑے گا کہ اگر پیداوار اتنی بڑھی ہے، تو وہاں کے عوام کی حالت بھی سدھر گئی ہے کہ وہ کارخانوں کا بنا ہوا سامان خریدتے ہیں۔

یہ مقدمات کیسے تھے؟ اس پر اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ بجائے سوشلزم کی ناکامیابی دکھانے کے یہ بتاتے ہیں کہ وہ خوب کامیاب ہوا ہے۔

۱۹۲۸ء میں اسٹالن اور ٹراٹسکی میں یہ اختلاف ہو گیا تھا۔ ٹراٹسکی کا یہ خیال تھا کہ ابھی سوشلزم کے اصول نہ برتنا چاہئیں یعنی یہاں سماجی کارخانے تعمیر نہ ہوں، اور زمین کو سماج کی ملکیت بنانے کی کوشش نہ کی جائے۔ ورنہ یہ ہوگا کہ کسانوں پر زیادہ ٹیکس لگے گا جس سے وہ انقلاب کے دشمن بن جائیں گے۔ روس میں سوشلزم کے اصول اسوقت برتنے چاہئیں جب دنیا کے چند ایسے ملکوں میں بھی انقلاب ہو جائے جہاں کارخانوں کی کثیر تعداد ہے۔ اسوقت روس کی زرعی پیداوار اور وہاں کے کارخانوں کے اتحاد عمل سے سوشلزم کے اصول کامیاب ہو جائیں گے۔

اسٹالن کی پارٹی نے یہ نظریہ تسلیم نہیں کیا۔ اُن کے خیال میں اس نظریہ کی بنیاد اس بات پر ہے کہ کسانوں میں انقلابی جذبہ بہت کمزور مان لیا گیا ہے۔ ورنہ اُن کے انقلاب دشمن ہونے کی کوئی وجہ نہیں، رفتہ رفتہ وہ سمجھ سکتے ہیں کہ یہ اصول ہمارے لئے مفید ہیں

اختلاف تھا طرز حکومت میں۔ یعنی سر دست ذاتی ملکیت مٹائی جائے یا نہیں۔ ٹراٹسکی کے نزدیک اسوقت ذاتی ملکیت کے خلاف جہاد کرنا خلاف مصلحت تھا۔ اسٹالن کے نزدیک یہی مصلحت۔ اس صورت میں دونوں شخصیتیں روس میں نہیں رہ سکتیں تھیں۔ ورنہ خانہ جنگی کا اندیشہ تھا۔ اسٹالن کی بات قرین قیاس نظر آئی۔ سرخ فوج نے اس کا ساتھ دیا۔ ٹراٹسکی کو روس سے نکل جانا پڑا۔

اسٹالن کا نظریہ کہاں تک ٹھیک رہا۔ اسوقت روس کی حالت ظاہر کرتی ہے۔ یعنی وہاں کارخانوں کی کثرت ہے۔ امداد باہمی کے اصول پر کاشت کئے جانے والی کمپنیوں کی کثرت ہے۔ انفرادی تجارت کی سماجی تجارت کے مقابلہ میں کمی ہوتی جارہی ہے۔ یعنی اسوقت صرف ۱۴ یا ۵ فیصدی ہے۔

ٹراٹسکی کے نظریہ کے بعض حامی روس میں بڑی جگہوں پر تھے۔ انھوں نے سمجھا کہ اسٹالن کا نظریہ نہیں کامیاب ہو سکتا۔ اس کا نتیجہ صرف یہی ہوگا کہ روس میں سرمایہ داری پھر جڑ پکڑ جائے گی۔ جن لوگوں نے اپنی زندگی کا عزیز ترین حصہ اس ظالم چیز کے مٹانے میں صرف کیا ہو ان لوگوں کے لئے یہ خیال کتنا روح فرسا ہو سکتا ہے کہ وہ چیز پھر پیدا ہو جائے گی۔ ان لوگوں نے حکومت روس کو مٹانے کی اسکیمیں سوچیں۔ انکے نزدیک چند آدمیوں کا مرنا کوئی اہمیت نہیں رکھتا جبکہ اس کا مقصد اتنا اعلیٰ ہو کہ انسان ہمیشہ ہمیشہ کے لئے فاقہ کشی اور ذلتوں سے نجات پا جائے۔ ان لوگوں نے ریلیں لڑا دیں۔ کانوں میں آگ لگا دی۔ کارخانوں کو جلوا دیا۔ ان باتوں سے انکا مقصد یہ تھا کہ رعایا کو حکومت کی طرف سے بدگمانی ہو جائے۔ پھر وہ سمجھ جائے گی کہ یہ ہمکو سرمایہ داری کیطرف لئے جا رہی ہے۔

ان لوگوں نے جرمن اور جاپان سے اس بات کی سازش کی کہ وہ روس پر حملہ کریں کیونکہ اسی طرح یہ امید تھی کہ حکومت روس کمزور ہو جائے گی۔ اور دوبارہ انقلاب لانا آسان ہوگا۔

لیکن زمانے نے ان تخیلات کا بالکل ساتھ نہ دیا۔ کارخانے برابر بڑھتے گئے کشت زار بڑھتے گئے۔ ذاتی کارخانے اور ذاتی ملکیت ٹوٹتی گئی۔ رعایا فارغ البال ہو گئی۔ اور قوانین ایسے ایسے بنے جس سے عوام کے حقوق حکومت پر زیادہ ہو گئے۔ رعایا میں کسی طرح کی شورش نہ پھیلی۔

جب ان لوگوں میں اپنے نظریہ کو اس بری طرح ناکامیاب دیکھا تو اُنکے ضمیر نے ملامت کی، گویا کہ یہ لوگ انسان کی فلاح کے لئے نہیں، بلکہ انسان کی تباہی کے لئے کوششیں کر رہے تھے۔ یہ سرمایہ داری کی مخالفت میں نہیں بلکہ سرمایہ داری کے موافقت میں جد و جہد کر رہے تھے۔ یہی کوفت تھی جس نے انکی زبان سے اپنے جرم کا اقبال کرایا۔

# ہم لوگ

آنند نرائن مُلّا

سرخیٔ انقلاب ہیں ہم لوگ<br>عنوانِ شباب ہیں ہم لوگ

تیرہ و تار غم کی راتوں میں<br>مژدۂ آفتاب ہیں ہم لوگ

تشنہ کاموں کی بزمِ حسرت میں<br>ذکرِ جامِ شراب ہیں ہم لوگ

موت کے حملہ ہائے پیہم پر<br>زندگی کا جواب ہیں ہم لوگ

کون آنکھیں ملائیگا ہم سے<br>جلوۂ بے نقاب ہیں ہم لوگ

قوم کا دل ہلا دیا ہم نے<br>نالۂ مستجاب ہیں ہم لوگ

کون دے گا صدا پہ اپنی صدا<br>نعرۂ انقلاب ہیں ہم لوگ

سونے والوں کو کر دیا بیدار<br>اک پریشاں سا خواب ہیں ہم لوگ

جنکے مٹنے میں بھی ہو اک تعمیر<br>وہی خانہ خراب ہیں ہم لوگ

کام ناکامیوں سے لیتے ہیں<br>کسقدر کامیاب ہیں ہم لوگ

کوئی ہمسا نہیں زمانے میں<br>آپ اپنے جواب ہیں ہم لوگ

ایک روشن سی جسکی ہے تعبیر<br>وہی دھندلا سا خواب ہیں ہم لوگ

زیست کا ماحصل ہے دورِ شباب<br>اور جانِ شباب ہیں ہم لوگ

# نوجوانی

علی سردار جعفری

نہ چھیڑ اے ہمنفس ٹوٹے ہوئے بربط کے تاروں کو
جگایا یوں نہیں کرتے ہیں خوابیدہ شراروں کو

میری آشفتہ حالی دیکھ کر تو مسکراتا ہے
مرے بوسیدہ پیراہن سے تو نظریں چراتا ہے

مری آواز تیرے نرم کانوں پر گراں کیوں ہے؟
مری پژمردگی سے اسقدر تو بدگماں کیوں ہے؟

دکھاؤں آ تجھے کیا اس شکستہ دل کی قیمت ہے
یہاں آ تجھکو بتلاؤں کہ کیا میری حقیقت ہے

زمانے کا ستم ہر دم رہا ہے راز داں میرا
بھرا ہے ایسے ہی کانٹوں سے سارا گلستاں میرا

غموں کو روند کر ہنستا ہوا پھرتا ہوں دنیا میں
طمانچے موج کے کھاتا ہوا جاتا ہوں دریا میں

زمانے بھر میں تنہا راز داں ہوں لذت غم کا
سراپا درد ہو کر بھی ہوں درماں سارے عالم کا

مری فطرت زمیں کی وسعتوں کو تنگ کہتی ہے
مری عزت اضافی عزتوں کو ننگ کہتی ہے

اُمنگوں نے مجھے دودھ اپنے سینے سے پلایا ہے
ہزاروں ولولوں نے میرا گہوارہ ہلایا ہے

کھلایا ہے مجھے گودوں میں جرأت نے حمیت نے
سُلایا لوریاں دے کر مجھے ہمت نے غیرت نے

جہاں کی گردشوں نے درد و غم کی راحتیں بخشیں
مجھے خودداریوں نے زندگی کی لذتیں بخشیں

مرے نعروں میں ہے جاہ و جلالِ جوشِ طوفانی
مری آہوں میں بل کھاتی ہوئی موجوں کی طغیانی

مری آواز میں لاکھوں یتیموں کی دعائیں ہیں
مرے نغموں میں زنجیروں کے بجنے کی صدائیں ہیں

مری افسردہ نظروں میں نہاں دنیا کی قیمت ہے
مری جبین جبیں پر نقش تاریخ حقیقت ہے

مرے زخموں میں جدت زندگی کے آفتابوں کی
مری ٹھوکر میں پنہاں داستانیں انقلابوں کی

نیا نغمہ کوئی جب سانس لے لیتا ہے سینے میں
ہزاروں داغ پڑ جاتے ہیں پتھر کے کلیجے میں

چٹانوں کا جگر پھٹتا ہے اس نغمہ سرائی سے
پگھل جاتا ہے دل آہن کا اس آتش نوائی سے

گرج گولوں کی ثابت بے اثر ہوتی ہے کانوں پر
کبھی جب نیند آجاتی ہے توپوں کے دہانوں پر

لچک جاتی ہیں تلواریں جہاں ضربت کی شدت سے
وہاں بنتا ہے بگڑا کام آخر میری قوت سے

گذر جاتا ہوں طوفاں بن کے دریا کے کناروں سے
پہاڑوں کو ہٹا دیتا ہوں آنکھوں کے اشاروں سے

زمانے بھر پہ چھا جاتا ہوں سقفِ آسماں ہو کر
اُچھل جاتا ہوں جب ساحل سے موجِ بے کراں ہو کر

بن چشمہ بن کے پتھر کے شگافوں سے اُبلتا ہوں
تڑپ نوجوں کی بنکر سنگ ریزوں پر مچلتا ہوں

سکوں کو لا کے ہنگاموں کے پہلو میں سلاتا ہوں
نوائے تلخ سے میں سارے عالم کو جگاتا ہوں

میں خوش ہوتا ہوں کتنا توڑ کر جام و سبو اُسکا
زمانے کی رگوں سے چوس لیتا ہوں لہو اُسکا

پکڑ کر ہاتھ مسند سے اُٹھا دیتا ہوں سلطاں کو
بٹھا دیتا ہوں لا کر تخت پر قیصر کے دہقاں کو

شہنشہ زادیوں کے سر سے چادر چھین لیتا ہوں
میں نوزائیدہ کلیوں کو مسل کر پھینک دیتا ہوں

مرا جی لگ نہیں سکتا ہے شاہوں کی شبستاں میں
بنایا ہے نشیمن میں نے زخموں کے گلستاں میں

حقیقت سے مری کیوں بے خبر دنیا سے فانی ہے
بغاوت کام میرا نام میرا نوجوانی ہے

# ہماری قومی زبان

ہندستان میں جب سے قومی تحریک شروع ہوئی ہے اُسی وقت سے یہ خیال بھی پیدا ہوا ہے کہ ہمیں ایک قومی زبان کی ضرورت ہے۔ شروع میں تو اس تحریک میں زیادہ تر ایسے ہی لوگ حصہ لیتے تھے جو انگریزی جانتے تھے۔ اس لئے تمام سیاسی کاروبار انگریزی میں ہوتا تھا لیکن جب سے جنتا نے سیاست میں حصہ لینا شروع کیا ہے اُس وقت سے قومی زبان کے سوال پر زیادہ زور دیا جانے لگا ہے۔ بڑی لڑائی کے بعد جب کانگرس کی کایا پلٹ ہوئی تو اسی کے ساتھ ساتھ یہ تجویز بھی منظور ہوئی کہ ہندستان کی قومی زبان ہندستانی ہے اور تمام کاروبار اسی میں ہونا چاہئے مگر ابھی تک اس پر پورا عمل نہیں ہوتا۔ کچھ تو اس وجہ سے کہ دکھن کے سیاسی کام کرنے والوں میں سے بہت سے آدمی ہندستانی نہیں جانتے اور کچھ اس وجہ سے بھی کہ بہت سے لوگ ابھی تک اس بات کو دل سے مانتے ہی نہیں کہ ہندستانی کو قومی زبان ہونا چاہئے۔ کچھ لوگ ایسے بھی ہیں کہ جن کے دماغ میں رہ رہ کر یہ بات آتی ہے کہ انگریزی سے ہمارا کام نکل سکتا ہے۔ لیکن وہ ایسے لوگ ہیں جو بات کی تہ تک پہونچنے کی کوشش نہیں کرتے۔ ڈیڑھ سو برس کی انگریزی حکومت کے بعد بھی اس وقت ہندستان بھر میں صرف بیس لاکھ سے کچھ اوپر آدمی انگریزی بول سکتے ہیں[1]۔ اسکے مقابلہ میں ہندستانی بولنے والوں کی تعداد ۱۲ کروڑ سے زیادہ ہے اور اگر ان لوگوں کو بھی ملا لیا جائے جو تھوڑی بہت ہندستانی سمجھ لیتے ہیں تو یہ تعداد ۲۰ کروڑ سے زیادہ ہو جاتی ہے۔ اس لئے یہ بحث تو فضول ہے کہ ہندستانی کے علاوہ کوئی دوسری زبان بھی ہماری قومی زبان بن سکتی ہے لیکن مشکل ایک دوسری آن پڑی ہے۔ کہنے والے کہتے ہیں کہ ہندستانی کوئی زبان نہیں ہے۔ یہ ایک فرضی نام ہے جس کی کوئی اصلیت نہیں ہے بلکہ سیاسی کارکنوں نے ایک ڈھونگ کھڑا کر رکھا ہے۔ اس لئے اس سوال سے بحث کرنے کی ضرورت ہے۔

ہندستانی اصل میں اس علاقہ کی زبان ہے جس کو پرانے زمانے میں "ہندستان" کہتے تھے۔ اس علاقے کی چوحدی یہ ہے، اُتر میں ہمالیہ، دکھن میں وندھیا، پچھم میں پنجاب، اور پورب میں بنگال، یہ نام سب سے پہلے گلکرائسٹ نے ۱۷۸۷ء کے قریب استعمال کیا تھا[2] اور اسی وقت سے برابر استعمال ہوتا ہے۔ گریرسن کی تقسیم کے مطابق اس علاقے میں چار زبانیں بولی جاتی ہیں یعنی بہاری، پوربی ہندی، پچھمی ہندی، اور راجستھانی[3]۔

ہندستانی زبان کی ابتدا کب سے ہوئی اور کیسے ہوئی؟ یہ سوال بہت کٹھن ہے[4]۔ نویں اور دسویں صدی عیسوی میں جو پراکرتیں مدھ دیس میں رائج تھیں انہی کے میل جول سے یہ زبان بنی ہوگی۔ اس زبان کو وشنو دھرم کے بھگتوں سے بہت مدد ملی۔ بھگتی کی تحریک اصل میں برہمنوں کے خلاف بغاوت کا اعلان تھا، یہ عوام کی تحریک تھی اس لئے اس نے عوام کی زبان کو استعمال کیا اور سنسکرت کو چھوڑ دیا۔ راجپوتانہ کے درباری بھاٹ اور کوی بھی یہی زبان استعمال کرتے تھے۔ پرتھوی راج کے زمانہ میں اس زبان نے کافی ترقی کر لی تھی۔ آلہا کھنڈ اور پرتھوی راج راسو اسی زمانہ کی یادگاریں ہیں۔ آگے چل کر کبیر کے دوہرے، تلسی داس کی رامائن، اور ملک محمد جائسی کی پدماوت اسی زبان میں لکھی گئیں اور اب تک اسی ذوق و شوق کے ساتھ پڑھی جاتی ہیں۔ میرابائی نے اسی زبان میں اپنی کتابیں لکھیں۔ سکھوں کے "آدی گرنتھ" کا ایک بڑا حصہ بھی اسی زبان میں ہے جس میں کبیر کی چوپائیاں، گرو نانک کے بول اور بابا فرید کے اشعار شامل ہیں۔ اس میں کچھ ایسے بھگتوں کا کلام بھی ہے جن کا کسی دوسری جگہ ذکر نہیں ملتا۔ اکبر بادشاہ کے زمانہ میں جہاں ہندستان کی اور بہت سی چیزوں نے ترقی کی وہاں ہندستانی زبان بھی بہت پھلی پھولی۔ اکبر کے دربار میں راجہ بیربل جو کبی رائے کہلاتے تھے، عبدالرحیم خانخاناں جن کے دوہے اور کبتائیں اب تک زبانوں پر ہیں، اور فیضی ہندستانی زبان کے شاعر تھے۔ اس زمانے میں گوکل یعنی متھرا کے آس پاس کرشن کے پجاریوں کا بہت زور تھا، اور ولبھ چاریا اور وٹھل ناتھ کے آٹھ شاگردوں نے جو اشٹ چھاپ کہلاتے ہیں، اپنے بھجنوں سے بڑا نام پیدا کیا۔ ان میں سورداس سب سے زیادہ مشہور ہیں۔

ادبی ہندستانی کی بنیاد برج بھاشا پر رکھی گئی جو آگرہ اور دلی کے آس پاس بولی جاتی تھی۔ یہ علاقہ مغل بادشاہوں کا مرکز تھا اور جوں جوں انکی حکومت بڑھتی گئی ساتھ ہی ساتھ ہندستانی کا رواج بھی بڑھتا گیا۔ اسی زبان کا ایک نام اردو زبان بھی پڑ گیا اس لئے کہ یہ مغلوں کے فوجی بازار کی زبان تھی جس کو اردو یا اردوئے معلّیٰ کہتے تھے لیکن اس زبان کا عام نام اُس زمانے میں ہندی تھا یعنی ہند کی زبان۔ یہ نام اُن لوگوں کا رکھا ہوا ہے جو ابھی تک فارسی میں تمام کاروبار کرتے تھے۔ اکبر کے زمانے میں جب سنسکرت کتابوں کے ترجمے فارسی میں ہونے لگے تو دونوں ادبوں کا میل ہوا اور ملکی زبان پر فارسی کا اثر بڑھنے لگا۔ اس زبان کی ترقی میں اسوقت زیادہ ہاتھ مسلمانوں کا نہیں تھا کیونکہ وہ تو فارسی سے اپنا کام نکالتے تھے بلکہ ہندوؤں کا تھا جن میں کائستھ اور کھتری آگے آگے تھے جو درباری ضرورتوں کے لئے فارسی سیکھتے تھے اور اپنی بول چال میں فارسی، عربی کے الفاظ بے طرح استعمال کرتے تھے۔ یہ زبان شمالی ہند کی فوجوں کے ساتھ دکن بھی پہنچی، اور گولکنڈہ اور بیجاپور کے درباروں کی زبان بنی اور وہیں پروان چڑھی۔ شمالی ہندستان کے مسلمان شاعر جب ہندستانی زبان کا استعمال کرتے تھے تو وہ پرانی پراکرتی بحریں بھی استعمال کرتے تھے لیکن جب یہ زبان دکن میں پہنچی تو وہاں آس پاس دراوڑی زبانیں بولی جاتی تھیں۔ شمالی ہندوالوں نے جو وہاں بالکل اجنبی تھے فارسی بحروں کا استعمال شروع کیا اور فارسی شاعروں کی طرح قصیدے، غزلیں، مرثئے، مثنویاں اور رباعیاں لکھنے لگے۔ ہندی اُردو کا فرق اصل میں یہیں سے شروع ہوا، لیکن یہ فرق صرف نظم میں تھا، نثر میں وہی برج بھاشا کی گرامر قائم رہی اور فارسی ترکیب کے جملے کبھی استعمال نہیں کئے گئے۔ غالباً دکن میں ہی شاعروں کی اس نئی زبان کا نام ریختہ پڑا۔ اور ولی نے جو بابائے ریختہ کہلاتا ہے اس کا معیار قائم کیا۔ ۱۷۲۰ء میں ولی کا دیوان دلی پہنچا اور حاتم دہلوی نے دلی کی زبان میں اس کی نقل شروع کی اس طرح دلی اسکول کی بنیاد پڑی۔ جب دلی اجڑ گئی اور وہاں سے شاعر لکھنؤ پہنچے تو لکھنؤ اُردو کا مرکز بن گیا۔

ہندستانی نثر کی بنیاد اصل میں انگریزی حکومت شروع ہونے کے بعد پڑی۔ اُنیسویں صدی کے شروع میں جب فورٹ ولیم کالج کلکتہ کا انتظام ڈاکٹر جان گلکرائسٹ کے ہاتھوں میں آیا تو انھوں نے ہندستانی زبان کے ادیبوں کی ایک جماعت کو اس کام پر لگایا کہ وہ انگریزی کالج کے لئے درسی کتابیں لکھیں۔ اس میں شک نہیں کہ گلکرائسٹ نے ہندستانی زبان کی بڑی خدمت کی لیکن اس کے ساتھ ہی اُنھوں نے ایک بہت بڑی غلطی کی جسکا خمیازہ ہمکو نہ جانے کب تک بھگتنا پڑیگا۔ جو چیز اب تک صرف نظم میں تھی اُس کو انھوں نے نثر میں بھی شروع کرا دیا۔ بجائے اس کے کہ وہ سادہ ہندستانی زبان کو رواج دینے کی کوشش کرتے، اُنھوں نے ایک طرف تو میر امن اور افسوس وغیرہ کو ایسی زبان لکھنے پر لگایا جس میں فارسی اور عربی الفاظ کی کثرت ہے اور دوسری طرف سری للو لال سے اُن کے مقابلے میں ایسی زبان لکھوائی جس میں سنسکرت کے شبدوں کی بوچھار ہے۔ یہ تو کیسے کہا جائے کہ انھوں نے جان بوجھ کر ایسا کیا لیکن ہندی اردو کے جھگڑوں میں ہماری حکومت کی جو پالیسی رہی ہے اور اب تک ہے اور سیاست میں جسطرح

(۱) رپورٹ مردم شماری ۱۹۳۱ء جلد اول صفحہ ۴۲۲ (۲) ہندستان کی زبانوں کی پڑتال از گریرسن جلد ۹ حصہ اول صفحہ ۴۴ (۳) ہندستانی ادب از مسٹر چارلس لائل۔ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا (چودھواں ایڈیشن)

ہندوؤں اور مسلمانوں کو لڑانے کی کوشش ایک زمانے سے کیجا رہی ہے اُس کو دیکھ کر یہ شبہ ہوتا ہے کہ شاید وہ پہلی کوشش بھی اسی خیال سے تھی۔ بہرحال وجہ کچھ بھی ہو لیکن اُسی وقت سے ہندی اور اُردو جو ہندستانی کی دو شاخیں ہیں اپنی اپنی راہ لگ گئیں اور آہستہ آہستہ ان میں دوری بڑھتی گئی اور نتیجہ یہ ہوا کہ آج کل کی اُردو کو سمجھنے کے لئے فارسی اور عربی میں کافی مہارت کی ضرورت ہے اور اسی طرح ہندی کو سمجھنے کے لئے سنسکرت کا عالم ہونا ضروری ہے۔ فورٹ ولیم کالج تو ختم ہو گیا لیکن اُس کی رُوح ابھی تک زندہ ہے اور آج کل بھی سرکاری دولت مدارس کی طرف سے بھی جو احسان ہمارے ادب کو ترقی پہنچانے کا کیا جا رہا ہے اور جس کام کو الہ آباد میں بھی وہی خرابی موجود ہے۔ نام تو شاید عام ہوا کے اثر سے "ہندستانی اکیڈمی" رکھا گیا ہے لیکن یہاں ایسی زبان کو بڑھانے کی کوشش کہیں نظر نہیں آتی جو واقعی ہندستانی کہلا سکے۔ بلکہ دو الگ الگ تذکرے بنائے گئے ہیں جنکو ایک دوسرے سے کوئی تعلق نہیں اور ایک میں اسی سنسکرت آلودہ ہندی کو بڑھایا جا رہا ہے اور دوسرے میں مقرس اور معرب اُردو کی ترقی کی کوشش کیجا رہی ہے۔

کانگرس نے ہندستانی کا نام تو لے لیا لیکن اس کے لئے کام کچھ نہ کیا۔ اس میں شک نہیں کہ یہ کام سیاسی جماعتوں کا نہیں ہے لیکن کانگرس صرف ایک سیاسی جماعت نہیں ہے۔ اس نے اصلاح سدھار کے بہت سے کاموں کا بیڑا اُٹھا رکھا ہے تعلیم کے معاملے میں بھی اس نے دخل دیا ہے اس لئے زبان کے معاملے میں بھی اُس کو کچھ کرنا چاہئے تھا۔ کانگرس کے بہت سے کارکن ہندی ساہتیہ سمیلن کے بھی کارکن ہیں لیکن اس کام میں انھوں نے تعصب کو چھوڑا نہیں ہے اور چاہتے ہیں کہ وہی ہندی رائج ہو جائے جو سنسکرت کی غلام ہے۔ اس طرح ہندستان کی ایک بڑی جماعت کو اُن لوگوں سے شکایت پیدا ہو گئی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ شکایت کرنے والوں میں زیادہ تر ایسے لوگ ہیں جو خود متعصب ہیں اور اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ ہی بنانا چاہتے ہیں لیکن جو لوگ قوم پرستی کا دعویٰ کرتے ہیں اُن کا تو یہ فرض ہے کہ ایسی چیز کو اُٹھائیں جو ٹھیک ہو۔ بھارت ساہتیہ پریشد کے قائم ہونے کی خبر سے یہ اُمید بندھی تھی کہ شاید وہ اس کام کو اپنے ہاتھ میں لے اور جب اس میں اُردو کے ادیب بھی بلائے گئے تو یہ اُمید اور بڑھی لیکن اسکے پہلے ہی جلسہ میں "ہندی یعنی ہندستانی" کی عجیب و غریب اصطلاح ایسی تراشی گئی کہ جھگڑا کم ہونے کی جگہ اور بڑھ گیا اور جو لوگ قریب آ رہے تھے وہ بھی بدک گئے۔

یہ مانا کہ ہندی اور اُردو کی اصطلاحیں ہندستانی سے پہلے کی ہیں لیکن اس میں شک نہیں کہ ان میں سے کوئی بھی مشترک زبان کے لئے نہیں استعمال کی جا سکتی۔ اسی مشکل کو دُور کرنے کے لئے گلکرسٹ نے ہندستانی کی اصطلاح بنائی اور وُہ چل نکلی اور ہندی اور اُردو اس کی دو شاخیں مانی گئیں۔ ہندی کی تعریف یہ ٹھہری کہ وہ ہندستانی کی وہ قسم ہے جو ناگری لپی میں لکھی جاتی ہے اور جس میں سنسکرت کے شبد بہت ہوتے ہیں اور اُردو ہندستانی کی وہ قسم ہے جو فارسی رسم خط میں لکھی جاتی ہے اور جس میں عربی فارسی کے الفاظ کی کثرت ہوتی ہے۔ اصل زبان ہندستانی ہے جو ہندستان بھر میں بولی اور سمجھی جاتی ہے اور جو دونوں رسم خط میں آسانی سے لکھی جا سکتی ہے۔ یہ زبان بولی زیادہ جاتی ہے اور لکھی بہت کم جاتی ہے پھر بھی اس میں ادب موجود ہے جس کا ایک نمونہ انشا کی "رانی کیتکی کی کہانی" ہے۔ یہ ابھی تک ادبی زبان نہیں ہے لیکن جو لوگ ایک قومی زبان کے خواب دیکھتے ہیں اُن کو چاہئے کہ ٹھیٹھ ہندستانی کو ادبی زبان کے درجے تک پہنچانے کی کوشش کریں۔ سنسکرت، عربی، فارسی یا یورپ کی زبانوں کے جو لفظ ہماری زبان پر چڑھ گئے ہیں اُن کو اپنی زبان سے نکالنا نہ تو ممکن ہے اور نہ ضروری لیکن باہر کی زبان کے لفظوں کی بھرمار نہ صرف کانوں کو بُری معلوم ہوتی ہے بلکہ ہمارے ادب کی ترقی کو بھی روکتی ہے۔ ایسی بولی سے فائدہ ہی کیا جو کسی کی سمجھ میں نہ آئے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہمیں کرنا کیا چاہئے؟ ترقی پسند ادیبوں کا یہ فرض ہے کہ وہ اس سوال پر غور کریں اور اس کا حل نکالیں۔ سب سے پہلے تو اس کی ضرورت ہے کہ ہندی اور اُردو کے ادیب جہاں تک ممکن ہو آسان زبان لکھنے کی کوشش کریں۔ شاعروں اور افسانہ نگاروں کے لئے ہندستانی زبان میں لفظوں کی کمی نہیں ہے۔ صرف کوشش کی ضرورت ہے۔ اگر ہم لوگ اس ادب کا اچھی طرح مطالعہ کریں جو ٹھیٹھ ہندستانی زبان میں ہے تو ہمیں لفظوں کا ایک ایسا خزانہ ملے گا جو ہماری ضرورتوں کے لئے کافی ہوگا۔ برج بھاشا، اودھی اور بہاری بولیاں جن کی طرف ہم لوگ بالکل توجہ نہیں کرتے ہماری ضرورتوں کو بہت حد تک پورا کر سکتی ہیں، اگر ہم یہ سوچ لیں کہ ہم صرف اُن چند آدمیوں کے لئے نہیں لکھ رہے ہیں جو عربی، فارسی یا سنسکرت جانتے ہیں بلکہ مُلک کی عام آبادی کے لئے لکھ رہے ہیں تو ہماری کوشش لازمی طور پر یہ ہوگی کہ ہم آسان زبان لکھیں۔ کسی نے سچ کہا ہے کہ جس کے پاس کہنے کو کچھ ہوتا ہے اور کہنے کی لگن بھی ہوتی ہے اُس کو لفظوں کی کمی کبھی نہیں ستاتی، وہ لفظ خود بنا لیا کرتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ علمی کتابوں یا مضمونوں کے لکھنے والوں کے لئے ہماری زبان میں کافی سرمایہ موجود نہیں ہے اس لئے مجبوراً علمی اصطلاحوں کے لئے اُردو لکھنے والوں کو عربی، فارسی، اور ہندی لکھنے والوں کو سنسکرت کیطرف جانا پڑتا ہے لیکن اس معاملے میں بھی دونوں زبانوں کے لکھنے والے ایک بڑی غلطی کر رہے ہیں۔ نئے علم ہمکو یورپ سے ملے ہیں اور ہم لوگ یورپ کی علمی اصطلاحوں کا عربی یا سنسکرت میں ترجمہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ بجائے اسکے ہمیں یہ کوشش کرنی چاہئے کہ جہاں تک ممکن ہو اصلی اصطلاحوں کو استعمال کریں اور اگر وہ بہت بھونڈی معلوم ہوں تو اُنکے کونے تراش کر اُن کو سڈول بنا لیں۔ شروع میں تو یہ اصطلاحیں ضرور بوجھل معلوم ہوں گی لیکن استعمال ہوتے ہوتے یہی کانوں کو بھلی معلوم ہونے لگیں گی۔ ہماری زبان میں کتنے ہی لفظ یورپ کی زبان سے آئے ہیں اور اب کوئی جانتا بھی نہیں کہ وہ بدیسی ہیں۔ اگر کہیں پر نئی اصطلاح بنانے کی ضرورت ہی پڑ جائے تو پھر یہ خیال رکھنا چاہئے کہ وہ اصطلاح بول چال کی زبان سے جہاں تک ہو سکے قریب ہو۔ شروع میں تو یہ اصطلاحیں بہت بے وزن معلوم ہوں گی اور اُنہیں علمی شان نہ ہو گی لیکن استعمال ہوتے ہوتے ان میں بھی وہی وزن پیدا ہو جائے گا جو عربی یا سنسکرت کی اصطلاحوں میں ہوتا ہے اور علمی اصطلاحوں کے بھاری بھرکم ہونے کی تو یہ کیفیت ہے کہ جو چیز ہماری سمجھ میں نہیں آتی ہے اُسکو ہم ہمیشہ زیادہ عزت کی نظر سے دیکھتے ہیں بہ نسبت اُس چیز کے جو اچھی طرح ہماری سمجھ میں آ جاتی ہے۔

اصطلاحیں بنانے کا کام بہت کٹھن ہے لیکن اگر چند آدمی ایسے اکٹھے ہو جائیں جن میں کچھ عربی فارسی اچھی طرح جانتے ہوں اور کچھ سنسکرت اور سب کے سب ان علموں کو بھی جانتے ہوں جن کی اصطلاحیں بنانی ہیں اور اُن کو اس کام کی دُھن ہو تو ایسی اصطلاحیں بن سکتی ہیں جو ہندستانی زبان کی اصطلاحیں کہی جا سکیں۔ ایسے آدمی ہندستان میں مل سکتے ہیں اور کئی آدمی الگ الگ اس کی کوشش بھی کر رہے ہیں لیکن ضرورت ہے کہ وہ سب لوگ ملکر کام کریں۔ ایسی وقت ممکن ہے جب کوئی بڑی انجمن یا سبھا اس کام کو اپنے ہاتھ میں لے۔ اصل میں تو یہ کام "ہندستانی اکیڈمی" کے کرنے کا ہے۔ اس کے پاس سرمایہ ہے اور کوشش کرنے پر اور مل سکتا ہے۔ اُسکی اب اتنی ساکھ بھی ہو گئی ہے کہ اگر وہ ہر فن کے عالموں کو جمع کرنا چاہے تو وہ لوگ اس کام کے لئے تیار ہو جائیں گے اور یہ نہ سمجھیں گے کہ اس میں ان کا وقت ضائع ہوگا اور کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ حیدرآباد میں جو اس قسم کی کوشش ہوئی ہے وہ پوری طور سے کامیاب نہیں ہوئی اس لئے کہ اس میں بہت جلدی سے کام لیا گیا اور صحیح قسم کے آدمیوں کو اکٹھا کرنے کی کوشش نہیں کی گئی اسکے علاوہ وہاں صرف اُردو کی اصطلاحیں بڑھانے کا خیال تھا اور زیادہ تر عربی، فارسی سے کام لیا گیا۔ ہندستانی زبان کی اصطلاحوں میں سنسکرت کی مدد ضروری ہے۔ اگر ہندستانی اکیڈمی سے بالکل نااُمیدی ہو جائے تو پھر جو لوگ قومی زبان کی ترقی چاہتے ہیں اُن کا فرض ہے کہ اس کام کے لئے ایک خاص انجمن بنائیں۔ اس لئے کہ جب تک یہ کام نہ ہوگا ہندستان میں ایک قومی زبان نہیں ہو سکتی۔

صوبہ متحدہ کے ابتدائی مدرسوں میں چوتھے درجے تک ایسی ریڈریں پڑھائی جاتی ہیں جنکی زبان تو ایک ہوتی ہے لیکن رسم خط ناگری یا فارسی الگ الگ ہوتا ہے۔ یہ خیال اچھا ہے لیکن اتنا ہی کافی نہیں ہے اس لئے کہ آگے چل کر لڑکوں کو جو ادبی ریڈریں پڑھائی جاتی ہیں انکی زبانیں بالکل مختلف ہوتی ہیں جو چند مشترک لفظ ان کو یاد ہوتے ہیں وہ بھی آہستہ آہستہ بھول جاتے ہیں۔ ضرورت اس کی ہے کہ جو صورت شروع کے چار درجوں میں ہے وہی آگے بھی ہو۔ تعلیم کی باگ جن لوگوں کے ہاتھوں میں ہے وہ چاہیں تو یہ بہت آسانی سے ہو سکتا ہے۔ انگریزی مدرسوں میں

بھی اب ہائی سکول تک انگریزی کے سوا سب مضمون مادری زبان میں پڑھائے جاتے ہیں لیکن ابھی تک ان مضمونوں کی کتابیں ہندستانی زبان میں نہیں ملتیں۔ اگر سررشتہ تعلیم اس طرف توجہ کرے تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ اچھی کتابیں تھوڑے دنوں میں تیار ہو سکیں۔ ان کتابوں کی زبان ٹھیک ہونی چاہئے۔

اس سلسلے میں ایک کٹھن سوال رسم خط کا ہے۔ ہندستانی زبان کے دو ٹکڑے بڑی حد تک صرف اسی وجہ سے ہو گئے کہ رسم خط ایک نہیں ہے۔ اچھا ہوتا کہ ہم لوگ اس سوال پر ٹھنڈے دل سے غور کرتے اور اس رسم خط کو اختیار کر لیتے جو ہماری زبان کی آوازوں کو پوری طرح ادا کر سکتا لیکن بدقسمتی سے اس سوال نے فرقہ دارانہ رنگ اختیار کر لیا ہے اور ابھی بہت دنوں تک ہمیں دونوں رسم خط سیکھنے پڑینگے۔ خوشی کی بات ہے کہ دونوں رسم خط والے اس بات کیلئے تیار معلوم ہوتے ہیں کہ اپنے اپنے رسم خط کو شدھار دیں اور جہاں تک ممکن ہو آسان بنائیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ شروع سے ہی بچوں کو دونوں سکھائے جائیں اور اچھی طرح سکھائے جائیں۔ سرکاری مدرسوں میں اسکا انتظام تو ہے لیکن اس کی طرف پوری توجہ نہیں ہوتی اور لڑکے صرف نام کیلئے دونوں سے واقف ہوتے ہیں۔ اچھی طرح صرف ایک ہی کو سیکھتے ہیں۔ اس سوال کا ایک حل بعض لوگ یہ بتاتے ہیں کہ دونوں موجودہ حرفوں کو چھوڑ کر لاطینی حروف اختیار کر لیں۔ اس میں شک نہیں کہ لاطینی حرفوں میں بہت سی خوبیاں ہیں۔ اگر یہ ممکن ہوتا کہ جس طرح ہم نے ہندی اردو کے ناموں کو چھوڑ کر ہندستانی کا نام اختیار کر لیا ہے اسی طرح فارسی اور ناگری دونوں رسم خط کو چھوڑ کر لاطینی کو اختیار کر لیتے تو فرقہ وارانہ جھگڑا تو مٹ جاتا لیکن یہ بات اتنی آسان نہیں ہے۔

رسم خط بدلنے سے پہلے ہمیں یہ فیصلہ کرنا ہوگا کہ ہم اپنے پرانے ادب سے تعلق قائم رکھنا چاہتے ہیں یا نہیں۔ مصطفےٰ کمال نے جو ترکی میں لاطینی رسم خط کو رائج کرنے کا بیڑا اُٹھایا تو انھوں نے یہ طے کر لیا تھا کہ پرانا تمدن اور پرانا ادب قومیت کے نئے تخیل کے لئے کچھ زیادہ کارآمد نہیں ہیں۔ وہ تو ایک نئی قوم پیدا کرنے کا ارادہ رکھتے تھے جو اپنے ماضی سے کم سے کم تعلق رکھے۔ ایسی حالت میں تبدیلی صرف اس وجہ سے نہیں کی گئی کہ ایک مشکل اور ناموزوں رسم خط کو چھوڑ کر ایک آسان اور موزوں رسم خط اختیار کیا جائے بلکہ غالباً اصل مقصد یہ تھا کہ نئی قوم پرانی روایات کا دامن چھوڑ کر مغرب کے تمدن اور ادب سے ناتا جوڑے۔

ہمارے دیس میں بھی بہت سے ایسے لوگ ہیں جن کا خیال ہے کہ ہمارے پرانے تمدن کی جو خوبیاں تھیں وہ تو جاتی رہیں اور جو خرابیاں تھیں انھوں نے اتنی ترقی حاصل کر لی ہے کہ ہماری قومی زندگی کے راستے میں قدم قدم پر رکاوٹیں ڈالتی ہیں۔ اس کا علاج ان لوگوں کے نزدیک یہی ہے کہ ایک نئے تمدن کی بنیاد پڑے جو موجودہ زمانے کی علمی ترقی سے پورا پورا فائدہ اٹھائے اور جس میں فرقہ پرستی کی گنجائش بالکل نہ ہو اس صورت کے پیدا کرنے کا سب سے بڑا ذریعہ یہ ہو سکتا ہے کہ رسم خط کو بدل دیا جائے۔ ظاہر ہے کہ اس طرح پرانے ادب اور پرانی روایات سے کوئی تعلق باقی نہیں رہے گا اور نئے رسم خط میں وہی کتابیں شائع ہوں گی جنکی ضرورت نئی قوم کو ہوگی۔ اگر ہم اس خیال کو پسند کریں تب تو ہمیں لاطینی رسم خط کو اختیار کرنا چاہئے ورنہ اپنے پرانے حرفوں کو چھوڑنا نہیں چاہئے۔ بہرحال رسم خط کا مسئلہ ایسا ہے کہ اس کے تمام پہلوؤں پر کافی غور و بحث کی ضرورت ہے۔ قومی زبان صحیح طور پر اسی وقت ترقی کر سکتی ہے جب ساری قوم کا ایک ہی رسم خط ہو

# پریم کہانی

## بمبئی ٹاکیز کا نیا تماشا

(جن صاحب نے تماشا دیکھا ہو اُن کو خلاصہ پڑھنے کی ضرورت نہیں)

### خلاصہ

ہیرا اور شانتی دو بیوائیں ساتھ ساتھ رہتی تھیں۔ ہیرا کا ایک لڑکا تھا جگت اور شانتی کی ایک لڑکی تھی مایا۔ یہ دونوں آپس میں پریم کرتے تھے۔

جگت ہائی اسکول پاس کر چکا تھا اور آگے پڑھنا چاہتا تھا۔ اس کے لئے روپے کی ضرورت تھی۔ ہیرا نے اسکے لئے ایک ترکیب سوچی وہ یہ کہ جگت کی شادی ایک رئیس کانتا کی بہن اوشا سے ہو جائے۔ اس نے اپنے گرو جی سے یہ بات کہی۔ اُس نے کوشش کرنے کا وعدہ کیا۔ اسی وقت شانتی نے بھی خواہش کی کہ میری لڑکی مایا کی شادی کانتا کے ساتھ ہو جائے۔

گرو جی نے کہہ سنکر کانتا کو دونوں شادیوں کے لئے تیار کر لیا۔

جگت اور مایا پریم کی باتیں کر رہے تھے ہیرا اور شانتی آگئیں۔ اُن کو یہ قصہ دیکھکر حیرت ہوئی۔ اور اس قصہ کو ختم کرنے کے لئے دونوں نے جگت کو بمبئی بھیج دیا۔

### بمبئی میں

جگت اپنے باپ کے ایک دوست جگوانداس کے یہاں ٹھہرا۔ جگوانداس کی لڑکی رملا۔ اسکا ہونے والا شوہر ہیرالال اور ان دونوں کے کچھ دوست غریبوں کی امداد کے لئے ڈراما تیار کر رہے تھے۔ رملا نے ایک پارٹ اصرار سے جگت کو دیا۔ یہ دونوں ایک کمرے میں ریہرسل کر رہے تھے کہ ہیرالال آگیا۔ اس نے ان دونوں کی یہ حرکت پسند نہیں کی۔ رملا اور جگت نے آکر ہال میں ریہرسل کیا ختم پر ہیرالال نے ایک ایسا فقرہ کہا کہ جگت کو بہت ناگوار ہوا، وہ فوراً اپنے کمرہ میں چلا آیا۔

### جگت اور رملا کی محبت

جگت مایا کو یاد کر کے گا رہا تھا۔ رملا نے سنا۔ وہ یہ سمجھی کہ وہ سب اُسی کی یاد میں ہو رہا ہے۔

جگوانداس نے آکر رملا سے کہا کہ اگر تم ہیرالال سے شادی نہ کروگے مجھے جیل ہو جائے گی۔ رملا نے کہا کہ آپ کو اس کا مربی ہو کر اسکا روپیہ نہ ضائع کرنا چاہئے تھا۔ اور پھر یہ اقرار کیا کہ مجھے جگت سے محبت ہے۔ جگت نے سب سن لیا۔ اُس نے فوراً طے کر لیا کہ کیا کرنا چاہئے۔ رملا جا چکی تھی، اُس نے آکر جگوانداس سے کہا میں رملا کا دل اپنے سے ہٹا دوں گا۔

ڈرامے کا دن آیا سب اسٹیج پر گئے۔ اور جگت نے جگوانداس کے نوکر متو سے وسکی کے گلاس پر گلاس مانگے۔ ان سب کو چھپا کر پھینکتا گیا جب اسکے پارٹ کا وقت آیا تو یہ نشہ میں وحشت بن گیا اور کچھ نامناسب باتیں کیں۔

جگت گھر واپس آگیا۔ یہاں آکر معلوم ہوا کہ مایا کی شادی ہوگئی (مایا نے صرف اس لئے کانتا سے شادی کرنا منظور کی تھی کہ اس میں جگت کا بھلا ہے۔ وہ پڑھ لکھ کر روپیہ کمائے گا) اور ہیرا نے جگت کی شادی کے لئے زبان دیدی ہے۔ مجبوراً جگت بھی اوشا سے شادی کرنے پر تیار ہوگیا۔

## رملا

جگت کے چلے آنے پر رملا کا دل کسی طرح نہ بہلا۔ اور نہ اسنے ہیرالال سے سیدھے منھ بات کی۔ ہیرالال نے بھگوانداس سے اس کی شکایت کی۔ بھگوانداس نے سمجھایا کہ اب جگت کی طرف سے اس کا دل پھر گیا ہے۔ ہیرالال بمبئی سے باہر جانے کو تھا۔ وہ چلا گیا۔

متو نے آکر بھگوانداس سے کہا کہ جگت نے شراب بالکل نہیں پی تھی۔ بھگوانداس نے اقرار کیا کہ یہ سب اس لئے کیا گیا کہ رملا کا دل اُدھر سے ہٹ جائے۔

رملا نے یہ باتیں سن لیں۔ اس نے فوراً باپ کے نام ایک خط لکھا اور جگت کے پاس چلدی۔

بھگوانداس کو اور رملا کے دوستوں کو رملا کے غائب ہونے کا پتہ چلا ان لوگوں نے اس کو بمبئی بھر میں ڈھونڈھا۔ پھر جگت کو تار دیا۔ یہ سب بہت پریشان تھے۔ بھگوانداس کو زیادہ فکر اس بات کی تھی کہ کہیں ہیرالال نہ آجائے۔ اور وہی ہوا۔ جیسے یہ لوگ باہر ڈھونڈنے گئے ہیرالال آگیا۔ اسکو متو سے معلوم ہوا کہ رملا کہیں گئی ہوئی ہے۔ اسی وقت اُسے بھگوانداس کی ڈاک اُلٹنے پلٹنے میں وہ خط ہاتھ لگ گیا جو رملا نے لکھا تھا۔ پڑھا تو معلوم ہوا کہ رملا جگت کے پاس گئی ہے۔ ہیرالال نے متو کو جھوٹ بولنے پر پیٹا۔ گھر آیا۔ اور پستول لیکر خود بھی وہیں چلا۔

گھر واپس آنے پر بھگوانداس وغیرہ کو متو نے بتایا کہ ہیرالال آگیا ہے۔ اور اُسکو یہ بھی معلوم ہوگیا کہ رملا جگت کے پاس ہے۔ یہ لوگ سوچ رہے تھے کہ کیا کرنا چاہئے کہ اتنے میں جگت کا جواب آیا کہ رملا یہاں نہیں پہونچی۔

## رملا کہاں گئی؟

رملا جب جگت کے دیس پہونچی تو پتہ چلا کہ اسکی شادی ہو رہی ہے۔ رملا جگت کے گھر نہیں گئی۔ بلکہ مندر میں جاکر ٹھہری۔ اور رات کو ان دونوں کا بیاہ دیکھنے گئی۔ اور وہاں جاکر دعا مانگی کہ جگت سکھی رہے۔

رملا رات کو جو گھومنے گئی تو مندر کے پوجاریوں کو یہ خیال گذرا کہ یہ خراب عورت ہے۔ اس لئے جب رملا واپس آئی تو ان لوگوں نے اسکو نکالدیا۔

ادھر رملا نکالی گئی اور ادھر ایک واقعہ ایسا ہوا کہ مایا کو اسکے شوہر نے نکالدیا۔ ہوا یہ کہ کانتا کو شکایت تھی کہ مایا مجھ سے بات تک نہیں کرتی۔ آج کی رات اس نے مایا سے بہت سختی کے ساتھ اسکا سبب پوچھا۔ اُسنے تسلیم کیا کہ وہ جگت سے پریم کرتی ہے۔ کانتا نے جھنجھلا کر اسکو نکال دیا۔

دوسری طرف جگت نے اوشا سے صرف اسی لئے بیاہ کیا تھا کہ اُسکی ماں نے قول دیدیا تھا۔ اب اس نے اوشا سے صاف کہدیا کہ میں تمسے پریم نہیں کرسکتا۔ اس نے سخت کوفت سے کہا کہ پھر جائیے جس سے پریم ہو اُسکے پاس جائیے۔

رات کا وقت تھا سخت طوفان آرہا تھا اس حالت میں جگت۔ مایا اور رملا جنگل میں مارے مارے پھرنے لگے۔ اتفاق سے رملا اور جگت کی مڈبھیڑ ہوگئی۔ یہ کچھ کہنے ہی والے تھے کہ ہیرالال نے جو ایک گھنٹہ پہلے پہونچ گیا تھا۔ ان دونوں کو دیکھ پایا۔ دونوں کو گولی کا نشانہ بنایا پھر اپنے سر میں بھی گولی ماری۔ اس وقت مایا پہونچی اور جگت کی لاش پر گر پڑی۔ رہا سہا کام بجلی نے پورا کیا۔ جس درخت کے نیچے یہ واقعہ ہوا اس پر بجلی گری۔ وہ پھٹ کر مایا پر گر پڑا وہ بھی ختم ہوگئی۔ کانتا پر اس واقعہ کا اتنا اثر ہوا کہ وہ سادھو بن گیا۔

## ماحصل

تماشے کا ماحصل یہ ہے کہ ماں باپ کو اپنے بچوں کی شادی اُنکی مرضی کے خلاف نہ کرنا چاہئے۔ اس موضوع پر اب تک بہت سے تماشے تیار ہوچکے ہیں۔ اور سب تماشوں میں موضوع کو ایک ہی رخ سے دیکھا گیا ہے۔ وہ یہ کہ اگر امکان میں ہو تو ماں باپ کو ایسا نہ کرنا چاہئے۔ لیکن اگر ماں باپ کے امکان میں نہ ہو تو؟ پریم کہانی نے بھی قصہ کو اس رُخ سے نہیں لیا۔ حالانکہ یہی رُخ ہے جو ہماری زندگی کی سچی تصویر بن سکتا ہے۔ اور ہم لوگوں کے دلوں پر اثر کر سکتا ہے۔

پریم کہانی اسی ڈگر پر خوب چل سکتی تھی۔ مثلاً یوں دکھایا جاتا کہ ہیرا اور جگت، شانتی اور مایا بہت غریب کاشتکار تھے، قرضدار تھے۔ اب تک کسی نہ کسی طرح زندگی جھیلتے چلے آئے تھے لیکن ایک فصل خراب ہوگئی، یا بہیا میں مکان گر گیا جس سے اُنکے حالات بگڑ گئے۔ ان سب لوگوں نے خوب ہاتھ پاؤں مارے۔ جگت نے نوکری ڈھونڈی، تجارت کی سوچی، کھیتی باڑی زیادہ محنت سے کی، مگر سب بے سود۔ ان لوگوں کو طرح طرح کی تکلیفیں اٹھانا پڑیں، ذلتیں سہنا پڑیں۔ اسی کیفیت میں ایک نجات کی راہ دکھائی دی وہ یہ کہ جگت کی شادی اوشا سے، اور مایا کی شادی کانتا سے ہو جائے۔ اس میں قصور ہیرا کا تھا نہ جگت کا بلکہ غریبی کا یعنی موجودہ سوسائٹی کا۔ یہ ہوتی ہندستان کی زندگی کی سچی تصویر۔ لیکن پریم کہانی زندگی کی گہرائی میں نہیں اُترتی۔ بلکہ اوپر ہی اوپر منڈلاتی نکل جاتی ہے۔

## قصہ کی بنیاد

قصہ میں زور بالکل نہیں پیدا ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مصنف نے جو دردناک انجام بنایا ہے۔ اس کے دردناک ہونے کی وجہ بالکل مہمل سی ہے۔ جگت کی مایا سے شادی کیوں نہیں ہوئی؟ کیا جگت روپیہ چاہتا تھا؟ ایسا تو نہیں ہوسکتا۔ جگت نے ایک بار خود ہی کہا کہ دنیا میں دھن ہی سب کچھ نہیں ہے۔ جگت کے حوصلے بہت اونچے تھے۔ اس لئے وہ آگے پڑھنا چاہتا تھا۔ مگر حوصلوں کے پیچھے وہ اندھا نہ تھا۔ بمبئی میں جب موقع آپڑا تو اس نے پیسوں کی پرواہ نہ کی، اپنے کو بدنام کرکے واپس چلا آیا۔ ماننا پڑے گا کہ روپیہ کی خواہش جگت کو نہیں بلکہ جگت کی ماں ہیرا کو تھی۔

ہیرا اور شانتی کا مکان پختہ، صاف ستھرا تھا۔ فرنیچر اور برتن بھی خاصے اچھے تھے، ایک خوبصورت پائیں باغ بھی تھا۔ اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں کی مجموعی آمدنی سو روپیہ سے کم نہ ہوگی۔ اس بات کی تائید یوں اور ہوتی ہے کہ اب تک جگت پڑھتا آیا تھا اور کسی نہ کسی طرح کام چلتا رہا تھا۔ اب سوال یہ ہے کہ ان لوگوں کی آمدنی کہاں سے ہوگی؟ اس کی تین صورتیں ہوسکتی ہیں (۱) کاروبار (۲) کوئی اعانت کرنے والا ہو (۳) جائداد۔

کاروبار کا پتہ نہیں چلتا۔ اگر کوئی اعانت کرنے والا ہوتا تو شادی کے معاملہ میں اس سے بھی ضرور مشورہ لیا جاتا۔ پریم کا قصہ اسکے سامنے ضرور پیش ہوتا۔ اب صرف آخری شق رہ جاتی ہے۔ یعنی جائداد۔ اس صورت میں ہیرا کو پیٹ پالنے کی ضرورت نہیں، بلکہ زیادہ دھن کی خواہش یہ شادی کراتی ہے

ہیرا کا یہ ایک ہی لڑکا ہے، اور شانتی کی ایک ہی لڑکی ہے۔ دونوں اپنے بچوں سے بہت محبت کرتی ہوں گی۔ ان کی ادنیٰ ادنیٰ خواہشیں پوری کرنے کیلئے بیتاب ہوجاتی ہوں گی۔ اور جیسا کہ ہوتا ہے کہ بیواؤں کے اکلوتے بچے ماں پر ایک طرح کی حکومت کرتے ہیں۔ ان لوگوں کو بھی اپنی ماؤں پر اثر رکھنا چاہئے۔ اس صورت

میں جگت اور مایا کی مرضی کے خلاف شادی رچانے کے کیا معنی۔

## ہیرا اور شانتی

اگر یہ سمجھا جائے کہ دونوں عورتیں بڑے طنطنہ کی عورتیں ہیں۔ اپنی بات کے سامنے کسی کی بات نہیں مانتی، جو سوچتی ہیں اس میں کسی کا مشورہ نہیں ہوتا، اور جو سوچتی ہیں وہ کرتی ضرور ہیں۔ یا یہ کہ وہ دھن کی لالچ میں اندھی ہو رہی تھیں۔ تو یہ باتیں بھی نہیں جچتی ہیں۔ ایسی عورتیں ہوتی ضرور ہیں، مگر ان میں فوراً ایک اور بات کا ہونا ضروری ہو جاتا ہے وہ یہ کہ جو چیز ان کے مقصد میں رکاوٹ ڈالے اس سے نفرت ہو جائے۔ جب ان دونوں کو معلوم ہوا تھا کہ جگت اور مایا میں محبت ہے۔ تو ہیرا کو مایا سے۔ اور شانتی کو جگت سے نفرت ہو جانا چاہئے تھی۔ ہیرا یہ خیال کرتی کہ جگت تو بڑا بھولا ہے اسکو مایا نے بگاڑا۔ اور شانتی یہ خیال کرتی کہ مایا تو بڑی معصوم ہے اسکو جگت نے بہکایا۔ لیکن یہ کچھ بھی نہ ہوا۔ جو ان لوگوں کا برتاؤ تھا وہی رہا۔

جب بیوا کا ایک بچہ ہو، اسکی ساری زندگی بچے میں فنا ہو جاتی ہے۔ اسکی ایک ایک بات غور سے دیکھتی ہے۔ ایک ایک تبدیلی سمجھنے کی کوشش کرتی ہے۔ اس صورت میں انتہائی حیرت ہو کہ ابھی تک شانتی اور ہیرا کو پتہ بھی نہ تھا کہ جگت اور مایا میں پریم ہے۔ واقعہ تو ان کو پانچ سال پہلے ہی معلوم ہو جانا چاہئے تھی۔ وہ بھی اس طرح نہیں کہ اتفاقاً دونوں ایسے وقت پہونچ جائیں جب یہ اقرار محبت کرتے ہوں۔ بلکہ ذرا ذرا سی بات سے۔ مثلاً جگت کے اندر آنے پر مایا کی ہلکی سی بے چینی۔ مایا کا خلاف معمول بناؤ سنگار۔ مایا اور جگت کا اکثر بلا وجہ ایک دوسرے کی بات پر جھینپ جانا۔ اس قسم کی ہزاروں باتیں ہیں جو روزمرہ کی زندگی میں آتی ہیں اور معاملہ کو سمجھا جاتی ہیں۔ لڑکی کا پریم باپ کی نظروں سے چھپ سکتا ہے مگر ماں کی نگاہوں سے نہیں۔

## جگت

سب سے بے ڈھنگی بات اسوقت ہوتی ہے جب جگت اوشا سے صرف اس لئے شادی کرنے پر رضامند ہو جاتا ہے کہ ماں زبان دے چکی ہے۔ ایک تو یہ بات جگت کے کردار سے بالکل میل نہیں کھاتی۔ اگر جگت ان لڑکوں میں ہوتا جو بلا ارادہ اسی ڈھرے پر چلتے ہیں جس میں پرورش پائی ہے تو بات دوسری تھی لیکن جگت میں اتنی جرات ہے کہ وہ پرانے ڈھرے کے خلاف بغاوت کر سکتا ہے جسکی مثال یہ ہے کہ اس نے شراب پی کر ہزاروں بھلے مانسوں کے مجمع میں اپنے کو بدنام کیا۔ اپنی سوسائٹی کی زبان سے یہ کہلوا لیا کہ جگت ہم لوگوں کے لائق نہیں ہے۔ اتنے بڑے مجمعے کے غصے، طوفان کے مقابلہ کا ارادہ کرنا۔ اسکا سامان کرنا اور پھر کامیاب نکل آنا۔ بہت بڑی جرات ہے۔ بہت سے شریف آدمی اسکا ارادہ ہی نہ کرتے۔ کچھ ارادہ کر تو لیتے مگر وقت پر انکو منہ چھپا کر بھاگ جانا آسان نظر آتا۔ بعض ایسے نکلتے جو جے رہتے مگر وہ اس اطمینان سے اپنے کو بدنام نہ کر سکتے۔

اس جرأت کا آدمی جس میں بغاوت کرنے کی طاقت ہے وہ صرف اس لئے شادی کرتا ہے کہ ماں زبان دے چکی ہے،

سنیما والوں نے قسم کھائی ہے کہ سڑے ہوئے فرسودہ اخلاق کا پرچار کریں گے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ ادھر ماں کی اطاعت دکھائی اور ادھر تماشائی خوشی سے جھومنے لگے۔ اپنی جگہ پر انھوں نے فرض کر لیا ہے کہ یہ وہ آہنی اصول ہیں جو ہر ایک کے دل میں بھوت کیطرح قبضہ جمائے بیٹھے ہیں انکے خیال میں ہی نہیں آتا کہ انکے یہ اخلاق ایک دوسرے کی تردید کرتے ہیں تماشے کو بے تکا بنا دیتے ہیں۔ اور اسکا زور گھٹا دیتے ہیں۔ جگت کو ماں کی اطاعت کا ایسا ہوکا ہوا کہ اسے یہ بالکل نہیں سجھائی دیا کہ اپنی جنت بنانے کے پیچھے وہ ایک لڑکی کی دنیا کو جہنم بنائے دیتا ہے۔ اور اسکو ایسے حالات میں پھانس رہا ہے کہ بہت ممکن ہے اسکے اعمال ایسے بگڑ جائیں کہ پھر عقبیٰ میں بھی جہنم ملے۔ ہاں اگر کسی کو قتل کرنے کی زبان دے چکی ہوتی تو ماں کی زبان و بیان کچھ نہیں۔ یہ صرف آڑ ہے جسکے پیچھے ڈرامے کو ٹریجڈی بنایا گیا ہے۔ اگر جگت کی شادی اوشا سے نہوتی تو پھر کیا ہوتا؟ یہ سوال تھا جس نے مصنف کو ان نا پ تناپ باتوں کے بھرنے پر مجبور کیا۔

## جگت

جگت کا دراصل کوئی کردار ہی نہیں ہے۔ وہ ایک مقررسا ایک اچھا لڑکا ہے، جو سب تماشوں میں ہوتا ہے (دیوداس) میں اس کا نام دیوداس تھا، دوسرے تماشوں میں کچھ اور نام تھا۔ اس لڑکے میں چند اچھی باتیں ہوتی ہیں۔ کسی کا برا نہیں چاہتا۔ دوسروں کی خاطر نقصان اٹھا لیتا ہے۔ ہیروئن سے بہت محبت کرتا ہے۔ پارٹ کرنے والے کو انھیں چند باتوں کو ادا کرنا ہوتا ہے۔ قصہ ایسا نہیں ہوتا کہ ان باتوں کے خط وخال صاف کر دے۔ مثلاً یہ کہ محبت اتنی ادا ہونا چاہیئے اور اس انداز سے کہ اگر اس میں ذرا بھی کمی بیشی ہو تو دیکھنے والے کو محسوس ہو جائے۔ اچھا اداکار اگر جگت میں ذرا سی محبت زیادہ دکھا جاتا تو کچھ نہ کھلتا اگر ذرا کم دکھا جاتا تو بھی نہ کھلتا۔ اسی طرح جگت میں دیہاتی معاشرت۔ سادہ محبت، حوصلہ مندی کا مرکب کردار ادا کرنا تھا۔ اداکار نے حوصلہ مندی کو تقریباً نظر انداز کر دیا ہے۔ لیکن اس سے تماشے میں کوئی خاص کمی نہیں پڑتی۔ اسکی وجہ یہ کہ قصہ میں روزمرہ کی زندگی کے آدمی نہیں ہیں۔

## مایا

اسی طرح یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ مایا، اپنی ایکٹنگ میں کامیاب رہی یا ناکامیاب۔ سچ پوچھو تو اسکے کردار میں سوائے جگت کی محبت کے اور کچھ بھی نہیں ہے۔ اس چیز کو اداکار نے خوب ادا کیا ہے۔ اس میں دیہاتی معاشرت خوب کھپایا ہے۔ اس کردار کی روانی اس جگہ تک قائم رہتی ہے جہاں تک وہ جگت کی خاطر اوشا سے شادی کرنے پر راضی نہیں ہو جاتی

## پریم

فلمی ڈرامہ نویسوں کو ایک یہ بیماری بھی ہے کہ انکے ہیرو ہیروئن ایک دوسرے کی ذات سے نہیں محبت کرتے۔ بلکہ ایک دوسرے کی بھلائی سے محبت کرتے ہیں۔ یہاں مایا سے جگت چھن گیا تو، رملا سے جگت چھن گیا ہے، اور جگت سے مایا چھن گئی ہے۔ ان لوگوں کو پھر بھی ہر وقت یہی تمنا ہے کہ میرا محبوب سکھی رہے۔ یہ محبت افسانہ نویسوں نے شاید تصوف کی کتابوں سے نکالی ہے۔ ان بھولے مصنفین کو شاید نہیں معلوم کہ محبت اور نفرت دو جذبہ نہیں، بلکہ ایک تصویر کے دو رخ ہیں۔ اگر محبوب کی ملاقات سے محبت ہوگی تو اسکی جدائی سے نفرت۔ اگر محبوب سے ملاقات کرنے والے سے محبت ہوگی تو اس ملاقات میں حائل ہونے والے سے نفرت۔ اور خود محبت ہی اکثر نفرت کی شکل میں بدل جاتی ہے۔ نہ معلوم یہ لوگ افسانوں کے قصے لکھنے سے اتنا کیوں گھبراتے ہیں۔

## اتفاقات

تماشے میں جو چیز سب سے زیادہ کھلتی ہے وہ اتفاقات ہیں۔ قصہ میں اتنی جان نہیں کہ خود چل سکے اسکو اتفاقات تفصیل کر بڑھاتے ہیں۔ ہیرا اور شانتی نے جگت اور مایا کو پریم کی باتیں کرتے دیکھ لیا۔ رملا نے جگت کو کہتے سنا وہ سمجھی کہ یہ میری یاد میں ہے، رملا اور بھگوانداس کی باتیں جگت نے سنیں۔ جگت کو شراب پیتے منو نے دیکھا۔ منو اور بھگوانداس کی باتیں رملا نے سنیں۔ رملا کا خط ہیرالال کو مل گیا۔ اور اس کے بعد جتنا تماشا ہوا سب اتفاقات کے زور پر صاف معلوم ہوتا ہے کہ مصنف کے قلم کے اشارے پر جانیں جا رہی ہیں، نہ کہ زندگی کی کشاکش سے۔ ایک ہی وقت میں تین چار موتیں ہو گئیں۔ دو بیواؤں کے اکلوتے بچے مر گئے۔ ایک عورت بیوہ ہوئی، ایک باپ کی لڑکی مری۔ اور ایک نوجوان کی خوبصورت بیوی مری۔ تماشائیوں میں بہت کم لوگ ہوں گے جنکو ان دکھیوں کے ساتھ ہمدردی ہوئی ہوگی۔

ایک اتفاق بے حد عجیب ہے۔ وہ یہ کہ رملا جب جگت کے دیس پہونچی تو اسکی شادی ہونے والی تھی۔ یہ بیکار کا تماشا دیکھنے گئی وہاں سے آنے پر سندر سنگھ بچا، یوں نے اسکو نکال دیا۔ اسی وقت ہیرالال وہاں پہونچا۔ حالانکہ رملا کے روانہ ہونیکے پورے ایکدن بعد ہیرالال کی بنی ہیرالال کی ایکٹنگ بھی وہی مقرر ہے۔ تجربہ سے یہ سمجھ لیا گیا ہے اگر ولین کا کام کرنا ہو تو یوں منھ بناؤ۔ اسی طرح آنکھ دباؤ۔ یوں مسکراؤ۔ انھیں اصولوں کو ذرا الٹ پھیر کے ساتھ سب ہی استعمال کرتے ہیں۔ مگر اس میں اداکاروں کا اتنا قصور نہیں ہے جتنا ڈرامہ نویسوں کا۔ جب وہ اپنا ڈھرا نہیں چھوڑیں گے، اور نئے میدان نہیں بنائیں گے، تو اداکار غریب نئی چیز کہاں سے لائیگا۔

اداکاری میں بھگوانداس غریب بیچارہ رہا ہے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ اسکا کردار بھی کچھ آدمیوں کا ایسا ہے، اس میں انگلے ڈھرے کی بو ہے۔ مثلاً ہیرالال کا یکسر بنکر اس کا مدبیر عروج کر ڈالنا، بہت پرانی بات ہے۔ مگر پھر بھی ذرا سی خصوصیت آ گئی ہے جس نے اداکار کو کچھ دکھانے کا موقع دیا ہے۔

گانے روشنی اور سائے وغیرہ بیشک قابل تعریف ہیں۔ اسی کا کمال ہے کہ اتنا بے جان ڈرامہ اس قابل ہو گیا کہ لوگ اخیر تک اسکو دیکھتے ہیں۔ بعض بعض جگہ خیالی مناظر سے خوب کام لیا ہے۔ مثلاً ایک جگہ جگت گانا سنتا ہے تو اسکو اپنی ماں مایا کی صحبتیں یاد آجاتی ہیں۔ یا اسوقت جبکہ رملا اپنی ذکاوت سے حاضرین کے دلوں پر قبضہ کر لیتی ہے، اور وہ یہ سوچنے لگتے ہیں کہ مایا زیادہ موزوں ہے جگت کیلئے یا رملا، اسوقت جگت مایا کے دیئے ہوئے پھول میں مایا کو دیکھتا ہے۔ فوراً مایا کا درجہ اونچا ہو جاتا ہے۔

اڈیٹنگ بھی اچھی ہے، تماشہ میں وہ جھرر نہیں پیدا ہونے پایا۔ اس میں صرف ایک لغزش ہے۔ وہ یہ کہ جگت رات کو سوٹ پہنے پڑھ رہا ہے۔ اتنے میں بھگوانداس اور رملا کی باتوں کی آواز آتی ہے۔ یہ اٹھکر ادھر جاتا ہے۔ اسوقت فراک کوٹ پہنے ہوتا ہے۔ اس لغزش کو چھوڑکر باقی سارے تماشے کی ترتیب خوب ہے جسمیں حتی الامکان کمی نہیں آنے دی ہے۔ لیکن اصل یہ ہے کہ آرٹ پر تنقید اسی وقت ہو سکتی ہے جب وہ ہماری زندگی کا ہو کہ ہم اپنے پر اور اپنے گرد و پیش پر اندازہ لگا کر اس کی صحیح اور غلط ہونے کا فیصلہ کریں۔ اور یہ بتائیں کہ اداکار واقعی حدود میں رہا ہے یا نکل گیا ہے۔ ایسے بے سروپا قصوں، اور غیر فطری آدمیوں کے متعلق کسی طرح کی حدیں نہیں بنائی جا سکتیں۔

ہندستان نیوز پیپرس لمیٹڈ لکھنؤ کیطرف سے حیات اللہ انصاری ایڈیٹر و پبلشر نے باہتمام منشی گلزاری لال سکینہ سلطانیہ برقی پریس میں چھپوا کر مت نبل روڈ لکھنؤ سے شائع کیا۔

جلد (۱) - نمبر (۳) | ۲۲ اگست سنہ ۱۹۳۷ء | فی پرچہ ۱ر سالانہ ۳ روپے

## بجٹ

کانگرسی وزارتیں آج کل بجٹ بنانے میں مشغول ہیں۔ اس سال کے پہلے ۶ مہینوں کا بجٹ تو گورنروں نے اپنے اختیار سے منظور کر دیا تھا۔ اب صرف ۶ مہینوں کا بجٹ بنانا ہے۔ لگان میں کمی کی جو تجویز ان وزارتوں کے سامنے پیش ہے اسکی وجہ سے مالگذاری میں بھی کمی لازمی ہے۔ دوسری طرف تعلیم حفظان صحت اور دوسرے کاموں میں اخراجات کے اضافے کی بے انتہا ضرورت ہے۔ پھر یہ رقم کہاں سے آئے گی۔ صوبہ دار حکومتوں کو انکم ٹیکس بڑھانے کا اختیار نہیں ہے اور اب اس کا وقت باقی نہیں رہا کہ یہ حکومتیں مرکزی حکومت سے انکم ٹیکس بڑھانے کی درخواست کریں۔ عام طور پر لوگوں کی یہ رائے معلوم ہوتی ہے کہ جتنی آمدنی ہو اسی میں تمام اخراجات پورے کرنے چاہئیں لیکن اسکے معنی یہ ہونگے کہ اخراجات میں جو اضافہ ضروری ہے اسکے لئے کبھی روپیہ نہیں مل سکتا۔ اخراجات میں کمی کی ایک صورت جس کا ذکر عام طور پر سننے میں آتا ہے وہ یہ ہے کہ سرکاری ملازموں کی تنخواہوں میں تخفیف کر دی جائے۔ جو سرکاری ملازم بہت زیادہ تنخواہیں پاتے ہیں ان پر تو صوبہ دار حکومتوں کا اختیار چل ہی نہیں سکتا۔ رہ گئیں صوبہ دار ملازمتیں تو ان میں بھی بے شک بہت سے لوگ زیادہ تنخواہیں پاتے ہیں لیکن انکی تعداد اتنی زیادہ نہیں کہ ان کی تنخواہوں میں تخفیف سے کوئی بڑی رقم بچ سکے۔ اگر ہم چاہتے ہیں کہ گاؤں میں بھی کچھ ہو اور تعمیری کاموں کیلئے ہمارے پاس روپیہ بھی ہو تو بجز اسکے اور کوئی صورت نہیں ہے کہ ان لوگوں پر جن کی آمدنی زیادہ ہے کسی قسم کا ٹیکس لگایا جائے۔ اگر انکم ٹیکس نہیں بڑھ سکتا ہے تو کوئی ایسا قانون بنا لیا جائے جس سے "وراثت ٹیکس" لگانے کا اختیار حکومت کو براہ راست یا میونسپلٹیوں اور ڈسٹرکٹ بورڈوں کے ذریعہ سے حاصل ہو جائے۔ اس طرح ان سرکاری ملازموں کو بھی جن پر صوبہ دار حکومت کا اختیار نہیں ہے اس ٹیکس کے ذریعے ایک معقول رقم ملک کے تعمیری کاموں کیلئے دینی پڑے گی۔ اس سے زمینداروں اور تعلقہ داروں کو بھی مستثنیٰ نہیں ہونا چاہئے۔ اسکے علاوہ "وراثت ٹیکس" لگا کر بھی حکومت کو کافی آمدنی ہو سکتی ہے۔ غرض بجٹ میں بنیادی تبدیلی کی ضرورت ہے اور جس بات کا خاص خیال کرنا مقصود یہ ہے کہ جتنے ٹیکس لگیں ان سے ایسے آدمیوں کی آمدنی میں کمی نہ واقع ہو جو خود ہی کم پاتے ہیں۔

اب رہا خرچ کا سوال تو سب سے پہلی مد صحت عامہ کی ہے۔ اس شعبے کو کافی ترقی دینے کی ضرورت ہے۔ جبتک دیہات میں صفائی اور طبی امداد کا انتظام نہ ہو جائے کوئی ملک متمدن نہیں کہا جا سکتا۔ شہروں میں بھی صفائی کا انتظام بہت ناقص ہے اور دیہاتوں کو تو کوئی پوچھتا ہی نہیں۔ بعض ضلعوں میں فی تحصیل ایک صفائی کا انسپکٹر مقرر ہے۔ لیکن اگر واقعی کام کرنا بھی چاہے تو ہر گاؤں میں سال بھر میں دو تین دفعہ سے زیادہ نہیں جا سکتا بھلا اس سے فائدہ کیا؟ ضرورت ہے کہ ہر گاؤں میں صفائی کا معقول انتظام ہو۔ دوسری اہم مد تعلیم کی ہے۔ ہمارے ملک میں تعلیم پر جو رقم خرچ ہوتی ہے اس سے کہیں زیادہ ان ملکوں میں خرچ ہوتی ہے جنکے ذرائع آمدنی ہم سے بہت کم ہیں۔ لیکن وہاں کی حکومتیں تعلیم کی اہمیت کو سمجھتی ہیں اور دوسرے اخراجات کو کم کر کے اس پر کافی خرچ کرتی ہیں۔ تعلیم کا پورا انتظام صوبہ دار حکومتوں کے ہاتھ میں ہے اسمیں نہ تو مرکزی حکومت مداخلت کرتی ہے نہ وزیر ہند

سوکوئی وجہ نہیں ہے کہ کانگریس کی وزارتیں اس طرف پوری توجہ نہ کریں بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اعلیٰ تعلیم پر جو رقم صرف ہوتی ہے اسکو کم کر کے ابتدائی تعلیم کو بڑھانا چاہئیے۔ اس خیال کی بنیاد ناعاقبت اندیشی ہے۔ آبادی کے تناسب سے اعلیٰ تعلیم ہمارے ملک میں بہت کم ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ابتدائی اور قانونی تعلیم لازمی کرنے کیلئے ذرائع مہیا کئے جائیں لیکن اعلیٰ تعلیم کو کم کرنے کے یہ معنی ہونگے کہ ہم اپنی قوم کو مجموعی حیثیت سے جاہل رکھنا چاہتے ہیں۔

حفظان صحت اور تعلیم کے علاوہ اور بھی بہت سے تعمیری کام ہیں جنکے لئے بجٹ میں گنجائش پیدا کرنا ضروری ہے۔ لیکن یہ دونوں ایسے ہیں کہ ان کیلئے کسی قسم کا انتظار نہیں کیا جا سکتا۔

---

# سیلاب اور کسان

ہر سال برسات کے زمانے میں سیکڑوں جگہوں پر سیلاب آتا ہے اور ہزاروں جانیں اور لاکھوں کا مال تلف ہوجاتا ہے۔ یوں تو کوئی ملک ایسا نہیں ہے جہاں سیلاب سے جان اور مال کا نقصان نہ ہوتا ہو۔ لیکن شاید ہی کوئی متمدن ملک ایسا ہوگا جہاں بعد ہی کوشش اس بات کی نہ کی جاتی ہو کہ سالانہ سیلاب کو قابو میں رکھا جائے۔ سائنس کے ایجادوں نے انسان کو اس قابل بنا دیا ہے کہ وہ بہت سی ناگہانی آفتوں سے محفوظ رہ سکتا ہے۔ اور سچ پوچھئے تو سیلاب کوئی ناگہانی آفت ہے بھی نہیں۔ اگر حکومت کو رعایا کی جان اور مال کی حفاظت مقصود ہو تو وہ چند ماہروں کو اس کام پر مقرر کر سکتی ہے کہ وہ ایسے علاقوں میں جہاں ہر سال سیلاب آتا ہے دورہ کریں اور دریاؤں کے اتار چڑھاؤ کا اندازہ لگا کر یہ بتائیں کہ پانی کی نکاسی کی کیا مستقل ترکیب ہو سکتی ہے۔ حکومت جب زمین کی مالگذاری وصول کرتی ہے تو اس کا فرض ہے کہ وہ یہ انتظام کرے کہ زمین پر جو کھیتی ہو وہ ہر سال سیلاب میں تباہ نہ ہوجائے۔ بیچارے کسان کو یونہی کافی آمدنی نہیں ہوتی۔ اگر سال کی دو فصلوں میں ایک فصل سیلاب کی نذر ہوتی رہی تو وہ لگان کس طرح ادا کرے گا۔ ہمارے پاس ایک مراسلہ آیا ہے جس سے بہرائچ کے سیلاب کا حال معلوم ہوتا ہے۔ یہ مراسلہ ہم شائع کر رہے ہیں اس میں درخواست کی گئی ہے کہ جس سال سیلاب آئے خریف کی فصل کا لگان معاف کر دیا جائے۔ یہ مطالبہ بالکل صحیح ہے۔ جب پیداوار ہی نہ ہو تو بیچارہ کسان لگان کہاں سے دیگا۔

---

# کسان اور زمیندار

کسانوں کی حالت کو سدھارنے کی عام طور پر تین ترکیبیں بتائی جاتی ہیں۔

۱ زمیندار کا منافع کچھ کم کر دیا جاوے۔

۲ زمینداریاں ضبط کر لی جائیں مگر انکا معاوضہ دیدیا جاوے۔

۳ زمینداریاں بے معاوضہ ضبط کر لی جائیں۔

دیکھنا یہ ہے کہ اوپر دی ہوئی باتوں میں سے کون سا حل ہندوستان کیلئے مناسب ہوگا۔ کیا زمینداریوں میں کچھ تبدیلیاں کرنا ہی کافی ہوگا۔ یا کسان اور سرکار کے بیچ سے زمیندار کو ہٹانا ہی ضروری ہوگا۔ کسان آج لگان کے بوجھ سے اتنا دبا ہوا ہے کہ بیچارے کو تمام سال کی محنت کرنیکے بعد بھی پیٹ بھر کھانا نصیب نہیں۔ بدن ڈھکنے کو کپڑا نہیں ملتا۔ تو کیا اس حالت کے ٹھیک کرنے کیلئے یہی کافی ہے کہ زمیندار کا حصہ کم کر دیا جائے۔ ہمارے صوبہ کا سالانہ لگان ۱۶½ کروڑ روپیہ ہے جسمیں مالگذاری کی شکل میں سرکار کو محض ۴ کروڑ روپیہ ہی ملتا ہے۔ باقی ۱۲½ کروڑ روپیہ بیچ کے دلال ہی کھا جاتے ہیں۔ کیا اگر اس بیچ کی دلالی کو ہٹا دیا جائے تو لگان آج کل کا ½ نہیں رہ جائے گا۔ اور کسانوں کی مشکل ایک حد تک حل ہو جائے گی؟ ایک سوال اور بھی ہو سکتا ہے۔ کچھ خرچ اس لگان کے وصول کرنے میں بھی تو کرنا ہی پڑے گا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اسمیں مالگذاری کے دس فی صدی سے زیادہ خرچ نہ ہوگا۔

اب غور کرنا ہے کہ اس ردوبدل سے کتنوں کا فائدہ اور کتنوں کا نقصان ہوگا۔ ہمارے صوبہ کی آبادی ۴½ کروڑ کی ہے جسمیں محض ۲ لاکھ ہی زمیندار ہیں۔ اسمیں بھی ۱۹ لاکھ تو کسانوں میں خود کاشت کرتے ہیں ½ ۱۲ لاکھ ایسے ہیں جو ایک روپیہ سے بھی کم مالگذاری دیتے ہیں اور ۱۹ لاکھ سو روپیہ سے کم۔ محض ½ ۱ لاکھ ہی ایسے زمیندار ہیں جو سو روپیہ سے زیادہ مالگذاری ادا کرتے ہیں اور ان میں سے بھی محض ۱۰ ہزار ہی ایک ہزار روپیہ یا اس سے زیادہ مالگذاری ادا کرتے ہیں اور صحیح معنوں میں یہی زمیندار کہے جا سکتے ہیں۔ تو کیا چند ہزار زمینداروں کیلئے ۴½ کروڑ انسانوں کا گلا گھونٹنا انصاف ہوگا۔

رہنے دیجئے اس بات کو بھی اب تصویر کے ایک اور پہلو پر غور کیجئے۔ تاریخ گواہ ہے کہ زمیندار انگریزی شہنشاہیت کی پیدا کردہ جماعت ہے۔ ہندوستان میں برطانوی حکومت سے پہلے اس قسم کی زمینداریاں نہیں تھیں اپنی حکومت کو مضبوط اور پائیدار بنانے کے واسطے انگریزوں نے اس جماعت کی بنیاد ڈالی۔ ولایت میں تو یہ نسل بہت پرانی ہے۔ سرکار کو اس سے لگان وصول کرنے میں بہت آسانی ہوتی ہے۔ ساتھ ہی سرکاری افسران کا اقتدار قایم رکھنے میں بھی یہ جماعت بہت کامیاب ثابت ہوئی ہے جن آدمیوں نے انگریزی حکومت کی بنیادیں قائم ہوتے وقت اس کی مدد کی ان کو زمینوں کے بہت بڑے بڑے رقبہ انعام میں دیئے گئے۔ اس انعام کی شکل ٹھیکہ داری جیسی تھی۔ ٹھیکہ دار کا یہ حق دوامی اور پشتینی تھا ٹھیکہ دار اپنے ٹھیکہ کو اور کسی کے نام بھی کر سکتا تھا۔ لیکن اس ٹھیکہ کی شرائط میں تبدیلیاں کرسکنے کا حق سرکار نے محفوظ رکھ چھوڑا تھا۔ جیسا بند و بست سے ظاہر ہے۔ ان ٹھیکہ داروں سے یہ معاہدہ تھا کہ جتنا لگان وصول کریں وہ سرکار اور ٹھیکہ دار دونوں میں تقسیم کریں۔ لگان کی شرح بھی زمین کی اصلی مالک سرکار ہی مقرر کرتی ہے اور اسکے متعلق تمام جھگڑے بھی سرکاری عدالتوں میں ہی طے ہوتے تھے۔ زمیندار تو قانوناً مقررشدہ روپیہ سے زیادہ وصول کر ہی نہیں سکتا اور سرکار کو بھی اسے سرکار کی مرضی اور آسانی کے مطابق ادا کرنا پڑتا ہے۔

اس سے یہ صاف ظاہر ہے۔ کہ زمیندار اور دوسرے ٹھیکیداروں میں کوئی بھی فرق نہیں ہے خیال کے طور پر شراب کا ٹھیکہ لیجئے ٹھیکیدار کا بھی سرکار سے وہی ٹھیک تعلق ہوتا ہے جو زمیندار کا سرکار سے۔ ٹھیکیدار کو شراب سرکار کے مقررشدہ نرخ پر بیچنی پڑتی ہے روپیہ بھی سرکار کی آسانی اور ڈھنگ پر دینا پڑتا ہے۔ اور اسکے متعلق کوئی بھی جھگڑا سرکاری عدالتوں میں ہی طے ہوتا ہے۔ تو یہ صاف ہو کہ زمیندار اور معمولی ٹھیکیدار میں کوئی خاص فرق نہیں ہے۔ چاہے ٹھیکیدار کی میعاد کچھ ہی کیوں نہ ہو سرکار کے رو برو دونوں ایک ہی ہیں۔ پھر کیوں نہ زمیندار کے ٹھیکہ کو بھی شراب کے ٹھیکہ کی طرح ضرورت نہ ہونے پر ختم کر دیا جائے۔ معاوضہ کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔

## ورکنگ کمیٹی کی تجویزیں

کانگریس کی ورکنگ کمیٹی کا جلسہ واردھا میں ۱۴ سے ۱۷ اگست تک ہوا۔ اس جلسے کا مقصد یہ تھا کہ کانگریسی وزارتوں نے اب تک جو کچھ کیا ہے اس پر تبصرہ کیا جائے اور آئندہ کے پروگرام کے متعلق ان کو ہدایتیں دی جائیں۔ سب سے پہلی تجویز جو ورکنگ کمیٹی نے منظور کی بہت اہم ہے اس میں وزارتوں کو یہ مشورہ دیا گیا ہے کہ قوم کی تعمیر اور سماج کے نظام کی تشکیل میں جو اہم مسئلے پیش آتے ہیں ان پر غور و فکر کرنے کے لئے ماہرین کی کمیٹیاں مقرر کریں۔ ان مسائل کا حل اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک کہ وسیع پیمانے پر جانچ پڑتال نہ ہو اور کافی معلومات نہ فراہم ہو جائیں اسکے علاوہ ضرورت ہے کہ سماجی مسائل کے لئے ایک نصب العین بھی معین کیا جائے ان میں زیادہ مسئلے تو ایسے ہیں جو ہر صوبے میں الگ الگ نہیں طے ہو سکتے۔ اس لئے ورکنگ کمیٹی نے یہ رائے دی ہے کہ ایک کمیٹی ایسی بنائی جائے جس میں مختلف صوبوں کے ماہرین شامل ہوں اور وہ ان مسئلوں پر غور کرکے یہ طے کریں کہ ہر صوبے کی حکومت کو کن کن مسئلوں کو کس ترتیب کے ساتھ اور کس طرح حل کرنا چاہئے انڈامن کے قیدیوں کی بھوک ہڑتال کے بارے میں ورکنگ کمیٹی نے ایک مفصل تجویز منظور کی جسکا خلاصہ یہ ہے کہ کمیٹی کی رائے میں ان قیدیوں کے مطالبات صحیح ہیں اور گورنمنٹ کا فرض ہے کہ ان کو پورا کرے لیکن کمیٹی ان قیدیوں سے درخواست کرتی ہے کہ وہ بھوک ہڑتال سے باز آئیں۔ زنجبار میں ہندستانیوں کے خلاف جو قوانین بنائے جا رہے ہیں انکے بارے میں بھی کمیٹی نے ایک تجویز منظور کی ورکنگ کمیٹی کے سامنے گلزاری لال نندہ پارلیمنٹری سکریٹری بمبئی گورنمنٹ نے مزدوروں کے مسائل سے متعلق کچھ تجویزیں پیش کیں جن پر بحث کی گئی۔ یہ تجویزیں بمبئی گورنمنٹ کی طرف سے غالباً جلد ہی شایع ہونگی

وزیروں کی تنخواہ اور الاؤنس کے معاملے پر ورکنگ کمیٹی نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ وزیروں کی تنخواہ پانچسو سے زیادہ اور الاؤنس ڈھائی سو سے کسی طرح زیادہ نہ ہونا چاہئیے۔

## چین اور جاپان

چین اور جاپان کی آویزش اب باقاعدہ جنگ کی شکل اختیار کرتی جاتی ہے۔ چینی حکومت اس پر کسی طرح راضی نہیں ہوتی کہ شمالی چین میں جاپان کو دخل اندازی کا حق دیدے۔ اس ہفتے میں جو خبریں آئی ہیں اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ آج کل شنگھائی جنگ کا مرکز بنا ہوا ہے شنگھائی کے بین الاقوامی حصے میں ہلچل مچی ہوئی ہے۔ یہ وہ حصہ ہے جہاں دنیا کے تمام بڑے ممالک کے تاجر اور سرمایہ دار عیش و عشرت کی زندگی بسر کرتے ہیں اور اسکے مقابل میں چینی حصہ شہر ہے جہاں چینی مزدور اور چھوٹے چھوٹے دوکاندار غریبی اور تکلیف کے دن کاٹتے ہیں یورپ اور امریکہ کی حکومتوں نے چینی اور جاپانی حکومتوں کو یہ اطلاع دی ہے کہ اگر بین الاقوامی حصے کو نقصان پہنچا تو دونوں فریق اس کے ذمہ دار ٹھہرائے جائینگے جینی حکومت کہتی ہے کہ اگر وہ اس حصے کو جنگ سے مستثنیٰ کرے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ جاپانی جنکا فوجی مرکز بھی اسی حصے میں ہے بغیر خوف و خطر کے چینی حصے پر حملہ کر سکیں گے اور چینی ان کا جواب نہ دے سکیں گے۔ آخری خبر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شنگھائی میں جاپانیوں کو کافی نقصان اٹھانا پڑا ہے لیکن سوال یہ ہے کہ جاپان کی زبردست فوجی طاقت کے مقابلے میں چینی حکومت کب تک ٹھہر سکے گی۔ دنیا کی دوسری بڑی حکومتیں دور سے تماشا دیکھیں گی اور جس طرح جاپان نے منچوریا پر قبضہ کر لیا اور اپنے قابو کی حکومت وہاں قائم کردی اس طرح شمالی چین کے جس علاقے پر اس کی نیت لگی ہوئی ہے اس پر بھی قبضہ کر لیگا اور جمعیۃ اقوام اور دوسری غیر جانبداری کا اعلان کرتے رہینگے۔ دوسری طرف اسکا بھی امکان ہے کہ پوری چینی قوم متحد ہو کر جاپان کا مقابلہ کرے اور آپس کے اختلافات کو مٹا کر دنیا کو یہ دکھائے کہ کمزور لیکن متحد قوم اپنے ملک کی حفاظت کے لئے کیا کر سکتی ہے۔ اگر ایسا ہوا تو جاپان کا یہ حملہ چین کے لئے رحمت ثابت ہوگا۔

# مسلم لیگ اور کانگریس

ادھر مسلم لیگ کا تذکرہ نکلا، ادھر ہم لوگ اُردو ہندی اور کمیونل آوارڈ پر بحث کرنے لگتے ہیں۔ حالانکہ مسلم لیگ اور کانگریس کا مسئلہ بنیادی مسئلہ ہے۔ جو صرف یوں طے ہو سکتا ہے کہ دیکھا جائے کہ ملک کی جد و جہد کا منشا کیا ہے، اسکی منزل کیا ہے، اور پھر ان دونوں جماعتوں میں کون سی منزل تک جا سکتی ہے؟ اور کس کا راستہ قریب ترین راستہ ہے۔

## ہندستان کا مسئلہ

ہندستان کا مسئلہ وہی ہے جو اس وقت ساری دنیا کا مسئلہ ہے۔ یعنی عام افلاس ہندستان میں دوسرے ملکوں کے مقابلہ میں بہت زیادہ ہے یورپ اور دوسرے مقاموں سے

بنا بنایا مال آتا ہے جس سے یہاں کی بے روزگاری اور بیکاری بہت بڑھا دی لوگ بیکار ہو ہو کر کاشتکاری میں لگتے گئے۔ کھیتوں کی تقسیم در تقسیم ہوتی گئی۔ اب حال یہ ہے کہ بعض کھیت تو اتنے چھوٹے ہیں کہ اُن سے اتنا بھی نہیں وصول ہوتا جتنی محنت لگتی ہے۔ اسپر بھی یہ کھیت تمام بیکاروں کو نہیں سمیٹ سکتے اس وقت تقریباً ڈھائی تین کروڑ ایسے کاشتکار ہیں جنکے پاس زمین، بیل، ہل کوئی چیز نہیں ہے۔ ان بے روزگار اور بیکار لوگوں کی تھوڑی بہت ملوں اور کارخانوں میں کھپت ہوگئی ہے۔ بیکاری کی وجہ سے شرح مزدوری دنیا کی تمام ممالک کی شرح مزدوری سے کم ہے۔ بعض جگہوں پر صبح سے شام تک محنت کرنے کے بعد تین چار پیسے ملتے ہیں۔ اکثر مقاموں پر دو پیسہ میں دن بھر کے لئے مزدور مل سکتا ہے۔ اوسط طبقہ کی حالت بھی کچھ ان سے بہتر نہیں ہے۔ وہاں ایک کام کرنے والا اور

دستکاری کھانے والے ہیں۔ ان دنوں میں سے بہت ایسے ہیں جو تجارت یا صنعت و حرفت کی اہمیت رکھتے ہیں مگر ملک میں ان لوگوں کی کھپت ہی نہیں اسی لئے بیکار پڑے ہوئے ہیں۔ ہندوستان کی بھیانک صورت اس وجہ سے ہے کہ کھانے، کپڑے، مکان کا قحط ہے۔ یہاں کی قریب ۳۵ کروڑ آبادی میں ۲۳ کروڑ کی زندگی کا تشدد دوبھر ہے۔ ان لوگوں کی یہ حالت ہے کہ اگر چھ مہینے کہیں کمانے کا انتظام کر لیا تو چھ مہینے بیکار رہے۔ [illegible] صحابہ فلسطین کے قصے سینما کے فلم کی طرح آنکھوں کے سامنے آتے ہیں۔ کچھ دیر کے لئے مشغول رکھتے ہیں اور پھر تاریخ سے مٹ جاتے ہیں گویا کبھی تھے ہی نہیں۔ لیکن یہاں کی غربت و افلاس کی تصویر کی ہوئی بے چینی اور بے کلی مستقل موجود رہتی ہے خادم الحرمین اور خلافت کی تحریک بھی سر پر [illegible]۔ مگر ملکی جد و جہد جاری ہے۔

## انقلاب کی فوج

یہ مسئلہ یوں اور زیادہ واضح ہو جاتا ہے کہ کسان اور مزدور خود اپنے لئے لڑ رہے ہیں۔ اور دن بدن میدان فتح کرتے جاتے ہیں۔ انقلاب صنعت و حرفت کی تاریخ بتاتی ہے کہ کس طرح مزدوروں نے اپنی سبھائیں بنائیں اور کس طرح اپنے حقوق کے لئے لڑے اور کامیاب ہوئے۔ ممکن ہے کہ کوئی اوسط طبقہ کی جماعت اپنا نظریہ تیار کرے کہ مزدور کو یہ ملنا چاہئے اور کارخانے دار کو اتنا لیکن مزدور اس پر قناعت نہیں کر سکیں گے۔ اور قناعت کریں کیوں جب ان کو نظر آ رہا ہے کہ ہم اور میدان فتح کر سکتے ہیں۔ پیداوار انہی لوگوں کے ہاتھ میں ہے اور اصل میں آبادی بھی انہی لوگوں کی ہے۔ انکی ذرا سی تنظیم زمینداروں اور کارخانے داروں کے نظام کی بنیادوں کو ہلا دیتی ہے۔ انکے ہتھیار یعنی اسٹرائک اور عدم ادائیگی لگان وہ ہتھیار ہیں جنکے سامنے بندوقیں اور توپیں بیکار رہیں۔ بلکہ انہی لوگوں کی جماعت کے لوگ فوج میں جاتے ہیں۔ اور موجودہ تاریخ بتاتی ہے کہ جب مزدوروں اور کسانوں میں بغاوت ہوئی ہے تو اکثر فوج انہی لوگوں کا ساتھ دیتی ہے۔ اسی لئے مستقبل کی بادشاہ یہی جماعتیں ہونگی جن سیاسی جماعتوں کے اصول پر اتنا سوچ ہے کہ مزدوروں اور کسانوں سے اشتراک عمل کر سکتی ہیں وہی آگے چلکر زندہ رہیں گی ورنہ بعض راستہ میں فنا ہو جائیں گی اور بعض زمینداروں اور کارخانے داروں میں شامل ہوکر ان جماعتوں سے لڑیں گی۔

## مسلم لیگ کے متضاد مقاصد

مسلم لیگ کا دعوے ہے کہ وہ عام مسلمانوں کی نمائندہ ہے یعنی زمینداروں اور کسانوں کارخانے داروں اور مزدوروں (بشرطیکہ مسلمان ہوں) سب کی نمائندہ ہے۔ اس کا مقصد ہے مسلمانوں کے اقتصادی اور سیاسی مفاد کی حفاظت کرنا۔ گویا اگر سارے کا سارا ہندوستان اور انگلستان مسلمان ہو جائے تو مسلم لیگ کے نزدیک ساری سیاسی اور اقتصادی جدوجہد ختم ہو جانا چاہئے کیونکہ پھر تو انگریز کارخانے دار کے حقوق کی حفاظت اور انگریزی زبان اور انگریزی کلچر کی حفاظت بھی اسکے ذمے آجائے گی۔

یہ غالباً اسی وجہ سے پکار رہی ہے کہ مسلم لیگ نے مسلمانوں کو ایک سیاسی اور اقتصادی جماعت مان لیا ہے۔ دوسرے لفظوں میں مسلم لیگ نے یہ مان لیا ہے کہ ایسا قانون بن سکتا ہے جس میں زمیندار اور کاشتکار دونوں کا نفع ہو۔ اگر ایسا قانون بننا ممکن ہوتا تو شاید دنیا میں کبھی ہلچل نہ ہوتی۔

اگر کبھی مسلمان مزدوروں اور کسانوں کی سبھائیں قائم ہوئیں اور انہوں نے مسلمان زمینداروں اور کارخانہ داروں سے اپنے حقوق مانگے تو اسوقت مسلم لیگ کس کا ساتھ دیگی اگر ایک جماعت کا ساتھ دیتی ہے تو دوسرے کو نقصان پہنچے گا۔ معاشی مسائل ہی ایسے ہیں جن میں ہندو مسلمان کی تفریق نہیں ہو سکتی۔ ایک تو مسلمان کاشتکار ہندو زمیندار کے ماتحت اور ہندو کاشتکار مسلمان زمیندار کے ماتحت ہیں۔ اسی طرح کارخانے داروں اور مزدوروں میں بھی تقسیم ہے۔ اس لئے ایسی جدوجہد

اسی وقت ہو سکتی ہے جب یہ اصول مذہب کی تفریق سے ہٹ کر رکھے جائیں۔ دوسری طرف ان اصولوں کے لئے لڑنے میں ہندوؤں کو بھی برابر کا شریک کرنا پڑیگا۔ اگر مسلم لیگ اس نتیجہ پر آگئی تو پھر کانگریس بن جائیگی۔

## کانگریس

کانگریس کی تحریک بھی شروع میں بہت مبہم تھی۔ اسکے لیڈر بھی صرف یہی کہتے تھے کہ اگر ہندوستان سے انگریزی راج جاتا رہے تو ملک کا روپیہ ملک ہی میں رہیگا اور سب خوشحال ہو جائینگے۔ اسوقت تک اس نے زمینداروں اور کارخانے داروں کی [illegible] کو تسلیم نہیں کیا تھا لیکن اس [illegible] کانگریس کمیٹی نے بمبئی کے اجلاس [illegible] میں یہ تجویز پاس کی۔

اس کمیٹی کی رائے میں ہندوستانی عوام کی انتہائی غریبی اور فلاکت کی وجہ صرف غیر ملکیوں کی دستبرد ہی نہیں ہے بلکہ موجودہ معاشی نظام بھی ہے جس کو غیر ملکی حاکم محفوظ کر رہے ہیں۔ تاکہ انکی دستبرد قائم رہ سکے۔ اس لئے اس غریبی اور فلاکت کو دور کرنے کے لئے اور ہندوستان کے عوام کی حالت سدھارنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ سماج کی موجودہ بناوٹ اور اقتصادی نظام میں انقلابی تغیرات کئے جائیں اور ایسی عظیم الشان غیر مساوات کو ختم کیا جائے۔

اب اگر مزدوروں اور کارخانے داروں میں جنگ ہوتی ہے تو کانگریس اصولاً مزدوروں کا ساتھ دیتی ہے جیسا کہ کانپور کی اسٹرائک میں ہوا۔

## مسلم لیگ کا تعمیری پروگرام

مسلم لیگ کا تعمیری پروگرام یہ ہے کہ مسلمانوں میں کھدر تیار کرایا جائے ان میں صنعت و حرفت کو ترقی دی جائے۔ کیا یہ ہندوستان میں ممکن ہے جہاں ہندو مسلمان بالکل ملے جلے آباد ہیں۔ ہزارہا ایسے گاؤں ہیں جہاں سو ہندوؤں کے گھروں کے درمیان ایک مسلمان کا گھر ہے۔ جب صرف مسلمانوں کی ذمہ داری لیکر کوئی جماعت اٹھے گی تو قدرتاً اس میں ہندو نہیں شریک ہونگے اور دور دیہاتوں میں جانا وہاں چند مسلمانوں کو دستکاری سکھانا اور پھر انکے لئے بازار پیدا کرنا (فرقہ پرست دستکاروں کے لئے دوکاندار اور خریدار سب مسلمان ہونا چاہئیں) یہ پروگرام کیسے ممکن ہے؟

عمل کا تذکرہ تو ایسی جماعت کے لئے کرنا چاہئے جس میں کچھ جان ہو۔ مسلم لیگ کی بناوٹ ہی ان اصولوں پر ہے کہ وہ چند حقوق جو گورنمنٹ ہندوستانیوں کو دیتی ہے انہیں مسلمانوں کو بھی حصے دے حقوق کیا ہیں کونسل کی چند نشستیں اور چند ملازمتیں۔ یہ وہ نعمتیں ہیں جن سے عوام کو کوئی فائدہ نہیں پہونچ سکتا۔ جو کچھ اس سے ملے گا وہ اوسط طبقہ میں الگ کر رہ جائے گا۔ اس پر بھی مسلم لیگ اتنی خوش ہے کہ وہ نئے دستور پر عمل کرنا چاہتی ہے۔ کانگریس کی طرح اس کو ناکارہ سمجھکر ٹھکرا دینا نہیں چاہتی یعنی مٹھی بھر آدمیوں کی خاطر وہ ہندوستان کی فاقہ زدہ آبادی کی ترقی کے لئے جدوجہد کو روک دینا چاہتی ہے۔

مگر اسکے عمل کی اور نئے دستور سے فائدہ اٹھانے کی سچی تصویر دیکھنا ہو تو بنگال میں دیکھو جہاں وہ پرجا پارٹی کے دوش بدوش چل رہی ہے۔ کانگریس کی وزارتوں نے لیے سیاسی قیدیوں کو چھوڑ دیا۔ مگر بنگال کی وزارت نے نہیں چھوڑا۔ کانگریسی وزارتوں نے انڈمن کے سیاسی قیدیوں کو بلا پینشن کی [illegible] حکومت سے درخواست کی کہ سر ناظم الدین وزیر بنگال مسلم لیگ پارٹی نے وہی کام کیا جو ابتک [illegible] کرتی چلی آئی تھیں، اور جو گورنمنٹ آف انڈیا نے کیا۔ مسٹر جناح جنکو بیانات دینے کا اتنا شوق ہے۔ اب بنگال کی مسلم لیگ کے متعلق کچھ نہیں فرماتے۔ اگر یوپی کی مسلم لیگ اور کانگریس کے درمیان سمجھوتا ہو گیا ہوتا (بالفرض محال) تو یہاں کے لیڈر کے خلاف مسٹر جناح اور انکے ساتھی اپنی پوری قوت کا مظاہرہ کرتے لیکن جب بنگال میں مسلم لیگ ایسی جماعت سے مل گئی جس نے مسلم لیگ کو توڑنے کی پوری کوشش کی تھی اس وقت ان لوگوں نے کچھ بھی نہ کہا۔ گویا اختلاف اصولوں کا نہیں ہے بلکہ صرف اس وجہ سے ہے کہ کانگریس کی بڑھتی ہوئی کامیابی ان لوگوں سے نہیں دیکھی جاتی۔

# مصر میں مراعات

مراعات کی بلا مصر پر سولھویں صدی میں نازل ہوئی تھی دنیا کا یہ واحد ملک ہے جہاں اتنے طویل عرصہ تک مراعات کا سلسلہ اپنی مکمل صورت میں جاری رہا در یں صورت کہ تمام متعلقہ قومیں یقین رکھتی تھیں کہ مراعات کی بیڑیاں وقت کے تقاضے زمانہ کی فضا جمہوریت کے اصول سے سراسر منافی اور مصری حکومت کی ترقی میں سد راہ ہیں۔ مراعاتی نظام کی ابتدا ترکی خلفاء کے عہد میں ہوئی جنھوں نے مخصوص عیسائی حکومتوں کی رعایا کے لئے اپنے دارالسلطنت میں بعض دلی آزادیاں نوازش خطا کیں تھیں۔ مشہور ترکی خاتون، خالدہ ادیب خانم نے جامعہ کی تقاریر میں ترکی کے اسباب زوال کی فہرست گناتے ہوئے ان مراعات کا بھی ذکر کیا تھا۔ اور فرمایا تھا کہ سلطنت کی معاشی بربادی کی رفتار کو تیز اور اسکی نحوستوں کو دو چند کر دینے والی چیز یہ "مراعات" ہی تھیں ترکوں کے قسطنطنیہ کو فتح کرنے سے پہلے بازنطینی سلطنت نے بھی غیر ملکیوں کو یہ حقوق دے رکھے تھے بحیرۂ روم کے کنارے جتنے خطے واقع ہیں ان سب میں مختلف قومیں آباد ہیں اور سب تجارت پیشہ ہیں۔ ایسے ملکوں میں جہاں رسم و رواج اور تمدن میں اس قدر اختلاف ہو اس کی ضرورت ہوتی ہے کہ سب کے تحفظ کا انتظام کیا جائے اور ہر قوم اجتماعی مفاد کے لئے تھوڑی بہت قربانی کرے غرض البانیہ کو ملک میں غیر ملکیوں کے مخصوص حقوق تجارتی اور معاشی حیثیت سے ضرور رہی۔ تھے پھر آڈل کی کتاب مصر کی ہیں غیر ترکی۔ کا حوالہ دیتے ہوئے بتلایا عثمانی ترک جو بازنطینی سلطنت کے جانشین ہوئے اتنے قوی تھے کہ اگر چاہتے تو ان انتظامات کو منسوخ کر دیتے۔ اس لئے ان کا ان حقوق کی توثیق کرنا نہ صرف انکی رواداری کا بلکہ ان کی مصلحت شناسی کا بھی ثبوت ہے۔۔۔ سلطان محمد فاتح نے ۱۴۵۴ء میں اہل جنیوا کے حقوق کی توثیق کی۔ سلیمان اعظم[1] نے ۱۵۳۵ء میں فرانس سے دوستی اور تجارت کا معاہدہ کیا اور اس کے بعد اور ریاستوں سے بھی تجارتی معاہدے کئے گئے۔ اس سے دونوں فریق کو فائدہ پہونچا اس لئے کہ دونوں کو اپنے مال کے لئے بازاروں کی ضرورت تھی۔

مگر جب عثمانی سلطنت کمزور ہوگئی تو ان حقوق کی جو ابتدا میں صرف تجارتی حقوق تھے، صورت بدل گئی۔ ترکوں کی ہر شکست کے بعد ہر فتح پانے والی قوم مراعات میں اپنے لئے ایک نئی دفعہ کا اضافہ کر دیتی تھی اور حکومت اس کو مجبوراً منظور کرتی تھی اور پھر یہ حقوق صرف تجارت تک محدود نہیں رہے۔ بلکہ عدالتی امور پر بھی حاوی ہو گئے۔ غیر ملکی لوگ اپنے مقدمات کے فیصلے کے لئے علحدہ علحدہ عدالتوں کا مطالبہ کرنے لگے یہاں تک کہ ترکی سلطنت کی رعایا میں سے بعض عیسائی فرقوں نے ان امور میں دوسری ریاستوں کی حمایت حاصل کر لی

---

[1] سلیمان اعظم قانونی جس نے ایک لاکھ فوج کے ساتھ شارلمان (اپنے وقت کی سب سے بڑی یورپی بادشاہت) کے مقابلہ میں فرانس کی مدد کی تھی فرانس سے ایک دوستانہ تجارتی معاہدہ بھی کر لیا تھا۔ اسکی رو سے فرانسیسی تاجروں کو قلمرو عثمانیہ میں خاص مراعات حاصل ہو گئی تھیں

[2] سلطان سلیم ثانی نے فرانس کے ساتھ عہد سابق کی تجدید کی اور اس کے سفیر کو حق دیا کہ وہ فرانسیسی قیدیوں کو جو ترکی غلامی میں ہوں آزاد کر سکتا ہے۔ نیز تمام فرانسیسیوں سے جو عثمانی حکومت کے دائرہ اثر میں تھے شخصی خراج اٹھا دیا گیا۔ فرانسیسی کشتیاں محفوظ قرار دی گئیں اور جن کے نقصان کی تلافی حکومت عثمانیہ نے اپنے ذمہ لی، ان مراعات سے سواحل بحر روم پر فرانسیسی تجارت کو آزادی مل گئی۔ احمد اول کے زمانہ میں ہالینڈ کے ساتھ تجارتی معاہدہ ہوا اور جو مراعات فرانس کو دی گئی تھیں۔ اسکے تاجروں کو بھی دی گئیں۔ اور فرانس کے حقوق میں کچھ اور اضافہ کر دیا گیا اور پھر رفتہ رفتہ انگلستان۔ ہنگری۔ اسٹریا۔ سویڈن سسلی۔ ڈنمارک۔ پرشیا۔ اسپین۔ روس۔ امریکہ۔ بلجیم۔ جرمنی۔ پرتگال اور یونان سب ہی نے مراعات حاصل کر لیں۔

اگر ان کا کوئی شخص عثمانی رعایا میں سے کسی شخص کو زدوکوب کرے تو مقدمے کا فیصلہ غیر ملک کے قنصل کی عدالت میں ہوتا تھا۔ اگر کہیں عثمانی رعایا میں سے کسی نے ان کے کسی آدمی پر ہاتھ اٹھایا تو یہاں تک نوبت پہنچتی تھی کہ غیر ملکی جہازوں کے بیڑے باب عالی پر دباؤ ڈالنے کے لئے آ پہنچتے تھے۔ اس کے علاوہ جہاں باب عالی نے کوئی نئی اقتصادی پالیسی اختیار کرنی چاہی تو وہ حکومتیں جن کی رعایا کو خاص حقوق حاصل تھے فوراً مداخلت کرتی تھیں بغیر ان کی مرضی کے کوئی تجارتی محصول عاید یا منسوخ نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اور نہ کسی جگہ ریل بنائی جا سکتی تھی۔ خواہ اقتصادی یا جنگی مصلحت سے کتنی ہی سخت ضرورت کیوں نہ ہو پھر مصیبت یہ تھی کہ ان حکومتوں میں اکثر معاملات پر اتفاق رائے بھی نہیں ہوتا تھا۔ جب سلطان سلیم اول کے زمانہ میں مصر ملکت ترکی میں شامل ہوا تھا اور ترکی کے ہر دوسرے علاقہ کی طرح یہاں بھی مراعات دی جاتی ہیں۔

جنگ عظیم کے بعد خود ترکی میں ان مراعات کا نام و نشان تک مٹ گیا۔ لیکن مصر چونکہ ترکی سے الگ تھا اس لئے برطانوی اقتدار کے طفیل میں اس بیل کا فیضان بڑی فیاضی کے ساتھ جاری رہا اور یہی نہیں بلکہ ۱۹۲۳ء میں ایک معاہدہ کے ذریعہ ان مراعات کی مدت غیر محدود عرصہ کے لئے بڑھا دی گئی۔ مصر میں مراعاتی ملکوں کی رعایا جن پابندیوں سے آزاد تھی ان میں ایک ٹیکس[1] کسٹم اور ڈیوٹی اس میں شامل نہیں ہیں ابھی تھا۔ الا یہ کہ متعلقہ حکومت خود راضی ہو۔ حکومت مصر ان اجنبیوں کو نہ رہنے بسنے سے روک سکتی تھی۔ اور نہ اس کو گرفتاری و جلا وطنی کا اختیار تھا اور اس سے زیادہ یہ کہ یہ لوگ شہری حقوق میں صرف اپنے ملک کے قانون کے پابند تھے گویا مصر میں ایک ہی حکومت کے اندر درجنوں مختلف قانون جاری تھے، جب قانون اس کثرت سے ہوں تو عدالت کی حیثیت کیسے کافی ہوتی بالآخر قنصلی عدالتوں کی ابتدا ہوئی ہر ملک کے قونصل کے زیر نگرانی مقدمات فیصل ہوتے) ان عدالتوں کو ہر قسم کے مقدمات کی سماعت کا حق تھا خواہ وہ دیوانی ہوں یا فوجداری، لیکن ان عدالتوں نے مقدمات میں بڑی الجھن پیدا کر دی۔ فریقین اگر ایک ہی ملک کے ہوں تب تو کوئی دقت نہ تھی لیکن جب دو مختلف ملکوں سے متعلق ہوں تو فیصلہ کس قانون سے ہو؟ اس لئے مخلوط عدالتیں وجود میں آئیں (۱۸۷۵ء) تاکہ قنصلی عدالتوں کی بے شمار خرابیوں کا انسداد کریں۔ تمام مقدمات فوجداری دیوانی اور تجارتی اب مخلوط عدالتوں[2] کی طرف منتقل کر دیے گئے۔ جہاں ہر قوم کا اپنا منصف فیصلہ کرتا یہ عدالتیں جہاں تمام غیر ملکی رعایا کی تجارتی و دیوانی مقدمات فیصل کرتی تھیں وہاں وہ تنازعات بھی جو اجنبیوں اور مصریوں کے درمیان ہوتے انہی کے سامنے پیش ہوتے تھے

---

[1] مراعاتی ملکوں نے اپنی رعایا کے لئے جن محصولوں کی اجازت دی تھی وہ صرف دو ہیں۔ (۱) مکان کا ٹیکس۔ (۲) زمین کا ٹیکس۔ لیکن چونکہ یہ لوگ عام طور مکان اور زمین پر روپیہ نہیں لگاتے، اس لئے ان مدوں کی آمدنی بہت کم ہے۔

[2] ان عدالتوں کے جج سات سال کی عمر کے لئے مقرر کئے جاتے تھے اور مصری حکومت ان کا تمام صرفہ برداشت کرتی تھی عموماً تمام مراعاتی ملکوں کو اپنے منصف کے نامزد کرنے کی دعوت دی جاتی تھی۔ بعض اوقات غیر مراعاتی ملکوں کے بھی منصف بھی مقرر ہو جاتے تھے منصفوں کی تعداد اصل میں ۳۰ مقرر ہوئی تھی ۱۹ غیر ملکی ۱۲ مصری لیکن ضرورت پر اس میں اضافہ کیا جا سکتا تھا تاکہ غیر ملکی منصفوں کا تناسب مصری منصفوں کے مقابلہ میں بے اثر نہ ہونے پائے ۱۹۳۸ء کے شروع میں ان منصفوں کی تعداد ۷۰ تھی (۴۸ غیر ملکی، ۲۲ مصری) صدر عدالت کا غیر ملکی ہونا ضروری تھا۔

مخلوط عدالتوں کو یہ بھی حق تھا کہ وہ اجنبیوں کے مسائل میں مصری قوانین کو منسوخ کر دیں۔ اگرچہ مخلوط عدالتیں غیر معمولی طور پر اچھا کام کر رہی تھیں لیکن مراعات کا وجود مصر کی بڑھتی ہوئی بیداری اور مکمل خود مختاری کی راہ میں حائل تھا۔ اور حکومت کے لئے سب سے بڑی دشواری یہ تھی کہ وہ اجنبیوں پر قانوناً محصول عاید نہیں کر سکتی تھی اور اس پابندی کی وجہ سے اسے مصریوں سے محصول وصول کرنے پڑتے تھے اور نئے محصول عاید کرنے میں بڑی دقتیں پیش آتی تھیں۔ اور کسی طرح مناسب نہیں تھا کہ امیر طبقہ (غیر ملکی تجار وغیرہ) تو محصول سے یکسر مستثنیٰ ہو اور ملک کے غریب طبقہ (مصری) پر محصول بڑھائے جاتے چلے جائیں۔ برطانوی مصری معاہدہ کے بعد مصر کی مکمل آزادی اور بین الاقوامی جمعیت اقوام کی رکنیت کے لئے صرف یہ مراعات ہی ایک رکاوٹ رہ گئی تھی۔ اس لئے ان کی تنسیخ لازمی ضروری تھی۔

معاہدہ میں یہ طے ہو گیا تھا کہ جتنی جلد ممکن ہو مصری حکومت مراعاتی ملکوں سے مل کر مراعات کو ختم کر دینے کی کوشش کرے۔ اور ان رکاوٹوں کو دور کر دے جو مصری قانون کو غیر ملکیوں پر عاید کرنے میں حائل ہیں اور وقفہ انتقال کی ابتدائی شرائط طے ہوں جن میں صرف مخلوط عدالتیں باقی رکھی جائیں گی اور کونسلر عدالتیں ختم ہو جائیں گی۔ اس سلسلہ میں برطانیہ نے پیش از بیش عملی قدم اٹھانے اور متعلقہ حکومتوں پر تنسیخ مراعات کے لئے اپنا اثر ڈالنے کا وعدہ کیا۔ شرط صرف یہ تھی کہ غیر ملکیوں پر کوئی ایسا قانون نافذ نہیں ہو سکے گا جو جدید اصول قانون سازی کے خلاف ہو یا جس سے غیر ملکی لوگوں یا اداروں کے مالی معاملات میں کوئی تفریق پیدا ہو۔ وزارت خارجہ برطانیہ نے اس سلسلہ میں بڑی "تندہی" اور "دردمندی" کا ثبوت دیا۔ فرانس کے سفیر قانونی مدد [illegible] مسٹر ڈبلو۔ ڈی۔ بیکٹ ۱۲ جنوری کو مصر آئے اور حکومت مصر سے ابتدائی گفتگو کر کے ۱۶ کو مراعاتی اقوام [illegible] کے نام ایک گشتی خط بھیجا جس میں ۱۲ اپریل کو مانٹرو میں کانفرنس منعقد کرنے کی دعوت دی۔ ۲۰ فروری کو دوسرا خط بھیجا گیا اس میں امور زیر غور کی فہرست تھی بالآخر ۱۲ اپریل کو کانفرنس شروع ہوئی۔ وقفہ انتقال (Transitional Period) کے واسطے مخلوط عدالتوں کی تنظیم کے لئے مصری وفد نے ایک سکیم پیش کی یہی مباحثہ کی بنیاد قرار پائی اور طے پایا کہ ۱۵ اکتوبر ۱۹۳۷ء سے تمام مقدمات قونصلی عدالتوں سے مخلوط عدالتوں کی طرف منتقل کر دئے جائیں گے اور مصری حکومت ان مخلوط عدالتوں کے لئے فوجداری کا ایک ضابطہ تیار کرے گی۔ نیز یہ کہ اجنبی اب ہر معاملہ میں مصری قانون کی اطاعت پر مجبور ہوں گے۔ اس میں دیوانی۔ فوجداری۔ تجارتی اور مالی مسائل کی تخصیص نہیں ہوگی۔ البتہ مصر کے لئے یہ ضروری ہے کہ اس کا قانون جدید اصول قانون سازی کے مطابق ہو۔ اس طرح ایک طرف تو قونصلی عدالتیں ختم ہوئیں اور صرف مخلوط عدالتیں باقی رہیں۔ اور پھر قانون کے مصری ہونے کی وجہ سے ان عدالتوں کی خود مختاری کا بھی خاتمہ ہو گیا۔ اجنبی باشندے اس بات سے بہت مطمئن ہیں کہ کانفرنس نے برطانیہ مصری معاہدہ کی اس دفعہ کو جس میں اجنبی باشندوں اور اجنبی اداروں کے ساتھ مساویانہ سلوک کرنے پر زور دیا گیا ہے۔ اور منظور کر لیا ہے۔ قانوناً یہ شرط محض وقفہ انتقال ہی کے لیے ہے۔ لیکن مصری حکومت نے اپنے ایک متعلقہ اعلان میں یہ تصریح کی ہے کہ اس شرط کے معنی یہ نہیں ہیں ہم وقفہ انتقال کے بعد اجنبیوں کے معاملہ میں امتیازی پالیسی پر عمل کریں گے معلوم نہیں کہ خواہ مخواہ اپنے اوپر یہ پابندی کیوں عاید کر لی گئی ہے مخلوط عدالتیں بارہ سال تک جاری رہیں گی اس کے بعد یہ عدالتیں اپنے فرائض مصر کی وطنی عدالتوں کے سپرد کر دیں گی۔ عدالتوں کے سلسلہ میں مصر سے یہ شرط بھی منظور کرائی گئی ہے کہ وہ تمام اعلیٰ اور ادنیٰ قاضی منصف اور ملازمین جو ۱۵ اکتوبر ۱۹۳۷ء کی تاریخ تک برسرکار ہوں گے ان کے عہدے اور ملازمتیں برقرار رہیں گی۔ مصری وفد چاہتا تھا کہ مخلوط عدالتوں کی قوت حاکمیہ مصری ہو، اس پر زبردست مباحثہ رہا اس کی منظوری بہت دشوار تھی اور بالآخر نہیں ہو سکی اور یہ طے ہوا کہ عدالت مرافعہ میں ۹ اجنبی ہوں اور ۱۱ مصری، صدر اور پبلک پراسیکیوٹر کے تقرر کا اختیار اجنبیوں کو حاصل ہوگا پراسیکیوٹر کے دو معاون ہوں گے۔ معاون اول مصری ہوگا اور معاون دوم اجنبی۔ سوال یہ تھا کہ کسی ملک کے باشندے صرف وہی ہیں جو اس ملک کے اندر رہتے ہیں یا دیگر علاقوں کے باشندے بھی ہیں، جو اس ملک کے زیر انتداب یا زیر حفاظت ہیں یعنی فرانسیسی، صرف وہ ہیں جو فرانس کے اندر رہتے ہیں یا شام، لبنان، ٹریپولی

---

۵۱۔ اگست ۱۹۳۶ء میں برطانیہ مصری معاہدہ مکمل ہوا جس کی رو سے نہر سوئز کا علاقہ ۲۰ سال تک انگریزوں کے تسلط میں رہے گا۔ برطانیہ کو حق ہے کہ وہ دس ہزار سپاہی جن میں ہوائی اور انتظامی افسروں کی ایک معقول تعداد یہاں رکھے۔ اندرونی علاقہ میں فوج تو نہیں مگر افسر داخل ہو سکتے ہیں۔ برطانوی ہوائی جہاز سارے مصر کو اپنی اقتضائی مشق کے لئے استعمال کرنے میں مجاز ہیں اور تمام ہوائی مستقر کا انتظام برطانیہ کے اختیار میں رہیں گے۔ اسکندریہ ۱۹۴۴ء تک خالص برطانوی بیڑہ کے لئے استعمال ہوگا مصری حکومت کو نہر سوئز کی تمام چھاؤنیاں اور بارکیں اپنے خرچ پر تعمیر کرنا ہوں گی۔ وادی نیل میں نئی سڑکیں اور پلیں بنانا پڑیں گی اور ایک ریلوے لائن بھی تیار کرنی ہوگی جو برطانوی فوجی علاقہ کو قاہرہ سے جوڑ دے۔

معاہدہ سے پیشتر مصری وزیر ایک برطانوی مشیر رکھنے پر مجبور تھا جن کی تنخواہ کا بھاری بوجھ بھی مصری خزانہ پر تھا۔ اور عموماً برطانوی افسران ان عہدوں پر قابض تھے جو صحیح معنی میں حکومت کی کنجیاں تھیں۔ اب یہ رفتہ رفتہ غائب ہو جائیں گے سب سے پہلے مالیات اور عدلیہ کے افسران کی باری آئے گی بس ٹکنیکل افسر ہی اس وقت تک باقی رہیں گے جب تک اچھے تربیت یافتہ مصری ان کی جگہ لینے کے لئے مہیا ہو جائیں لیکن اب انگریز کی حیثیت بالکل بدل گئی ہے پہلے ان کی پشت پر ریذیڈنسی تھی اور ریذیڈنسی کے پیچھے قلعہ کی حفاظتی فوج۔ اب ان غریبوں پر صرف ایک سفیر کا سایہ ہے اس سے ایک نئی نفسیاتی کیفیت پیدا ہونا شروع ہو گئی ہے اس سلسلہ میں ایک انگریز کی گفتگو سنئے۔ جو مصری ریلوے کا ایک انجینیر ہے "میں تیرہ سال سے کام کر رہا ہوں اب مصریوں نے معاہدہ کر لیا ہے۔ میں مصر میں اسی وقت تک ہوں جب تک میرے وطنی دوست یہاں ہیں۔ میرے معاہدہ میں تین سال کی توسیع کر دی گئی ہے۔ لیکن مجھے ابھی سے معلوم ہے کہ میری جگہ کون لے گا۔ وہ ابھی ابھی ہڈرسفیلڈ یونیورسٹی سے واپس آیا ہے ٹھیک ہے۔ ان کا عہدنامہ بہت مناسب ہے اب موقعہ ایسا ہی ہے کہ انگلستان کو ان لوگوں کے ساتھ دوست کی حیثیت سے رہنا ہی موزوں ہے لیکن کسی کو یہ فکر نہیں کہ ہمارا کیا ہوگا۔"

۵۲۔ جنگ عظیم کے بعد سے ۱۲ حکومتوں کو مراعات حاصل کر رہی ہے۔ بلجیم۔ ڈنمارک فرانس۔ برطانیہ۔ یونان اٹلی۔ ہالینڈ۔ ناروے۔ پرتگال۔ اسپین۔ اور سویڈن سوئزرلینڈ قانونی طور پر کبھی مراعاتی ملک نہیں رہا لیکن ہمیشہ مراعات سے مستفید ہوتا رہا ہے۔ جرمنی۔ آسٹریا۔ اور ہنگری کو معاہدات امن نے مجبور کر دیا کہ وہ اپنے مراعاتی حقوق سے دست بردار ہو جائیں۔ انقلاب روس کے بعد روس بھی تعلقات کے بگڑ جانے کے باعث، مراعاتی کی لازمی شرط "کونسلر عدالت کا قیام"، کو پورا . . . نہیں کر رہا ہے، کنونشن میں ۱۹ حکومتوں نے دستخط کیے ہیں۔ معلوم، بارہ مندرجہ بالا حکومتوں کے علاوہ اتحادی جنوبی افریقہ آئرش فری اسٹیٹ کینیڈا آسٹریلیا، نیوزی لینڈ اور ہندوستان بھی شامل ہے۔ برطانوی نمائندے نے آخری چار ملکوں کی طرف سے دستخط کئے اور اطالوی نمائندے نے شاہ اطالیہ اور شہنشاہ حبشہ کی جانب سے

الجیریا، ٹیونس وغیرہ کے باشندے بھی فرانسیسی شمار ہوں گے، اس پر زبردست مباحثہ ہوا۔ "اجنبی" کے محدود مفہوم پر فرانس کو خاص طور پر اعتراض تھا۔ ادھر خود مصری کچھ وسعت کی طرف مائل تھا تاکہ حبش کے باشندوں کو۔ اطالوی رعایا کی حیثیت سے مراعات دے سکے، اس لئے وسیع مفہوم کی جیت ہوئی البتہ شام۔ لبنان، فلسطین۔ اور شرق اردن کے "انتدابی" علاقے اس رعایت سے محروم قرار پائے حکومت مصر نے جرمنی، آسٹریا، ہنگری۔ پولینڈ، رومانیا۔ سوئزرلینڈ۔ زیکوسلاویکیا اور یوگوسلاویا کو از خود مراعات دینے کا اعلان کیا ہے۔ موجودہ سیاسی حالات میں یہ بنیں خلاف مصلحت نہیں معلوم ہوتیں۔ حکومت مصر نے اپنے ایک اعلان میں جس میں اقلیتوں کے ساتھ خوشگوار تعلقات قائم رکھنے کا اطمینان دلایا ہے یہ خواہش بھی ظاہر کی ہے کہ وہ دوسری قوموں اور ممالک سے دوستانہ معاہدے کرنا چاہتی ہے اسی سلسلہ میں مصری امیر وفد مصطفےٰ نحاس پاشا نے امریکہ۔ فرانس اطالیہ، یونان اور بالجیئم وغیرہ کے نمائندوں سے تبادلہ خیالات بھی کیا۔ ماتر و کے معاہدہ کی جن شقوں پر اعتراضات ہو رہے ہیں ان میں ایک تو یہ ہے کہ مجوزہ عدالتوں میں عربی۔ انگریزی۔ فرانسیسی اور اطالوی چاروں زبانوں کو سرکاری حیثیت حاصل ہوگی اندیشہ یہ ہے کہ عملی طور پر عربی کو کوئی اہمیت نہ ہوگی، دوسرے یہ کہ مصر میں

کیتھولک عیسائیوں کو تبلیغ مذہب کی وہ تمام آزادیاں بدستور حاصل رہیں گی جو اس وقت حاصل ہیں اس ضمن میں یہ بات قابل ذکر ہے کہ فرانس نے اس شرط پر شدید اصرار کرتے ہوئے یہ بتلایا کہ میں اسے منظور کرانے کے لئے پاپائے اعظم کی طرف سے مجبور ہوں جنھوں نے حکم دیا ہے کہ میں مصر میں عیسائی مبلغین کے راستے میں کوئی رکاوٹ پیدا نہ ہونے دوں۔" اس معاہدہ کی تکمیل پر عام طور پر مصر میں جوش مسرت کا ثبوت دیا گیا لیکن ایک طبقہ ایسا بھی ہے جو مصری وفد کی کمزوری پر سخت غم و غصہ کا اظہار کر رہا ہے۔ مصر کا ایک بلند پایہ اخبار پوچھتا ہے "ماتر و کانفرنس میں مصر نے کیا پایا۔" یہ ایک سوال ہے جو ہر زبان پر آتا اور اخبارات کے صفحے رنگین کرتا ہے۔ مگر اب تک نحاس پاشا کی حکومت نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا۔ "البلاغ" ماتر و کے عہد نامہ کو مصر کی شرمناک کمزوری اور بزدلی قرار دیتا ہے۔ اور نحاس پاشا کی خلاف توقع "برطانیہ نوازی" پر حیرت کا اظہار کرتا ہے جب برطانوی پریس مصر کی آزادی پر پیغام تہنیت پیش کرتا ہے اور مصر سے آواز اٹھتی ہے۔ "کیا ہم آزاد ہیں؟ ہاں مگر ہم کو دفاع کی اجازت نہیں، اور ہم سے کہا جا رہا ہے کہ برطانیہ پر اعتماد کرو، ہاں ہم آزاد ہیں! مگر ہم کسی غیر ملکی حکومت سے تعلقات قائم نہیں کر سکتے۔ ہاں ہم آزاد ہیں! مگر مصر کو لوٹنے کھسوٹنے والے انگریز تاجروں کے خلاف زبان نہیں ہلا سکتے! ہاں ہم آزاد ہیں! مگر دفاع اور دوسرے اجنبی معاملات اور وطنی ثروت کی حفاظت میں مجبور محض ہیں، ہاں ہم آزاد ہیں! اور یقیناً آزاد ہیں اس لئے کہ وزارت کی کرسیوں پر شان کے ساتھ بیٹھ جاتے ہیں — اور انگریزوں کو اس پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا۔" (ماخوذ از جامعہ دہلی بابت اگست ۳۸ء)

# یورپ کی سیاست میں ہندستان کی اہمیت

(علی سردار جعفری)

دنیا اسوقت جس دور سے گذر رہی ہے اسکا صحیح اندازہ کچھ انہیں لوگوں کو ہے جو آنے والے طوفان سے پہلے افق میں پیچ و تاب کھاتے ہوئے بادلوں کو دیکھ لیتے ہیں یورپ کی بساط پر جو جنگ عظیم کے خون سے ابھی تک رنگین ہے سیاست کے مہرے بڑی تیزی کے ساتھ حرکت کر رہے ہیں، ہر حکومت اپنی اپنی جگہ جنگ سے ڈرتی بھی جا رہی ہے اور اسکے لئے مستعد بھی ہے۔ خود جنگی سفارت خانوں تک کو نہیں معلوم کہ کب جنگ کا اعلان ہو جائے گا۔ اطالیہ اور حبش کے قضیہ کیوقت خیال تھا کہ یہ قضیہ عالمگیر جنگ کی صورت اختیار کر لے گا، اور اب اسپین کی خانہ جنگی کے متعلق بھی یہی سمجھا جا رہا ہے کہ ممکن ہے کہ یہی شعلہ اٹھ کر سارے یورپ کو لپیٹ لے۔ ہر حکومت یہ کہتی ہے کہ ہمیں اسپین کے معاملات میں دخل نہیں دینا چاہئے۔ لیکن ہر حکومت وہاں دخل اندازی کر رہی ہے، یہ معاملات اتنے پیچیدہ ہیں کہ آسانی کے ساتھ سمجھ میں نہیں آتے۔

اسوقت یورپ کی سرمایہ دار حکومتوں کو دو قسم کے خطرات ہیں۔ ایک طرف بدحال مزدوروں کی جماعتیں ہیں جنکے منھ کے نوالے مشینوں نے چھین لئے ہیں۔ روس کے انقلاب نے انکی ہمت بڑھا دی ہے۔ اور انھیں اس بات کا احساس پیدا ہو گیا ہے کہ سرمایہ داری ہمارے ہی چھینے ہوئے حق کا نام ہے۔ یہ مزدور اپنی حکومتوں سے اپنے مطالبات طلب کر رہے ہیں، جنکا پورا کرنا قیام حکومت کے لئے سخت مضر ہے۔ حکومتیں ہر ممکن کوشش اس امر پر صرف کر رہی ہیں کہ مزدوروں کی ان تحریکوں کو جس طرح ممکن ہو دبا دیا جائے۔ چنانچہ اسپین کے معاملہ میں، اطالیہ اور جرمنی کا کھلم کھلا باغی جنرل فرانکو کی طرفداری کرنا بھی اسی مقصد کے تحت میں ہے۔ وہ اسپین میں سانپ پالنا نہیں چاہتے۔ اسپین میں اگر اشتراکی حکومت ہو گئی تو مزدوروں کی جماعت کو بڑی تقویت پہونچے گی۔

دوسری طرف ان سرمایہ دار حکومتوں کی آپس کی رقابت ہے، ایک حکومت دوسری حکومت کی قوت کو بڑھتے ہوئے نہیں دیکھ سکتی کیونکہ اس میں سراسر اس کا نقصان ہے۔ صنعت کی ترقی اور مشینوں کی زیادتی نے انھیں نوآبادیوں کے خواب دیکھنے پر مجبور کر دیا ہے۔ اپنی ملکی مشینوں کا پیٹ خام مال سے بھرنے کے لئے اور اپنی مصنوعات کو باہر بھیجنے کے لئے ہر ایک کو غلام ملکوں کی ضرورت ہے۔ لیکن اب کوئی نیا امریکہ باقی نہیں رہا ہے۔ جسے دریافت کر لیا جائے، ایک حبش کی پرانی خود مختار حکومت باقی تھی اسے اٹلی نے نگل لیا۔ مشرق میں بھی چین پر جاپان اپنے حرص و آز کے دانت اسی لئے تیز کر رہا ہے۔ ایسی صورت میں صرف یہ امکان ہے کہ جو مقبوضات دوسری سرمایہ دار حکومتوں کے پاس ہیں انھیں لڑ بھڑ کر چھین لیا جائے۔ اسکے لئے فوجی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ جنگی بیڑے۔ ہوائی طیارے۔ اور زہریلی گیسیں یہ سب متمدن انسان کی بربریت اور سرمایہ داروں کی دیوانہ ذہنیت کا پردہ چاک کر رہے ہیں۔

یورپ کی سیاسی کشمکش میں اسوقت تین ملکوں کو خاص اہمیت حاصل ہے جرمنی، اٹلی، اور برطانیہ۔ جنگ عظیم میں جرمنی کو بڑا سخت نقصان پہنچا۔ نہ محض اسکے منصوبے خاک میں مل گئے بلکہ اس کے سارے مقبوضات بھی چھن گئے۔ لوہے اور کوئلہ کی کانوں پر دوسری سلطنتوں کا قبضہ ہو گیا۔ تاوان جنگ نے جرمنی کی کمر توڑ دی۔ ملک کے بھوکوں کی مانگ اور مزدوروں کے مطالبات جنگ عظیم کے

بعد جرمنی کو دھمکیاں دینے لگے۔ اُدھر روسی انقلاب کی وجہ سے اسکا بھی اندیشہ پیدا ہوگیا تھا کہ جرمنی کی زبوں حالی کہیں کوئی نئی کروٹ نہ بدلے۔ اسلئے جرمنی کی ساری کوششیں اپنی قومی حفاظت پر صرف ہورہی تھیں۔ اور نازی پارٹی کے برسرِاقتدار ہونے کے بعد جرمنی نے سارے یورپ کو دھتا بتادی، صلح کے معاہدہ کی دھجیاں اڑ گئیں اور ہٹلر کا دور دورہ شروع ہوگیا۔ اٹلی کو بھی ورسائی (Versailles) کے بعد مالِ غنیمت میں سے کچھ اچھا حصہ نہ ملا تھا۔ اسے بھی برطانیہ کی طرح بازاروں اور اندسٹ خریداروں کی ضرورت تھی۔ چنانچہ نیا ہی کی مخالفت کی پروا نہ کر کے اس نے حبش پر قبضہ کرلیا۔ اب اٹلی اور جرمنی سے معاہدہ ہوگیا ہے۔ برطانیہ کو اہمیت اپنی حالت کی نزاکت کے سبب ہے۔ اور وقت سب سے زیادہ۔ اور عمدہ مقبوضات برطانیہ کے پاس ہیں جس کی سلطنت پر آفتاب کبھی غروب ہی نہیں ہوتا۔ انھیں مقبوضات پر اٹلی اور جرمنی کی نگاہیں ہیں کہ علانیہ طور پر وہ اپنے دلی ارادوں کا اظہار نہیں کرسکتے۔

برطانیہ اپنے بیش قیمت مشرقی مقبوضات اور خصوصًا ہندستان کی حفاظت کے لئے اپنی بحری قوت کے بڑھانے پر مجبور ہے جبل الطارق سے لیکر عدن تک اور عدن سے سنگاپور تک تمام مخصوص مقامات حتّٰی کہ خلیج فارس تک بھی برطانیہ کا قبضہ ہے۔

جو اقتدار برطانیہ کو بحیرۂ روم پر حاصل ہے وہ یورپ کی دوسری حکومتوں کی نظروں میں کھٹک رہا ہے، کیونکہ برطانیہ کے علاوہ یورپ کے جتنے ممالک ہیں تقریبًا سب کو باہر نکلنے کے لئے بحیرۂ روم کی ضرورت ہے۔ فرانس کے پاس تو مغربی ساحل ہے بھی گو مشرقی بازاروں کے لئے وہ بھی بحیرۂ روم کا محتاج ہے۔ لیکن اسپین سے لیکر یونان تک، ساری سلطنتیں اور وسط یورپ کی ریاستوں کے لئے صرف بحیرۂ روم ہی ایسا راستہ ہے جس سے وہ دنیا کے دوسرے ممالک سے تعلقات اور تجارت قائم رکھ سکتے ہیں۔ شمالی بندرگاہوں کے تقریبًا چھ ماہ بے کار رہنے کی وجہ سے روس بھی بحیرۂ روم کا محتاج ہے جہاں وہ بحیرۂ اسود اور درۂ دانیال کے راستہ سے آسکتا ہے۔ اس سے قیاس کیا جاتا ہے کہ غالبًا آئندہ جنگ بحیرۂ روم ہی میں ہوگی، اور اگر جنرل فرینکو اسپین پر قابض ہوگیا تو جبل الطارق سے برطانیہ کا اقتدار اٹھ جائے گا۔

اب صورتِ حالات یوں ہے کہ جرمنی نے اٹلی اور جاپان سے معاہدہ کیا ہے تاکہ جنگ کے وقت فرانس اور روس کی قوتیں دو محاذ پر تقسیم ہوجائیں۔ اسی طرح روس نے فرانس سے معاہدہ کیا ہے۔ برطانیہ ہر ایک سے سلسلہ جنبانی کرتا رہتا ہے، اسکو ایک طرف یورپ کی دوہری مشکلات کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے اور دوسری طرف ہندستان کی قومی تحریکیں اسے دھمکارہی ہیں۔

قیاس یہ کہتا ہے کہ جنگ چھڑ جانے کی صورت میں ہندستان سے برطانوی فوجیں ہٹالی جائیں گی۔ بس تھوڑی سی چالیس پچاس ہزار فوج یہاں رہ جائیگی۔ بحرِ ہند سے برطانوی جنگی بیڑا بھی بحیرۂ روم میں منتقل کردیا جائے گا۔ اس موقع سے ہر قوت فائدہ اٹھانے کی کوشش کرسکتی ہے۔ روس ہندستان کی زبوں حالی کو اشتراکیت کی دعوت دے سکتا ہے۔ یہ برطانیہ کیلئے ایک ایسا خطرہ ہے جسے وہ برسوں سے محسوس کررہا ہے چنانچہ افغانستان میں برطانوی ریشہ دوانیاں اور سرحد کی گولہ باری جسکے اخراجات مفلس ہندستان کو برداشت کرنے پڑتے ہیں اسی خطرے کے سدِباب کے لئے ہیں۔ اسی طرح اٹلی اور جرمنی بھی ہوائی اور بحری راستوں سے ہندستان تک پہونچنے کی کوشش کرسکتے ہیں۔ ممکن ہے کہ معاہدے کی وجہ سے اور اپنے فائدے کیلئے جاپان بھی انکا ساتھ دے۔

بہت سے لوگوں کے دلوں میں یہ خیال پیدا ہوسکتا ہے کہ پھر تو ہندستان کی ساری سیاسی تحریکیں بیکار ہیں یورپ میں جنگ ناگزیر ہے۔ لڑائی چھڑ جانے پر مفلس اور ہتھیاروں سے محروم ہندستان ایک ظالم کے پنجہ سے چھوٹ کر دوسرے ظالم کے پنجہ میں پھنس جائے گا۔ یہ خیال یوں تو صحیح معلوم ہوتا ہے لیکن واقعتًا اسکی کوئی حقیقت نہیں۔ نئی جنگ موجودہ تہذیب کا خاتمہ کردے گی۔ سرمایہ داروں کے خلاف جو محروموں یعنی کسانوں اور مزدوروں کی جماعت اُٹھ رہی ہے آیندہ جنگ کے بعد انکا اقتدار شروع ہوگا۔ ایسی صورت میں یورپ کی کسی بھی حکومت اور سرمایہ داری کو جنگ سے کوئی فائدہ نہیں پہونچ سکتا جنگ کے میدان میں آکر انھیں پہلے خود اپنے پیروں کے جمانے کی ضرورت پڑے گی۔ پھر کہیں دوسرا قدم بڑھانے کی ہمت ہوگی۔ اسکے علاوہ ہم صرف اٹلی اور جرمنی ہی کی جارحانہ پالیسی کو کیوں دیکھیں اور روس کو کیوں نظرانداز کردیں جسکی سرحد ہندستان کی سرحد سے اتنی قریب ہے۔

حقیقتًا اس خیال میں انقلاب کی قوت کے احساس کی کمی ہے۔ حکومتوں کو لڑنے کے لئے ہتھیاروں کی ضرورت ہوتی ہے اور مزدوروں اور کسانوں کو لڑنے کیلئے صرف جان کی ضرورت ہوتی ہے۔ جو انقلاب ایک قوت کو ڈھکیل کر پیچھے ہٹا سکتا ہے وہی دوسری قوت کو بھی نیچا دکھا سکتا ہے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ ہمیں زیادہ سے زیادہ تیزی کے ساتھ بیدار ہونے کی ضرورت ہے۔ مزدوروں اور کسانوں کو جلد از جلد منتظم ہونے کی ضرورت ہے۔ بحیرۂ روم سے بجائے ابخرات کے جنگ کے بادل اٹھ رہے ہیں اور ساری دنیا کے ساتھ ہندستان میں بھی ایک زبردست انقلاب ہونے والا ہے

---

اٹھو وہ صبح کا غرفہ کھلا، زنجیرِ شب ٹوٹی

وہ دیکھو پو پھٹی، غنچے کھلے، پہلی کرن پھوٹی!

اٹھو، چونکو، بڑھو، مُنہ ہاتھ دھو، آنکھوں کو مل ڈالو

ہوائے انقلاب آنے کو ہے ہندُستاں والو!

جوشؔ

# انقلاب

اسرار الحق مجاز

چھوڑ دے مطرب بس اب للّٰہ پیچھا چھوڑ دے
کام کا یہ وقت ہے کچھ کام کرنے دے مجھے

تیری تانوں میں ہے ظالم کس قیامت کا اثر
بجلیاں سی گر رہی ہیں خرمنِ ادراک پر

یہ خیال آتا ہے رہ رہ کر دلِ بیتاب میں
بہہ نہ جاؤں پھر ترے نغمات کے سیلاب میں

چھوڑ کر آیا ہوں کس مشکل سے میں جام و سبو
آہ کس دل سے کیا ہے میں نے خونِ آرزو

پھر شبستانِ طرب کی راہ دکھلاتا ہے تو
مجھکو کرنا چاہتا ہے پھر خرابِ رنگ و بو

میں نے مانا وجد میں دنیا کو لا سکتا ہے تو
میں نے یہ مانا غمِ ہستی مٹا سکتا ہے تو

میں نے مانا تیری موسیقی ہے اتنی پُر اثر
جھوم اٹھتے ہیں فرشتے تک ترے نغمات پر

ہاں یہ سچ ہے زمزمے تیرے مچاتے ہیں دھوم
جھوم جاتے ہیں مناظر رقص کرتے ہیں نجوم

تیری صورت سرمدی باغِ تصوف کی بہار
تیرے ہی نغموں سے بے خود عابدِ شب زندہ دار

بلبلیں نغمہ سرا ہیں تیری ہی تقلید میں
تیرے ہی چرچے ہیں بزمِ زہرہ و ناہید میں

تیرے ہی نغمہ سے وابستہ نشاطِ زندگی
تیرے ہی نغمہ سے کیفِ انبساطِ زندگی

مجھکو تیرے سحرِ موسیقی سے کب انکار ہے
مجھکو تیرے لحنِ داؤدی سے کب انکار ہے

بزمِ ہستی کا مگر کیا رنگ ہے یہ بھی تو دیکھ
ہر زباں پر اب صلائے جنگ ہے یہ بھی تو دیکھ

پھینک دے اے دوست اب بھی پھینک دے اپنا رباب
اُٹھنے ہی والا ہے کوئی دم میں شورِ "انقلاب"

آ رہے ہیں جنگ کے بادل وہ منڈلاتے ہوئے
آگ دامن میں چھپائے خون برساتے ہوئے

کوہ و صحرا میں زمیں سے خون اُبلے گا ابھی
رنگ کے بدلے گلوں سے خون ٹپکے گا ابھی

بڑھ رہے ہیں دیکھ وہ مزدور دَرّاتے ہوئے
اک جنوں انگیز لے میں جانے کیا گاتے ہوئے

ختم ہو جائے گا یہ سرمایہ داری کا نظام
رنگ لانے کو ہے مزدوروں کا جوشِ انتقام

گر پڑیں گے خوف سے ایوانِ عشرت کے ستوں
خون بن جائے گی شیشوں میں شرابِ لالہ گوں

خون کی بو لیکے جنگل سے ہوائیں آئیں گی
خون ہی خوں ہوگا نگاہیں جس طرف بھی جائیں گی

جھونپڑوں میں خوں، محل میں خوں شبستانوں میں خوں
دشت میں خوں، وادیوں میں خوں، بیابانوں میں خوں

پُرسکوں صحرا میں خوں، بیتاب دریاؤں میں خوں
دیر میں خوں، مسجدوں میں خوں، کلیساؤں میں خوں

خون کے دریا نظر آئیں گے ہر میدان میں
ڈوب جائیں گی چٹانیں خون کے طوفان میں

خون کی رنگینیوں میں ڈوب جائے گی بہار
ریگِ صحرا پر نظر آئیں گے لاکھوں لالہ زار

خون سے رنگیں فضائے بوستاں ہو جائے گی
نرگسِ مخمور چشمِ خوں فشاں ہو جائے گی

کوہساروں کی طرف سے "سرخ آندھی" آئے گی
جا بجا آبادیوں میں آگ سی لگ جائے گی

توڑ کر بیڑی نکل آئیں گے زنداں سے اسیر
بھول جائیں گے عبادت خانقاہوں میں فقیر

حشر در آغوش ہو جائے گی دنیا کی فضا
دوڑتا ہوگا ہر اک جانب فرشتہ موت کا

سرخ ہوں گے خون کے چھینٹوں سے بام و در تمام
غرق ہوں گے آتشیں ملبوس میں منظر تمام

اس طرح لے گا زمانہ "جنگ کا خونیں سبق"
آسماں پر خاک ہوگی فرش پر رنگیں شفق

اور اس رنگِ شفق میں باہزاراں آب و تاب
جگمگائے گا وطن کی حریت کا آفتاب

# بے رنگ و بو

کسی رئیس کی برات جا رہی تھی۔ جلوس چاندنی چوک میں یہاں سے وہاں تک پھیلا ہوا تھا۔ گیس کے ہنڈوں کی روشنی میں چند سو ٹوکریوں سے کپڑے جگ مگ کر رہے تھے۔ آگے آگے دو سانڈنیاں تھیں جن پر زرق برق کپڑے پڑے ہوئے تھے۔ اُن پر آدمی جھنڈے ہاتھوں میں لئے بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک بہت سا گرا یہ کا باجہ شور کر کر کے کوئی مدیہ بجاتا چل رہا تھا۔ اسکے پیچھے ایک لمبی قطار مزدوروں اور مزدورنیوں کی تھی جو اپنے سروں پر ٹوکریاں رکھے ہوئے تھے۔ بہت سی ٹوکریوں میں برتن تھے۔ بہت سیوں میں کاغذ کے کپڑے اور کپڑے۔ اسکے بعد ایک اور بینڈ تھا۔ بینڈ باجے والے بھڑکیلے کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ لیکن اس باجے کی جھنکار میں بھی کوئی موسیقی نہ تھی۔ بلکہ اس میں سے انگریزی قومی گیت کی آواز آ رہی تھی God save the King (خدا بادشاہ کو سلامت رکھے) پھر دولہا کی سواری تھی۔ کوئی سولہ برس کا دبلا پتلا لڑکا کپڑے پہنے، رنگین کاغذ اور پنی کا سہرا باندھے ایک سفید گھوڑے پر ڈرا ہوا اور سہما سا بیٹھا تھا شاید اس خیال سے ڈر رہا تھا کہ بیوی نہ معلوم کالی ہو نہ معلوم بڑے بڑے دانتوں والی۔

گھوڑے کی پیٹھ پر سنہری زین کسی ہوئی تھی اور سائیس کے ہاتھ میں اسکی باگیں تھیں۔ اسکے پیچھے بگھیوں، ٹمٹموں اور موٹروں کی ایک قطار تھی جو ختم ہونے ہی میں نہ آتی تھی۔ اور لوگوں کے چھوٹے چھوٹے گروہ قیمتی کپڑے پہنے، شور مچاتے ہوئے چلا چلا کر باتیں کرتے جا رہے تھے۔

میں اپنے ملک کے اس پرانے رسم و رواج کو ایک اجنبی کی طرح دیکھتا رہا۔ بیبیاں دھڑا دھڑ کرتی گذر جاتی تھیں۔ موٹریں اور تانگے شور مچاتے ہوئے کنارہ سڑک پر ایک دوسرے سے دوڑ کرتے ہوئے نکل جاتے تھے۔ لوگوں کے جوق کے جوق پٹریوں پر چل رہے تھے یا دوکانوں کے سامنے بھیڑ لگائے ہوئے تھے۔ انسانیت کا ایک بے معنی دریا زندگی میں ڈوبا ہوا دلی کے پرانے شہر میں بہہ رہا تھا۔

اسی ہجوم میں میلے کچیلے مزدور۔ ان کے جسم ننگے تھے۔ جیسے ابھی سے پسینے بہہ نکلتے۔ ہر ایک راہ گیر خریدار کے پیچھے ہو لیتے۔ اور گڑگڑا کر کہتے ''اجی مجور چاہئے'' ''اجی مجور کر لو''۔ اور بے مروتی سے یا تو لوگ چلے جاتے، یا انکو جھڑک دیتے۔

روشنی تاریکی، وحشی جشن، غربت اور امیری ایک دوسرے سے شانے ٹکراتے تھے۔ مذہب اور خود غرضی، نفرت اور محبت ایک دوسرے سے ٹکراتے اور رات کے پردہ میں سب چھپ جاتے تھے۔ میں کھڑا ہوا یہ تماشہ دیکھتا رہا لیکن جلوس فتحپوری پہنچ کر مسجد کی طرف مڑ گیا۔ اور چاندنی چوک کی زندگی اپنی رفتار کے ساتھ اسی طرح جاری رہی۔

ایک روز شام کو میں ٹہلنے جا رہا تھا۔ کمپنی باغ میں لوگ گھاس پر بیٹھے ہوئے تاش کھیل رہے تھے یا قصہ کہانی سننے سنانے میں مشغول تھے۔ کچھ مرد نہر میں تیل ڈلوا رہے تھے۔ کچھ لالہ کی برف یا چاٹ کھا رہے تھے۔ ادھر ادھر بھولے بھٹکے پھر رہے تھے۔ اور نوکر اور آیائیں بہت سے بچوں کو ہواخوری کے لئے لے آئی تھیں۔ ایک طرف ایک صاحب کھڑے ہوئے دوائیں بیچ رہے تھے۔ انکے چاروں طرف لوگوں کا ہجوم اکٹھا ہوا تھا۔ اُن کی زبان قینچی کی طرح چل رہی تھی۔ اور اُس دوا کی صفت یہ تھی کہ وہ ہر مرض کو دور کر سکتی تھی۔ لیکچر ختم کرنے کے بعد انھوں نے لوگوں کو دوا بانٹی پھر بنی بنائی آگے دوسری دوا کی صفت بیان کرنی شروع کیں۔ اب وہ شعر پڑھ رہے تھے، ... کے مرض کا بیان تھا۔ بیچ کر ایک ڈراؤنی لہجہ بنی ہوئی آواز میں انھوں نے کہنا شروع کیا۔

کنٹھ کی نکل سیکا، ادرک سے اگلی یہ دوا۔

اور لوگ بڑے غور سے اُنکے بیان کو سنتے رہے۔۔۔

میری نگاہ ایک اور مجمع پر پڑی اور میں اُس طرف بڑھا۔ کانگریس کا ایک جلسہ ہو رہا تھا۔ ایک صاحب گاندھی ٹوپی پہنے ہوئے لکچر دے رہے تھے۔ میں نے بہت سمجھنے کی کوشش کی لیکن لکچر دینے والے ایسی زبان بول رہے تھے کہ کچھ بھی سمجھ میں نہ آیا۔ کچھ دیر سننے اور اپنے دماغ پر بہت زور ڈالنے کے بعد میں اس نتیجہ پر پہونچا کہ لکچر ملک کی غلامی، سامراج کے مظالم اور ملک کی غربت کے بارے میں ہے۔ میرا جی بہت چاہتا تھا کہ اس جلسہ کی کارروائی کو اخیر تک سنوں، لیکن جب بہت زور ڈالنے کے بعد بھی میرے پلے صرف دو چار ہی لفظ پڑے تو میں اپنی جہالت اور ''ہندی، ہندستانی'' نہ جاننے پر شرمندہ ہو کر کشمیری دروازہ کیطرف چل دیا۔۔۔۔

میں ریل کے پل پر رکا۔ دور دور جدھر نگاہ اٹھتی تھی ریل کی پٹریاں اور ریل کے ڈبے دکھائی دیتے تھے۔ انجنوں کی سیٹیوں کی آواز، گاڑیوں کے شنٹ کرنے کا شور، اور دھواں اور غبار سارے میں پھیلا ہوا تھا۔ اسٹیشن کی طرف سورج غروب ہو رہا تھا۔ دھوئیں اور غبار میں سورج ایک سرخ گولے کیطرح آسمان پر ٹنگا ہوا دکھائی دیتا تھا۔ کھڑے ہو کر میں تماشہ دیکھنے لگا۔ ایک پھل والا ادھر سے گذرا۔ وہ گاڑھے کی اونچی دھوتی پہنے ہوئے تھا اور ایک ذرا سی کرتی۔ اُسکے پیروں میں موٹی لیکن گھسی ہوئی اور بوسیدہ جوتی تھی جو بجائے چلنے میں اُس کی مدد کرنے کے اور تکلیف پہونچاتی تھی۔ اُسکے سر پر گاڑھے کی ایک چادر لپٹی ہوئی تھی، اور اُسکی ڈاڑھی بنے ہوئے کوئی دس دن ہو گئے ہوں گے۔ اُسکے ہونٹوں پر پپڑی جمی ہوئی تھی اور اُس کی آنکھیں اندر دھسی ہوئی تھیں۔ پہلے تو وہ میرے پاس سے گذر گیا، لیکن پھر کچھ ہچکچاتے ہوئے میری طرف آیا اور پوچھنے لگا: ''مجور کوئی مجور چاہئے؟'' میں نے اسکو جواب دیا، لیکن وہ وہیں کھڑا رہا۔ اور کچھ دیر کے بعد کہنے لگا چنے چبانے کو دو پیسے دے دو۔ تین وقت سے فاقہ ہے۔ میں نے مڑ کے دیکھا۔ اُس کی آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے تھے۔ معلوم ہوتا تھا اب زور زور سے رونے لگے گا۔ میں نے اُس سے کہا مزدوری کیوں نہیں کرتے۔ وہ بولا کوئی مزدوری نہیں کراتا، اور اپنی داستان سنانے لگا۔ جب وہ گھر سے چلا تو اسکے پاس سوا روپیہ تھا۔ گاؤں سے دلی تک آنے میں ۱۲ آنے خرچ ہو گئے۔ جو کچھ رہ گیا تھا روٹی کھانے میں صرف ہو گیا۔ اب اُسکے پاس ایک پیسہ نہ تھا۔ سنتا تھا کہ دلی میں مزدوری مل جائے گی۔ لیکن اب تو گاؤں تک جانا بھی ناممکن معلوم ہوتا تھا۔۔۔ وہ ہندستان کے ہزاروں ننگوں اور بھوکوں میں سے ایک تھا جو دو مٹھی چنوں کی اُمید میں شہروں کی طرف روانہ ہو جاتے ہیں۔ گاؤں میں فاقے مرتے ہیں لیکن شہروں میں بھی پیٹ پالنے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ اُنکے سامنے صرف ایک ہی حقیقت ہوتی ہے ــــ بھوک یا موت۔۔۔ مجبوری سے میرا جسم ٹھنڈا ہو گیا اور میری روح تڑپ کر ایک تیر کیطرح میرے دل اور دماغ میں لگنے لگی۔

سورج اسٹیشن کی چھت کے نیچے ہو چلا تھا۔ آدھا حصہ چھپ گیا تھا اور آدھا اس طرح لٹکا ہوا تھا جیسے بیچ میں سے کاٹ دیا گیا ہو۔ پھر ایک انجن نے زور زور سے دھواں اڑانا شروع کیا اور سورج اس کی سیاہی میں چھپ گیا۔

بڑی دیر میں جنازہ آگے بڑھا۔ گانے والے اُسی طرح مٹک مٹک کر، کانوں پر ہاتھ رکھ کے گا رہے تھے۔ نغمہ ہی دلخراش تھا۔ ایک نوجوان لڑکی آرتھی سے لپٹی ہوئی چاروں طرف ہکا بکا ہو کر وحشت اور پریشانی سے دیکھ رہی تھی۔ آخر کار جنازہ سڑک کی موڑ پر غائب ہو گیا۔ صرف ڈھولک اور گانے والوں کی آواز آ رہی تھی۔ گیت دور سے دردبھرا لیکن وحشیانہ اور بھیانک معلوم ہوتا تھا۔ لیکن اس کی آواز بھی فاصلہ میں غائب ہو گئی۔

مجھے اور بہت سے اسی طرح کے جنازے یاد آتے ہیں۔ راتوں کو دور سے اسی گیت کی آواز آتی تھی، پھر دو چار یا دس بیس آدمی آرتھی کو لئے ہوئے، گاتے بجاتے، دریا کی طرف چلے جاتے تھے۔ اکثر آرتھی کے ساتھ چند ہی آدمی ہوتے تھے اور سب آرتھیاں سجی ہوئی نہ ہوتی تھیں۔ لیکن نغمہ یہی ہوتا تھا، اس میں وہی بھیانک اور دردانگیز ادا ہوتی تھی۔ گرمیوں کی راتوں میں گانے کی آواز دور سے آتی تھی اور پھر گم ہو جاتی تھی ۔۔۔۔۔

جب ہمارے ہاں بوڑھے مرتے ہیں تو ہم خوشی مناتے ہیں اور اُن کو ناچ اور گانے اور باجے کے ساتھ مرگھٹ تک لیجا کر جلا دیتے ہیں یا پانی کے سپرد کر دیتے ہیں۔ ہماری شادی میں سوگ ہے، ہماری زندگی میں رونا، اور صرف ہماری موت میں خوشی ہے۔ ہم نے رونے کے علاوہ اپنی زندگی میں کچھ نہیں دیکھا ہے ہماری زندگیاں میلے چیتھڑوں میں رنگی ہوئی ہیں، غربت میں پلی ہیں، اُن میں نہ رنگ ہے نہ بو۔

# کسان کے واجب حقوق

صدہا معاملات میں جنہیں کسان۔ جور و ستم کا نشانہ بنا ہوا ہے۔ اور ہر ایک میں اُسکی حفاظت۔ انسانیت کا اولین فریضہ ہے

بعض مدبرین کا خیال ہے کہ نظام زمینداری کے وجود کے ساتھ۔ کسان کی حالت کا سنبھلنا ناممکن ہے۔ شاید یہ صحیح بھی ہو۔ لیکن زمیندارانہ زمینداری نظام کو یک قلم معدوم کر دینا، غالباً عملی پالیٹکس کے احاطہ سے باہر ہے۔ اسلئے اصلاحات ہی ایک ایسا ذریعہ ہو جس سے موجودہ ناقابل برداشت حالت کو کسی حد تک گوارا بنایا جا سکتا ہے۔

کانگریس کے طمطراق وعدوں نے کسانوں کی خفیف امیدوں میں ایک جان سی ڈالدی ہے۔ اور اب ہم دیکھتے ہیں۔ کہ کانگریس کیبنٹ اپنے وعدوں کی ایفا میں۔ کوئی قانون وضع کرنا چاہتی ہے۔ لہٰذا اونکی توجہ کیلئے۔ چند امور پیش کئے جاتے ہیں۔ کہ جنکے بغیر کسی قسم کا نفع۔ کسان کو پہونچنا محال ہے۔ اور اسلئے امور ذیل کو کسانوں کا قلیل ترین مطالبہ متصور کرنا چاہیئے۔

(۱) تشخیص مالگزاری کے وقت۔ جو نسبت لگان کو مالگزاری مشخصہ سے ہو۔ وہ آنے والے بند و بست تک۔ بے کم و کاست قایم اور برقرار رکھی جائے یعنی ایک بند و بست سے لے کر دوسرے بند و بست تک کی درمیانی مدت میں۔ لگان میں ایسا اضافہ جو اس نسبت لگان اور مالگزاری کو قایم نہ رکھتا ہو۔ ناجائز اور باطل قرار دیا جائے۔ اور یہ ناجوازی اضافہ لگان کی کسی کاشتکار۔ یا اوسکے وارث کی ذات کے ساتھ متعلق نہ ہو۔ بلکہ جو بار ارض سے وابستہ ہو۔ تاکہ جو کوئی شخص بھی اُس اراضی کا کاشتکار ہو۔ اس کلیہ کا فائدہ حاصل کر سکے۔

(۲) کاشتکار کی جوت قابل وراثت ہو۔ اور کوئی کاشتکار یا اوسکا وارث کسی حالت اور نہج پر اپنی جوت سے بے دخلی کا مستوجب نہ ہو۔ بقایا لگان کی علت میں بھی بے دخلی کو وقوع میں نہ آنا چاہیئے۔

(۳) ڈگری بقایا لگان کی اجراء میں۔ پیداوار کاشت قرق اور نیلام کر سکیں لیکن کسی صورت میں ایک ثلث سے زائد پیداوار نہ قرق ہو اور نہ نیلام۔

(۴) مالک اراضی کو لگان مندرجہ کاغذات دیہی کے علاوہ کسی اور رقم کے پانے کا خواہ وہ رقم از قسم جنس ہو یا نقد کسی حالت اور صورت میں اختیار نہ ہونا چاہیئے۔ اور تمام زائد ستانیاں۔ مثلاً۔ بیگار۔ داب رس۔ جوسر۔ پیال۔ موڑانہ۔ ہتھیانہ۔ اور ہر قسم کا نذرانہ خواہ جبری ہو یا ارادی۔ اور بلا لحاظ عملدرآمد قدیم۔ رسم و رواج یا معاہدہ کے۔ یک لخت ناجائز اور باطل قرار دیا دیں۔ اور امور مصرفہ بالا کا ارتکاب یا ارتکاب کی کوشش۔ ایک جرم قابل دست اندازی پولیس بنایا جائے۔ اور اسکی صحیح سراغ رسانی تفتیش اور کوشش پر افسر انچارج پولیس اسٹیشن متعلقہ کی ترقی اور تنزلی کا مدار کیا جائے۔

(۵) ہر ایک کاشتکار کو۔ بقدر حاجت۔ مناسب رقبہ پر اراضی دیجائے کہ کاشتکارانہ ضروریات کو آسانی سے پورا کر سکے۔ مثلاً گھور لگانے۔ بیل باندھنے۔ کھلیان لگانے کے واسطے اراضی ملنا چاہیئے۔ اور اسکی بابت کوئی معاوضہ زمیندار کو نہ ملنا چاہیئے۔ کیونکہ یہ جزو معاملہ کاشت ہے جسپر پہلے سے لگان ادا کیا جاتا ہے۔ یہ ہیں پانچ بنیادی مطالبے جن پر کسان کی آئندہ زندگی موقوف ہے۔ اگر ان پانچ مطالبات میں سے۔ ایک بھی پورا نہ ہوا۔ تو کانگریس کیبنٹ پر اعتراض کیا جا سکے گا۔ کہ اُسنے بھی کاشتکاروں کے ساتھ دغا کی۔ اور زمینداروں کو بھی چاہیئے کہ ان باتوں کو خندہ پیشانی کے ساتھ تسلیم کر لیں۔ اور کوشش کریں۔ کہ یہ سب قانون بن کر نافذ ہو جائیں۔ کیونکہ اگر ایسا نہ ہوا۔ تو پھر اونکے استیصال کے سوا اور کوئی چارہ باقی نہیں رہتا ہے اور اپنے ہاتھوں اپنی تباہی کا باعث ہونا کسی طور پر عاقلانہ حرکت نہیں ہو سکتی۔

زمینداروں کو آنے والے بڑے وقت کا پورا احساس پیدا کر لینا چاہیئے برطانوی افسروں کی گذشتہ پچیس سالہ کوشش صرف اُنکی ظاہری اور معنوی مخالفت کے سبب سے بے سود ثابت ہوئی۔ اور اسی کا نتیجہ ہے کہ آج معاملہ کی باگ نہ زمینداروں کے ہاتھ میں ہے۔ اور نہ برطانوی افسروں کے۔ یہ بھی ذہن نشین کر لینا چاہیئے۔ کہ برطانوی افسر کے اختیارات بہت محدود ہو گئے ہیں اور شاید وہ کچھ مداخلت نہ کر سکیں۔ لیکن صورت حال سے یہ پتہ چلتا ہے۔ کہ خود برطانوی افسران۔ اپنے دیرینہ حامیوں سے عاجز ہیں۔ اور اونکو کوئی رغبت نہیں ہے کہ وہ کوئی بھی کوشش زمینداروں کے مشتبہ وجود کو قایم رکھنے کی کریں۔

کاشتکاروں کا ہمدرد

# مُراسلات

## مسلم لیگ پارلیمنٹری بورڈ سے استعفا

محترم بندہ جناب ایڈیٹر صاحب زید لطفہٗ

تسلیم۔ گذارش ہے کہ میرے اس استعفے کو اندادِ ہمدردی اپنے جریدہ قریب جاریہ کی اشاعت میں شائع فرماکر قومی فرض ادا کرکے شکریہ کا موقع بخشئے۔ فقط والسلام

نیازمند

نواب جان خاں عفی عنہ

---

مکرم بندہ جناب سید ذاکر علی صاحب۔ جوائنٹ سکریٹری مسلم لیگ پارلیمنٹری بورڈ یو۔پی۔ زاد لطفہٗ

جناب کا گرامی نامہ ۲۲ر اگست ۳۷ء کو میرے مکان پر پہونچا میں ۲۴ر اگست کو مکان پر سفر سے واپس آیا گرامی نامہ کو پڑھکر مطلع ہوا۔ گرامی نامہ مذکور میں مجھ سے مطالبہ کیا گیا ہے کہ اگر مجھکو مسلم لیگ پارلیمنٹری بورڈ کے اصول سے اختلاف ہے۔ تو مجھے استعفا دیدینا چاہئے۔ لیجئے بجواب گرامی نامہ تحریر ہے ؎

تم نے ٹھانی ہے کہ دشمن پہ چلائیں خنجر
پر یہ تدبیر کہیں مضحکہ انگیز نہ ہو

جہانتک مسلم لیگ پارلیمنٹری بورڈ کا مجھ سے تعلق ہے۔ اُسکے بارہ میں فقط اتنا عرض کردینا کافی ہے کہ اسکے اصول سے انحراف کی ابتدا ذمہ دار عہدہ داروں کی طرف سے ہوئی ہیں بحیثیت ممبر اسکے اصول سے اسوقت تک متفق ہوں البتہ غور کرنا اُن ذمہ دار حضرات کو ہے جنھوں نے ابتدا از بورڈ کی ترکیب میں اس کا اعلان کیا تھا۔ کہ رجعت پسند حضرات کو اس بورڈ میں سے خارج کرینگے اور آزاد خیال آدمیوں کا بورڈ بنا ینگے اور اُس جماعت سے اشتراک عمل کرینگے۔ جس کا پروگرام مسلم لیگ پارلیمنٹری بورڈ کے پروگرام سے قریب تر ہوگا۔ مسٹر محمد علی جناح صدر آل انڈیا مسلم لیگ اور جناب چودھری خلیق الزماں سکریٹری مسلم لیگ پارلیمنٹری بورڈ۔ یو۔پی کا یہ کہنا۔ کہ ہمارا پروگرام وار دہا ورکنگ کمیٹی کے پروگرام کے مطابق ہے۔ اصولاً اس بات پر مجبور کرتا ہے کہ ہرگاہ کہ مسلم پارلیمنٹری بورڈ اپنے مینی فسٹو اور وردھا پروگرام کو مطابق دیکھتے ہوئے بلا شرط کانگریس پارٹی کے ساتھ اشتراک عمل کرتے۔ مگرافسوس ایسا نہ کرکے اصول کو کسقدر پامال کیا گیا۔ اور یہ خواہش کی گئی۔ کہ کانگریس آپکے ساتھ اشتراک عمل کی خواہشمند ہو۔ حالانکہ اُسنے اپنے مینی فسٹو میں کسی جگہ بھی یہ ظاہر نہیں کیا۔ کہ وہ کسی جماعت کے ساتھ اشتراک عمل کریگی۔ لہٰذا اصولاً یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ کانگریس اشتراک عمل کی خواہش کرے۔ بخلاف اسکے انتخاب ختم ہونیکے بعد ہی۔ اُن رجعت پسندوں کے ساتھ اشتراک عمل کی سعی پیہم کیجاتی ہے۔ جنکو رجعت پسند اور غدار کہہ کر الکشن میں کامیابی حاصل کی گئی تھی۔ اور خاص طور پر یہ وطیرہ اختیار کیا جاتا ہے۔ کہ اگر کوئی مسلم لیگ پارلیمنٹری بورڈ کا آدمی رجعت پسندوں کی طرف جاتا ہے۔ تو نہ اس سے یہ مطالبہ کیا جاتا ہے۔ کہ تم اپنی سیٹ سے استعفا دو۔ اور نہ اسکو مرتد کہہ کر اسکے خلاف جلسہ کرائے جاتے ہیں۔ اور اگر کوئی شخص مسلم لیگ پارلیمنٹری بورڈ کے مینی فسٹو کے مطابق کانگریس میں شریک ہوتا ہے تو اسکو مطاعن کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ اور اسکے خلاف جلسے کرائے جاتے ہیں۔ اخبارات میں نہایت گندہ پروپیگنڈا کرایا جاتا ہے۔ کیا یہی اصول پروری ہے۔ میں صاف طور پر یہ بتلانا چاہتا ہوں کہ جو لوگ آج مسلم لیگ پارلیمنٹری بورڈ کے عہدوں پر قابض ہیں۔ وہ اصول کو تباہ کر رہے ہیں۔ اور اُن کا یہ فعل کوئی نیا فعل نہیں ہے۔ انکی زندگی کے کارنامے سب سے پہلے خلافت کمیٹی کے اصول کو پامال کرکے مسلم کانفرنس میں داخل ہوجانا۔ اور جب اسمیں من مانی کارروائیوں سے رد کا گیا۔ تو یونٹی بورڈ بنایا جاتا ہے۔ اور جب اسکے اصول کو پامال کرنا ہوتا ہے تو مسٹر محمد علی جناح کے ساتھ اشتراک عمل کرکے آزاد خیال مسلمانوں کو یہ امید دلاکر سہارا۔ پروگرام بعینہ کانگریس کا پروگرام ہے اور ہم نے مینی فسٹو میں ظاہر کردیا ہے کہ جس کا پروگرام ہم سے قریب تر ہوگا۔ ہم اسکے ساتھ اشتراک عمل کرینگے اس سے غلط فہمی پیدا کرائی گئی تھی اور کانگریس ٹکٹ پر نہ اٹھنے کیلئے فقط یہ بہانہ وضع کیا گیا۔ کہ جدا گانہ انتخاب کی وجہ سے رجعت پسند مسلمانوں نے عوام کو کانگریس سے بدظن کر رکھا ہے۔ اس بنا پر اسکے ٹکٹ سے کامیابی مشکل ہے۔ ہم مجبوراً ایک مسلم نام کی جماعت بنانا چاہتے ہیں تاکہ آزاد خیال آدمیوں کو کامیاب بناکر اسی طرح کانگریس پارٹی کے ساتھ شریک کردیا جائے جس طرح ابتک مرکزی اسمبلی میں یونٹی بورڈ کے کامیاب امیدوار کانگریس پارٹی کے ساتھ اشتراک کر رہے ہیں۔ مگر افسوس ؎

خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا۔ جو سُنا افسانہ تھا

کیا ان واقعات سے آج کوئی صاحب بصیرت انکار کرسکتا ہے کہ زمانہ الکشن میں جو لوگ مسلم لیگ پارلیمنٹری بورڈ کے نمائندوں کا مقابلہ کر رہے تھے۔ اور اسکو کانگریس کا متبنیٰ بتلاتے تھے۔ آج وہی لوگ مسلم لیگ کے جھنڈے کے نیچے آنے کی دعوت دے رہے ہیں۔ حتیٰ کہ میں یہانتک بتلا سکتا ہوں کہ جو ہستی کل تک امن سبھا بناکر غیر ملکی حکومت کی پرزور تائید کر رہی تھی۔ وہی آج ضلع وار مسلم لیگ قائم کرنے کا فخر حاصل کرکے مسلم لیگ پارلیمنٹری بورڈ۔ یو۔پی۔ سے خراج تحسین حاصل کر رہی ہے۔ کیا مراد آباد میں مسلم لیگ کا جلسہ انہی سر محمد یعقوب کی سعی سے نہیں کیا گیا۔ جنکو کل تک جناح صاحب مسلم لیگ سے نکالنا چاہتے تھے۔ حتیٰ کہ انھیں جذبات کے ماتحت آل انڈیا مسلم لیگ کی سکریٹری شپ سے علیحدہ کیا گیا۔ کیا بجنور کی مسلم لیگ کا وجود انہی بزرگ خانصاحب عبد السمیع اسسٹنٹ کلکٹر ریٹائرڈ کا رہین منت نہیں جو کل تک اسی مسلم لیگ پارلیمنٹری بورڈ کو کانگریس کا متبنیٰ بتا رہے تھے۔ اور کیا آج وہی بجنور میں مسلم لیگ قائم کرنیکے لئے سرگرم عمل نہیں ہیں۔ جنکا ہم سے آپ شکریہ ادا کرنا چاہتے ہیں۔ کیا پنجاب کی وہ سرکاری پارٹی جو مسلم لیگ کو ایک نظر نہیں دیکھ سکتی تھی۔ وہی اپنا پورا وقت اسکی مدح خوانی میں صرف کر رہی ہے۔ کیا یہی رفیع الدین بیرسٹرایٹ لا ساکن عمیرپور جنکی کامیابی کے آج ترانے گائے جا رہے ہیں مسلم لیگ پارلیمنٹری بورڈ کے امیدوار کو ایسی ذلیل شکست نہیں دلا چکے ہیں جسکے باعث منشی احتشام علی صاحب امیدوار مسلم لیگ پارلیمنٹری بورڈ اپنی ضمانت بھی ضبط کرا بیٹھے۔ کاش لوگوں میں جذبہ حریت پیدا کرکے مسلم لیگ کی کامیابی کے ترانے گائے جاتے۔ جہانسی جالون عمیرپور کے دوٹروں کی مسلم پرستی کا اعلان کیا جاتا ہے تو یہ اسوقت کیوں نہ ثابت ہوا۔ جبکہ منشی احتشام علی صاحب اسی حلقہ سے لیگ کے ٹکٹ پر کھڑے ہوئے تھے۔ ان واقعات سے یہ پتہ چلتا ہے کہ جس طرح مسلم لیگ پارلیمنٹری بورڈ رائے دہندگان کو آزادی کی تعلیم دے رہا تھا۔ آج وہ اسی غلامی پر قانع ہے اور اسکی اشاعت کرنا چاہتا ہے جسکی مخالفت سے وہ میکلنز کا امیدوار تھا۔ ان واقعات سے اور اسی قسم کے بہت سے دیگر واقعات کے ہوتے ہوئے۔ آج بھی کہا جاتا ہے کہ جو لوگ اس بے اصولی اور بے راہ روی کو دیکھ کر یہ محسوس کرکے کہ آئین پر قبضہ رکھنے والے

لوگ لیگ پارلی منٹری بورڈ کو انکے اصول پر گامزن نہیں ہونے دینگے اس ہی باستعفا دیکر اصولاً کانگریس میں شریک ہو جاتے ہیں۔ تو وہ غدار ہیں۔ اور انکے خلاف جلسہ کرکے اظہار ملامت و نفرت کیا جائے حالانکہ میں ایماندارانہ ای سے یہ محسوس کرتا ہوں کہ مسلمانوں کی عزت اسی میں ہے کہ غلط کار حضرات آفس کو چھوڑ دیں اور آزاد خیال آدمیوں کو موقع دیں کہ وہ مسلم لیگ پارلی منٹری بورڈ کو اپنے ہاتھ میں لیں اور انتہائی آزاد خیالی کے ساتھ اپنے مینی فیسٹو کے مطابق کانگریس کے ساتھ اشتراک عمل کرکے ملک کو غلامی سے نجات دینے کیلئے سعی کریں اور اگر یہ ناجائز قبضہ برقرار رکھا جاتا ہے تو پھر میری تحریر کو استعفا تصور فرمایا جاوے اور میں اپنے استعفے کے وجوہ و دلائل روشن خیال نوجوانوں کی اطلاع کے واسطے پریس میں شائع کرا رہا ہوں۔

خادم قوم
نواب جانخاں انچند وسی ضلع مرادآباد

# الہ آباد کی خبریں

## کانگریس

آج کل الہ آباد میں کانگریس کا کام بہت سرگرمی سے چل رہا ہے۔ محلے محلے میں حلقہ کمیٹی کے ممبر اور طالبعلم ٹولیاں بناکر جاتے ہیں اور چوراہوں پر میٹنگ کرکے لوگوں کو سیاسی مسائل سمجھاتے ہیں اور کانگریس کا ممبر بناتے ہیں۔

پہلی اگست کو تلک کی برسی اور وزارات کا دن بہت خوبی سے منایا گیا۔ محمد علی پارک اور دوسرے محلوں میں قومی جھنڈا لہرایا گیا۔ اور سیکڑوں دکانوں اور مکانوں پر لگایا گیا۔ چار بجے شام کو محلوں سے جلوس آنا شروع ہوئے اور محمد علی پارک میں اکٹھا ہوکر دس ہزار آدمیوں کا جلوس قومی اور سرخ جھنڈوں کے ساتھ ٹنڈن پارک پہنچا جہاں پنڈت جواہر لال کی زیر صدارت سبھا ہوئی۔ سبھا میں تقریباً بیس ہزار آدمی موجود تھے۔

پنڈت جواہر لال نے افتتاحی تقریر کے دوران میں کہا کہ ہمیں چاہیئے کہ وزیروں کی مدد کریں اور وزیروں کو چاہیئے کہ ہماری مانگوں کو پورا کرنے کی کوشش کریں۔ ورنہ انکا وزیر ہونا بے معنی ہوگا۔ لیکن وزیر علی پر بڑی ذمہ داری اور بڑا بوجھ ہے ہمیں اسکا خیال رکھنا چاہیئے اور صبر سے کام لینا چاہیئے۔

لال بہادر شاستری نے تلک ڈے کی تجویز پیش کی اور راجندر پرشاد نے جو اسوقت موجود تھے اسپر تقریر کرتے ہوئے کہا کہ جس راستے کی بنیاد پندرہ سال پہلے پڑی تھی ہم اسی راستے پر چل رہے ہیں اور چلینگے۔ یہ غلط ہے کہ سوراج حاصل ہو گیا ہو۔ سوراج ایسے حاصل نہیں ہوگا ہمیں باہر کا آندولن چلانا پڑے گا۔ دوسرا پرستاؤ انڈمن کے اور دوسرے سیاسی قیدیوں کی رہائی کا۔ اچاریہ کرپلانی جنرل سکریٹری کانگریس نے پیش کیا۔

## کانگریس سوشلسٹ پارٹی

کانگریس سوشلسٹ پارٹی کا کام نئی سرگرمی سے شروع ہوا ہے۔ سجاد ظہیر صاحب نے اس بنا پر سکریٹری کے عہدہ سے استعفا دیدیا ہے کہ کانگریس شہر کمیٹی کے سکریٹری بھی ہونے سے وہ اپنا زیادہ وقت پارٹی کو نہیں دے سکتے۔ چنانچہ ڈاکٹر احمد (اقتصادی ڈپارٹمنٹ کانگریس) نے اس کام کا ذمہ لے لیا۔

۶ تاریخ کی میٹنگ میں پارٹی نے ایک پرستاؤ کانپور کے ہڑتالی مزدوروں سے ہمدردی ظاہر کرتے ہوئے دفعہ ۱۴۴ ہٹانے کے بارے میں پاس کیا۔ یہ طے پایا کہ ہر محلہ میں مزدوروں کے سنگٹھن کا کام شروع کر دیا جائے۔

سوشلسٹ پارٹی کی طرف سے ۷ تاریخ کو یونیورسٹی کے سامنے طالبعلموں کی ایک سبھا ہوئی۔ باوجود پولیس کے ڈھائی سو طالب علم جمع ہوگئے۔

سبھا انڈمن کے قیدیوں کی رہائی کے بارے میں تھی اور تقریر کرنے والوں نے بتلایا کہ چونکہ انڈمن کے سیاسی قیدیوں میں زیادہ تر طالبعلمی کے زمانہ میں گرفتار کئے گئے۔ اسلئے طالبعلموں کو انکا سوال اٹھانا چاہیئے۔

سوشلسٹ پارٹی کا سب سے کامیاب جلسہ ۹ تاریخ کو محمد علی پارک میں ہوا۔ پرستاؤ کانپور کے مزدوروں کے ساتھ ہمدردی کا تھا اور بولنے والوں نے نہایت پرجوش تقریروں میں دفعہ ۱۴۴ کے ہٹانے اور مزدور سبھا کو ماننے کیلئے کہا۔ گولی چلانے اور گرفتاریوں کے خلاف مولانا شاہد نے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ آزادی کی لڑائی وزارتیں حاصل کرنے سے پوری نہیں ہوگی بلکہ آزادی کی لڑائی میں تو لاشوں کے ڈھیر لگیں گے۔ ہرش دیو مالوی نے ایک مختصر تقریر میں موجودہ سی آئی ڈی کی طرف دھیان ڈلوایا اور التجا کی کہ وزیر اعظم ایسے لوگوں کو دوسرے کام میں لگائیں اور مزدوروں پر گولی چلانے والے افسروں کا تبادلہ کریں۔

ہرش دیو مالویا کی تقریر سے حاضرین میں کھلبلی پڑ گئی۔ اور رپورٹر کی طرف سب کی توجہ ہوئی۔ ایک وقت تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ شاید رپورٹر کو میٹنگ سے نکالنے کی کوشش کی جائے۔ لیکن مسٹر سنیت صدر سبھا نے یہ کہہ کر جوش ٹھنڈا کر دیا کہ ابھی تک سی۔ آئی۔ ڈی کے بارے میں کوئی حکم صادر نہیں کیا گیا۔

ڈاکٹر اشرف کی تقریر نہایت ہی پرجوش تھی انھوں نے مزدور اور مزدور جماعت کی اہمیت بتائی کہ کیوں یہ جماعت سب سے زیادہ انقلاب پسند ہے۔ اور ڈاکٹر اشرف اور ڈاکٹر احمد دونوں نے کہا کہ ہم اندولن کے ذریعہ وزیروں کا ہاتھ مضبوط کرتے ہیں اور ہماری طاقت میں انکی طاقت ہے۔

---

بجنور ۱۰ اگست کی شب میں مسجد جولاہان قاضی محلہ میں زیر صدارت قاری مختار اللہ صاحب مسلمانوں کا ایک عام جلسہ ہوا حاضرین کی تعداد بہت امید افزا تھی جناب مولوی محمد فضل صاحب صدر مدرس جامع عربیہ بجنور نے کانگریس کی حمایت میں ایک بصیرت افروز تقریر فرمائی اور بڑی تعداد میں مسلمان کانگریس کے ممبر بنے۔ جناب مولوی شوکت اللہ صاحب رئیس بجنور کی موجودگی نے جلسہ کی کامیابی میں بہت امداد فرمائی۔ چند غیر ذمہ دار آدمیوں نے مسلم لیگ کا نام لے کر جلسہ میں بدتمیزی کا اظہار کرنا چاہا۔ مگر ان کو فوراً خاموش ہونا پڑا۔ مسلمان بڑی کثرت سے کانگریس میں شامل ہو رہے ہیں۔ مسلمانوں میں کانگریس کا کام بہت زور سے ہو رہا ہے روزانہ مسجدوں میں جلسے ہو رہے ہیں۔

بشارت نبی
سکریٹری لوکل سرکل کانگریس کمیٹی بجنور۔

# گورکھپور میں سیلاب عظیم

## فصلیں برباد ہو رہی ہیں اور متعدد مواضعات زیر آب ہیں

ضلع گورکھپور میں دریائے راپتی ۔ روہن ۔ گرہ ۔ آمی کی طغیانی کی وجہ سے ...

سیلاب اپنے پورے شباب پر ہے۔ امسال فصل اچھی تھی اور خیال تھا کہ گورکھپور کے کسان کسی قدر آسودگی کی زندگی بسر کر سکیں گے۔ لیکن اس تباہ کن سیلاب نے کسانوں کی اس امید کو خاک کر دیا۔ مذکورہ بالا دریاؤں کے گرد و نواح کے تمام مواضعات اور مکانات زیر آب ہیں اور سیلاب کی بڑھتی ہوئی رو کو دیکھتے ہوئے حکومت کو ہزاروں انسانوں کو جان و مال کو محفوظ کرنے کی غرض سے اس طرف جلد سے جلد توجہ کرنا چاہیئے۔

ابوظفر النعامی
سکریٹری ضلع کانگریس کمیٹی گورکھپور

## تحصیل قیصر گنج ضلع بہرائچ کے جنوبی حصہ کا سیلاب عظیم

دریائے گھاگھرا ۱۰ ۲ر جولائی سے ۱۲ر اگست ۳۸ء تک اسقدر زوروں کے ساتھ بڑھا کہ میل شمال تک پہونچگیا۔ سالہائے گذشتہ میں کبھی ایسا سیلاب نہیں آیا۔ فصل خریف بالکل تباہ و برباد ہوگئی اسکے علاوہ گنے کی فصل کو بھی سخت نقصان پہونچا۔ تمام مکانات گر گئے کا خدشہ۔ لوگ فاقے سے پریشان ہیں جانوروں کیلئے چارہ کی سخت قلت ہے۔ اس حصہ کے کسان لوگ سالہائے گذشتہ کے سیلاب سے تو پہلے ہی برباد ہو چکے تھے۔ بعدہٗ ربیع کی فصل پر بھی اولے پڑگئے۔ فصل خریف موجودہ جسکی امید پر کسان لوگ قایم تھے وہ بھی تباہ ہوگئی اب انکی مصیبت کی کوئی انتہا نہیں۔ کیا ہماری گورنمنٹ وانریبل چیف منسٹر صاحب ان کسانوں کی امداد کا کوئی سہل تلاش کریں گے۔ بہتر ہے کہ اس وقت کوئی رلیف کا کام جاری کیا جاوے۔ اور آیندہ کے لیئے لگان یکسفیصلہ کر دیا جاوے یعنی ربیع کا لگان لیا جاوے۔ اور خریف کا لگان ہمیشہ کیلئے جبتک سیلاب آتا رہے معاف فرمایا جاوے۔

بلدیو بخش سکریٹری کانگریس کمیٹی نندول
ضلع بہرائچ ۱۵ر اگست ۳۸ء

---

تاریخ ۱۴ر اگست ۱۹۳۸ء وبمقام احاطہ عدالت جناب ڈسٹرکٹ جج صاحب بہادر لکھنؤ ایک جلسہ عام مذکوریان وچپراسیان و اردلی و دفتری عدالت ہائے دیوانی و خفیفہ زیر صدارت جناب متھیا پرشاد صاحب پیشکار عدالت ججی منعقد ہوا۔ جلہ مذکوریان ہر دو عدالت دفتری وار دلی بروقت جلسہ موجود تھے سب نے متفق رائے ہو کر پاس کیا۔ وہ لوگ ایسی ایک یونین ہر ضلع میں بنا دیں اور اسکو گورنمنٹ سے تسلیم کرا کے برابر اپنے حصول مقاصد و تکالیف کی چارہ جوئی کی کوشش کریں ان اشخاص کی تنخواہیں لعہ ماہوار سے لے کر للعہ ماہوار تک ہیں جو کہ اونکے اور اونکے بال بچوں کی گذر اوقات کیلئے بالکل ہی ناکافی ہیں۔ پہلی بات جو کہ آپلوگوں کی قابل سماعت گورنمنٹ عالیہ یہ ہے کہ ان کو بحیثیت ملازم سرکار کے کافی رقم تنکم پروری و تن پوشی کیلئے ملنا چاہیئے۔ فی زمانہ دوران حکومت کانگرسی وزارت میں ان سے درخواست کا کامیاب ہونا مشکل بات نہیں معلوم ہوتی لہٰذا میں یہ درخواست کروں گا کہ جو کچھ امداد اس سلسلے میں آپسے بحیثیت اڈیٹر اس پرچہ کے ہو سکتی ہے کیجیئے اور اس نیک کام کا ثواب حاصل کیجئے۔

کے بی۔ چودھری
وکیل۔

جلد (۱) نمبر (۱۴) | ۲۹ راگست ۱۹۳۷ء | فی پرچہ ۱ سالانہ ۳

## مسولینی اور شاہ حبش

نیوز کرانیکل لکھتا ہے کہ سینر مسولینی نے حبش کے سابق شہنشاہ ہیل سلاسی کو حبش پر اٹلی کے زیر سایہ حکومت کرنے کو دوبارہ بلایا مگر اس نے انکار کر دیا۔ آخری اطلاع کو صرف تین ہفتہ گذرے۔ اسی اخبار کا نامہ نگار لکھتا ہے کہ ابھی تک حبش میں امن نہیں قائم ہوا ہے۔ قبائل کے جتھے بہت باقاعدگی سے لوٹ مار کرتے رہتے ہیں۔ اٹلی گورنر جنرل ... قاذیوں کو تنگ کر رہا ہے۔ عدیس ابابا سے جبوتی تک ریل کا سفر خطرے سے خالی نہیں ہے۔ بہت سے اٹلی کے باشندے حبش فتح ہو چکنے کے بعد وہاں روزگار کی تلاش میں گئے تھے مگر بجائے دولت مند ہونے کے وہ لوگ اور تباہ حال ہو گئے۔ ان میں سے کچھ تو حبشیوں میں شامل ہو کر کینیا، خرطوم، اور سالی لینڈ بھاگ گئے۔ جو باقی ہیں ان میں بے چینی خوب پھیل رہی ہے۔ ان لوگوں میں اکثر فوجی ہیں۔

اٹلی کے ایک اخبار گزٹ ڈل پاپولو نے لکھا تھا کہ مفتوح حبش پر قبضہ جمانے اور پھر اس سے آمدنی حاصل کرنے کے لئے اتنا خرچ کرنا پڑیگا کہ اٹلی پر مدتوں بار پڑتا رہیگا۔

گویا کہ اٹلی کے سامنے اس وقت دو مسئلے ہیں، ایک تو حبش میں امن قائم کرنا، دوسرے روپیہ کی ضرورت ہے جو وہاں لگایا جاسکے۔ پہلے مسئلہ کا حل اس طرح کرنا چاہتا ہے جیسے جاپان نے منچوریا کا کیا، یعنی شاہ حبش کے خاندان کے کسی آدمی کو بادشاہ بنا دے، ایسے آدمی کا ایک طرف اخلاقی دباؤ پڑتا ہے، اور دوسری طرف وہ ایسے آدمیوں سے واقف ہوتا ہے جو امن قائم رکھ سکتے ہیں، اور انکو خوش کرنا بھی جانتا ہے دوسرے مسئلہ کا حل یوں کرنا ہے کہ انگلستان کو روپیہ لگانے کے لئے دعوت دیا جائے۔ مگر دونوں ترکیبیں ایسی ہیں کہ کامیابی کی امید کم ہے۔ پہلی ترکیب میں وہی خطرہ ہے جو منچوریا میں جاپان کو پیش آتی ہیں۔ یعنی ایسے بادشاہ کام نہیں دیتے۔ اٹلی کو ایک کثیر تعداد بڑی فوج رکھنا پڑتی ہے کہ نفع کے بجائے نقصان ہوتا ہے۔ اور دوسری طرف تجربہ بتاتا ہے کہ انگریزی مہاجن ہمیشہ اپنے قرضداروں کو مٹا کر چھوڑتے ہیں۔

## انجمن غیر جانبداری

آخری بار انجمن غیر جانبداری کا جو جلسہ ہوا تو اس میں روس کے نمائندے میسکی نے یہ سوال پوچھ لیا کہ اگر فرانکو حکومت اسپین کا مدمقابل سمجھ لیا گیا تو اس صورت میں کیا اٹلی اور جرمنی اپنے والنٹیروں کو اسپین سے فوراً بلا لینگے۔ اٹلی کے نمائندے گرانڈی نے کہا کہ میری حکومت اسکے لئے بالکل تیار نہیں ہے۔ اور تیار ہو تو کیسے ہو۔ اٹلی اور جرمنی کو خوب معلوم ہے کہ ان والنٹیروں کو بلا لینے کے بعد فرانکو کی فوج میں کیا رہ جائے گا۔

میسکی نے ایک تقریر میں بتایا کہ سویٹ روس کی حکومت نے برطانیہ کی انجمن غیر جانبداری کی تمام تجویزوں میں اعانت کی۔ بیرونی والنٹیروں کو واپس بلا لینا۔ ساحلوں کی نگرانی۔ زمین کی نگرانی وغیرہ وغیرہ "مدمقابل" تسلیم کرنے کا معاملہ ایسا تھا جس کو براہ راست انجمن غیر جانبداری سے کسی طرح کا تعلق نہیں۔ بلکہ یہ تو ایک طرح سے باغیوں کی جانبداری ہے۔ لیکن سویٹ حکومت اس پر بھی گفت و شنید کرنے پر تیار ہے بشرطیکہ والنٹیروں کا معاملہ جو اصلی معاملہ ہے کسی کل بیٹھ جاسکے۔

میسکی نے پوچھا کیا اٹلی اور جرمنی اس بات پر تیار ہیں کہ ایک محدود زمانے

فہرست

کے اندر جو کمیٹی مقرر کرے تمام دوسری قومیں اسپین سے واپس بلالی جائیں۔ جرمنی اور اٹلی کے نمائندوں نے اس کا جواب نہیں دیا۔ لارڈ پلائی متھ نے فرمایا کہ یہ سوال خارج از بحث ہے۔ حالانکہ یہی سوال ہے جو اس انجمن میں پیش ہو سکتا ہے۔ اس سوال کے بعد انجمن کا جلسہ ملتوی ہو گیا۔ انگلستان کے اخبارات نے اس کا الزام روس پر ڈالا، اور چیمبرلین نے فوراً ایک سمجھوتے کا خط اٹلی کو لکھا اس سمجھوتے میں کیا ہوگا؟ اٹلی، فرانکو، جرمنی، پرتگال، اور برطانیہ کے درمیان دوستانہ تعلقات، مگر ان سب سے زیادہ اہم حبش کا معاملہ ہوگا۔ اٹلی نے فتح کرنے کو تو حبش فتح کر لیا مگر وہ فائدہ مند اسی وقت ہو سکتا ہے جب وہاں خوب روپیہ لگایا جائے۔ اٹلی کے پاس روپیہ نہیں ہے۔ برطانیہ کے مہاجنوں کے پاس کھر کھا روپیہ بھرا پڑا ہے، اور وہ حبش میں لگانے کو تیار بھی ہیں۔ اس طرح دونوں کا بھلا ہو جائے گا۔ دوسری طرف اگر برطانیہ اور اٹلی میں کسی طرح کا سمجھوتا ہو گیا تو اٹلی اور جرمنی میں جدائی ہو جائے گی۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ جنگ کے خطروں سے سرمایہ داروں کو کچھ دنوں کے لئے نجات ہو جائے گی۔

## شراب نوشی

آج کل کئی صوبوں میں شراب نوشی کو بند کرنے کے لئے قانون بنانے کی تجویز ہو رہی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اس قسم کے قانون کی بہت ضرورت ہے۔ لیکن ہمیں چاہئے کہ اس خرابی کی بنیادی وجہ کی تلاش کریں۔ عوام کے شراب پینے کی وجہ صرف یہی نہیں ہے کہ اب تک حکومت نے اس کے خلاف کوئی قانون نہیں بنایا۔ اس طبقہ کی شراب نوشی کی بہت بڑی وجہ یہ ہے کہ انکی زندگی بالکل بے لطف ہے۔ ذرا ایک مزدور کا خیال کیجئے جو اندھیرے منہ اٹھتا ہے۔ جلدی جلدی کھانے کی پوٹلی سمیت بے تحاشا مل کی طرف بھاگتا ہے۔ دن بھر مشینوں کی گھڑگھڑ، مستریوں کی ڈانٹ ڈپٹ اور روئی کے مَیل اور میل کچیل کی بو سے سابقہ رہتا ہے۔ شام کو واپسی میں اگر گھر آتا ہے تو کسی قسم کی آسائش کا سامان نہیں پاتا۔ بیوی بچے یا تو ہوتے ہی نہیں۔ اور اگر ہوتے بھی ہیں تو بے حد میلے کچیلے، چڑچڑے۔ گھر کیا ہوتا ہے جہنم ہوتا ہے۔ ایسے وقت میں مزدور کا دماغ "بھلاوا" ڈھونڈتا ہے۔ ایسا مشغلہ جو کچھ دیر کے لئے اسکے دل سے فکروں، پریشانیوں اور تکان کو نکال کر پھینک دے۔ اسکے علاوہ بہت سے اور جذبات ہوتے ہیں جو بند پڑے رہنے کی وجہ سے اپنی نکاسی چاہتے ہیں۔ اوسط طبقہ انکو سیر و تفریح، لڑائی جھگڑے، سگرٹ پان کے ذریعہ نکالتا ہے۔ مزدور کے جذبات زیادہ وزنی ہوتے ہیں، انکو نکالنے کے لئے زیادہ تیز چیز چاہئے۔ یہ سب کام تاڑی یا شراب پورے کر دیتی ہے۔ اب حکومت جرمانہ، جیلخانہ، پھانسی کچھ ہی سزا رکھے جب تک یہ اسباب نہیں مٹتے اس کے پیدا کئے ہوئے جرم بھی نہیں مٹ سکتے۔ اگر شراب نوشی کو مٹانا ہے تو کسانوں اور مزدوروں کی زندگی کو پر لطف بناؤ، ان کے لئے بھی ویسی لذتیں مہیا کرو جو اوسط طبقے کے کسی اچھے گھرانے کو حاصل ہوتی ہیں۔

اگر قانوناً شراب خانے بند کر دیئے گئے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ملک میں کوئی شراب نہیں پئے گا۔ جن لوگوں کے پاس روپیہ ہے وہ طرح طرح سے شراب حاصل کر سکتے ہیں اور جو غریب ہیں وہ ایسی نشہ والی چیزیں استعمال کریں گے جن کی ممانعت نہ ہوگی لیکن جو شراب سے زیادہ نقصان دہ ہوں گی۔ قانون بنانے سے پہلے ان سب باتوں پر غور کرنے کی ضرورت ہے ورنہ بجائے نفع کے نقصان کا اندیشہ پایا جاتا ہے۔

## بمبئی کی حکومت کا بجٹ

بمبئی کی حکومت نے اپنا بجٹ پیش کر دیا۔ دس لاکھ روپیہ کی مصارف میں کمی کی گئی ہے۔ بقایا لگان سوائے اس سال کے جو اکتیس جولائی میں ختم ہوا ہے۔ معاف کر دیا گیا۔ پندرہ لاکھ دیہات سدھار کے لئے منظور کئے گئے ہیں، اور چارہ مفت دیا گیا۔ لگان کی کمی، اور قرضہ کی معافی کی طرف کم توجہ دی گئی ہے۔ ابتدائی تعلیم کا وعدہ ہے۔ بجٹ میں صرف سترہ لاکھ ستر ہزار کی کمی پڑتی ہے۔

بمبئی کی حکومت کو بجٹ تیار کرنے کے لئے صرف پندرہ روز ملے تھے۔ اتنی جلد کوئی انقلابی بجٹ تیار کرنا ناممکن تھا۔ اسی لئے شاید سیدھا سادھا بجٹ بنا دیا گیا۔ اسکے سیدھے پن کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ ٹائمس آف انڈیا نے اس کی تعریف کی ہے۔ گویا کہ سرمایہ داروں کو کوئی نقصان نہیں پہونچا۔

وزیر مالیات نے امید ظاہر کی ہے کہ آئندہ مصارف میں اور زیادہ تخفیف کی جائے گی۔ اس کے علاوہ ایسے ذرائع آمدنی کو قومی ملکیت میں لایا جائے گا جس پر ابھی تک مہاجنوں کی نظر نہیں گئی ہے۔ یہ چیز ایسی ہے جس کی جلد سے جلد کوشش کرنا چاہئے۔ بلکہ اگر دو ایک ذرائع آمدنی مہاجنوں کے ہاتھوں سے عوام کے نفع کے لئے چھین بھی لئے جائیں تو کوئی بڑی بات نہیں، اس سے ملک کو بہت بڑا فائدہ پہونچے گا۔ وہ یوں کہ عوام میں سامان خریدنے کی اہلیت پیدا ہوگی۔ سامان کی بکری بڑھے گی، اور ملک کی عام حالت سدھر جائے گی۔ دوسری بات یہ ہے کہ ہر کام کے وقت یہ پیش نظر رکھنا چاہئے کہ کانگریس عوام کی نمائندہ ہے۔ عوام نے اس کو اسمبلی میں بھیجا ہے، صرف اس لئے کہ ان کے درد دکھ کا علاج کرے۔

## ہندستان کی فوجیں شنگھائی کو

حکومت ہند نے شنگھائی کو کچھ فوجیں بھیجی ہیں۔ اس پر جواہر لال نہرو نے اخباروں میں ایک بیان دیا ہے جس کو ہم ذیل میں نقل کرتے ہیں۔

"حکومت ہند نے جو ہندستانی فوجیں شنگھائی بھیجی ہیں وہ ہندستان کے لئے بہت اہم واقعہ ہے۔ یہ پرانی پالیسی کی ایک کڑی ہے کہ ہندستانی فوجوں کو بلا ہندستانیوں کی مرضی کے باہر لڑایا گیا ہے۔ کانگریس نے اس پالیسی کی بہت مخالفت کی ہے اور بہت سختی سے کہا ہے کہ کانگریس کبھی گوارا نہیں کر سکتی کہ ہندستان کی فوجیں ہندستان کے مفاد کے خلاف، اور برطانوی سامراج کی حمایت میں استعمال کی جائیں۔"

# برطانیہ کا مفاد

کہا یہ جاتا ہے کہ ہندستان کی فوجیں شنگھائی، ہندستان کے مفاد کی حفاظت کے لئے بھیجی گئی ہیں۔ وہ ہندستان کے مفاد کیا ہیں؟ شاید ہی کسی کو معلوم ہوں۔ یہ ظاہر ہے کہ وہ مفاد برطانوی سامراجی مفاد ہیں، اور اگر واقعی ہندستانی مفاد کی حفاظت کرنا ہے تو پھر یہ فیصلہ بھی ہندستانی کریں گے کہ اس موقع پر ان کو کیا کرنا چاہئے، اگرچہ یہ واقعہ چھوٹا سا ہے لیکن کیا معلوم کہ آگے چلکر یہ کتنا بڑا ہو جائے۔ یہ ہمکو گھری لڑائی میں پھنسا سکتا ہے۔

کانگریس نے کئی بار ہمکو جنگ کے خطروں سے آگاہ کیا ہے اور کسی سامراجی لڑائی میں حصہ لینے سے انکار کر دیا ہے یہ فضول انکار نہ تھا۔ بلکہ ان نتائج کو جو لڑائی سے پیدا ہوتے ہیں اچھی طرح سوچ کر انکار کیا گیا تھا۔ دنیا دن بدن لڑائی سے قریب آتی جاتی ہے۔ اسپین کی لڑائی کو سال بھر ہوا لیکن ابھی تک ختم کے کچھ آثار نہیں۔

چین و جاپان کی لڑائی بلا کسی تمہید کے شروع ہو گئی۔ بم برسنے لگے۔ جن سے ہزاروں موتیں ہو گئیں۔ اور کہا جاتا ہے کہ ابھی یہ لڑائی کئی سال تک طول اختیار کر سکتی ہے۔ لڑائی شروع تو ہو جاتی ہے لیکن آسانی سے ختم نہیں ہوتی۔ وہ پھیلتی ہے اور دوسرے ملکوں کو لپیٹ لیتی ہے۔ دنیا کی یہ تصویر ہمارے سامنے ہے۔ اور عالمگیر لڑائی کا خطرہ انسانیت پر چھایا ہوا ہے، سوال یہ ہے کہ ہم اس خطرہ کا مقابلہ کیسے کریں گے؟ اس طرح کبھی نہیں جیسے برطانوی مفاد کے حصہ دار مقابلہ کریں گے۔

ہم اپنی صوبجاتی حکومتوں، اور اندرونی جھگڑوں میں منہمک ہیں۔ لیکن اس زبردست چیز کو نہیں بھول سکتے جو دنیا پر چھائی ہوئی ہے اور ایک ہوا دمیں سب اسکیموں کو نابید کر سکتی ہے۔ یہ بڑا بھاری مسئلہ ہے، ہندستان کے لئے اس طرح جسطرح ساری دنیا کے ملکوں کے لئے۔ اور اسکا فیصلہ ہندستان ہی کو کرنا چاہئے کانگریسیوں کو اس معاملہ میں ہوشیار رہنا چاہئے۔

ہندستان کو چاہئے کہ چین کو فوجیں بھیجے جانے کے خلاف احتجاج کرے۔ مشرق بعید کی اس لڑائی میں ہم کو چین سے کھلم کھلا ہمدردی ہے۔ اور ہماری تمنا ہے کہ چینی سامراجی قوموں کو کچلنے میں کامیاب ہو جائیں۔ لیکن اس بین الاقوامی کھیل میں ہم کبھی نہیں گوارا کریں گے کہ ہمارے آدمی پیادوں کی طرح کٹائے جائیں۔ آج ہم صرف احتجاج کر سکتے ہیں۔ لیکن اس احتجاج میں کانگریس کی ساری قوتیں جذب ہو جائیں گی۔ اگر گورنمنٹ اسی پالیسی پر عمل کرتی رہی۔

# بمبئی کی حکومت اور مزدور

سنا گیا ہے کہ بمبئی کی حکومت بہت جلد مزدوروں کی حالت کی طرف متوجہ ہونے والی ہے جہاں جہاں سے کمی تنخواہ اور دوسری شکایتوں کی خبر آتی ہے وہاں ماہرین متعین کئے جائیں گے۔ گورنمنٹ نے مزدوروں سے اس سلسلہ میں جو وعدے کئے تھے وہ پورے کئے جائیں گے یعنی کم سے کم تنخواہ کی مقدار معین کی جائے گی۔ ملازمت کا مستقل ہونا۔ بیمار مزدوروں کی پنشن وغیرہ کا انتظام کیا جائے گا۔ گورنمنٹ یہ بھی سوچ رہی ہے کہ کیا کی جائے رہائش بہتر ہو قرضہ کے بار کو ہلکا کیا جائے۔ بڑھاپے۔ بیماری بیکاری کی مدد کے لئے کوئی فنڈ مقرر کیا جائے

یہ اصلاحات وہ ہیں جنکو ہندستان میں کبھی کا نافذ ہو جانا چاہئے تھا۔ یہ چھوٹی چھوٹی باتیں تو اب تقریباً دنیا کے تمام ملکوں میں پائی جاتی ہیں۔ ہندستان میں انکے پیچھے رہنے کی وجہ یہ رہی کہ مزدور ابھی تک منظم نہ تھے اس وجہ سے سرمایہ دار برابر بدیشی حکومت پر خاطر خواہ دباؤ نہ ڈالسکا۔ لیکن اب ہمدرد حکومت برسر اقتدار آئی ہے اسی سے مزدوروں کو پورا فائدہ اٹھانا چاہئے ظاہر ہے کہ سرمایہ داروں کی جماعت ان اصلاحات کے خلاف ضرور آواز اٹھائے گی مزدوروں کو منظم ہو جانا چاہئے کہ اسوقت وہ حکومت کی موافقت سے اپنی طاقت استعمال کر سکیں۔

# کانپور کے مزدور

کانپور کی مزدور سبھا نے ایک اشتہار نکالا ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ اب تک ہم لوگ پر مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹتے رہے۔ وقت پر تنخواہ نہ ملی۔ تنخواہ کے لئے جا نکلنے کی اجازت نہیں۔ کام وقت مقررہ سے بہت زیادہ لیا جاتا ہے جس کی تنخواہ نہیں دی جاتی۔ ۱۹۳۲ء میں تنخواہ میں کمی ہوئی تھی وہ ابھی تک بدستور ہے حالانکہ اب چیزوں کی قیمتیں چڑھ گئی ہیں۔ ہم لوگوں نے اسی غرض سے اسٹرائک کی تھی۔ یو۔ پی کی کانگریسی وزارت نے ایک کمیشن مقرر کرنے کو کہا ہے اور امید یہ ہے کہ وہ کمیشن ہمارے موافق فیصلہ کریگا۔ اس درمیان میں ہمیں چاہئے کہ اپنے کو زیادہ منظم کریں تاکہ کمیشن کے فیصلہ کو منوانے کے لئے مل کے مالکوں پر اچھا دباؤ ڈال سکیں

بات بالکل معقول ہے مل کے مالک ایسی باتیں ماننے سے حتی الامکان بھاگتے ہیں جن سے انکی آمدنی میں کمی آتی ہو۔ اور بھلا مزدوروں کے مطالبوں میں ایسی بات کون ہو سکتی ہے جس سے انکی آمدنی میں کمی نہ آتی ہو۔ ابھی کا واقعہ ہے کہ وزارت کو صرف اتنا مطالبہ منوانے میں کہ مزدور سبھا کو مزدوروں کا نمائندہ تسلیم کر لیا جائے۔ کتنی زحمت ہوئی تھی اگر وزارت کے دباؤ کے پیچھے مزدوروں کی اسٹرائک بھی نہ ہوتی تو بھلا مل کے مالک مزدور سبھا کو تسلیم کرتے؟ اس لئے بہت مناسب ہے کہ مزدور سبھا ابھی سے تیار ہو جائیں۔ کہ وہ وزارت کے کمیشن کی سفارش منوانے میں مدد کرے

اخبار پانیر لکھتا ہے کہ مزدوروں کی یہ تحریک کمیونزم ہے۔ اور چونکہ کمیونزم بہت برا لفظ ہے لہذا یہ تحریک بھی بہت بری ہے۔ اپنے حقوق کو انکا اور ایسے حقوق جنکو ساری دنیا مانتی ہے اور جائز سمجھی ہے کیا ان حقوق کے لئے لڑنا کوئی جرم ہے؟ پھر کانپور کے مزدوروں نے یہ اشتہار نکالکر کیا غلطی کی ہے؟

---

# انڈمن کے قیدی

انڈمن کی سیاسی قیدیوں کی بھوک ہڑتال کو ایک مہینے سے زیادہ ہو چکا ہے لیکن ہندستان کی مرکزی حکومت نے اب تک ان کے مطالبات کو منظور نہیں کیا۔ تمام ملک میں جلسے ہوئے، ہڑتالیں ہوئیں، ہرخیال اور ہر طبقے کے لوگوں نے حکومت سے درخواست کی کہ ان قیدیوں کی حالت پر رحم کرے اور ان کو انڈمن سے واپس بلا لے، لیکن جواب یہی ملا کہ ہم اس وقت تک اس مسئلے پر غور بھی نہیں کریں گے جب تک بھوک ہڑتال ختم نہیں کر دی جائے گی۔ ہمارے حاکموں کو شاید یہ معلوم نہیں کہ فاقہ کوئی خوشی سے نہیں کرتا۔ ڈھائی سو آدمی ایک مہینے تک فاقہ اس لئے نہیں کر رہے ہیں کہ حکومت ہند کی عزت کم ہو جائے۔ اتنی تکلیف وہ ہرگز نہ اٹھاتے اگر انھیں یقین ہوتا کہ بغیر اس کے بھی ہماری مہربان حکومت ان کے حال پر رحم کرے گی۔ کئی سال سے ملک کے ہر گوشہ سے یہ آواز اٹھ رہی ہے کہ انڈمن کے قید خانے کو بند کر دیا جائے۔ حکومت ہند کے ہوم ممبر صاحب نے انڈمن پر کمال عنایت یہ فرمائی کہ وہاں بنفس نفیس تشریف لے گئے لیکن وہاں سے واپس آکر بجائے اس کے کہ قیدیوں کی تکلیفوں کا انسداد کرتے فرمانے لگے کہ "وہ تو قیدیوں کی بہشت ہے"۔ اس کے بعد لالہ ہنسراج اور سر محمد یامین وہاں کے حالات کا معائنہ کرنے کے لئے گئے۔ سر محمد یامین کی وفاداری کی شدت کا یہ حال تھا کہ ہوم ممبر کی جنت پر بالکل فریفتہ ہو گئے اور اگر اسمبلی سے ان کو بیحد صبت نہ ہوتی تو وہیں عمر بھر کے لئے قیام کر لیتے۔ لالہ ہنسراج نے وہاں کے صحیح حالات شائع کئے جن کو پڑھ کر یہ معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں اگر جہنم ہو سکتا ہے تو وہ انڈمن میں ہے۔ جب ان بزرگوں کے معائنہ کا نتیجہ کچھ بھی نہ نکلا اور قیدیوں کو بالکل امید باقی نہ رہی کہ معمولی عرضداشتوں کی شنوائی ہوگی تو انھوں نے اپنی جان پر کھیلنے کی ٹھانی۔ اب جو انھوں نے بھوک ہڑتال کی تو کہا یہ جاتا ہے کہ یہ تو دھمکی دیتے ہیں، اب اگر ان کے مطالبات مان لئے گئے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ قانون کی وقعت دنیا میں باقی ہی نہیں رہیگی اور ہر مجرم حکومت کو مجبور کرنے لگے گا۔ بھلا اس منطق کا کیا جواب ہو سکتا ہے۔

ہمارے ملک میں جرم اور قانون کا تخیل ہی ناقص ہے، یہاں مجرم کو سزا اس لئے نہیں دی جاتی کہ اس کی وجہ سے اصلاح مقصود ہوتی ہے بلکہ اس کو زیادہ سے زیادہ تکلیف پہنچانے کی کوشش کی جاتی ہے اور سمجھا یہ جاتا ہے کہ اس طرح اس کی ہمت پست ہو جائے گی اور آئندہ جرم کرنے کی جرأت نہ کریگا۔ جدید تحقیقات نے اس تخیل کو بالکل غلط ثابت کر دیا ہے۔ مجرموں کی نفسی کیفیت کی تحقیقات کرنے والوں کا یہ خیال ہے کہ ان کے ساتھ مریضوں کا سا برتاؤ کرنا چاہیئے اور جہاں تک ہو سکے انھیں آرام پہنچانا چاہیئے۔ بجائے اسکے ہمارے ملک میں قیدیوں کے ساتھ جانوروں سے بھی زیادہ برا برتاؤ کیا جاتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ معمولی سیاسی قیدیوں کو دوسرے قیدیوں سے زیادہ بہتر حالت میں رکھا جاتا ہے لیکن جن سیاسی قیدیوں کو زیادہ خطرناک سمجھ کر انڈمن بھیج دیا گیا ہے ان کو ہر قسم کی تکلیف پہنچانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ ان قیدیوں کا قصور یہ ہے کہ انھوں نے ایک ایسے نظام حکومت کو جسے وہ اپنے ملک اور قوم کے لئے سخت نقصان دہ سمجھتے تھے ختم کرنے کی کوشش کی۔ کہا یہ جاتا ہے کہ انھوں نے تشدد استعمال کیا اس لئے ان کا جرم دوسرے سیاسی قیدیوں سے مختلف ہے۔ یہ صحیح ہے کہ کوئی حکومت تشدد کو برداشت نہیں کر سکتی اور اگر واقعی تشدد ثابت ہو جائے تو سزا بھی دینی چاہیئے لیکن قیدیوں کو سزا دیتے وقت عدالت کو اور اسکے بعد قیدیوں سے برتاؤ کے بارے میں حکومت کو اس بات پر بھی غور کرنا چاہیئے کہ اس جرم سے مجرم کا مقصد کیا تھا۔ اگر مقصد ملک کو غلامی سے نجات دلانا تھا لیکن ذریعہ اس نے قانون کے خلاف اختیار کیا تو سزا اس کو بہت سخت نہ ملنی چاہیئے۔ لیکن ایک غیر ملکی حکومت سے یہ توقع فضول ہے اس کے نزدیک تو ملک کو غلامی سے نجات دلانے کی کوشش ہی جرم ہے۔ مگر یہاں تو قیدیوں سے برتاؤ بھی انسانیت کے خلاف ہوتا ہے۔ ان کو اپنے وطن سے اتنی دور تنہائی کی قید میں رکھا جاتا ہے اور جب وہ یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ ان کو اسکے صوبوں میں واپس بلا لیا جائے تو حکومت اپنے وقار کا سوال بیچ میں پیش کر دیتی ہے۔ مطالبہ صرف اتنا ہے کہ جو قیدی جس صوبہ کا ہے وہاں بھیج دیا جائے، اور جیسے دوسرے سیاسی قیدی رکھے جاتے ہیں ویسے یہ بھی رکھے جائیں۔ یہ کوئی مطالبہ نہیں کر رہا ہے کہ ان قیدیوں کو چھوڑ دیا جائے یا ان کی سزا میں تخفیف کر دی جائے۔ لیکن پھر بھی ہماری فلاح و بہبود کی ذمہ دار مرکزی حکومت راضی نہیں ہوتی۔

ملک میں ایک ہیجان پھیلا ہوا ہے۔ ہندستانی قید خانوں کے قیدی فاقہ کر رہے ہیں۔ وہ لوگ جو کبھی سیاسی تحریک میں حصہ نہیں لیتے تھے سخت سے سخت بیانات دے رہے ہیں مگر مرکزی حکومت اور اس کی اندھی تقلید میں بنگال کی انصاف پسند حکومت یہی کہے جا رہی ہے کہ جب تک بھوک ہڑتال بند نہ ہوگی ہم کچھ نہیں کریں گے۔ جن لوگوں کو اس قسم کے واقعات کا علم ہے وہ جانتے ہیں کہ جب دباؤ پڑتا ہے تو حکومت وعدے کر لیتی ہے لیکن جہاں دباؤ کم ہوا پھر وہی دفتری ٹال مٹول شروع ہو جاتی ہے اور آہستہ آہستہ اس کی کوشش کیجاتی ہے کہ وہی پہلی صورت قائم رہے۔ سول نافرمانی کی تحریک کے دباؤ سے گاندھی اروِن پیکٹ ہوا لیکن جونہی دباؤ کم ہوا معاہدے کی تمام شرطوں سے آہستہ آہستہ حکومت پھرنے لگی اور کانگریس کو مجبوراً پھر تحریک شروع کرنی پڑی۔ اب اگر قیدی بھوک ہڑتال چھوڑ دیں تو اس کی کیا ضمانت ہے کہ مرکزی حکومت واقعی ان کے مطالبات کو پورا کر دے گی۔ کانگریس نے قیدیوں سے بھوک ہڑتال چھوڑنے کی درخواست کی ہے اور امید ہے کہ وہ مان جائیں گے، اب تمام ہندستانیوں کا فرض ہے کہ وہ حکومت کو اسوقت تک چین نہ لینے دیں جب تک انڈمن کے قیدی واپس نہ بلائے جائیں۔

# فرقہ پرور سیاسی انجمنوں کے کام کرنیکے طریقے اور ہمارا فرض

## بند ملکھنڈ کے ضمنی انتخاب کے بعض نمایاں پہلو

از محمد اشرف

(۱)

یہ صحیح ہے کہ مسلمانوں میں تباہ حالی دوسری جماعتوں سے کہیں زیادہ ہے اسلئے یہ بھی سچ ہے کہ مسلمان عوام میں آزادی کے لئے بے دردانہ طور پر لڑنے کا جذبہ بھی بہ نسبت اور قوموں کے زیادہ ہے۔ لیکن جذبہ رکھنے سے زیادہ اس کی ضرورت ہے کہ اس آزادی کے جذبہ کی صحیح تربیت ہو۔ لوگ سمجھیں کہ آزادی کی کیوں ضرورت ہے اور کس طرح حاصل ہوگی؟ سیاسی جماعتوں کے بنانے اور انتخابات میں مختلف پارٹیوں کے حصہ لینے کا سب سے بڑا فائدہ یہی ہے کہ اس ذریعہ سے بڑے بڑے سیاسی اور اقتصادی سوال رائے دینے والوں اور عام لوگوں کی سمجھ میں آنے لگتے ہیں اور انکے حاصل کرنے کے طریقوں پر لوگوں کی نگاہ جاتی ہے۔ سیاسی جماعتوں کے پروگراموں کا منشا یہی ہے کہ لوگ انکے طریقہ کار کی پرکھ کریں اور آزادانہ طور پر جس پارٹی میں چاہیں شریک ہو جائیں۔ جدید جمہوریت انہیں بنیادوں پر کام کرتی ہے۔

---

اس لحاظ سے بند ملکھنڈ کے دیہاتی مسلم حلقہ میں گذشتہ ضمنی انتخاب کی اہمیت بہت زیادہ تھی۔ اس انتخاب میں دو سیاسی جماعتوں میں ٹکر ہوئی۔ ایک اپنے آپکو سیاسی کہتی تھی مگر اسکا حلقۂ عمل مسلمانوں تک محدود تھا۔ دوسری قومی تھی یعنی ہر قوم و ملت کے لوگ اس میں شریک تھے۔ ان انجمنوں یعنی بالفاظ دیگر مسلم لیگ اور کانگرس کے نمائندوں میں جنگ ہوا۔ تقریباً ایک مہینہ تک بڑا ہنگامہ رہا۔ بالآخر نتیجہ یہ نکلا کہ کانگرس کے امیدوار کو دو ہزار سے کچھ کم اور مسلم لیگ کے نمائندہ کو ڈھائی ہزار سے کچھ زیادہ ووٹ ملے اور مسلم لیگ کی جیت ہوئی۔ غور سے دیکھنے سے معلوم ہوا کہ اس حلقہ میں تین ضلعوں میں سے دو ضلعوں یعنی جھانسی اور جالون میں کانگرس کی جیت رہی۔ اور ہمیر پور میں مسلم لیگ نے پالا مارا۔ دیہات کے ووٹ زیادہ تر ہمیں ملے۔ تعصبات دخصوصیت سے قومی برادری نے سلنے برادر اور مسلم لیگ کے امیدوار کا ساتھ دیا۔

اس فتح پر قدرتی طور پر مسلم لیگ کے لوگوں نے بڑی خوشیاں منائیں مسٹر جناح نے گو خود آنے کی زحمت نہیں کی مگر مبارکباد کا زوردار تار دیا اور مولانا شوکت علی کا خصوصیت سے تذکرہ کیا۔ مولانا شوکت علی اپنی کامیابی سے اسقدر متاثر ہیں کہ موصوف حال ہی میں اعلان کیا ہے کہ اگر آئندہ مسلم لیگ کے مخالف کی ضمانت نہ ضبط کرا دوں تو میرا نام بدل دینا۔ عجیب بات یہ ہے کہ ہم کانگرسی بھی اس الیکشن کو اچھے شگون سے تعبیر کرتے ہیں جو دینی مظاہرات اور فرقہ وارانہ تعصبات کے مقابلہ میں ہمنے ۴۴ فیصدی ووٹ خالصتاً سیاسی اور اقتصادی پروگرام کے بل پر حاصل کئے وہ خود اس کی دلیل ہے کہ مستقبل ہمارے ہاتھ میں ہے۔ پہلی بار مسلمان حلقہ میں کانگرسی امیدواروں کا پروگرام اور انکے کام کرنے کے طریقے ایک قسم کا سیاسی تجربہ تھا۔ برسوں سے نسلی اور مذہبی تعصبات در ہمیں خالص مسلمانوں کے مجموں میں سیاسی زبان بولنا اور بجائے جذبات ابھارنے کے پروگرام بتانا ایک انوکھی سی بات تھی۔ مخالفوں نے وہ سب کچھ کہا جو مروجہ تعصبات

اور عام سیاسی ناواقفیت سے لگ کہا جاتا تھا۔ ان حالات میں ہم "کانگرس کی تنخواہ دار اور محمدون" کو دو ہزار ووٹ بغیر کسی نفسانی رشوت یا دباؤ کے مل گئے، تو تعجب نہیں بقول مسلم لیگ کے حامی جھانسی کے مقامی اخبار عزیز ہند کے، کون کہہ سکتا ہے کہ آئندہ سال سو فیصدی مسلمان کانگرس کی صف میں کھڑے نظر آئیں گے۔ مسلمان حلقوں میں جداگانہ انتخابات کے ہوتے ہوئے کسی سیاسی جماعت کا کام بڑی حد تک تعلیمی ہو سکتا ہے اسلئے ہمیں حیرانی اپنی کامیابی پر ہے ناکامی پر نہیں۔

چونکہ ابھی انتخابات اور بھی آئینگے اور یوں بھی کانگرس اپنے رابطہ عوام (ماس کنٹیکٹ) کے پروگرام سے مجبور ہے کہ براہ راست عام مسلمانوں کے پاس جائے اسلئے ذیل میں میں وہ واقعات اور مشاہدات بیان کرتا ہوں جن سے اسکا پورا پورا اندازہ ہو جائیگا کہ مسلم لیگ اور دوسری فرقہ وارانہ انجمنوں کا منشا کیا ہے اور اسکے حاصل کرنے میں وہ مذہبی جذبات اور عوام کو کس طرح استعمال کرنا چاہتے ہیں۔ ہندو کسی حد تک ان تاریخی منزلوں سے گذر چکے ہیں۔ اسلئے گو انکے فرقہ وارانہ ادارے اور جماعتیں موجود تھیں لیکن ہندو رائے عامہ نے پچھلے الیکشن میں ان مقدس ہتھیاروں کی طرف توجہ نہیں کی مسلمانوں کو ان تجربوں کا سامنا کرنا باقی ہے۔

(۲)

مسلمان لیڈروں کی کانگرس سے مقابلہ کرنے کی اصلی غرض کچھ بہت زیادہ پوشیدہ نہ تھی۔ زیادہ دلچسپ وہ پردے اور حیلے تھے جو ان غرضوں کو چھپانے کے لئے تراشے گئے۔

---

لیڈری فی الجملہ دلچسپ چیز ہے خصوصاً ایسی حالت میں کہ قوم لیڈروں سے کسی بڑے ایثار اور قربانی کا مطالبہ نہ کرے۔ جانے کیوں گذشتہ بیس برس کی تعداد تباہی سے ہندستانیوں کے مطالبات لیڈری کے متعلق بالعموم بہت زیادہ بڑھ گئے اور ہندو ہی نہیں پرانے قسم کے مسلمان لیڈر بھی عوام کی بدمذاقی سے پریشان ہوگئے۔ بیانتک بھی غنیمت تھا کہ پڑھے لکھے لوگ جیل خانہ ہو آئیں اور اسکے بعد درجہ بدرجہ کونسل کے ممبر اور وزیر بن جائیں۔ خدمت کی یہ قیمت گو شاق گذرتی تھی مگر ناقابل برداشت نہ تھی۔ اسلئے کہ بہر نوع قوم کی ہدایت کرنے والوں اور سیاسی رفتار رکھنے والوں کا فرقہ محدود سا تھا اور اسکی وجہ سے برطانوی سامراج، ہندستانی تعلقدار، سرمایہ دار اور عام "دستوری" حیثیت رکھنے والوں کو بڑی آسانی ہوتی تھی۔ مسلمانوں میں لیڈروں کا کام اور بھی سہل تھا۔ بجائے سیاسی اور اقتصادی سوالوں کے حل کرنے کے لیڈر ترکی ایران کے دلچسپ افسانے ہمارے سامنے پیش کرتے تھے۔ ان ملکوں کے سوال اٹھانے میں ہمارا کام صرف اسقدر تھا کہ چندہ دیں۔ لیڈروں کا کام یہ تھا کہ وفود اور اخباری مضامین اور بیانات کو ایسے رنگ آمیزی سے پیش کریں کہ رستم و اسفندیار کی داستان معلوم ہو۔

غرضیکہ مسلمانوں کی لیڈری ایک قسم کی مذہبی شاعری اور افسانہ نگاری تھی جسے حقائق کی بجائے صرف تخیل سے غرض تھی اور عام مسلمان اسی سیاسی غذا پر پلتے اور بڑھتے رہے حتیٰ کہ وہ جو، عالمگیر کسا ایا بنا دی کا زمانہ آیا۔

جب گذشتہ سالوں کی اقتصادی تباہ حالی نے ایک انقلابی ہیجان پیدا کر دیا۔ اور سیاسی آزادی بجائے ایک مشترک آرزو کے ایک فوری اور ناگزیر عملی ضرورت معلوم ہونے لگی تو لیڈروں کو بجا طور پر گھبراہٹ شروع ہوئی اسلئے کہ اب چند افراد کے فیصلے یا من سمجھوتے کے کوئی معنی نہ تھے۔ عوام کو خود اپنے لیڈروں کی ضرورت تھی جو انکے اقتصادی اور سیاسی مطالبات کے لئے اٹھیں اور انھیں لڑنے میں مدد دیں اور خود اس بے جگری سے لڑیں کہ گویا سپہ گری کے علاوہ انکا اور کوئی پیشہ ہی نہ تھا۔ غرضیکہ ہر فرقہ پرست لیڈر کے سامنے ایک فیصلہ کن سوال اس طرح پیش ہوا کہ آیا آگے بڑھ کے عوام کے ساتھ لڑنا چاہئے یا بڑا آرام سے حسب سابق "دستوری" زندگی بسر کرنی چاہئے۔ اگر دوسرا راستہ اختیار کرنا ہے تو اس کی ضرورت ہے کہ بجائے قوم سے قدم ملانے کے قوم خود بڑھے قدم بقدم چلے۔ فرقہ وارانہ سیاست اسی ذہنیت کا پرتو ہے۔

---

مسلمان لیڈروں کا سوال مختصر سا تھا۔ کانگریس سے وہ صرف یہ چاہتے تھے کہ مسلمان عوام میں آزادی کی تحریک بند کر دے اسکا اجارہ داری ٹھیکہ اور اجارہ داری مسلمان لیڈروں کے نام لکھ دے۔ دھمکی یہ تھی کہ اگر ایسا نہ کروگے تو ہنگامہ کرا دینگے۔ انکی نفسیاتی کیفیت کا کچھ دہی اندازہ لگا سکتے ہیں جنھوں نے بلا دلالوں اور جودھپوری کے سودا کیا ہو اور بعد کو کمیشن ایجنٹ کو خبر دی ہو۔

اگر مقصد اور مطمح نظر ایک ہو تو مفاہمت اور سمجھوتے کا مطلب صرف یہ ہوتا ہے کہ تقسیم کار ہو جائے اور پہلے سے زیادہ اچھی طرح ہو۔ سنہ ۱۹۲۳ء میں اسلامی انجمنوں کا ترک موالات میں بڑی حد تک یہی کام تھا اور اسی سبب سے آپس میں کوئی جھگڑا یا مفاہمت کی ضرورت پیدا نہ ہوئی۔ اب پہلی شرط یہ ٹھہری کہ دینی اجارہ داری نعمت نوابوں اور "غریب" ساہوکاروں اور تعلقداروں کی مخالفت بند کرو۔ نئے آئین کو چلاؤ۔ برطانوی استعمار اور سرکاری عاملوں کی نکتہ چینی چھوڑ دو اور اللہ اللہ کرو ———— ورنہ یاد رکھو کہ تم لامذہب اور بیدین ہو، اسلام میں مداخلت کر رہے ہو اور ہمارے تمدن، کلچر، مخصوص روایات سب کو مٹا رہے ہو۔ فیصلہ ان حالات میں ذرا مشکل تھا بہر کیف کانگریس کو اعلان کرنا پڑا کہ:۔

> گر اسلام ہمیں است کہ واعظ دارد
> وائے گر در پس امروز بود فردائے

---

(۳)

الیکشن ہوا اور ہمنے بجز سیاسی اور اقتصادی سوالات کے سب کچھ سنا اور دیکھا۔ اللہ اکبر کے مظاہرے دیکھے۔ جوش اسلامی دیکھا مذہبی گفتگوئیں سنیں اس بیسویں صدی میں ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ان نصرانی صورت مسلمانوں میں امام احمد بن حنبل کی روح حلول کر آئی ہے۔ الیکشن کے معجزوں کو لوگوں نے شمار نہیں کیا ورنہ انکی تعداد عیسیٰ علیہ السلام کے معجزوں سے کہیں زیادہ اور کیفیت کے اعتبار سے کہیں زیادہ فوق الادراک نکلتی۔ ادنیٰ سی بات ہے کہ سر شفاعت احمد خاں نے فرمایا کہ "جملہ تحریکات سے میرا مقصد محض اسقدر ہے کہ اپنے خدا اور رسول کے حکم کے مطابق مسلمان آپس میں متحد اور منظم ہوں" اور باوجودیکہ خان صاحب نے اس اشتہار کی تصنیف سے انکار کیا یہی نفس مضمون سے موصوف کو اختلاف

نہیں ہے۔ اور تو اور جناب راجہ صاحب محمود آباد کو خیال آیا کہ کانگریسی مسٹر شروانی کو محض اس نیت سے کھڑا کیا ہے کہ وہ مسلمانوں میں انتشار پیدا ہو، پتہ نہیں موصوف کا اب کیا خیال ہے اسلئے کہ مسلم پولیٹیکل کانفرنس نے مسلم لیگ کی رہنمائی تسلیم کرنے سے انکار کر دیا ہے۔ نواب اسمٰعیل خاں صاحب نے بحمد اللہ سنہ ۱۹۲۳ء میں اگر مسلمانوں کو اور "بصیرت رکھنے والے" مسلمانوں کو خصوصیت سے سمجھایا کہ کانگریس کا مسلمان امیدوار (اور وہ بھی نثار شروانی) "شریعت اسلامی اور مسلمانوں کے حقوق کا تحفظ نہیں کر سکتا بلکہ اسکی کامیابی اسلامی حقوق کے تلف ہونے میں مدد دے گی"۔ مولانا شوکت علی کو اس سے کیا مطلب کہ معاملہ کیا ہے انھیں اکثر مقامات پر اسکا اظہار کرنا ضروری ہوتا ہے کہ وہ رامپور کے رہنے والے ہیں اور ایک زمانہ میں کشتی لڑا کرتے تھے چنانچہ موصوف نے اپنے اعلان کو اس شعر پر ختم کیا:

> باطل سے دبنے والے اے آسماں نہیں ہم
> سو بار کر چکا ہے تو امتحاں ہمارا

سب کو ملکر اور بجا طور پر شکایت یہ تھی کہ "پنڈت جواہرلال کا سارا جوش اشتراکیت، زمینداروں ہی کے خلاف ہے" اور ان زمینداروں اور تعلقداروں اور انکے ہوا خواہوں کو اس بات کا گلہ تھا کہ "کانگریس نے ابتک مسلمانوں سے کوئی سمجھوتہ نہیں کیا ہے اور بجائے مسلمان رہنماؤں سے گفتگو کرنے اور مسلمانوں کے حقوق تسلیم کرنے کے وہ مسلمانوں کے حقوق تلف کرنے کی درپے ہے اور اسکے لئے تدابیر اختیار کر رہی ہے"۔ اسلئے مشورہ مذہب اور ایمان کے نام پر یہ دیا گیا کہ "اس مرتبہ تمھیں کانگریس کا غرور توڑنا ہے ...... انکے لیڈروں کے وقار کو تسلیم کرانا ہے۔ مسلمان دنیا میں صرف دین کے لئے، اسلامی تہذیب کو قائم رکھنے کے لئے اور اسلامی کلچر کی حفاظت کے لئے زندہ ہیں مسلمانوں نے ان بلند مقاصد کے لئے دنیا کو ہمیشہ ٹھکرایا۔ پیٹ کے لئے جینا اور روٹی کے لئے لڑنا کتوں کا شیوہ ہے ...۔" ظاہر ہے کہ برطانوی استعمار اور اسکے حامی ان بلند مقاصد کے علاوہ مسلمان عوام کو اور کچھ نہیں سکھانا چاہتے۔ اور اس اتحاد مقصد پر ہم مسلم لیگ کو مبارکباد دیتے ہیں۔

---

اب دینی اور خالصاً اسلامی اجتہاد ملاحظہ فرمائیے۔ جمعیت العلماء کے لوگ تو ظاہر ہے کہ ہندو کانگریسیوں کے زر خرید ایجنٹ تھے اور مولانا شوکت علی نے حکم مدولی کیوجہ سے صاف صاف اعلان کر دیا کہ "اگر علماء نے ہمارا کہنا مانا تو مسلمان انکے سیاسی فتووں کی خلاف ورزی کر کے کہیں اس کے مذہبی فتووں پر بھی شک و شبہ نہ کرنے لگیں" (خلافت ۲۶، جون)۔ کانپور کی جمعیت کے واحد امام نے اس سے زیادہ بصیرت سے کام لیا اور صاف فتویٰ دیدیا کہ جمعیت العلما علمائے ہند در اصل قائم کرنا چاہتی ہے۔ اسلامی تمدن، تہذیب، اور کلچر کے خلاف کفر صریح کی حمایت کرتی ہے انھیں رنج صرف یہ تھا کہ مولانا ابو الکلام نہ آسکے اور انکی کلاہ حریت محفوظ رہ گئی۔

مسلم لیگ نے بڑی وضاحت کے ساتھ ہندی سیاست کی اسلامی بعثت کی روسے تفسیر کی۔ مولانا شوکت علی نے فیصلہ کر دیا کہ مسلم لیگ کا ہر فیصلہ "اجماع امت" کا حکم رکھتا ہے (ملاحظہ ہو خلافت ۲ جولائی)۔ ارشاد ہوتا ہے "کلا ہوا۔ اتحاد وحدت اور الامان کو آغا خاں سلامت رکھیں انھوں نے انکی تشریح بھی کر دی کہ اجماع امت یعنی "اس سواد اعظم سے روگردانی ارتداد ہے اور مرتد کے لئے اسلام نے جو سزا رکھی ہے وہ سبکو معلوم ہے"

(۱۰ جولائی) استدلال جناب معترض صاحب اور واضح ہے یعنی جو شخص مسلم لیگ اور مولانا شوکت علی اور انکے ہواخواہوں کی بات نہ سنے وہ مرتد ہے اور ازروئے دین سنگساری کی سزا کے لائق ہے یا یوں کہئے کہ گردن زدنی ہے۔

اس اعتبار سے انتخاب مسلمانوں کیلئے "پانی پت کی تیسری لڑائی" کی حیثیت رکھتا تھا اور اس معرکہ میں بھی پانی پت کی طرح ہندو دنیا سے اپنے چند مسلم تنخواہ داروں کے مسلمانوں سے صف آرائی "ز وحدت) ظاہر ہے کہ مسلم لیگ کے امیدواروں کی شکست کے صاف معنی یہ تھے کہ "آٹھ کروڑ مسلمانوں اور انکے قومی نظام و مخصوص مطالبات" کو شکست ہو اور کانگریسی "محمدیوں" کا غلبہ ہو جائے (الامان)۔

وسیع بندی کے طور پر مولانا حسین احمد اور مفتی کفایت اللہ کے نام سے بھی مسلم لیگ کی حمایت میں اعلان شائع کئے گئے اور کارکنوں کو ہدایت کی گئی کہ یہ پوسٹر "دو دن پہلے شائع ہوں اور تقسیم کئے جائیں" تاکہ تردید کا موقع نہ ملے مولانا محمد علی مرحوم کے نام سے جو گرانقدر پوسٹر شائع کیا گیا وہ یقیناً اس قابل ہے کہ ہم نقل کر دیں۔ اس پر جلی قلم سے درج تھا۔

"شہید ملت حضرت مولانا محمد علی رحمتہ اللہ علیہ کی روح اقدس کی پکار"

"اسلام اور مسلمانوں کے حقوق کی خاطر میں نے جان عزیز نذر کر دی"

"شریعت اسلامیہ اور مسلمانوں کے ملی اور وطنی حقوق کی حفاظت چاہتے ہو"

تو

"مسلم لیگ پالیمنٹری بورڈ کے مصدقہ امیدوار رفیع الدین بیرسٹر کو ووٹ دو"

---

بعض بدخواہ دشمن یہ افواہیں مشہور کر رہے ہیں کہ نعوذ باللہ مسلم لیگ پالیمنٹری بورڈ نے الیکشن کے متعلق ۱۹۳۶ء میں ایک مینی فسٹو (انتخابی اعلان) بھی شائع کیا تھا۔

ہم سمجھتے ہیں کہ یہ تمام علاوہ اور باتوں کے شرک صریح پر دلالت کرتا ہے۔ خدا نہ کرے کہ اللہ کے بندے الیکشن جیسے دینی معاملات میں دنیوی اور سیاسی عقل سے استفادہ کریں!

---

(۴)

ابھی بند ملکھنڈ کے الیکشن کے اور بھی پہلو باقی ہیں مگر ہم طوالت کے خیال سے نظرانداز کرتے ہیں۔ آخری اور پہلا سوال ہمارے اور سب مسلمانوں کے سامنے یہ ہے کہ ان حالات میں کیا کیا جائے؟ ہم خوب جانتے ہیں کہ بوسیدہ عناصر خود فنا نہیں ہوتے تاریخی طور پر مٹائے جاتے ہیں۔ رجعت پسندی سے اگر برابر جنگ نہ ہو تو وہ ہمارے مختلف پردوں میں اور جب ضرورت ہو بہ فکر قائم رہنا چاہتی ہے اور پھر ہندستان میں جہاں ایسی جماعتی طبقے موجود ہیں جنکا مفاد اس رجعت پسندی اور اس کی پشت پناہ برطانوی استعمار سے وابستہ ہے۔ ایسی حالت میں ہمارے لئے مفاہمت کا کوئی سوال نہیں ہے۔ مفاہمت کے معنی صرف یہ ہیں کہ عوام ذہنی ترقی اور تبدیلی کی تاریخی ضرورت اور اسکے احساس اور تیاری سے یکلخت محروم رہ جائیں۔

ایسی حالت میں ہمارا فیصلہ صاف ہے۔ ہم کانگریس کی جنگ آزادی اور معاشرتی انقلاب کی خاطر ہر ایک فرقہ پرست انجمن اور وطن دشمن ادارہ سے جنگ کرینگے اور اپنی طاقت بڑھائیں گے تاآنکہ یہ بوسیدہ طبقے اور ان کے "روحانی" مظالم ختم نہ ہو جائیں۔

مسلمان عوام کی اخلاقی مذہبی اور سیاسی ترقی کا راز ہماری اس جد و جہد میں نہاں ہے۔ ضرورت ہے کہ ہم اپنے ذمہ داریوں کو محسوس کرکے اس نبرد آزمائی کے لئے کمربستہ ہوں۔

# زبان کا مسئلہ

از ڈاکٹر جواہرلال نہرو*

پچھلے مہینوں میں ہندی اردو کا پرانا جھگڑا پھر اٹھ کھڑا ہوا اور اس کی وجہ سے ملک میں کافی خلفشار رہا۔ یہ مسئلہ تھا تو ایسا کہ اس پر ٹھنڈے دل سے علمی بحث کیجاتی لیکن لوگوں نے اسے بازاری جھگڑوں کے درجہ تک گرا دیا اور فرقہ وارانہ بحثوں نے اس کو بالکل گھیر لیا۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ جو لوگ اس جھگڑے میں شریک ہوئے ان میں سے اکثر ایسے تھے جن کو علمیت چھو بھی نہیں گئی تھی اور نہ جنکو زبان سے خالص محبت تھی بلکہ ان کو تو سرکاری احکام اور عدالتوں کی کارروائی سے سروکار تھا، جو لوگ زبان کو تمدن، اعلیٰ خیالات، بلند معانی و مطالب، ترنم اور توازن، کا مجسمہ سمجھتے ہیں اور اس سے اس سے محبت کرتے ہیں کہ وہ زندگی کے ہر رخ کی تصویر ہے، وہ اس جھگڑے کو حیرت کی نظر سے دیکھتے اور اس سے دور ہی رہے۔ لیکن زبان کی بحث سے ہم الگ نہیں رہ سکتے۔ اس وقت تو اس کی فرقہ وارانہ اور سیاسی اہمیت کیوجہ سے اس کی طرف توجہ کرنی پڑتی ہے لیکن یہ دور عارضی ہے اور جلد گذر جائیگا۔ اصل مسئلہ جو باقی رہیگا یہ ہے کہ عام تعلیم و تمدن کی ترقی کی تجاویز کے سلسلے میں ہم زبان کے بارے میں کیا فیصلہ کریں ہم کس طرح اپنے تمدنی و ثقافتی کی رنگا رنگی کو قائم رکھتے ہوئے تمام ہندستان کی وحدت کو ترقی دے سکتے ہیں۔ اس مسئلہ پر بہت غور کرنے کی ضرورت ہے۔ اسلئے میں اپنے خیالات کو مختصر کرکے نمبروار پیش کرتا ہوں۔

(۱) سرکاری تعلیم اور عام کاروباری ضروریات کے لئے ہر صوبہ میں اسی جگہ کی زبان استعمال کیجانی چاہئے۔ اور ہر زبان کو اپنے علاقہ میں غلبہ حاصل ہونا چاہئے جو زبانیں اس غرض کے لئے تسلیم کیجائیں انکے نام یہ ہیں۔ ہندستانی (اردو ہندی دونوں) بنگالی، گجراتی، مراٹھی، تامل، تلگو، کنڑی، ملیالم، اڑیا، آسامی، سندھی اور ایک حد تک پنجابی اور پشتو بھی۔

(۲) ہندستانی کے علاقے میں ہندی اور اردو مع دونوں رسم خط کے سرکاری طور پر تسلیم کی جائیں۔ سرکاری اعلانات دونوں رسم خط میں شائع کئے جائیں۔ کسی عدالت یا سرکاری دفتر میں درخواست کسی ایک رسم خط میں دی جاسکے اور درخواست دینے والے پر یہ پابندی نہ ہو کہ دوسرے رسم خط میں بھی اسکی نقل پیش کرے۔

(۳) ہندستانی کے علاقے میں تعلیم کا ذریعہ ہندستانی ہو اور ہر طالب علم یا اسکے سرپرست کو اختیار ہو کہ وہ جس رسم خط کو چاہے پسند کرے۔ طالب علموں کو دونوں

---

* پنڈت جواہرلال نے ایک رسالہ اس نام سے لکھا ہے جس کو آل انڈیا کانگرس کمیٹی نے شائع کیا ہے۔ یہ مضمون اس کا خلاصہ ہے۔

رسم خط سیکھنے پر مجبور نہ کیا جائے لیکن ثانوی منزل میں اسکا شوق دلایا جائے اور ہمت افزائی کی جائے۔

(۴) ہندستانی (دونوں رسم خط) پورے ہندستان کی زبان تسلیم کیجائے۔ اسکے معنی یہ ہونگے کہ پورے ہندستان میں کسی عدالت یا سرکاری دفتر میں ہندستانی کسی ایک رسم خط میں پیش کی جا سکے گی اور کسی پر اسکی ذمہ داری نہیں ہوگی کہ کسی دوسرے رسم خط یا زبان میں درخواست کی نقل پیش کرے۔

(۵) اس بات کی کوشش کی جائے کہ دیوناگری، بنگالی، گجراتی، اور مراٹھی کا رسم خط ایک ہو جائیں اور ایک ایسا رسم خط مرتب کیا جائے جو چھاپے ٹائپ اور دوسری ضرورتوں کے لئے مناسب ہو۔

(۶) سندھی کا رسم خط بالکل اردو کا سا کر دیا جائے اور اسے جہانتک ممکن ہے آسان کیا جائے تاکہ چھاپے اور ٹائپ وغیرہ کے لئے موزوں ہو جائے۔

(۷) جنوبی ہند میں جو رسم خط رائج ہیں ان کو دیوناگری سے قریب تر کرنے کے امکان پر غور کیا جائے۔ اگر یہ ممکن نہو تو کم سے کم تامل، تلگو، کنڑی اور ملیالم کے لئے ایک مشترک رسم خط رائج کیا جائے۔

(۸) لاطینی رسم خط کو اختیار کرنا کم سے کم موجودہ حالات میں ہمارے لئے ممکن نہیں ہے، اگرچہ اس میں بہت سے فائدے ہیں۔ اسلئے ہمارے یہاں دو رسم خط ہونگے ایک تو دیوناگری، بنگالی، گجراتی اور مراٹھی کا مشترک رسم خط اور دوسرا اردو کا۔ اگر جنوبی ہندستان میں دیوناگری کے قسم کا رسم خط نہ رائج ہو سکے تو ایک تیسرا رسم خط وہاں کے لئے بھی ہوگا۔

(۹) ہندی اور اردو جو الگ الگ ہو کر ترقی کر رہی ہیں اس میں کوئی خطرہ نہیں ہے، اس سے ہمیں ناراض نہ ہونا چاہئے اور نہ اسکو روکنا چاہئے۔ یہ بالکل فطری بات ہے۔ دونوں کی ترقی ہندستانی کو مالا مال کرے گی۔ ان دونوں کا قریب آنا یقینی ہے۔ قومیت اور دنیا کے حالات کا اثر یہی ہوگا۔ اسکے علاوہ جب تعلیم عام ہوگی تو ایک مشترک معیار بھی قائم ہوگا اور دونوں زبانوں میں اتحاد ہو سکیگا۔

(۱۰) ہمیں کوشش کرنی چاہئے کہ ہندستان کی سب زبانیں جنتا کو پیش نظر رکھیں۔ ادیبوں کو جنتا کے لئے لکھنا چاہئے اور ایسی زبان استعمال کرنی چاہئے جو ان کی سمجھ میں آسکے اور ایسے مسائل سے بحث کرنی چاہئے جو ان سے متعلق ہوں۔ بڑی اور تکلف سے بھرا ہوا طرز بیان اور مرصع عبارت کو چھوڑ کر سادہ لیکن زوردار طرز اختیار کرنا چاہئے۔ اس میں دوسرے فائدوں کے ساتھ ساتھ یہ فائدہ بھی ہوگا کہ ہندی اور اردو ایک دوسرے کے قریب آتی جائیں گی۔

(۱۱) بنیادی انگریزی (Basic English) کے ڈھنگ پر ہندستانی کی بھی ایک آسان شکل پیدا کرنی چاہئے جس میں گرامر بہت کم ہو اور ایک ہزار سے زیادہ الفاظ نہوں۔ یہ زبان معمولی گفتگو کے لئے مکمل ہونی چاہئے لیکن اس بات کا خیال رہے کہ یہ ہندستانی کے دائرے کے اندر ہی رہے اور ہندستانی کی تعلیم کا گویا پہلا زینہ ہو۔

(۱۲) بنیادی ہندستانی کے علاوہ ہمیں ایسی علمی، صنعتی اور سیاسی اصطلاحوں کے طے کرنے کی بھی ضرورت ہے جو نہ صرف ہندستانی بلکہ اگر ممکن ہو تو ہندستان کی تمام زبانوں میں رائج ہو سکیں۔ جہاں ضرورت ہو یہ اصطلاحیں باہر کی زبانوں سے جوں کی توں لے لینی چاہئیں۔ بہرحال ہمیں اس قسم کے لفظوں کی ایک فہرست تیار کرنی چاہئے تاکہ اصطلاحیں متعین ہو جائیں۔ اور وہی استعمال کیجائیں۔

(۱۳) سرکاری تعلیم کے معاملے میں یہ اصول ہونا چاہئے کہ ہر طالب علم کو اس کی مادری زبان میں تعلیم ملے۔ ہر زبان کے علاقے میں ابتدائی سے لیکر اعلیٰ تعلیم تک اسی زبان میں ہونی چاہیے۔ لیکن اگر ایک علاقے میں ہندستان کی کسی دوسری زبان والے طالبعلموں کی کافی تعداد ہو تو ان کو اپنی زبان میں ابتدائی تعلیم ملنی چاہئے بشرطیکہ وہ آسانی سے ایک مرکز پر جمع ہو سکیں۔ اگر تعداد زیادہ ہو تو ان کی ثانوی تعلیم کا بھی انتظام انہی کی زبان میں کیا جائے لیکن اس قسم کے تمام طالبعلموں کو لازمی طور پر اس علاقے کی زبان سیکھنی ہوگی۔

(۱۴) ہندستانی کے علاوہ دوسری زبانوں کے علاقوں میں ثانوی منزل میں "بنیادی ہندستانی" کی تعلیم لازمی ہونی چاہئے۔ رسم خط طالبعلموں کی مرضی پر چھوڑ دیا جائے۔

(۱۵) یونیورسٹی میں بھی ذریعۂ تعلیم متعلقہ علاقے کی زبان کو ہونا چاہئے لیکن ہندستانی (کوئی ایک رسم خط) اور ایک غیر ملکی زبان کا سیکھنا لازمی ہو۔ اعلیٰ صنعتی تعلیم میں جدید زبانوں کا سیکھنا لازم قرار دیا جائے اگرچہ اس میں بھی زبانوں کا علم مفید ہے۔

(۱۶) ثانوی منزل میں غیر ملکی اور ہماری قدیم زبانوں کی تعلیم کا انتظام کیا جائے لیکن ان کی تعلیم لازم نہ کیجائے الا یہ کہ کسی خاص مضمون یا یونیورسٹی میں داخلے کی تیاری کے سلسلہ میں اس کی ضرورت ہو۔

(۱۷) غیر ملکی قدیم اور جدید زبانوں کے ادب میں سے ایک بڑے حصے کا ترجمہ ہماری ملکی زبانوں میں سخت ضروری ہے تاکہ ہماری زبان میں دوسرے ملکوں کی تمدنی، ادبی، اور سماجی تحریکوں سے تعلق پیدا کر سکیں اور اس طرح ان میں ترقی ہو۔

زبان ایک زندہ اور حرکت کرنے والی چیز ہے، ہمیشہ بدلتی اور بڑھتی رہتی ہے اور ان لوگوں کی زندگی کی آئینہ دار ہوتی ہے جو اسے بولتے اور لکھتے ہیں۔ اگرچہ اس کی عمارت چند انسانوں کے تمدن کا عکس ہوتی ہے لیکن اس کی بنیاد جنتا کے اندر ہوتی ہے۔ ہم زبان کو چند تجویزیں منظور کرکے یا احکام صادر کرکے نہ تو بدل سکتے ہیں اور نہ اپنی مرضی کے مطابق اس کی شکل پیدا کر سکتے ہیں لیکن میں دیکھتا ہوں کہ خیال بہت عام ہے کہ اگر ہم چاہیں تو زبان کو ایک مخصوص راستے پر لگا سکتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ موجودہ زمانے میں عام تعلیم اور اخبارات، کتابوں، سنیما اور ریڈیو کے ذریعے عام پروپیگنڈا کر کے کسی زبان میں پہلے سے بہت جلد تغیر پیدا کیا جا سکتا ہے لیکن پھر بھی یہ تغیر صرف عکس ہوگا اس تبدیلی کا جو نہایت تیزی سے انسانوں کی زندگی میں ہو رہی ہے۔ اگر کوئی زبان عوام سے بے تعلق ہو جائے تو وہ ایک بناوٹی اور بے جان چیز ہو جائے گی حالانکہ زبان کو تو زندگی، قوت، اور مسرت کا سرچشمہ ہونا چاہیئے۔ اگر کسی زبان کو زبردستی ایک خاص راستے پر چلانے کی کوشش کی جائے گی تو اسکا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ دب کر اور بگڑ کر رہ جائے گی۔

میں نے بہت جرأت اور بے باکی سے کام لیکر ابتدائی تعلیم سے لیکر اعلیٰ تعلیم تک کے بارے میں تجویزیں پیش کر دی ہیں۔ ان تجویزوں پر اعتراض کرنا مشکل نہوگا اسلئے کہ میں نہ تو تعلیم کا ماہر ہوں اور نہ زبانوں کا۔ میں نے ایک غیر معمولی ہی سہی انسان کی طرح ان مسائل کو پیش کیا ہے اور غالباً یہی بات میرے حق میں ہے اس لئے کہ میرے خیالات ہر قسم کے تعصب سے بری ہیں۔ میں نے تعلیم کے دوسرے مسائل کو چھوڑ کر یہاں صرف زبان کے پہلو کو پیش کیا ہے۔ ممکن ہے کہ بعض تجویزوں سے عموماً اتفاق کیا جائے اور بعض سے اختلاف، ضرورت اس بات کی ہے کہ متفقہ تجویزیں ایک طرف ہو جائیں اور اختلافی باتیں الگ کر دی جائیں۔ اگرچہ ہمارے پاس ذرائع کی کمی ہے اور باوجود تمام نہاد صوبہ وار خود مختاری کے ہمارے ہاتھ طرح طرح سے بندھے ہوئے ہیں۔ پھر بھی جہانتک ممکن ہے ہمیں اپنے اصول کو عمل میں لانے کی کوشش کرنی چاہئے۔

# آزادی

(علی سردار جعفری)

پوچھتا ہے تو کہ کب اور کس طرح آتی ہوں میں
گود میں ناکامیوں کی پرورش پاتی ہوں میں
اہل غم کے ساتھ ان کا درد غم سہتی ہوں میں
کانپتے ہونٹوں پہ بن کر بددعا رہتی ہوں میں
صرف وہ مخصوص سینے ہیں مری آرامگاہ
آرزو کی طرح رہ جاتی ہے جن میں گھٹ کے آہ
رقص کرتی ہیں اشاروں پر مرے موت و حیات
دیکھتی رہتی ہوں میں ہر وقت نبض کائنات
خود فریبی بڑھ کے جب بنتی ہے احساس شعور
جب جواں ہوتا ہے اہل زر کے تیور میں غرور
مفلسی سے کرتے ہیں جب آدمیت کو جدا
جب لہو پیتے ہیں تہذیب و تمدن کے خدا
بھوت بن کر ناچتا ہے سر پہ جب قومی وقار
لیکے مذہب کی سپر آتا ہے جب سرمایہ دار
راستے جب بند ہوتے ہیں دعاؤں کے لئے
آدمی لڑتا ہے جب جھوٹے خداؤں کے لئے
زندگی انساں پہ کر دیتا ہے جب انساں حرام
جب اسے قانون قدرت کا عطا ہوتا ہے نام
دیو استبداد کا جب حد سے بڑھتا ہے جنوں
جب پسینہ بن کے پیشانی سے بہ جاتا ہے خوں
اہرمن پھرتا ہے جب اپنا دہن کھولے ہوئے
آسماں سے موت جب آتی ہے پر تولے ہوئے
جب کسانوں کی نگاہوں سے ٹپکتا ہے ہراس
پھوٹنے لگتی ہے جب مزدور کے زخموں سے باس
صبر ایوبی کا جب لبریز ہوتا ہے سبو
سوز غم سے کھولتا ہے جب غلاموں کا لہو
غاصبوں سے بڑھ کے جب کرتا ہے حق اپنا سوال
جب نظر آتا ہے مظلوموں کے چہروں پر جلال

تفرقہ پڑتا ہے جب دنیا میں نسل و رنگ کا
لیکے میں آتی ہوں پرچم انقلاب و جنگ کا

ہاں مگر جب ٹوٹ جاتی ہے حوادث کی کمند
جب کچل دیتا ہے ہر شے کو بغاوت کا سمند
جب نگل لیتا ہے طوفاں بڑھ کے کشتی نوح کی
گھٹ کے جب انسان رہ جاتی ہے عظمت روح کی
جب ہر اک پژمردہ رخسارے پہ آتا ہے نکھار
جگمگا اٹھتا ہے جب افسردہ چہروں پر وقار
دور ہو جاتی ہے جب مزدور کے دل کی جلن
جب تبسم بن کے ہونٹوں پر سمٹتی ہے تھکن
جب ابھرتا ہے افق سے زندگی کا آفتاب
جب نکھرتا ہے لہو کی آگ میں تپ کر شباب
”نسل قومیت کلیسا سلطنت تہذیب رنگ“
روند چکتی ہے جب ان سب کو جوانی کی امنگ

رفعت عرش بریں سے پرفشاں ہوتی ہوں میں
صبح کے زریں تبسم میں عیاں ہوتی ہوں میں

# کانگریس کا مستقبل

اس وقت کانگریس کے سامنے سب سے بڑا خطرہ یہ ہے کہ کہیں وہ اپنے انقلابی مقصد کو بھول کر ایک آئینی جماعت بن کر نہ رہ جائے۔ یہ تو ظاہری بات ہے کہ کانگریس مکمل آزادی وزارت کی کرسیوں پر بیٹھ کر حاصل نہیں کر سکتی۔ اس سے تو اعتدال پسند کانگریسیوں کو بھی انکار نہ ہوگا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وزیروں کو اختیارات بہت تھوڑے دیئے گئے ہیں اور جو کچھ دیئے گئے ہیں ان پر بھی گورنر کے اختیارات خصوصی کا رنگ لگا ہوا ہے۔ لیکن ہمیں ایک اور صورت حال سے خبردار رہنا چاہیے وہ یہ کہ فرض کیجیے کہ گورنر اپنے اختیارات خصوصی استعمال نہیں کرتے اور کانگریسی منسٹر ہمواری کے ساتھ حکومت چلاتے جاتے ہیں۔ کانگریسی حکومت اپنی عمر کے پانچ سال پورے کر دیتی ہے۔ پھر چناؤ ہوتا ہے اور پھر وہی کانگریسی وزیر اور پھر وہی پانچ سال! مستقبل کے اس خطرناک امکان سے ہم کو خبردار رہنا چاہیے۔

آئین پسندی کے ہم کیوں اتنے خلاف ہیں۔ اگر ہندستان کے مسائل ہمواری کے ساتھ اس طرح حل ہو جائیں تو کیا اعتراض ہے۔ کانگریس کو ایک آئینی جماعت بنجانے دینے کے خلاف ہمیں کیوں رہنا چاہیے۔ اسلئے نہیں کہ ہم انقلاب چاہتے ہیں محض انقلاب کے لئے۔ بلکہ اس لئے کہ ہندستان کا کوئی مسئلہ آئینی طور سے حل نہیں ہو سکتا۔ اگر پچاس سال میں قسط کے ذریعے ہندستانیوں کو وہ طاقت دے بھی دی گئی جو گورنروں کے ہاتھ میں ہے، تب بھی ہندستان کی بھوک، ننگا پن اور بے تعلیمی دور نہ ہوگی۔ صرف انقلاب ہی وہ بے پناہ قوت اور ہمت پیدا کر سکتا ہے جو اس تیس چالیس کروڑ کمانے والوں کے ملک کو اقتصادی نجات دلانے کے لئے ضروری ہے۔ صرف انقلاب ہی ہماری مشکل کو ان نئے راستوں پر ڈال سکتا ہے جو ایک نئی دنیا، انسانیت کی ایک نئی بہشت کی طرف جاتے ہیں۔ ممکن ہے کہ بڑی سیاسی جماعت کی آئین پسندی سے آئرلینڈ، مصر اور سیلون نے کوئی فائدہ اٹھایا ہو لیکن اقتصادی، سیاسی اور سماجی اعتبار سے ہندستان کی حالت اتنی خراب ہو گئی ہے کہ چاہے دھیرے دھیرے ساری طاقت وزیروں کو کیوں نہ دی جائے، دیس کا کوئی بڑا سوال حل نہیں ہو سکتا۔ صرف انقلاب اس طاقت کو جگا سکتا ہے جو دیس کے بڑے سوالوں کو حل کرنے کے لئے بالکل ضروری ہے۔ مثال کے طور پر آج ہمیں ڈرایا جاتا ہے کہ اگر برطانیہ نے ہمارے سر سے اپنا مبارک سایہ اٹھا لیا تو ہم دنیا کی دوسری بڑی طاقتوں کے شکار ہو جائیں گے۔

اور اس میں شک بھی نہیں کہ بیرونی حکومت نے ہمارے اخلاق و ہمت کو بہت پست کر دیا ہے لیکن پچاس سال کی آئینی ترقی کے بعد ایک خود مختار حکومت بھی ہمارے حوصلہ اور ہمت کو بہت زیادہ بلند نہ کر سکے گی۔ ہاں اگر انقلاب کے ذریعہ سے ہم نے آزادی حاصل کی تو ہم دنیا کا مقابلہ کر سکیں گے۔ اور اپنی حفاظت کیا خود دوسرے غلام ملکوں کو بھی انکی آزادی کی جنگ میں مدد دے سکیں گے۔ انقلاب ہمیشہ انقلابیوں کے لئے قوت اور ہمت کا ایک نیا خزانہ کھول دیا کرتا ہے۔

وزارتیں قبول کرنے سے کانگریس کو دراصل ایک فائدہ ہوا۔ وہ یہ کہ کانگریس بے عملی سے بچ گئی۔ کیونکہ نہ قبول کرنے کی حالت میں اسکے سامنے وہ آئینی پروگرام بھی نہ ہوتا جو اب ہے اور موجودہ حالت کو دیکھتے ہوئے ملک کسی انقلابی پروگرام کے لئے بھی تیار نہیں ہے۔ عہدوں نے اس صورت حال سے کانگریس کو بچا لیا۔ لیکن ہمیں زیادہ عہدوں کی کرسیوں پر زیادہ دیر نہ ٹھہرنا چاہیے۔ وہاں زیادہ رکنا کانگریس کے اصل مقصد کو ختم کر دینا ہے۔ وہاں سے نکلنے کی دو صورتیں ہیں۔ پہلی یہ کہ کانگریسی وزارت اپنے پورے پروگرام کو بغیر کسی قسم کی نرمی پیدا کئے ہوئے عمل میں لانے کی کوشش کرے۔ اسکا لازمی نتیجہ وزیروں اور گورنروں میں اختلاف رائے اور ڈیڈلاک ہے۔ گورنر کانگریس کے مکمل آزادی کے پروگرام کے ساتھ کسی طرح تعاون نہیں کر سکتے۔ دراصل ڈیڈلاک پیدا ہونا کانگریسی وزارتوں کے خلوص کا معیار ہے۔ اگر ڈیڈلاک ہوتا ہے تو وہ ضرور اپنے پروگرام پر پورا عمل کر رہی ہیں۔ اگر نہیں ہوتا تو اسکے پروگرام میں یقینی کچھ نرمی اور کمزوری پیدا ہو گئی ہے۔ اگر کسی موقع پر ڈیڈلاک پیدا کر کے ہمارے وزیر عہدے چھوڑ دیں اور اگر وہ عوام کی رہنمائی کریں تو عوام پھر عمل کے لئے تیار ہو جائیں گے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ خواہ ڈیڈلاک ہو یا نہ ہو جب ہمارے وزیروں کو اندازہ ہو کہ ملک اب سول نافرمانی کے لئے تیار ہے انھیں فوراً اپنی جگہ چھوڑ کر اپنا اصلی فرض پورا کرنے کے لئے نکل آنا چاہیے۔

کانگریس کو آئین پرستی کے راستہ سے روکنا اور اسکے ایک آئینی جماعت میں تبدیل ہونے کے خلاف لڑنا ہر اس شخص کا فرض ہے جسکے دل میں ہندستان کی ننگی، بھوکی ان پڑھ مخلوق کا درد ہے۔

# فلسطین

انیس الباسی

جس وقت سے شاہی کمیشن نے فلسطین میں مینڈیٹ ختم کرنے اور ملک کو یہودیوں اور عربوں میں تقسیم کر دینے کی سفارش کی ہے۔ دنیائے اسلام میں ایک ہیجان برپا ہو۔ چنانچہ ہندستان کے مسلمانوں نے بھی عربوں کی اس ناگہانی مصیبت میں ہمدردی کے خیال سے تمام ملک میں جلسے کر کے انگریزوں کو متنبہ کر دیا ہے کہ وہ کمیشن کی سفارشوں کو عملی جامہ پہنانے سے باز آئیں۔ جن لوگوں نے وسط مشرق کی گذشتہ ایک صدی کی تاریخ کا مطالعہ کیا ہے وہ بخوبی سمجھ سکتے ہیں کہ تقسیم فلسطین سلطنت انگلشیہ کے وسط مشرقی پروگرام کی بہت چھوٹی سی دفعہ ہے جس کو آج کل عملی جامہ پہنایا جا رہا ہے۔

عرب کا بیشتر حصہ بالکل ریگستانی علاقہ ہے جس کا بیشتر حصہ اس قابل نہیں کہ وہاں کے بسنے والوں کی ضروریات زندگی اس سے پوری ہو سکیں اس پر طرہ یہ کہ اس حصے کو بھی تقسیم کر کے چند حکومتیں عرب سرداروں کے ماتحت علحدہ علحدہ قائم کر دی گئی ہیں کہا تو یہ جاتا ہے کہ یہ حکومتیں آزاد ہیں لیکن بین الاقوامی معاملات میں ان کی مجال نہیں کہ برٹش حکومت کی مرضی کے خلاف قدم اٹھا سکیں۔ کون کہہ سکتا ہے کہ ایران عراق ترکی اور افغانستان میں جو معاہدہ ہوا ہے وہ پایۂ تکمیل کو پہونچ جاتا۔ اگر سلطنت انگلشیہ کو اطالویوں کے وسط مشرق میں بڑھتے ہوئے اقتدار کا خوف لاحق

نہ ہوتا۔ در اصل ان عرب ممالک کو آزادی نہیں دی گئی ہے بلکہ وہ مواعید پورے کئے گئے ہیں جن کی بنا پر جنگ عظیم میں عربوں نے اپنے محسن ترک حاکموں کا خون بہایا تھا۔ کہنے کو تو عرب آزاد ہیں مگر ان کو اب محسوس ہو رہا ہے کہ واقعی آزادی کا ڈھونگ کیا ڈھونگ تھا اصل مقصد ترکوں اور عربوں کو لڑا کر ترکی سلطنت کو فنا کرنا تھا۔ انکی اس کامیابی کے بعد انگریزوں نے اسی پر اکتفا نہیں کی۔ اب انھی عربوں کے ساتھ جنھوں نے کل انگریزوں کی حمایت میں ترکوں کے خون سے ہاتھ رنگے تھے یہ برتاؤ ہو رہا ہے کہ خود انکا وطن ان سے چھینا جا رہا ہے۔ آج اگر مسلمانان عالم شاہی کمیشن کی سفارشات منسوخ کرانے میں کامیاب ہو جائیں تو کل دوسرے طریقوں سے عربوں کی رہی سہی قوت ختم کر دینے کی ترکیبیں سوچی جائیں گی۔ یہ امر پایہ ثبوت کو پہونچ چکا ہے کہ انگریز در حقیقت مسلمانوں کو اپنی پالیسی سے نقصان پہونچانے کی کوشش کی اور اپنی اس کوشش میں کامیاب ہوئے۔ لہٰذا مسئلہ فلسطین کو پیش نظر رکھکر صدائے احتجاج بلند کرنا کیا معنی۔ اب تو ہماری خود داری اور غیرت اس کی اجازت نہیں دیتی کہ ہم لندن کی طرف ہاتھ اٹھا کر کسی قسم کی درخواست کریں اب جو کچھ کرنا ہے وہ اپنی قوت بازو کر کے رہنا ہے۔ ہندستان میں ۸ کروڑ مسلمان آباد ہیں۔ اتنی بڑی تعداد کسی اور ملک میں نہیں پھر بھی ہم اپنے مقامات مقدسہ کے معاملات میں اپنی طبیعت کے موافق فیصلہ نہیں کرا سکتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انگریزوں نے سمجھ رکھا ہے کہ اس قوم سے قوت عمل ختم ہو چکی ہے اور واقعہ بھی یہی ہے۔ آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ کس طرح ہمارا گھر لٹ رہا ہے مگر ہم میں حرکت نہیں ہوتی۔ ہندستان میں ہم فیصدی کے جھگڑے میں پڑ کر واقعات عالم سے بالکل بے خبر ہو رہے ہیں۔ مسلمانوں کو معلوم ہونا چاہئے کہ اگر وہ مقامات مقدسہ کو غیر اقوام کے اقتدار سے نجات دلانا چاہتے ہیں تو سوا اسکے چارہ نہیں کہ وہ اپنے وطن کی آزادی میں حصہ لیں۔ جب تک ہندستان غلام ہے یہ غیر ممکن ہے کہ عرب یورپین اقتدار سے نجات پا سکے۔ جزیرۃ العرب میں ایک مضبوط آزاد سلطنت کا قیام نہ ہونے دینا اسکا ثبوت ہے کہ انگریز ایسی حکومت کو نہیں برداشت کر سکتے جس سے ہندستان کا راستہ خطرے میں پڑ جائے۔ یہی وجہ ہے کہ جزیرۃ العرب کو متعدد چھوٹی چھوٹی سلطنتوں میں

تقسیم کر کے آئندہ خطرات کا سدباب کیا گیا ہے۔ چنانچہ فلسطین میں یہودیوں کا قیام بھی اسی تحت میں آتا ہے۔ اس یہودی سلطنت سے وہی کام لیا جائے گا جو ایک قابل تسخیر قلعے سے لیا جا سکتا ہے۔ بغاوت کرنے والے عرب سردار جب کبھی طاغوتی شہنشاہیت کے خلاف سر اٹھائیں گے تو انکے کچلنے کے لئے اس قلعے سے آگ برسائی جائے گی مسلمانوں کو یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ سلطنت انگلشیہ نے کبھی ہمارے مذہبی جذبات کو اپنے سیاسی مصالح پر ترجیح نہیں دی ہم ہندستان سے آواز بلند کر رہے ہیں کہ یہودی فلسطین میں آباد نہ کئے جائیں تقسیم فلسطین منسوخ کیجائے۔ مگر سلطنت انگلشیہ ضد پر قائم ہے اور یہود نواز پالیسی پر نظر ثانی کرنے کے لئے تیار نہیں نظر آتی۔ میں مسلمانوں سے پوچھتا ہوں ان کو کون سی چیز محبوب ہے: مقامات مقدسہ کی آزادی یا کونسلوں اور اسمبلیوں میں ان کی نمائندگی کا تناسب۔ اگر مقامات مقدسہ سے ان کو کچھ بھی محبت ہے تو ان کو فیصدی کے جھگڑوں کو چھوڑ کر ہندستان کی آزادی کی جنگ میں گامزن ہونا چاہئے۔ ریزولیوشن اور سخت تقاریر سے کوئی فائدہ نہیں بجائے اسکے کہ آئندہ ہم انگریزوں کے سامنے اپنے مطالبات پیش کریں ہمکو طے کر لینا چاہئے کہ اب جو کچھ کرنا ہے وہ صرف اپنی قوت بازو کے زور پر اسلئے سب سے بہتر صورت تو یہی ہے کہ جسقدر جلد ممکن ہو سکے ہم ہندستان کو آزاد کرائیں اور اس سلسلے میں آزادی کامل اپنا نصب العین قرار دیں۔ مسلمانوں کی بری حالت کے ذمے دار انکے رہنما ہیں جو غلط راستے پر ان کو لئے جا رہے ہیں۔ یہ تن آسانیوں اور عیش پرستیوں میں مصروف ہیں۔ محض اپنی اغراض دنیوی کی بنا پر انکو جنگ آزادی میں شریک نہیں ہونے دیتے۔ طرح طرح کی اصلی باتوں کو مذہبی رنگ دیکر ان کو باز رکھنے کی کوشش کیجا رہی ہے۔ اور پھر ببانگ دہل ان کے نمائندہ ہونے کا دعوی کرتے ہیں۔ ان کے دعوی کو ہم اسوقت غلط ثابت کر سکیں گے جب ہم ایسے رہنما پیدا کریں جو ہمکو ایسی راہ عمل دکھلائیں جن سے ہندستان آزاد ہو جائے اور ہمارے مقامات مقدسہ پر ہمارا اقتدار اور ہماری حکومت ہو

رائل کمیشن کی رپورٹ نے عربوں کے وطن کو ان سے چھین لیا۔ ان کا مقدس مقام جو انھیں کا نہیں بلکہ تمام دنیائے اسلام کا قبلہ اول ہے۔ اسلامی سیادت سے نکل کر حکومت برطانیہ کے زیر انتداب کر دیا گیا۔ یہ رپورٹ ایک کھلا ہوا چیلنج ہے جسے دنیائے اسلام کو قبول کرنا چاہئے۔ چنانچہ خدا کا شکر ہے کہ تمام ممالک اسلامیہ نے اسکے خلاف اعلانات کئے اور بتا دیا کہ وہ اس کا ہر طرح مقابلہ کرنے کو تیار ہیں۔ اب مسلمانان ہند کا یہ فرض ہے کہ وہ ایک آواز ہو کر ۲۳ ستمبر سے اپنی عملی جد و جہد شروع کر دیں۔ مجلس عمل آل انڈیا فلسطین کانفرنس کے جلسہ منعقدہ ۸ اگست نے

## ۲۳ ستمبر بروز جمعہ آل انڈیا یوم فلسطین

قرار دیا ہے۔ اس دن ملک کے ہر ہر گوشہ میں شاندار مظاہرے کئے جائیں اور جلسے کر کے اس رپورٹ پر اظہار نفرت اور ناراضگی کیا جائے۔ نیز ہماری استدعا ہے کہ اس آواز پر

ہندستان کے تمام متنفس اشخاص اور کل اسلامی جماعتیں لبیک کہیں اور اپنی اسلامی زندگی کا ثبوت دیں۔

---

(مولانا) حسین احمد　　(چودھری) خلیق الزماں
(مولانا) مفتی کفایت اللہ　　(مولانا) محمد میاں صاحب
( " ) احمد سعید　　(مولانا حافظ) محمد ابراہیم
( " ) قطب الدین عبدالوالی　　(مولانا) عبدالحکیم صدیقی
(مولانا مفتی) عنایت اللہ　　( " ) بشیر احمد
(مولانا) ابوالمحاسن محمد سجاد　　( " ) ابوالوفا
( " ) ابوالقاسم محمد حفظ الرحمن　　( " ) محمد الفاروقی
(ڈاکٹر) سید محمود　　(مولانا) محمد شاہد

# بارہ آنے

(علی سردار جعفری)

شہر کے گنجان محلے میں گلی کے موڑ پر ایک کباڑیے کی چھوٹی سی دوکان تھی جس پر ایک بوڑھا چندھی آنکھوں کا آدمی بیٹھا ہوا اونگھا کرتا تھا۔ کبھی کبھار جب کوئی گاہک آجاتا تو کباڑیا جو کتا نہیں تو اسی طرح اپنی آنکھیں بند کئے بیٹھا رہتا۔ اس کی آنکھوں میں کیچڑ اس طرح بھری رہتی کہ وہ دور سے دو مہوسلے چھید سے ناسور معلوم ہوتی تھیں۔

دوکان کے پیچھے ایک تاریک کمرہ تھا جس کے ہونے کا علم یہاں آنے جانیوالوں کے سوا اور کسی کو نہ تھا۔ یہ ایک گندہ شراب خانہ تھا۔ اس میں دس پندرہ آدمیوں کے بیٹھنے کی گنجائش تھی، چھت اتنی نیچی تھی کہ معلوم ہوتا تھا ابھی گر پڑے گی اور کچی زمین میں اتنی شراب اور تاڑی جذب ہو چکی تھی کہ ہر وقت گیلی رہتی تھی، ایک طرف دیوار میں ایک بہت بڑا چھید تھا، جسکے اندر جھت پر جانے کا راستہ صاف دکھائی دیتا تھا، اسکا بھی مالک یہی کباڑیا تھا۔ یہ خود تو دوکان پر بیٹھا رہتا تھا اور اس کا بیٹا اندر تاڑی اور کچی شراب بیچتا تھا۔

رات کا وقت تھا، کباڑیے کی دوکان بدستور کھلی ہوئی تھی، سڑک پر بجلی کی روشنی اور گلی کے اندر جہاں آنے جانے والوں کا سلسلہ کم ہو چکا تھا میونسپلٹی کی اندھی لالٹین ٹمٹما رہی تھی، لیکن شراب خانہ اپنی پوری رونق پر تھا۔ چھ چھ سات سات مزدوروں کی تین چار ٹولیاں الگ الگ بیٹھی ہوئی تاڑی پی رہی تھیں، ایک کونے میں ایک تانگہ والا اکیلا بیٹھا شراب اڑا رہا تھا، ٹوٹے ہوئے کلہڑ اور مٹی کے آبخورے ہر طرف پڑے تھے۔

ایک مزدور، جو کئی مہینے بعد آیا تھا بیٹھا اپنی ٹولی والوں سے کہہ رہا تھا "ماندی ہو جاؤ تو کام سے الگ کر دئیے جاؤ، وہ تو جان پر آ بنی تھی کہ مجبوری پھر ل گئی۔ سسرے منشی نے پورے دس روپیہ لے جنجھی کوڑی بھی نہیں چھوڑی۔ ادھار قرض لیکے دیتے بسو جاکر مجوری اکی گئی تو پھر نہ ملے گی جاہے پڑا تا آکاس سے اترا آویں"

دوسرا مزدور بولا " تب ہی ہم کہت رہے کہ جھیدی کہاں ہے۔ بال نہ بچے۔ یہاں تاڑی بنتا رہا وہ بھی چھوڑ دی۔"

جھیدی نے کہا کہ جب پیسہ ملے نہیں تو کہاں سے پیتے سب نے اس سے اتفاق کیا اور پھر پینے میں مشغول ہو گئے۔

دوسری ٹولی کا ایک مزدور نشہ میں بڑبڑانے لگا " دن بھر کام کرو۔ شام کو عورت کی باتیں سنو۔ نون نہیں۔ تیل نہیں ہے۔ لکڑی لاؤ۔ جھونپڑی کال کوٹھری۔ وہیں چولھا وہیں برتن، وہیں بال بچے۔ پھر عورت ہے کہ چڑیل ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔" یہ ابھی اتنا ہی کہنے پایا تھا کہ پاس والے مزدور نے کچھ زیادہ پی لینے کی وجہ سے قے کی اور اکی ہوئی شراب سے اس کی میلی دھوتی بھر گئی۔ مزدور غصہ میں ناچنے لگا " سسر چمار کہ آوا ہے، کاہے اتنی پی لی۔" سب نے بیچ بچاؤ کر دیا نہیں، تو مار پیٹ ہو جاتی۔

تانگے والا جو دور بیٹھا تھا آکر ان لوگوں میں گھس گیا اور ایک مزدور کا کندھا پکڑ کر کہنے لگا " یار تجھے کتنا روز ملتا ہے ؟"

" آٹھ آنے "

" پھر تو میں مزے میں ہوں " تانگے والے نے فخریہ کہا " میرا مالک مجھے چھ آنے روز دیتا ہے اور دو اڑھائی روپیہ میں پہلے ہی بچا لیتا ہوں "

سارے مزدور حیران ہو کر اسکی طرف دیکھنے لگے " یہ کیسے " ایک نے پوچھا۔

" یہ بہت آسان ہے۔ میں اگر دن بھر میں پانچ روپیہ کماتا ہوں تو مالک کو تین ہی بتاتا ہوں "

اس مختصر سی گفتگو کے بعد تاڑی اور شراب کا دور پھر چلنے لگا۔ بھدے قہقہوں کے ساتھ شراب اور تاڑی کی حلق سے نیچے اترنے کی غرغراہٹ اور خالی آبخوروں کے ٹوٹنے کی آوازیں آنے لگیں۔

تین مزدور ایک ساتھ اٹھے۔ دو تو باہر چلے گئے ایک کچھ پیسے نوجوان کباڑیے کو دے کر چھت پر چڑھ گیا۔ اتنے میں دو دیہاتی لڑکیاں جن میں سے ایک ذرا تیز تیز قدم رکھ رہی تھی اور دوسری ذرا جھجک جھجک کے ایک ساتھ اندر داخل ہوئیں انکے پیچھے دونوں مزدور تھے جو ابھی چند منٹ ہوئے باہر گئے تھے، زمین چھت اور دیواروں سے نکلنے والے تاڑی اور شراب کے بھبکوں نے انکا خیر مقدم کیا۔ نوجوان کباڑیا انہیں دیکھ کر مسکرایا اور دونوں کو زینے کی طرف اشارہ کر کے اپنے کام میں مشغول ہو گیا۔

تانگے والا لڑکیوں کو دیکھ کر اپنی جگہ سے اٹھا اور لڑکھڑاتا ہوا کباڑیے کے پاس آیا۔ وہ کچھ کہنے ہی والا تھا کہ دروازے میں لال پگڑی دکھائی دی۔ پولیس کا ایک سپاہی اندر داخل ہوا۔ تانگے والا گھبرا کر اپنی جگہ واپس گیا اور لڑکیوں کے پیچھے آنے والے مزدور ایک کونے میں دبک گئے۔ سپاہی نے کباڑیے کے پاس آکر کہا " کیوں جی کیا رنگ ہے "

کباڑیے نے جیب سے ایک روپیہ نکالا اور اپنے دانت ہونٹوں سے باہر نکالتے ہوئے کہا " اجی کیا پوچھتے ہیں نائک صاحب بس دو وقت کی روٹی چل جاتی ہے "

سپاہی جواب قریب آچکا تھا ذرا اکڑ کے بولا " آجکل تو بہت سے گاہک پھانس رکھے ہیں " اس کا اشارہ دونوں لڑکیوں کی طرف تھا۔ کباڑیے نے اپنا روپیہ والا ہاتھ اس طرح آگے بڑھایا جیسے مصافحہ کرنا چاہتا ہو۔ سپاہی نے روپیہ لیکر بجایا۔ کچھ دیر تک اسے دیکھ دیکھ کر مسکراتا رہا۔ پھر کہا "بیا کئی دن سے پریشان کر رہی تھی ربڑ کا ببوا لا دو۔ میرے پاس پیسے کہاں تھے سوچ رہا تھا کہ کہیں اچھی جگہ ڈیوٹی لگ جائے "

" ہاں ہاں پھر آج بٹیا کو ببوا خرید دیجئے " کباڑیے نے چاپلوسی کرتے ہوئے کہا۔

" آج لیتا جاؤں گا، روز ضد کرتی تھی۔ ایک دن اسے صاحب کے یہاں سلام کو لے گیا تھا۔ بابا لوگ ببوے سے کھیل رہے تھے۔ بس اسی روز سے جان کھا رہی تھی "

" بچے ایسے ہی ہوتے ہیں " سپاہی نے روپیہ جیب میں ڈال لیا۔ کباڑیے نے جھک کر ادب سے سلام کیا اور اسے دروازے تک پہنچا کر لوٹ آیا۔

تانگہ والا پاس آکے کہنے لگا " آج تو ایک نئی لڑکی آئی ہے " کباڑیا مسکرا دیا۔

دونوں کونے میں دبکے ہوئے مزدور بھی آگئے۔ ایک بولا " نئی لڑکی "

وہ حیرت سے کہا "کتنے پیسے لے گی؟"

تانگہ والے نے رعونت سے کہا "نئی ہے نئی۔ پیسے نہیں روپے لیگی۔"

"روپے" مزدور نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں روپے۔ کچھ ہے گرہ میں" تانگہ والے نے کہا۔

دونوں مزدور ایک دوسرے کی صورت دیکھ کر خاموش ہوگئے۔ تانگہ والا کباڑئے سے مخاطب ہوگیا "یار پھر سودا کرتے ہو۔"

"کیا ہے تمہارے پاس"

"تین روپے"

"نہیں پانچ"

"پانچ تو میرے پاس نہیں ہیں"

"کسی سے ادھار لے لو۔ بالکل نئی لڑکی ہے"

"پھر تم ہی دیدو ادھار" تانگہ والے نے کھسیا کے کہا۔

کباڑئے نے اپنی انگلی ہلا کے کہا "اچھا پر کتنے روپے ہیں"

"چار"

"اور شراب کے دام"

"اسی لئے تو تین روپے کہہ رہا ہوں ایک روپیہ تم شراب کی قیمت لیلو"

"اچھا دام نکالو" کباڑئے نے کہا "دو روپے کل لے لوں گا" تانگے والے نے چار روپے اسکے ہاتھ پر رکھ دئے جنھیں کباڑئے نے اپنی مٹھی میں دبالیا اور گاہک کو ساتھ لیکر زینے پر چڑھ گیا۔ دونوں مزدوروں نے آپس میں کچھ سرگوشی کی اور پھر بیٹھ کے تاڑی پینے لگے۔

چھت پر کئی کوٹھریاں بنی تھیں۔ دو تین اندر سے بند تھیں۔ ایک کوٹھری میں کئی عورتیں جمع تھیں۔ دوسری میں دونوں دیہاتی لڑکیاں بیٹھی تھیں۔ کباڑئے نے دروازے میں سے "رامی" کہکر ایک لڑکی کو باہر بلایا اور الگ لیجاکر پوچھا کہ نئی لڑکی کون ہے۔

"اسکا نام جمنا ہے۔ ایک کسان کی لڑکی ہے۔ قریب کے دیہات میں رہتی ہے"

"تمھیں کہاں سے مل گئی؟"

"تین دن سے میں اس کی فکر میں تھی" لڑکی نے ہنس کے کہا "سڑک پر ماری ماری پھر رہی تھی۔ کہیں مزدوری نہیں مل رہی تھی۔ میں نے کہا چلو میں پیسے کوا دوں، پہلے دن راضی نہیں ہوئی۔ آخر آج آئی۔ اور اگر آج نہ آتی تو کل آجاتی۔"

"تو اب راضی ہے" کباڑئے نے پوچھا۔

"راضی نہ ہوتی تو یہاں آتی ہی کیوں"

"پھر اسے روز یہاں آنے پر راضی کرو"

"ایک دن آنے کے بعد پھر کہاں جا سکتی ہے" کباڑا نیچے چلا گیا۔ تانگے والا کوٹھری میں گھس گیا۔ اور رامی چھت پر کھڑی رہی۔

تھوڑی دیر بعد جب تانگے والا کوٹھری سے باہر نکلا تو رامی اندر گئی۔ اسکی نئی سہیلی جو اب اس کی طرح پرانی ہو چکی تھی ٹوٹی چارپائی پر بیٹھی ہوئی کانپ رہی تھی۔ آنسو اسکی آنکھوں میں بھرے تھے۔ شلوکا آستین اور سینے پر سے مسک گیا تھا۔ رامی کو دیکھتے ہی اس نے کہا "اب میں جاؤں گی" اس کی آواز میں بالکل جان نہیں تھی۔

"کیوں جلدی کیا ہے۔ اب تو کمائی کا وقت آرہا ہے"

"نہیں" جمنا نے مردہ آواز سے کہا "میں تو شہر میں مزدوری کرنے آئی تھی"

"مزدوری میں تمھیں زیادہ پیسے نہیں ملیں گے؟" رامی نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا "پھر آجکل مزدوری ہے کہاں؟"

جمنا نے کہا "لیکن میں تو جاؤں گی۔ میرے جو کچھ پیسے ہوں مجھے لادو۔"

"اچھا جیسی تمھاری مرضی" یہ کہکر رامی کوٹھری سے باہر نکل گئی جب تک وہ واپس آئے جمنا اپنی حالت پر غور کرتی رہی۔ اس کی آنسوؤں سے بھری ہوئی آنکھیں چھلک پڑیں۔ اتنی دیر میں رامی واپس آگئی۔ اسے دیکھ کر بولی "تم رو کیوں رہی ہو"

"کچھ نہیں" جمنا نے آنسو پونچھ کر کہا "پیسے لائیں" رامی نے بارہ آنے پیسے لا دیئے۔ جمنا نے پیسے ہاتھ میں لیکر گنے اور کہنے لگی "بس بارہ آنے"

"اور کیا اتنی دیر میں کوئی بارہ روپے ملیں گے" جمنا خاموش ہوگئی اور پیسے اپنے آنچل میں باندھ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

رامی نے کہا "تھوڑی دیر ٹھہرو۔ جمنا ابھی اور لوگ آتے ہوں گے" جمنا نے کوئی جواب نہ دیا اور دروازے کی طرف چلدی۔ رامی اسے ساتھ لیکر زینے سے نیچے اتری۔ جمنا کے قدم اسوقت ڈگمگا رہے تھے۔ بمشکل تمام رامی کا سہارا لئے ہوئے وہ شراب خانے سے باہر آئی۔ اندھیری گلی میں پہونچکر اس نے کہا "اب میں چلی جاؤں گی"

رامی نے پوچھا "پھر کل آؤگی نا؟"

جمنا پیسے تو جیب میں بھر کہا "نہ آؤں گی تو کھاؤں گی کیا؟"

## مراسلہ

جناب ایڈیٹر صاحب ہندستان۔

اکثر چھوٹے زمیندار ایسے ہیں جنکی زندگی کا دارومدار لگان کی تھوڑی سی آمدنی پر ہے۔ جو اگر وصول ہوگئی تو دونوں وقت کے کھانے کا سہارا ہے ورنہ سوائے اس کے کہ خود فاقہ اور بال بچوں کو فاقہ سے رکھیں اور کچھ نہیں کرسکتے اور اس طبقہ کے بہت سے لوگوں نے سن اکوارنٹ کے ڈر سے تھوڑے بہت وصول کئے ہوئے روپے میں کچھ روپیہ قرض لیکر ملا دیا تھا اور یوں مالگذاری ادا کردی تھی۔ امید یہ تھی کہ جب روپیہ وصول ہو جائے گا تو قرض ادا کردیں گے۔ اب جو بقایا لگان، بیدخلی، اجرائے ڈگری کے مقدمات کو روک دیا ہے تو یہ ان چھوٹے زمینداروں کے لئے بہت مضر ہے۔ اب کاشتکاروں سے لگان وصول نہیں ہوتا، اور بجز اسکے کہ غریب زمیندار طبقہ تھوڑی بھوک ہڑتال کرے اور مطالبہ قرض میں گھر سے بھی ہاتھ دھوئے کوئی چارہ کار نہیں۔

یہ صحیح ہے کہ کانگریس کسانوں اور مزدوروں کی نمائندہ ہے۔ لیکن اسکو ان غریب زمینداروں کی نمائندگی بھی کرنی چاہئے جنکا حال مزدوروں اور کسانوں سے کسی طرح اچھا نہیں ہے۔ عنان حکومت ہاتھ میں آنے کے بعد اس صوبہ میں جتنے غریب اور بیکار ہیں ان سب کے درد دکھ کا علاج کرنا حکومت کا فرض ہے۔ اگر اس طرف اس نے ذرا بھی کم توجہ کی تو پھر کانگریس اپنے مقاصد میں کامیاب نہیں ہو سکتی۔

۳ اگست کو جو بیان وزیر اعظم نے دیا ہے اس میں سرتاپا کسانوں سے ہمدردی کا اظہار کیا ہے۔ اور یہی ہمدردی ان چھوٹے زمینداروں کے لئے تباہ کن ہے۔ گورنمنٹ نے تو اپنا روپیہ وصول کرلیا۔ اب چھوٹے زمینداروں کے لئے کچھ کرنا چاہئے۔

(ایک زمیندار)

# بین الاقوامی ستیا

اسپین میں یورپ کی مختلف قومیں جس طرح فریقین کی مدد کر رہی ہیں وہ کسی سے پوشیدہ ہے مگر ساتھ ہی عدم مداخلت کی کمیٹی بھی بنی ہوئی ہے۔ اور اس کے جلسے بھی ہوتے رہتے ہیں۔ کہ یہی سیاست کا تقاضا ہے۔ پیرس کے ایک رسالہ نے اس کمیٹی کی کارروائیوں کی ایک فرضی مسخرہ روئداد شائع کی ہے۔ نامہ نگار کسی طرح برطانوی دفتر خارجہ کے اس خوبصورت اور آراستہ کمرے میں پہنچ گیا ہے جہاں اس عدم مداخلت کی کمیٹی کا ایک اہم جلسہ ہونے کو تھا۔ موقع اچھا تھا میز کے نیچے دبک بیٹھا۔ جو کچھ سنا حاضر ہے۔

**لارڈ پلائی متھ** انگلستان کے نمائندے (جلسے کا افتتاح فرماتے ہوئے) حضرات اگر آپ کو اعتراض نہ ہو تو آج کے جلسے میں ہم وہیل مچھلیوں کے تحفظ کا اہم مسئلہ لیں۔ حضرات! آپکو معلوم ہے کہ آج وہیلوں کی نسل کو سخت خطرے کا سامنا ہے۔ اس کی بنیادیں، یہ ہے کہ متزلزل ہوگئی ہیں۔

**مائیسکی** روسی نمائندہ۔ لیکن یور ایکسلنسی، اسپین کے متعلق کیا ارشاد ہے۔؟

**لارڈ پلائی متھ** (سوکھے منہ سے) میرے مکرم دوست، میں آپ کو اس کی اجازت نہیں دے سکتا کہ مجھے غیر متعلق معاملات میں الجھائیں۔ آپ بھولتے ہیں کہ یہ عدم مداخلت کی کمیٹی ہے۔ عدم مداخلت کی اور اسکے نام ہی سے واضح ہے کہ اسے اسپین کے معاملات میں کسی قسم کا دخل نہ دینا چاہیئے۔

**گرانڈی**۔ اطالوی نمائندہ۔ بہت خوب، بالکل درست۔

**فان رِبن ٹروپ** جرمن نمائندہ۔ مسٹر مائسکی کو پرائی باتوں میں دخل دیتے کچھ عجب افسوس ناک لت ہے۔

**مون تائیرو** پرتگیزی نمائندہ (ترش روئی سے) اگر روس کے نمائندہ صاحب اپنا طول کا انداز اور جاری رکھیں گے تو میں مجبور ہوں گا کہ اپنی حکومت سے درخواست کروں کہ وہ مجھے اپنی کمیٹی سے واپس بلا لے۔

**کوربین** فرانسیسی نمائندہ۔ مائسکی چلو، چلو بھی، جانے بھی دو، ذرا صبر کرو، ہر چیز کا وقت ہوتا ہے۔

**لارڈ پلائی متھ**۔ جیسا کہ میں اس غیر ضروری قطع کلام سے پہلے کہہ رہا تھا۔ وہیل، جو دریائی دودھ پلانے والے جانوروں کی قسم ہے۔ ایک زمانہ میں بڑی تعداد سے دستیاب ہوتی تھی اور اب وہ نہایت تیزی کے ساتھ کم ہو رہی ہے ابھی کل کا ذکر ہے کہ ایک وہیل مچھلی بلباؤ کے قریب ہسپانی ساحل تک جا پہنچی۔

**گرانڈی** نہایت پھرتی سے کھڑے ہو کر، بلباؤ کے قریب، بلباؤ کے؟ کیوں۔ ان سرخ انقلابیوں کا پیٹ بھرنے کے لئے؟ یہ تو عدم مداخلت کے میثاق کی کھلی خلاف ورزی ہے (مائسکی سے مخاطب ہو کر) آپ نے سنا جناب عالی، آپ نے سنا؟ ہمارا سردار اس کو ہرگز نہیں برداشت کرے گا میں کل ہی بارسلونا کو جس آب دوز کشتیاں بھیج دوں گا۔

**لارڈ پلائی متھ** مسٹر گرانڈی ذرا۔ نہ اسہولت سے، ذرا ٹھہریئے۔ ایک ہی وہیل مچھلی تو تھی!

**گرانڈی**۔ ذرا ٹھنڈے ہو کر۔ بہت اچھا۔ خیر تو میں دس ہی آب دوز بھیجوں گا!

**لارڈ پلائی متھ**۔ یہ کمیٹی اپنے احساس تشکر کا اظہار کرتی ہے کہ آپ نے اس کے ساتھ تعاون کی اس درجہ آمادگی ظاہر فرمائی۔ دلی شکریہ۔

**فان رِبن ٹروپ** اب چونکہ گفتگو اسپین کی آہی گئی ہے میں یہ کہہ دینا چاہتا ہوں کہ ایک وفادار، قیدی کو ہیر میں روسی مورچے تھے۔

**مائسکی**۔ لیکن میں نہایت ....................

**گرانڈی** (نہایت شدت سے) مسٹر مائسکی مجھے اصرار ہے کہ آپ ان اہانت آمیز لفظوں کو فوراً واپس لیں۔

**مائسکی**۔ مگر میں نے تو کچھ کہا ہی نہیں ہے۔

**گرانڈی**۔ (تحکمانہ انداز میں) بہرحال آپ کو وہ الفاظ واپس لینے ہوں گے (مائسکی نے لفظ واپس لے لئے)

**لارڈ پلائی متھ** اب کہ یہ معاملہ طے ہوگیا ہے۔ آئیے پھر اس اصل مسئلے کی طرف، وہیلوں کے مسئلے کی طرف رجوع ہوں ........ ہمارا خیال ہے کہ نہایت سخت نگرانی ....

**گرانڈی** [illegible] یاد دلانا چاہتا ہوں کہ ہم آج یہاں نگرانی وغیرہ کے متعلق گفتگو کیلئے نہیں آئے تھے۔

**لارڈ پلائی متھ**۔ (کچھ مایوسی کے سے لہجے میں) اگر صاحب۔ یہاں تو ذکر صرف مچھلیوں کا ہے

**گرانڈی** (دوسرے کی بات بے سنے) علاوہ بریں واضح رہے کہ نگرانی ہو یا نگرانی نہ ہو اٹلی نے جو رضاکار بھیج دیئے ہیں وہ انہیں کسی حال میں واپس نہیں لے سکتا

**کوربین** (اٹھ کر) یہ نہایت تشویش ناک الفاظ ہیں۔

**لارڈ پلائی متھ** ناقابل قبول لفظ۔ ناقابل، بے پناہی۔

**گرانڈی** (عجلت میں) میں نے اپنا مطلب پورا بیان نہیں کیا۔ میں کہنا یہ چاہتا تھا کہ اٹلی فرانکو کو نوجیں بھیجنا بند نہیں کرے گا۔

**کوربین** اچھا تو یہ اور بات ہے میں بھی یہی سمجھتا تھا۔

**لارڈ پلائی متھ** بھائی مسٹر گرانڈی۔ آپنے تو ایک منٹ کو مجھے ڈرا دیا تھا۔

**گرانڈی** نہایت نرمی سے، معاف فرمائیے گا۔ زبان کی لغزش تھی۔

**مائسکی**۔ (دبے دبے) اگر میں ایک لفظ عرض کر سکوں تو۔

**فان رِبن ٹروپ**۔ میں اس لغویت خیز اشتعال انگیزی کو ہرگز برداشت نہیں کر سکتا

**مائسکی**۔ مگر میں نے تو کچھ کہا ہی نہیں ہے۔

**گرانڈی** صاحب میں یہاں اس تو تو میں میں کے لئے نہیں آیا تھا میں جاتا ہوں

**لارڈ پلائی متھ** (انہیں روکنے کی کوشش کرتے ہیں) مسٹر گرانڈی، میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ جب تک وہیلوں کا مسئلہ طے نہ ہو جائے آپ تشریف نہ لے جائیں!

**گرانڈی** تو پھر مسٹر مائسکی سے کہیئے کہ زبان بند رکھیں۔

**لارڈ پلائی متھ** مسٹر مائسکی۔ براہ کرم آپ نہ بولیں۔

**کوربین** چلو بھی، جانے بھی دو، مائسکی، واقعی ذرا ٹھنڈے رہو۔ یہاں تو تمہارے سوا کسی اور کی آواز بھی نہیں سنائی دیتی۔

**لارڈ پلائی متھ** ہاں، تو میں پھر عرض کرتا ہوں، کہ یہ مسئلہ نہایت اہم ہے ........

**فان رِبن ٹروپ** (جو بالمانی تدبیروں سے خوب واقف ہیں) تو پھر میری رائے ہے کہ اس پر اس کی تکمیلات کے بعد بحث ہونی چاہئے۔

**لارڈ پلائی متھ** (سخت مایوسی کے ساتھ) لیکن ان بے شمار وہیلوں کا تو خیال فرمائیے جو اس دوران میں مر جائیں گی ........

**کوربین** (بلا قصد) جیسے کہ بہتیرے چھوٹے چھوٹے اسپینی بچے۔

**گرانڈ ممی** فان ربن ٹروپ، اور موسیو تانیر (ایک ساتھ اٹھ کر) بس حد ہوگئی۔ یہ نہیں برداشت کیا جاسکتا۔ (تینوں اٹھ کر کمرے سے نکل جاتے ہیں اور دھڑ سے دروازہ بند کرتے ہیں۔

**لارڈ ڈیلائی متھ** (مسکرا کر) خیر اچھا ہوا...... بالآخر ہم اس مسئلے کی طرف رجوع کرسکتے ہیں۔ اس وہیلوں کے مسئلے کی طرف جیسا کہ میں کہہ رہا ہوں...... (کورس میں اور مالکی ہی چپکے سے کھسک جاتے ہیں۔ اور لارڈ ڈیلائی متھ اپنی تقریر کی رو میں بولتے چلے جاتے ہیں) یہ وہیلوں کا مسئلہ یہ...... وہیلوں کا مستقبل...... شدید نگرانی کی ضرورت...... وقت آگیا ہے...... وغیرہ وغیرہ...

بیست نام: دخت کے لیے؟

نقل

**اطلاع نامہ حسب دفعہ ۸۰ ایکٹ ۳ سنہ ۱۹۲۶ء صوبہ آگرہ۔**

بعدالت آنریری اسسٹنٹ کلکٹر (مال) درجہ دوم آنولہ مقام آنولہ۔

چونکہ مقدمہ نالشی ... بتاریخ ... درولد منشی ... چند قوم کائستھ ساکن آنولہ زمیندار مہروار موضع گینی پرگنہ سلہا۔

**بنام تم**

مسماۃ پاربتی زوجہ ... سنگھ قوم ٹھاکر ساکن موضع گینی پرگنہ سلہا کے جو عدالت میں فیصل ہوا ایک ڈگری ... لگان بابت ۹ ... ۱۴ بتاریخ ۸ مارچ ۱۹۳۶ء صادر ہوئی اور مبلغ ۹/۱۱/۱۲ جو از روئے ڈگری مذکور واجب الادا ہیں حاشیہ پر درج کیجاتی ہے۔ اور چونکہ

| | | روپیہ | آنہ | پائی |
|---|---|---|---|---|
| اصل | ... | ۱۹ | ۱۳ | ۳ |
| خرچہ نالش | ... | ۶ | ۰ | ۶ |
| سود بابت زر اصل و خرچہ نالش | | ۲ | ۰ | ۶ |
| خرچہ اجرائے ڈگری | ... | ۱ | ۱۲ | ۹ |
| سود بابت خرچہ اجرائے ڈگری | | ۳۹ | ۱۳ | — |
| میزان | | ● | ۱۲ | ۹ |
| | | ۳۵ | ۱۱ | ۰ |
| وصول ... باقی ... | | | | |

آج کی تاریخ تک ڈگری بلا ایفا رہی ہے۔ لہٰذا بذریعہ اس تحریر کے تم مذکور کو اطلاع دیجاتی ہے کہ تم زر مذکور یعنی مبلغ جو از روئے ڈگری کے واجب الادا ہیں اس عدالت میں پندرہ روز کے اندر تاریخ موصول ہونے اطلاعنامہ ہٰذا سے ادا کرو ورنہ وجہ ظاہر کرو کہ تم مندرجہ ذیل کھیتوں سے جن کی بابت بقایا ڈگری شدہ واجب الادا ہے بیدخل کیوں نہ کئے جاؤ۔

دستخط بخط انگریزی

**تفصیل آراضی**

| پرگنہ | موضع | محال | تھوک | پٹی | نمبر کھیت کا | رقبہ کھیت کا |
|---|---|---|---|---|---|---|
| سلہا | گینی | - | - | - | ۱۲۹۲ | ۱۹ |
| | | | | | میزان | |

مہر عدالت — بخط انگریزی دستخط جناب اسسٹنٹ کلکٹر صاحب بہادر

ہندوستان نیوز پیپرس لمیٹڈ لکھنؤ کی طرف سے حیات اللہ انصاری ایڈیٹر و پبلشر نے باہتمام ... لال سکینہ سلطانیہ برقی پریس میں چھپوا کر ۲ نیل روڈ لکھنؤ سے شائع کیا۔

ہفتہ وار ہندستان لکھنؤ

جلد (۱) نمبر (۵) | ۵ ستمبر ۱۹۳۷ء | فی پرچہ ۱ سالانہ ۳

# زنجبار کے ہندستانی

بہت زمانے سے ہندستانی زنجبار میں جا جا کر آباد ہوتے رہے ہیں۔ اس میں مزدور بھی ہیں، چھوٹے تاجر بھی اور بڑے بڑے سیٹھ بھی۔ ان لوگوں کا خاص روزگار لونگ کی تجارت ہے۔ یہ تجارت سب سے بڑا آمدنی کا ذریعہ ہے۔ اس پر انگریزوں کے مدتوں سے دانت تھے۔ آخر محکمۂ نو آبادیات کو ایسے قانون بنانے کی سوجھی جس سے اس تجارت کے اجارہ دار انگریز ہو جائیں۔ زنجباری ہندستانیوں نے ان قوانین کے خلاف سخت احتجاج کیا۔ اور اس میں کانگریس نے بھی مدد کی، بیل کی، کانگرس نے احتجاج کیا، حکومت ہند پر اس نے ذرا دباؤ ڈالا اور حالات سدھرتے معلوم ہونے لگے لیکن محکمۂ نو آبادیات ایسی نفع کی چیز کہاں چھوڑ سکتا تھا۔ وہ قوانین تھوڑی بہت ترمیم لائیں کے ساتھ پاس ہو گیا یعنی لونگ کی تجارت ہندستانی چھوٹے دوکانداروں کے ہاتھ سے چھین کر انگریزی کمپنیوں کو دیدی گئی۔

زنجباری ہندستانیوں کی حالت عام ہندستانیوں سے کسی طرح بہتر نہیں ہے وہاں کا نظام حکومت بہت قیمتی ہے۔ اس کو سنبھالنے کے لئے ایسے ایسے ٹیکس لگائے جاتے ہیں جن کا بار غریبوں پر پڑتا ہے وہاں لمبی لمبی تنخواہوں کے گورنر اور کمانڈر انچیف اور بڑے افسر جو تقریباً سب انگریز ہیں، ایسی باتوں کو اگر دیکھنا ہو تو ہندستان میں دیکھ سکتے ہیں اب تک اس حکومت کا بار زنجباری اٹھاتے رہے کیونکہ گرم بازاری تھی، اور اسی لئے لونگ کی تجارت بھی خوب چلتی تھی۔ لیکن اب جبکہ سرد بازاری چھا گئی ہے، تجارت سرد پڑ گئی ہے یہ بار ان غریبوں کو اٹھائے نہیں اٹھتا۔ گویا کہ لونگ کا نفع چوسنے کے لئے حکومت نے دو راستے اختیار کئے ہیں، ایک نظام حکومت، دوسرا اجارہ داری۔ جب ملک میں اس لوٹ کے خلاف ہنگامہ ہوا تو حکومت نے فوراً عرب و غیر عرب، ہندستانی اور غیر ہندستانی کے سکوں کی ہمت افزائی کی، بالکل اسی طرح جیسے ہندستان میں ہندو مسلم جھگڑا دونوں فرقوں کی ہمت افزائی کرتی ہے۔ لیکن یہ مسئلہ اس نوعیت سے بالکل الگ ہے۔ عرب آبادی ہو یا غیر عرب آبادی، لونگ کی تجارت کا نفع دونوں کے ہاتھوں سے نکل کر انگریزوں کے ہاتھوں میں جا رہا ہے ایک مہینہ ہوا ہندستانی تاجر دکن جو زنجبار میں ہیں اس کے خلاف احتجاج میں لونگ کا باہر بھیجنا بند کر دیا ہے۔ ہم لوگوں کے لئے یہ مسئلہ دو طرح سے اہمیت رکھتا ہے۔ ایک تو یہ کہ سامراجی لوٹ ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے ہندستان، چین، فلسطین وغیرہ میں ہے۔ دوسرے یہ کہ سمندر پار کے ہندستانیوں کی قسمت کا پاس ہے۔ اگر یہ لوگ زنجبار میں ہار گئے تو دوسری جگہوں پر اور زیادہ کچلے جائیں گے۔ اگر زنجبار میں اس جنگ میں جیت گئے تو دوسرے مقامات کے ہندستانیوں کی ہمت بڑھ جائیگی، اور برطانوی سامراج کو ان کو دباتے ڈر لگے گا۔

اسی غرض سے کانگرس نے چاہا تھا کہ حکومت ہند کی طرف سے لونگ کا داخلہ بند کر دیا جائے اور یوں ہندستانی زنجباریوں کی ان کی لڑائی میں مدد کیجائے۔ لیکن اسمبلی کے بعض ممبروں نے حکومت کا ساتھ دیا۔ اور اس مقصد میں کامیابی نہیں ہوئی۔

مزا یہ ہے کہ جو لوگ ہندستان میں مسلمانوں کے نمائندہ بنتے ہیں اور پان اسلامزم کے خیالات کے مرکز بنے ہوئے ہیں انھوں نے اس معاملہ میں حکومت کا ساتھ دیا۔ حالانکہ لونگ کی تجارت کرنے والے

زنجباری تقریباً سب مسلمان ہیں۔

اب ہم لینے ہندستانی زنجباری بھائیوں کی مدد یوں کر سکتے ہیں کہ کانگرس کی تجویز پر عمل کریں اور کچھ عرصہ کیلئے لونگ کا استعمال بند کردیں۔ یہ بہت معمولی قربانی ہے لیکن اس سے برطانوی سامراج کو زنجبار میں بہت سخت چوٹ پہونچے گی۔

## کسانوں کے اجتماع

۲۲ر اگست کو ۲۰ ہزار کسان پٹنہ میں جمع ہوئے اور انھوں نے اپنی حکومت سے اپنے دکھوں کو دور کرنے کی فرمائش کی۔ پہلی ستمبر کو دس ہزار کسان کٹک میں جمع ہوئے اور انھوں نے بھی اپنی چنی ہوئی وزارت سے خواہش کی کہ ان کی مصیبتوں کو کم کریں۔ یہ خبریں بتاتی ہیں کہ ان لوگوں میں گروہ بندی کا جذبہ، اپنی مصیبتوں کا احساس، اور اپنی طاقت کا گھمنڈ کتنی تیزی سے بڑھ رہا ہے۔ اور ہماری وزارتوں کے پاس کتنی طاقت ہے اپنی اصلاحوں کو نافذ کرنے کے لئے! ابھی ہمارے سامنے بڑی جدوجہد ہے جو کونسلوں اور اسمبلی کے باہر ہوگی۔ اس کی تیاری کرنا ہے۔ جس کی صرف ایک صورت ہے، وہ یہ کہ کسانوں اور مزدوروں کی ہر طرح ہمت افزائی کریں، ان کی جماعت بندی کریں اور انکا بھروسا حاصل کریں۔

## سرحد کی نئی پالیسی

حکومت ہند سرحد کا جھگڑا چکا رہی ہے۔ قبیلوں سے بیس ہزار رائفلیں اور پچھتر ہزار روپیہ جرمانے میں مانگا ہے۔ اور مستقل امن قائم کرنے کی یہ ترکیب نکالی ہے کہ "زیر نگرانی خطہ" میں آس پاس کی بہت سی جگہیں ملالی ہیں۔ ان مقامات کے قبیلوں کے لوگوں کے جو جھگڑے ہونگے ان کو حکومت کے افسر جرگوں کے امیروں کی مدد سے "رواج" یا شریعت کے مطابق طے کیا کریں گے۔ اس کے علاوہ شکتو کی وادی میں جہاں جنگجو لوگ رہتے ہیں، اور ایسی دوسری جگہوں پر سڑکیں بنا دیجائیں گی۔ سرحد کے آس پاس کے دیہاتوں میں جہاں کی لڑکیوں کو سرحدی اٹھائے جایا کرتے تھے، حفاظتی فوج زیادہ کردی جائے گی۔ اور بندوقیں زیادہ تعداد میں بانٹ دی جائیں گی۔

اس پالیسی کا مطلب یہ ہے کہ حکومت پولیس کی مدد سے قبیلوں کو جکڑ بندیوں میں لانا چاہتی ہے۔ رفتہ رفتہ یہ ہو جائے گا کہ جہاں قبیلے کے کسی آدمی نے "آزادی" کے جوہر دکھائے اس کا نام فوراً ہونے والے مجرموں کی فہرست میں لکھ لیا گیا۔ نہ معلوم اس کوہ کندن و کاہ بر آوردن سے کیا حاصل؟ جو روپیہ یوں خرچ ہوگا وہی اگر ان لوگوں کے لئے ذرائع آمدنی مہیا کرنے، اور ان کو بسا دینے، پر خرچ کیا جائے تو کامیابی یقینی ہے۔ انھیں آزاد قبائل کا ایک حصہ روسی حکومت میں بھی آباد تھا، "با امن" بنانے کے لئے روسی حکومت نے ان لوگوں کو پیشہ ور بنا دیا۔ اور بسا دیا، اس پالیسی میں جتنی کامیابی ہوئی وہ ظاہر ہے۔ رہا لڑکیوں کا اٹھا لیجانا تو اس کے لئے خان عبدالغفار خاں وعدہ کرتے ہیں کہ میں اس قصہ کو بند کرا سکتا ہوں، لیکن حکومت ان سے مدد لینے کیلئے تیار نہیں کیوں؟ اس لئے کہ پھر اس سے انکار کرتے نہ بن پڑیگا۔

کہ ہما یا گورنمنٹ سے زیادہ لیڈروں کا اثر مانتی ہے۔

## چین اور جاپان

جاپان کی فوجیں چین کے شہروں پر قبضہ کرتی جاتی ہیں مگر بین الاقوامی قانون کے لحاظ سے ابھی جنگ شروع نہیں ہوئی۔ یہ واقعہ پہلے بھی ہو چکا ہے۔ جاپان نے منچوریا پر قبضہ کر لیا لیکن چونکہ جنگ کا باقاعدہ اعلان نہیں ہوا تھا اس لئے نہ تو مجلس اقوام مداخلت کر سکی اور نہ کسی حکومت نے چین کی مدد کی۔ اسپین کی خانہ جنگی کو تو دنیا کی بڑی بڑی حکومتیں باقاعدہ جنگ تسلیم کرنے اور فرانکو کو "مد مقابل" قرار دینے کیلئے تیار نہیں لیکن جب جاپان ہوائی جہاز سے بم برسا رہا ہے، بیڑے اور فوجوں سے چین کے بندرگاہ اور شہروں کو تباہ کر رہا ہے تو کوئی حکومت اسے جنگ تسلیم ہی نہیں کرتی۔ لطف تو یہ ہے کہ حملہ تو کیا جاپان نے لیکن اگر چین یہ اعلان کرے کہ جاپان سے باقاعدہ جنگ شروع ہو گئی ہے تو گویا حملہ کرنے والا چین ہی سمجھا جائے گا۔ اب اگر چین اعلان نہیں کرتا تو کوئی جنگ کے وجود ہی کو تسلیم نہیں کرتا، اور اعلان کرتا ہے تو الٹا مجرم ٹھرایا جاتا ہے۔ قانون کی یہ ستم ظریفی قابل داد ہے۔ مجلس اقوام اور کلاگ پیکٹ کا نتیجہ یہ ہے کہ سامراجی حکومتیں جنگ کا اعلان کئے بغیر ملک فتح کر لیتی ہیں اور مظلوم اقوام کی مدد کو کوئی نہیں آتا۔ حبش کا معاملہ ختم ہو گیا لیکن مجلس اقوام متحدہ محاذ ہی قائم کرتی رہ گئی۔ اسپین میں اٹلی اور جرمنی نے پوری مداخلت کی لیکن انجمن غیر جانبداری کے جلسے بدستور ہوتے رہے۔ اب چین نے مجلس اقوام کے حضور میں فریاد کی ہے لیکن وہاں جلسے اور کمیٹیوں میں اتنی مدت لگے گی کہ اس وقت تک جاپان آدھا چین فتح کر لیگا۔

جاپان کی جرأت کا تو یہ عالم ہے کہ شنگھائی کے بین الاقوامی علاقے پر اسکے ہوائی جہاز برابر بم گرا رہے ہیں، اور امریکہ و برطانیہ کی فہمائشوں کو خاطر میں نہیں لاتا، یہاں تک کہ برطانوی سفیر بھی اس سفاکانہ بمباری سے نہیں بچا۔ برطانوی تاجروں کا لاکھوں پاونڈ کا نقصان ہو گیا لیکن برطانیہ کے مطالبے کا جواب تک نہیں دیتا، باوجود اسکے برطانیہ کی "صلح پسندانہ" پالیسی میں فرق نہیں آتا۔ حساب یہ لگایا جاتا ہے کہ اگر امریکہ اور برطانیہ اپنے تجارتی نقصان کا بدلہ لینے کیلئے جنگ کریں تو جتنا ان کا نقصان ہوا ہے اس سے زیادہ ایک ہفتہ کی جنگ میں خرچ ہو جائیگا۔ اگر یہ قومیں جنگ عظیم میں یہ حساب لگاتیں تو کروڑوں آدمیوں کی جانیں محفوظ رہتیں۔ خیر غریب چین کو تو کون پوچھتا ہے۔ لیکن اگر ان قوموں کی "صلح پسندی" کا یہی حال رہا تو ایک دن امریکی اور برطانوی جھنڈوں کو جاپان اور اٹلی کے آگے جھکنا پڑے گا۔

## انڈمن کے قیدی

انڈمن کے قیدیوں نے گاندھی جی کے تار کا یہ جواب دیا ہے۔

"ہم میں سے جو لوگ دہشت انگیزی کے خیالات کے تھے۔ اب نہیں رہے، اس کو سیاسی ہتھیار کی حیثیت سے ناکارہ سمجھنے لگے ہیں۔ اور ہمکو یقین ہے کہ اس چیز نے ملک کو فائدہ پہنچانے کی جگہ نقصان پہنچایا ہے۔"

کانگریس نے الیکشن میں جو کامیابی حاصل کی ہے یہ صرف عوام کے بیدار ہو جانیکا پھل ہے۔ اس کامیابی کا نوجوانوں کی ذہنیت پر بڑا گہرا اثر ہوا۔ یہ لوگ عوام سے مایوس تھے۔ اس وقت حکومت کے مظالم کو مٹانے کا صرف ایک ذریعہ نظر آتا تھا۔ یعنی دہشت انگیزی۔ لیکن شانتی کی لڑائی نے اتنا میدان جیت لیا کہ عوام سے مایوس رہنے والوں کو ان سے امیدیں بندھ گئیں، اور وہ لوگ آکر کانگریس میں شامل ہو گئے ہیں۔ کاکوری کے قیدیوں نے بھی کانگریس کے طریق کار کو پسند کیا ہے۔ وہ لوگ اب اس جماعت میں رہ کر کام کریں گے۔

انڈمن کے قیدیوں کے ذہنی انقلاب نے سارے ملک کو انکا ہمدرد بنا دیا ہے۔ ان لوگوں نے اپنے لیڈروں کی خواہشیں پوری کیں اور بھوک ہڑتال توڑ دی۔ اس سے ملک کی ہمدردی اور بڑھ گئی ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ حکومت کیا کرتی ہے۔ وائسرائے تو اتنا بڑھ رہا ہے کہ امید ہوتی ہے کہ حکومت کو اپنا وعدہ پورا کرنا پڑے۔

## صوبہ سرحد کی وزارت کی آخری سانس

آثار ایسے ہیں کہ صوبہ سرحد میں جلد ہی کانگرس کی وزارت ہو جائے گی ڈاکٹر خانصاحب نے چار عدم اعتماد کی تحریکیں پیش کی ہیں، ایک کابینہ کے خلاف۔ اور تین مختلف وزیروں کے خلاف۔ ان تحریکوں میں دوسری پارٹیوں کے ممبروں نے بھی ساتھ دیا ہے۔ یہ قیاس یوں اور مضبوطی پکڑتا ہے کہ اب راجندر پرشاد، مولانا ابوالکلام آزاد بھی وہاں پہونچ گئے۔ اور ان سب سے زیادہ انقلابی چیز خان عبدالغفار خاں کا پہونچنا ہے۔ سرحدی گاندھی کا استقبال جس جوش سے ہوا ہے وہ ہندستان کی آزادی کی تاریخ میں یادگار رہے گا۔ خان عبدالغفار خاں کا یہ اثر اس صوبہ میں آزادی کی تحریک میں نئی جان ڈال دے گا۔ اور امید یہ ہے کہ اسمبلی کے وہ ممبر جو کانگرس کے ساتھ ہمدردی رکھتے ہیں۔ اب کھلم کھلا اس پارٹی میں شریک ہو کر آزادی کے لئے سامراج کا مقابلہ کریں گے۔

## بنگال کے وزیر اعظم

مسٹر فضل الحق اسلام کے علم بردار بنکر مسلمان ممبروں کو اسلامی ہمدردی کا واسطہ دلاکر اپنے جھنڈے کے نیچے بلا رہے ہیں، ان کی صدا یہ ہے کہ میری مخالفت صرف اس لئے ہے کہ میں مسلمان ہوں، اور مسلمانوں کا ہمدرد ہوں۔

بنگال میں مسلمانوں کی ہمدردی کرنے کی صرف ایک صورت ہے، وہ یہ کہ وہاں کے کسانوں کے ساتھ ہمدردی کی جائے۔ کیونکہ عجب اتفاق ہے کہ بنگال کے کسانوں میں نوے فیصدی مسلمان ہیں۔ اگر فضل الحق نے انکے دکھوں کو دور کر دیا، اور ان کی جماعت کو منظم کر دیا تو پھر ان کی پارٹی کو بنگال میں وہی قوت حاصل ہو جائے گی جو اپنے صوبوں میں کانگرس کو حاصل ہے۔ لیکن ہمکو ڈر ہے کہ ادھر زراعتی مسئلے اسمبلی میں اٹھے، اور ادھر بھانڈا پھوٹا کہ فضل الحق صرف زمینداروں اور سرمایہ داروں کے ہمدرد ہیں۔ یعنی ہندوؤں کے۔ اور کانگرس کسانوں کی، یعنی مسلمانوں کی۔

## روس اور چین

چین کی اندھیری دنیا میں امید کی ایک کرن دکھائی پڑتی ہے۔ فرانسیسی اخباروں کا بیان ہے کہ چین اور روس میں ایک معاہدہ ہوا ہے جس کا منشا یہ معلوم ہوتا ہے کہ جاپان کی دست برد کے مقابلہ میں چین کی مدد کیجائے غالبًا یہ مدد ایسی نہیں ہوگی کہ روس چین کی خاطر لڑائی میں پھاند پڑے، لیکن اس لڑائی میں سامان جنگ سے اور شاید روپیہ سے مدد کرتا رہے گا۔ اور اس کو اس طرح کبھی نہ تباہ ہونے دے گا جس طرح حبش اٹلی کے ہاتھوں تباہ ہو گیا۔ روس کی حفاظت کے لئے چین کی دوستی اور آزادی ضروری ہے، ابھی دنیا کی بڑی طاقتوں میں روس کے دوست بہت تھوڑے ہیں، اگر لڑائی چھڑی تو روس سخت خطرہ میں پڑ جائیگا۔ ایسے وقت میں چین چاہے جتنا کمزور ہو لیکن جاپان کو الجھا کر روس کی بڑی مدد کر سکتا ہے

# عالمگیر جنگ سے

پچھلے پرچہ میں ہم جواہر لال نہرو کا ایک بیان دے چکے ہیں۔ اسکے یہ الفاظ اچھی طرح سوچنے کے قابل ہیں۔

"اس وقت ملک کی توجہ نئی نئی صوبجاتی حکومتوں کی طرف ہے اور سارا دھیان اندرونی مسئلوں نے بٹا لیا ہے، ہم لوگ تجویزیں بناتے ہیں۔ اور اکثر بڑے بھاری انقلاب کے خواب دیکھنے لگتے ہیں۔ اس حالت میں اگر باہری دنیا کو ہم بھول جائیں تو تعجب نہیں۔ لیکن ایسا کرنے میں اپنی ہی تباہی ہے۔ دنیا بے اختیار ایک بلا میں ہماری تمام اسکیموں اور تجویزوں کو بہا لیجائے گی۔ لڑائیاں شروع ہو جاتی ہیں۔ مگر ختم ہونے کو نہیں آتی ہیں۔ وہ پھیلتی ہیں اور دوسرے ملکوں کو لپیٹ لیتی ہیں۔ دنیا کی یہ تصویر ہے جو ہمارے سامنے ہے۔ اور بین الاقوامی لڑائی کا امکان ہم لوگوں کو دبائے ہوئے ہے۔ تاریخ کی اس الجھن کا ہم مقابلہ کیسے کریں گے؟ یہ تو یقینی ہے کہ ہم برطانوی سامراج کے حامی نہیں بننے کے۔ اس طرح کہ ہم کو اس کی طرف سے لڑنے کا، اور اس کے حقوق کے بچانے کا حکم دیا جائے۔"

اس وقت برطانیہ نے ہمکو ایک کھلونا دے کر بہلا دیا ہے۔ اسکی کوشش یہ ہے کہ ہم چھوٹی چھوٹی باتوں میں الجھے رہیں، اور بنیادی مسئلے بھول میں پڑ جائیں۔ اسوقت ملک کی ساری توجہ اس طرف ہے کہ لگان کتنا کم کیا جائے؟ پولیس کو کس طرح سدھارا جائے؟ انصاف کیونکر سستا کیا جائے؟ شراب پینا کیسے بند ہو؟ اور یہ مسئلے توجہ سے ہٹتے جا رہے ہیں کہ ملک کی مفلسی کیسے دور ہو؟ برطانوی سامراج کو کیسے مٹایا جائے؟ آنیوالی لڑائی کو روکنے کے لئے کیا تدبیریں کرنا چاہییں؟ یہ کوئی اچنبھے کی بات نہ ہوگی اگر ایک دن اخباروں میں دکھائی پڑے کہ برطانیہ کی فوجیں غلط فہمی میں چین سے الجھ پڑیں۔ پھر یہ الجھاؤ

کسی طرح نہ سلجھے۔ واقعات دن بدن سنگین ہوتے جاتے ہیں۔ جاپان کی طرف سے جرمنی اور جرمنی کے ساتھ اٹلی میدان میں آجائے، ادھر دوسری طرف روس اور فرانس چین کی طرف سے شریک ہو جائیں۔ پھر چین و جاپان کی لڑائی ساری دنیا کو میدان جنگ بنادے۔ تو ہندستان میں زمینداروں اور کسانوں کے حق سمجھاتے رہ جائیں، اور دوسری طرف مہنگی بڑھنے لگے۔ کھانے کی کمی ہو جائے۔ ہندستان کے نوجوان پندرہ پندرہ روپیہ ماہوار پر جہازوں میں بھر کر لڑائی کے محاذ پر بھیجے جائیں اور ان کی جانیں ضائع ہوں۔ مخالف حکومتوں کے ہوائی جہاز ہندستان میں راتوں کو آکر امن پسند شہروں پر بم برسائیں۔ ہر گلی کوچوں کو گولے گرائیں اور ہمارے کئے کچھ نہ ہو سکے۔ لڑائی کے بعد مہنگی، بیکاری، اور بیماری پھیلے اور ملک میں وہ تباہی مچائے جو ابھی تک ڈراؤنے خوابوں میں بھی نہیں دکھائی پڑی ہے۔ اٹلی نے جب حبش پر حملہ کیا ہے تو سننے میں آیا تھا کہ موجودہ لڑائی کے آلات کیسے ہیں۔ اٹلی کے جہازوں سے گرائے ہوئے بم حبش کی پہاڑی خطوں میں بارہ بارہ گز مربع غار بنا دیتے تھے۔ گویا کہ ایک بم دہلی کی اسمبلی کی عمارت مٹانے کو کافی ہے۔ دس بارہ بم ساری نئی دہلی کو اجاڑ کر میدان بنا سکتے ہیں۔ جنگی ہوائی جہاز کا یہ عالم ہے کہ ایک دن میں وہ ہزار میل جاکر بم گراکر واپس آسکتے ہیں۔ اسلحہ سازی کا یہ حال ہے کہ ملک کی عام پیداوار سے اسلحہ کی پیداوار زیادہ ہے۔ اور یہ دن بہ دن بڑھتی جاتی ہے۔ برطانیہ کا ۱۹۳۲ء میں اسلحہ سازی پر دس کروڑ چالیس لاکھ پونڈ خرچ ہوا تھا۔ ۱۹۳۶ء میں یہ دس کروڑ ساٹھ لاکھ ہو گیا۔ اور ۳۸ء کا جو پروگرام بنا ہے وہ تقریباً اس کا ڈیوڑھا ہے۔ اسی طرح تمام ملکوں کا اسلحہ سازی پر خرچ بڑھتا جاتا ہے۔

لڑائی کے یہ انتظامات خوشی خوشی نہیں ہو رہے ہیں۔ بلکہ مجبوری سے دنیا کی امن کانفرنسیں ہوئیں۔ لوگوں نے امن کی تحریکیں اٹھائیں۔ لیکن ان کا نتیجہ کچھ نہ ہوا۔ تخفیف اسلحہ کی کانفرنسیں بالکل ناکامیاب ہیں حکومتوں کے آپس کے سمجھوتے اسلحہ پر بندشیں کرنے میں بھی ناکامیاب رہے۔ ہوتے ہوتے برطانیہ اور امریکہ اس نتیجہ پر پہونچ گئے ہیں کہ امن صرف اسلحہ سازی کی مدد سے قائم کیا جا سکتا ہے۔ لڑائی کے یہ اندھا دھند تیاری کیوں ہو رہی ہے؟ ان لڑائیوں سے کن لوگوں کو فائدہ پہونچے گا؟ اور اس سے بچنے کے لئے ہمکو کیا کرنا چاہئے ان سوالوں پر ہمکو غور کرنا چاہئے۔

اس وقت جرمنی، اٹلی، جاپان، ایسی قومیں ہیں جنکے سرمایہ داروں کے پاس نہ تو کچا مال ہے، اور نہ تیار کئے ہوئے مال کیلئے کافی بازار ہیں دوسری طرف سامان کی پیداوار برابر بڑھ رہی ہے، وہ اس طرح کہ جنکے پاس روپیہ ہے وہ چاہتے ہیں کہ کوئی ایسی صورت ہو کہ یہ بڑھتا رہے۔ یہ لوگ برابر ملوں پر ملیں قائم کرتے جاتے ہیں۔ حکومت جو ان لوگوں کی ہے۔ ان کی ہمت افزائی کرتی ہے۔ کیونکہ یہی ایک علاج ہے بیکاری کا، اور مزدوروں بھائیوں کی بے چینی دور کرنے کا۔ جو آجکل کی حکومت کے لئے بہت سنگین مسئلے ہیں۔

جب پیداوار ایک طرف بڑھتی جاتی ہو، اور نکاسی دوسری طرف گھٹتی جاتی ہو تو اس سے سخت کساد بازاری پیدا ہوتی ہے۔ وہ دنیوں کی سامان جمع ہوتا رہتا ہے۔ جمع ہوتا رہتا ہے۔ آخر ایک موقع ایسا آتا ہے کہ قیمتیں گرنے لگتی ہیں۔ اس وقت ہر شخص اپنا سامان گھبرا کر نکالنا چاہتا ہے۔ بازار تو ہے محدود اس کا نتیجہ صرف یہ ہوتا ہے کہ قیمتیں اتنی گر جاتی ہیں کہ سامان تیار کرنے والوں کو دام کے دام بھی نہیں ملتے، اس وقت ملوں پر ملیں بند ہونا شروع ہوتی ہیں بیروزگار اور بے کاری بڑھنے لگتی ہے۔ یعنی بازاریں اور چھوٹی ہو جاتی ہیں۔ یہ وقت حکومت کے لئے بہت نازک ہوتا ہے۔ بیکار طبقہ بغاوت کیلئے آمادہ ہو جاتا ہے۔ جو کساد بازاری ۱۹۲۹ء سے شروع ہوئی اور ۱۹۳۶ء تک رہی اس نے اٹلی کی یہی حالت بنا دی تھی۔ اور اس وقت مسولینی کے سامنے بیکاروں کو اکھیا نے، اور ان کو بہلانے کا ایک ہی راستہ تھا۔ وہ یہ کہ کسی ملک پر حملہ کر دے، اس نے ایسے موقع کے لئے حبش کو پہلے ہی سے تاک رکھا تھا۔ اسے نشانہ بنایا، اور اس ترکیب سے تھمنی ہوئی بغاوت کچھ دنوں کے لئے ٹال دی۔ جاپان نے چین پر جو حملہ کیا ہے وہ، اور جرمنی "نوآبادیات" مانگ رہا ہے۔ وہ اسی لئے ہیں کہ اپنے ملک کی کساد بازاری دور کریں

دوسری طرف برطانیہ فرانس، اور ممالک متحدہ امریکہ وہ ملک ہیں جنکے پاس بازاروں اور کچے مال کی افراط ہے۔ افراط کا یہ مطلب نہیں کہ ضرورت سے نکلتی ہوئی ہیں۔ بلکہ انہیں بازاروں اور ملوں پر مال پر ان ملکوں کے طبقے کے طبقے پل رہے ہیں، اگر بازار چھنے تو کیا معلوم کون کون سرمایہ دار تباہ ہوں، کون کون انجینیر، ماہرین فن۔ مزدوروں اور کلرکوں، اور دکانداروں کی روزی چھنے۔ اس لئے ہر سرمایہ دار اپنے طبقے کے لئے لڑتا ہے۔ اگر طبقہ مٹا تو وہ بھی مٹ جائے گا۔ ہر انجینیر اپنی مل کے لئے لڑتا ہے۔ یعنی بازاروں کے لئے لڑتا ہے۔ اگر بازار چھنا تو اس کی ملازمت بھی گئی۔ ہر کمپنی کے ڈائرکٹر کو اپنی کمپنی اور اپنے حصہ داروں کے لئے لڑنا ہے ورنہ اس کی پوزیشن اور روپیہ ختم۔ سیاست داں کو ملک کے سرمایہ داروں کے لئے لڑنا ہے ورنہ اس کی پوزیشن غائب، اس طرح نوآبادیاں اور بازاریں رکھنے والے ملک اگر بازار اور نوآبادیاں نہ رکھنے والے ملکوں کو کچھ دے بھی سکتے ہیں تو اتنا کم کہ جس سے انکا بھلا نہیں ہو سکتا۔ اب اگر کساد بازاری نے ایک دباؤ اور ڈالا، اور جرمنی داخلی بازاروں اور کچے مال کے لئے لڑائی پر آمادہ ہو گئے تو یہ ملک اپنی دولت بچانے کے لئے ضرور لڑیں گے۔

کساد بازاری ذرا کم ضرور ہو گئی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر ملک بہت بڑے پیمانہ پر اسلحہ سازی کر رہا ہے جس نے بہت سے مزدوروں اور کاریگروں کو بڑی تنخواہوں پر کھپا لیا ہے۔ لیکن یہ گرم بازاری "چند روزہ" ہے۔ اس آنے والی لڑائی کا ہم مقابلہ کیسے کر سکتے ہیں؟ صرف، اس طرح کہ ایک طرف عوام کی قوتوں کو منظم کر دیں۔ اور دوسری طرف اسکے دباؤ سے سامراج کو لنجا بنا دیں۔ اگر ہندستان کے کسانوں اور مزدوروں کی جماعت منظم ہو گئی اور اتنی منظم ہو گئی کہ برطانیہ کو ہر وقت الجھن کا اندیشہ رہنے لگا تو پھر اسکے ہاتھ پاؤں جکڑ جائیں گے، وہ نقصان اٹھا لیگی مگر لڑائی نہ چھیڑے گی۔ اور یہی جماعتیں اگر منظم ہو گئیں تو سامراج کو بیس کر رکھدیں گی اور اس طرح خونریزیوں اور انسانی جانوں کی بھینٹ کو ہمیشہ کے لئے مٹا ڈالیں گی۔

# کانگریس کی شرکت اور مسلمانوں کی تہذیب کا سوال

(محمد اشرف)

ہندستان میں سیاسی اور اقتصادی حالات اسقدر جبہ ترقی کر گئے ہیں اور فضا کا تقاضا اسقدر شدید اور انقلاب انگیز ہے کہ رجعت پسندوں اور سامراج پرستوں کی یہ ہمت نہیں ہوتی کہ علانیہ کانگریس یا آزادی کی جد و جہد کی مخالفت کریں اس لئے ملک کو پیچھے لے جانے والی طاقتیں اور سامراج کی حامی جماعتیں ہمیشہ کسی تعصب کی آڑ لیتی ہیں۔

گذشتہ سات آٹھ سال میں جب کبھی سیاسی یا سماجی ترقی کے لئے کوئی قدم بڑھایا گیا ہندو مسلم سوال ضرور چھیڑ دیا گیا۔ مجھے یاد ہے کہ جب ابتدائی تعلیم کے متعلق کانگرسیوں نے صوبہ متحدہ کی کونسل میں ایک زمانہ میں سوال چھیڑا تو رجعت پسند مسلمانوں نے فوراً مذہبی تعلیم و تربیت کا سوال شروع کر دیا، ور ڈاکٹر ضیاء الدین اور دوسرے لوگ اس موقع پر کونسل چھوڑ کر چلدئے۔ ساردا ایکٹ کے خلاف جو ہندو اور مسلمان قدامت پسندوں نے ہنگامہ کیا وہ سبکو معلوم ہے۔ انتہا یہ ہے کہ جب ٹریڈ یونین کے قانون بنے تب بھی فرقہ پرستوں نے ہندو اور مسلم یونین کے سوالات سامنے رکھدیئے۔ مجھے یقین ہے کہ اگر کل میونسپلٹیوں اور ڈسٹرکٹ بورڈوں کے سامنے مشترکہ انتخاب کا سوال آجائے تو یہی حلقے اس کی ضرور مخالفت کریں گے۔ ترقی پسندی کی طرح رجعت پسندی بھی ہماری پبلک زندگی کے ہر پہلو پر محاذ قائم کرنا چاہتی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ کوئی بوسیدہ طبقہ خود نہیں فنا ہوتا۔ بڑھتی ہوئی سماجی قوتیں جد و جہد کے بعد اسے معزول کرتی ہیں۔

ترقی پسند اور انحطاط پذیر قوتوں کی جد و جہد کا عکس مسلمانوں کی تہذیب اور روایات کے سوالات اور کانگریس کی شرکت کے مسئلہ میں بھی پایا جاتا ہے، البتہ یہ ضرور ہے کہ روایات اور تہذیب کا سوال دوسرے سوالوں سے زیادہ پیچیدہ ہے اس لئے ہمیں اس کی تشریح کرنی پڑے گی۔

یہ صحیح ہے کہ مسلمان ایک مخصوص تہذیب کے حامل رہے ہیں، باوجود اختلافات اور تنوع کے ان میں ایک قسم کی یگانگت اور یکسانیت پائی گئی ہے۔ یہ کہنا تو مشکل ہے کہ مسلمانوں کی زبان ایک تھی یا تمدن کے مظاہر ایک سے تھے لیکن تاریخی طور پر یہ کسی حد تک صحیح ہے کہ مسلمان حکمراں طبقہ کے رجحانات ایک سمت کی طرف دکھائی پڑتے تھے۔

لوگ اسلامی تہذیب پر بحث کرتے وقت یہ بھول جاتے ہیں کہ اس تمدن اور تہذیب نے ایک خاص قسم کے ماحول میں تربیت پائی تھی اور بہر صورت مسلمانوں کی حکمراں حیثیت سے وابستہ تھے جو لوگ بے صبری کے ساتھ اسلامی تہذیب کی خصوصیات گناتے وقت یہ حدیث سناتے ہیں کہ "کلکم راع و کلکم مسئول عن رعیتہ" (ترجمہ تم میں سے ہر شخص پاسبان ہے اور ہر ایک سے اس کی رعیت کا حساب لیا جائے گا) وہ اکثر یہ واقعہ بھول جاتے ہیں کہ یہ حدیث یا اس قسم کے دوسرے اقوال اس زمانہ کے سماجی حالات کا عکس ہیں جب انسانوں کی تقسیم حاکم اور محکوم، راعی اور رعایا میں ہوتی تھی اور مسلمان من حیث القوم حکمراں تھے۔ بالفاظ دیگر اس کے معنی یہ ہیں کہ مسلمان حکمراں طبقہ اسلامی ممالک میں اقتصادی اور سیاسی وسائل پر حاوی تھا، اور جو طبقہ اقتصادی وسائل پر حاوی ہوتا ہے وہ لامحالہ ذہنی اور تمدنی اقتدار بھی حاصل کر لیتا ہے۔

البتہ اسلامی تمدن اور تہذیب کا مفہوم اسقدر محدود اور جامد نہ تھا جیسا آجکل ہو گیا ہے، آج اسلامی تہذیب کی زندگی خطرہ میں پڑ جاتی ہے اگر مسلمان بجائے کلاہ اور عمامہ کے گاندھی ٹوپی پہننے لگتے ہیں یا ہندی رسم الخط کے پرچار کے لئے دو چار ہندو اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ ایک خاص قسم کا لباس اگر نہ پہنئے یا اگر فصیح و بلیغ اردو نہ بولتے تو آپ کا تمدنی حیثیت سے ہی نہیں بلکہ مذہبی حیثیت سے بھی مسلمان رہنا مشکل ہو جاتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ معیاری اور ٹکسالی مسلمان صرف وہ خوش نصیب لوگ ہیں جو دہلی اور لکھنؤ کی فضا میں پلے اور بڑھے ہیں (چاہے کائستھ یا کشمیری برہمن ہی کیوں نہ ہوں!) یا پھر دیوبند اور فرنگی محل کا لباس پہننے والے اور علماء کی وضع کے پابند لوگ۔

جاگیرداری عہد اور بادشاہت کے زمانے میں باعتبار زبان لباس، تمدن بلکہ مذہبی عقائد کے لحاظ سے بھی مسلمانوں میں کوئی یکسانیت نہ تھی۔ عربی، فارسی، ترکی، تاتاری، چینی سب مسلمانوں کی زبانیں تھیں، مغربی، مشرقی، ایرانی، رومی ہندی، ہر طرح کے لباس مسلمانوں کے اعلیٰ طبقہ میں رائج ہو چکے تھے۔ چنانچہ جب ہمایوں ہندستان سے جلا وطن ہو کر ایران پہنچا تو شاہ ایران نے بجائے ایرانی کھانوں کے اپنے مہمان کے لئے خاص طور پر ہندستانی مٹھائیاں اور کھانے تیار کرائے۔ عقائد کی یکسانیت کا تو مسلمانوں میں سرے سے سوال ہی نہیں، بہتر فرقے ضرب المثل ہیں۔ پھر قرامطہ، خارجی، شیعہ سنی عقائد کی خلیج معلوم ہے کہ کہیں پاٹے نہیں پٹتی تھی مگر مسلمان خارجی آویزش اور بیرونی اقوام کے میل جول سے کبھی نہ گھبراتے تھے مثلاً ملاحظہ فرمایئے کہ خانخاناں نے ایک نہیں چار مختلف ملکوں یعنی چین، ایران، ترکستان اور ہند کی عورتوں سے نکاح کرنے کا مشورہ دیا ہے اور جہانگیر کو نصرانیوں کی تربیت میں سپرد کرنے میں اکبر کو کوئی تامل نہ ہوا۔

آج یہ کیفیت ہے کہ لاہور کے مسلمان طالب علموں کی جانب سے حال میں ایک رسالہ "مسلمانوں کا قومی نصب العین" کے عنوان سے شائع ہوا ہے اور نوجوان مصنف نے قطعی طے کر دیا ہے کہ جس مسلمان کا کانگریس کا حامی ہے وہ اسلام سے غداری کرتا ہے۔ ملاحظہ ہو مضمون "دی مسلم نیشنل آئیڈیل" مصنفہ مسٹر ..... ی۔ شائع کردہ انٹلکچول کابینٹ مسلم برادرہڈ لاہور۔

ہمیں علمی حیثیت سے ..... قوم پر اس غفلت اور تضاد تاریخی رد عمل کے وجوہ کا پتہ لگانا ہے۔ سوال یہ ہے کہ جو تمدن تنوع ایک زمانہ میں ہماری نمو پذیری اور ترقی کا نشان تھا وہ آج تنزل اور انحطاط سے کیوں بدل گیا؟ واقعہ یہ ہے کہ ہم مسلمانوں کی حکمران حیثیت کو ان کے مخصوص تمدن اور وحدت قومی کے تصور سے جدا نہیں کر سکتے۔ ہر تمدن ایک خاص ماحول میں پلتا ہے اور ہر تاریخی ماحول ایک مخصوص قسم کے تمدن کو فروغ دیتا ہے۔

اس اعتبار سے ہم آج ایک نئے اور زندہ تمدن کی تعمیر میں مصروف ہیں۔ ہماری سیاسی اور سماجی جدوجہد اسی نئے تمدن کا پیش خیمہ ہے۔ ضرورت اس کی ہے کہ ہم اس نئی تاریخی منزل اور اسکے تقاضے سے باخبر ہوں۔

حکومت سے معزول ہونے کے بعد مسلمانوں کی حیثیت بنیادی طور پر بدل گئی اور ان کا تمدن ناگزیر طور پہ خارجی اثرات کا پابند ہوگیا۔ نئے حکمرانوں کے ساتھ چونکہ ایک نیا اقتصادی نظام وابستہ تھا اس لئے انھوں نے ہماری عمرانی زندگی کی تباہی میں اور بھی مدد دی۔ قدیم نظام اگر بجائے برطانوی سامراج کے خود ہندستانی سرمایہ کے ہاتھوں درہم برہم ہوتا تو ممکن تھا کہ جرمنی، فرانس اور امریکہ کی طرح ہم بآسانی ترقی کی طرف رخ کر لیتے لیکن برطانیہ کی سامراجی حکومت کو نعم البدل یا نتائج سے کیا غرض تھی تو ہندستان سے صرف نفع کمانا مقصود تھا۔ چنانچہ ہزاروں برس کی ہندو اور مسلمانوں کی ذہنی اور روحانی کمائی پل بھر میں برباد ہوگئی جس کا ادنیٰ نتیجہ یہ ہے کہ بجائے جدید سائنس سے خود کام لینے اور سماج کو آگے بڑھانے کے ہم سب ہندو مسلمان، پارسی عیسائی، درجہ بدرجہ گرتے جاتے ہیں۔ کسان غول کے غول زمین سے محروم ہو کر تلاش روزگار میں مارے مارے پھرتے ہیں۔ اعلیٰ طبقہ کے علم دفن کو تمدن اور روایات سے کوئی سروکار نہیں، ان کے علمی کمالات زیادہ تر نفس پروری اور گھٹیا درجہ کی تن پروری کے بہانے ہیں۔ اسلامی، اور ہندو قدیم دور کی جو روایات باقی ہیں ان کی اپنی کوئی حیثیت نہیں۔ وہ محض آثار کی حیثیت رکھتی ہیں جنکا آہستہ آہستہ مگر یقینی طور پر مٹ جانا لازمی ہے۔

مسلمانوں کے لئے قابل غور واقعہ یہ ہے کہ اسلامی تمدن کی بنیادیں بجائے ہندؤوں کے برطانوی امپیریلزم نے کھوکھلی کر دی ہیں اور آج جن چیزوں کو وہ اسلامی تمدن اور تہذیب کے نام سے پکارتے ہیں وہ محض چند مردہ رسمیں اور دکھاوے کی فروعات ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جن بزرگوں کو اسلامی تمدن اور روایات اور تہذیب عزیز تھے انھوں نے مدرسے سے انگریزی پڑھنے اور انگریزی حکومت کی ملازمت یا مدد کرنے سے ہی انکار کر دیا اور آج اسی تقاضے سے متاثر ہو کر دیوبند کے علماء کانگریس کی جدوجہد اور دوسری سامراج دشمن تحریکوں میں نظر آتے ہیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ یہ مذہبی تمدن پرستی تاریخی طور پر بجا ہے، لیکن میں یہ ضرور مانتا ہوں کہ دیوبندی عالم کا منطقی استدلال صحیح ہے اور اس شان بے نیازی میں ایک آن اور زندہ رہنے کے آثار ضرور پائے جاتے ہیں۔

اسکے برخلاف مسلمانان ہند نے ایک نیا ملمع اسلامی تہذیب کا تیار کیا جس کی بنا سرسید نے رکھی۔ اکبر الہ آبادی کی دور بین نگاہوں نے اس نیم فرنگی مسلم اور اس کی مہمل قدروں کو فوراً پرکھ لیا اور اپنے مخصوص انداز میں اس طرح تبصرہ کیا

واہ کیا راہ دکھائی ہے ہمیں سید نے
کر دیا کعبہ کو گم اور کلیسا نہ ملا

اسی قسم کے نمونے آج ہندستان کی اسلامی سیاست پر چھائے ہوئے ہیں۔ اسلامی زندگی کی پابندیوں سے انھیں نفرت ہے۔ آزادی کی جدوجہد سے یکا ..... ہیں۔ سماجی زندگی کے حقائق سے یہ بے خبر ہیں۔ کبھی "تابندہ ستاروں" سے بات کرتے ہیں۔ کبھی مستقبل کے شاعر کی آواز" بن جاتے ہیں۔ جب کبھی زمین پر اترتے ہیں تو چند معمولی استعماری عہدوں کے سوا ان کی نگاہوں کے سامنے کچھ نہیں ہوتا۔ اپنی تن پروری کو وعظ اور شاعری کے پردوں میں چھپانے کے بعد یہ لوگ اس کے متمنی ہیں کہ یہ خود فریبی عام مسلمانوں کا عمرانی نظریہ اور ان کی زندگی کا نصب العین بھی مان لیا جائے تاکہ خوشنما فریبوں میں عوام مبتلا رہیں اور استعمار کی خدمت کا شرف اور اسکا صلہ ان لیڈروں کے حصہ میں آئے۔

برطانوی امپیریلزم کے تسلط کے بعد فضا میں ایک نیا سیاسی اور عمرانی تقاضا پیدا ہوا، اسی طرز حکومت کا یہ خاصہ تھا کہ چھوٹی حیثیت کے ہندستانی عموماً تیزی کے ساتھ برباد ہوتے گئے۔ چنانچہ فضا میں یہ سماجی مطالبہ شروع ہوا کہ مٹنے اور تباہ ہونے والے ہندستانیوں کو جن سے عرف عام میں قوم عبارت ہے اس سامراجی سیلاب کا مقابلہ کرنا چاہئے۔ یہ قوم پہلے بھی بادشاہوں کے زمانہ میں چند ایسی زیادہ عزت و آرام سے آشنا نہ تھی مگر چونکہ نظام حکومت پیٹ بھرنے اور معاش پیدا کرنے میں مانع نہ ہوتا تھا۔ اس لئے عوام نے عموماً تہذیب اور تمدن سے دور رہ کر زندگی بسر کی، اور غالباً انھیں اس کی ضرورت بھی محسوس نہ ہوئی کہ زندگی میں کوئی بڑی تبدیلی پیدا ہو۔ انھیں اب محسوس ہوتا ہے کہ ہمیں صرف پیٹ ہی بھرنا نہیں ہے بلکہ اس سلسلہ میں پورے طرز حکومت کو بدلنا ہے۔ یعنی بالفاظ دیگر ایسا ماحول پیدا کرنا ہے جس میں اقتصادی اور سیاسی طاقت اور اقتدار، چند آدمیوں کے بجائے پوری قوم کے ہاتھوں میں ہو اور وسائل زندگی پیدا کرنے والے خود ریاست کے مالک ہوں۔ جس کے معنی یہ ہوئے کہ تاریخی طور پر اب خود عوام کو ایک نیا تمدن اور نئی جمہوری روایات کی بنیاد ڈالنی ہے۔

اسی بنیادی تقاضے کا مادی نشان کانگریس ہے۔ ہر ایک قومی اور دفاعی تحریک قدرتی طور پر قدیم تمدن اور تہذیب کی حفاظت کرنا چاہتی ہے چنانچہ کانگریس نے "سودیشی" ذہنیت پیدا کی اور اس طرح

کسی حد تک خود مسلمانوں میں اس وبائی کیفیت کا سد باب کیا؟ استعماری تہذیب نے پیدا کیا۔ اور اکبر نے اس طرح بیان کیا تھا کہ

ہوئے اسقدر مہذب کبھی گھر کا منہ نہ دیکھا
کٹی عمر ہوٹلوں میں مرے اسپتال جاکر

اب قومی تعلیم پر توجہ ہوئی اور مولانا محمد علی نے جامعہ ملیہ اور مہاتما گاندھی اور اچاریہ گڈوانی نے ودیاپیٹھ کا تصور پیش کیا۔ ہندستانی فنون لطیفہ، سودیشی کپڑا، ہندستانی حرفتوں اور صنعتوں پر نظر گئی اور مہاتما گاندھی نے ایک وسیع نظام کھادی کپڑا بننے اور بنانے والوں کا پھیلا دیا۔ اسکے ساتھ یہ خیال پھیلا کہ بجائے انگریزی کے اردو ہندی کا رواج ہونا چاہیئے۔ چنانچہ کانگریس کی تحریک کی بدولت اردو ہندی زبانوں نے وہ فروغ پایا کہ آج بجائے انگریزی زبان کی پرستش کے ملک کا مطالبہ ہے کہ یونیورسٹی کی تعلیم بھی ملک کی زبان میں ہونی چاہیئے۔ طبیہ کالج، عثمانیہ یونیورسٹی، ہندی سمیلن سب اسی بنیادی ذہنیت کے کرشمے ہیں۔ اور ان سب تحریکات میں ۱۹۲۰ء یعنی عالمگیر تحریک ترک موالات کے بعد اور زیادہ تر مہاتما گاندھی اور ان کے ساتھیوں کی زندہ مثالوں کیوجہ سے جان پڑی ہے۔

تاریخی طور پر یہ بات کانگریس یا اور کسی ہمہ گیر قومی تحریک کے قابو سے باہر ہے کہ پرانی اسلامی یا ہندو روایات کو از سر نو زندہ کرے۔ عورتوں کی پستی یا اچھوتوں کی حیثیت یا غلامی اور بے رحمانہ سزا کا دستور بہت سی روایات ایسی ہیں جنھیں انسانی ضمیر خود فنا کر دینا چاہتا ہے۔ بایں ہمہ کانگریس اور قومیت کی تحریک یہ ضرور چاہتی ہے کہ جب تک کوئی دوسرا نظام رائج نہ ہو اور ایک نئی تہذیب وجود میں نہ آسکے پرانے تمدن کے جو کچھ بھی امپیریلزم کی بے پناہ تباہ کاریوں سے بچ سکیں بچا لئے جائیں۔ افسوس یہ ہے کہ مسلمانوں کے موجودہ ذہنی رہنما اسدرجہ پوسیدہ اور پست ہیں کہ وہ اس کام میں بھی کانگریس کا ہاتھ نہیں بٹا سکتے۔

کانگریس کی شرکت کے متعلق اسلامی تمدن اور تہذیب کے الفاظ اٹھانا اسلامی عمرانیات اور جدید سیاسی اور معاشرتی تقاضوں سے لاعلمی کا دوسرا نام ہے۔ کاش یہ اعتراضات وہ لوگ کرتے جو مخلصانہ طور پر ان اعتراضات پر ایمان بھی رکھتے ہیں۔ انگریزی اور مغربی تمدن کی حاکمانہ حیثیت کو تسلیم کر لینے کے بعد اسلامی تہذیب کے مدعی ہندو تہذیب کے خطرات سے مسلمانوں کو آگاہ کرتے رہتے ہیں۔ بالفاظ دیگر وہ چاہتے ہیں کہ مسلمانوں میں استعمار دشمنی کا جذبہ فروغ نہ پائے اور بجائے مشترکہ خطرے کا مقابلہ کرنے کے یہ آپس میں لڑکر فنا ہو جائیں۔

# تعلیم کا نظام

## (۱)

# ابتدائی تعلیم

**از اطہر رشید**

ہمارا موجودہ نظام تعلیم ہمیشہ سے محتاج اصلاح سمجھا گیا ہے۔ کچھ لوگوں کے خیال میں معاشی اعتبار سے، بعض کے نزدیک سیاسی اور معاشی اعتبار سے۔ اور بعض کے نزدیک خالص تعلیمی اور ذہنی نقطۂ نظر سے۔ ہم ایک عرصے سے ایسی تقریریں سننے اور ایسی تحریریں پڑھنے کے عادی ہو گئے ہیں جن میں اس موجودہ نظام تعلیم کی برائیاں اور خامیاں بتائی جاتی ہیں اور جن میں آئے دن تعلیمی اصلاح کی ضرورت پر زور دیا جاتا ہے ہم ان تمام کوششوں سے بھی واقف ہیں جو حکومت یونیورسٹیوں اور دوسرے تعلیمی اداروں کی طرف سے اس سلسلے میں کی گئی ہیں، لیکن جبکہ عملی طور پر کوئی خاص نتیجہ نہیں نکلا۔ بات یہ ہے کہ ہماری تعلیم، ہماری معاشرتی، سیاسی اور معاشی زندگی سے اسقدر بے تعلق ہے کہ معمولی سطحی تبدیلیوں سے ہمارا کام نہیں چل سکتا۔ اگر ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہماری تعلیم ہماری قومی زندگی کی ضروریات اور ہمارے ملک کی اقتصادی حالت کے مطابق ہو تو پھر اس سارے نظام تعلیم کو جڑ سمیت اکھاڑ دینا ہوگا، قبل اس کے نئے نظام کی بنیادیں رکھی جائیں۔ ہاں اس کام کے لئے ضرورت ہے جرأت اور ہمت کی اور ایک ایسی انقلابی ذہنیت کی جو موجودہ تعلیم کے بنیادی مقاصد اور تصورات کو یکسر نظرانداز کر سکے اور اس کے ساتھ قومی روایات اور ضروریات کے مطابق بالکل سرے سے نیا نظام تعلیم بنانے کی صلاحیت بھی رکھتی ہو۔

اس قسم کی جرأت اور ہمت اور اس درجہ کی انقلابی ذہنیت اور تعمیری صلاحیت کانگریسی حکومتوں میں ہونا چاہیئے۔ اب جبکہ کانگریس نے دو تہائی ہندستان کی عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لی ہے تو کانگریسی وزیروں سے اس امر کی توقع کی جا سکتی ہے بلکہ مطالبہ ہے کہ وہ جلد سے جلد تعلیم کی بنیادی اصلاح کا کام شروع کریں، یوں بھی اسپر بہت حد تک ہماری تحریک آزادی کے مستقبل کا دار و مدار ہے یہی نہیں کہ عام مفید تعلیم سے اور ایسی تعلیم جو ہماری سیاسی ضروریات کے مطابق ہو، جنتا کی زندگی زیادہ دلچسپ اور خوشگوار اور معاشی اعتبار سے نسبتاً بہتر بنائی جا سکتی ہے۔ بلکہ یہ بہترین موقع ہے ملک کے کونے کونے میں آزادی کا پیام پہنچانیکا۔ بچے بچے میں سیاسی احساس اور قومی جذبہ پیدا کرنے کا اور اسطرح

کانگریس کا مستقل طور پر اثر اور اقتدار بڑھ جائے گا۔

مختلف کانگریسی صوبوں کے وزرا اسوقت غالباً تعلیمی مسائل پر غور کررہے ہوں گے۔ موجودہ صورت حال میں تعلیمی مسائل سے دلچسپی رکھنے والے لوگ اپنے خیالات کا اظہار کرسکتے ہیں۔

میں انھی حالات کو مد نظر رکھتے ہوئے یہ مضمون لکھ رہا ہوں۔

تعلیم کے مسئلے کے تین پہلو ہیں اول تو یہ کہ تعلیم کا مقصد کیا ہونا چاہیئے۔ دوسرے یہ کہ تعلیم کی نوعیت کیا ہونی چاہیئے۔ یعنی یہ کہ معینہ مقصد کو حاصل کرنے کے لئے کس قسم کی تعلیم ضروری ہوگی۔ تیسرا پہلو ہے مالی یعنی یہ کہ لوگوں کی اتنی بڑی تعداد کو تعلیم دینے کے لئے جس قدر روپیہ کی ضرورت ہوگی وہ کہاں سے آئے۔ یہ تیسرا سوال در اصل سب سے مشکل سوال ہے۔ اس لئے کہ انقلابی ذہنیت اگر تعلیمی مقاصد کو از سر نو معین بھی کرلے اور ان کے مطابق نصاب تعلیم وغیرہ بھی تیار کرلے تو بھی تمام اسکیموں پر عمل کرنے کے لئے روپے کی ضرورت ہوگی۔ چنانچہ اسوقت تک جن لوگوں نے تعلیمی اصلاح کی تجویزیں پیش کی ہیں، ان میں سے بعض نے جہانتک تعلیم کے مقاصد کا تعلق ہے کچھ نہ کچھ ذہنی جرأت بھی دکھلائی ہے۔ لیکن تمام اسکیمیں بالآخر مالی مشکلات کی بنا پر ترک کردینا پڑی ہیں۔ اس سے کوئی انکار نہیں کہ یہ مالی مسئلہ مشکل ضرور ہے لیکن میرے خیال میں یہ مشکل بھی بہت بڑی حد تک حل ہوسکتی ہے بشرطیکہ ہم اپنے کو چند معاشرتی اور معاشی تعصبات سے آزاد کرسکیں، بہرحال قبل اس کے کہ تعلیم کے مالی پہلو سے بحث کی جائے، اسکے مقاصد اور اس کی نوعیت کا فیصلہ کرلینا چاہیئے۔

## ابتدائی تعلیم کے مقاصد

سب سے پہلا سوال ابتدائی تعلیم کا ہے۔ ابتدائی تعلیم میں شامل ہے اول تو بچوں کی تعلیم اور دوسرے ہمارے ملک کے موجودہ حالات کے پیش نظر ان پڑھ بڑوں کی تعلیم۔ اسوقت ہمارے ملک میں تقریباً ۹۰ فیصدی لوگ ان پڑھ ہیں۔ ان کو اسی حالت میں نہیں رہنے دیا جاسکتا ہے۔ اس لئے کہ آئندہ بیس پچیس برس تک یہی لوگ ہماری قوم کی پشت پناہ رہیں گے۔ ان کی تعلیم کا مسئلہ ویسے عارضی ہے جو پانچ سات برس کے اندر طے ہوسکتا ہے۔

جہانتک تعلیم کے مقاصد کا تعلق ہے وہ عام طور پر دو قسم کے ہوتے ہیں۔ اول تو قومی، جماعتی، سماجی، دوسرے انفرادی، یعنی تعلیم پانے والے کے ذاتی مقاصد۔ ان دونوں قسموں میں کوئی قطعی اور بنیادی تفریق نہیں کی جاسکتی۔ در اصل دونوں ایک دوسرے کے لئے لازم ملزوم ہیں یا یوں کہیئے کہ دونوں ایک ہی تصویر کے دو رخ ہیں۔ کوئی قومی، جماعتی، فائدہ نہیں جس سے کسی نہ کسی صورت میں جماعت کے تمام افراد مستفید نہ ہوتے ہوں۔ اسی طرح افراد کی ذاتی، انفرادی بہتری ساری جماعت کی زندگی کو بالآخر متاثر کرتی ہے، فرق صرف اتنا ہے کہ تعلیم کے بعض مدارج میں سماجی پہلو زیادہ نمایاں ہوتا ہے اور بعض میں افراد کی ذاتی ضروریات کو زیادہ اہمیت حاصل ہوتی ہے۔

ابتدائی تعلیم کے درجے میں سماجی پہلو زیادہ اہم ہوتا ہے۔ ابتدائی تعلیم کا سب سے پہلا مقصد یہ ہونا چاہیئے کہ ہر فرد جماعت کی معاشرتی، سیاسی، تہذیبی اور اخلاقی زندگی کے بنیادی اصول اور تصورات سے عملی تعلق پیدا کرسکے اور اس تعلق کو قائم رکھ سکے۔ اس عام عملی تعلق سے قومی یگانگت، اتحاد، یک رنگی اور اندرونی ہمجنسی پیدا ہوتی ہے۔ اس قسم کے اندرونی رشتہ کے بغیر، جو محض ذہنی رشتہ نہ ہو بلکہ ساری نفسی زندگی پر حاوی ہو، ایک متحدہ قومیت کا احساس ممکن نہیں۔ چنانچہ در اصل جماعت جو تعلیم دیتی ہے، اس تعلیم کے ذریعہ سے بچے کو سب سے پہلے اپنانا چاہتی ہے اور اس طرح اس کو اپنے حلقے میں شامل کرتی ہے۔ اس کام کے لئے ظاہر ہے کہ ابتدائی تعلیم کی منزل موزوں ترین ہے۔

ابتدائی تعلیم کے اس جماعتی پہلو کے علاوہ دوسرا پہلو انفرادی زندگی کا بھی ہوتا ہے۔ یعنی یہ کہ اس تعلیم سے افراد کو ذاتی زندگی کی کامیابی اور ان کی قوتوں کے نشو و نما میں مدد ملنا چاہیئے۔ ان پڑھ آدمی اپنے گھروں اور اپنے گاؤں کے محدود ماحول سے تو واقف ہوتا ہے لیکن وہ ملک اور قوم کی زندگی سے بے تعلق ہونے کے باعث خود اپنی ذاتی زندگی کے پورے امکانات سے ناواقف رہتا ہے اور ان سے صحیح طور پر فائدہ نہیں اٹھاسکتا۔ ابتدائی تعلیم کا یہ مقصد بھی ہے کہ خود افراد کی ذاتی زندگی میں وسعت، رنگینی اور ترقی کے امکانات پیدا کردے۔ تاکہ وہ لوگ بھی، جو ابتدائی تعلیم کی منزل سے آگے نہ بڑھ سکیں، علاوہ قومی مقاصد اور ضروریات سے واقفیت حاصل کرنے کے اپنی اختیار کردہ عملی زندگی کے میدان کی وسعتوں سے آگاہ ہوجائیں، اپنی زندگی کی تشکیل میں ان معلومات سے فائدہ اٹھاسکیں اور تہذیب، تمدن، صنعت و حرفت، اور سائنس کی عام برکتوں سے حتی الامکان فیضیاب ہوسکیں۔

## ابتدائی تعلیم کی نوعیت

تعلیم کے قومی مقاصد کو مد نظر رکھتے ہوئے یہ امر نہایت اہم ہے کہ ابتدائی تعلیم سب کے لئے بالکل ایک سی ہو۔ ابتدائی تعلیم لازمی ہی نہیں ہو بلکہ لازمی طور پر ایک ہی قسم کی تعلیم شہریوں اور دیہاتیوں امیروں اور غریبوں کے بچوں کو دی جائے۔ اس اصول کے مطابق ضروری ہوگا کہ ابتدائی تعلیم صرف ریاستی مدرسوں میں حاصل کی جائے، اور تمام مدرسے بلحاظ نصاب تعلیم اور باعتبار معاشرت برابر ہوں، اس اصول کی رو سے مثلاً موجودہ یورپی اور نیم یورپی مدرسوں میں ہندستانی بچوں کو تعلیم حاصل کرنے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ بڑی عمر کے طالب علموں کے لئے غیر قومی اداروں میں تعلیم پانے میں اسقدر خطرات نہیں جسقدر چھوٹے بچوں کے اس قسم کی درسگاہوں میں جانے میں ہیں۔ ابتدائی تعلیم جو تمام اعلیٰ تعلیم کی بنیاد ہے، اور جس کا افراد کی سیرت پر سب سے زیادہ اثر پڑتا ہے وہ خالص قومی اور جماعت کے سیاسی، معاشرتی اور اخلاقی اصولوں پر مبنی ہونی چاہیئے۔ متذکرہ بالا مقاصد کے حصول کے لئے نصاب میں ذیل کے مضمون شامل کئے جائیں۔

(۱) مادری زبان میں لکھنا پڑھنا۔ مادری زبان بہترین اور آسان ترین ذریعہ ہے اپنی قوم اور جماعت کی روایات اور نظام زندگی سے واقفیت حاصل کرنے اور اس سے عملی تعلق پیدا کرنے کا۔ مادری زبان پر اتنی قدرت حاصل ہونا چاہیئے کہ انسان محض اخبار ہی وغیرہ نہ پڑھ سکے بلکہ اپنے منتخب کئے ہوئے پیشے سے متعلق کتابوں سے بھی فائدہ اٹھاسکے۔

(۲) حساب کتاب۔

(۳) ہندستان کی تاریخ کا خاکہ۔ علاوہ ازیں ہماری گذشتہ بیس برس کی تحریک آزادی کے اہم ترین واقعات۔ موجودہ سیاسی اور معاشی حالات اور کانگریس کے اصول اور مقاصد کی مفصل تشریح۔

(۴) ہندستان کا جغرافیہ۔ ملک کے موسم، ملک کی فصلیں، اناج کی قسمیں، اور پیداوار، صنعت و حرفت کی جغرافیائی تقسیم، عام زراعتی، حالات وغیرہ۔

(۵) حفظان صحت اور اس میں ورزش اور کھیل وغیرہ بھی شامل ہیں۔

(۶) سماجی خدمت، مثلاً سکاؤٹنگ (جس کی خالص قومی اصول پر تنظیم کی جائے) شادی برات پر، سیاسی اور معاشرتی اجتماع (مثلاً میلے وغیرہ) کے موقع پر اپنے مقدور کے مطابق خدمت کرنا۔ وغیرہ

مجھے معلوم ہے کہ بعض لوگ (اور غالباً گاندھی جی بھی) ابتدائی تعلیم میں دستکاری اور صنعت شامل کرنا چاہتے ہیں لیکن مجھے یہ مشکل نظر آتا ہے اور نہ اس کی کوئی ضرورت معلوم ہوتی ہے۔ اول تو دس برس سے کم عمر بچوں پر دستکاری اور صنعت سیکھنے کا بار ڈالنا درست نہیں معلوم ہوتا ہے۔ دوسرے یہ کہ ہر مدرسے میں دستکاری وغیرہ کی تعلیم جاری کرنے کے لئے ایک مستقل علیحدہ استاد کی ضرورت ہوگی اور اس کی تنخواہ کے علاوہ کچھ اور اخراجات بھی ہوں گے۔ تیسرے اس بات کو مدنظر رکھنا چاہیئے کہ ہر بچہ اپنے والد کے پیشے سے بغیر کسی خاص کوشش کے خود بخود کچھ نہ کچھ دلچسپی اور طبعی تعلق پیدا کر لیتا ہے۔ مثلاً بڑھئی کا لڑکا نجاری کے آلات اور ان کے استعمال سے خود بخود واقف ہو جاتا ہے۔ اسی طرح سنار کا لڑکا اپنے باپ کے فن سے اور لوہار کا لڑکا لوہار کے کام سے۔

جہاں تک طریقۂ تعلیم کا سوال ہے یہ ضروری نہیں کہ ابتدا لکھنے پڑھنے سے ہو۔ خصوصاً ہمارے ملک میں جہاں غربت کے باعث ہر طالب علم کتابیں اور دوسرے لکھنے پڑھنے کے سامان نہیں خرید سکتا اور نہ ہی یہ سب چیزیں فی الحال ریاست کی طرف سے مہیا کی جا سکتی ہیں، تمام مضامین کی ابتدا زبانی تعلیم سے کیجائے۔ اس میں کوئی ہرج بھی نہیں۔ یہی نہیں کہ یہ مضامین ایک حد تک زبانی بخوبی پڑھائے جا سکتے ہیں بلکہ یوں بھی بچے کی نفسیات کا لحاظ کرتے ہوئے زبانی زیادہ اچھی طرح ذہن نشین کرائے جا سکتے ہیں۔

شروع میں مادری زبان سے واقفیت، قومی، تاریخی، اور اخلاقی گیتوں اور نظموں کے ذریعے بخوبی کرائی جا سکتی ہے۔ اسی طرح جغرافیہ بھی۔ حفظان صحت کے اصول تو تمام تر عملی تعلیم کی صورت میں پیش کرنا چاہیئے۔ اس سلسلے میں جہاں تک کھیل کود اور ورزش کا سوال ہے ہمکو یہ بات بخوبی ذہن نشین کر لینا چاہیئے کہ ہم قطع نظر سیاسی تعصبات کے اپنے اسکولوں میں ملک اور حکومت کی غربت کے باعث غیر ملکی کھیل (مثلاً کرکٹ ہاکی وغیرہ) رائج نہیں کر سکتے۔ ہمارے ملکی کھیل ویسے بھی ورزش اور تفریح کے لحاظ سے ہماری ضروریات کے لئے کافی ہیں اور بغیر روپے کے فوراً مدارس میں رائج کئے جا سکتے ہیں۔ مثلاً، دوڑ، کبڈی، تیراکی، کشتی، تیراندازی، گتکا بازی اور دوسرے جسمانی کرتب وغیرہ وغیرہ۔

مدت تعلیم فی الحال مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پانچ سال سے زیادہ نہ رکھی جائے۔ پانچ سال میں ابتدائی تعلیم کا مقصد بخوبی حاصل ہو سکتا ہے بشرطیکہ استاد ایمانداری اور محنت سے کام کریں۔ اسکے علاوہ ایک اور بات ہے۔ ہم ملک کے افلاس کے باعث لڑکیوں کے لئے علیحدہ مدرسے نہیں کھول سکتے۔ اگر علیحدہ علیحدہ مدرسے کھولنے کی کوئی صورت نکل بھی سکے تو کافی تعداد میں تعلیم یافتہ استانیاں فی الحال نہیں مل سکتیں۔ اول تو تعلیم یافتہ عورتیں تعداد میں کم ہیں اور دوسرے جو موجود ہیں وہ دیہات میں جا کر رہنے کے لئے تیار نہوں گی۔ اس لئے ہمکو مجبوراً مشترک تعلیم رائج کرنا ہوگی۔ اس صورت میں پانچ سال مدت تعلیم مناسب معلوم ہوتی ہے۔ پانچ چھ برس کی عمر میں بچے اگر مدرسے میں داخل ہوں تو دس گیارہ برس کی عمر تک ابتدائی تعلیم ختم کر لینگے اور اس عمر تک غالباً مشترک تعلیم دی جا سکتی ہے، کم سے کم دیہات میں اسکو اسقدر معیوب نہیں سمجھا جائے گا اور شاید کسی کی کوئی مخالفت نہو گی۔ شہروں میں اگر مشترک تعلیم ممکن نہو تو علیحدہ مدرسے کھولے جا سکتے ہیں۔ شہروں میں تعلیم یافتہ استانیوں کی قلت نہیں۔

ان پڑھ بڑوں کی تعلیم کا نصاب بھی کم و بیش یہی ہوگا۔ لیکن ان کے معاملے میں مدت تعلیم سختی سے معین نہیں کی جا سکتی۔ وہ بہر صورت کم مدت میں فارغ ہو سکتے ہیں۔ بچوں کی تعلیم پانچ برس کی عمر سے شروع ہوگی اور سب کے لئے لازمی اور مفت ہوگی۔ اسی طرح ان پڑھ بڑوں کے لئے جو چالیس برس سے کم عمر کے ہوں تعلیم لازمی اور مفت ہونا چاہیئے۔

## ابتدائی تعلیم کا مالی مسئلہ

سب سے بڑا مالی مسئلہ ہے۔ سوال یہ ہے کہ اگر ہر گاؤں میں مدرسہ کھولا جائے تو ہزاروں مدرسے کھولنا پڑینگے۔ اس لئے لاکھوں روپے کی ہر سال ضرورت ہوگی اور روپے کے معاملے میں ہمارے کانگرسی وزیر نئے دستور کے رو سے بھی بہت کم اختیار رکھتے ہیں اور قومی دولت کا ایک بہت مختصر حصہ انکی خواہشات کے مطابق صرف ہو سکتا ہے۔ تعلیم کے لئے کچھ نہ کچھ روپے کا انتظام تو شاید کیا جا سکے لیکن اسقدر روپیہ کسی صورت سے مہیا نہیں کیا جا سکتا کہ جس سے ہر گاؤں میں مدرسہ کھولا جا سکے۔ آخر کیا کیا جائے؟ اتنے مدرسے کیسے کھولے جائیں اور کیسے چلائے جائیں؟ کیا یہ کام بغیر زیادہ روپے کے ممکن ہے؟ اس اہم سوال کے جواب پر ہماری تمام تعلیمی اصلاح کا دارومدار ہے اور تعلیمی اصلاح پر ہماری قومی ترقی کا انحصار ہے۔ اس لئے اس مسئلے کا کوئی نہ کوئی حل ہونا چاہیئے۔ اس کے حل کی ایک صورت یہ ہے۔

ہر گاؤں میں جہاں چالیس پچاس تعلیمی عمر کے بچے ہیں وہاں ایک مدرسہ کھولا جائے جس میں قرب و جوار کی چھوٹی چھوٹی بستیوں کے بچے بھی داخل کئے جائیں۔ ان مدرسوں کے لئے سب سے بڑا اور مستقل خرچ استاد کا ہے۔ استاد کو بجائے نقد تنخواہ کے صوبجاتی حکومت کافی زمین مفت کاشت کو دے اور ان کو لگان بھی معاف ہو۔ استاد کم سے کم دو ہونا چاہئیں، وہ زمین کی کاشت "مشترک کھیت" کے اشتراکی اصول کے مطابق کریں۔ ہمارے ملک میں بہت سی زمین بے کاشت پڑی ہوئی ہے۔ جو استادوں کو دیجا سکتی ہے۔ زمین اتنی ہونا چاہیئے کہ دونوں کے خاندان اطمینان سے زندگی بسر کر سکیں۔ اسی زمین کے ایک طرف مدرسہ ہو اور ایک میدان۔ پکی عمارت

کی فی الحال کوئی ضرورت نہیں۔ کچی عمارتیں بھی دس پندرہ سال تک کام دے سکتی ہیں۔ بہرحال یہاں بچوں کی بھی تعلیم ہو اور بڑوں کی بھی بعینی مختلف اوقات میں۔ مدرسے کی عمارت، گاؤں کی پنچائت اور دیگر سیاسی اور سماجی کاموں کے لئے بھی استعمال ہو اور مدرسے کا میدان جو بچوں کی مدد سے خوبصورت پارک بنایا جاسکتا ہے، تمام گاؤں والے کھیل کود کے لئے اور دوسری معاشرتی ضرورت کے لئے استعمال کر سکیں۔ اگر ہمکو توفیق ہو اور ہم ہر مدرسے کے میدان میں کسی صورت ایک سستا سا ریڈیو بھی لگا سکیں تو کیا کہنا۔ بہرصورت یہ مدرسے گاؤں کی ساری سیاسی، معاشرتی اور تعلیمی زندگی کا مرکز بن جانا چاہئیں۔ ان مدرسوں کی نگرانی خود گاؤں والوں کی ایک تعلیمی مجلس کے سپرد کردی جائے جس میں مقامی تعلیم یافتہ اور معتبر آدمی شریک ہوں۔

ایسی حالت میں گاؤں والے خود بھی اگر تمام اخراجات کے نہیں تو کچھ نہ کچھ اخراجات کے برداشت کرنے کے لئے تیار ہو جائیں گے۔ استاد کی تنخواہ کا مسئلہ اگر مفت زمین دیکر حل کیا جاسکے تو ان کے مدارس کے اخراجات اتنے نہیں ہوں گے کہ گاؤں والے برداشت نہ کرسکیں۔ بہرحال اگر ضروری ہو تو ضلع بورڈ اخراجات کا بار اٹھائیں۔ صوبجاتی حکومتوں پر ثانوی اور اعلیٰ تعلیم کا کافی بار ہوگا۔ ابتدائی تعلیم تمام تر میونسپلٹیوں کے ذمہ ہوگی۔ انکو اجازت دیجائے کہ اگر ضرورت سمجھیں تو تعلیم کے لئے کسی قسم کا ٹکس لگاکر روپیہ حاصل کریں۔
استادوں کو بجائے تنخواہ زمین دینے میں ایک تو روپئے کی کمی کا مسئلہ حل ہو جاتا ہے۔ دوسرے اس میں یہ فائدہ ہے کہ ان کے کاشتکاری اختیار کرنے کی صورت میں ان میں اور گاؤں والوں میں یگانگت اور ہمجنسی کا احساس پیدا ہو جائے گا۔ ہمارے گاؤں والوں کی حالت اسی صورت میں بہتر ہوسکتی ہے کہ ان کی اصلاح کرنیوالے انھی کے ساتھ اور انھیں کی طرح رہیں اور انکا مفاد آپس میں وابستہ ہو۔ ہاں اس کام کے لئے ضرورت ہے۔ ایسے لوگوں کی جو مخلص ہوں، جو ایمانداری اور جفاکشی سے قومی کام کرنے کیلئے تیار ہوں، اور جن کا ماضی اس بات کا شاہد ہو کہ وہ قومی خدمت کا جذبہ رکھتے ہیں۔ بہتر تو یہ ہوگا کہ ہر گاؤں کے لئے خود وہیں کے مخلص تعلیمیافتہ آدمیوں کو اس کام پر آمادہ کیا جائے۔ ورنہ باہر کے لوگوں کو اس کام کی دعوت دی جائے۔ ہمارے ملک میں آج ہزاروں تعلیم یافتہ نوجوان بے روزگار ہیں جن کے لئے روزگار پیدا کرنا ہماری کانگرسی حکومتوں کا فرض ہے وہ بڑی بڑی تنخواہوں کے متوقع نہیں۔ ان سے یہ تعلیمی کام لیا جاسکتا ہے۔ اس سے ان کی بے روزگاری کا مسئلہ بھی حل ہو جائے گا۔

ان کاشتکار استادوں کے علاوہ جو صرف بچوں کو تعلیم دیں گے۔ ان پڑھ بڑوں کی تعلیم کے لئے ہمکو اپنے تعلیمیافتہ نوجوانوں سے ایثار اور خدمت کا مطالبہ کرنا چاہئے۔ جو لوگ تعلیم سے فارغ ہو چکے ہیں لیکن بے کار ہیں ان کو مجبور کیا جائے کہ وہ چھ چھ ماہ کسی شہری یا دیہاتی مدرسہ میں مفت تعلیم دیں۔ ضلع بورڈ کی طرف سے ان کے سفر خرچ کا اور کھانے پینے کا انتظام ہو اور بعد میں ملازمت کے معاملے میں ان کو دوسروں پر ترجیح دی جائے۔ لیکن جو لوگ ابھی تعلیم سے فارغ نہیں ہوئے ان پر بھی یونیورسٹیاں یا خود حکومت ایک معینہ مدت کے لئے قومی خدمت واجب کرسکتی ہے۔ جس کے بغیر ان کو سند نہ دی جائے، چاہے وہ امتحان میں کامیاب رہیں۔ غالباً نو ماہ کی خدمت ثانوی تعلیم سے فارغ شدہ اور ۹ ماہ کی خدمت اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگوں سے لینا کافی ہوگا۔ یہ ویسے ان پر چھوڑ دیا جائے کہ وہ امتحان کے بعد یا دوران تعلیم میں اپنے کو خدمت کے لئے پیش کریں۔ سند حاصل کرنے سے قبل بہرصورت ان کو اپنے ضلع کے بورڈ سے (جو اپنے اپنے ضلع میں استادوں سے کام لیگا اور ان کے اخراجات برداشت کرے گا) اس مضمون کا صداقت نامہ حاصل کرنا ہوگا کہ انھوں نے معینہ مدت تک قومی کام کیا ہے۔ ملازمت کے وقت ان کی قومی خدمت کا خیال رکھا جائے۔

ان قومی کارکنوں سے زیادہ تر ان پڑھ بڑوں کو تعلیم دلائی جائے اور ان کے کام کی نگرانی اور تقسیم تمام مقامی ضلع بورڈ کے اختیار میں ہوگی۔ اس صورت میں یہی نہیں کہ ہمکو سستے استاد مل سکتے ہیں بلکہ ہمارے گاؤں اور شہروں کے درمیان ایک معاشرتی تعلق بھی پیدا ہو جائیگا۔ ہمارا تعلیم یافتہ طبقہ گاؤں والوں کی موجودہ ناگفتہ بہ حالت سے واقفیت حاصل کرسکیگا اور ان کے مخلصانہ تعلق اور ان کے مخلصانہ خدمت سے ہمارے دیہاتوں میں ایک نئی زندگی پیدا ہو جائے گی۔

علاوہ ازیں ثانوی اسکولوں اور کالجوں کے استادوں سے جو اعلیٰ تعلیم اور تعلیمی تجربہ حاصل کرچکے ہوں یہ کام لیا جائے کہ وہ اپنے اپنے اداروں میں یا ملکر ایک مقامی ادارے میں اپنے معمولی فرائض کے ساتھ ساتھ تعلیمات کے اصولوں اور ان کے عملی پہلو پر ابتدائی مدارس کے استادوں کے لئے لکچر دیں۔ ابتدائی مدارس کے استادوں کے لئے لازمی قرار دیا جائے کہ وہ اپنی سہولت کے مطابق وقت نکال کر اپنے مقام سے قریب ترین اسکول یا کالج میں جاکر لکچر سنیں۔ اس طرح ہمارے تمام استاد آہستہ آہستہ تعلیم کے نظری اور عملی مسائل سے واقف ہو جائیں گے۔

غالباً اس "جبری خدمت" کی تجویز کو بہت سے لوگ پسند نہیں کریں گے، ہمارے شہروں کے تعلیم یافتہ نوجوان تو دیہات کے نام سے ڈرتے ہیں اور یہ صحیح ہے کہ دیہات کی زندگی ان کے لئے شروع شروع میں غیر دلچسپ ہی نہیں بلکہ تکلیف دہ بھی ہوگی۔ لیکن قوم کی ترقی کا دارومدار اس پر ہے کہ ہر فرد کسی نہ کسی صورت سے اصلاحی کام کا بار اٹھائے۔ اور حکومت کو حق حاصل ہے کہ قومی ضروریات کے مطابق جبراً کسی سے جس قسم کا کام لیا جاسکے بلا تکلف لے۔ اگر دنیا کے آزاد اور مہذب ممالک کی حکومتیں اپنے باشندوں کے لئے جنگی تعلیم اور جنگی خدمت (جو ہماری مجوزہ تعلیمی خدمت سے کہیں زیادہ مشکل اور تکلیف دہ ہوتی ہے) لازمی قرار دے سکتی ہیں تو آخر ہمکو اس قسم کی قومی خدمت عائد کرنے میں کیوں تامل ہو؟

یہ کاشتکار استادوں کی اسکیم ظاہر ہے کہ صرف دیہاتوں کے لئے ہے۔ شہری مدارس کے استادوں کو زمین نہیں دی جاسکتی، ان کو بہرصورت تنخواہ دینا پڑے گی۔ شہری مدرسوں کے اخراجات میونسپلٹیاں اس وقت بھی برداشت کرتی ہیں۔ یہ ان پر کوئی نیا بار نہ ہوگا۔

صفحہ ۱۲ غلطی سے ۱۱ سے پہلے ہوگیا ہے

ہوں۔ چلا جا رہا تھا۔ اور سوچ رہا تھا کہ اتنی جلد ہمت ہار دینا ایک حاکم اعلیٰ۔ ایک آئی۔ سی۔ ایس کے لئے مناسب نہیں۔ خدا خدا کرکے موٹر شہر میں داخل ہوا۔ اور ساتھ ہی ساتھ جسم بغاوت پر اتر آیا۔ مگر میں نے بدن کڑا کر لیا اور دل ہی دل میں دھرانے لگا کہ "کام ہمت سے جواں مرد اگر لیتا ہے"

کیا ہے دوسرا مصرع؟"

**قریشی۔** "سانپ کو مار کے گنجینۂ زر لیتا ہے"

**احمد موسیٰ۔** ہاں۔ سانپ کو مار کے گنجینۂ زر لیتا ہے۔ مجھے تو ایسا نظر آ رہا تھا کہ میری طبع لطیف اور نفس امارہ میں معرکہ در پیش ہے۔ اس میں شکست کھانے کے یہ معنے ہیں کہ مجھ میں اور ایک ادنیٰ انسان میں کوئی فرق نہیں، اور نہ مجھے اعلیٰ تعلیم سے کچھ فائدہ ہوا۔ مجھے یقین تھا کہ اگر استقلال سے کام لیا تو ضرور طبع لطیف کی فتح ہوگی۔ جب ذرا دیر ہوئی تو میں نے شوفر سے پوچھا۔

"کتنی دور اور ہے؟"

"صاحب ۲۰ منٹ کا راستہ اور ہوگا"

"۲۰ منٹ!! اُف وہ یہاں جسم کے تشنج سے میں بوکھلایا جا رہا تھا میری جوانی کی رگوں ہی کا کام تھا جو اس پر قابو حاصل کئے ہوئے تھیں۔ اس وقت میں کسی ایسے خطہ سے گزر رہا تھا جہاں پولیس یا مجسٹریٹ کے یا کسی اور دیپارٹمنٹ کی بارکیں بنی ہوئی نہیں ملیں گی۔ ورنہ ارادہ ہوا کہ اُتر جاؤں اور کسی سے امداد کی درخواست کروں۔ امداد ہی کیا۔ ایک لوٹا پانی، اور ایک کنج تنہائی۔ اگر بات نہ میسر ہو، نہ سہی۔ میں اتر جاتا تو کام آسانی سے بن جاتا۔ ایسے موقعوں پر لوگ بہت خوش ہوتے ہیں کہ چلو اسی بہانے کلکٹر صاحب سے ملاقات ہوگئی۔ شاید ان سے کبھی سابقہ پڑ جائے اور بہت جوش و خروش سے کام کر دیتے ہیں۔ مگر بھرا دنیٰ درجہ کے افسروں سے ایسی گندی خواہش کرنے کی ہمت نہ پڑی کار تیز چل رہی تھی، اور میں اپنی ہمت کو زندہ کرتا چلا جا رہا تھا۔ ہر دو منٹ کے بعد مجھے جسم پر کی سخت یا نت کرنی پڑتی، اور بڑی جد و جہد کے بعد کامیابی ہوتی تھی۔

شومیٔ قسمت دیکھئے چوراہے پر بیل گاڑیاں گزر رہی تھیں۔ پولیس مین نے میرا موٹر رکوا دیا۔ اور رکتے ہی وہ کمبخت فیل ہوگیا!!!

**قریشی و بیتاب۔** فیل ہوگیا!!

**احمد موسیٰ۔** ہاں فیل ہوگیا۔ اب میری پریشانی کا خیال فرمائیے۔ اسوقت زندگی سے عاجز ہو رہا تھا۔ میں نے جھلا کر شوفر سے کہا۔

جلدی دوڑ کر کوئی موٹر لانا۔ مجھے "باتھ" کی سخت ضرورت ہے۔

**شوفر۔** حضور یہاں ٹیکسی کہاں۔ کہئے تانگہ حاضر کر دوں۔ آدھ گھنٹہ میں پہونچ جائے گا۔

"مجھے اس کی بے عقلی پر غصہ آ رہا تھا، آخر ذرا ادا سے بتایا۔

"استنجا کرنا ہے"

اب وہ کچھ سمجھا اور گردن گھما کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ سامنے ایک استنجا گھر بنا ہوا تھا۔ جیسے میونسپلٹی کی طرف سے سڑک پر بنے ہوتے ہیں۔ اس نے میری طرف دیکھا۔ مگر چہرے پر خفگی کے آثار دیکھ کر بولا۔

"صاحب، ایک بوتل خرید لوں۔ آپ موٹر ہی میں بیٹھے بیٹھے فارغ ہو لیں۔ میں پھینک دوں گا۔" ذرا اس کی ناسمجھی کو خیال فرمائیے۔ کسی طرح بات کو سمجھتا ہی نہیں۔ آخر میں نے سوچا کہ اس وقت ڈپلومیسی کی ضرورت ہے اس کمبخت کو دوست بنانا ہی پڑے گا اپنے جسم کی رگوں اور پٹھوں پر جو اس وقت مصائب بہت کچھ سہہ رہے تھے۔ قابو حاصل کرکے مسکرایا اور پھر کہا

"بوتل کی نہیں بیوقوف، مرتبان کی ضرورت ہوگی"

اب شوفر صاحب معاملہ کی تہہ کو پہونچے۔ اور ذرا مسکرائے جی میں آتا تھا کہ دوں اسی منھ پر ایک گھونسا۔ یہ مسکرانے کا کون موقع تھا۔ مگر صبر کیا۔ اور کہا۔

"کوئی ہوٹل قریب ہے"

"حضور، ایسی خراب جگہ موٹر نے دغا دی۔ کوئی ہوٹل پوٹل قریب نہیں"

"پھر میں کیا کروں؟"

"دیکھئے کوئی فکر کرتا ہوں"

وہ اِدھر دوڑا ہوا فکر کرنے گیا۔ اُدھر میں رانیں دبائے جسم بھر کی رگوں کو ستار کے تاروں کی طرح کسے بیٹھا تھا۔ یقین مانو جس وقت دورا پڑتا تھا تو خدا یاد آ جاتا تھا بعض اتفاقات بھی عجیب ہوتے ہیں، عین اسی وقت میونسپلٹی کی ایک گاڑی جاتی دکھائی دی۔ ہائے کس حسرت سے میں نے اس کی طرف دیکھا ہے۔

"اتنے میں شوفر بھاگا ہوا آیا اور بولا"

"صاحب چلئے"

پہلے تو ایسا معلوم ہوا کہ تریاق آنے میں دیر ہوگئی۔ مگر قاعدہ ہے کہ کامیابی کا چہرہ دور سے دیکھتے ہی ہمت بڑھجاتی ہے۔ میں نے دنیا کے با ہمت لوگوں کو یاد کیا۔ اپنی خاندانی عظمت کا خیال کیا اور دانت بھینچ کر موٹر سے اترا۔ شوفر میرے خیال سے تیز جا رہا تھا۔ مگر بے عقل اتنا نہیں سمجھا کہ اب میرے قویٰ اس قابل نہیں رہے کہ تیز تیز قدم اٹھا سکوں۔ مگر کسی نہ کسی طرح پوری دو گلیاں طے کیں۔ اور جائے مقصود پہ پہنچا۔ اس کو دیکھکر جی میں آیا کہ ملعون شوفر کو مارے ٹھوکروں کے ادھ موا کردوں مجھے لیجا کر ایک برہمن کے سامنے کھڑا کر دیا۔ مگر میں نے نرمی کا موقع دیکھکر غصہ ضبط کیا۔ اور کہا۔

"دوست کسی بھلے مانس سے باتیں کرو، اور اسی کے یہاں "رفع ضرورت" کا معاملہ طے کرا دو"

"شوفر تھا گو جاہل لیکن معاملہ کی نزاکت کو سمجھ گیا۔ اور مجھے وہاں سے ہٹا لایا۔ گلی میں پہنچکر ادھر ادھر نگاہ دوڑائی۔ کچھ دور پر ایک صاحب بڑے سے کمرے کے سامنے اچھی سی شیروانی پہنے ٹہل رہے تھے۔ چھوٹی سی داڑھی تھی عینک لگائے تھے۔ کمرے پر بڑا سا سائن بورڈ لگا تھا۔ جس پر موٹے قلم سے لکھا تھا۔ "مطب جناب حکیم......" نہ معلوم کیا نام تھا۔ اس گھبراہٹ میں کون پڑھتا، شوفر دوڑا!

# انوکھی مصیبت

ڈوبتے سورج کی کرنیں دور کے درختوں سے چھن چھن کر، کھڑکیوں کے شیشوں سے گذرتی ہوئی کمرے میں آرہی تھیں۔ اور بلور اور چینی کے برتنوں پر سے قوس قزحی رنگوں میں واپس ہو کر بیل کے گملوں پر جو اونچی تپائیوں پر رکھے تھے اور دیوار کی تصویروں پر پڑ رہی تھیں۔

احمد موسیٰ کلکٹر ضلع کے چار دوں مہمان، مسٹر ماتھر سول انجینیر، مسٹر قریشی ہیلتھ آفیسر، مسٹر نقوی۔ ایم۔ ال۔ اے۔ اور بیتاب صاحب ایڈیٹر اخبار "انڈین اوپینین" سامنے رکھی پر تکلف چیزوں کو مزے سے لے کر کھا رہے تھے۔

**ماتھر**: "یار موسیٰ تم اپنی پارٹیوں میں اتنی چیزیں منگوا لیتے ہو کہ انتخاب میں سخت دشواری ہوتی ہے۔ کیا کھاؤں کیا نہ کھاؤں"

**مسٹر نقوی**: "ہاں اور خاصکر جب کھانے والے کا معدہ کمزور ہو۔ اور طبیعت حریص!"

اس پر ایک فرمائشی قہقہہ پڑا۔ کیونکہ ماتھر کو اکثر معدہ کی شکایت رہتی تھی

**مسٹر قریشی**: "کیا بات ہے، آج لیڈیاں نظر نہیں آتیں؟"

**مسٹر ماتھر**: "مسز ماتھر کو اپنے نہ بلائے جانے کی بڑی شکایت تھی۔ مگر ان کو اس بات کا علم نہ تھا کہ آج مسٹر موسیٰ نے ان کی جنس ہی سے بائیکاٹ کیا ہے۔"

**احمد موسیٰ**: "میں نے قصداً انہیں بلایا۔ وجہ تم لوگ خود بوجھو"

**مسٹر نقوی**: "ہار کی پیالیاں کم پڑتی ہوں گی؟"

اس پر ایک قہقہہ پڑا۔

**بیتاب**: "میں بوجھ گیا۔ مگر آپ حضرات پہلے طبع آزمائی کر لیں۔"

**مسٹر قریشی**: "مسز موسیٰ کی غیر موجودگی میں یہ لیڈیوں کو بلاتے ڈرتے ہیں"

مسٹر نقوی نے چھوٹتے ہی کہا۔

"یہ ان کی غلطی ہے اس لیے کہ مسز موسیٰ ان کی غیر موجودگی میں دوں کو بلانا نہیں چھوڑ سکتیں۔"

پھر ایک قہقہہ پڑا۔

**احمد موسیٰ**: "مذاق میں اڑا دینے کی سند نہیں۔ وجہ پوچھو"

**مسٹر نقوی**: "بھائی میں ہار گیا"

**مسٹر قریشی**: "اور میں بھی"

**بیتاب**: "کل ڈنر پر جب زندگی کی مصیبتوں کا تذکرہ نکلا تھا، تو مسٹر موسیٰ کچھ کہتے کہتے رہ گئے، میرے اصرار پر چپکے سے کہنے لگے" پھر کسی موقع پر" آج شاید وہی موقع ہے؟"

**احمد موسیٰ**: "بات یہ ہے کہ قصہ ذرا عریاں ہے۔ لیڈیوں کی موجودگی میں کہنے والا نہیں تھا۔ علاوہ ازیں اس کو صرف بے تکلف دوستوں ہی تک محدود رہنا چاہیئے۔"

**مسٹر نقوی**: "کہو کہو۔ مگر ناممکن ہے جو میری الٹی گواہیاں گذرانے والے قصے سے بڑھ جائے۔"

**مسٹر قریشی**: "ارشاد ہو"

**احمد موسیٰ**: "ان دنوں کا قصہ ہے، کہ مجھے ولایت سے آئے دو برس گذرے تھے اور جوائنٹ مجسٹریٹی سے ترقی پا کر ضلع کا کلکٹر ہو گیا تھا، ایک ضرورت سے دلی جانا پڑا، اسوقت میری پاس والد صاحب کا پرانا کار تھا، خوب کام دیتا تھا۔ اور اس دفعہ سے پہلے اس نے کبھی دھوکا نہیں دیا تھا، میں سات بجے صبح اٹھا۔ منہ ہاتھ دھو کر جلدی جلدی کپڑے پہن، تیار ہو کار پر دلی روانہ ہو گیا۔ دس بجے تک نئی دلی پہونچ گیا۔ گیارہ بجے تک کام سے فراغت ہو گئی۔ میری جو شامت آئی تو میں نے شوفر سے کہا۔ قطب مینار۔ لال قلعہ گھماتے چلو۔ خیال تھا کہ اس طرح بارہ بج جائیں گے۔ پھر کسی ہوٹل میں کھانا کھاؤں گا۔ اور ڈیڑھ بجے تک روانہ ہو جاؤں گا۔ چار بجتے بجتے گھر پہونچ جاؤں گا۔ موسم خوشگوار تھا۔ یہی زمانہ ہو گا۔ اتنی سردی تھی کہ دھوپ ناگوار نہیں گزرتی تھی

اتفاق سے میں صبح کو ضروریات سے فارغ نہیں ہو سکا تھا، قطب مینار پہونچتے پہونچتے مجھے رفع احتیاج کی ضرورت محسوس ہوئی۔ مگر اس وقت اس کی اہمیت نہ سمجھی وہاں سے کچھ دور جا کر تکلیف بڑھ گئی۔ اب میں گھبرایا اور ادھر ادھر خیال دوڑانے لگا۔ کوئی دوست آشنا سا ذہن میں آئے جہاں پہونچکر اس اذیت سے نجات حاصل کر دوں، نہیں تو پھر کسی معزز ہوٹل کو چلوں، اس وقت مجھے فاروقی کا خیال آیا۔ میں نے شوفر کو ان کے مکان کا پتہ بتایا۔ اور کہا۔

"ذرا تیز چلو، مجھے ہاتھ لینا ہے۔"

میرا شوفر بیمار تھا، میں نے ایک ڈپٹی کے شوفر کو بلا لیا تھا۔ وہ نہ معلوم کیسا گنوار تھا۔ میری بات نہیں سمجھا۔ اور نہ جانے کس راستے سے شہر کے باہر باہر ہوتا ہوا چلا۔ موٹر تیز جا رہا تھا اس سے آس بندھی تھی۔ اور ابھی تک معاملہ بھی قابو سے باہر نہیں ہوا تھا۔ موٹر ویرانے سے گزر رہا تھا اور میں سوچ رہا تھا کہ لوگ جنگلوں اور کھیتوں میں کیسے رفع احتیاج کر لیتے ہیں۔ یہ ہندستانیوں کی بد تہذیبی کی حد ہے۔ مگر یقین مانو کہ جس وقت اذیت زیادہ ہوتی تھی میرا بھی یہی جی چاہتا تھا کہ موٹر کو رکوا کر وہیں کسی جگہ فراغت حاصل کر لوں۔ مگر پھر سوچتا کہ شوفر بھی کہے گا" بڑے صاحب" بھی کیا دیہاتی ہیں، اور کچھ عجب نہیں کہ جو منع کرنے پر بھی ڈپٹی سے کہدے تو پھر ضلع بھر میں ہنسائی ہو۔

میری بے چینی بڑھتی جا رہی تھی اور میں ہر گڑھے اور ہر بڑے درخت کو للچائی نظروں سے دیکھتا کہ اس کو کس کس رخ سے اپنے کام میں لا سکتا

اسکے پاس گیا، اور میں بھی سیکڑوں مشکلوں سے پھونک پھونک کے قدم دھرتا اسکے پیچھے ہو لیا۔

**شوفر**۔ جناب حکیم صاحب یہ ہمارے صاحب ہیں۔ ضلع ۔۔۔ کے کلکٹر ہیں۔ ان کا موٹر سڑک پر کھڑا ہوا ہے۔ اسوقت بہت پریشان ہیں۔ کیونکہ رفع حاجت کی کوئی صورت نہیں نکلتی۔ حکیم صاحب نے غور سے میری طرف دیکھا، میرے سوٹ اور ہیٹ سے مرعوب نظر آئے۔ مجھے کامیابی کی امید بندھی۔ وہ بہت ادب سے کہنے لگے۔

"معلوم تو ہو کیا حاجت ہے کیا شکایت ہے؟"

شوفر نے ان کی نافہمی کو دیکھ کر میری طرف دیکھا۔ گویا اجازت مانگ رہا تھا کہ صاف صاف کہدوں، میرے چہرے سے مجھے اتنے کسے ہوئے تھے کہ ان پر رضامندی یا نارضامندی کسی قسم کے جذبات پیدا کرنا اسوقت تو بالکل ہی ناممکن تھا مگر وہ میری حالت زار دیکھ کر سمجھ گیا۔ اور حکیم صاحب سے عاجزی سے کہنے لگا

"آپ کے یہاں بیت الخلا جانا چاہتے ہیں"

سارے صاحب ان کے تو تن بدن میں چنگاریاں لگ گئیں گویا کہ شوفر نے کہدیا آپ کی روح کی بھگا لے جانا چاہتے ہیں۔

**حکیم صاحب** "ملعونو۔ بدمعاشو غنڈو۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔"

میرے پاس اتنا وقت کہاں تھا جو ان کی طلاقت لسانی کا جواب دیتا، یا انھوں نے جو فرد جرم لگائی تھی اس کی صفائی پیش کرتا۔ حالانکہ چلنے کی مقدرت نہیں تھی۔ قدم قدم پر رسوائی کا خطرہ تھا مگر اسی حالت میں جیوں تیوں بھاگا۔ حکیم صاحب گالیاں دیتے گلی کے نکڑ تک آ گئے اس کے بعد جتنا ہم لوگ دور ہوتے جاتے تھے اتنی وہ اپنی آواز بلند کرتے جاتے۔ میں تو سمجھا تھا شاید ہم لوگوں کے بھاگنے کا کوئی فائدہ نہو۔ قیامت تھی کہ وہ کہہ رہے تھے۔

"بڑا کلکٹر بن کے آیا میرے گھر کو بم پولیس سمجھا۔ ایسے کلکٹروں کو خوب پہچانتا ہوں"

راہگیر، دوکاندار ہم لوگوں کو حیرت سے تک رہے تھے۔ توائے یہ حال مار سچ کہتا ہوں۔ رونا آرہا تھا۔ جی چاہتا تھا کاش زمین پھٹ جائے اور میں سما جاؤں، حکیم صاحب پر ہزاروں لعنتیں بھیج رہا تھا۔ یہی ہے انسانی ہمدردی، اسی کا نام ہے اسلامی اخوت ہے۔ جس قوم کی یہ حالت ہو کہ ایک بھائی ذرا سی مصیبت میں دوسرے کا شریک نہو اس پر جتنا ادبار نہ آ جائے تھوڑا ہے۔ آخر ہم لوگ گرتے پڑتے حکیم صاحب کی زد سے نکل آئے۔ یا کوئی مریض آ گیا جس سے وہ خاموش ہو گئے۔ تب میں نے شوفر سے لجاجت سے کہا۔

میاں ایک دفعہ اور کوشش کر دیکھو۔ خدا بڑا مسبب الاسباب ہے۔ اب کی کسی غریب مسلمان بھائی کو تلاش کرو۔ اس کو یہ پانچ روپیہ کا نوٹ دیکر معاملہ طے کرا دو۔ مگر برائے خدا یہ نہ کہدینا کہ میں کلکٹر ہوں۔"

شوفر میری حالت پر بے طرح ترس کھا رہا تھا۔ فوراً نوٹ لیکر ایک تنبولی کی طرف دوڑا جو چھوٹی سی دوکان پر سامنے بیٹھا تھا۔ اسوقت میں حسرت سے اپنے گھر کا صاف ستھرا "باتھ روم" اور اس کا چمکدار پاٹ یاد کر رہا تھا۔ کبھی کبھی والد کے گھر کا صاف ستھرا مشرقی وضع کا بیت الخلا یاد آتا۔ مگر وہاں تک پہونچنے کا خیال ہی بیسود تھا۔ وہ کہیں اور میں کہیں۔

شوفر نے تنبولی سے پوچھا۔

"مسلمان ہو؟"

"جی"

"ایک کام کرو پانچ روپیہ ملیں گے۔ صاحب کو اپنے گھر میں رفع حاجت کرا دو۔"

"کیا؟!"

میری طرف غور سے دیکھنے لگا۔

شوفر "ارے بیت الخلا۔ تیرے گھر میں بیت الخلا ہے۔ صاحب بیت الخلا تشریف لے جائیں گے" تنبولی ملعون حکیم صاحب سے بھی بڑھ کر کمینہ نکلا۔ مارے ہنسی کے لوٹن کبوتر ہو گیا ہم لوگ جواب کے منتظر کھڑے تھے۔ مگر اس کے منھ سے مارے ہنسی کے آواز ہی نہیں نکلتی تھی۔ گویا ہم اس کے سامنے بھانڈوں کی نقل کر رہے تھے۔ دو چار خریدار بھی دوکان کے سامنے کھڑے تھے۔ دو ایک ان میں سے بھی زور زور سے ہنسنے۔ باقی پوچھنے لگے "کیا بات ہے؟ کیا بات؟"

یا اللہ رسوائی۔ اب کہاں جاؤں۔ ہائے کیا مٹی پلید ہوئی کہاں میں اور کہاں یہ حال۔ دماغ تک کی رگیں پھٹی جا رہی تھیں۔ معلوم ہوتا تھا کہ ایک آتش فشاں ہے جو اب پھٹا اور اب پھٹا۔ جی میں یہی آتا تھا کہ جتنا انسان کر سکتا تھا کر لیا۔ اب علان شکست کر دو۔ گھر چلکر نہا لینا۔ لیکن قسمت اچھی تھی۔ اسی وقت ایک شخص نے جو دو منٹ سے میرے برابر کھڑا تھا۔ بلکہ شاید دیر سے ساتھ ساتھ تھا۔ مگر میں نے اس کی طرف خیال بھی نہیں کیا تھا بولا

"حضور۔ ادھر کچھ دور پر بڑا صاف بم پلس ہے میں ابھی ابھی حضور ہی کی خاطر دو گھڑے پانی سے صاف کرکے آ رہا ہوں حضور ان چھوٹے لوگوں سے کام تھوڑے ہی بنے گا۔ یہ دوکانوں کے رہنے والے سب صبح کو بم پلس جاتے ہیں"

اسوقت بھنگی کی اس ہمدردی سے میری طبیعت بہت متاثر ہوئی۔ ایک حکیم صاحب کو دیکھو۔ ملعون تنبولی کو دیکھو۔ اور اس غریب بھائی کو دیکھو۔ پھر بھنگی ہماری خدمت کتنی کرتے ہیں۔ اگر یہ لوگ کام نہ کریں تو ہمارے پیٹ کبھی صاف نہوں۔ میں نے فوراً اس کا شکریہ ادا کیا۔ اور ساتھ ہو لیا۔ مگر کن مشکلوں سے چلا ہوں۔ میرے قدم بہت چھوٹے چھوٹے اور گھوم کر پڑ رہے تھے۔ گویا میں کوئی ڈانس ایجاد کر رہا ہوں۔ یا کسی کسبی کی اٹھلاتی چال کی نقل اتار رہا ہوں۔ آخر کار کسی طرح اسی پہیے والے بم پلس کے سامنے پہنچ گیا ریل کی چھوٹی لائن کے ڈبوں کے برابر ایک لوہے کا ڈبہ تھا۔ جس میں چھوٹے چھوٹے کئی ایک خانے تھے۔ ایک میں چھوٹے چھوٹے دروازے لگے تھے۔ نیچے کالے کالے ڈبے دکھائی دے رہے تھے۔

اب معلوم ہوا کہ یہ جگہ درحقیقت اتنی بری اور گندی نہ تھی جتنی پہلی نظر میں معلوم ہوتی تھی۔ بھنگی نے پٹ کھول کر دکھایا تو اندر خاصا صاف تھا۔ میں نے سوچا کہ آخر جو لوگ اسکو استعمال کرتے ہیں وہ بھی آدمی ہی ہوتے ہیں۔ انسان انسان سب برابر ہیں۔ میں کیوں نہیں استعمال کرسکتا ہوں بھنگی بولا۔

حجور بڑے لوگ جب جرورت پڑجاتی ہے تو یہیں آتے ہیں۔ ہم لوگ کیا سکھتے پھرتے ہیں۔"

میں نے پتلون کی پیٹی پر ہاتھ ڈالا۔ بیچارہ بھنگی مڑ کر ایک صاف بدھنی میں پانی لایا۔ اتنے میں تانگے کی آواز آئی۔ اور شوفر صاحب اپنی کارگزاری دکھانے کو اس پر بیٹھے آ پہونچے۔

"صاحب آپ سے۔ لئے یہاں سے قریب ہے بمشکل سے پانچ منٹ کا راستہ ہوگا وہاں کا باتھ بہت صاف ہے۔ زمین پکی ہے۔ دیواروں پر تارکول پھرا ہوا ہے۔ قلعی کئے ہوئے لوٹے میں پانی ملے گا۔ آپ کہیں تو گرم پانی بھی مل جائے گا۔

جنت کی تصویر کیا اتنی دلفریب ہوگی جتنی اسوقت میرے لئے اس باتھ کی تصویر تھی مگر وقت تنگ تھا حالت بگڑ چکی تھی۔ نہ معلوم کن دقتوں سے چند سکنڈ شوفر کی خطابت سنی۔ مجھ میں تو آواز نکالنے کی سکت نہ تھی۔ دل ہی دل میں کہتا ہوا ع

"بعد مردن دولت قاروں بھی ہاتھ آئی تو کیا"

اور کیا بتاؤں شوفر کی بات ادھوری چھوڑ کس بے بسی سے ایک خانے کے اندر سن سے گھس گیا۔

ایک ہی منٹ کے بعد اندر سے پکار کے کہا۔

"وہ پانچ روپیہ کا نوٹ بھنگی کو دیدو"

# تبصرہ

## انمول جواہرات

بمصنفہ ہربرجن لال ورمن۔ صفحات ۶۴۔ لکھائی چھپائی کاغذ اوسط قیمت آٹھ آنہ ملنے کا پتہ۔ سرن داس۔ پریم نگر۔ دیال باغ آگرہ۔

گیارہ مضمونوں کا مجموعہ ہے۔ شروع میں پنڈت امرناتھ ساحر کی چھ شعروں کی نظم ہے۔ پانچواں شعر ہے کتاب کی شان میں۔

دلوں کو کرتی ہے مضبوط اور شانوں کو عمل کی دیتی ہے ترغیب نوجوانوں کو

حیرت ہے کہ اب تک اس شعر کا حق تصنیف ہندوستانی دواخانے نے نہیں خرید لیا۔ آخری شعر ہے

نگاہ اس پر پڑے جسکی مشتری ہوجائے۔ پڑھے جو کوئی ابوجہل جوہری ہوجائے۔

دوسرے مصرع کا مطلب یہ سمجھ میں آتا ہے۔ کہ انسانوں کی دو قسمیں ہیں۔ ابوجہل اور جوہری۔ جو ابوجہل ہے۔ وہ جوہری نہیں ہوسکتا ہے اور جو جوہری ہے وہ ابوجہل نہیں۔ لیکن انمول جواہرات کے پڑھنے سے قسم اول کے لوگ قسم دوم میں۔ داخل ہوجائیں گے۔

مضامین دو طرح کے ہیں۔ دینی اور دنیاوی۔ دینی میں تو ثابت کیا گیا ہے کہ رادھاسوامی مت تمام مذہبوں سے اچھا ہے۔ اس کی تائید میں دلیل کی قسم کی جو باتیں کہی گئی ہیں۔ وہ عقل کو تو بالکل نہیں بھاتیں۔ کسی کے دل کو لگ جائیں تو بات دوسری۔ رہے دنیاوی مضامین۔ ان میں سے ایک ہے "ہریجن کی تحریک" لکھتے ہیں "تبدیل مذہب اچھوت جاتیوں کا بھلا نہیں کرسکتا۔ ان کے مصائب دراصل سوشل اور اقتصادی ہیں۔ ملک کی توجہ ابھی سائنس اور انڈسٹری کے جانب نہیں ہے۔ اگر کانگرس اپنے اقتدار سے ملک بھر میں ہزارہا کارخانہ جات ... قومی سرمایہ سے جاری کرائے.. ہندوستان کے تمام دکھڑے دور ہوسکتے ہیں... ملک روس اور جاپان۔ اور اٹلی... کے اس عروج ترقی کا راز.... سائنس اور انڈسٹری"

بیچارے مصنف کو یہ نہیں معلوم کہ دنیا کا سارا فساد انڈسٹری ہی کا اٹھایا ہوا ہے۔ اسی کے لئے کچا مال اور بازار دونوں کی تلاش میں لڑائی کی ٹھنی ہے انکو یہ بھی نہیں معلوم کہ روس اور جاپان کا بھاؤ ایک ساتھ نہیں کیا جاسکتا آخر میں کچھ مقولے ہیں۔ مقولوں سے نصیحت کرنا ایک مرض ہے جو کم عقلی سے پیدا ہوتا ہے۔ جب آدمی کو زندگی مسلسل چیز نظر نہیں آتی تو وہ سمجھنے لگتا ہے کہ اچھائی برائی کپڑوں کی طرح ہے جسکو آدمی بہ رضا و رغبت یعنی خود پہنتا ہے جب چاہے ایک اتار کر دوسری پہن لے ان مقولوں میں جو تضاد ہوتا ہے۔ وہ ایسے برقانی کو نہیں سوجھتا۔ مثال کے طور پر چند مقولوں کو لیجئے۔

"جو اپنے باپ سے نیکی نہیں کرتا وہ اپنے بیٹوں سے نیکی کا امیدوار نہ رہے"

اگر زید نے اپنے باپ سے نیکی کی تو اس کا بیٹا عمرو بھی اس کے ساتھ نیکی نہ کرے گا۔ اب چونکہ عمرو نے اپنے باپ کے ساتھ نیکی نہیں کی اس لئے اس کا بیٹا اس کے ساتھ نیکی نہیں کریگا۔ چلا یہ سلسلہ ابد تک۔

"سختیوں اور رکاوٹوں کا مقابلہ کرکے اپنی مردمی کی اعلیٰ طاقت کو نشو نما دو۔ (۲) ہر حالت میں خوش رہنے کی عادت اتنا اطمینان اور تسکین دیتی ہے جتنا کوئی اور عادت نہیں بخشتی۔ یہ دونوں مقولے ایک دوسرے کی ضد ہیں جو شخص ہر حالت میں خوش رہ سکتا ہے۔ وہ کبھی سختیوں اور رکاوٹوں کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ رکاوٹ سے جب آدمی کی طبیعت بےچین ہوتی ہے۔ تب اس کو دور کرنا چاہتا ہے جب بےچینی پیدا ہو گئی تو ہر حال میں خوش رہنا کیا معنی؟

اردو کی غلطیاں قدم قدم پر ملتی ہیں۔ ایک جگہ لکھتے ہیں "میانہ روی کی چال" ایک جگہ اور کہتے ہیں "اردو زبان میں اس قسم کے گراں پایہ لٹریچر کا عدم وجود برابر ہے" کہنا یہ ہے کہ اتنا کم کہ نہونے کے برابر ہے مجموعی طور پر کتاب ایسی ہے کہ پڑھنے سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

## روزنامہ صبح

ایڈیٹران۔ اے۔ آر۔ الف چودھری ایس کے جال۔ صفحات ۴۔ قیمت ایک پیسہ (۸۹ نظیرآباد لکھنؤ) اس اخبار نے ایک ضرورت کو پورا کردیا یہ پابندی سے صبح سویرے نکل جاتا ہے۔ بہت سستا ہے۔ اور اچھی ترتیب سے تمام ضروری خبریں درج کرلیتا ہے۔ اڈیٹوریل نہیں ہوتا۔ اس کا مقصد شاید صرف اتنا ہے کہ ضروری چیزیں پبلک تک صبح صبح پہونچ جائیں۔ اور اس مقصد میں اخبار کامیاب ہے۔

مراسلہ:

# آنریری مجسٹریٹ

اس نوع کے انسانوں میں کنور ۔ رائے صاحب اور خان بہادر کے علاوہ کا گذر نہیں ۔ دنیا میں انسان کی حفاظت کے لئے نہیں تو کم ازکم انصاف کے نام پر عدالتیں قائم کیجاتی ہیں ۔ اور ایسے لوگوں کے سپرد کیجاتی ہیں جن میں سمجھ بوجھ ۔ ایمانداری سے کام کرنے کی اہلیت ہو ۔ مگر ہندستان میں بقول مسٹر ینگ چیف جسٹس " آئے دن انصاف بڑی سے بڑی قیمت پر بکتا ہے " ساتھ ہی یہاں عجیب اجتماع ضدین ہے ۔ حاکم کو سند یافتہ اور قابل ہونا چاہئے لیکن اگر تنخواہ کی دم کتر دی جائے تو پھر ہر خواندہ اور ناخواندہ بڑے فخر سے عدالت کی کرسی پر بیٹھ سکتا ہے ۔ حکومت کی نگاہ میں چاہے ڈگری کی وقعت نہو ، مگر ایک قیمت ضرور ہے ۔ جو چند خوش نصیبوں کو ماہ بماہ ملتی رہتی ہے ۔

جس طرح تعلیم یافتہ جماعت کی سندوں کی کوئی قیمت نہیں اسی طرح انصاف کی بھی نہیں ۔ انصاف کی باگ ڈور اگر دیجاتی ہے تو جاہلوں کو ۔ گورنمنٹ تعلیم یافتہ طبقہ کو نہ روزگار دینا چاہتی ہے اور نہ عزت ۔ بالعموم جن لوگوں کو آنریری مجسٹریٹی کا خلعت ملتا ہے ۔ انکو دیکھکر معلوم ہوتا ہے کہ یہ انعام ہے آستاں بوسی کا ، اور " جی بجا ارشاد " کا ۔ ان عہدوں کی لالچ بندگان حرص کو جس پستی کی طرف لے جا رہی ہے اس سے عوام کا جتنا نقصان ہو ، مگر گورنمنٹ کا تو الو سیدھا ہے ۔

حکومت کی نگاہ میں آنریری مجسٹریٹ کی اتنا معمولی چپراسی رکن حکومت ہے ، مگر یہ وقعت ان کو خود نصیب نہیں ۔ ہر سرکاری اور غیر سرکاری مجلس کے انتخابوں میں حصہ لینا ۔ انتخابوں میں اپنے اثر و اقتدار سے ملک کے سچے خادموں کے راستہ میں روڑے اٹکانا ۔ ناسمجھ لوگوں کو گمراہ کرنا ، اپنے حق میں رائے دینے والے بدنصیبوں کو ایک جنبش قلم سے بڑے گھر کی ہوا کھلانا ۔ ہر قومی تحریک کی مخالفت کرنا ، اور ہر فرقہ وارانہ تحریک کی حمایت کرنا انکا ایک فرض منصبی ہے ۔ گورنمنٹ کے یہ سب سے بڑے ہوا خواہ ، محافظ اور بلا تنخواہ کے ایجنٹ ہیں ۔ انکے اعمال کے سامنے پولیس کے سیاہ کارنامے بھی ہیچ ہیں ۔

آج کل ایسے وکیلوں کی کمی نہیں جو اپنی شکم پری کے لئے آنریری مجسٹریٹوں کی خوشنودی کو ایمان سمجھتے ہیں ۔ ان کو ہر طرح کی جائز و ناجائز مدد دیتے ۔ اور اصل یہ ہے کہ نہیں وکیلوں کے سہارے پر ان لوگوں کے فیصلے چلتے ہیں ۔ اور انہیں فیصلوں کے زور پر وکیل غریبوں کی جیبوں پر دن دھاڑے ڈاکہ ڈالتے ہیں ۔

اگر کانگریسی حکومت ان کو بالکل مٹا نہیں سکتی تو کیا یہ بھی نہیں کر سکتی کہ ان کے اختیارات محدود کر دے اور ہر غیر سرکاری جماعت کی رکنیت کے دروازے ان پر بند کر دے ۔

" ایک وکیل "

# نوٹس

**باجلاس جناب تحصیلدار صاحب ام بنسی گھاٹ**

بکرمی سنگھ　　مدعی

بنام

مسماۃ بلونتا　　مدعا علیہ　　دعویٰ تصحیح کھیوٹ موضع بیرا پور وغیرہ

بنام مسماۃ بلونتا بیوہ بہادر سنگھ قوم ٹھاکر ساکن گورپرگنہ دریاباد مزرعہ ارمدہ پرگنہ دریاباد مدعا علیہ

چونکہ مدعی نے تمہارے نام ایک دعویٰ تصحیح کھیوٹ کا بابت موضعات مذکورہ بالا دائر کیا ہے اور تمہارا کوئی خاص پتہ جائے سکونت کا نہیں چلا لہذا اور بذریعہ نوٹس ہذا تمکو اطلاع دیجاتی ہے کہ بتاریخ ۲ ستمبر ۳۷ء اجلاس ہذا پر حاضر ہو کر جوابدہی کرو در صورت غیر حاضری تمہارے مدعی کے ثبوت پر مقدمہ کا فیصلہ کیا جاوے گا ۔ تم خود اصالتاً حاضر ہو یا ذریعہ مختار عام کے حاضر ہو سکتے ہو بہر صورت حاضری معہ ثبوت مکمل حاضر ہو ۔ آئندہ پھر کوئی عذر قابل سماعت نہوگا ۔ فقط

آج بتاریخ ۔ دستخط اور مہر عدالت سے جاری کیا گیا

دستخط　　(مہر عدالت)

ہندستان نیوز پیپرس لمیٹڈ لکھنؤ کیطرف سے حیات اللہ انصاری ایڈیٹر و پبلشر نے باہتمام گوری لال سکسینہ سلطانیہ برقی پرس سے چھپوا کر ۲ نیل روڈ لکھنؤ سے شائع کیا

ہفتہ وار
ہندستان
لکھنؤ

جلد (۱) نمبر (۶) | ۱۲ ستمبر ۱۹۳۷ء | فی پرچہ ۱/ سالانہ ۳ روپے

# فوج پر خرچ

مرکزی اسمبلی میں کانگرس نے یہ تجویز پیش کی کہ فوج کے اخراجات سے ۱۷ کروڑ بچا کر ان صوبوں کو دیا جائے جہاں کانگرس کی وزارتیں ہیں، تاکہ یہ رقم قومی تعمیر میں خرچ ہو۔ ان کی دلیل یہ تھی کہ ان فوجوں کا مقصد صرف یہ ہے کہ انگریزی مفاد کو نہ تو ہندستان کے اندر نقصان پہونچے اور نہ کوئی بیرونی طاقت اس میں حصہ بٹا سکے، ایسی فوج کو رکھنا ہندستانی ٹیکس دہندہ کب گوارا کرسکتے ہیں؟ وہ تو چاہتے ہیں کہ یہ سامراجی دنیا جلد سے جلد ختم ہوجائے۔ اگر انگلستان کو اپنی غرض کے لئے فوج رکھنا ہے تو اسکے اخراجات اُٹھائے۔ رہا اندرونی امن، تو سیتہ مورتی نے کہا کہ کم ازکم ان صوبوں میں جہاں کانگرس کی وزارتیں ہیں امن قائم رکھنے کیلئے فوج کی کوئی ضرورت نہیں۔

حکومت کی طرف سے جو جوابات دئے گئے اس سے پتہ چلتا ہے کہ بحیرہ روم اور چین کے معاملات سے حکومت کتنی گھبرائی ہوئی ہے۔ اور کس فراخ دستی سے ہندستان کا روپیہ اور اس کے آدمی اپنے نفع پر قربان کرنا چاہتی ہے۔ فائننس ممبر نے اس بات پر مایوسی ظاہر کی کہ برطانیہ ہندستان کی فوج کیلئے اخراجات میں ہاتھ بٹائے گی، کیونکہ اسوقت بحیرہ روم، چین کے معاملات اور لڑائی کے خطرے کی وجہ سے اسکو اپنے اخراجات کتنے بڑھا دینا پڑے ہیں؟ یہ تو صاف اقرار کرتا ہے کہ چونکہ ہمارے اخراجات بہت ہیں لہٰذا ہم تمہارا روپیہ چھین لونگا

دفاعی سکریٹری کی ایک دلیل یہ بھی تھی کہ اگر فوج کے اخراجات آبادی پر تقسیم کئے جائیں تو انگلستان کا فی کس اوسط ہندستان کے فی کس اوسط سے بہت زیادہ ہوتا ہے۔ اگر یہی حساب دانی ہے تو یہ بھی بتا دیا ہوتا کہ ہندستان کی فی کس آمدنی انگلستان کی فی کس آمدنی سے کتنی کم ہے۔ یہ بات مسلم ہوچکی ہے کہ ہندستان کی آمدنی کے تناسب سے یہاں کی حکومت بہت قیمتی پڑتی ہے۔ اور اس حکومت کا سب سے زیادہ قیمتی حصہ فوج ہے۔

مسٹر آصف علی نے بتایا کہ چھوٹی سی انگریزی فوج جو ہندستان میں رہتی ہے اس پر تیس کروڑ روپیہ صرف ہوتا ہے۔ اگر ایسا ہی فوج رکھنا ہو تو اس سے کم خرچ میں ہندستانیوں کی اس سے بڑی اور اچھی فوج رکھی جاسکتی ہے۔ دفاعی سکریٹری نے کہا کہ انگریزی فوج یہاں رکھنے کا مقصد یہ ہے کہ وقت پڑنے پر وہ برطانوی فوج کا ساتھ دے سکے۔ ان دلیلوں کو دیکھ کر ذرا حیرت نہیں ہوتی جو حکومت کو رلائے ملینے کے بعد سخت ناکامی اُٹھانا پڑی۔

---

**کلکتہ** میں ۲ ستمبر کو آل انڈیا کسان ڈے منایا گیا۔ البرٹ ہال میں میں جلسہ ہوا، اور کسانوں نے وزارت سے یہ مطالبے کئے کہ زمینداری نظام کو فنا کردیا جائے۔ (۲) تعلیم عام ہو، مفت ہو، اور اسکے لئے عوام پر کوئی ناجائز ٹیکس نہ لگایا جائے (۳) اور فوراً پچاس فیصدی لگان کم کردیا جائے۔ تمام مطالبے ٹھیک ہیں۔ لیکن اگر کسان یہ حاصل کرسکتے ہیں تو صرف اپنی جماعت کی تنظیم سے، اور اپنی جد وجہد کو آگے بڑھانے سے جس کی بنگال میں خاص کمی ہے۔

---

**مونگیر تمباکو کمپنی** میں کچھ مزدوروں نے مزدور سبھا بنانے کی کوشش کی۔ مالکوں کو پتہ چلگیا۔ فوراً سکریٹری سمیت اپنے پندرہ کام کرنے والوں کو ملازمت سے الگ کردیا۔ بہار کے کانگرسی وزیر اعظم

نے تحقیقات شروع کی ہے۔ مزدور سبھا بنانا وہ معمولی سا حق ہے جو دوسرے ملکوں کے مزدوروں کو کب کا حاصل ہو گیا ہے۔ مگر ہندستان میں ابھی تک "بغاوت" سمجھا جاتا ہے، اور اسوقت تک سمجھا جائے گا جب تک مزدور اپنی قوت بازو سے یہ حق نہ حاصل کرلیں، جس طرح کانپور کے مالکوں کو مزدور سبھا کو تسلیم کرنے پر مجبور کیا گیا، اسی طرح کانگریس کو چاہئے کہ مونگیر تمباکو کمپنی کے مالکوں کو مجبور کرے۔

---

**بنگال کی وزارت** کی حامی ایک جماعت نے اخباروں میں بیان دیا ہے جسمیں انھوں نے بتایا کہ وہ وزارت یا زمینداروں کے اندھے حامی نہیں ہیں۔ بلکہ کاشتکار کی حمایت کیلئے بہت بے چین رہتے ہیں۔ انھوں نے بتایا ہے کہ لگان کی بحث کے موقع پر انھوں نے تخفیف لگان کی ایک تجویز کی مخالفت کیوں کی۔

"ہم لوگوں کا قطعی ارادہ تھا کہ ہم وزارت کو برقرار رکھیں گے تاکہ وہ کاشتکاروں کی بھلائی کی سب کوششیں کر سکے اور اسی لئے ہم لوگوں نے کانگریس کے ساتھ ووٹ نہیں دیا۔"

دعویٰ چاہے جو ہو، مگر بیان تو یہ کہتا ہے کہ یہ لوگ وزارت سے بہت زیادہ ہمدردی رکھتے ہیں، اور کاشتکاروں سے کم۔

---

## وائسرائے کا مشورہ

مسٹر گاڈگل نے مرکزی اسمبلی میں یہ قرارداد پیش کرنا چاہی۔

"دنیا پر جنگ کا خطرہ دیکھتے ہوئے جس میں ہندستان کے الجھ جانے کا اندیشہ ہے۔ یہ اسمبلی گورنر جنرل اور انکی کونسل سے خواہش کرتی ہے کہ وہ ملک معظم کی حکومت تک اس کی طے کی ہوئی بات پہونچا دیں کہ موجودہ حالات میں ہندستان کے مفاد کے لئے یہ مضر ہوگا کہ وہ ایسی کسی لڑائی میں حصہ لے۔"

ہز ایکسیلنسی نے اس قرارداد کو پیش نہیں ہونے دیا۔ جو عذر کیا وہ عجیب تھا۔ یعنی یہ قرارداد ہندستان کی پبلک کے مفاد کے خلاف ہے۔ گویا ہم ہندستانی بہت ناسمجھ ہیں۔ نہیں جانتے کہ کونسی بات ہمارے لئے مفید ہے اور کونسی بات مضر۔ کیا اچھا ہوتا اگر ہز ایکسیلنسی بات صاف طرح کہتے۔ یعنی یہ قرارداد برطانوی سامراج کے مفاد کے خلاف ہے۔

---

## اڑیسہ کے اسپیکر کا فیصلہ

اڑیسہ اسمبلی کے اسپیکر کے انتخاب کے بعد جب بندے ماترم گایا گیا تو سرکاری افسران اپنی جگہ پر کھڑے نہیں ہوئے۔ اسپیکر نے اپنی بھلمناہٹ دکھائی اور یہ فیصلہ کیا کہ افسروں نے کوئی بات قابل اعتراض نہیں کی کیونکہ افسران اسمبلی کے ممبر نہیں، اس لئے جو اخلاقی پابندیاں ممبروں پر عائد ہوتی ہیں ان پر نہیں ہوتیں۔ اسکے علاوہ افسروں کو صدر کی طرف سے پہلے سے کوئی ہدایت نہیں دی گئی تھی کہ انکو ایسے موقع پر کھڑا ہو جانا چاہیئے۔ اس لئے یہ توقع نہیں کی جا سکتی کہ انھوں نے جان کر صدر کی، اور قومی جذبات کی بے حرمتی کی، معلوم نہیں کہ اس تفسیر سے تمام ممبران مطمئن ہو گئے یا نہیں۔

افسر چھوٹے بچے نہیں ہیں جنکو اس طرح ہدایت دینے کی ضرورت ہو کہ اب کھڑے ہو جاؤ۔ اب بیٹھ جاؤ۔ یہ انکو خوب معلوم ہے کہ بندے ماترم قومی گیت ہے اور شاہی جھنڈے کے سلام نے انکو یہ بھی بتا دیا ہے کہ ایسے موقع پر کھڑا ہو جانا چاہیئے۔ ہاں یہ کہ وہ دیدہ دانستہ قومی جذبات کی بے حرمتی نہیں کر سکتے۔ اس کا تجربہ گذشتہ بیس برسوں میں خوب ہو چکا ہے۔

---

## صوبہ سرحد کی نئی وزارت

۲ ستمبر کو ڈاکٹر خانصاحب نے گورنر سے ملاقات کی۔ وزارت کے لئے یہ نام طے ہوئے۔

(۱) ڈاکٹر خانصاحب (۲) قاضی عطاء اللہ (۳) مسٹر بھانجو رام گاندھی (۴) خان عباس خاں۔

اس میں خان عباس خاں جمہوری پارٹی کے ممبر ہیں۔ گویا کہ وزارت دو پارٹیوں کے اتحاد سے تیار ہوئی ہے۔ اس پر مولانا ابو الکلام آزاد نے یہ بیان دیا ہے۔

"عام حالات میں یہ بات مناسب نہیں کہ کانگریس وزارت قبول کرے اگر اس کی پوری اکثریت نہ ہو۔ . . . . لیکن ہماری باتیں ان آٹھ حضرات سے ہوئیں جنھوں نے سر عبد القیوم کی وزارت ختم کرنے میں بہت بڑی مدد کی اس سے ہمکو یقین ہو گیا کہ کانگریس پارٹی ان پر بھروسا کر سکتی ہے۔ اور متحدہ کارروائی ہو سکتی ہے۔ اسمبلی کے ان ممبران نے بہت خوشی سے کانگریس کے اصول پر کام کرنے کا وعدہ کیا۔"

---

## لونگ کی تجارت

لونگ کے تاجروں کی کمپنی ہندستانی تاجروں کی مرضی کے خلاف بنائی گئی ہے۔ اور صرف اسی کو حق حاصل ہے کہ لونگ کو خریدے، اور باہر بھیجے۔ دوسرے لوگ صرف ایجنٹ ہو سکتے ہیں جو لونگ کو چار درجہ دیکر خریدیں گے۔ اور ان کو کمپنی کے ہاتھ ان درجوں کی مقررہ قیمتوں پر فروخت کرنا ہوگی۔

یہ طریقہ کار کہاں تک درست ہے۔؟

لونگ ایسی چیز نہیں جو صاف طور پر چار درجہ میں بانٹی جا سکے۔ ایک تاجر کے نزدیک جو اول درجہ کی ہے دوسرے کے نزدیک تیسرے درجے کی ہو سکتی ہے۔ ایجنٹ جسکو اول درجے کے داموں پر خریدے گا ممکن ہے کہ کمپنی اسکو تیسرے درجے کے دام دے۔

لونگ خریدتے وقت تر ہوتی ہے، اسکا وزن زیادہ ہوتا ہے۔ لیکن جب تک ایجنٹ اسکو کمپنی کے پاس لے جائے گا اسکا وزن گھٹ جائیگا اور یہ نقصان ایجنٹ کو ہوگا۔ اسکے علاوہ تین جگہوں پر کمپنی کو براہ راست لونگ خریدنے کا اختیار ہوگا۔ لونگ کا درجہ دینا تو مشکل کام ہے۔ ممکن ہے کہ تاجر جس سامان کو تیسرے درجہ کا ٹھہرا کر نہ خریدے کمپنی اس کو اوّل درجہ کے داموں پر خرید لے، اس طرح کاشتکاروں کو بیچارے ہندستانی تاجروں پر بھروسا نہیں رہے گا وہ براہ راست کمپنی سے معاملہ کرنا پسند کرینگے، اسکا نتیجہ یہ ہوگا کہ آہستہ آہستہ تجارت ہندستانی تاجروں کے ہاتھوں

سے نکل جائے گی۔

چنانچہ مسٹر ہائنڈر نے صاف صاف کہدیا ہے کہ "اس کمپنی کا مقصد سوداگروں کو ہٹا کر کاشتکاروں سے براہ راست تعلقات پیدا کرنا ہے" یعنی جو نفع ابھی چھوٹے تاجروں کو مل رہا ہے وہ انگریزوں کو دیدیں۔

کہا جاتا ہے کہ حکومت اس طرح کاشتکاروں کی مدد کرنا چاہتی ہے۔ یہ مدد بلا کمپنی کے بھی ہو سکتی ہے۔ وہ یوں کہ جیسے ہندستان میں گنے کی قیمت مقرر کر دی گئی ہے ویسے ہی لونگ کی قیمت مقرر کر دیجیئے۔

## جاپانی بربریت

چین و جاپان کی جھڑپ شروع ہونے پر یہ خبر سننے میں آئی تھی کہ چینی طلبا جتنے جاپان میں تھے نکال دیئے گئے۔ اور اب یہ خبر سننے میں آئی ہے کہ دو سو طلبا ایک یونیورسٹی سے بھاگنے کا ارادہ کر رہے تھے اسوقت وہ مار ڈالے گئے۔ اسی طرح کی ایک خبر ہے کہ تین ہزار انسان چھانگشو میں ہوائی جہاز کی بمباری کا نشانہ بنائے گئے۔ یہ غارتگری کچھ اس سے کم نہیں ہے جو اسپینی باغیوں نے اسپین میں دکھائی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ لڑائی کے معنے کیا ہیں، کس بری طرح امن پسند شہریوں کو اس دیوی پر بھینٹ چڑھایا جاتا ہے۔ لیکن جاپانیوں کی اس بربریت پر حیرت نہیں ہوتی جبکہ ہم ان احکامات کو دیکھتے ہیں جو جنرل سوگی یام نے شانسی کے جنگی افسروں کو بھیجے ہیں۔ "اس سے پہلے کہ چین کو کسی بیرونی طاقت کو ساتھ دینے کا موقع ملے، اس جھگڑے کو تیزی سے چکا دینا چاہیئے"۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جاپانی انسانی خون کو اس بے دردی سے کیوں بہا رہے ہیں۔ اٹلی نے جب حبش میں غارتگری کے تماشے دکھائے تو دنیا کے امن کی ضامن حکومتیں بہت سکون سے تکتی رہیں، اب کیا ارادے ہیں؟ چین کے امن کے وہ وعدے کدھر گئے۔ چین نے انجمن بین الاقوامی سے مدد کی درخواست کی ہے۔ جواب معلوم!

## بحر روم کی بدامنی

عرصہ سے بحر روم سے گذرنے والے جہازوں کو نامعلوم ہوائی جہاز یا جنگی کشتیاں حملہ کر کے ڈبو دیتی ہیں۔ ان ہوائی جہازوں اور کشتیوں کے متعلق کچھ پتہ نہ چل سکا کہ کس حکومت کی ہیں۔ مینچسٹر گارجین کا سیاسی نامہ نگار لکھتا ہے۔

"کوئی ثبوت تو نہیں کہ اسپینی جہاز کو جن ابدوز کشتیوں یا ہوائی جہازوں نے ڈبویا وہ اٹلی کی تھیں۔ لیکن حالات اور ڈوبے جہازوں کے بچے ہوئے لوگوں کے بیانوں کے بعد اس میں کم شبہ رہ جاتا ہے۔ اسپین کی کشتیاں اور ہوائی جہاز بحر ایجین میں کیوں جاتے۔ اسکے علاوہ اسپین کی حکومت اور باغی دونوں کے پاس لڑائی کا سامان اتنا نہیں ہے کہ باہر بھیج سکیں۔

اسکے متعلق ایک عجیب قیاس آرائی یہ ہے کہ یورپ کے کچھ نوجوانوں نے خفیہ فوج بنائی ہے جسکا مقصد یہ ہے کہ جب دو حکومتوں میں لڑائی ہو تو دونوں پر حملہ کرے۔ دونوں کی قوتوں کو توڑ کے لڑائی ختم کر دیں۔

لیکن معلوم ایسا ہوتا ہے کہ اٹلی نے، اور بہت ممکن ہے کہ جرمنی بھی اس میں شریک ہو، اپنے ہوائی جہازوں، آبدوز کشتیوں اور جنگی کشتیوں کو حکم دے رکھا ہے کہ جس جہاز پر شبہ ہو کہ اسپینی حکومت کی کسی نہ کسی طرح مدد کرتا ہے فوراً ڈبو دیا جائے۔ اسپینی جہاز کیمپیڈر کے ملاحوں کو یقین تھا کہ ان کو جس کشتی نے گولہ باری کر کے ڈبویا اٹلی کی تھی۔ ایسا ہی جہاز ہنا کے ملاحوں کا بیان ہے۔ سب سے عجیب واقعہ کوڈاؤ۔ ڈی۔ کیڈز کا ہوا جو اسپین سے بہت دور پر ڈبو دیا گیا۔ خیال بھی نہیں کیا جا سکتا کہ باغیوں کے پاس کوئی آبدوز ہے جو اس طرح دور گھوما کرتی ہے۔"

بحر روم کی بدامنی نے برطانیہ اور فرانس کو بدحواس کر دیا ہے کیونکہ غلام ملکوں پر قبضہ رکھنے کے لئے بحر روم کا امن ضروری ہے۔ اس مسئلہ پر غور کرنے کے لئے ایک کانفرنس ہونے والی ہے۔ قیاس یہ ہے کہ اس کا حشر بھی انجمن غیر جانبداری کا ایسا ہوگا۔

## مسولینی اور اسپینی باغی

مسولینی نے سنٹانڈر کی فتح پر فرانکو کو مبارکباد دی۔ فرانسیسی اور برطانوی اخباروں نے مسولینی کا یہ رویہ پسند نہیں کیا۔ اٹلی نے اس بات کا اقرار کیا کہ اس کے بارہ جنرل فرانکو کے دوش بدوش لڑ رہے ہیں۔ ان اخباروں نے اس پر افسوس کیا اور کہا کہ اب تو غیر جانبداری، اور زیادہ مشکل ہوگئی۔ یہ اخبار مسولینی سے کیا امید رکھتے ہیں؟ کیونکہ مسولینی ہو یا ہٹلر، ان کو ذرہ برابر بھی پروا نہیں کہ غیر ممالک کے سیاستداں یا پبلک ان کے قول یا فعل کے متعلق کیا کہتے ہیں۔ ان دونوں کو اس میں کچھ مزا آتا ہے کہ یورپ کو اپنی حرکتوں سے ہمیشہ گھبرایا ہوا رکھیں۔ انکو یقین ہے کہ انگلینڈ کو لڑائی کی فرصت نہیں۔ اور فرانس بلا انگلینڈ کے لڑ نہیں سکتا۔ اس حالت سے انھوں نے خوب فائدہ اُٹھایا۔ اور اٹھا رہے ہیں۔

## اسپینی حکومت کی فتح

خبر آئی ہے کہ سارا گوسا کے قریب ایک مقام بلچائٹ کو اسپینی حکومت نے فتح کر لیا۔ پہلے گھمسان کی لڑائی ہوئی جس میں پندرہ سو باغی مارے گئے۔ پانچ سو قیدی ہاتھ لگے۔ انجام کار بلچائٹ پر حکومت کا قبضہ ہوگیا۔

کامیابی حکومت کی نئی فوج کی ہے، جسے عوام کی فوج کے نام سے تیار کیا گیا ہے۔

**جرمنی کے جنگی دیوتا کی ہمکار**

جرمنی کے جنگی دیوتا کی ہمکار سنائی دی۔ اور جنرل گوئرنگ نے ان جرمنوں کو جو باہر آباد ہیں مخاطب کر کے کہا کہ "اگرچہ ہم ساری دنیا سے زیادہ جنگ کے گر کو جانتے ہیں۔ لیکن لڑائی سے امکان بھر بھاگتے ہیں۔ ہم صلح چاہتے ہیں۔ لیکن اگر دوسری قومیں یہ نہیں چاہتی ہیں، تو ہم کو لڑنے کے لئے خوب تیار رہنا چاہیئے"

کمزور قوموں کی ایک یہ بھی بدنصیبی ہے کہ وہ لڑائی چاہتے ہیں۔ حبش نے صلح پسند اٹلی کو لڑائی پر مجبور کیا۔ چین نے خواہ مخواہ اپنا بچاؤ کر کے جاپان کو دفاعی لڑائی پر مجبور کیا۔ اب ڈر یہ ہے کہ کہیں جرمنی بھی جو انسانی ہمدردی سے اتنا لبریز ہے، کسی بدنصیب قوم سے "دفاعی لڑائی" پر نہ مجبور ہو جائے۔

# چین کی لڑائی

جاپان کو معلوم تھا کہ چین کی لڑائی مغربی حکومتوں کو ناراض کر دے گی کیونکہ انکو بھی چین سے نفع پہنچ رہا ہے۔ لیکن یقینی اس میں تھا کہ یہ ناراضگی ان حکومتوں کو شاید کچھ طرفدار نہ بنا دے گی۔ طرفداری بننے میں لاکھوں کا خرچ ہے۔ اور یہ امید بھی ہے کہ اس خرچ سے کچھ زیادہ فائدہ ہوگا۔ اسکے علاوہ نکتہ یہ ہے جیسے اٹلی نے کیا تھا ابیسنیا کی لڑائی کو ختم کر کے کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔ اٹلی نے حبش جیتا۔ اور فرانس و برطانیہ کے حقوق وہاں پر مٹ گئے۔ ان دونوں اس بت طاقتوں نے اس احسان کا بدلہ فوراً دیا کہ اٹلی جو غارت گری حبش میں کر رہا ہے اس کی طرف سے آنکھ بند کر لی۔ اگر جاپان بھی چین کی لوٹ میں سے کچھ حصہ دینے کو تیار ہو جائے تب امید تو یہ ہے کہ لالچ ان طاقتوں کو خاموش کر دے گی۔

شمالی چین میں چینی اور جاپانی فوجوں میں جو جھڑپ ہو گئی تھی کوئی سنگین بات نہ تھی۔ لیکن جاپان کی حکومت لڑائی پر تلی تھی اور یوں کھو بیٹھ رہا کے بعد چین کا ایک اور خونی جھڑپ کرنا چاہتی تھی۔ معان حکومت نے اپنے بچاؤ کے لئے فوجیں جمع کیں، پھر کیا تھا جاپان نے فوراً ہی حملہ کر دیا۔ پہلے ہی حملے میں ٹنٹسن پیپنگ ریلوے پر قبضہ جما لیا۔ اور اس کو لڑائی کا مرکز بنا کر آگے حملہ کیا۔ دو ہفتہ تک شمالی چین میں لڑائی رہی۔ چینی فوجوں نے خوب بہادری اور تنظیم دکھائی مگر جاپان کے ٹینکوں، ہوائی جہازوں، اور بم کے گولوں کا مقابلہ نہ کر سکیں۔ کئی اچھے اچھے مقامات انکے قبضہ سے نکل گئے۔ ۶ ستمبر کو جاپان نے بہت بڑی فوج اور لڑائی کا سامان لے کر سخت حملہ کیا۔ ۸ ستمبر کی خبر ہے کہ انھوں نے چینیوں کو دیوار چین سے ہٹا دیا۔ اور جاپان کی فوجیں شانسی کے صوبہ میں گھس آئیں

چین کو دو محاذوں پر لڑنا پڑتا ہے۔ شنگھائی میں اور شمالی چین میں۔ شنگھائی کا بچانا شمالی چین سے زیادہ ضروری ہے کیونکہ شمالی چین کا محاذ چین کی راجدھانی نانکن سے ۵۰۰ میل کی دوری پر ہے مگر شنگھائی کا محاذ صرف ۱۷۰ میل دور ہے۔ اگر شمالی چین میں جاپان دو سو میل اور بڑھ آئے تو بھی اتنی ڈر کی بات نہیں جتنا شنگھائی سے ۵۰ میل آگے بڑھ آنا۔ دو جگہ ساتھ ہی حملہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جاپان کو اپنی فوجی طاقت پر کتنا گھمنڈ ہے اور چین کی کمزوری کا کتنا یقین ہے کہ یہ دوری شاید مجھے نقصان نہیں پہنچائے گی مگر چین کو نقصان پہنچ جائے گا۔

شنگھائی پر حملہ تین طرح ہو رہا ہے۔ سمندر سے، ہوا سے اور خشکی سے۔ جاپان نے اپنا بیڑہ دریائے ینگ ٹزی کیانگ کے دہانے پر ووسنگ کے قلعہ کے سامنے کھڑا کر دیا۔ چینیوں نے کوشش کی مگر اسکو کچھ نقصان نہ پہنچا سکے۔ اس پر ہوائی جہازوں سے حملہ ہو سکتا تھا لیکن چین کے پاس ہوائی جہاز کم ہیں اس لئے ہوائی جہازوں کو اتنا اونچا اڑنے کا حکم ہے کہ ان کو نقصان نہ پہونچ سکے۔ بلندی سے ٹھیک طرح بم باری نہیں ہو سکتی۔ دوسری طرف جاپانی بھی اپنے سمندری بیڑے سے کوئی خاص فائدہ نہ اٹھا سکے۔ روزانہ صبح کو چینی ہوائی جہاز آتے اور رات کو اچھالے رکھتے رات گئے واپس جاتے۔ خشکی کی لڑائی میں بین الاقوامی نوآبادی میں جاپانیوں نے چینی فوجوں پر بہت دباؤ ڈالا۔ ایک دن دو طرف سے سخت حملہ کیا۔ جاپانی جنگی جہاز دریائے ہنگ ٹزی کیانگ میں آ کر کھڑے ہو گئے اور اپنی توپوں سے اپنی فوج کی مدد کرنے لگے۔ اگر چین کے پاس اچھے ہوائی جہاز اور لمبی مار کی توپوں کی کمی نہ ہوتی تو جاپانی جنگی جہازوں کو اس طرح بلا کسی بچاؤ کے کھڑے ہونے کی ہمت نہ پڑتی۔ یہ لڑائی عرصہ تک جمی رہی۔ اور اب جاپانیوں کا دعویٰ ہے کہ انھوں نے نوآبادی کا اہم حصہ چھین کر اپنا فوجی مرکز بنا لیا ہے۔

اس ہفتہ میں لڑائی کا بہاؤ تیز ہو گیا۔ جاپانیوں نے فوجیں و سامان کثرت سے بھیجا ہے۔ ووسنگ پر سخت حملہ ہوا۔ جاپانی فوجیں دریائے ..... کی آڑ میں دریا کو سمجھا کر اس پار پہونچ گئیں۔ ووسنگ کے قصبہ میں گھمسان کی لڑائی ہوئی مگر اس درمیان میں جاپانیوں کے ایک دستہ نے ووسنگ ریلوے اسٹیشن پر چھاپا مارا اور اس پر قبضہ کر لیا۔ اس حادثہ سے چینیوں کے قدم اکھڑ گئے۔ اور ووسنگ جاپانیوں کے ہاتھ آ گیا۔ اب لڑائی کا میدان ذرا ووسنگ سے آگے بڑھ کر لوشان کے میدان میں ہے۔ لوشان کو جاپانیوں نے چھین لیا تھا مگر چینیوں نے واپس لے لیا۔ پھر جاپانیوں نے چھینا اور پھر چینیوں نے واپس لیا۔ یہ بات بتاتی ہے کہ چین کتنے زور سے لڑ رہا ہے۔

لڑائی دن بدن سنگین ہوتی جا رہی ہے۔ کونوئی جاپانی وزیر اعظم نے اپنی ایک تقریر میں کہا کہ "سب سے اچھا یہ ہے کہ چین کو بالکل کچل دیا جائے تاکہ اس میں لڑنے کا بالکل دم نہ رہے" غالباً ان الفاظ کے پیچھے جرمنی کی مدد چھپی ہوئی ہے۔ کچھ روز گذرے جاپان اور جرمنی میں معاہدہ ہوا تھا کہ دونوں انسانیت کی ہمدردی میں، اشتراکیت کو مٹانے میں ایک دوسرے کی مدد کریں گے۔ جاپان کئی بار کہہ چکا ہے کہ چین کی مخالفت صرف اس لئے ہے کہ وہاں اشتراکیت زور پکڑ رہی ہے، معلوم ہوتا ہے کہ انسانیت کی ہمدردی کی تفسیر یہ ہے کہ چین کو جی بھر کر لوٹا جائے۔ جاپان کے بعض بااثر لوگوں نے یہ خیال ظاہر بھی کیا تھا کہ اب جرمنی کی مدد کا وقت آ گیا۔

دوسری طرف روس چین کی مدد کا دعویٰ کر چکا ہے۔ ایک خبر آئی ہے کہ ڈھائی سو روسی ہوائی جہاز چین پہونچ گئے ہیں، اور انیس ہوائی جہاز محاذ پر لڑ رہے ہیں۔ یہ مدد امید کے خلاف نہیں، روس کو اپنے بچاؤ کی خاطر چین کی حفاظت کرنا ہے، اور روس کا جو اثر چین میں پھیلا ہوا ہے۔ اس کا بھی اس مدد میں دخل ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ ۱۹۲۷ میں چین کے فوجی قائد چیانگ کائی شیک نے چینی اشتراکی پارٹی کو گردن زدنی قرار دیا تھا لیکن اس کو مٹا نہ سکا، وہ بات گئی گزری ہوئی۔ اب تو چین کی سلامتی اسی میں ہے کہ اس کے لیڈر عوام کی ہمدردی حاصل کر لیں۔ اور یہی بات ایسی ہے جو روس اور چین کے ملاپ کو دن بدن گہرا کرتی جائے گی۔

---

# کانگرس میں مسلمانوں کی شرکت اور "ہندو ذہنیت" کا سوال

(۱)

آج ہمارے سامنے کانگرس میں مسلمانوں کے شریک ہونے کا سوال ہے اور بڑی خوشی کی بات ہے کہ اس سوال کے تمام پہلو ہمارے سامنے آرہے ہیں۔ میرے خیال میں سب سے بڑا اور غور کرنے کے قابل "ہندو ذہنیت" کا سوال ہے جو حال میں خود کانگرس کے حامی اور ماننے والوں نے ایک تفریق کی وجہ کے طور پر پیش کیا ہے۔ سوال کی نوعیت اور صورت یہ ہے کہ کانگرس کی بہت اور ضرورت ماننے ہوئے مسلمانوں کے لئے کانگرس کے روزمرہ کے کاموں اور کانگرسی ماحول میں وہ فضا نصیب نہیں ہوتی جس سے انہیں تحریص ہو مثلاً جلسے، قومی گیت، کارروائیوں کی زبان، رسوم وغیرہ سب مسلمانوں کیلئے گھبرانیوالے نہیں تو اجنبی ضرور ہیں اور پوری فضا ایسی ہے کہ تمدن و تہذیب کے اعتبار سے ہم بآسانی اسے "ہندویت" کہہ سکتے ہیں۔ یہی بڑی وجہ ہے کہ کانگرس مسلمانوں میں مقبول اور ہر دلعزیز نہیں ہو پاتی۔ سنا جاتا ہے کہ کامریڈ ایم۔ این۔ رائے نے بھی اس دلیل کی تائید کی ہے۔ ظاہر ہے کہ فرقہ پرست اخبارات نے ہمارے دوستوں اور ہمدردوں کے بیانات کو الہامی تائید سمجھکر غیر معمولی رنگ آمیزی کے ساتھ اپنی دائمی مخالفت کی تائید میں پیش کیا ہے مگر اسوقت ہم ان پیشہ ور لوگوں سے مخاطب نہیں ہیں۔

ہم بحث سے پہلے اس بات کو صاف کرلیں تو اچھا ہے کہ "ہندو ذہنیت" سے کیا مراد ہے؟ ظاہر ہے کہ جہاں کہیں جس قوم کی باعتبار تعداد کثرت ہوگی دیکھنے والے کو سطح پر یہی نظر آئیگا کہ اس ادارے میں فلاں قوم یا ملت کے لوگ حاوی ہیں۔ اگر وہ اس بحث میں نہ پڑے کہ یہ انجمن یا جماعت کیا کام کرتی ہے یا کس غرض سے بنائی گئی ہے تو پھر یہ فیصلہ کرنا اور بھی آسان ہوجائیگا کہ یہ انجمن یا جماعت فرقہ وارانہ ہے یا ہوسکتی ہے۔ اس اعتبار سے جن صوبوں میں ہندو اکثریت ہے کانگرس ہمیشہ ہندو کہلائی جاسکتی ہے اور جہاں مسلمان بکثرت آباد ہیں مثلاً سندھ، پنجاب، آسام، بنگال، صوبہ سرحد، وہاں کانگرس اسی دلیل کے ساتھ مسلمان ہوسکتی ہے۔ چنانچہ صوبہ سرحد میں کانگرس میں نہ شامل ہونے والے ہندو بالکل اسی قسم کے اعتراض کرتے ہیں جو صوبۂ متحدہ یا بہار وغیرہ میں ہم مسلمان حلقوں سے سننے کے عادی ہیں۔

"ہندو ذہنیت" سے مراد ہندو فرقہ وارانہ رجحانات ہوسکتے ہیں۔ یعنی یہ کہ کانگرس کا نصب العین، اس کا طریقۂ کار اور اس کا سیاسی مسلک صرف ہندوؤں کے مفاد کا لحاظ رکھے یا یہ کہ اس کی ممبری ہندو قوم پر مشتمل ہو۔ کانگرس چونکہ اصولاً ایک قومی جماعت ہے اور اسکے دروازے بلالحاظ ملت و مذہب ہر ہندستانی کے لئے کھلے ہوئے ہیں، اسلئے نظری اعتبار سے اس کا فرقہ پرست ہونا ناممکن ہے۔ عملاً صورت یہ ممکن ہے کہ ہندوؤں کے علاوہ اور جماعتیں کانگرس میں شریک نہوں اور قومی نصب العین مانتے ہوئے کانگرس کے ہندو ممبر ایسی صورتیں پیدا کردیں کہ قومی جدوجہد کا فائدہ صرف ہندوؤں کو پہونچے مگر اعتراض کرنے والے جدوجہد کے سیاسی پہلو سے بحث نہیں کرتے۔ انکا اعتراض یہ ہے کہ سیاسی اور قومی جماعت ہونے کے باوجود کانگرس کی تمدنی اور کلچرل فضا "ہندو" ہے۔ بالفاظ دیگر کانگرس کے اکثر ہندو ممبر ہندو ہوتے ہوئے ہندو تمدن اور رواجوں کو کیوں برتتے ہیں۔ قومی فضا کیوں نہیں پیدا کرتے؟

سب سے پہلے یہ سوال طے کرلینا چاہئے کہ کانگرس کی شرکت کا مقصد کیا ہے۔ ہم سیاسی جماعتوں اور انجمنوں میں اپنے اجتماعی، سیاسی مفاد حاصل کرنے کے لئے شریک ہوتے ہیں۔ اگر ہمارے سیاسی نظریوں کے لحاظ سے یہ فائدہ ہمیں نہیں پہنچتا تو ہم شریک نہیں ہوتے۔ کانگرس کی دعوت ان لوگوں تک محدود ہے جو یہ سمجھتے ہیں کہ ہندستانی قوم کی حیثیت سے ہمیں برطانوی سامراج سے جدوجہد کرنا ہے چنانچہ سماجی طبقے سامراج کے وجود کو اپنے مفاد کیلئے ضروری خیال کرتے ہیں وہ صرف یہی نہیں کہ کانگرس میں شریک نہیں ہوتے بلکہ کانگرس کی ہر اس تحریک کی علانیہ مخالفت کرتے ہیں جس سے برطانوی سامراج اور ان کے مفاد کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے۔ اور اس میں ہندو اور مسلمان کی کوئی تفریق نہیں ہے۔

کراچی کے اجلاس میں کانگرس نے اپنے "بنیادی حقوق" کی تجویز میں واضح طور پر تشریح کردی ہے کہ اقلیتوں کے مذہب، تمدن، زبان وغیرہ سے کبھی کوئی تعرض نہ کیا جائیگا اور ہر اقلیت کو اپنے مذہب، تمدن، زبان کے برتنے میں پوری پوری آزادی ہوگی۔ اسکے بعد کانگرس کا خیال ہے کہ باقی تمام مطالبات اور سوالات ایسے ہیں کہ سب ہندستانی جماعتیں ملکر ساتھ چل سکتی ہیں — یہ سوالات زیادہ تر سیاسی اور اقتصادی ہماری غربت اور غلامی سے پیدا ہوئے ہیں۔ برطانوی سامراج کی حکومت اور ہماری آزادی سے انکا تعلق ہے اور صرف جدوجہد سے حاصل ہوسکتے ہیں۔

خیال تھا کہ ہر دیانت دار اور ذی عقل ہندستانی کے نزدیک کانگرس کی شرکت کا سوال طے ہوگیا مگر نہیں۔ آج صورت یہ ہے کہ فرقہ پرست انجمنوں کے نزدیک مشترک سیاسی یا اقتصادی سوال ہی نہیں ہے چاہے وہ مزدوروں کی انجمن ہو، کسانوں کی سبھا ہو، طالب علموں کی مجلس ہو، بے روزگاروں کی جماعت ہو یا خالصتاً مظلوموں کا ادارہ ہو انکا پہلا اور آخری سوال یہ ہے کہ ہمیں اپنے تمدن اور مذہب کی حفاظت کرنا ہے۔ کہنے والوں کی نگاہ اس حقیقت پر نہیں جاتی کہ برطانوی استعمار اور حکومت کے نئے طریقہ نے سب قوموں اور ملتوں کے مذہب اور تمدن کی بنیادیں کھوکھلی کردی ہیں۔ اور خود انکے تحفظ کیلئے قومی جدوجہد میں شرکت ضروری ہے۔

سوال اکثر اور بجا طور پر یہ ہوتا ہے کہ جب کانگرس خالصتاً سیاسی اور قومی جماعت ہے تو پھر کانگرس کی بعض مشہور اور نمایاں ہستیاں ہندو سماج کے اصلاحی کاموں میں کیوں اتنا نمایاں حصہ لیتی ہیں؟ جواب اس سوال کا مختصر ہے۔ کانگرس کی شرکت کے معنی صرف یہ ہیں کہ آپ اسکے سیاسی نصب العین اور طریق کار کو تسلیم کرتے ہیں اور اسکے بعد اپنے سماجی نظریوں میں آزاد ہیں چنانچہ قادیانی، شیعہ، سنی، سناتنی اور آریہ سماجی حتیٰ کہ بے دین اور لامذہب سب پوری آزادی کے ساتھ کانگرس میں شریک ہوسکتے ہیں۔ اردو، فارسی، بنگالی، سنسکرت، عربی اور دوسری زبانوں سے دلچسپی لینے والے

بلا روک ٹوک اس میں آ سکتے ہیں اور ہر شخص معاشرتی یا تمدنی مشاغل اور کاموں میں آزاد ہے۔ کانگرس کے ممبر بننے کے بعد اگر آپ چاہیں کہ دن و رات اردو پڑھیں اور اردو ادب کی اشاعت کریں یا شیعہ سنی مناظروں سے دلچسپی لیں تو کانگرس کا کوئی اصول اس میں مانع نہیں ہے۔

یہ ممکن ہے کہ ان معاشرتی اصلاح کے کاموں کیلئے کانگرس کی فضا نا موافق ہو اسلئے کہ سیاسی کام کرنے والوں کے نزدیک سب سے مقدم کام سیاسی ہوتا ہے نہ کہ معاشرتی اصلاح اور جو شخص سماج کے سدھار کو مقدم اور سیاسی کام کو ثانوی سمجھتا ہو وہ اگر اس زمانہ کی سیاست سے دور ہی رہے تو اچھا ہے۔ فرقہ پرست انجمنوں کی پہلی اور آخری غلطی یہ ہے کہ وہ سماجی اصلاح کی دعویدار ہونے کے باوجود سیاست میں اپنے فرقہ وارانہ اور محدود مسلک کا اظہار کرنا چاہتی ہیں نتیجہ یہ ہے کہ ان کی نگاہیں معاشرتی اصلاح کیطرح سیاست میں بھی ایک ملت تک جاکر رہ جاتی ہیں امپیریلزم کا مقصد یہی ہے کہ ہم قومی اور متحدہ مفاد کو نہ دیکھیں اور متحدہ سامراج دشمن محاذ کی ضرورت سے بے خبر رہیں چنانچہ سماج سدھار کی تنگ نظری کو سیاسی رجعت پسندی سے قریبی تعلق ہے۔

آپ دل میں سوچتے ہوں گے کہ پھر اچھوت سدھار اور ہندی تحریک کیوں جاری ہے اور اس میں ترقی پسندی کا کیا عنصر ہے۔ غالباً یہ سمجھانے کی ضرورت نہیں ہے کہ اچھوت سدھار کی تحریک باعتبار مسلک سناتنی مذہب اور ہندو قدامت پسندی کے یکسر خلاف ہے۔ اور ہندی یا ایک قومی زبان کا تصور کسی ایسے شخص کو گوارا نہ ہوگا جو اپنی صوبجاتی زبان اور مقامی ادب کا دلدادہ ہے۔ چنانچہ پنڈت ہندو اچھوت سدھار کی تحریک کے مخالف ہیں۔ دو ایک شمالی صوبوں کو چھوڑ کر باقی صوبوں میں ایسے لوگ ملینگے جو ہندوستانی زبان کو اچھی نگاہ سے نہیں دیکھتے زیادہ تر سیاسی شعور اور قومی احساس رکھنے والے ہندو ان ترقی پسند تحریکوں کے حامی ہیں۔

بہر نوع کانگرس کے مسلک کو اچھوت سدھار اور ہندی تحریک سے کوئی قریبی تعلق نہیں ہے۔ کانگرس عمومی طور پر چھوت چھات کے خلاف ہے۔ شراب نوشی اور ولائتی کپڑوں کے استعمال کو برا سمجھتی ہے۔ اور ہندستانی زبان کو برتنا چاہتی ہے مگر صوبجاتی زبانوں کے خلاف نہیں ہے۔

یہ صحیح ہے کہ بہت سے کانگرسی خیال کے ہندو ان دونوں تحریکوں یعنی اچھوت سدھار اور ہندی پھیلانے کے کام میں مصروف ہیں مگر یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ اس میں اعتراض کس بات پر ہے۔ کانگرس یا کسی قومی دارے میں شریک ہونے کے بعد یہ بالکل ممکن ہے کہ ایک شخص کا معاشرتی ضمیر بیدار ہو جائے اور وہ اپنے احول یا اپنی جماعت کو بہتر بنانے میں مصروف ہو جائے۔ فرض کیجئے ایک مسلمان کانگرس میں شریک ہونے کے بعد مخصوص طور پر صرف مسلمانوں کی اصلاح کا کام شروع کر دے تو آپ اسے کیا کہینگے؟ بعض طبیعتوں کو اس پر اعتراض ہو سکتا ہے کہ اس کی نگاہیں ۷ کروڑ مخلوق خدا کے بجائے ۳۵ کروڑ نفوس پر کیوں نہ گئیں۔

اب رہا ہندی کی اشاعت کا سوال۔ کانگرس کا مسلک اس معاملہ میں واضح اور صاف ہے۔ کانگرس ہندستانی زبان یعنی ہندی اور اردو رسم الخط چاہتی ہے اور ان دونوں کی پابند ہے۔ ہندوؤں میں ایسے لوگ ہیں جو دیانت داری سے یہ سمجھتے ہیں کہ ناگری رسم الخط فارسی سے بہتر ہے۔ ایسے بھی ہیں جو ہندو تجدیدی تحریکوں سے متاثر ہیں۔ ایک دو ایسے بھی دعویٰ تا نکلینگے جو ویدک تہذیب کے غیر تاریخی خواب بیسویں صدی میں دیکھتے ہیں۔ ان سب نفسیاتی کیفیتوں نے بہت سے اتار چڑھاؤ دیکھے ہیں۔ اسوقت جس "جدید" ہندی ذہنیت سے ہمیں بحث ہے وہ مہاتما گاندھی اور دوسرے کانگرسی ہندوؤں کی بدولت اسے واضح کر دینا چاہتی ہے کہ ہندی سے مراد وہ زبان ہے جو ہندو اور مسلمان دونوں بولتے ہیں اور جو فارسی اور دیوناگری دونوں خطوں میں لکھی جاتی ہے۔ ظاہر ہے کہ ایک مدت سے ہندستان میں قومی تحریک نے وحدت اور یگانگت کا احساس پیدا کر دیا ہے۔ جدید ہندی تحریک اسی ذہنیت کا عکس ہے۔ اور لازمی طور پر ہمارے سیاسی خیالات کے ساتھ اس کی نوعیت بھی بدلتی جائے گی۔ کل جب ہم عوام کو جبریہ تعلیم مفت اور عام طور پر دیں گے تو بہت سے ادبی سوال اور موجودہ ہندی تحریک کے بہت سے پہلو نمایاں طور پر قومی اور جمہوری ہوتے جائیں گے۔ بہرکیف جن مسلمانوں کو ہندی تحریک سے خوف معلوم ہو وہ بلا تامل کانگرس میں شریک ہونے کے بعد اردو کی اشاعت اور اصلاح کی طرف متوجہ ہو سکتے ہیں۔ کسی جماعت کی اصلاح و ترقی میں مانع ہونا یا اس کو خوف اور گھبراہٹ سے دیکھنا خود اپنے تنزل اور پستی کی نشانی ہے۔ جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ بعض ہندو کانگرس کی عظمت سے فائدہ اٹھاکر متعصبانہ اور فریقانہ طور پر صرف ہندوؤں کی خدمت کرتے ہیں ان کے لئے کوئی امر اس میں مانع نہیں ہے کہ وہ صرف مسلمانوں کی خدمت کے خیال سے اس قومی ادارہ میں شامل ہوں جب تک کانگرس کا مسلک قومی ہے اور کوئی قاعدہ مسلمانوں کے شریک ہونے میں مانع نہیں ہے کانگرس میں شرکت نہ کرنا اور اس قسم کے اعتراضات تراشنا قومی جد و جہد اور خود مسلمانوں کی صحیح خدمت سے منھ چرانے اور اپنی قومی، ملی ذمہ داریوں کو فراموش کرنے کا دوسرا نام ہے

(۳)

اب تک ہم عمومی حیثیت سے کانگرس کی "ہندو ذہنیت" اور "ہندو فضا" سے بحث کر رہے تھے۔ اب ہم ان باتوں کا تذکرہ کریں گے جو روایات اور رسم کے طور پر کانگرس کی کارروائیوں میں داخل ہوگئیں اور در اصل "ہندو" ہیں یا کم از کم یہ تسلیم کرنا پڑیگا کہ اسلامی نہیں ہیں۔ مثال کے طور پر کانگرس کے بندے ماترم کا قومی گیت۔ جھنڈے کا گیت اور خود ترنگا جھنڈا ہے، سلامی کے طریقے، افتتاح کی رسمیں جدا ہیں جس میں عجب نہیں بعض معصوم قسم کے سادہ طبیعت بزرگوں کو شرک اور بت پرستی کا شائبہ نظر آئے ان رسوم پر تبصرہ اور تنقید کرنے سے پہلے دو باتوں کا لحاظ کرنا ضروری ہے اول یہ کہ اب تک مسلمان عموماً کانگرس کے روزمرہ کے کاموں میں شریک نہ تھے اور ان کی ۱۹۲۱ء کی شرکت ایک وقتی اور اضطراری حیثیت رکھتی تھی۔ دوسرے یہ کہ ہر قومی ادارہ میں رسموں اور نشانوں کا پیدا ہونا اور مخصوص روایات کا فروغ پانا اسکے ارکان کی نفسیاتی اور سماجی حیثیت اور کیفیت پر مبنی ہے۔ اور اس میں تعصب کا کوئی سوال نہیں ہے۔ کانگرس کی فضا اور اس کی روایتیں اسی حد تک "قومی" ہو سکتی ہیں جس حد تک تمام جماعتوں کے ارکان اس میں شریک ہوں اور اسکے روزمرہ کاموں میں دلچسپی لیں۔

اسکے یہ معنی نہیں ہیں کہ کانگرس کا سیاسی نصب العین اور اسکا مسلک بھی بدل جائے لیکن اس کا یہ مطلب ضرور ہے کہ کامل آزادی اور

اور قومی مطالبات کو ماننے، انکو پیش کرنے اور ان کی خاطر عملی جد و جہد کرنے کے باوجود کانگرس کی روایات اور اسکے نشان اور مظاہرات پر اس وقت تک وہ ہندو اثر برابر رہیگا جبتک دوسری جماعتیں اپنی شرکت سے ان باتوں پر اپنا اثر نہ ڈالیں۔ مثلاً تحریک خلافت کے زمانہ میں کانگرس کے حلقوں میں اللہ اکبر کا نعرہ ہر جگہ مقبول تھا اور مسلمان شعراء کے گیت گائے جاتے تھے بلکہ اب تک بعض صوبوں میں اور خاص کر جنوب میں یہ آثار باقی رہ گئے ہیں۔ لیکن اگر مسلمان کانگرس سے علیحدہ علیحدہ رہنے کا فیصلہ کریں تو ظاہر ہے کہ باقی ماندہ لوگ اپنے شوق اور ذوق کے مطابق اپنے نعرے اور اپنے گیت مقرر کر لینگے۔ اسمیں قاعدہ قانون کا سوال نہیں ہے۔ ان کی حیثیت رواج کی سی ہے جو امتداد زمانہ سے بنتے اور بدلتے ہیں۔

مثلاً بندے ماترم کے گیت کو لیجئے۔ یہ گیت ہندی نہیں بلکہ بنگالی زبان کا ہے کانگرسی تحریک کا نہیں بلکہ تقسیم بنگال کی تحریک کا نشان ہے۔ کسی نے رائج کیا نہیں بلکہ رائج ہو گیا ہے۔ کانگرس کو اس کے رکھنے پر کوئی خاص اصرار نہیں ہے لیکن اسکے صحیح طور پر بدلنے کا طریقہ یہ ہے کہ قومی شعرا سادہ ہندستانی زبان میں قومی گیت لکھیں اور شعری خوبی کے ساتھ اس کی موسیقی کا بھی خیال رکھیں۔ اسکے بعد یہ گیت رائج ہو جائیں تھوڑے دن بعد ایک دو گیت ایسے ابھر آئیں گے کہ بندے ماترم خود ختم ہو جائیگا۔ بندے ماترم اسوقت کی یادگار ہے جب بنگال کی سیاست اور اس کی روایتیں ہماری قومی سیاست پر حاوی تھیں۔ آج ہم صرف قدامت کے لحاظ سے اس گیت کی وقعت کرتے ہیں لیکن ظاہر ہے کہ یہ گیت اب ہماری موجودہ نفسیاتی ضروریات، اور ہمارے جذبات کا کفیل نہیں ہے۔ اقبال۔ جوش اور ساغر کی بہت سی قومی نظمیں اس سے زیادہ موثر اور موزوں ہیں اور دوسری منظوم کی جا سکتی ہیں چنانچہ حال ہی میں جب میرے دوست اظہر قدوائی نے ایک نیا جھنڈے کا گیت بنا کر بھیجا تو پنڈت جواہر لال نے فوراً اسکی کئی نقلیں بعض کانگرس کمیٹیوں کو بھیجدیں تاکہ اسے رواج دیا جائے۔ کاکوری کے مقدمہ کے بعد بغیر کسی خاص کوشش کے جگہ جگہ ہر صوبہ میں بسمل کی نظم "سرفروشی کی تمنا اب ہمارے دل میں ہے"۔ مقبول ہو گئی تھی۔ بہت سی جگہ اب بھی اقبال کی نظم "سارے جہاں سے اچھا ہندستاں ہمارا" کانگرس کے حلقوں میں رائج ہے۔ غرضکہ قومی گیت یا جھنڈے کے گیت میں تعصب کا سوال نہیں ضرورت کا سوال ہے۔ ابتک بندے ماترم اور موجودہ جھنڈے کے گیت سے کام چل جاتا تھا اب مسلمانوں کے شامل ہونے کے بعد ہمیں دوسرے گیتوں کی اور موجودہ ترانوں اور گیتوں کو بدلنے کی ضرورت پڑے گی اور ہم بدلیں گے۔ یہی حالت ہمارے قومی نعروں کی ہے۔ حال میں مزدور تحریک اور انقلابی خیالات کیوجہ سے "انقلاب زندہ باد" کا نعرہ مقبول ہو چکا ہے اور گو الفاظ فارسی ہیں لیکن یہ نعرہ ہندستان کے ہر گوشہ میں رواج پا چکا ہے۔ مسلمانوں کو اسکی پوری اجازت ہے کہ وہ اللہ اکبر کا نعرہ بلند کریں۔ سکھ اپنے "ست سری اکال" کو پنجاب میں ہر محفل میں یاد رکھتے ہیں۔

جھنڈے کی حیثیت ذرا مختلف ہے۔ جھنڈا ہماری قومی عزت اور وقار کا نشان ہے اور اس کی خاطر ہم نے بڑی بڑی قربانیاں کی ہیں۔ اس کے علاوہ ہمارا جھنڈا کسی مخصوص فرقہ یا ملت کا نشان نہیں ہے رنگوں کی ترکیب کے لحاظ سے بھی اس میں سب ہندستانی فرقوں کا خیال رکھا گیا ہے۔ اس سلسلہ میں یہ بات غور کرنے کے قابل ہے کہ انقلابی رجحانات کی بدولت "انقلاب زندہ باد" کے ساتھ ساتھ سرخ جھنڈا بھی آہستہ آہستہ اپنی حیثیت قائم کرتا جاتا ہے چنانچہ جماعتی جد و جہد کے علاوہ سرخ جھنڈا خود کانگرس میں نظر آنے لگا ہے اسلئے کہ آج کانگرس ایک مشترکہ اور متحدہ قومی محاذ ہے۔

غرضیکہ وہ لوگ جو کانگرس کے ان نشانوں اور شعاروں کو مستقل سمجھکر گھبراتے ہیں اور اعتراض کرتے ہیں بے وجہ مایوس اور پریشان ہیں۔ یہ رسوم اور نشان ایک سیاسی جماعت کی ہیئت ترکیبی اور اس کی نفسیاتی اور جذباتی کیفیت کے ترجمان ہیں اور اس میں تبدیلی ہونے سے یہ بھی لازمی طور پر بدل جائینگے۔ یہ ضرور ہے کہ اس میں تھوڑا سا وقت صرف ہوگا۔ اور تبدیلی سے پہلے مسلمانوں کی شرکت ضرورت ہے۔

(۳)

دنیا کے بڑے بڑے انقلاب ایک ترقی پسند سماجی طبقہ کے مفاد سے وابستہ ہوتے ہیں۔ اس لحاظ سے گذشتہ صدی میں جدید سرمایہ داری نے یہ فریضہ انجام دیا تھا اور آج بھی جن اصلاحات اور سیاسی تغیرات کے ہم اپنے وطن میں متمنی ہیں وہ سرمایہ دارانہ جمہوریت کے تصور سے وابستہ ہیں۔ لیکن اس سامراجی دور میں ہندستانی سرمایہ کی حیثیت اور اور اس کا کام آزادانہ طور پر انجام نہیں پا سکتا۔ قدم قدم پر برطانوی سرمایہ دار ہندستانی سرمایہ کو اپنا پابند اور محکوم و محتاج بناتا ہے۔ ہندستانی سرمایہ برطانوی سرمایہ اور برطانوی سامراج کے اقتدار کے خلاف حتی المقدور جد و جہد کرتا ہے لیکن اس کی پابندیاں جمہوری آزادی کے خیال سے سخت تکلیف دہ ہیں۔ ہندستانی سرمایہ دار برطانوی سامراج سے لڑے یا نہ لڑے لیکن عوام کے انقلاب سے ضرور خائف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہندستانی سرمایہ دار دقیانوسی مذہبی رسوم اور فرسودہ جاگیرداری نظام سے رابطہ اور انقلابی شان سے جد و جہد نہیں کرتا اور خود پست قسم کے تجارتی اور اکتسابی طریقوں کو نہیں مٹانا چاہتا مثلاً ہندستان میں ساہوکارہ کے پرانے اور ظالمانہ دستور آج بھی جاری ہیں تعلقداری بدستور موجود ہے اور ہندستانی سرمایہ دار کو ان دستوروں کو مٹانے سے کوئی تعلق نہیں بلکہ آج اقتصادی کساد بازاری کے زمانہ میں سرمایہ دار خود اس قسم کے کاموں میں لگے ہوئے ہیں غرضیکہ ہندستانی سرمایہ میں ایک قسم کی سماجی اور اقتصادی "موقع بازی" کا پہلو ہے اور اس کا معاشرتی پہلو تاریخی لحاظ سے بہت پست اور حقیر ہے۔

بسا اوقات جس چیز کو مسلمان ہندو تعصب سے تعبیر کرتے ہیں وہ ہندو ذہنیت کی نہیں بلکہ ہندستانی سرمایہ داری کی تاریخی پستی کی جھلک ہوتی ہے۔ یہ اعتراض کرنا بہت آسان ہے کہ کانگرس کامل آزادی نہیں چاہتی ہم آئے دن ہر کس و ناکس اور خصوصیت سے مسلمان رجعت پسندوں سے سنتے ہیں کہ کانگرس میں ہندو سرمایہ داروں کا عمل دخل ہے اور اعتراض کرنے والے اس بنا پر مسلمانوں کو مسلم لیگ میں شریک ہونے کی دعوت دیتے ہیں۔ لیکن کہنے والے یہ نہیں سوچتے کہ اس خطرہ سے بچنے اور سرمایہ دار کی چالوں سے محفوظ رہنے کی سوائے اسکے اور کوئی صورت نہیں کہ ہم سرمایہ داری استعمار کے خلاف ایک متحدہ محاذ بنائیں، اور محاذ بحالات موجودہ صرف کانگرس میں رہ کر اور اسکے نظام

کو وسعت دیکر ہی بن سکتا ہے۔ جو لوگ ظفر علیخان اور حسرت موہانی کیطرح کانگرس پر سرمایہ داری کے نظام کا الزام لگا کر آئے دن مسلمان جمعیت پسندوں اور جاگیرداروں کی حمایت کرتے رہتے ہیں وہ لوگ ہندستان کی آزادی کے تاریخی اور پیچیدہ فریضہ کو سمجھنے اور انجام دینے سے ہمیشہ قاصر اور محروم رہینگے۔ چنانچہ ان حضرات کا وقت زیادہ تر شاعری اور حج اور زیارت کرنے میں یعنی سیاسی حقائق سے منھ چھپانے میں بسر ہوتا ہے۔

ہم خوب جانتے ہیں کہ کانگرس میں طرح طرح سے بھیس بدل بدل کر ہندستانی سرمایہ داری پناہ لینا چاہتی ہے۔ وہ "قومی" اخبار نگاری سے لیکر کھادی اور سودیشی کی تحریک تک سے فائدہ اٹھانا چاہتی ہے۔ وہ وزارت قبول کرنے میں جد وجہد کا نہیں بلکہ اپنی تجارت کو فروغ دینے کا پہلو تلاش کرتی ہے۔ ہم خوب جانتے ہیں کہ "ہندو ذہنیت" بھی اسی سرمایہ داری کا ایک روپ ہے اور اس کے سوا کچھ نہیں لیکن ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ یہ کانگرس اور عوام کی بڑھتی ہوئی طاقت کا اعتراف ہے اس کی کمزوری کی نشانی نہیں۔ اگر یہ صورت ہوتی تو سرمایہ داری بجائے کانگرس کے مسٹر جناح اور لبرل فیڈریشن کی قدمبوسی کرتی۔ خود سرمایہ داری اس کی محتاج ہے کہ عوام کو دھوکا دیکر اور عوام کی طاقت سے کام لیکر برطانوی سرمایہ سے رعایتیں حاصل کرے۔ جس طرح سرمایہ دار چالیں چلتے ہیں عوام کے ترجمان بھی اسکا جواب دینا جانتے ہیں لیکن یہ حربہ مذہبی نہیں بلکہ صرف سیاسی اور اقتصادی ہو سکتا ہے چنانچہ اسکا جواب فرقہ وارانہ رجحانات نہیں بلکہ انقلابی اور اشتراکی طریقے ہیں۔ جو لوگ ہندو سرمایہ دارانہ ذہنیت سے خائف ہو کر مسلم لیگ اور دوسرے فرقہ پرست انجمنوں کو مضبوط کرنا چاہتے ہیں وہ عوام کی طاقت کو اور بھی کمزور کر رہے ہیں۔ اور نادانستہ طور پر علاوہ برطانوی استعمار کے خود ہندستانی سرمایہ کے ہاتھوں کو مضبوط کر رہے ہیں۔

اس لمبی چوڑی بحث کا ماحصل یہ ہے کہ کانگرس میں شریک ہونے سے مسلمان یا کسی دوسری جماعت کا مقصد یہ ہونا چاہئے کہ وہ اپنے اجتماعی اقتصادی اور سیاسی مفاد کی خاطر جد وجہد کرنا سیکھے۔ اس شرکت سے ان کی اور دوسری فرقہ کے لوگوں کی طاقت بڑھتی ہے اور برطانوی سامراج کی قوت کم ہوتی ہے۔ جہانتک مذہبی اور تمدنی تحفظ کا سوال ہے یعنی وہ باتیں جن میں ہندستان کی ملتوں اور فرقوں میں آپس میں فرق ہے انکا تحفظ کانگرس نے کر دیا ہے۔ اس کے بعد کسی فرقہ کا کوئی سوال ایسا نہیں ہے جو ہمارا قومی سوال نہو اور جس کے لئے ہم سب ملکر لڑنے کی ضرورت پیش نہ آئے۔ جو لوگ ہمارے نزدیک اس قومی اتحاد اور جد وجہد سے منھ پھیرتے ہیں وہ بلا واسطہ یا بالواسطہ برطانوی امپیریلزم کے ہوا خواہ ہیں۔ رہا کانگرس کے رسوم اور نشان یا اس کی فضا کا سوال یہ چیزیں مسلمانوں اور دوسری جماعتوں کی شرکت سے خود بخود غیر محسوس طور پر بدل جائیں گی۔

غرضیکہ کانگرس میں شریک ہونا ایک فریضہ ہے جو غریب و مفلوک الحال مسلمانوں کو انجام دینا چاہئے۔ ایک حلیف کیطرح کانگرس میں شریک ہونا یا شرکت کیلئے شرطیں پیش کرنا عوام کی زندگی کے بڑے بڑے سوالوں سے بے خبری کا دوسرا نام ہے جنھیں بے خبری اور جہالت پر اصرار ہے۔ انقلاب انھیں آکر جگا دیگا مگر وہ صورت تعزیری ہوگی۔ ابھی چونکنے کا موقع ہے۔

# فلسطین

محمد رضا انصاری

فلسطین مذہبی اعتبار سے مسلمان، اور یہود و نصاری کیلئے یکساں قابل احترام ہے۔ بڑی سخت قربانیوں کے بعد مسلمانوں نے اسپر قبضہ کیا تھا اور ایک زمانہ تک وہ عربوں کے زیر اقتدار رہا، بعض پولٹیکل وجوہ سے مسلم اقتدار سے نکل کر برطانوی تسلط میں آگیا جس میں مسلمانوں کا بہت کچھ دخل تھا، تھوڑے زمانہ تک عرب اپنے سیاسی اور اقتصادی ناواقفیت اور فلسطین کی سو جاتی ہوئی غرضی ترقیوں کی امیدوں میں اپنا نقصان نہ سمجھ سکے لیکن جب یہودیوں کا وطن بنانے کیلئے برطانیہ نے بڑی تیزی سے کارروائی شروع کی تو وہاں کے برسر اقتدار زمینداروں اور سرمایہ داروں کا نقصان ہونا شروع ہوا کیونکہ فلسطین میں ابتک جو یہودی آئے ہیں وہ سب سرمایہ دار اور بڑی بڑی قیمتوں پر زمین خریدنے والے ہیں اسلئے وہ حقوق جنکے ابتک صرف دولتمند عرب زمیندار ٹھیکیدار تھے اس میں یہودی سرمایہ دار بھی شریک ہونے لگے، مجبوراً عربوں کو جنگ آزادی کا اعلان کرنا پڑا۔

ہندستان کے مسلمانوں نے فلسطین کے ساتھ اپنی ہمدردی کا بہت زوروں کے ساتھ اظہار کیا ہے اور اپنے پرانے ڈھرے پر عمل کرتے ہوئے جلسوں اور دعاؤں سے عربوں کی ہمت افزائی کی۔ یہ ہمدردی کیوں ہے؟ اسکے یہ وجوہ ہو سکتے ہیں۔

(۱) اسلامی ہمدردی (۲) عرب خون کے ساتھ محبت (۳) سامراج کی مخالفت۔

(۱) جہانتک اسلامی ہمدردی کا تعلق ہے ہم ان رہنماؤں کی وسعت نظر کی تعریف کئے بغیر نہیں رہ سکتے جو فلسطین کے لئے چندہ جمع کر رہے تھے ہندستان میں مختلف جگہوں پر سیلاب آئے جس میں ہزاروں غریب تباہ ہوگئے جس میں مسلمانوں کی کثیر تعداد شامل تھی اور ہندستان کے مسلمان ایسے ہیں جو دنیا کے تمام مسلمانوں سے زیادہ پابند مذہب ہیں مگر کوئی مولوی، اور کوئی لیڈر اسلامی ہمدردی کیلئے نہیں نکلا۔ لیکن چھ ہزار میل دور کے عربوں سے اسلامی ہمدردی کا اظہار ہو رہا ہے۔

(۲) عرب خون کے ساتھ محبت کا بھانڈا تو ابھی ابھی پھوٹا ہے جبکہ دو لاکھ عربوں کو نظر انداز کرتے ہوئے مسلم لیگ نے زنجبار کے معاملہ میں حکومت برطانیہ کا ساتھ دیا، حالانکہ فلسطین کے معاملہ میں عرب کی محبت میں دیوانہ ہوگئے تھے۔

(۳) سامراج کی مخالفت کے سلسلے میں ہمیں دیکھنا ہے کہ ہمارے رہنماؤں نے کیا طریقہ اختیار کیا ہے اور اس قسم کا دباؤ ڈالا ہے۔ انکی دھمکیاں یہ ہیں کہ "اگر فلسطین کا مسئلہ عربوں کے حسب دلخواہ طے نہیں ہوا تو ہم حکومت برطانیہ سے اپنے تمام دوستانہ تعلقات منقطع کرلیں گے" مطلب یہ ہے کہ ابتک ہم نے وفاداری کی اور مسلمانوں کو آپ کی وفاداری پر آمادہ رکھا مگر اب اس معاملہ کے بعد ہم وفادار نہیں رہ سکتے اور مسلمان بھی اب ہمارے قبضہ میں نہیں

رہیں گے۔

یا "مسلمانوں کے تمام غیظ و غضب کی ذمہ داری حکومت برطانیہ کے سر ہوگی"۔ کون نئی بات ہے؟ ہمیشہ ہر بات کی ذمہ داری حکومت کے سر ہی تحفظ الامت، عام بائیکاٹ اور پانی پی کر سجدے میں کوسنا۔ یہ سب باتیں حکومت دیکھ چکی ہے اور ان سب چیزوں کی ذمہ داری بھی اسکے سر تھی اور ہے۔ لہذا ان گیدڑ بھبکیوں سے اب کیوں ڈرنے لگی۔ یہ ہے حالت ہندستانی مسلمانوں کی ہمدردی کی۔ لیڈران قوم محض اپنی لیڈری کے قائم رکھنے کے لئے لوگوں کو کبھی اسلامی ہمدردی اور کبھی مداخلت فی الدین کے نام پر جمع کرتے ہیں۔

اسی سلسلہ کی ایک تجویز ہے کہ "اتا ترک کو ایک تار دیا جائے کہ وہ اپنا عملی قدم اٹھائیں اور ہندستان کے مسلمان انکے ساتھ ہیں" ذرا سوچئے تو ترکوں کو اپنے بقا کی کوشش اور بیکاری سے پھیلی ہوئی اپنی اندرونی بغاوت کو فرو کرنا ضروری ہے، یا فلسطین کی حفاظت میں ہنی فضا؟ یورپ کی موجودہ سیاسی صورت حال اس کی کہاں اجازت دے سکتی ہے کہ کوئی حکومت اپنی نقشوں میں کوئی تغیر کر سکے، اور پھر ترکی کی بساط ہی کیا ہے؟

ہمیں دیکھنا چاہئے کہ آخر فلسطین کے جھگڑوں کی اصل بنیاد کیا ہے؟ اس کے لئے خود ارباب حکومت برطانیہ کے اقوال دیکھئے مسٹر لائڈ جارج نے جو دوران جنگ میں انگلستان کے وزیر اعظم اور اس لئے اس معاملہ میں ذمہ دارانہ حیثیت رکھتے ہیں کہا تھا: "جن حالات میں عربوں سے وعدے کئے گئے تھے اسوقت کیفیت یہ تھی کہ فرانسیسی فوج نے حکم ماننے سے انکار کر دیا تھا، اطالوی فوج میں مقابلہ کی تاب نہ تھی۔ اور اسوقت تک امریکہ نے ہماری امداد کے لئے کوئی باضابطہ قدم نہیں اٹھایا تھا۔ دنیا کے سب سے بڑے فوجی اتحاد سے مقابلہ کے لئے برطانیہ اکیلا رہ گیا تھا۔ دنیا بھر کی اطلاعات اور صورت حالات پر غور کرنے کے بعد ہم اس نتیجے پر پہونچے کہ بغیر یہودیوں کی حمایت کے ہمارا کام نہیں چلتا۔ تعصب یا جانبداری اس نتیجے کے باعث نہ تھی، اہل عرب کے خلاف تو ہمارے تعصب کا سوال ہی کیا ہو سکتا ہے جبکہ ہماری صدہا بلکہ ہزارہا فوجیں اسوقت عربوں کو ترکوں سے بغاوت دلانے میں برسر جنگ تھیں"

اس بیان سے بالکل صاف ہو گیا کہ فلسطین کا معاملہ قطعی مذہبی نہیں بلکہ اس کی اصل روح رواں سامراجی قوتیں ہیں، مسٹر ایمری جو نو آبادیات اور برطانوی بیڑے کے وزیر رہ چکے ہیں کہتے ہیں۔

"برطانوی سامراج کے تحفظ اور فوجی اعتبار سے ہمارے لئے فلسطین کی اہمیت بہت زیادہ ہے"

کرنل کلفٹن براؤن (قدامت پسند پارٹی) کہتے ہیں۔

"وسائل آمد و رفت کا خیال رکھتے ہوئے فلسطین دولت برطانیہ کا سب سے اہم مرکز ہے ........ اس لئے اپنے مفاد کا خیال رکھتے ہوئے ہمیں برابر اس کا لحاظ رکھنا پڑے گا کہ اس ملک میں کوئی ایسی قوم نہ بس جائے اور قومیت کے جذبہ میں ایسی مبالغہ آمیز ترقی نہ ہو کہ ہماری جان کے لالے پڑ جائیں"

ان صاف و صریح بیانات سے کھل جاتا ہے کہ یہ جنگ محض سامراجی قوت کے استحکام کے لئے ہے اور در اصل سوال یہ ہے کہ فلسطین پر حکومت کون کرے؟ عرب یا برطانوی سامراج، یہودیوں اور عربوں کے جھگڑے اس معاملہ کا معمولی سا جزو ہیں یہی نہیں بلکہ سامراجی قوتوں کی تمام سرگرمیاں اسی زاویہ نگاہ سے ہوتی ہیں۔

ان واقعات کے کھل جانے کے بعد ہمارا راستہ نگاہ کے سامنے آجاتا ہے اور راہ کا سنگ گراں "سامراجی نظام" ہی معلوم ہوتا ہے۔

ہمارے پاس صرف ایک ذریعہ ہے وہ یہ کہ عوام کو منظم کریں اور کسانوں اور مزدوروں کو اپنی حمایت میں تیار کریں، ان کے پاس پیداوار کے ذریعے ہیں ان ہی کو ہمراہ لیکر ہم سامراج پر اپنا دباؤ ڈال سکتے ہیں۔ اس طرح ہندستان ہی میں ہمارا محاذ جنگ ہونا چاہئے۔

---

# ترقی پسند مصنفین

شمعِ انسانیت کی لو ہیں ہم
اک نئی روشنی کی ضو ہیں ہم
جو نظامِ کہن کو ڈھا دے گی
اُس بغاوت کے پیش رو ہیں ہم

"پیش رو"

# انقلاب کی پکار

جناب ملیح آبادی

گھوم میدان کی طرف اور دیکھ اے بھوک کے غلام
ہو رہا ہے جنگ آزادی کا خونی اہتمام

اٹھ رہے ہیں ہر طرف روٹی سے سب ترسے ہوئے
ہونے والے ہیں ہا سب بھوک کے مارے ہوئے

آ رہا ہوں چیختا۔ دیتا صدائے انقلاب
مجھ کو کہتے ہیں تلاطم، زندگی، طوفاں شباب

سر غرور و ظلم و نخوت کا کچل ڈالوں گا میں
پیس ڈالوں گا، رگڑ دوں گا مسل ڈالونگا میں

طوق محکومی ہے گردن میں چبا ڈالونگا میں
اس زمیں کی کیا حقیقت عرش ڈھا ڈالونگا میں

اپنے طوفاں سے مٹا دوں گا امارت کا غبار
شیطنت کا یہ تمدن مفلسی کا روزگار

جھونک دوں گا آگ کے اندر کرائے کے امام
خاک کر دوں گا ترے ماضی کا فرسودہ نظام

توپ اور بندوق جھک جائیں گے میرے سامنے
مسکرا کر جب بڑھوں گا میں امامت تھامنے

زخم سے بہتا لہو، ماتھے پہ نقش انقلاب
ہاتھ میں باگ امامت، رخ پہ آثار شباب

تمتماتا سرخ چہرہ، شان سے مردانہ وار
ساتھ جھنڈے خون سے بڑھتے قطار اندر قطار

خون میں گرمی، روانی، ولولے، عزم جہاد
جھومتا، بہتا، امنڈتا، چیختا "ہیں زندہ باد"

امتیاز "ما و تو" نخوت سے ٹھکراتا ہوا
وقت کی بوڑھی رگوں میں خون دوڑاتا ہوا

چھین لوں گا بادشاہوں سے حکومت کی لگام
موڑ دوں گا ایک جنبش سے میں باگ صبح و شام

مفلسی کو پھونک عالم کو بخشوں گا فراغ
جگمگا اٹھیں گے ہر جانب امارت کے چراغ

ارتقا کی منزلوں کو یوں ہی طے کرتا ہوا
چھا رہوں گا آسماں پر، امن برساتا ہوا

آدمی کی حکمرانی تاج پہنے آئے گی
آدمی رہ جائے گا سلطانیت مٹ جائیگی

# حکومت صوبجات متحدہ کا سنہ ۳۸-۱۹۳۷ء کا بجٹ

## ۶ ستمبر ۱۹۳۷ء کو لیجسلیٹو اسمبلی میں وزیر اعظم کی تقریر کا خلاصہ

قبل اسکے کہ میں کچھ اور بیان کروں میں آنریبل ممبران کو سنہ ۳۸-۱۹۳۷ء کی تخمینی آمدنی و خرچ وغیرہ کے اعداد سے مطلع کر دینا چاہتا ہوں۔

| | |
|---|---|
| آمدنی ... ... ... ... | ۱۲،۵۴،۰۷،۰۰۰ |
| خرچ جو آمدنی سے کیا جائے | ۱۲،۶۶،۷۴،۰۰۰ |
| آمدنی میں خسارہ | ۱۲،۶۸،۰۰۰ |
| قرض و جمع کی مد سے خالص آمدنی | ۲،۵۱،۳۸،۰۰۰ |
| افتتاحی بقایا | *۷۵،۱۲،۰۰۰ |
| میزان | ۳،۲۶،۵۰،۰۰۰ |

(*) اس میں مرکزی حکومت سے وصول شدہ رقم کا ۵۵ لاکھ روپیہ شامل ہے جو کہ سرکاری خزانوں میں نقد کی صورت میں یا ریزرو بنک میں جمع ہے)۔

| | |
|---|---|
| خالص اخراجات مال اور قرض کی مد میں | ۲،۷۰،۵۲،۰۰۰ |
| اختتامی بقایا | ۵۵،۹۸،۰۰۰ |

مال اور دیگر مدوں سے آمدنی اور اخراجات کی تفصیلات فائننس سکریٹری کی یادداشت میں دی ہوئی ہیں۔ بہرحال میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ ان تخمینوں کی تیاری کے بعد ہم کو یہ معلوم ہوا کہ پچھلے مالی سال کا اصل اختتامی بقایا ۴ لاکھ بڑھ جائیگا۔ اس سے خرچ کے لئے اور گنجائش نکل آئے گی۔

اب میں ان تبدیلیوں کو بیان کروں گا جو مختلف محکموں میں سنہ ۳۸-۱۹۳۷ء کے بجٹ کے تخمینہ میں (انگریزی اخراجات اور حسابی تبدیلیوں کے اثرات کو چھوڑ کر) اور سنہ ۳۷-۱۹۳۶ء کے واقعی خرچ میں ہوئی ہیں۔

| | |
|---|---|
| عام انتظامات (جنرل ایڈمنسٹریشن) | — ۴،۲۹،۰۰۰ |
| انتظامات عدل و انصاف | — ۴،۴۳،۰۰۰ |
| پولیس | — ۳،۳۰،۰۰۰ |
| صنعت و حرفت | + ۳،۰۶،۰۰۰ |
| سول ورکس | + ۴،۶۹،۰۰۰ |
| تعلیم | + ۲،۱۵،۰۰۰ |
| محکمہ طب (میڈیکل) | + ۷۱،۰۰۰ |
| صحت عامہ | + ۱،۶۷،۰۰۰ |
| زراعت۔ ویٹرنیری۔ کوآپریٹیو کریڈٹ | + ۱۱،۷۹،۰۰۰ |

اس طرح سے تقریباً تیس لاکھ کے اضافہ کے ساتھ جو قومی تعمیری شعبوں میں ہوا ہے خاص خاص انتظامی محکموں میں سے چند اخراجات میں واقعی کمی کی گئی ہے۔ جنرل ایڈمنسٹریشن میں ۴،۲۹،۰۰۰ کی۔ انتظامات عدل و انصاف میں ۴،۴۳،۰۰۰ کی اور پولیس میں ۳،۳۰،۰۰۰ کی کمی ہوئی ہے۔

میں اب سنہ ۳۶-۱۹۳۵ء و سنہ ۳۷-۱۹۳۶ء اور سنہ ۳۸-۱۹۳۷ء کے تینوں سالوں کی آمدنی کے بقایئے کے مختلف تخمینوں کا پہلے دو سالوں کے واقعی نتائج اور موجودہ سال کے تخمینہ کے ساتھ مقابلہ کرتا ہوں۔

آمدنی کا بقایا

| سال | اصلی بجٹ | ضمنی تخمینوں سے تصحیح شدہ | واقعی |
|---|---|---|---|
| سنہ ۳۶-۱۹۳۵ء | -۳۰۳۹۰۰۰ | -۳۱۶۳۰۰۰ | +۱۷۳۳۰۰۰ |
| سنہ ۳۷-۱۹۳۶ء | -۶۳۱۷۰۰۰ | -۷۶۶۶۰۰۰ | -۳۴۴۴۰۰۰ |
| سنہ ۳۸-۱۹۳۷ء | -۴۱۰۰۰۰۰ (الف) | | ۹۲۶۸۰۰۰ (ب) |
| | -۱۳۴۵۳۰۰۰ | | -۲۹۳۵۰۰۰ |

(الف) بجٹ جیسا کہ اولاً تیار کیا گیا تھا۔

(ب) بجٹ جیسا کہ اب پیش کیا گیا ہے۔

ہم لوگوں نے کھادی کی ترقی کے لئے مبلغ دس ہزار روپیہ علٰحدہ کر دیا ہے اسلئے کہ ہمارا خیال ہے کہ کھادی گورنمنٹ سے پوری امداد پانے کی مستحق ہے چونکہ وہ خاص طور پر ایک دیہاتی صنعت (دستکاری) ہے اور اس پر جو کچھ خرچ ہوتا ہے اس کی ایک ایک پائی ملک کے غریب ترین باشندوں کو ملتی ہے۔ ہمارا ارادہ ہے کہ اس مد کا روپیہ کھادی تیار کرنے کے مختلف طریقوں کی تحقیقات اور اسکے وضع او۔ خرچہ اور کھادی کے پارچہ جات کی ترقی میں خرچ کیا جائے۔ اسکے علاوہ ۱۲۳۹۰ روپیہ کی رقم گھر کے کی صنعت کو ترقی دینے کی غرض سے علٰحدہ کر دی گئی ہے۔

دیگر صنعتیں جنکے لئے ہم نے بجٹ میں روپیہ رکھا ہے حسب ذیل ہیں۔

| | سال بہ سال | صرف ایک سال کیلئے |
|---|---|---|
| تیل کی گھریلو صنعت کی ترقی کے لئے | ۴۰۰ | ۱۰۰۰۰ |
| کچے چمڑے کی صنعت کی ترقی کے لئے | ۱۷۵۰ | ... |
| شیشہ کی صنعت کی ترقی کے لئے | ۴۸۴۰ | ... |
| صنعت و حرفت کے بورڈ کی مزید امداد کیلئے | ۱۰۰۰۰ | ... |

صنعت و حرفت میں ہم لوگوں نے مزدوروں کی بہتری کے لئے مبلغ دس ہزار روپیہ مزدوروں کے افسر کے دفتر کے عملہ کے لئے جو حال میں کانپور میں مقرر ہوا ہے مبلغ تین ہزار روپیہ اور اس کمیٹی کے لئے جو کانپور میں صنعتی جھگڑوں کو طے کرنے کے لئے مقرر ہوئی ہے مبلغ ۳ ہزار روپیہ دیا ہے۔

پہاڑوں میں کام ملنے کے ذریعہ بہت کم ہیں۔ ان حصوں میں رہنے والوں کو روزی حاصل کرنے میں مدد دینے کیلئے ہمارا ارادہ ہے کہ اس بات کی جانچ پڑتال کریں کہ پہاڑوں میں کہاں کہاں پانی کے ذریعہ سے بجلی پیدا کی جا سکتی ہے اور ہم لوگوں نے اس غرض کے لئے بجٹ میں ایک قلیل رقم رکھی ہے۔

تعلیم کی مد میں پست اقوام کی تعلیم کیلئے بجٹ میں مبلغ پانچ ہزار روپیہ کی مزید رقم رکھی ہے جو سال بہ سال دی جائے گی۔ [لکھنؤ۔ مورخہ ۶ ستمبر ۱۹۳۷ء]

# سپاہی کی موت

علی سردار جعفری

## افراد:-

سپاہی:- ہندستانی
ڈاکٹر:- انگریز
نرس:- فرانسیسی
سارجنٹ:- انگریز

## منظر:-

اکتوبر ۱۹۱۶ء کی ایک شام۔

فرانس کی مشرقی سرحد پر ایک چھوٹے سے اسکول کی عمارت جو اب ایک فوجی اسپتال میں تبدیل ہو چکی ہے۔ ایک کمرہ جو زخمی سپاہیوں سے بھرا ہوا ہے۔ دروازہ کے قریب ایک ہندستانی سپاہی جس کے سر میں گولی لگی ہے۔ نیم بیہوشی کی حالت میں پڑا ہے۔ ایک فرانسیسی نرس اس کے سرہانے خاموش کھڑی ہے۔

**سپاہی**:- ہندستان میں میرا گھر ایک چھوٹے سے گاؤں میں ہے...... ایک چھوٹا سا گھر دریا کے کنارے...... گنگا...... اس دریا کا نام ہے...... میری ایک بیوی ہے۔ جو اپنے چھوٹے چھوٹے ہاتھوں سے گھر کا کام کاج کرتی ہے۔ اسکی بڑی بڑی آنکھیں مجھے آج تک یاد ہیں

**نرس** گھٹنوں کے بل زمین پر بیٹھ کے اپنا منہ سپاہی کے منہ کے قریب لاتی ہے، تمہیں ڈاکٹر صاحب نے زیادہ باتیں کرنے کی ممانعت کر دی ہے۔ دیکھو ورنہ تمہاری تکلیف زیادہ بڑھ جائے گی۔

**سپاہی** مجھے آئے ہوئے کتنے دن ہوئے...... وہ روز میرا انتظار کرتی ہوگی...... میں نے اسے آج تک کوئی خط نہیں لکھا۔ وہ سمجھتی ہوگی کہ میں لڑائی میں مار ڈالا گیا۔

**نرس** نہیں وہ ایسا نہیں سمجھتی ہوگی۔

**سپاہی** میرا ایک چھوٹا سا لڑکا بھی ہے۔ جب میں آیا تھا اسوقت وہ دو مہینے کا تھا۔ اب پیروں چلنے لگا ہوگا۔

**نرس** ہاں کیوں نہیں۔

**سپاہی** دن بھر مجھے آواز دیتا ہوگا۔ اسوقت میری بیوی خیال کرتی ہوگی کہ میں اسے بھول گیا۔

**نرس** نہیں وہ یہ سوچتی ہوگی کہ تم ہر وقت اسے یاد کرتے ہوگے۔

**سپاہی** وہ خیال کرتی ہوگی کہ میں اسے بھول گیا۔ تالاب کے اس کنارے کو بھول گیا...... (ایک گہری سانس لیتا ہے)...... جہاں وہ صبح سے شام تک لکڑیاں بینا کرتی تھی۔ اور جب میں کھیتوں سے واپس ہوتا تھا تو ہم دونوں ساتھ ساتھ گھر آتے تھے۔

**نرس**۔ آنکھیں ڈبڈبا آتی ہیں۔ سنو میں تمہیں اپنے بچپن کا ایک قصہ سناؤں

سپاہی اپنی نیم بیہوشی کی حالت میں کچھ سوچتے سوچتے خاموش ہو جاتا ہے۔ نرس سمجھتی ہے کہ وہ قصہ سننے کے لئے چپ ہو گیا ہے۔
میں بچپن میں ایک گاؤں میں رہا کرتی تھی میرے گھر کے پاس ہی ایک بڑھیا رہتی تھی میں کہانی سننے کے لئے اس کے پاس جایا کرتی تھی۔ مگر میری ماں مجھے اسکے پاس جانے سے ہمیشہ روکتی تھیں۔ وہ کہتی تھیں کہ یہ بڑھیا جادو......

**سپاہی** بے چینی سے گردن بدلتا ہے۔ آہ میرے سر میں کتنی تکلیف ہے جب کبھی میرے گھر پر میرے سر میں درد ہوتا تھا۔ تو میری بیوی اپنی پتلی پتلی انگلیوں سے میری کنپٹی دبایا کرتی تھی۔ آہ۔

**نرس** (محبت سے) لاؤ میں تمہارا سر دبا دوں۔

**سپاہی** کچھ ہوش میں آکر۔ نہیں میرے سر میں ہاتھ مت لگانا۔ وہ پھوڑے کی طرح دکھ رہا ہے۔ اس میں گولی پیوست ہو چکی ہے۔ اور جب تک وہ نہ نکلے گی تکلیف کم نہ ہوگی۔

**نرس** تم بھی کیسی باتیں کر رہے ہو۔ تمہارے گولی نہیں لگی ہے صرف ذرا سی چوٹ آگئی ہے اب تم بالکل اچھے ہو (اپنی انگلیاں اسکی پیشانی پر آہستہ آہستہ پھیرنے لگی۔)

**سپاہی** تم مجھے دھوکا دیکر بہلانا چاہتی ہو مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ پرسوں شام کو ایک گولی میرے سر میں لگی تھی۔ ڈاکٹر نے اسکو ابھی تک نہیں نکالا ہے۔ تمہیں یاد نہیں کہ اسنے کہا تھا کہ میری حالت اس قابل نہیں

**نرس** تم نے خواب دیکھا ہوگا۔

**سپاہی** خواب نہیں۔ توپوں کے گرجنے کی آواز اور گولیوں کی سنسناہٹ ابھی تک میرے دماغ میں گونج رہی ہیں۔ اُف کسقدر ہولناک جنگ ہے۔ گولیاں اولوں کی طرح برستی ہیں۔ انسانوں کی جان کی کوئی قیمت باقی نہیں جیسے وہ اسی لئے پیدا ہوئے تھے۔ آہ! میں اپنے سر میں گولی کا وزن محسوس کر رہا ہوں

**نرس** (سپاہی کا خیال ہٹانے کے لئے) دیکھو دروازے کے باہر کتنی خوبصورت شام ہے

**سپاہی** ہندستان کی شام زیادہ خوبصورت ہوتی ہے۔ گرم ملک کی گرم شام...... وہاں میرے کھیت ہیں۔ ہندستان میں تم سمجھتی ہو کچھ؟ اب وہ بیکار پڑے ہونگے کوئی انہیں جوتنے والا بھی نہ ہوگا۔

**نرس** جب تم اچھے ہو کر یہاں سے ہندستان واپس جاؤ گے۔ تو میں وہاں کی شام کا لطف اٹھانے کے لئے تمہارے ساتھ چلوں گی۔

**سپاہی** (مسکراتا ہے) وہاں میری بیوی موجود ہے۔

**نرس** تو کیا حرج ہے۔

**سپاہی** میں اس سے بہت محبت کرتا ہوں۔

**نرس** کوئی میں تم سے شادی تو کروں گی نہیں۔ میں تو ہندستان میں گھوم پھر کر واپس آجاؤنگی۔ سپاہی کوئی جواب نہیں دیتا۔ اور اپنی آنکھیں بند کر لیتا ہے۔ جیسے غنودگی طاری ہو رہی ہے۔ نرس اسکی نبض دیکھتی ہے۔ اور اطمینان کی سانس لے لیکر کھڑی ہو جاتی ہے اور دوسرے زخمی سپاہیوں کے دیکھنے میں مشغول ہو جاتی ہے تھوڑی دیر کے بعد ڈاکٹر داخل ہوتا ہے۔ نرس کو انگلی کے اشارے سے دروازے کے قریب بلاتا ہے۔

**ڈاکٹر** سارجنٹ جخمی ہو کر آیا ہے۔

**نرس** لیکن یہاں تو بالکل جگہ نہیں ہے۔

**ڈاکٹر** ہمیں تو اسکے لئے جگہ پیدا کرنی پڑیگی۔

**نرس** کیا سارجنٹ کی حالت اسقدر خراب ہے۔

**ڈاکٹر** اس سے کوئی بحث نہیں۔

**نرس** اگر اسکی حالت اس قابل ہو کہ وہ بچ جائے تو کچھ انتظام کیا جائے۔

**ڈاکٹر** یہاں کے زخمیوں میں سب سے زیادہ کس کی حالت خراب ہے۔

**نرس** ایک انگریز سپاہی کی طرف اشارہ کر کے) وہ جسکے پیٹ میں گولی لگی ہے۔ اسے آئے ہوئے ایک مہینہ ہوا ہے۔ اب اسکے بدن میں زہر پھیل گیا ہے۔

**ڈاکٹر** اور یہ ہندستانی سپاہی جسکے سر میں گولی لگی ہے۔

**نرس** یہ تو بچ سکتا ہے۔ اگر اسکے سر سے گولی نکل جائے۔ ایک دن کے بعد آپریشن کے قابل ہو جائے گا۔

**ڈاکٹر** میرے خیال میں اسکی جگہ خالی ہو سکتی ہے۔

**نرس** کیسے؟

**ڈاکٹر** اسے زہر دیدو۔

**نرس** زہر کیوں۔

**ڈاکٹر** ہمیں ایک جگہ کی ضرورت ہے۔ آخر سارجنٹ کو کہاں رکھیں۔

**نرس** اسکے یہ معنی تو نہیں ہیں کہ ایک مرتے ہوئے سارجنٹ کے لئے ایک زندہ سپاہی کو زہر دیدیا جائے۔

**ڈاکٹر** ہندستانی وارڈ میں جگہ نہ ہونے کی وجہ سے یہ یہاں انگریزی وارڈ میں لایا گیا تھا۔ ایک انگریز سارجنٹ آگیا ہے۔ اس لئے ہندستانی سپاہی کو جگہ خالی کر دینی چاہیئے۔

**نرس** یہاں سوال موت اور زندگی کا ہے۔ انگریز اور ہندستانی سے کیا مطلب ہے۔

**ڈاکٹر** تمہیں اس سے کوئی مطلب نہیں۔ تمہیں صرف میرے حکم کی تعمیل کرنی چاہیئے۔

**نرس** یہ میں نہیں کر سکتی۔

**ڈاکٹر** تمہیں کرنا پڑیگا (ڈاکٹر چلا جاتا ہے) اور نرس خاموش کھڑی رہجاتی (ہندستانی سپاہی آہستہ سے کراہتا ہے نرس اسکے پاس آجاتی ہے)

**سپاہی** اپنی دیہاتی زبان میں) دیکھو میرے سر میں ابھی تک گولی کا نشان موجود ہے......میں جتنے دن ہندستان سے باہر رہا تمہیں برابر یاد کرتا رہا......ایک نرس میرے ساتھ آنا......چاہتی تھی مگر میں اسے نہیں لایا.........صرف تمہارے خیال سے......وہ بڑی خوبصورت تھی۔ بالکل چینی کی گڑیا معلوم ہوتی تھی مگر میں نے اس سے صاف کہدیا کہ میں تمہیں اپنے ساتھ نہیں لیجا سکتا.............(نرس اسکی باتیں نہیں سمجھی وہ ٹمٹماتے ہوئے لیمپ کی طرف دیکھ رہی تھی)

.........اُف.........(اپنے ہاتھ سے سر پر بندھی ہوئی پٹی نوچنے لگتا ہے)

**نرس** جھک کر اسکا ہاتھ پکڑ لیتی ہے) تم کیا کر رہے ہو!

**سپاہی** (پھر آنکھیں کھول دیتا ہے) آہ میرا سر پھٹا جاتا ہے ڈاکٹر سے کہو گولی نکالدے نہیں تو میں مرجاؤنگا (نرس اسکے ہاتھوں کی انگلیاں سہلاتی ہے) بتاؤ ڈاکٹر گولی کب نکالے گا۔ نرس خاموش ہے (بولو۔ میرے سر میں بہت تکلیف ہے

**نرس** تم ایک......(جھجکتی ہے)......تم ایک خوراک دوا پی لو کیوں پیو گے؟

**سپاہی** اس سے کیا ہوگا؟

**نرس** تمہاری تکلیف جاتی رہیگی۔

**سپاہی** بغیر گولی نکلنے کے تکلیف نہیں جا سکتی۔ اس کا درد میرے دماغ میں محسوس ہو رہا ہے (نرس سپاہی کو چھوڑ کر کمرے سے جانے لگتی ہے) تم کہاں جا رہی ہو۔

**نرس** (مڑ کر) تمہارے لئے دوا لینے جاتی ہوں۔

**سپاہی** نہیں رہنے دو۔ تم مجھ سے بیٹھ کر باتیں کرو تمہاری باتوں سے میری تکلیف کم ہو جاتی ہے۔ (نرس بغیر جواب دیئے چلی جاتی ہے)

**نرس** اس دوا سے کیا ہو سکتا ہے۔ میں تین دن سے دوا پی رہا ہوں یہ سب میرے سر کا (؟) آپ یقین کیوں نہیں کرتے..........اُف کسقدر اندھیرا ہے کمرہ بالکل تاریک ہو رہا ہے......آج لیمپ ابھی تک نہیں جلا۔ اُف موت کا سا ڈراؤنا سناٹا......یہ لوگ مجھے مار ڈالیں گے.........

**سکوت**

.........وہ ابھی تک نہیں آئی۔ میری باتوں سے شاید گھبرا گئی۔ وہ خفا ہو گئی ہوگی۔ میں نے اسے ہندستان لیجانے سے انکار کر دیا۔ جب میں گھر واپس جاؤنگا تو اپنی بیوی سے یہ سب قصہ سناؤنگا۔ (نرس ایک چھوٹے شیشہ گلاس میں دوا لیکر آتی ہے۔

**نرس** لو میں آگئی۔

**سپاہی** میں دوا نہیں پیونگا۔

**نرس** دیکھو میرے ہاتھ سے پی لو۔ ابھی تکلیف جاتی رہیگی۔

**سپاہی** تم بڑی اچھی ہو۔

**نرس** تم اسپر بھی میرا کہا نہیں مانتے۔

**سپاہی** اچھا لاؤ (اپنا منہ کھول دیتا ہے) نرس دوا اسکے منہ میں انڈیل دیتی ہے۔ اسکی انگلیاں کانپنے لگیں اور گلاس چھوٹ کر سپاہی کی گردن پر گر پڑتا ہے۔ نرس دروازہ کی طرف منہ پھیر کر کھڑی ہو جاتی ہے۔ سپاہی کے تیز تیز سانس اور ہاتھ پاؤں پٹکنے کی آواز آتی ہے۔ نرس گھبرا کر اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیتی ہے اسکی نگاہوں میں سپاہی کی بیوی اور چھوٹے سے معصوم بچے کی

شکل ہو جاتی ہے۔ وہ اپنی آنکھیں بند کر لیتی ہے لیکن اندھیرے میں اب بھی تصویریں بنتی اور بگڑتی نظر آ رہی ہیں۔ ڈاکٹر داخل ہوتا ہے اس کے ساتھ دو آدمی اور ہیں)

**ڈاکٹر** نرس کا شانہ پکڑ کر ہلاتا ہے) یہاں کھڑی ہوئی کیا کر رہی ہو؟

**نرس** گھبرا کر آنکھیں کھول دیتی ہے۔ اس غریب کو زہر دے تو دیا اب کیا کروں۔

**ڈاکٹر** اسکو یہاں سے فوراً اٹھوا دو تاکہ سارجنٹ کو اگر کوئی فوری مدد پہنچائے اسکے سینے کا خون ابھی تک بند نہیں ہوا۔

**نرس** ڈاکٹر کے ساتھ والے دونوں آدمیوں کو دیکھتی ہے) اسکو اٹھا لیجاؤ (ادھر آدمی مرے ہوئے سپاہی کو اٹھا کر لیجاتے ہیں ادھر دو آدمی سارجنٹ کو لیکر داخل ہوتے ہیں۔ اسکی گردن ایک طرف کو ڈھلکی ہوئی ہے۔ اور سارے کپڑے خون میں رنگے ہیں۔ ڈاکٹر اسے بستر پر لٹاتا ہے اور جلدی اسکے کوٹ کے بٹن کھولتا ہے۔ سینے پر بائیں طرف دل کے قریب ایک زخم نظر آیا جس سے خون چشمے کیطرح ابل رہا ہے) یہ تو بس تھوڑی دیر کا مہمان ہے

**ڈاکٹر** ہمیں اس سے کیا ہمارا کام صرف کوشش ہے

**نرس** (طنزیہ) اور کیا!

سارجنٹ کے ہاتھ میں ہلکی سی جنبش پیدا ہوتی ہے چہرے کا رنگ پھیکا پڑ جاتا ہے۔ اور سینے کا خون خود بخود بند ہو جاتا ہے۔ ڈاکٹر اٹھ کر باہر چلا جاتا ہے نرس سارجنٹ کے قریب آتی ہے۔ اور بہکتے ہوئے ہاتھوں سے اسکے کوٹ کے بٹن لگانے لگتی ہے

---

# ہندستان اور دنیا

کانگرس کے صدر نے کانگرس کمیٹیوں کو ایک بیان بھیجا ہے جسکا خلاصہ یہ ہے۔

ہمکو جیسی مصیبتوں کا سامنا ہے ظاہر ہے۔ لیکن یہ نہ بھولنا چاہیئے کہ ہم اپنے ملک کے معاملوں کو دنیا کے معاملوں سے ہٹا کر نہیں حل کر سکتے عالمگیر جنگ دنیا پر چھا رہی ہے، ایسی حالت میں ہمکو ضرورت ہے کہ عوام تک صحیح حالات پہونچاتے رہیں

**زنجبار** کے ہندستانی اپنی حق تلفی پر ستیہ گرہ کر رہے ہیں۔ ان کی کامیابی پر تمام سمندر پار کے ہندستانیوں کی کامیابی موقوف ہے۔ کانگریس کی ورکنگ کمیٹی نے ہندستان میں لونگ کے بائیکاٹ کا فیصلہ کیا ہے۔ ہر ممبر کا فرض ہے کہ اسکو کامیاب بنائے۔

**فلسطین** میں برطانوی سامراج اپنے فائدہ کے لئے عربوں کو نقصان پہونچا رہا ہے۔ کانگرس مظلوم عربوں کے ساتھ ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ عرب اور یہود آپس میں معاملہ طے کر سکتے ہیں۔ کسی طاقت کو اسمیں دخل نہ دینا چاہیئے۔

**حبش** کو مجلس اقوام سے خارج کرنے کے لئے برطانیہ ریشہ دوانیاں کر رہا ہے۔ پچھلی بار جب یہ ارادہ کیا تھا تو نیوزیلینڈ کے نمائندہ نے مخالفت کی تھی، اور سب انصاف پسند قوموں نے ساتھ دیا تھا۔ اس مرتبہ برطانیہ خاموش ہو گیا۔ اب پھر وہی ارادہ ہے۔ اور بہت ممکن ہے کہ ہندستانی نمائندہ اس کا ساتھ دے۔ ہم کو اس کے خلاف احتجاج کرنا چاہیئے۔

**ہندستانی فوجوں کو** حکومت نے شنگھائی بھیجا۔ ہم بتا چکے ہیں کہ سامراج کی خاطر ہم کسی لڑائی میں گرونے کیلئے تیار نہیں۔

**چین و جاپان** کی لڑائی میں ہم چین کے ساتھ ہیں۔ ہم کو چاہئے کہ اپنی ہمدردی کا مظاہرہ کریں لیکن اگر یہ لڑائی عالمگیر ہو گئی تو ہم اس میں حصہ نہیں لیں گے۔

دنیا کے حالات تیزی سے بدل رہے ہیں، ہمارا فرض ہے کہ عوام کو آنے والے خطرات سے آگاہ کرتے رہیں۔

---

## مراسلات

جناب ایڈیٹر صاحب

میں آپ کی وساطت سے مسٹر جناح سے ایک بہت چھوٹی سی خواہش کرنا چاہتا ہوں۔ وہ خود چاہے انگریزی ہی میں تقریر کیا کریں مگر یوپی کی مسلم لیگ کو تو کم از کم ہدایت کر دیں کہ وہ اردو بولے۔ ابھی تو یہ شان ہے کہ کانگرسی بولتے اپنا ہندستانی میں، مگر مسلم لیگ کے عالی شان لوگ اسکو منہ نہیں لگاتے۔ نتیجہ یہ ہے کہ ہم چھوٹے لوگ جب اسمبلی کے لاؤڈ اسپیکر کے سامنے کھڑے ہوتے ہیں تو کانگرسیوں کی تقریریں تو سمجھ لیتے ہیں، مگر مسلم لیگ والوں کی بات بالکل سمجھ میں نہیں آتی۔ شاید انگریزی زبان بھی اسلامی کلچر میں داخل ہو۔ اقبال تو اسلام کو زبان، وطن اور قوم سے آزاد سمجھتے ہیں۔ اگر ایسا ہے تو پھر مسلم لیگ کے ممبران حق بجانب ہیں۔ اور یہ صرف ہم ۷ کروڑ مسلمانوں کی بدنصیبی ہے۔ فقط

"ایک مسلمان"

---

جناب ایڈیٹر صاحب

بندلکھنڈ کے ضمنی انتخاب کے سلسلہ میں مولانا شوکت علی اور اخبار الامان اور وحدت نے مسلم لیگ کے فیصلے کو "اجماع امت" قرار دیا اور اس سے روگردانی کرنے والے کو مرتد" ٹھہرایا ہم نے دیکھا کہ باوجود اسکے بھی ۴۲ فیصدی مسلمانوں نے مسلم لیگ کے فیصلے کے خلاف کانگرسی امیدوار کو ووٹ دیا۔ گویا مسلم لیگ کے حامیوں کے خیال میں وہ سب "مرتد" ہو گئے۔

مجھے بالکل یقین ہے کہ یہ ۴۲ فیصدی مسلمان جو مرتد ہو گئے ہیں ان میں سے شاید ہی چند ایسے ہوں جو دوبارہ پڑنے پر اپنے گناہوں پر نادم ہوں اور توبہ کر لیں۔ باقی بڑے سخت قسم کے مرتد ہیں ان کے حق میں مولانا شوکت علی اور مسلم لیگ کے دوسرے مولاناؤں کا کیا فتویٰ ہے؟ کیا ہر مسلمان کو اُن کے سنگسار کرنے کی امکانی کوشش کرنا چاہیئے دوسری بات یہ ہے کہ ہمارے علماء ارتداد کے اس بڑھتے ہوئے سیلاب کو روکنے کی کیا کوشش کر رہے ہیں۔ انکو سخت جد و جہد کرنا چاہیے ورنہ خطرہ ہے کہ آگے چلکر ۵۰ بلکہ ساٹھ اور ۷۰ فیصدی مسلمان کانگرس کو ووٹ دے کر مرتد ہو جائیں گے۔

"بندلکھنڈ کا ایک رائے دہندہ"

# نوٹس

## باجلاس جناب تحصیلدار صاحب رام سنیہی گھاٹ ضلع بارہ بنکی

بکرن سنگھ مدعی

بنام

مسماۃ بلونتا مدعا علیہ

دعویٰ تصحیح کھیوٹ موضع بیرا پور وغیرہ۔

بنام مسماۃ بلونتا بیوہ ٹھاکر سنگھ قوم ٹھاکر ساکن گورا پرگنہ دریاباد مزرعہ ارسنڈہ پرگنہ دریاباد۔ مدعا علیہ

واضح ہو کہ مدعی نے تمہارے نام ایک نالش بابت تصحیح کاغذات کھیوٹ دائر کی ہے لہذا تمکو حکم ہوتا ہے کہ تم بتاریخ ۱۵ ر ماہ ستمبر ۱۹۳۶ء بوقت دس بجے بمقام رام سنیہی گھاٹ اصالتاً یا معرفت وکیل کے جو مقدمہ کے حالات سے قرار واقعی واقفیت کیا گیا ہو اور جو کل امور اہم متعلقہ مقدمہ کا جواب دے سکے یا جسکے ساتھ کوئی اور شخص ہو کہ جواب ایسے سوالات کا دے سکے حاضر ہوا ور جوابدہی دعویٰ کی کرو اور ہر گاہ وہی تاریخ جو تمہاری حاضری کے لئے مقرر ہے واسطے انفصال قطعی مقدمہ کے تجویز ہوئی ہے پس تم کو لازم ہے کہ اُسی روز اپنے جملہ گواہوں کو جن کی شہادت پر نیز جملہ دستاویزات جن پر بتائید اپنے جوابدہی کے استدلال کرنا چاہتے ہو پیش کرو۔

اور تم کو اطلاع دیجاتی ہے کہ اگر بروز مذکور تم حاضر نہ ہوگے تو مقدمہ بغیر حاضری تمہاری مسموع اور فیصل ہوگا۔

بثبت میرے دستخط اور مہر عدالت کے آج بتاریخ ۲ ماہ ستمبر ۱۹۳۶ء جاری کیا گیا۔

دستخط بخط انگریزی

مہر عدالت

---

# اطلاع

(۱) اگر تم کو یہ اندیشہ ہو کہ تمہارے گواہ اپنی مرضی سے حاضر عدالت نہ ہونگے تو تم عدالت ہذا سے سمن بایں مراد جاری کرا سکتی ہو کہ جو گواہ نہ حاضر ہو وہ جبراً حاضر کرایا جائے اور جس دستاویز کو کسی گواہ سے پیش کرانے کا تم استحقاق رکھتی ہو اس سے پیش کرائی جائے بشرطیکہ تم خرچہ ضروری عدالت میں داخل کر کے اس امر کی درخواست گذرانو۔

(۲) اگر تم مطالبہ مدعی کو تسلیم کرتی ہو تو تمکو لازمی ہے کہ روپیہ خرچہ نالش عدالت میں داخل کرو تاکہ کارروائی اجراء ڈگری کی جو تمہاری ذات یا مال دونوں پر ہو کرنا نہ پڑے۔

علامت نشان انگوٹھا بکرن سنگھ

---

[قابل فروخت]

## اطلاعنامہ بنام قرضخواہان دربارہ پیش کرنے اپنے دعویٰ کے حسب دفعہ ۹. ایکٹ جائداد ہائے مقروضہ ممالک متحدہ

بعدالت جناب بابو شیو بھر بند و بھوش بنرجی اسپشل جج صاحب بہادر گونڈہ درجہ دویم مقام گونڈہ - ۷ - دسمبر ۱۹۳۶ء

مقدمہ نمبری نمبر ۳۰۳ ۱۹۳۶ء

مسماۃ عائشہ خاتون نابالغ بولایت مسماۃ کلثوم بی بی ساکن موبجھانی پرگنہ تحصیل اترولہ ضلع گونڈہ۔ قرضخواہ سائل۔

بنام

۱- محمد محمود انق خاں ولد نواب علیخاں ساکن موضع پرنیا بارلا پرگنہ اترولہ ضلع گونڈہ۔

۲- مسماۃ کرم بی بی بیوہ عبدالرزاق خاں ساکن موضع موبجھانی ڈاکخانہ چمرو پور پرگنہ اترولہ ضلع گونڈہ۔

۳- ارتضیٰ خاں ولد ولی محمد خان ساکن موضع و ڈاکخانہ چمرو پور ضلع گونڈہ

۴- ضیا، اللہ خاں ولدنا معلوم ساکن موضع چمرو پور ڈاکخانہ چمرو پور ضلع گونڈہ

۵- زاں خاں ولدنا معلوم ساکن موضع فقرا پور ڈاکخانہ چمرو پور ضلع گونڈہ

قرضخواہ فریق ثانی

چونکہ ایک درخواست حسب دفعہ ۴- ایکٹ جائداد ہائے مقروضہ ۱۹۳۴ء (ایکٹ ۲۵ ۱۹۳۴ء) جس کی ترمیم از روئے ایکٹ ۴ ۱۹۳۵ء ہوئی ہے مسماۃ عائشہ خاتون ساکن موبجھانی ضلع گونڈہ نے اس غرض سے پیش کی ہے کہ ایکٹ جائداد مقروضہ کے احکام اس پر لگائے جاویں۔

لہذا اس تحریر کی روسے حسب دفعہ ۹ (۱) ایکٹ جائداد ہائے مقروضہ ممالک متحدہ ۱۹۳۴ء جس کی ترمیم از روئے ایکٹ ۴ ۱۹۳۵ء ہوئی ہے تم کو اطلاع دیجاتی ہے کہ اگر تم مسماۃ عائشہ سائلہ مذکور کی ذات یا جائداد کے خلاف ہر دو ڈگری شدہ یا غیر ڈگری شدہ خانگی قرضہ جات کے متعلق دعویٰ رکھتے ہو تو گزٹ ممالک متحدہ میں اس اشتہار کے شائع ہونے کی تاریخ سے تین ماہ کے اندر اپنے دعویٰ کے متعلق تحریری بیان اصالتاً یا بذریعہ مختار مجاز حسب منشار ایکٹ عدالت ہذا میں پیش کرو۔ ورنہ اس کی عدم تعمیل میں اسکے خلاف تمہارا ہر دعویٰ ڈگری شدہ خواہ غیر ڈگری شدہ تمام اغراض اور موقعوں کے لئے اس ایکٹ کی دفعہ ۱۳ کی روسے باضابطہ ادا شدہ متصور ہوگا۔

میرے دستخط اور عدالت کی مہر سے آج بتاریخ ۳۰ ر اگست ۱۹۳۶ء جاری کیا گیا۔

بحکم اسپشل جج درجہ دوم ضلع گونڈہ۔

بدستخط منصرم عدالت

مہر عدالت

---

### نرخنامہ اشتہارات ہندستان

| باہر کا آخری صفحہ | اندر کے صفحے |
| --- | --- |
| پورا صفحہ۔ ۲۵ روپئے۔ | ۲۰ روپئے |
| آدھا صفحہ۔ ۱۳ روپئے۔ | ۱۱ روپئے |
| چوتھائی۔ ۷ روپئے۔ | ۶ روپئے |

ہندستان یو ربیومسسن جیند ملک صنعت سے بیابت اللہ دایکی آنریری دہلی سے ماہنامہ شمہ گمر ۱۳ الاہ سلیمنہ سلطانیہ مرفی پرس میں چھپوا کر [illegible] شائع کیا

هفتہ وار ہندستان لکھنؤ

جلد ۱ نمبر ۷ | ۹ ار ستمبر ۱۹۳۷ء | فی پرچہ ۱ر سالانہ ۲ روپے


# صوبہ متحدہ کا بجٹ

نئی وزارت کو آتے ہی بڑی مالی پیچیدگیوں سے سابقہ پڑا۔ اندازہ ہوتا تھا کو کئیں لاکھ کی کمی سے کام شروع کرنا پڑے گا بجٹ کی تیاری کیلئے چند ہفتہ رہ گئے تھے اتنے زمانہ میں ساری حکومت کے نظام کا جائزہ لینا۔ اور اس کمی کے پورا کرنے کی اسکیم بنانا مشکل کام تھا۔ لیکن یوپی کی وزارت نے جس کامیابی سے یہ فرض پورا کیا ہے قابل تعریف ہے۔

وزیر اعظم نے اپنی تقریر میں کہا: "کانگرس پارٹی ایک نیا دور شروع کرنے اٹھی ہے۔ دہاتوں کی حد سے بڑھی ہوئی غریبی دور کرنا ہے۔ تاریکی کی جگہ روشنی، ہیجان، بدمزہ زندگی، مایوسی اور پست ہمتی کی جگہ امید اور حوصلے پیدا کرنا ہیں" اس غرض سے قومی تعمیر کے اداروں کو ہمیشہ سے بہت زیادہ رقم دی گئی ہے

وزارت نے عام انتظامات، عدالت، اور پولیس کے اخراجات میں کر بارہ لاکھ کم کردیے اور قومی تعمیر کیلئے ۲۲ لاکھ روپیہ نکالے ہیں۔ بجٹ کی خاص خاص مدیں یہ ہیں۔

| | |
|---|---|
| دیہات سدھار کے لئے | دس لاکھ |
| دیہاتی لائبریریوں کے لئے | بیس ہزار |
| آلو کی تحقیقات کے لئے | پانچ ہزار |
| اچھے بیج مہیا کرنے کے لئے | تین لاکھ |
| کرگھے کی صنعت کی ترقی کے لئے | ایک لاکھ چوبیس ہزار |
| ملیریا کو دور کرنے کے لئے اور اسکے علاج کیلئے | اسی ہزار |
| دیہاتوں میں اسپتال قائم کرنے کیلئے | ڈیڑھ لاکھ |
| نوجوانوں میں صنعت وحرفت پھیلانے کیلئے | ایک لاکھ |

ان اخراجات کو پورا کرنے کیلئے ساڑھے بارہ لاکھ کی کمی پڑتی ہے۔ اس سلسلے میں پنڈت دلبھ پنت نے کسی ماہرین مالیات کی رائے پیش کی جس بجٹ میں تھوڑی سی کمی رہے، وہ اس سے بہتر ہے جس میں بہت سی بچت ہو۔

اس سال یوپی کی وزارت انسداد شراب نوشی کے لئے کچھ نہیں کر سکی، کیونکہ پہلی وزارت نے ۱۹۳۷-۳۸ء کے شراب کے ٹھیکے شراب خانے والوں کے ہاتھ فروخت کردیئے تھے لیکن وزیر اعظم نے وعدہ کیا ہے کہ اگلے سال پوری کوشش کی جائے گی۔

وقت کی کمی اور حالات کو دیکھتے ہوئے بجٹ قابل تعریف ہے۔ لیکن ملک کی اُمیدیں کانگرس سے بہت زائد ہیں۔ ان اُمیدوں کو پورا کرنے کے لئے اگلے بجٹ میں ہکو انقلابی تبدیلیاں کرنا پڑیں گی۔ لگان بہت کم کیا جائے گا مزدوروں کی امانت صحت وتعلیم اور تنظیم کے لئے مزید رقم دی جائے۔ ابتدائی تعلیم مفت کی جائے۔

اس سلسلے میں ہم کو ایک بات نہ بھولنا چاہئے وہ یہ کہ دستور اساسی سے صوبجاتی حکومتوں کو جو آمدنیاں ملی ہیں وہ ایسی ہیں جنہیں ترقی کی گنجائش بہت کم ہے۔ آئی بڑی بہت بڑی مد آبکاری ہے جسکو کانگرس جلد سے جلد توڑنا چاہتی ہے۔ یہ سب کمی اگر پوری کیجاسکتی ہے تو صرف بڑے بڑے زمینداروں کی مالگذاری بڑھانے سے، اور بڑے مہاجنوں اور کارخانہ داروں پر مختلف قسم کے ٹیکس لگانے سے۔ جب تک کانگرس اس انقلاب کے لئے تیار نہیں ہوتی وہ مزدوروں اور کسانوں کو کوئی خاص فائدہ نہیں پہونچا سکتی۔

# سی پی کا بجٹ

دستور اساسی کی بے انصافیوں کو سی پی کا بجٹ نمایاں طور پر ظاہر کرتا ہے۔ اس صوبہ کی آمدنی بہت کم ہے، جو کچھ آمدنی ہے وہ زمینوں سے ہے اور اس میں روئی کی کاشت خاص آمدنی کا ذریعہ ہے۔ مگر اس سال ارتقامیہ [illegible] بہت پیدا ہوئی ہے اس لئے ڈر ہے کہ ہندستان میں روئی کا بھاؤ بہت گر جائے گا، اور روئی کے کاشتکاروں کو بہت گھاٹا ہوگا اور سی پی کی وزارت کی آمدنی بھی کم ہوجائے گی۔

میں ۔ فیصدی شرح سود پر قرضہ لیا گیا۔ اور اسی زمانے میں ایک انگریزی میونسپلٹی نے ۴ فیصدی شرح سود پر قرضہ لیا۔

## یوپی کی اسمبلی میں ہندستانی زبان

اسمبلی کا قاعدہ ۔ ہے کہ صرف وہی لوگ ہندستانی میں بول سکتے تھے جو انگریزی نہ جانتے ہوں۔ لیکن کانگریس کی وزارت جب سے ہوئی۔ زیادہ تر لوگ ہندستانی میں تقریریں کرنے لگے۔ اس ہفتہ میں ایک ممبر نے اعتراض کیا کہ جو لوگ انگریزی بول سکتے ہیں وہ بھی ہندستانی میں تقریر کرتے ہیں یہ خلاف قاعدہ ہے۔ اسپیکر نے فیصلہ کیا کہ اسمبلی کی خاص زبان ہندستانی رہے گی۔ لیکن جو ممبران انگریزی بولنا چاہیں ان کو اجازت ہے۔ اسپیکر کے اس فیصلہ پر وہ پرانا قاعدہ بدل گیا۔

## چین کی لڑائی

شمالی چین کا محاذ تقریباً دو سو میل تک پھیلا ہوا ہے۔ ہوپی کے جنوب سے شانسی کے شمال و مغرب تک۔ یہاں ۶ ستمبر کو چینیوں نے بہت بہادری سے جاپانیوں کو روکا لیکن۔ آخر پیچھے ہٹنا پڑا۔ اور جاپانی ۵۰ میل شانسی میں گھس گئے۔ اب جاپانی ۸۰,۰۰۰ ہیں اور چینی ۴۰,۰۰۰

شنگھائی کے محاذ پر سخت لڑائی ہوتی رہی۔ چینی جس جانبازی سے لڑتے ہیں وہ ایک واقعہ سے معلوم ہوتا ہے۔ ایک دستہ چینی فوج سے الگ ہو کر دشمن میں گھر گیا تھا۔ اس نے چار روز تک گھاس ۔۔۔ اور درختوں کی چھال پر گذارا کیا دراطاعت کرنے سے مرجانا پسند کیا۔

شنگھائی کا محاذ بہت عجلت سے بنایا گیا تھا۔ جاپان کی سخت گولہ باری نے اسکو بچاؤ کے قابل نہ رکھا۔ اس لئے چینیوں نے پیچھے ہٹ کر ایک عمدہ محاذ تیار کیا، اور اب ادھر دب گئے ہیں۔ جاپانی بہت احتیاط سے شنگھائی شہر پر قبضہ کر رہے ہیں۔

چین جس طرح لڑ رہا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لڑائی آسانی سے نہیں ختم ہوگی۔ اور اس میں جتنی دیر لگے گی چین کیلئے اچھا ہے۔ خبر ہے کہ روس نے اپنے ہوابازوں کو چینیوں کی تعلیم کے لئے بھیجا ہے۔ دوسری خبر یہ ہے کہ چینی حکومت نے مشہور اشتراکی لیڈر چن ٹوشیو کو قید سے رہا کر کے نانکن کی فوجی شاورت میں شریک کر لیا ہے۔ اس کی جماعت گوریلا لڑائی خوب کرتی ہے۔ اگر چین کو وقت مل گیا تو یہ دونوں قوتیں تیار ہو کر بہت کام کرینگی۔

## روسی پیداوار

روس میں اس سال مشینوں کے استعمال، اور موسم کے اچھے ہونے کی وجہ سے پیداوار بارسال سے دگنی ہوئی ہے۔ وزن کا اندازہ ساڑھے تین ارب من سے اوپر کیا جاتا ہے۔ اس کو اگر وہاں کی چودہ کروڑ آبادی (عورتیں بچے بوڑھے ملا کر) پر بانٹا جائے تو تقریباً ۲۳ من فی کس پڑتا ہے یعنی تقریباً ہونے دو سیر فی کس روزانہ اتنی پیداوار ہونے پر بھی قیمت نہیں گری۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ ہر روسی کے پاس روپیہ ہے۔ اور ہر روسی کافی مقدار میں اناج خریدتا ہے۔ اسی وجہ سے اناج کی مانگ بڑھتی رہی ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس سال کا معیار زندگی پچھلے سال سے بہتر ہے۔

---

# مرادآباد کا ضمنی انتخاب

مولوی بشیر احمد صاحب کی عذرداری کے کامیاب ہو جانے سے مرادآباد۔ شمالی مغربی حلقہ میں دوبارہ انتخاب ہوگا۔ خیال کیا جاتا ہے کہ کانگریس اس حلقہ میں اپنا نمائندہ کھڑا کریگی۔ اس خیال سے مسلم لیگ کے حلقوں میں ابھی سے اضطراب کی کیفیت ہے۔ صدر مسلم لیگ امروہہ اور دوسرے اراکین نے اپنے مخصوص انداز میں مسلم لیگ کا پروپیگنڈا شروع کر دیا ہے جس کی ابتدا حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کے ایک فتوی سے ہوئی ہے۔ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ ڈاکٹر اشرف کے امروہہ جانے پر مسلم لیگی حضرات نے ایک اشتہار شائع کیا ہے جس میں ارتداد اور بے دینی کا الزام لگایا گیا۔ اور اشتراکیت کی تشریح اس طور پر کی گئی کہ اشتراکی نظام میں بیوی مشترکہ ملکیت ہو جاتی ہے۔ اسلام کو ذاتی ملکیت کا حامی قرار دیا گیا۔

ایک دوسرے اشتہار میں اسکا اظہار کیا گیا کہ موجودہ تعلقداری اور زمینداری عین شریعت اور اسلام ہے۔ اور اس کے لئے علما سے استفتا کیا گیا۔

اگر یہی صورتیں جاری رہیں تو ہمیں دعا کرنی پڑیگی کہ خدا مسلم لیگ کو اس کے حامیوں اور دوستوں سے محفوظ رکھے۔ ایک مدت سے ملک کا مطالبہ ہے کہ مسٹر جناح اور مسلم لیگ آزادی اور اسلام کا نام لینے کے ساتھ مسلم عوام کے سامنے کوئی پروگرام پیش کریں۔

اب تک اس کا نام و نشان مسلم لیگ کے ذمہ دار لیڈروں کی تقریر و تحریر میں کہیں نہیں پایا جاتا۔ ہمارا خیال ہے کہ موجودہ مسلم لیگ کی بنائی خالصاً رجعت پسند ہاتھوں میں پہنچ گئی ہے۔ اور یہ حضرات اپنی رجعت پسندی پر پردہ ڈالنے کے لئے۔ ارزاں اور تاجرانہ طور پر اسلام اور دین کی نمائش کرتے ہیں۔ عجب نہیں کہ اسلام کی ان مضحکہ انگیز تشریح سے اسلام کے سیاسی اور سامراج پرست علمبردار۔ ہندستان کے متین اور سنجیدہ سیاسی حلقوں میں ہی نہیں۔ بلکہ خود مسلمانوں اور بالخصوص نوجوانوں کی نگاہوں میں اپنی وقعت کے ساتھ خود دین اور مذہب کی وقعت بھی کم کر دینگے۔ کانگریس کی مخالفت کا نام اگر پروگرام اور اسلام ہے۔ تو اس میں ہندوستان کی آزادی کے سب دشمن مسلم لیگ کے ساتھ نظر آئیں گے۔

ہم مسلم لیگ کے ذمہ دار کارکنوں کو مشورہ دیتے ہیں۔ کہ جلد سے جلد اس خیال کو پھیلنے سے روکیں کہ مسلم لیگ کے پاس نہ کوئی عوام کے لئے پروگرام ہے۔ نہ سامراج سے جدوجہد کا ارادہ رکھتی ہے۔ بلکہ محض تعلقدار اور رجعت پسند زمینداروں کی آلہ کار ہے اور اس اعتبار سے اس کا منصب ان بیچاروں سے زیادہ بلند نہیں ہے۔ اس ضمنی انتخاب میں ہم خصوصیت سے دیکھتے ہیں کہ مسلم لیگ سیاسی پروپیگنڈا پر زور دے ورنہ مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس کی کارروائیوں کو کانگریس کے علاوہ خود مسلم عوام شبہ اور تشویش کی نگاہ سے دیکھیں گے۔ اور اس کے بعد مسٹر جناح کا درجہ سر تیج بہادر اور مسٹر شاستری کے درجے سے گر کر بھائی پرمانند اور ڈاکٹر مونجے کی برابر رہ جائے گا۔

اس وجہ سے وہاں کی کانگریس پارٹی کچھ زیادہ کامیاب بجٹ نہیں بنا سکی۔

وزیر مالیات نے ایک مجبوری اور ظاہر کی۔ وہ یہ کہ پچھلی مرتبہ گورنر نے اپنے اختیارات خصوصی سے بجٹ تیار کیا تھا اس لئے اس میں کم ہی ترمیم کیجا سکی۔

بجٹ کی دو مدیں بیان کرنے والی ہیں۔ ایک تو یہ کہ اتنی کم آمدنی ہونے پر بھی وزارت نے تعلیم کو عام اور مفت کرنے کی ایک اسکیم بنائی ہے۔ اور اس کیلئے کافی رقم رکھی ہے۔ اسکیم یہ ہے کہ ہر دیہات میں ایک اسکول کھولا جائے، وہاں طلبا کے گروپ بنائے جائیں، اور انکو باری باری پڑھایا جائے۔

دوسری چیز انسداد شراب نوشی کی ایک تجویز ہے۔ وہ یہ کہ جس دن تنخواہیں بٹتی ہیں اس دن شراب خانے بند رہیں گے۔ بعض کاروباری جگہوں پر اور قسم کی پابندیاں ہیں۔ محکمہ آبکاری سے جو تھوڑی سی بہت آمدنی ہوگی، اس سے لوگوں کی تعلیم کا انتظام کیا جائے گا۔

## مرکزی اسمبلی

ہندستان کی درآمد و برآمد جن جہازوں پر ہوتی ہے ان میں صرف ۲ فیصدی ہندستانی ہیں۔ باقی سب غیر ملکی ہیں۔ سر عبدالحلیم غزنوی نے مرکزی اسمبلی کے آخری اجلاس میں ایک بل پیش کیا جس میں کچھ ہندستانی جہازوں کے ساتھ مراعات تھیں۔ بل ایسا نہیں تھا جو پاس ہو جانے پر ہندستانی جہازوں کا مقابلہ سے پورا بچاؤ کر سکتا کیونکہ دستور اساسی ۱۹۳۵ء کی رو سے ہندستانی جہازوں اور انگریزی جہازوں میں کوئی فرق نہیں برتا جا سکتا۔ بل دونوں کو ایک سا موقع دیتا تھا، اس پر انگریزی طبقہ نے، اور حکومت ہند کے ممبروں نے بڑی سخت مخالفت کی۔ حکومت کی سب سے بڑی عمدہ دلیل تو یہ تھی کہ فی الحال اسکی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اور دوسری دلیل یہ تھی کہ انگریزی کمپنیوں سے یہ امید نہیں کہ وہ ہندستانی جہازوں کا مقابلہ میں برابر کرایہ گھٹاتے جائیں گے۔ یہ دلیل سر سلطان احمد نے پیش کی۔ افسوس کہ تجربہ اسکے خلاف ہے۔ کئی بار ایسا ہوا کہ بیرونی جہازی کمپنیوں نے مقابلہ کرکے ہندستانی کمپنیوں کو سخت نقصان پہونچایا۔ بل پر کوئی فیصلہ نہیں ہوا۔ تحقیقات کے لئے ایک کمیٹی کے سپرد کر دیا گیا ہے۔

## کھیل گھر

مذبح کا قصہ عرصہ سے لاہور میں چل رہا ہے۔ ہوا یہ کہ فوجی افسروں نے آنے والی لڑائی کی تیاری میں لاہور میں ایک کھیل گھر بنانے کا ارادہ کیا۔ لاہور والوں نے اس کی سخت مخالفت کی، لیڈروں نے بیانات دئے، اخباروں نے غل مچایا۔ وائسرائے کے پاس ایک وفد گیا جس کو باریابی کا موقع نہیں دیا گیا۔ اتنا ہنگامہ ہوا کہ سر سکندر حیات نے حکومت ہند کو رائے دی کہ یہ ارادہ ترک کر دینا ہی بہتر ہے، لیکن ان میں سے کوئی دباؤ حکومت کا ارادہ توڑنے کو کافی نہ تھا۔ ارادہ توڑا تو مزدوروں نے جو کھیل گھر بنا رہے تھے۔ انھوں نے اسٹرائک کر دی۔ ساری تعمیر یونہی کی یونہی رہ گئی۔ اب حکومت کیا کرے گی؟ ممکن ہے یہ ذرا سی ہار مان لے۔ یا ہنگامہ فرو ہونے کے بعد پھر کام شروع کرے۔

## وائسرائے کی تقریر

وائسرائے نے مرکزی اسمبلی میں ایک تقریر کی۔ کانگرسی ممبروں نے شرکت نہیں کی۔ ہز اکسلنسی دیر تک بولتے رہے دنیا کی مالی اور سیاسی حالت پر۔ ہندستانیوں اور سمندر پار کے ہندستانیوں پر تبصرہ کیا۔ لیکن جو کہا گوں مگوں کہا۔ پڑھنے میں تقریر بہت بدمزہ ہے۔ نجانے سننے والوں سے اتنی دیر بیٹھا کیسے گیا۔ صرف ایک کام کی خبر دی، وہ یہ کہ ہز مجسٹی سے التجا کی جا رہی ہے کہ ہندستانی فوج کے اخراجات میں جو غریب ہندستان کے کندھوں پر بڑا اعنت بوجھ ہیں ہاتھ بٹایا جائے۔ دیکھنا چاہیے یہ ڈھول اندر سے کیسی نکلتی ہے۔

ہز اکسلنسی نے کہا کہ ہندستانیوں کو بڑا شکرگذار ہونا چاہیے کہ وہ ان تمام مصیبتوں سے آزاد ہیں جو دنیا کے دوسرے حصوں پر چھائی ہوئی ہیں۔ انسانی آزادی ہندستان میں ہے۔ آزادی رائے کو بہت باقاعدگی سے کچلا جاتا ہے۔ یہ حق کہ ہر شخص جس طرح چاہے امن و سکون سے اپنے بیوی بچوں میں زندگی بسر کرے چھینا جاتا ہے۔ شاید ہز اکسلنسی کو دھوکا ہو گیا کہ میں انگلستان میں ہوں۔ یہ جملے تو انگلستان کی مصیبت کی تصویر کھینچتے ہیں۔ اگر غریبی کا نقشہ بھی ہوتا تو ہندستان کے دکھوں کی کتنی اچھی تصویر ہوتی!

## امیروں کی مزدوروں کی ہمدردی

ظہیر الدین لاری صاحب نے اسمبلی میں "برخاست کی تجویز" اس بات پر پیش کی کہ کانپور کے مزدوروں پر دفعہ ۱۴۴ نافذ کی گئی ہے۔ آنریبل کاٹجو نے جواب میں کہا کہ حکومت جو کچھ مزدوروں کی امداد کر سکتی ہے کر رہی ہے۔ دفعہ ۱۴۴ صرف اس لئے نافذ کی گئی ہے کہ مزدوروں میں اکثر فرقہ پرست اور شورہ پشت لوگ شامل ہو جاتے ہیں اور اپنے بعض نعروں کیلئے تشدد پر اتر آتے ہیں، یہ چیز پبلک کو بھی تکلیف پہونچاتی ہے، اور مزدوروں کی لڑائی کو بھی کمزور کرتی ہے۔ ہم نے تقریر کرنے اور جلسہ کی پوری اجازت دیدی ہے۔

ایک ممبر نے جوابی تقریر میں کہا کہ آج تو وہ صاحب مزدوروں کی ہمدردی ظاہر کر رہے ہیں جنکو زندگی بھر انکا خیال تک نہ آیا ہوگا۔ یہ ممبر صاحب گورکھپور کے نمائندے ہیں۔ کیا انھوں نے کبھی گورکھپور کے مزدوروں کے لئے کچھ کیا ہے؟ یا کرنے کا ارادہ کیا ہے؟ آج ان کو کانپور کے مزدوروں پر دکھ آئے جو شاید کبھی رتی بھر نہ کیا ہوگا۔

آنریبل پنتھ نے کہا کہ ہم لوگوں کے پاس تو کچھ ہے نہیں جس کے چھننے کا ڈر ہو، جو کچھ ہے وہ ہماری مخالف پارٹی کے پاس ہے۔ اگر نواب چھتاری یہ یقین دلا دیں کہ ان کی پارٹی سے تشدد کی کوئی شکایت نہ ہوگی تو ہم ابھی دفعہ ۱۴۴ ہٹا لیں گے۔

## ہندستان پر قرضہ

۲۰ ستمبر کو اسمبلی میں دریافت کیا گیا تھا کہ ہندستان پر قرضہ کتنا ہے۔ [illegible] ممبر نے جواب دیا کہ ہندستان پر سب ملا کر گیارہ ارب ساٹھ کروڑ قرضہ ہے۔ یعنی ہندستان کی مرکزی حکومت کی سالانہ آمدنی سے کچھ ہی کم۔ اس پر اگر ۴ فیصدی سود دینا پڑتا ہو تو ۴۶ کروڑ روپیہ ہوتا ہے۔ بھلا اس اندھیر کی کوئی حد بھی ہے کہ غریب ہندستان کو ہر سال اتنی رقم بیرونی مہاجنوں کو عیاشیوں کیلئے دینا پڑتی ہے۔ یہ قرض ہوا ہے جنگ عظیم کے سلسلہ میں، اور نئی دہلی کی تعمیر میں۔ جنگ عظیم [illegible] صرف اپنی سامراج کی خاطر کی تھی، مگر اس کا سارا روپیہ وصول ہندستان سے کیا گیا ہے برطانوی سامراج کی ساکھ جمانے کو۔ نئی دہلی ہندستان کے کسانوں اور مزدوروں کی جیب سے بنی ہے۔ پاس بیٹھنے کو قرینہ کا چھپر تک نہیں ہے۔ مرکزی دہلی کی تعمیر ابھی تک جاری ہے۔

یہ نہیں بتایا گیا کہ ہمارے قرضخواہ مہاجنوں میں کون کون ملک ہیں۔ لیکن ہم خیال کر سکتے ہیں کہ اس میں انگریزوں کا کتنا بڑا حصہ ہوگا۔ اور شرح سود مقرر کرنے میں انکے ساتھ کتنی رعایت کی گئی ہوگی۔ ایک واقعہ ہے کہ ہندستان کیلئے ایکبار لندن

**نرس** کوئی میں تم سے شادی تو کروں گی نہیں۔ میں تو ہندستان میں گھوم پھر کر واپس آجاؤنگی۔ سپاہی کوئی جواب نہیں دیتا۔ اور اپنی آنکھیں بند کر لیتا ہے۔ جیسے غنودگی طاری ہو رہی ہے۔ نرس اسکی نبض دیکھتی ہے۔ اور اطمینان کی سانس لے لیکر کھڑی ہو جاتی ہے اور دوسرے زخمی سپاہیوں کے دیکھنے میں مشغول ہو جاتی ہے تھوڑی دیر کے بعد ڈاکٹر داخل ہوتا ہے۔ نرس کو انگلی کے اشارے سے دروازے کے قریب بلاتا ہے۔

**ڈاکٹر** سارجنٹ زخمی ہو کر آیا ہے۔

**نرس** لیکن یہاں تو بالکل جگہ نہیں ہے۔

**ڈاکٹر** ہمیں تو اسکے لئے جگہ پیدا کرنی پڑیگی۔

**نرس** کیا سارجنٹ کی حالت اسپر اچھا ہے۔

**ڈاکٹر** اس سے کوئی بحث نہیں۔

**نرس** اگر اسکی حالت اس قابل ہو کہ وہ بچ جائے تو کچھ انتظام کیا جائے۔

**ڈاکٹر** یہاں کے زخمیوں میں سب سے زیادہ کس کی حالت خراب ہے۔

**نرس** ایک انگریز سپاہی کی طرف اشارہ کر کے) وہ جسکے پیٹ میں گولی لگی ہے۔ اسے آئے ہوئے ایک ہفتہ ہوا ہے۔ اب اسکے بدن میں زہر پھیل گیا ہے۔

**ڈاکٹر** اور یہ ہندستانی سپاہی جسکے سر میں گولی لگی ہے۔

**نرس** یہ تو بچ سکتا ہے۔ اگر اسکے سر سے گولی نکل جائے۔ ایک دن کے بعد آپریشن کے قابل ہو جائے گا۔

**ڈاکٹر** میرے خیال میں اسکی جگہ خالی ہو سکتی ہے۔

**نرس** کیسے ؟

**ڈاکٹر** اسے زہر دیدو۔

**نرس** زہر کیوں۔

**ڈاکٹر** ہمیں ایک جگہ کی ضرورت ہے۔ آخر سارجنٹ کو کہاں رکھیں۔

**نرس** اسکے یہ معنی تو نہیں ہیں کہ ایک مرتے ہوئے سارجنٹ کے لئے ایک زندہ سپاہی کو زہر دیدیا جائے۔

**ڈاکٹر** ہندستانی وارڈ میں جگہ نہ ہونے کی وجہ سے یہ یہاں انگریزی وارڈ میں لایا گیا تھا۔ ایک انگریز سارجنٹ آگیا ہے۔ اس نئے ہندستانی سپاہی کو جگہ خالی کر دینی چاہئے۔

**نرس** یہاں سوال موت اور زندگی کا ہے۔ انگریز اور ہندستانی سے کیا مطلب ہے۔

**ڈاکٹر** تمہیں اس سے کوئی مطلب نہیں۔ تمہیں صرف میرے حکم کی تعمیل کرنی چاہئے

**نرس** یہ میں نہیں کر سکتی۔

**ڈاکٹر** تمہیں کرنا پڑیگا (ڈاکٹر چلا جاتا ہے) اور نرس خاموش کھڑی رہجاتی (ہندستانی سپاہی آہستہ سے کراہتا ہے نرس اسکے پاس آجاتی ہے)

**سپاہی** اپنی دیہاتی زبان میں) دیکھو میرے سر میں ابھی تک گولی کا نشان موجود ہے۔ . . . . . میں جتنے دن ہندستان سے باہر رہا تمہیں برابر یاد کرتا رہا . . . . . ایک نرس میرے ساتھ آنا . . . . چاہتی تھی مگر میں اسے نہیں لایا . . . . . . صرف تمہارے خیال سے . . . . . . . وہ بڑی خوبصورت تھی۔ بالکل چینی کی گڑیا معلوم ہوتی تھی مگر میں نے اس سے صاف کہدیا کہ میں تمہیں اپنے ساتھ نہیں لیجا سکتا۔ . . . . . . . . . . (نرس اسکی باتیں نہیں سمجھی وہ بڑبڑاتے ہوئے لیمپ کی طرف دیکھ رہا ہے) . . . . . . . . اُف . . . . . . . (اپنے ہاتھ سے سر پر بندھی ہوئی پٹی نوچنے لگتا ہے)

**نرس** جھک کر اسکا ہاتھ پکڑ لیتی ہے) تم کیا کر رہے ہو !

**سپاہی** (اپنی آنکھیں کھول دیتا ہے) آہ میرا سر پھٹا جاتا ہے ڈاکٹر سے کہو گولی نکالدے نہیں تو میں مر جاؤنگا (نرس اسکے ہاتھوں کی انگلیاں سہلاتی ہے) بتاؤ ڈاکٹر گولی کب نکالے گا۔ نرس خاموش ہے) بولو۔ میرے سر میں بہت تکلیف ہے

**نرس** تم ایک . . . . . ہچکچاتی ہے . . . . . . تم ایک خوراک دوا پی لو کیوں پیو گے۔

**سپاہی** اس سے کیا ہوگا۔

**نرس** تمہاری تکلیف جاتی رہیگی۔

**سپاہی** بغیر گولی نکلنے کے تکلیف نہیں جا سکتی۔ اس کا درد میرے دماغ میں محسوس ہو رہا ہے (نرس سپاہی کو چھوڑ کر کمرے سے جانے لگتی ہے) تم کہاں جا رہی ہو۔

**نرس** (مڑکر) تمہارے لئے دوا لینے جاتی ہوں۔

**سپاہی** نہیں رہنے دو۔ تم مجھ سے بیٹھ کر باتیں کرو تمہاری باتوں سے میری تکلیف کم ہو جاتی ہے۔ (نرس بغیر جواب دیئے چلی جاتی ہے)

**سپاہی** اس دوا سے کیا ہو سکتا ہے۔ میں تین دن سے دوا پی رہا ہوں یہ سب میرے سر کا آپریشن کیوں نہیں کرتے . . . . . . . اُف کسقدر اندھیرا ہے کمرہ بالکل تاریک ہو رہا ہے . . . . . آج لیمپ ابھی تک نہیں جلا۔ اُف موت کا سا ڈراؤنا سناٹا . . . . . یہ لوگ مجھے مار ڈالیں گے . . . . . . . . . سکوت . . . . . . . . . . . . . . . وہ ابھی تک نہیں آئی۔ میری باتوں سے شاید گھبرا گئی۔ وہ خفا ہو گئی ہوگی۔ میں نے اسے ہندستان لیجانے سے انکار کر دیا۔ جب میں گھر واپس جاؤنگا تو اپنی بیوی سے یہ سب قصہ سناؤنگا۔ (نرس ایک چھوٹے سے گلاس میں دوا لیکر آتی ہے۔

**نرس** لو میں آگئی۔

**سپاہی** میں دوا نہیں پیونگا۔

**نرس** دیکھو میرے ہاتھ سے پی لو۔ ابھی تکلیف جاتی رہیگی۔

**سپاہی** تم بڑی اچھی ہو۔

**نرس** تم اسپر بھی میرا کہا نہیں مانتے۔

**سپاہی** اچھا لاؤ (اپنا منہ کھول دیتا ہے نرس دوا اسکے منہ میں انڈیل دیتی ہے۔ اسکی انگلیاں کانپنے لگیں اور گلاس چھوٹ کر سپاہی کی گردن پر گر پڑتا ہے۔ نرس دروازہ کی طرف منہ پھیر کر کھڑی ہو جاتی ہے۔ سپاہی کے تیز تیز سانس اور ہاتھ پاؤں پٹکنے کی آواز آتی ہے۔ نرس گھبرا کر اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیتی ہے اسکی نگاہوں میں سپاہی کی بیوی اور چھوٹے سے معصوم بچے کی

# تعلیم کا نظام

## درمیانی تعلیم

اطہر رشید

درمیانی تعلیم سے مراد ہے پوری ثانوی تعلیم جس کا درجہ ابتدائی اور اعلیٰ تعلیم کے درمیان ہے۔ یہ درمیانی تعلیم موجودہ انٹرمیڈیٹ کے معیار تک کی ہونا چاہیئے۔ درمیانی تعلیم کے بھی ہمارے لئے اسوقت تین پہلو ہیں جو ابتدائی تعلیم کے سلسلے میں بیان کئے جا چکے ہیں۔ یعنی درمیانی تعلیم کا مقصد، اس کی نوعیت اور اس کا مالی پہلو۔ ان تینوں سے اس جگہ بھی علٰحدہ علٰحدہ بحث ضروری ہے۔

### درمیانی تعلیم کا مقصد

تعلیم کے مقاصد کی یہاں بھی وہی عام تقسیم ہے۔ یعنی قومی سماجی مقاصد اور انفرادی مقاصد لیکن اگر ابتدائی تعلیم کا سب سے اہم اور ضروری مقصد قومی زندگی کے بنیادی اصولوں کے مطابق جماعت میں سیاسی، معاشرتی، اور اخلاقی یکجہتی اور ہم آہنگی پیدا کرنا ہے، تو درمیانی تعلیم کیلئے افراد کے انفرادی اور ذاتی مقاصد بھی اہمیت میں کسی طرح کم نہیں، اگرچہ اس کا ہرگز ہرگز یہ مقصد نہیں کہ سماجی مقاصد کی قدر و قیمت کسی معاملہ میں گھٹ جاتی ہے۔ در اصل اگر افراد کے انفرادی مقاصد کی اہمیت بڑھ جاتی ہے تو وہ محض انفرادی مفاد کے نقطۂ نظر سے ہی نہیں بلکہ اس وجہ سے بھی کہ خود جماعتی زندگی کی کامیابی کا دار و مدار ان کے حصول پر ہوتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں وہ مقاصد جو عام طور پر محض انفرادی سمجھے جاتے ہیں حقیقت میں قومی اور سماجی بھی ہیں۔

افراد کے انفرادی مقاصد میں سب سے اہم معاشی مقصد ہے۔ ابتدائی تعلیم روزگار کے مسئلے کو نظر انداز کر سکتی ہے۔ واقعہ تو یہ ہے کہ اگر کوئی قوم دس برس سے کم عمر کے بچوں کو بھی شروع سے فکر روزگار میں مبتلا کرنے پر مجبور ہو تو صرف ان بچوں پر ہی ظلم نہیں ہوگا بلکہ خود قوم کی ساری زندگی پر اس کا بار پڑیگا۔ اس لئے کم سن بچوں کی ذہنی، جسمانی اور اخلاقی نشو و نما کے لئے اس قسم کی فکر نفسیاتی اعتبار سے سخت مضر ثابت ہوگی۔ برعکس اسکے درمیانی تعلیم روزگار کے مسئلے کو نظر انداز نہیں کر سکتی اس تعلیم کے بعد انسان عام طور روزگار کی فکر میں گرفتار ہو جاتا ہے۔ اس روزگار کی کشمکش میں اسکو تعلیم سے مدد ملنا چاہیئے۔ درمیانی تعلیم لازمی طور پر اس قسم کی ہونا چاہیئے کہ انسان اسکی مدد سے اپنے مستقبل کا فیصلہ یعنی اپنی زندگی کی راہ کا تعین کر سکے۔ اس عمر میں اس قابل ہو جانا چاہیئے کہ افراد قوم پر بار نہ ہوں بلکہ قوم کی اقتصادی زندگی کے لئے مفید اور کار آمد ثابت ہو سکیں۔ ورنہ ایک طرف تو افراد کی اپنی زندگی ناکام، غیر مطمئن اور تکلیف دہ ہوگی اور دوسری طرف افراد کی بے روزگاری اور بے اطمینانی قوم کی معاشرتی، سیاسی، اخلاقی اور اقتصادی زندگی کو تباہ کر دے گی۔

اس غرض سے کہ افراد اس عمر میں اپنے روزگار اور پیشے کا مسئلہ حل کر سکیں یہ ضروری ہے کہ درمیانی تعلیم ملک کی معاشی زندگی کے تمام امکانات انکے سامنے پیش کرے۔ صرف اسی صورت میں وہ اپنے طبعی رجحان اور اپنی ضروریات کے مطابق آسانی سے اپنے لئے کوئی راہ اختیار کر سکتے ہیں۔ ہماری موجودہ تعلیم میں معاشی اعتبار سے سب سے بڑی کمی یہ ہے کہ ہمارے نوجوان ملک کی معاشی زندگی [illegible] سے واقف ہی نہیں ہوتے۔ موجودہ درمیانی تعلیم زیادہ تر دفتر [illegible] کام کے آدمی پیدا کرتی ہے۔ ظاہر ہے کہ اس پیشے میں آخر کتنے آدمی کھپ سکتے ہیں اور دوسرے پیشوں کا جہاں تک تعلق ہے ان کے لئے ہماری موجودہ یک [illegible] تعلیم کے باعث ہمارے نوجوان موزوں نہیں ہوتے، اگرچہ ان میں سے بعض پیشے زیادہ آزاد اور مالی لحاظ سے زیادہ کامیاب ہوتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ ایکطرف تو ہماری قوم کے افراد کے لئے باوجود تعلیم یافتہ ہونے کے بھی معاشی انتخاب بہت محدود ہے اور ان کی اکثریت بے روزگار اور بیکار رہتی ہے۔ دوسری طرف ہماری معاشی زندگی میں وسعت پیدا نہیں ہوتی اور اس کے تمام پہلو ترقی نہیں کر سکتے چنانچہ ہماری سیاسی، اخلاقی، تہذیبی اور معاشرتی تنزل کی ذمہ داری تمام تر موجودہ نظام پر ہے۔

قومی اور انفرادی مقاصد کا تقاضا ہے کہ درمیانی تعلیم قوم کے معاشرتی سیاسی اور اخلاقی مفاد کے ساتھ ساتھ ہماری زندگی کا معاشی پہلو بھی پیش نظر رکھے۔

### درمیانی تعلیم کی نوعیت

جہاں تک قومی مقاصد کا تعلق ہے نصاب تعلیم کے علاوہ یہ امر بھی اسی قدر اہم ہے کہ تعلیم تمام تر حکومت کے ہاتھ میں ہو۔ اس لئے اصولاً درمیانی اسکول تمام ریاستی ہونا چاہئیں۔ فرقہ وارانہ اسکول اتحاد قومی کے لئے مضر ہیں اور اصولاً انکو تعلیم نہیں کرنا چاہیئے۔ یہ صحیح ہے کہ موجودہ حالات میں سیاسی اور مالی اعتبار سے یہ ناممکن سا معلوم ہوتا ہے کہ حکومت تمام فرقہ وارانہ مدارس بالکل بند کر سکے گی لیکن یہ بہر صورت لازمی ہے کہ تمام اسکول قومی حکومت کے براہ راست زیر اثر آجائیں۔ یہ نصاب تعلیم کا تعین، اسکولوں کی عام نگرانی کے علاوہ انکے استادوں کا تقرر، انکی تنخواہ اور ان شرائط ملازمت وغیرہ کے تمام امور صوبجاتی حکومت کے صیغۂ تعلیم کے سپرد ہوں، اور صرف نصاب تعلیم ہی کے معاملے میں نہیں بلکہ معاشرت میں بھی سب اسکول ایک سے ہونا چاہئیں اور سرکاری اور غیر سرکاری اسکولوں کے اساتذہ کی شرائط ملازمت اور تنخواہوں میں اور بھی کوئی تفریق نہونی چاہیئے مطلب یہ ہے کہ درمیانی تعلیم سارے صوبہ میں ایک معیار کی ہو اور ایک ہی قسم کے معاشرتی اور سماجی ماحول میں حاصل کی جائے۔ ظاہر ہے کہ اگر کچھ درسگاہیں ایسی ہیں (مثلاً یورپی اور نیم یورپی) جو معاشرتی یا سیاسی اعتبار سے یا نصاب تعلیم کے لحاظ سے قومی اسکولوں سے مختلف ہیں اور ان کو حکومت کے زیر اثر لانے کی بھی کوئی صورت نہیں تو ان میں ہندستانیوں کو تعلیم حاصل کرنے کی اجازت نہیں دیجائے گی۔

اس انتظامی پہلو کے علاوہ نصاب تعلیم کا مسئلہ نہایت اہم ہے۔ نصاب قومی اور انفرادی مقاصد و ضروریات کے مطابق ہونا چاہیئے: ذیل کے مضامین ہماری ضروریات کو پورا کر سکتے ہیں۔

(۱) مادری زبان۔ یہ کافی نہیں کہ طالب علم مادری زبان کے ادب وغیرہ

دیکھ و تفصیت حاصل کر لے۔ یہ بھی لازمی ہے کہ درمیانی تعلیم کا ذریعہ تعلیم لازمی طور پر صرف مادری زبان ہو۔

(ب) جن صوبوں میں مادری زبان ہندستانی نہیں وہاں ہندستانی بھی لازمی ہوگی۔ تاکہ ہندستانی کو آہستہ آہستہ سارے ملک کی مشترک زبان بنایا جاسکے۔

(۳) مادری زبان کے علاوہ ایک ایسی زبان جس کا مادری زبان سے براہ راست تعلق ہو مثلاً بنگالی، ہندی، گجراتی والوں کے لئے سنسکرت اور اردو والوں کے لئے فارسی یا عربی

(۴) کوئی ایک یورپی زبان مثلاً انگریزی یا فرانسیسی یا جرمن، مجھے اس سے انکار نہیں کہ ہماری موجودہ سیاسی زندگی اور ضروریات کو مد نظر رکھتے ہوئے انگریزی ہمیں ابھی ایک عرصہ تک پڑھنا پڑے گی۔ اور ہم کسی دوسری یورپی زبان کی تعلیم کا انتظام بھی فی الحال ہرگز نہیں کر سکتے۔ لیکن باوجود ان تمام باتوں کے انگریزی زبان کی تخصیص کر دینا مجھے اصولاً نامناسب معلوم ہوتا ہے۔ اس قسم کے اصولی تخصیص نہ ہونے سے انگریزی کا بیجا طلسم ٹوٹنا بھی مقصود ہے جو قطع نظر ان سیاسی نتائج کے جو اس نوعیت کی ذہنی رہائی سے نکلینگے، اس لئے بھی مفید ہوگا کہ ہم اس طرح دوسری یورپی زبانوں کو سیکھنے کو ممکن اور ضروری سمجھنے لگیں گے بہر صورت، جو زمانے میں ہماری سیاسی، تہذیبی اور اقتصادی ضروریات اس کی متقاضی ہیں کہ ہم کوئی نہ کوئی یورپی زبان سیکھیں۔

(۴) ریاضی (ب) کسی ایک علم فطرت کے مبادیات، مثلاً طبعیات، یا علم کیمیا، یا علم نباتات یا علم حیوانات۔

۵۔ تاریخ و سیاست۔ (الف) ہندستان کی تاریخ، تحریک آزادی کی مفصل تاریخ۔ کانگرس کے اصول و مقاصد کی پوری تشریح، ہندستان کا موجودہ آئین حکومت۔

(ب) یورپی شہنشاہیت (سامراج) کی تاریخ اور اس کا ایشیا اور افریقہ کی سیاسی اور اقتصادی حالت پر اثر۔

(ج) حکومتوں کی موجودہ عام قسمیں مثلاً شہنشاہیت، جمہوریت، اشتراکیت وفسطائیت کے بنیادی اصول اور مقاصد۔

۶۔ (الف) ہندستان کا جغرافیہ، ملک کی زرعی، تجارتی اور صنعتی تقسیم۔

(ب) دنیا کے جغرافیے کا خاکہ۔

۷۔ ایک ایسا مضمون جس کا کسی پیشے سے تعلق ہو اور جس میں عملی کام لازمی ہو۔ مثلاً تجارت، زراعت، صنعت و حرفت، فنون وغیرہ وغیرہ۔ (لڑکیوں کے مدارس میں سینے پرونے اور دیگر دستکاری و صنعت کے سکھانے کا انتظام کیا جانا چاہئے جو ان کی طبعی مناسبت اور ضروریات کے مطابق ہوں)

۸۔ حفظان صحت، اس کے علاوہ دیسی کھیلوں اور ورزش وغیرہ۔ ورزش زیادہ تر فوجی قسم کی ہوگی جو طلبا کو فوجی خدمت کے لئے تیار کرے گی۔ لڑکیوں کے مدارس میں اصول حفظان صحت کے سلسلے میں تیمارداری (نرسنگ) سکھائی جانا چاہئے۔ اسکے علاوہ امور خانہ داری سے پوری واقفیت ضروری ہے)

۹۔ سماجی خدمت۔ اس میں شامل ہے۔ اول تو ۱۰ ء کی جبری تعلیمی خدمت، جس کا ذکر ابتدائی تعلیم کے سلسلے میں کیا جا چکا ہے۔ دوسرے عام سماجی خدمت جس کے لئے کوئی مدت معین نہیں کی جاسکتی۔ جو دراصل طالبعلم کی روزمرہ کی زندگی کا جزو ہونا چاہئے۔ اپنے اپنے گاؤں، محلے یا علاقے اور وہاں کی صفائی اور تعلیم کی نگرانی کرنا۔ مختلف جماعتوں اور فرقوں کے درمیان اتحاد قائم رکھنا۔ ناخواندہ باشندوں میں ضروری اور مفید معلومات پھیلانا۔ معاشرتی اور سیاسی جلسوں کا انتظام کرنا اور کانگرس کے اصول و مقاصد کی تبلیغ۔ ایسے کام ہیں جو ہر علاقے کے طلبا ملکر اپنی اپنی جماعت کے ذریعہ کسی استاد کی نگرانی میں اور اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگوں کی مدد سے بخوبی سر انجام دے سکتے ہیں۔ اس میں قوم کا ہی فائدہ نہیں بلکہ خود طلبا اس طرح معاشرتی، سیاسی اور تعلیمی کام سیکھ سکتے ہیں۔ اور تفریح کی تفریح ہوگی۔ ان کاموں کے لئے زیادہ وقت بھی درکار نہیں، ہفتے میں دو تین گھنٹے اگر خلوص اور شوق سے کام کیا جائے تو قوم کے سیاسی، معاشرتی اور تعلیمی حالت بہت جلد سدھر سکتی ہے۔

۱۰۔ مختلف مذاہب کے بنیادی، سماجی، اخلاقی اور فلسفیانہ اصول

مجھے معلوم ہے کہ بعض احباب اس موقع پر مذہب کا ذکر نامناسب سمجھینگے۔ اسلئے میں مختصراً اپنے خیال کی وضاحت کر دینا ضروری سمجھتا ہوں، مذہبی تعلیم کے میرے ذہن میں دو مقصد ہیں۔ ایک تو یہ کہ مختلف مذاہب کے بنیادی اصولوں کے مطالعے سے میرے خیال میں ہم میں مذہبی رواداری پیدا ہوگی، اس کی ضرورت سے کسی کو انکار نہیں ہوگا۔ دوسرے میرے نزدیک انسان کے ذہنی اور اخلاقی ارتقا کے لئے یہ مفید ہوتا ہے اگر وہ زندگی کے آخری مسائل سے کسی نہ کسی صورت واقف ہو جائے۔ یہ بات یقیناً فلسفے کے مطالعے سے بھی حاصل ہو سکتی ہے، لیکن فلسفہ زیادہ تر صرف نظری ہونے کے باعث مسائل زندگی میں وہ عملی دلچسپی پیدا نہیں کر سکتا جو مذاہب کے مطالعے سے پیدا ہوتی ہے۔ ضرورت اس کی نہیں ہے کہ مسائل زندگی سے محض نظری واقفیت ہو جائے بلکہ اس کی کہ ان مسائل سے عملی تعلق اور اس تعلق سے عملی اور ذہنی زندگی میں وسعت، گہرائی، اور پوری تحریک پیدا ہو۔

درمیانی تعلیم کی مدت چھ سال ہوگی۔ بعض مضامین پر پہلے تین سال میں اور بعض پر آخری تین میں زور دیا جائے گا۔

## مالی پہلو

درمیانی تعلیم کا مالی مسئلہ اسقدر مشکل نہیں جتنا کہ ابتدائی تعلیم کا۔ درمیانی تعلیم کے اخراجات اس وقت بھی حکومت برداشت کرتی ہے۔ سرکاری اسکولوں کا تمام خرچ اور غیر سرکاری اسکولوں کے اخراجات کا ایک حصہ حکومت کے ذمہ ہے۔ نئے درمیانی اسکول زیادہ تعداد میں کھولنے کی ضرورت بھی نہیں پڑے گی۔ اس لئے اس سلسلے میں نیا خرچ بہت زیادہ نہیں ہوگا۔ پھر بھی درمیانی تعلیم کے اخراجات کا جہاں تک تعلق ہے ایک طرف بچت کی اور دوسری طرف آمدنی بڑھانے کی ضرورت بھی ہے اور گنجائش بھی۔

اول تو طلبا سے جبری تعلیمی خدمت اور دوسرے معاشرتی، سماجی اور سیاسی کاموں میں مفت مدد لینا معاشی اعتبار سے بچت کی ایک صورت ہے اسلئے کہ حکومت کو ان شہری اور ملکی کاموں پر اس صورت میں کم خرچ کرنا پڑیگا۔ قطع نظر دوسرے سماجی اور شہری کاموں کے، درمیانی تعلیم سے فارغ شدہ طلبا جو ابتدائی اسکولوں میں بہت ہی واجبی معاوضے پر کام کرینگے وہ دراصل تعلیم کے اخراجات کی ادائگی کے برابر ہوگا۔ دوسری طرف اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگوں کے درمیانی اسکولوں میں خدمت کرنے کے باعث ان اسکولوں کے اخراجات میں کمی ہوگی۔ یہ اسکول بجائے تمام مستقل استاد رکھنے کے صرف آدھے باتنخواہ مستقل استاد رکھینگے اور باقی کام اعلیٰ تعلیمیافتہ قومی کارکنوں سے لیا جائیگا جو ایک سال تعلیم دینگے اور جنکو صرف گزارہ ملیگا۔

صنعت و حرفت اور پیشوں کی تعلیم نئی ہوگی اور اسکے اخراجات بھی نئے ہونگے۔ لیکن اول تو یہ ضروری نہیں کہ ہر اسکول میں تمام صنعتی مضامین کی تعلیم کا انتظام کیا جائے۔ مختلف مقامی اسکول باہم مشورے سے اپنے اپنے لئے چند ایک مضامین کا انتخاب کر سکتے ہیں۔ اس سے طلبا کو اسکول کے انتخاب میں بھی مدد ملیگی اور اگر ضرورت ہو تو اس کی اجازت ہونا چاہئے کہ ایک اسکول کے طالب علم دوسرے اسکول میں جاکر اپنا خاص مضمون پڑھ سکیں اگر انکے اپنے اسکول میں اس کا انتظام نہو۔ صنعت و حرفت اور پیشوں کی عملی تعلیم مقامی کارخانوں میں، زراعت

دغیرہ کی قریب ترین ماڈل کھیتوں میں مفت ملنا چاہئے۔ اور مدارس کے صنعتی شعبوں کی تیار کردہ چیزوں کی فروخت کا انتظام حکومت کو کرنا چاہئے۔ ان مضامین پر علاوہ ازیں مقامی ضروریات کے مطابق زور دیا جائیگا۔ جو اسکول دیہاتوں سے قریب ہیں وہاں زراعت وغیرہ کو، جو صنعتی اور تجارتی مرکزوں سے قریب ہیں وہاں صنعت و حرفت اور تجارت کی تعلیم کو زیادہ اہمیت دی جانا چاہئے اس طرح ہم بغیر غیر ضروری اخراجات بڑھائے صنعت و حرفت اور دستکاری وغیرہ کی تعلیم پھیلا سکتے ہیں۔

ہمکو اپنے اسکولوں میں تمام یورپی کھیل یک قلم روک دینا چاہئیں اسلئے کہ ہماری موجودہ معاشی حالت اس کی اجازت نہیں دیتی اور ورزش و تفریح کے لحاظ سے ہمارے ملکی کھیل کافی ہیں۔ جیسا کہ ابتدائی تعلیم کے سلسلے میں بیان کیا جاچکا ہے بہرصورت سالانہ لاکھوں روپیہ یورپی کھیلوں پر خرچ کرنا ہماری غریب حکومتوں کے لئے ناممکن ہے اور مناسب بھی نہیں۔

آمدنی بڑھانے کی ایک ترکیب یہ بھی ہے کہ فیس کا تعین طلبا کے والدین یا سرپرستوں کی آمدنی کے مطابق ہو۔ درمیانی تعلیم غریبوں کے لئے یقیناً سستی اور جہاں تک ہو سکے بالکل مفت بھی ہونا چاہئے۔ لیکن درمیانی تعلیم زیادہ تر متوسط درجہ کے لوگوں کے اور امیروں کے بچے حاصل کرتے ہیں اور وہ یقیناً اس قابل ہیں کہ ان سے جسقدر اور جس کسی صورت سے بھی روپیہ وصول کیا جاسکے وصول کرنا چاہئے۔

اور بجٹ کے خیال سے استادوں کی تنخواہیں کم کرنا چاہئیں۔ اسوقت یوں بھی غیر سرکاری اسکولوں کے استادوں کے مقابلہ میں سرکاری اسکولوں کے استاد بہت زیادہ تنخواہیں پاتے ہیں جس کی وجہ سے غیر سرکاری اسکولوں کے کم تنخواہ پانیوالے اساتذہ میں بے اطمینانی پھیلتی جاتی ہے۔ اس لئے لازمی ہے کہ قطع نظر ان مصلحتوں کے بجٹ کے خیال سے اور تمام اسکولوں میں ملازمت کا یکساں معیار قائم کرنے کی خاطر سرکاری اسکولوں کے اساتذہ کی تنخواہیں کم کردی جائیں۔ تنخواہوں کے بالکل نئے درجے مقرر کرنا چاہئیں جو سرکاری اور غیر سرکاری اسکولوں میں یکساں رائج کئے جاسکیں۔ درمیانی اسکولوں کے استادوں کے لئے غالباً دو سو روپیہ ماہوار انتہائی تنخواہ کافی ہوگی۔

---

# انقلاب زندہ باد

—— مرزا بیگ ——

اسٹیٹس مین دہلی مورخہ ۶ ستمبر ۱۹۳۷ء کے ایڈیٹوریل "صوبہ متحدہ کے مسائل" میں حسب ذیل جملے قابل غور ہیں۔

"وزراء کو ایک طرف تو خود اپنے ساتھیوں کو یقین دلانا ہے کہ ان کی ذہنیت میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی ہے اور ان کی ہمدردیاں اور آراء اسیطرح بدستور قائم ہیں اور اگر انھیں کام کرنے کے لئے کافی وقت دیا گیا تو وہ نیک نیتی اور ایمانداری سے اپنے وعدوں کو نبھانے کی پوری کوشش کرینگے۔ دوسری طرف ان کو ان تمام شر انگیز الفاظ سے پیچھا چھڑانا پڑے گا جنکو وہ خود ابتک عادتاً "گورنمنٹ" کیلئے استعمال کرتے رہے ہیں۔ اسوقت تک تو یہ بات محظوظ کرتی ہے کہ ایک وزیر اعظم جنتا کو انقلاب زندہ باد کے نعرے لگانے کی ترغیب دے لیکن آہستہ آہستہ یہی چیز ایک مضحکہ انگیز صورت اختیار کرے گی اور بالآخر ناممکن ہو جائیگی۔"

اس برطانوی استعمار کے ترجمان جریدہ نے لفظ "گورنمنٹ" کو اپنی پسند کا لباس پہنا کر لفظی شعبدہ بازی کا مظاہرہ کیا ہے۔ اگر صوبجاتی حکومتیں خود کانگرسی ہیں یعنی گورنمنٹ حقیقت میں اس جماعت کے ہاتھ میں ہے جو ابتک "انقلاب زندہ باد" کے زندہ اور روح پرور نعرے کو اپنی آزادی کی جنگ کا نعرۂ امتیاز بنا کر جد و جہد کر رہی تھی تو اب اسکو اس نعرے کو خیرباد کہنا پڑے گا۔ گویا کہ حکومت کی باگ ڈور اسکے ہاتھ میں آگئی اور اسکا مقصد حاصل ہوگیا بظاہر یہ کچھ غلط بھی نہیں معلوم ہوتا۔

لیکن سوال یہ ہے کہ کیا گورنمنٹ واقعی کانگرس کی ہوگئی اور گورنمنٹ اور کانگرسی وزیر ایک ہی چیز ہیں؟ کیا "انقلاب زندہ باد" سے صرف یہی مقصد تھا کہ اسمبلیوں میں اکثریت حاصل کرلی جائے؟ منجملہ دیگر سوالات کے یہ چند اہم سوالات ہیں جو ملک اور قوم کے سامنے ہیں اور جنکی تشریح نہایت ضروری ہے کیونکہ برطانوی سامراج کے نغل بچے اس کوشش میں منہمک ہیں کہ کانگرس کی انقلابی ذہنیت کو کسیطرح حکومت و سامراج کے جال میں پھنسا کر اصلاحی ذہنیت میں بدل دیں اور اسطرح موجودہ انقلابی قوتوں کو انھی کے پیشواؤں اور لیڈروں کے ہاتھوں اسطرح ناکارہ کردیں کہ سامراج کا لالچی اور بے رحم ہاتھ بے روک ٹوک جنتا کے فاقہ زدہ پنجر نما جسم سے اسکا آخری قطرۂ حیات تک نچوڑ کر اسکو ہمیشہ کیلئے بیجان اور بے حس کردے تاکہ اسکے جسم کی بوٹیاں بہ اطمینان اور فراغت سے نوچی جاسکیں۔ مدافعت کا خطرہ مٹ جائے اور برطانوی سرمایہ دار اور سامراجی اسی دھین کی زندگی بسر کرسکیں۔

نئے دستور کے تحت میں جسکو کانگرس اور دیگر تمام استعمار دشمن قوتیں فنا کردینا چاہتی ہیں کانگرس نے چھ صوبوں کی نئی اسمبلیوں میں اکثریت حاصل کرکے "گورنمنٹ بنانے" کا تہیہ کیا لیکن وزارت قبول کرتے وقت جو نصب العین اسکے سامنے تھا وہ یہ تھا کہ ہر ممکن طریقے سے اس نئے دستور کو جس کی برطانوی سامراج کی جڑیں ہندستان میں مضبوط اور پائدار ہوتی ہیں، غارت کیا جائے اسمبلیوں میں اندر سے آزادی کی جنگ کو جو باہر جگہ جگہ لڑی جا رہی ہے تقویت پہونچائی جائے اور ہر دو محاذ پر ایسے ذرائع اور تدبیریں اختیار کی جائیں جن سے سامراجی اقتدار ٹوٹنے اور اسکی بنیادیں کھوکھلی ہو جائیں۔ وزارت کی محدود فضا میں جو کچھ بھی اختیارات ہیں ان پر قبضہ کرلیا جائے تاکہ تمام سامراج دشمن قوتیں پورے زور و شور کے ساتھ جنتا کو اس کی زبوں حالی کی اصلی تصویر دکھا کر ایک متحدہ آزادی کے محاذ پر جمع کرسکیں اور تمام منصوبے آزادی کا پرچار زیادہ اطمینان بخش اور منظم صورت میں ہو سکے۔ اسمبلی کے اندر وزراء ایسے قوانین پاس کریں جو ملک کیلئے منفعت بخش ہوں اور اسکے ساتھ

# نوٹس

## باجلاس جناب تحصیلدار صاحب رام سنہی گھاٹ ضلع بارہ بنکی

بکرن سنگھ مدعی

بنام

مسماۃ بلونتا مدعا علیہ

دعویٰ تصحیح کھیوٹ موضع بیرا پور وغیرہ۔

بنام مسماۃ بلونتا بیوہ ٹھاکر سنگھ قوم ٹھاکر ساکن گورا پرگنہ دریاباد مزرعہ ارسنڈہ پرگنہ دریاباد۔ مدعا علیہ

واضح ہو کہ مدعی نے تمہارے نام ایک نالش بابت تصحیح کاغذات کھیوٹ دائر کی ہے لہذا تمکو حکم ہوتا ہے کہ تم بتاریخ ۱۵ ر ماہ ستمبر ۱۹۳۶ء بوقت دس بجے بمقام رام سنہی گھاٹ اصالتاً یا معرفت وکیل کے جو مقدمہ کے حالات سے قرار واقعی واقفیت کیا گیا ہو اور جو کل امور اہم متعلقہ مقدمہ کا جواب دے سکے یا جسکے ساتھ کوئی اور شخص ہو کہ جواب ایسے سوالات کا دے سکے حاضر ہو اور جوابدہی دعویٰ کی کرو اور ہرگاہ وہی تاریخ جو تمہاری حاضری کے لئے مقرر ہے واسطے انفصال قطعی مقدمہ کے تجویز ہوئی ہے پس تم کو لازم ہے کہ اُسی روز اپنے جملہ گواہوں کو جن کی شہادت پر نیز جملہ دستاویزات جن پر بتائید اپنے جوابدہی کے استدلال کرنا چاہتے ہو پیش کرو۔

اور تم کو اطلاع دیجاتی ہے کہ اگر بروز مذکور تم حاضر نہ ہوگے تو مقدمہ بغیر حاضری تمہاری مسموع اور فیصل ہوگا۔

بثبت میرے دستخط اور مہر عدالت کے آج بتاریخ ۱۲ ماہ ستمبر ۱۹۳۶ء جاری کیا گیا۔

دستخط (بخط انگریزی)

مہر عدالت

---

# اطلاع

(۱) اگر تم کو یہ اندیشہ ہو کہ تمہارے گواہ اپنی مرضی سے حاضر عدالت ہونگے تو تم عدالت ہذا سے سمن بایں مراد جاری کرا سکتی ہو کہ جو گواہ نہ حاضر ہو وہ جبراً حاضر کرایا جائے اور جس دستاویز کو کسی گواہ سے پیش کرانے کا تم استحقاق رکھتی ہو اس سے پیش کرائی جائے بشرطیکہ تم خرچہ فردی عدالت میں داخل کر کے اس امر کی درخواست گذرانو۔

(۲) اگر تم مطالبہ مدعی کو تسلیم کرتی ہو تو تمکو لازمی ہے کہ روپیہ خرچہ نالش عدالت میں داخل کردو تا کہ کارروائی اجراء ڈگری کی جو تمہاری ذات یا مال دونوں پر ہو کرنا نہ پڑے۔

علامت نشان انگوٹھا بکرن سنگھ

---

[قابل فروخت]

## اطلاعنامہ بنام قرضخواہان دربارہ پیش کرنے اپنے دعویٰ کے حسب دفعہ ۹۔ ایکٹ جائداد ہائے مقروضہ

## ممالک متحدہ

بعدالت جناب بابو شیو بھرسند و بھوش بنرجی اسپشل جج صاحب بہادر گونڈہ درجہ دویم مقام گونڈہ۔ ۷۔ ستمبر ۱۹۳۶ء

مقدمہ نمبری نمبر ۳۰۳ سنہ ۱۹۳۶ء

مسماۃ عائشہ خاتون نابالغ بولایت مسماۃ کلثوم بی بی ساکن موہجہانی پرگنہ و تحصیل اترولہ ضلع گونڈہ۔ قرضخواہ سائل۔

بنام

۱۔ محمد محمود اسحٰق خاں ولد نواب علیخاں ساکن موضع پرنیا بارلا پرگنہ اترولہ ضلع گونڈہ۔

۲۔ مسماۃ کرم بی بی بیوہ عبدالرزاق خاں ساکن موضع موہجہانی ڈاکخانہ چمرو پور پرگنہ اترولہ ضلع گونڈہ۔

۳۔ ارتضیٰ خاں ولد ولی محمد خان ساکن موضع و ڈاکخانہ چمرو پور ضلع گونڈہ

۴۔ ضیاء اللہ خاں ولدنا معلوم ساکن موضع چمرو پور ڈاکخانہ چمرو پور ضلع گونڈہ

۵۔ زمان خاں ولدنا معلوم ساکن موضع فقراپور ڈاکخانہ چمرو پور ضلع گونڈہ قرضخواہ فریق ثانی

چونکہ ایک درخواست حسب دفعہ ۴۔ ایکٹ جائداد ہائے مقروضہ ۱۹۳۴ء (ایکٹ ۲۵ سنہ ۱۹۳۴ء) جس کی ترمیم از روئے ایکٹ ۴ سنہ ۱۹۳۵ء ہوئی ہے مسماۃ عائشہ خاتون ساکن موہجہان ضلع گونڈہ نے اس غرض سے پیش کی ہے کہ ایکٹ جائداد مقروضہ کے احکام اس پر لگائے جاویں۔

لہذا اس تحریر کی رو سے حسب دفعہ ۹ (۱) ایکٹ جائداد ہائے مقروضہ ممالک متحدہ ۱۹۳۴ء جس کی ترمیم از روئے ایکٹ ۴ سنہ ۱۹۳۵ء ہوئی ہے تم کو اطلاع دیجاتی ہے کہ اگر تم مسماۃ عائشہ سائلہ مذکور کی ذات یا جائداد کے خلاف ہر دو ڈگری شدہ یا غیر ڈگری شدہ خانگی قرضہ جات کے متعلق دعویٰ رکھتے ہو تو گزٹ ممالک متحدہ میں اس اشتہار کے شائع ہونے کی تاریخ سے تین ماہ کے اندر اپنے دعویٰ کے متعلق تحریری بیان اصالتاً یا بذریعہ مختار مجاز حسب منشاء ایکٹ عدالت ہذا میں پیش کرو۔ ورنہ اس کی عدم تعمیل میں اسکے خلاف تمہارا ہر دعویٰ ڈگری شدہ خواہ غیر ڈگری شدہ تمام اغراض اور موقعوں کے لئے اس ایکٹ کی دفعہ ۱۳ کی رو سے باضابطہ اداشدہ متصور ہوگا۔

میرے دستخط اور عدالت کی مہر سے آج بتاریخ ۲۰ ر اگست ۱۹۳۶ء جاری کیا گیا

بحکم اسپشل جج صاحب درجہ دوم ضلع گونڈہ۔

بدستخط منصرم عدالت

مہر عدالت

# سرمایہ داری

اسرار الحق مجاز

یہ وہ آندھی ہے جس کی رَو میں مفلس کا نشیمن ہے
یہ وہ بجلی ہے جس کی زد میں ہر دہقاں کا خرمن ہے

یہ اپنے ہاتھ میں تہذیب کا فانوس لیتی ہے
مگر مزدور کے تن سے لہو تک چوس لیتی ہے

یہ وہ تخلیق ناجائز ہے انسانی تمدن کی
تجمل کرتی ہے تلواروں کو تیزی جسکے ناخن کی

نہ دیکھے ہیں برے اس نے نہ پرکھے ہیں بھلے اس نے
شکنجوں میں جکڑ کر گھونٹ ڈالے ہیں گلے اس نے

نگاہوں میں ہوس کی بجلیاں ہیں دل میں کینہ ہے
بڑی ظالم ہے، اس کا کام ہی بس خون پینا ہے

جدھر چلتی ہے بربادی کے ساماں ساتھ چلتے ہیں
نحوست ہمسفر ہوتی ہے شیطاں ساتھ چلتے ہیں

درندے سر جھکا دیتے ہیں لوہا مان کر اسکا
نظر سفاک تر اس کی نفس مکروہ تر اس کا

یہ انسانی بلا خود خونِ انسانی کی گاہک ہے
وبا سے بڑھ کے مہلک موت سے بڑھکر بھیانک ہے

قیامت اسکے غمزے جان لیوا ہیں ستم اسکے
ہمیشہ سینۂ مفلس پہ پڑتے ہیں قدم اسکے

کہیں یہ خوں سے فردِ مال و زر تحریر کرتی ہے
کہیں یہ ہڈیاں چن کر محل تعمیر کرتی ہے

یہ اکثر لوٹ کر معصوم انسانوں کو راہوں میں
دھرم کے زمزمے گاتی ہے چھپ کر خانقاہوں میں

یہ غیرت چھین لیتی ہے حمیت چھین لیتی ہے
یہ انسانوں سے انسانوں کی فطرت چھین لیتی ہے

چبا ڈالے ہیں اکثر نوجوانوں کے دماغ اس نے
اجاڑے ہیں چمن اس نے بجھائے ہیں چراغ اس نے

ہمیشہ خون پی کر ہڈیوں کے رتھ میں چلتی ہے
زمانہ چیخ اٹھتا ہے یہ جب پہلو بدلتی ہے

ہمیشہ اپنی کشتی خون کے دریا میں کھیتی ہے
شہنشاہوں کی محرم، حکمرانوں کی چہیتی ہے

گرجتی گونجتی یہ آج بھی میداں میں آتی ہے
مگر بدمست ہے ہر ہر قدم پر لڑکھڑاتی ہے

مبارک دوستو لبریز ہے اب اس کا پیمانہ!
اٹھاؤ آندھیاں کمزور ہے بنیاد کاشانہ!

# وزارتیں اور مسلم نمائندگی

منظرالحق رضوی

آج چھ صوبوں میں کانگرسی وزارتیں قائم ہیں۔ وزارت بننے کے وقت کانگرس اسمبلی پارٹی نے اقلیتوں اور خاصکر مسلم اقلیتوں کی نمائندگی کا پورا پورا خیال رکھا۔ اور تمام ممکن وجائز کوششوں سے مسلمانوں کو کابینۂ وزارت میں شامل کیا۔ تفاق سمجھئے یا خود مسلمانوں کی بدنصیبی کہ صوبہ اڑیسہ کی اسمبلی میں اسکی کوئی صورت نہ نکل سکی۔ اس پر آج مسلمانوں کے ایک مخصوص طبقہ میں شورش ہو رہی ہے۔ چند شورشی اخبار مقالے پر مقالے لکھ رہے ہیں۔ اور مسلم عوام کے ذہن میں یہ ڈالنے کی کوشش کیجا رہی ہے کہ مسلمانوں کے حقوق کو کانگرس بُری طرح پامال کر رہی ہے۔ اسی سلسلہ میں یہ بھی دکھایا جا رہا ہے کہ جو مسلم افراد صوبوں کی وزارت میں شامل ہیں وہ مسلمانوں کے نمائندہ نہیں ہیں۔ اور نہ کسی مسلم نمائندہ جماعت کے رکن ہیں، اس لئے وہ کابینہ میں رہ کر کانگرس کے تنخواہ دار ہونے کی حیثیت سے مسلم حقوق کو پامال کرینگے۔

اگر دیانتداری بھی کوئی چیز ہے۔ تو ہم پر تنقید کرنیوالوں کو ذرا یہ بھی دیکھنا چاہیئے کہ یہ دستوری پارٹیاں کیسے بنی ہیں، اور اس طرح کیوں بنائی گئی ہیں۔ لیکن وہ لوگ اس طرح غور کیوں کرنے لگے۔ ایسا کریں تو کانگرسی نہ ہوجائیں۔

## چند اصولی باتیں

سیاسی جماعتوں کی کچھ خواہشیں ہوتی ہیں۔ بعض چیزوں کو اچھا سمجھتے ہیں، بعض چیزوں کو برا۔ انہی اعتباروں سے ہم ان کو رجعت پسند، اعتدال پسند اور انتہا پسند کہتے ہیں۔ ہندستان کی دستوری پارٹیاں بھی اسی طرح بن رہی ہیں۔ ہر پارٹی ایک مخصوص پروگرام چلانا چاہتی ہے۔ الکشن جیت کر اسکو اقتدار حاصل ہوجائے تو اپنا پروگرام نافذ کرنے کی آئینی کوشش کرتی ہے۔ اب فرض کیجیے کہ الیکشن جیت کر ایک پارلیمنٹ کے ایوان میں تینوں وضع کی پارٹیاں آتی ہیں جس میں انتہا پسند پارٹی کے ممبروں کی تعداد آدھے سے زیادہ ہے (جیسا کہ آجکل چھ صوبوں میں کانگرس ہے) اس حالت میں یہ ضروری ہے کہ اس پارٹی میں کوئی ایسا شخص نہو جسکا رجعت پسندی کی طرف جھکاؤ ہو، جو اپنی پارٹی کی انقلابی تجویزوں کا مخالف ہو۔ ورنہ وہ ہر موقع پر کاوٹ ڈالے گا، اور پارٹی کے پروگرام کے آگے بڑھنے میں رخنے ڈالے گا۔ اس اندرونی پھوٹ سے پارٹی ٹوٹ جائے گی۔

جب کوئی دستوری پارٹی آدھے سے زیادہ ہوتی ہے تو دوسری پارٹیوں سے سمجھوتہ نہیں کرتی اور نہ اُسے کرنا چاہئے لیکن جب یہ ہو کہ وہ پارٹی آدھے سے زیادہ نہو، لیکن سب پارٹیوں سے بڑھی ہو۔ مثلاً یہ صورت سمجھیے۔

رجعت پسند ۱۵
ترقی پسند ۲۳
انتہا پسند ۱۲

۵۰

اس صورت میں ترقی پسندوں کے لئے دو راستے ہیں۔

(۱) بلا سمجھوتہ کے وزارت بنالیں۔

اس صورت میں یہ ڈر ہے کہ رجعت پسند اور انتہا پسند ملکر اس کی وزارت کو ختم کردینگے۔ ختم کرنے کے بعد اگر رجعت پسند اور انتہا پسندوں میں سمجھوتہ ہوگیا تو انکی وزارت ہوجائے گی، نہیں تو نیا الکشن ہوگا۔

(۲) ترقی پسند پارٹی کسی دوسری پارٹی سے سمجھوتا کرے

## اڑیسہ کانگرس پارٹی کی دشواری

اڑیسہ کو لیجئے۔ کانگرس کے ممبر اس صوبہ میں آدھے سے زیادہ ہیں اس لئے کسی دوسری پارٹی سے سمجھوتہ کرنے کی محتاج نہیں۔ مسلمانوں کی تعداد یہاں کی اسمبلی میں صرف چار ہے۔ اگر ہوتا تو ان میں سے ایک وزیر ہوتا۔ اس سے کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ کانگرس نے بہت کوشش کی کہ ان چاروں میں سے ایک کابینۂ وزارت میں آجائے۔ لیکن اس کے لئے کانگرس نے اپنے عہدنامہ پر دستخط کرانا چاہے۔ گویا کہ یہ خواہش کی کہ ہونے والا وزیر اس بات کا وعدہ کرے کہ کانگرس کے نصب العین اور پروگرام پر عمل کریگا۔ وزارت کے لئے تو سب تیار رہتے، لیکن عہدنامہ پر دستخط کرنیکو کوئی تیار نہوا، اب ان کو شامل کرنے کی کیا صورت ہوسکتی تھی؟ اگر یہ شامل ہوجاتے تو جسوقت کانگرس پارٹی آزادی کامل کا مطالبہ کرتی، یہ حضرات درجہ نوآبادیات کے نعرے لگاتے، وہ دستور ساز سبھا کی تجویز پیش کرتی، یہ مخالفت کرتے، وہ جشن تاجپوشی کا مقاطعہ کرتی یہ دربار قیصری میں عہد وفاداری کیلئے جائینگے وہ فوجی بھرتی کی مخالفت کرتی یہ مسلمانوں کو بھرتی ہونے کی تلقین کرتے۔ وہ شراب خواری کے انسداد کی تجویز پیش کرتی، آپ بمبئی کے اسلامی نمائندہ کی طرح "شراب زندہ باد" "میخوار زندہ باد"، پیو، خوب پیو، خوب پلاؤ، کی پکار مچاتے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ کانگرس پارٹی ہو یا کوئی اور دستوری جماعت اس قسم کی پارٹی کو کیسے اپنے اندر رکھ سکتی ہے اور اس سمجھوتہ میں گھسی ہوئی پھوٹ کو کب تک، اور کیسے ٹال سکتی ہے۔ ایک صاحب دستخط کرنے کو ضرور موجود تھے، انکے متعلق مولانا ابوالکلام آزاد کا بیان کافی ہے۔

ان تمام باتوں سے جو بات پیدا ہوتی ہے وہ یہ کہ جداگانہ انتخاب بھی ہے اور تحفظات بھی پھر بھی وزارت میں مسلمانوں کی نمائندگی نہیں ہوتی۔ اس نمائندگی کی آخر کیا صورت ہو، مولانا شوکت علی اور مسٹر جناح تو آج بھی یہی کہتے ہیں کہ مسلم لیگ کو مضبوط کرو، لیکن بمبئی اور صوبہ متحدہ میں لیگ کا حال آپ سے پوشیدہ نہیں۔ دونوں جگہ کی اسمبلیوں میں مسلم نشستوں میں ان کی اکثریت بھی معلوم۔ لیکن وزارت میں وہی آئے جو کانگرسی مسلمان ہیں اور کانگرس کے "زرخرید غلام" نہیں یعنی جو ایک سیاسی اور آئینی جماعت کے نمائندے ہیں۔ اسی سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کو ایسی جماعت کی ضرورت ہے جو صرف ایک فرقہ تک محدود نہو، یعنی اس جماعت میں سکھ، پارسی، اچھوت وغیرہ سب شامل ہوں۔ اسکے سامنے ایک صاف سلجھا ہوا معین پروگرام ہو۔ ایسی سیاسی جماعت الکشن لڑے گی تو پنجاب کی یونینسٹ پارٹی، یوپی کی قومی زراعتی پارٹی، اور کانگرس کی طرح اپنے نمائندے ہندو، مسلم اور سکھ اور اچھوت میں سے کھڑے کرسکے گی۔ ایسی پارٹی اگر الکشن میں جیتے گی تو اپنا پروگرام چلاسکے گی۔

اسوقت اڑلیسہ میں جو صورت ہے، یا کسی دوسرے صوبہ میں پیدا ہوتی ہے وہ مسلمانوں کے سیاست میں پچھڑ جانے کا نتیجہ ہے۔ ایک خاص قسم کی جماعت کی اکثریت کا نتیجہ ہے۔ آپ اطمینان رکھیں کہ یہ ہندو اکثریت کا غلبہ ہے نہ ہندویت کا کیونکہ مذہبی فرقہ بندی یا مذہبی اکثریت، سیاسی زندگی، اور معاشی زندگی میں کوئی اثر نہیں پیدا کرتی۔ اگر اثر ہوتا ہے تو صرف سیاسی اور معاشی فرقوں کی اکثریت سے یہ نتیجہ ہے صرف ایک ترقی پسند سیاسی پروگرام کے ملک پر چھا جانے کا جب تک مسلمان اسی سیاسی پروگرام کے ساتھ نہوں، یا اور آگے بڑھ کر اس سے زیادہ جاندار پروگرام نہ بناویں ان کو اپنی نمائندگی، یا اپنے تحفظ کی کوئی اُمید نہ رکھنا چاہیئے۔

خصوصی جماعت کی حیثیت سے مسلمان اقلیت میں ہیں۔ اس لئے مسلمانوں کی کوئی جماعت اسمبلیوں میں پوری اکثریت، یا پارٹیوں کے مقابلہ میں اکثریت حاصل نہیں کر سکتی۔ یہ تاریخی حیثیت ہے جس سے انکار کرنا مشکل ہے ایسی حالت میں مسٹر جناح جو کہتے ہیں کہ مسلم لیگ کو مضبوط کرو، کانگرس سے الگ رہو۔ یہ کہانتک درست ہے کہاں تک مسلمانوں کے لئے مفید ہے، عام مسلمانوں کو اسی پر غور کر کے، اپنی راہ نکالنا چاہیئے۔ یہ کھلی بات ہے کہ جب تک اپنی اکثریت نہو نہ تو مسلمان کابینہ میں جاسکتے ہیں، اور نہ اپنے سیاسی پروگرام کو چلا سکتے ہیں۔ اسی اعتبار سے جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ مسلم لیگ، یا دوسری مسلم جماعتوں کا پروگرام عوام میں خوشحالی لائے گا تو سیدھے سادے لوگوں کو دھوکا دیتے ہیں، ان کو موقع ہی کب ملسکتا ہے اپنا پروگرام چلانے کا۔

اس لئے ضرورت یہ ہے کہ مسلمان "مسلم لیگ" اور دوسری فرقہ وارانہ جماعتوں سے نکل کر کسی سیاسی جماعت میں آجائیں، یا کوئی نئی جماعت بنالیں جس میں ہر مذہب و فرقہ کے لوگ ہوں۔ اور جو سیاسی اور معاشی آزادی کے لئے لڑے۔

## نمائندگی کے کیا معنی ہیں؟

اب رہی یہ بات کہ موجودہ مسلم وزرا مسلمانوں کے نمائندے ہیں یا نہیں؟ جمہوریت میں نمائندگی ہوتی ہے تو معاشی یا سماجی مفاد کی یا پیشہ ورانہ مفاد کی نہ کہ مذہب وملت اسلام اور ہندو دھرم کی۔ انڈین نیشنل کانگرس ہندستان کے سیاسی، سماجی، اور معاشی مفاد کی تنہا نمائندہ ہے۔ اس میں مسلمان چاہے تھوڑے ہوں، ان کے معاشی اور سیاسی فائدے اسی جماعت سے ملے ہوئے ہیں، کانگرس انکے مفاد کی نمائندگی کر رہی ہے۔ اور کرتی رہے گی۔

مسلمانوں میں اکثریت مزدوروں، کسانوں اور بے روزگاروں کی ہے۔ اور کانگرس ایسی جماعت ہے جو ان طبقوں کے حقوق اور حفاظت کیلئے لڑ رہی ہے۔ اس میں ہندو مسلم کا کوئی سوال نہیں۔ اگر کانگرس کاشتکاروں کے لئے کچھ کرے گی تو بلا قید مذہب وملت۔ اس لئے جو مسلمان کانگرس میں شریک ہیں چاہے تھوڑے سے ہوں ان طبقوں کے مفاد کی نمائندگی کر رہے ہیں یعنی مسلمانوں کے حقوق اور اغراض کے صحیح نمائندے وہی ہو سکتے ہیں۔

---

# مدراس کے وزیر اعظم شری راجگوپال اچاری کا بیان

مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ شمالی ہند اور خاص کر یو پی کے اردو اخبارات میں ہندستانی کی تعلیم کی تجویز پر شورش ہو رہی ہے۔ اخباروں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ ہم ان لوگوں میں دیوناگری رسم خط زبردستی جاری کرنا چاہتے ہیں اور سکولوں میں پڑھنے والے بچوں کو یہی رسم خط سکھانا چاہتے ہیں۔ حالانکہ صورت یہ نہیں ہے۔ ہمارا ہرگز یہ ارادہ نہیں ہے کہ ہم دیوناگری یا اردو رسم خط کو زبردستی بچوں کے سر منڈھ دیں۔ ہمنے صاف لفظوں میں فیصلہ کر دیا ہے کہ اس مسئلہ میں بچوں کو پورا اختیار دیا جاتا ہے۔ مسلمان لڑکے یا دوسرے مذہب وملت والے جو اردو رسم خط کو پسند کرتے ہیں وہ اسی رسم خط کو استعمال کریں اور انکی تعلیم اسی رسم خط کے ذریعہ ہوگی اور یہی اختیار و آزادی ان لڑکوں کو بھی حاصل ہوگی جو دیوناگری رسم خط کو پسند کرتے ہیں۔ اور اسکے ذریعے ہندستانی پڑھنا چاہتے ہیں" صوبہ مدراس کے وزارکی جو تقریریں اور بیانات شمالی ہند کے اخبارات میں شائع ہوئے ہیں ان میں ممکن ہے کہ ہندی یا ہندستانی کا لفظ استعمال کیا گیا ہو۔ لیکن پنڈت جواہرلال نہرو اور جامعہ ملیہ دہلی سے اردو اور ہندی کی ابتدائی کتابوں کے مرتب کرنے میں جو مدد ہمنے مانگی ہے اس سے ہمارا یہ مقصد بخوبی ظاہر ہوتا ہے۔ کہ ہم ہندی اور اردو دونوں رسم خط کو رائج کرنا چاہتے ہیں اور اس میں کسی طرح کی تفریق پسند نہیں کرتے۔ آپ کو اس بات کا شبہ بھی نہیں ہونا چاہیئے کہ ہم عوام کے کسی فرقہ سے اس کی قومی زبان کا خاص رسم خط چھین لیں گے۔

دوسرا مسئلہ جس پر مجھے اپنا بیان دینا ہے وہ گاؤکشی کے متعلق ہے شمالی ہند میں اسپر بھی احتجاج ہو رہا ہے۔ اسمبلی کے ایک ممبر نے نوٹس دیا ہے کہ وہ گاؤکشی بند کرنے کے لئے ایک تجویز پیش کرنا چاہتے ہیں۔ اس کی حمایت کرنے کیلئے حکومت مگر تیار نہیں ہے۔ حکومت مدراس اس مسئلہ پر کوئی نئی پالیسی اختیار کرنے کا ہرگز ارادہ نہیں رکھتی، اس مسئلہ کے سلسلہ میں جنوبی ہند میں جو امن وسکون قائم ہے اس میں خلل کرنا اور اس کو توڑنا ہم نہیں چاہتے۔

---

## نوجوان

بڑھا ہوں جب بھی میداں میں بغاوت کا علم کھولے
فرشتے ذاجل کے آسماں پر ہنس کے پر تولے

مجاز

شاہد لطیف

میر جواد علی اپنے محلے کے سب سے زیادہ دولتمند باعزت اور بارسوخ آدمی تھے کھانے پینے کی کمی نہ تھی۔ غدر کے زمانہ میں میر صاحب کے دادا نے کچھ انگریزوں کو اپنے گھر میں چھپا لیا تھا۔ جسکے صلہ میں آج تک انکے خاندان کو ڈیڑھ سو روپیہ ماہوار وثیقہ مل رہا تھا۔ بڑے مزے میں گزر تی تھی میر صاحب آدمی وضعدار تھے جس سے ایک بار دوستی ہو گئی آخر وقت تک نبھاتے۔ دن بھر بیٹھک میں یار دوست کا مجمع رہتا۔ اور شطرنج جمی رہتی۔ سورج ڈھلتے ڈوبتے میر صاحب تفریح کو نکل جاتے تھے۔ فتحپوری ہوتے ہوئے دریبہ میں سے نکل کر جامع مسجد آتے جہاں شبراتی بنواڑی کے یہاں سے ڈبیہ میں پان بھروا تے اور چاوڑی کی طرف چل دیتے اور نو دس بجے تک کوٹھوں پر رہتے۔ اس کے بعد گھر واپس آجاتے رات کو تھوڑی دیر پیکر فضل بکڈپو کے یہاں کا کوئی ناول پڑھتے اور پڑھتے پڑھتے سو جاتے یہی معمول تھا۔

میر صاحب کی والدہ اسوقت انتقال کر گئی تھیں جب یہ دودھ پیتے تھے۔ بچہ تھے والد کو مرے ہوئے بھی کئی برس ہو گئے تھے میر صاحب کی طبیعت کے میلان کو دیکھتے ہوئے انکے والد نے کم عمری میں انکی شادی کردی تھی کچھ دن کے لئے میر صاحب کی باہر کی دلچسپیاں ختم ہو گئیں۔ لیکن بدقسمتی سے بیگم صاحبہ بیمار رہنے لگیں۔ اور جلد ہی میر صاحب کی طبیعت بیوی کی طرف سے ہٹ گئی۔ وہ پھر اپنی پرانی دلچسپیوں میں پڑ گئے۔ جبتک میر صاحب کے والد زندہ رہے بہو کی دوا دارو کرتے رہے۔ لیکن انکی موت کے بعد اس گھر میں کوئی اتنا بھی نہ رہا جو مریضہ کی تیمار داری کرتا میر صاحب بیماری و بیماری کے جھمیلوں میں پڑنا نہیں چاہتے تھے۔ اس لئے بیوی کو میکے پہونچا آئے۔ جہاں کچھ دنوں کے بعد وہ بھی چل بسیں۔

جب گھر میں کوئی عورت نہ رہی تو میر صاحب نے سوچا کہ نصیبن کو بلا لیں، جس نے بچپن میں میر صاحب کو دودھ پلایا تھا۔ اور پرانی خادمہ تھی۔ لیکن وہ اتنی بوڑھی ہو چکی تھی کہ زیادہ چلنے پھرنے اور کام کرنے سے معذور تھی۔ پھر اسنے وعدہ کر لیا کہ اپنی بیٹی سے دونوں وقت کا کھانا پکوا کر بھیجدیا کریگی

---

گرمیوں کی ایک سنسان دوپہر تھی لو چل رہی تھی۔ میر صاحب پانی سے بھیگے ہوئے پلنگ پر لنگی باندھے لیٹے اپنی توند پر جو عمر کے ساتھ ترقی کر رہا تھا ہاتھ پھیر رہے تھے۔ اتنے میں کواڑ کھلے اور نصیبن کی لڑکی جس کی عمر چودہ پندرہ برس کی ہو گی کھانا لئے ہوئے داخل ہوئی، کھانے کے بعد جب وہ برتن کپڑے میں باندھنے لگی تو میر صاحب نے آواز دی "

اجی فاطمہ، ذرا سنو"

فاطمہ نے برتن باندھتے ہوئے جواب دیا"

جی کیا ہے"

ہاں ہاں، ہوں میں کہہ رہا میں کہہ رہا تھا کہ

آج تو تم بڑی اچھی معلوم ہو رہی ہو"

فاطمہ خاموش ہو رہی۔ اُسنے کوئی جواب نہ دیا۔"

کیوں۔۔۔ ہیں ہیں۔۔۔ کیا ناراض ہو گئیں تم۔۔۔۔۔۔ سچ جانو۔۔۔ آج تو تم بڑی اچھی معلوم ہو رہی ہو"

فاطمہ کی پیشانی پر بل آگئے۔"

یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ ہو کیا گیا ہے۔ آپ کو آج۔ اپنی دودھ بہن سے ایسی بات کہتے ہیں۔

" یہ کہہ کر جلدی "

میر صاحب اسکی طرف لپکے اور اس کو دبوچ لیا۔

فاطمہ نے ایک دو ہتڑ رسید کیا۔ اور چیخنے لگی"

ہوئے اتنے جوتے لگواؤنگی کہ سب میر صاحبی رکھی رہ جائیگی۔۔۔۔۔ بڑے شریف آئے ہیں!!!

میر صاحب کو ڈر لگا کہ کہیں کوئی سن نہ لے اس لئے جلدی سے چھوڑ دیا۔ جب وہ چلی گئی۔ تو میر صاحب نے چپکے سے دروازہ کے باہر جھانک کر دیکھا۔ گلی سنسان پڑی ہوئی تھی یہ دیکھ میر صاحب کو ذرا اطمینان ہوا وہ چارپائی پر جا کر لیٹے ہی تھے کہ کواڑ کھلنے کی آواز آئی۔ اور میر صاحب کا دل دھک سے ہو گیا، گھبراہٹ میں اور تو یہ سوجھی جھٹ سے آنکھیں بند کرلیں۔

میر صاحب۔ اماں میر صاحب۔ غضب کرتے ہو۔ یار ایسی گرمی میں سو رہے ہو۔ غضب خدا کا آج تو آگ برس رہی ہے۔ بھئی شاباش ہے تمہاری ہمت پر۔

میر صاحب نے جو خلاف توقع اپنے دوست باقر علی کی آواز سنی تو فوراً اٹھ بیٹھے بولے۔

ابھی کھانا کھایا ہے۔ ذرا قیلولہ کر رہا تھا۔ آؤ بیٹھو"

باقر علی پلنگ پر میر صاحب کے قریب بیٹھ گئے۔ میر صاحب کے چہرے سے پریشانی کے آثار ظاہر ہو رہے تھے۔ اس کے علاوہ ابھی ابھی کشتی ہوئی تھی اس کی وجہ سے ابھی تک انکی سانس ٹھیک نہیں تھی۔

باقر علی نے میر صاحب کے چہرے کو غور سے دیکھتے ہوئے پوچھا کیوں کیا بات ہے۔ کچھ مکدر سے معلوم ہوتے ہو۔

میر صاحب نے جواب دیا

کچھ نہیں یہی گرمی نے پریشان کر رکھا ہے۔

نہیں دوست کچھ اور ہی بات معلوم ہوتی ہے۔ یہ ہانپ کیوں رہے ہو

میر صاحب کا دل سینے میں اچھلنے لگا۔ سمجھے کہ باقر علی کو کچھ معلوم ہو گیا ہے۔ اس لئے مناسب یہی ہے۔ کہ جب جاپ بتا دیں۔ اس کے علاوہ باقر علی سے کیا پردہ۔

—— وہ ہے نا —— نصیبن —— اسکی لڑکی —— اجی وہی لونڈیا۔ ابھی کھانا لے کر آئی تھی۔ گرمیوں کے دن ہیں مجھے ذرا اچھی معلوم ہوئی میں نے کہدیا۔ فاطمہ آج تو تم بڑی اچھی معلوم ہو رہی ہو۔ بس کیا تھا بگڑ بیٹھی۔ اور لگی اناپ شناپ سنانے۔ خیریت ہوئی کسی اور نے سنا نہیں۔ نہیں تو اور مصیبت ہوتی۔۔۔۔ ادبار ہے بھائی ادبار۔ چار ٹکے کی لونڈیا بھی اب تو ہمیں اناپ شناپ سنانے لگی بڑی آبرو والی آئی کہیں کی!!!

"اور اگر اس نے اپنی ماں سے جاکر کہدیا تو ۔ ۔ ۔"
"یہی تو اندیشہ مجھے ہے وہ بڑی منہ چڑھی بڑھیا ہے ۔"
"اماں جب کیا ہے تو ڈرتے کیوں ہو۔ وہ بوڑھی گھوڑی کری کیا سکتی ہے کہدینا کہ وہ جھوٹ بولتی ہے۔ صبح سے باقر علی میرے ساتھ شطرنج کھیل رہے تھے۔
لیکن بات اس بڑھیا سے چھپی رہ سکتی نہیں۔ شام کو جب وہ اس سے روٹی لیجانے کو کہے گی۔ تو وہ صاف انکار کر دیگی۔
اور کہیں وہ بوڑھی چڑ چڑی گئی تو اور غضب ہوگا۔
دیکھو میری سنو۔ بہت ممکن ہے فاطمہ خاموش ہو رہے۔ اور ماں سے کچھ نہ کہے۔ تم تیسرے پہر تک دیکھ لو، اگر کوئی بات نہ ہو تو تم خود ہی کہلا بھیجو کہ اب وہ تمہارے لئے کھانا نہ پکائے میرے یہاں کھانے کا انتظام ہو گیا
میر صاحب کو باقر علی کی رائے ٹھیک معلوم ہوئی انہوں نے سورج ڈوبنے سے پیشتر ہی نصیبن کے یہاں کہلا بھیجا کہ اب انہوں نے کھانے کا انتظام دوسری جگہ کر لیا ہے

---

جاڑوں کی رات تھی۔ نو بجے ہوں گے۔ ہر طرف خاموشی چھائی ہوئی تھی میر صاحب ابھی ابھی شراب کی بوتل لیکر آئے تھے۔ اور دو تین چڑھے بیکر لیٹے تھے۔ سرور تھا۔ یکایک کواڑ کھلے۔ اور کسی کے دبے پاؤں مکان میں داخل ہونے کی آواز آئی، میر صاحب نے اپنی نیم وا آنکھوں کو کھولتے ہوئے دروازے کیطرف دیکھا۔
"ارے تم۔ تم تم کہاں اسوقت فاطمہ"۔
"میں آپ کے پاس آئی ہوں۔"
"میرے پاس۔ میرے پاس۔ کسلیئے آئی ہو، گالیاں دینے؟"
"اس دن اس دن۔ یاد ہے، ہاں۔"
"جی نہیں غلطی ہو گئی تھی۔ اس روز"
"تو پھر کس لئے آئی ہو میرے پاس"

"بھوکی ہوں۔ کئی وقت کی"
اور وہ رونے لگی،
"بھوکی ہو تم! ارے یہ تو ٹھیک نہیں، آخر کیوں،"
"اماں بہت بیمار ہیں۔ ڈیڑھ مہینے سے گھر میں جو کچھ تھا۔ دوا دارو میں ختم ہو گیا۔ اور اب تو دو دن سے منہ میں ایک کھیل تک اڑکر نہیں گئی
"اماں نے بھیجا ہے آپکے پاس"
"اچھا تو بیٹھو۔ بیٹھو۔ ارے تم تو کانپ رہی ہو ادھر آؤ میرے پاس آکر بیٹھو"
"فاطمہ بھیگی بلی کی طرح سمٹ سمٹا کر بیٹھ گئی۔"
میر صاحب نے لالٹین کی بتی ذرا نیچی کر دی، اور خود یہ کہتے ہوئے "شیروانی بیٹھک میں لٹکی ہے۔ ذرا لے آؤں اسی میں دام پڑے ہیں دروازے کیطرف چلدیئے۔"
کواڑ کی کنڈی آہستہ سے بند ہونے کی آواز آئی اور میر صاحب لڑکھڑاتے ہوئے کمرے میں داخل ہوئے۔
"لو یہ لو اس سے اپنا کام چلاؤ۔ اور وہ اس کے بالکل قریب آکر بیٹھ گئے۔ اور دیکھو اگر اور ضرورت ہو تو پھر آجانا شرمانے کی کونسی بات کوئی غیریت ہے۔ تم تو۔ تم تو ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔"
جب وہ گھر سے باہر نکلی تو اسکے بال پریشان تھے، کرتے کا دامن اور گریبان دو چار جگہ سے مسکا ہوا تھا۔ آہستہ آہستہ چل رہی تھی، مٹھی میں چاندی کے دو گول گول سکے دبے ہوئے تھے۔
گلی کے نکڑ پر کتے کا ایک پلا اسکی پرچھائیں سے ڈرکر بھاگا اور دور جاکر بھونکنے لگا۔
سڑک پر ایک یکہ والا گاتا جا رہا تھا ؎

اربے ہاں دیکھتے جاؤ۔ ارے ہاں دیکھتے جاؤ۔
کسی کی خاک میں ملتی جوانی دیکھتے جاؤ

---

# فلسطین میں پٹرول کے نل کی لائن

فلسطین کے آخری فسادات سے متاثر ہو کر شاہی کمیشن کا تقرر عمل میں آیا۔ اس نے "بیس سال کے پرانے جزئی واقعات کی تحقیق کو گڑے مردے اکھاڑنے کی برابر سمجھ کر چھوڑ دیا۔ لیکن پھر بھی اس "افسوس ناک حقیقت" کا اقرار ہے کہ۔
لڑائی کی ضرورتوں کی وجہ سے حکومت برطانیہ شریف حسین کو صاف صاف اپنے ارادوں سے مطلع نہ کر سکی آپ دیکھیں گے کہ سر ہنری میکموہن کے خط مورخہ ۲۴ اکتوبر ۱۹۱۵ء میں فلسطین کا واضح ذکر نہیں کیا گیا ہے۔ اور نہ اس سے پہلے کوئی خاص اشارہ کیا گیا تھا۔ بعد کی خط و کتابت میں شریف حسین اور سر ہنری میکموہن کے درمیان صرف بیروت اور حلب کے متعلق اختلاف تھا۔ شریف حسین نے اس بات پر زور دیا کہ یہ علاقے خالص عرب ہیں اور جب ہنری میکموہن نے فرانسیسی مصالح کی طرف توجہ دلائی۔ تو شریف حسین نے جواب دیا کہ اگرچہ وہ شمال میں اپنی حقیقت سے دست بردار ہونے کے لئے تیار نہیں تاہم وہ سردست برطانیہ اور فرانس کی باہمی مخالفت کو نقصان پہنچانا نہیں چاہتے۔ اور فرانس کے مطلوبہ علاقوں (بیروت۔ اور لبنان کے ساحلی علاقے) کے متعلق مزید گفت و شنید جنگ کے خاتمہ پر ملتوی کرنا مناسب خیال کرتے ہیں،"
یہی "افسوس ناک حقیقت" اس بات کا بھی اعتراف ہے کہ برطانیہ اور شریف حسین میں فلسطین کے معاملہ میں کوئی اختلاف نہیں تھا، لیکن ان تمام وعدوں کے باوجود فلسطین کا یہ حشر کیوں ہوا؟ اس پر پچھلے سال ۱۵ جون کو پارلیمنٹ کے ایک معزز ممبر نے روشنی ڈالی تھی۔ "مدافعت کے لحاظ سے فلسطین کی مقامی حیثیت نہایت اہم ہے۔ یہ گویا کلیفم جنکشن (لندن کا سب سے بڑا ریلوے جنکشن) ہے

[قابل فروخت]

## اطلاعنامہ بنام اشخاص دربارہ پیش کرنے اپنے دعویٰ کے حسب دفعہ ۱۱ ایکٹ جائدادہائے مقروضہ ممالک متحدہ

## (ایکٹ ۲۵ بابت ۱۹۳۶ء)

بعدالت جناب اسپیشل جج صاحب بہادر گونڈہ درجہ دوم مقام گونڈہ

مقدمہ نمبری نمبر ۲۲ ۱۹۳۶ء

یکم دسمبر ۳۶ء

دلتمن سنگھ وغیرہ قرضدار سائل

بنام

کیرت سنگھ وغیرہ قرضخواہ فریق ثانی

چونکہ دلتمن سنگھ وغیرہ ساکن موضع بلہا پرگنہ بلرامپور ضلع گونڈہ نے ایک درخواست حسب دفعہ ۴ ایکٹ جائداد ھائے مقروضہ پیش کی ہے اور چونکہ جائداد جس کی تفصیل فہرست ہائے منسلکہ میں درج ہے۔ درخواست دہندہ نے حسب دفعہ ۸ یا فریق ثانی نے حسب دفعہ ۱۰ اسلائلان مذکور کی جائداد ظاہر کی ہے۔

لہذا حسب دفعہ ۱۱ (۱) ایکٹ مذکور تم کو اطلاع دیجاتی ہے کہ اگر جائداد مذکور کے متعلق تم کوئی دعویٰ رکھتے ہو تو گزٹ ممالک متحدہ میں اس اشتہار کے شائع ہونے کی تاریخ سے تین ماہ کے اندر ایک درخواست عدالت ہذا میں اصالتاً یا بذریعہ مختار مجاز پیش کرو۔

میرے دستخط اور مہر عدالت سے آج بتاریخ ۱۰ اگست ۱۹۳۶ء جاری ہوا۔

دستخط بخط انگریزی (مہر عدالت)

تفصیل جائداد مدخلہ سائلان حسب دفعہ ۸۔ انکمبرڈ ایکٹ۔

فہرست (ب) تفصیل جائداد غیر منقولہ

۱۔ حصہ ۱/۲ پائی ۸ ک ۰۰ ۸ پائی موضع بھرہا شمول گھنیہوا پرگنہ بلرامپور ضلع گونڈہ

۲۔ حصہ ۱/۲ پائی ۸ ک۔ ڈیڑھ موضع بہیورا مشمولہ بنی جوت پرگنہ بلرامپور ضلع گونڈہ

فہرست (ج) تفصیل جائداد منقولہ

| | |
|---|---|
| ۱۔ گائے | دو راس |
| ۲۔ بچھیا | دو راس |
| ۳۔ بچھوا | دو راس |

تفصیل جائداد مدخلہ مہاجنان حسب دفعہ ۱۰۔ انکمبرڈ ایکٹ

فہرست (ب) تفصیل جائداد منقولہ۔

| | |
|---|---|
| ۱۔ تخت چوبی | ایک عدد |
| ۲۔ گیہوں | ۲۵ من |
| ۳۔ چنا | ۱۰ من |
| ۴۔ مٹر | ۵ من |
| ۵۔ مسور | ۵ من |

| | |
|---|---|
| ۶۔ دہان جڑہن | ۵ من |
| مہر عدالت | دستخط بخط انگریزی۔ |

وقت حاضری عدالت ۱۰ بجے دن سے ۴ بجے شام تک

# مویشیوں کا اوسط

ذیل کے نقشے سے معلوم ہوگا کہ مختلف صوبوں میں ہر ۱۰۰ ایکڑ مزروعہ زمین پر مویشیوں کی تعداد کا اوسط کیا ہے اور ہر ۱۰۰ نفوس پر اوسط تعداد کیا ہے

| | ہر سو ایکڑ مزروعہ زمین پر | ہر سو نفوس پر |
|---|---|---|
| اجمیر میواڑ | ۱۲۴ | ۹۶ |
| آسام | ۱۰۰ | ۶۹ |
| بنگال | ۱۰۸ | ۵۲ |
| بہار واڑیسہ | ۸۸ | ۵۷ |
| بمبئی | ۳۸ | |
| برما | ۳۴ | [illegible] |
| سی پی وبرار | ۵۶ | ۹۶ |
| کرگ | ۱۰۰ | ۸۴ |
| دہلی | ۷۵ | ۲۴ |
| مدراس | ۷۵ | ۵۲ |
| سرحدی صوبہ | ۵۰ | ۴۴ |
| پنجاب | ۶۰ | ۶۷ |

"ماخوذ از جامعہ"



یہ ایک ایسے مقام پر واقع ہے۔ جو انگلستان، افریقہ، اور ایشیا کے ہوائی راستوں کا مرکز ہے۔ بحر روم کے جدید حالات نے اس کی بحری حیثیت کو صد درجہ اہم بنا دیا ہے۔ قبرص فلسطین۔ اور مصر پر اگر مضبوطی کے ساتھ قبضہ رکھا جائے تو اس سے نہ صرف نہر سویز کو کھلا رکھنا ممکن ہوگا بلکہ تمام مشرقی بحر روم پر بھی قبضہ رہ سکے گا اگرچہ یہ صحیح ہے کہ تکلیف داری کی رو سے ہم فلسطین میں بحری مرکز قائم کرنے کے مجاز نہیں ہیں۔ تاہم اگر حیفہ کو ترقی دے کر بحر روم کا ایک زبردست بندرگاہ یعنی مرکز بنا دیا جائے۔ نیز اس کو عراقی تیل کا ایک بڑا منبع قرار دیا جائے تو جنگ کے زمانہ میں جب ہمیں کہیں اور سے تیل نہیں مل سکے گا۔ اس علاقہ کے نتائج بہت اہم ہوں گے"

اس تقریر سے یہ بات بھی روشن ہو جاتی ہے کہ فلسطین کے موجودہ حل میں یہودیوں کے وعدہ کو اتنا دخل نہیں ہے جتنا برطانیہ کے ذاتی مفاد کو مسئلہ بیت اللحم اور دیوار گریہ کا نہیں بلکہ ان سے زیادہ مقدس "تیل، اور جیٹ پائپ لائن" کا ہے"۔ اسی لئے یہودی جیسی غیر سیاسی قوم کو دنیا بھر سے لا لا کر اس ساحل پر بسایا گیا ہے۔ اور اس خیال سے کہ کہیں یہ بھی ابھی کوئی ایسی دیسی حرکت نہ کر بیٹھے۔ عربوں اور یہودیوں کے درمیان میں خود بدولت اپنا ٹھکانہ بنائے ہوئے ہیں۔ یہودیوں و عربوں میں برابر چلتی رہے اور بیت المقدس کے مذہبی محافظ پنچ کی حیثیت سے دونوں کے سرپرست ہوں فلسطین کا ساحل دنیا کی اس مذہبی خدمت کے عوض ان کے اثر میں رہے۔ اور دنیا کے مذہبی احساسات کی خاطر تکلیفیں جھیلنے والی سلطنت کے جہازوں کو آسانی سے تیل ملتا رہے۔ غریب یہودی بس ایک بہانہ ہیں۔ اور ان کے سردار ڈاکٹر وائس مان نے ایک دوسرے سلسلہ میں سچ کہا تھا کہ یہودی ہمیشہ ہی بہت اچھا بہانہ ثابت ہوتے ہیں!۔ (از جامعہ)

[قابل فروخت] **اطلاعنامہ**

## بنام اشخاص دربارہ پیش کرنے اپنے دعوی کے حسب دفعہ ۱۱ ایکٹ جائدادہائے مقروضہ ممالک متحدہ (ایکٹ ۲۵ سنہ ۱۹۳۴ء)

بعدالت جناب شیو مہیند دبھوشن بنرجی اسپشل جج صاحب بہادر گونڈہ درجہ دوم مقام گونڈہ (۲۶ ستمبر ۱۹۳۶ء)

مقدمہ نمبری نمبر ۳۰۵ سنہ ۱۹۳۶ء

سید محمد ساجد ولد علی حسن ساکن قصبہ اترولہ خاص پرگنہ اترولہ قرضدار

بنام

عبدالحلیم وغیرہ قرضخواہ فریق ثانی

چونکہ سید محمد ساجد ولد علی حسن ساکن قصبہ اترولہ خاص پرگنہ اترولہ ضلع گونڈہ نے ایک درخواست حسب دفعہ ۴ ایکٹ جائدادہائے مقروضہ پیش کی ہے اور چونکہ جائداد جس کی تفصیل فہرست جائداد منسلکہ میں درج ہے درخواست دہندہ نے حسب دفعہ ۸ یا فریق ثانی نے حسب دفعہ ۱۰ سید محمد ساجد مذکور کی جائداد ظاہر کی ہے۔

لہذا حسب دفعہ ۱۱ (۱) ایکٹ مذکور تم کو اطلاع دیجاتی ہے کہ اگر جائداد مذکور کے متعلق تم کوئی دعوی رکھتے ہو تو گزٹ ممالک متحدہ میں اس اشتہار کے شائع ہونے کی تاریخ سے تین ماہ کے اندر ایک درخواست عدالت ہذا میں اصالتاً یا بذریعہ مختار مجاز پیش کرو۔

میرے دستخط اور مہر عدالت سے آج بتاریخ ۳۰ اگست ۱۹۳۶ء جاری ہوا

(مہر عدالت) اسپشل جج درجہ دوم ضلع گونڈہ

### فہرست الف جائداد غیر منقولہ

۱- حصہ ۴ پائی ۱۰ اک مندرجہ کھیوٹ مالکان سنہ ۱۳۴۳ف واقع موضع ماناپور بہریا پرگنہ اترولہ باشمول پورہ پتلی و بیچپور پور دبہریا خاص

۲- حق مرتہنی ۵۵-۶-۸ ایکڑ مندرجہ کھیوٹ مالکان مرتہنی سنہ ۱۳۴۳ف واقع پورہ بھجن پور و مشمولہ ماناپور بہریا پرگنہ اترولہ

### فہرست ب جائداد منقولہ

| تھالی مسی | پلیٹ تام چینی | پیالہ تام چینی | کفگیر | چمچہ | لوٹا مسی | گلاس شیشہ |
| --- | --- | --- | --- | --- | --- | --- |
| دو عدد | نصف درجن | نصف درجن | ایک | نصف درجن | دو عدد | دو عدد |

| دال ارہر | گندم | چارپائی | یک قطعہ ڈگری ضمن ۱۶ ایکٹ لگان اودھ |
| --- | --- | --- | --- |
| یکمن خام | دو من خام | ۲ عدد | |

اجلاس حاکم تحصیل صاحب اترولہ منفصلہ ۳۰ ستمبر ۱۹۳۶ء بمقدمہ محمد ساجد بنام عبدالوہاب خان وغیرہ تعدادی 5/14/2 73 اصل مع خرچہ ہے

(دستخط بخط انگریزی) بحکم حاکم
منصرم منصفی کورٹ - گونڈہ

(مہر عدالت)

وقت حاضری عدالت

۱۰ بجے دن سے ۴ بجے شام تک

ہندستان نیوزپیپرس لمیٹڈ لکھنؤ کی طرف سے حیات اللہ انصاری ایڈیٹر و پبلشر نے باہتمام گردھاری لال سکسینہ سلطانی برقی پریس نظیر آباد لکھنؤ سے چھپوا کر ۲ نیل روڈ لکھنؤ سے شائع کیا۔

ہندستان
ہفتہ وار لکھنؤ
جلد ۱ نمبر ۸ | ۲۶ ستمبر ۱۹۳۷ء | فی پرچہ ۲ ر سالانہ ۱۲ ر

# مسٹر جناح کا نیا قدم

شملے کے مسلمانوں نے مسٹر جناح کو ایڈریس پیش کیا۔ مسٹر جناح نے جوابی تقریر میں کہا کہ مسلم لیگ کا مقصد بھی کامل آزادی ہے۔ "کون ایسا ہے جو غیر ملکی حکومت کو پسند کرتا ہو۔ مکمل آزادی اور اپنے ملک میں اپنی قوم کی حکومت نہ دیکھنا چاہتا ہو" مکمل آزادی چھوٹا سا لفظ ہے۔ زبان سے نکالنے یا قلم سے لکھنے میں تو کچھ دیر لگتی نہیں۔ مسٹر جناح نے اپنے اشارے سے مسلم لیگ کا دستور اساسی کچھ سے کچھ کر دیا۔

مسٹر جناح کا ایک فقرہ یہ بھی ہے کہ "قبضہ کرنے سے پہلے تقسیم کر لو"۔ یہ اصول انھوں نے اس لئے بنایا ہے کہ جب آدمی کو یہ اطمینان ہو جاتا ہے کہ اس کو اتنا حصہ ملیگا تو بہت جوش سے کام کرتا ہے۔ کاش مسٹر جناح خود اپنے قول پر عمل کرتے اور ذرا صاف کر دیتے کہ زمین کی تقسیم زمیندار اور کاشتکار میں کیسے کریں گے۔ مل کی آمدنی کی تقسیم مزدور اور سرمایہ دار میں کیسے کریں گے۔ اگر کاشتکاروں اور مزدوروں کو مال غنیمت میں اپنے حصہ کا علم ہو جائے تو جد و جہد منزلوں آگے نکل جائے۔ اس صراحت کرنے کے بعد پھر کانگرس کو مصالحت کرنے میں ذرا جھجک نہ ہوگی۔

# طلبا کا فیڈریشن

اسٹوڈنس فیڈریشن کو پیدا ہوئے ایک سال سے کچھ ہی زیادہ ہوا ہے۔ لیکن اتنے عرصہ میں اس نے اپنی ضرورت سمجھا دی۔ جہاں کہیں بھی طلبا نے جائز مطالبات پر اسٹرائک کی، فیڈریشن نے فوراً اس میں شرکت کی۔ اسی شرکت سے فیض آباد، اور امرتسر کی اسٹرائکیں کامیاب ہوئی ہیں۔ کچھ ہی دن ہوئے لکھنؤ کرسچین کالج کے طلبا نے اسٹرائک کر دی۔ اس کی وجہ یہ ہوئی تھی کہ طلبا پر جا و بیجا جرمانے بہت ہوتے تھے۔ پروفیسر صاحبان کا رویہ بھی کچھ قابل اصلاح تھا، اور انتظامی خرابیاں تھیں۔ فیڈریشن نے اسٹرائک میں پوری مدد کی (انکے ساتھ لکھنؤ یونیورسٹی کے ریڈیکل بھی شریک ہوگئے) ان لوگوں نے تقریروں سے، جلسوں سے، اور جلوس نکالکر پبلک کی ہمدردی حاصل کر لی، آخر افسران کالج کو انکے تمام مطالبات ماننا پڑے۔

چند جوشیلے مسلم طلبا، ایک مسلم فیڈریشن بنانا چاہتے ہیں۔ ان کی کوششیں یوپی، بہار، اور بنگال میں بری طرح ناکامیاب رہیں۔ وہاں کے مسلمان طلبا نے اس فرقہ وارانہ ذہنیت پر اظہار نفرت کیا اور فیڈریشن پر اپنے پورے بھروسے کا اظہار کیا۔ اب خبر ہے کہ دیرہ دون میں بھی اسی مقصد سے ایک جلسہ ہوگا۔

طلبا کی حیثیت سے ہندو ہوں یا مسلمان سب برابر ہیں۔ اگر جرمانہ ہوتا ہے تو سب کیلئے تکلیف دہ، اگر نہیں ہوتا ہے تو کسی کے لئے نہیں ان کی پریشانیاں، اور مصیبتیں ایک سی ہیں۔ ایسی حالت میں فرقہ وارانہ ذہنیت پیدا کرنے کا صرف ایک مطلب ہے، وہ یہ کہ طلبا کی موجودہ جد و جہد میں رکاوٹ پیدا کی جائے، لیکن اب طلبا بھولے نہیں رہے جنکو جس طرح چاہیں بہکا دیں، وہ اپنا نیک و بد سمجھتے ہیں ایسے جال میں کبھی نہیں پھنس سکتے۔

# زمینداروں کا غصہ

بہار کے زمینداروں نے فیصلہ کیا ہے کہ اگر حکومت نے ان پر کوئی

ٹکس لگایا تو وہ ستیہ گرہ کردیں گے، مہاراجہ دربھنگہ نے ان کی لیڈری کرنے کا وعدہ کیا ہے کتنی عجیب خبر ہے! زمیندار اور راجہ جو ہمیشہ حکومت کے وفادار رہے ہیں، اب حکومت سے بغاوت کریں گے! اور اس بغاوت میں بدنام ہتھیار ستیہ گرہ استعمال کریں گے! اب تو حقیقت کھل گئی کہ زمیندار حکومت سے وفاداری کیوں کرتے تھے، صرف اسلئے کہ ان کے حلوے مانڈے بنے رہیں، اب وہ منافع ہاتھ سے جاتے ہیں تو ان کی وفاداری بھی جا رہی ہے۔

ان کی ستیہ گرہ کی بنیاد کیا ہے؟ یہ کہ کاشتکار دن رات بھر محنت کرکے کمائیں، اور یہ چین سے ٹانگیں پھیلا کر کھائیں۔ اب جو کاشتکار اپنی کمائی کا تھوڑا سا حصہ مانگتا ہے تو یہ ستیہ گرہ کرنے کو تیار ہیں۔ شاید ستیہ گرہ کا مطلب نہیں سمجھے۔ یہ ایک طرح کا طبقاتی جنگ ہے، جب کوئی گروہ لٹ رہا ہو، اسکے لٹنے کا احساس صرف چند شخصوں کو ہو تو ستیہ گرہ سے سارا گروہ چونک پڑتا ہے۔ اور ان کے مطالبوں کیلئے لڑا جاتا ہے۔ ابھی انڈمن ستیہ گرہ ہو چکی ہے اس نے ملک کو چونکا دیا صرف اسی لئے کہ ہر شخص سمجھنے لگا کہ یہی حال ہمارا ابھی ہو سکتا ہے۔ لیکن اگر یہی ستیہ گرہ وہاں کے چوروں نے کی ہوتی تب ملک کے کانوں پر جوں بھی نہ رینگتی۔ یہی حال ہوگا زمینداروں کی ستیہ گرہ کا۔

ذرا دیکھنا ہے کہ یہ ناز ونعم کے پالے، اپنی عیش و آرام کو کاشتکاروں کی تباہیوں پر قائم رکھنے کیلئے کیسی جد وجہد کرتے ہیں۔

---

## کیل گھر

کیل گھر کے معاملہ میں آخر مزدوروں کی جیت ہوئی، اور حکومت ہند کو اس اسٹرائک کے سامنے ہتھیار ڈالنا پڑے۔ اس نے کیل گھر بنانے کا ارادہ چھوڑ دیا۔ اس سلسلہ میں تقریباً ۵ لاکھ روپیہ کا نقصان ہوا۔ وائسرائے نے ایک بیان دیا ہے جس میں بتایا ہے کہ حکومت ہند نے اس ارادے سے پہلے حکومت پنجاب سے مشورہ مانگا تھا، اس نے ہندوؤں کے نمائندوں کی رائے لیکر یہ فیصلہ کیا کہ کیل گھر بننے سے عوام میں کوئی شورش نہ ہوگی۔ گویا کہ ۵ لاکھ کے نقصان کی ذمہ دار حکومت پنجاب ہے، کیونکہ اس نے نمائندوں کے چننے میں سخت دھوکا اٹھایا۔ یہ نمائندے کون تھے؟ شاید حکومت پنجاب بھی ایسے ہی نمائندوں کو بلانا پسند کرتی ہے جو اسی کی ایسی کہیں۔ لیکن اب سبق مل گیا ہے۔ آئندہ سمجھداری سے کام لینا پڑے گا۔

---

## چین کی لڑائی اور ہندستان

پنڈت جواہر لعل نہرو صدر کانگرس نے چین میں جاپانی استبداد کے خلاف احتجاج کرنے اور چین کے مظلوم باشندوں کے ساتھ اظہار ہمدردی کے لئے ۲۶ ستمبر کو یوم چین منائے جانے کا اعلان کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس قسم کے احتجاج یا مظاہروں سے ہم سامراجی بربریت کو روک نہیں سکتے، حبشہ اٹلی کا لقمہ بن گیا۔ اسپین کی اچھی خاصی قوت تباہ کردی گئی، اور فلسطین میں آج بھی برطانوی سامراج اپنی پالیسی چلا رہا ہے۔ ہم نے ان مظالم کے خلاف آواز بلند کی لیکن جو ہونا تھا ہوا، اسلئے ہم اپنے احتجاج یا اظہار ہمدردی سے نہ تو جاپان کو باز رکھ سکتے ہیں اور نہ چین کو کسی قسم کی مدد دے سکتے ہیں، پھر جیسا کہ پنڈت جی نے فرمایا ہے کہ اس بے بسی کے باوجود بھی ہندستان خاموش نہیں رہ سکتا۔ ممکن ہے کہ آگے چل کر حکومت ہند [illegible] لڑائی میں کود پڑے۔ یا عالمگیر لڑائی چھڑ جائے، اور برطانوی سامراج اپنے نفع پر ہندستانی فوجوں کی بھینٹ چڑھا دے، اس وقت کانگرس کی ساری جد وجہد ان باتوں کا رد عمل ہوگی۔ اس غرض سے اگر ہم ابھی سے عوام کو آنے والے خطروں سے آگاہ کرتے رہیں۔ تو وقت پر زیادہ مشکلات کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔

---

## اٹلی اور بحر روم کی کانفرنس

جو کانفرنس بحر روم کی لوٹ مار پر غور کرنے کو منعقد ہوئی تھی آخر کار اس فیصلہ پر پہونچی۔

(۱) ہر ملک اپنے ساحل کی حفاظت کا ذمہ دار ہوگا۔

(۲) فرانس اور برطانیہ بحر روم کی محافظت کے ذمے دار ہیں۔

(۳) جو آبدوز برطانوی بحری قواعد کی پابندی نہیں کرے گی ڈبو دی جائے گی۔

برطانیہ نے ۳۵ اور فرانس نے ۲۵ جنگی کشتیاں دینے کا وعدہ کیا۔ اسکے علاوہ نگرانی کیلئے کچھ ہوائی جہاز بھی دینے کا وعدہ کیا ہے۔ اٹلی اور جرمنی کو اس بات کی خوشی تو ہوئی کہ اس نگرانی میں روس کا ہاتھ نہیں ہے۔ مگر اٹلی کو اس بات پر بڑا طیش آگیا کہ اس تجویز میں اٹلی کو فرانس اور برطانیہ کے برابر کا درجہ نہیں دیا گیا۔ ٹائمس کا نامہ نگار مقیم روم لکھتا ہے۔

"اگرچہ روس کا اس تجویز سے خارج کیا جانا بہت خوشگوار بات ہے لیکن برطانوی اور فرانسیسی بیڑے کو جو نمایاں درجہ دیا گیا ہے بالکل پسند نہیں کیا جاتا ہے"۔ جلسہ بازی میں اٹلی سے رائے مانگی گئی تو اس نے صرف اس صورت میں شریک ہونے کا وعدہ کیا کہ اٹلی کو بھی برطانیہ اور فرانس کے برابر کا درجہ دیا جائے۔ برطانیہ نے اس پر غور کرنے کا وعدہ کیا اور یہ تجویز پیش کی کہ برطانیہ، فرانس اور اٹلی کے نمائندوں کا ایک جلسہ پیرس میں کیا جائے، جو اس ترمیم پر غور کرے۔ اگر صرف برطانیہ اور فرانس کے ہاتھ میں بحر روم کے رستوں کی نگرانی رہتی تو یہ لوٹ مار فوراً بند ہو جاتی کیونکہ ان دونوں کا خالص نفع اسی میں ہے۔ لیکن اٹلی اس بہانے کہ مجھے برابر کا حق دیا جائے اپنے کو اس نگرانی سے بچانا چاہتا ہے اور وہی صورت اختیار کرنا چاہتا ہے جو غیر جانبداری کے موقع پر کی تھی۔ یعنی جو جہاز اسپینی ساحل کی نگرانی کرتے تھے فرانکو کی مدد بھی کرتے تھے۔ اب اٹلی کے جو جہاز عام نگرانی کرینگے وہی لوٹ مار میں بھی مدد دیں گے، اس سے اٹلی کا منشا کیا ہے؟ برطانیہ نے اٹلی کے حبش پر حملہ کرنے سے سبق لیا، اور بحر روم کے جنگی مقاموں کو زیادہ مضبوط کرنا شروع کر دیا۔ اس سے مطلب یہ تھا اگر لڑائی چھڑ جائے تو ایک طرف جبرالٹر اور دوسری طرف نہر سویز کی مدد سے اٹلی کو محصور کر لیا جائے، اسکو رسد تک نہ ملسکے، اٹلی نے اس سے نپٹنے کی یہ ترکیب نکالی ہے کہ فرانکو جتا کر اس سے میل کیا جائے، یوں اٹلی کی پہونچ براہ راست بحر اٹلانٹک تک ہو جائیگی۔ جہاں تک واقعات رہنمائی کرتے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ بحر روم کی لوٹ مار بھی اٹلی کی ایک چال ہے وہ چاہتا ہے کہ کسی طرح از سر نو بحر روم کے جنگی مقاموں کا تصفیہ کیا جائے، اور اس میں اپنا کوئی حصہ ہو۔

# جرمنی کیا چاہتا ہے؟

ہٹلر نے اعلان کیا ہے کہ جرمنی اپنی نوآبادیوں کو واپس لیکر رہے گا۔ "ان مقاموں کو واپس لینا جو جنگ عظیم سے پہلے اسکے پاس تھے، ایک اخلاقی فرض ہے" ظاہر ہے کہ جبتک یہ اخلاقی فرض ادا نہو جائے دنیا میں امن کیسے رہ سکتا ہے۔ مسولینی نے یہ صدا سنتے ہی تان میں تان ملائی اور کہا کہ "یہ تو عین انصاف ہے۔ جرمنی کو اسکے مقبوضات ملنا چاہئیں۔" ساتھ ہی مسولینی نے ایک فقرہ اور کہا جس سے پتہ چلتا ہے کہ ہٹلر کے ارادے کیا ہیں: "یہ مسئلہ انصاف سے اتنا تعلق نہیں رکھتا جتنا کہ یورپ کے امن سے"، کیا ہٹلر واقعی لڑائی کی دھمکی دے رہا ہے؟

برطانیہ اور فرانس نے جرمنی کو جواب دینے میں خوب خوب شاعرانہ کرتب دکھائے۔

(الف) لڑائی سے پہلے نوآبادیوں میں جرمن آبادکار بہت کم تھے۔ اس لئے حق نہیں جتنا۔

(ب) جرمنی میں اتنی گھنی آبادی ہی نہیں ہے کہ جسکو بسانے کیلئے نوآبادی چاہئے

(ج) جرمنی اپنے غلام ملکوں کیساتھ بہت برا برتاؤ کرتا ہے جسکو برطانیہ کی مادرانہ شفقت برداشت نہیں کر سکتی

(د) اگر جرمنی کچا مال ...... در بازار میں چاہتا ہے، تو برطانیہ اور فرانس کی نوآبادیاں اسکے ساتھ رعایت کرنیکو تیار ہیں۔

ہٹلر نے جواب دیا "جرمنی صرف اسوقت مطمئن ہوگا جب ان نوآبادیات پر اس کا جھنڈا لہرا رہا ہو۔" واقعہ یہ ہے کہ نوآبادی صرف بازاروں، کانوں اور کشت زار کا نام نہیں ہے۔ اس سے ایسے فائدے ہوتے ہیں جو صاف صاف نہیں کہے جاتے۔ حکمراں قوم، غلام قوم کے سر پر ایسا راج مسلط کرتی ہے جو بہت باقاعدگی سے آہستہ آہستہ گھن کیطرح اس کی دولت اور راحت چوس لیتا ہے۔ زمینوں پر قبضہ کیا جاتا ہے۔ جب غلام قوم کافی غریب ہو جاتی ہے تو بہت سستے مزدور ملجاتے ہیں۔ اس طرح جب مصنوعات تیار ہو جاتی ہیں تو انکے تبادلہ میں حاکم ملک کچھ چیزیں دیتا ہے جن کی قیمت بہت زیادہ مقرر کر دیتا ہے، گویا تبادلہ کے بہانے غلام ملک کو لوٹتا رہتا ہے۔ یہ نفعے ہیں مقبوضات سے۔ اور جرمنی یہی چاہتا ہے۔

لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا جرمنی کو یہ امید ہے کہ اس طرح دباؤ ڈالنے سے کچھ مقبوضات واپس ملجائیں گے؟ آج کل کی سیاسی حالات تو ایسی امیدوں کو بہا لیجاتے ہیں۔ پھر ہٹلر کے اس شور و غلغلے

مسولینی کی تائید کا کیا مطلب ہے؟ اس بات کے سمجھانے کیلئے ہم کو ذرا پچھلے واقعات دہرانا پڑیں گے۔

فرانس اور جرمنی کی لڑائی میں (۱۸۷۰ء) فرانس کو ہرا کر جرمنی سارے یورپ پر چھا گیا تھا۔ ہر طرف اس نے پاؤں جمالئے، یورپ کے باہر بھی بہت سی نوآبادیاں بنالیں تجارت میں ایسا چمکا کر برطانیہ اور امریکہ کا مقابلہ کرنے لگا۔ اس کا جنگی بیڑا برطانیہ پر رعب جمائے تھا۔ اپنی تہذیب و تمدن کو جلا دیکر، اسی کا پروپگنڈا کیا، اور اس طرح آسٹریا، بلغاریہ، اور ترکی میں کافی اثر پیدا کرلیا۔ لیکن جنگ عظیم نے اسکو بالکل تباہ کردیا، سب مقبوضات ہاتھ سے نکل گئے۔ مالی حالت بہت خراب ہوگئی، اور آئندہ ترقی کی کوئی امید نظر نہیں آتی تھی۔

لڑائی کے بعد فرانس کو موقع ملا، اس نے جرمنی کے آس پاس کی حکومتوں کو اپنا دوست بنالیا۔ پولینڈ، چیکوسلاواکیا، یوگوسلاویا۔ اور رومانیہ سے صلحنامے لکھوائے، ترکی سے میل جول بڑھالیا۔ اس طرح اس نے جرمنی کو اپنے دوستوں سے گھیر لیا۔ جرمنی صرف یہ کرسکا کہ روس سے صلح کرلی۔ لڑائی میں ہارے ہوئے جرمنی کو کچے مال، بازار — اور دوست حکومتوں کی ضرورت تھی۔ گر یہ چیزیں جلد سے جلد نہیں ملتیں تو ڈر تھا کہ جرمنی خود محکوم قوم بن جائے گا۔

کچھ دنوں پرانے مقبوضات اور نوآبادیوں کے خواب دیکھے گئے۔ لیکن ۱۹۳۳ء سے جرمنی کا رنگ بدلا۔ نازی پارٹی کا اقتدار ہوا۔ جرمنی کی باگ ہٹلر کو ملی۔ ہٹلر نے اپنی پالیسی، اپنی کتاب (میری جد و جہد) میں لکھی ہے۔ جسکا نچوڑ یہ ہے کہ سمندر پار مقبوضات، یا نوآبادیوں کا ارادہ چھوڑ دینا چاہیے، اسکو یورپ ہی میں قدم جمانا چاہیے۔ اور مشرق کیطرف بڑھنا چاہیئے۔ اور جنگ عظیم میں جرمنی نے سب سے بڑی غلطی یہی کی کہ سمندر پار مقبوضات اور نوآبادیاں بنانا چاہیں، نتیجہ یہ ہوا کہ برطانیہ سے جھڑپ ہوگئی۔

ہٹلر نے پہلے تو جرمنی کو مضبوط کیا۔ کاشتکاری بڑھائی، اور فوجی تعلیم، عام کردی، اور یہودیوں کو باہر نکال کر جرمنوں میں نسلی غرور پیدا کیا۔ بیرونی پالیسی یہ رکھی کہ ان تمام قوموں میں جنکی مادری زبان جرمن تھی میل پیدا کرنا چاہا، مشرق کے ملکوں پر قبضہ کرنا چاہا۔ شکار کے لئے اس نے کئی مشرقی حکومتوں کو تاک رکھا تھا، آسٹریا، لیتھونیا، چیکوسلاواکیا، پولینڈ، روس، یوکرین، سوئٹزرلینڈ۔ وغیرہ۔ ان حکومتوں میں یا تو ایسے مقامات ہیں جو کبھی جرمنی کے پاس تھے، یا ان میں جرمن بولنے والے آباد ہیں۔

کوئی حکومت خوشی خوشی کسی شہر یا صوبے کو حوالے کرنے سے رہی، اس لئے اس مقصد کیلئے لڑائی ضروری ہے۔ ہٹلر کو شروع ہی سے اسکا یقین ہے۔ اور صرف اسی لئے اپنی فوجی طاقت بڑی بے صبری سے بڑھاتا جاتا ہے۔ اس میں بری، بحری اور ہوائی تینوں طاقتیں شامل ہیں۔ صلحنامہ ورسائی کی آخری شرط توڑ کر اس نے فوجی تعلیم عام کردی۔ رسد کے معاملے میں کوشش کررہا ہے کہ دوسرے ملکوں کی محتاجی نہ رہے۔ اور شاید سال ہی بھر میں اس کوشش میں کامیاب ہوجائے۔

لڑائی کی اس تیاری نے یورپ کی سب مہاجن حکومتوں کو بدحواس کردیا اور ہر ایک نہایت بے صبری سے اپنی فوجی طاقت بڑھانے لگا۔

جرمنی مشرقی یورپ کو ہڑپ کرنا چاہتا ہے۔ اس میں کونسی طاقتیں اس کی موافقت کریں گی، اور کون مخالفت؟ یہی سوال ہٹلر کے سامنے ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ مغربی یورپی طاقتوں سے مغربی یورپ میں امن قائم کرنے کا ایک صلحنامہ ہو جائے۔ یعنی برطانیہ اور فرانس جرمنی کو یورپ کی مشرقی حکومتوں کو ہضم کرلینے کی اجازت دیدیں۔ دوسرے لفظوں میں جرمنی مغربی یورپ کے ان مقاموں کا مطالبہ جو اس کے پاس رہ چکے ہیں پرانی نوآبادیات اور پرانے مقبوضات کا مطالبہ چھوڑ دینے کو تیار ہے، صرف اس شرط پر کہ آسٹریا، رومانیا وغیرہ اس کیلئے چھوڑ دئے جائیں۔ جب تک یہ صلحنامہ نہیں ہوتا ہے۔ جرمنی کو ڈر ہے کہ ادھر اس نے کسی مشرقی حکومت پر حملہ کیا اور اُدھر برطانیہ اور فرانس اس کی مخالف صف میں آجائیں گے۔ اور اسکے لئے جرمنی اب بالکل تیار نہیں ہے۔ کیونکہ جنگ عظیم میں ہارنے کی صرف یہی وجہ ہوئی تھی کہ برطانیہ اور فرانس دونوں مخالف تھے۔

دوسری طرف لڑائی دن بدن ضروری ہوتی جارہی ہے۔ کیونکہ جرمنی کے اندر ایسی کسادبازاری ہے جس نے نازی حکومت کی بنیادوں کو کھوکھلا کردیا ہے۔ کچھ پتہ نہیں کہ کب اپنے بیکاروں کو کھپانے، اور قوم کے جوش کو ابھارنے کیلئے اسے لڑائی شروع کردینا پڑے۔

نوآبادیوں کے مطالبہ کا مطلب صرف یہ ہے کہ اگر ہم کو کچھ نہیں ملتا تو ہم لڑائی چھیڑتے ہیں۔ اور موجودہ حالت میں لڑائی برطانیہ اور فرانس دونوں کے لئے مضر ہے۔ اب دو صورتیں ہوسکتی ہیں یا تو برطانیہ اور فرانس جرمنی کو نوآبادیاں واپس کردیں، یا مغربی یورپی حکومتوں کے صلحنامہ پر راضی ہوجائیں۔ ظاہر ہے کہ آخری صورت کم نقصان دہ ہے۔ گویا کہ نوآبادیات کے مطالبہ کا مطلب صرف اتنا ہے کہ مغربی یورپ میں صلحنامہ ہو جائے جس کی رو سے وہاں امن رہے، اور کوئی کسی قسم کا تغیر نہ چاہے۔ اور جرمنی کو مشرقی حکومتوں پر حملہ کرنے کی اجازت دیدیجائے۔

---

# یوم چین

بموجب حکم صدر آل انڈیا کانگرس کمیٹی ہندستان بھر میں ۲۶ ستمبر ۱۹۳۸ء اتوار کے دن یوم چین منایا جائے گا۔ جس میں اپنے ملک کو جاپانی دستبرد سے بچانے کی خاطر چینیوں کے بہادرانہ مقابلہ پر انکو مبارکباد دیجائے گی اور ان سے ہمدردی کا اظہار کیا جائیگا۔ ہر شہر میں اس دن جلسے ہوں گے۔ امید ہے کہ تمام ہندستانی اس میں شریک ہوں گے۔

# فلسطین میں جنگ آزادی

رام منوہر لوہیا

حبشہ ہسپین، اور چین کے ساتھ ہی فلسطین کا مسئلہ بھی اب بین الاقوامی سیاست میں واضح صورت اختیار کر چکا ہے، یہودیوں اور برطانوی پولیس کے خلاف عربوں کی چند سازشوں نے بڑھکر اب ایک قومی تحریک کی صورت اختیار کر لی ہے۔ اول اول عربوں نے یہودیوں کی آمد کو روکنے کا مطالبہ کیا لیکن کچھ ہی دنوں بعد اپنے قومی مسائل کو خود ہی طے کرنے کا خیال انکے دماغ میں آیا اور ان کی تمامتر سعی برطانوی رشتہ کو توڑ دینے کی طرف مبذول ہو گئی۔

فلسطین کی قومی تحریک درحقیقت ایک لڑائی ہے قومی آزادی حاصل کرنے کیلئے۔ یہودیوں کے خلاف عربوں کا غصہ وقتی ہے اور اس کی زیادہ تر وجہ یہ ہے کہ یہودیوں کے ذمہ دار افراد فلسطین میں برطانوی سامراج کی حمایت کر رہے ہیں عربوں نے نہایت دور اندیشی سے یہودیوں کی آمد کو برطانوی سامراج کی ایک چالاک سازش سمجھکر اسکے خلاف احتجاج کیا ہے۔ اسلئے ان کی لڑائی اس فریبی سامراج سے ہے نہ کہ یہودیوں سے۔

جہاں کہیں بھی دو برابر کی طاقتور جماعتیں ہوں وہاں ایک تیسری جماعت کیلئے ان پر حکومت کرنا عموماً آسان ہوتا ہے۔ آپس میں پھوٹ ڈالنا تو برطانیہ کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے اور یہی پالیسی وہ فلسطین میں برت رہی ہے جسطرح کوئٹہ میں حکومت نے باہری امدادی جماعتوں کے آنے کی ممانعت کر دی تھی اسیطرح جب یہودونابلس کے شہر کی دوبارہ تعمیر کے وقت اپنی خدمات پیش کیں تو انکو بھی اجازت نہ مل سکی۔ دونوں جگہ یہی بہانہ کیا گیا تھا کہ حکومت ہی ضروریات کو خوب سمجھ سکتی ہے اور باہری لوگوں کے آنے سے پریشانی بڑھ جائے گی لیکن اصل وجہ بھی دونوں جگہ ایک ہی تھی اور وہ یہ کہ ایک دوسرے کی مصیبت اور ایک ساتھ کی کوشش سے دو فرقوں کا رابطہ اور اتحاد بڑھ جاتا ہے اور یہ حکومت کے واسطے انتہائی خطرہ کی بات تھی۔ اسلئے ہم دیکھتے ہیں کہ سامراج ہمیشہ آپس کے اتحاد کو کشمکش سے اور محبت کو نفرت سے بدلنے کی کوشش کرتی رہتی ہے۔

فلسطین کی کل آبادی الہ آباد کے ضلع سے بھی کم ہے لیکن جنگی حیثیت سے وہ ایک خاص اہمیت رکھتا ہے، وہ یورپ کے جنوبی حصہ اور نہر سویز کے درمیان داہنی جانب فلسطین واقع ہے اور برطانوی بیڑے یہاں سے تیل لیتے ہیں اسکے علاوہ برطانیہ اور اس کی مشرقی سلطنت کے درمیان فضائی راستہ میں بھی ہمکو بصرہ بغداد، اور فلسطین سے گذرنا پڑتا ہے۔ اس طرح فلسطین کی آزادی برطانوی سامراج کی طاقت کو ہندستان میں بھی کمزور کر دے گی، نئی تجویز کی رو سے جس حصہ پر برطانیہ کا قبضہ ہوگا اس میں لدہ اور رملہ کے ہوائی مستقر اور لدہ کا ریلوے جنکشن جہاں مصر، حیفہ اور بیت المقدس و یافہ کے راستے ملتے ہیں ہوگا۔ عقبہ کا بندرگاہ بھی جہاں سے نہر سویز اور بحیرۂ قلزم پر اثر ڈالا جا سکتا ہے برطانوی علاقہ میں واقع ہے ان سب باتوں سے ہمکو معلوم ہوتا ہے کہ فلسطین کی آزادی سے برطانوی سامراج کی بری، بحری، اور ہوائی طاقت کو کتنا زبردست دھکا پہونچے گا۔

عرب کے جزیرہ نما میں چھوٹی چھوٹی متعدد حکومتیں قائم ہیں، ان کے امیروں میں فرقہ پرستی پائی جاتی ہے اور اس لئے وہ فطرتاً برطانوی سامراج کے دشمن ہیں، لیکن ان کی دشمنی شان و شوکت کی لالچ دینے پر خوشامد سے بدل جاتی ہے۔ چنانچہ انگریز شرق اردن کے امیر کو یہی لالچ دے کر اپنی طرف ملا رہے ہیں۔ لیکن اس طرح حکومت کے خلاف عرب عوام میں ایک خالص جذبۂ قومیت بھی موجود ہے، یہی احساس قومیت برطانیہ سے الگ ہوکر عوام کی جمہوری حکومت قائم کرنا چاہتا ہے۔ اور اسی کی امید پر فلسطین کے عرب آزادی کیلئے جنگ کر رہے ہیں۔ عرب ہائی کمیٹی فلسطین کی ایک قومی جماعت ہے، اور اسکا مقصد ملک کے تمام باشندوں کو بغیر کسی تخصیص کے شہنشاہیت کے خلاف ایک متحدہ محاذ پر جمع کرنا ہے۔ یہ کمیٹی آزادی کی علمبردار ہے، اور برطانوی سامراج کے علاوہ اسکو ملک کے رجعت پسند امیروں کا بھی مقابلہ کرنا ہے۔ لیکن امید کیجا سکتی ہے کہ اس جنگ کے ساتھ ہی ساتھ یہ کمیٹی ترقی کرتی جائے گی اور امارت کے رنگ میں رنگے ہوئے اخلاق اور اقتصادیات کا بھی خاتمہ کر دے گی۔

عرب ہائی کمیٹی نے موجودہ کشمکش کو حل کرنے کیلئے حسب ذیل تجاویز پیش کی ہیں۔

۱۔ فلسطین میں عربوں کی مکمل آزادی تسلیم کر لیجائے۔

۲۔ فلسطین کو یہودیوں کا قومی گھر بنانے کی کوشش کو بند کر دیا جائے۔

۳۔ برطانوی مینڈیٹ منسوخ کر دیا جائے اور اسکے بجائے جسطرح عراق اور مصر سے برطانیہ کے معاہدے ہیں یا جس طرح فرانس اور شام کے درمیان معاہدہ ہے اسی طرح برطانیہ اور فلسطین کے مابین بھی ایک معاہدہ ہو جائے۔ اور فلسطین میں خود مختار حکومت قائم ہو جائے۔

۴۔ جب تک کہ معاہدہ کی شرائط وغیرہ نہ طے ہوں یہودیوں کی آمد اور انکے ہاتھ زمین کی فروخت بند رہے۔

ظاہر ہے کہ ان شرائط کا مقصد مکمل آزادی حاصل کرنا ہے۔ یہی اس موجودہ بےچینی کا سبب ہے۔ اور اسی سے فلسطین ترقی کے راستہ پر چل سکتا ہے۔ اب ضرورت اس بات کی ہے کہ عرب اور یہودی ملکر پہلے اپنے دشمن کو نکال دیں پھر آپس کے منافشات خود ہی طے کر لیں۔ وہاں اینٹفا نام کی ایک جماعت ان دونوں فرقوں کو باہم ملا دینے کیلئے کوشش کر رہی ہے، اس جماعت نے حال ہی میں ایک بیان شائع کیا ہے جسکا خلاصہ یہ ہے "عرصہ سے فلسطین دنیا کی بین الاقوامی کشمکش سے بچا ہوا تھا لیکن اب ہمارا ملک اور اسکے دو کمزور فرقے ایک جنگجو دشمن کے ہاتھ میں کٹھ پتلی بنے ہوئے ہیں۔ دشمن ہم پر حکومت کرنے کیلئے ہمارے باہمی نفاق کو ختم نہیں ہونے دیتے اور اس طرح وہ اپنے فائدہ کیلئے، عربوں اور یہودیوں کو جنگ مستقبل میں توپوں کا لقمہ بنانا چاہتے ہیں"

ہماری رائے میں عرب اعلیٰ کمیٹی کی تیسری شرط مناسب نہیں ہے۔ عراق کی آزادی مکمل آزادی نہیں کہی جا سکتی، ایسی حالت میں زیادہ تر ضروری باتیں برطانیہ ہی کے اختیار میں رہیں گی۔ برطانیہ کے سامراجی حقوق کو قائم رکھنے اور ان کی حفاظت کرنے کا اثر یہ ہوگا کہ ایک نہ ایک وقت میں ملک کی آزادی پھر چھن جائے گی۔ اسکے علاوہ ایسی آزادی سے دنیا کو کوئی خاص فائدہ نہیں پہونچ سکتا کیونکہ دنیا میں سامراج کی طاقت بدستور

قائم رہے گی۔
اس لحاظ سے ہندستان کی جنگ آزادی دیگر ملکوں پر سبقت رکھتی ہے۔ ہماری جدوجہد کا انقلابی اور جنگی پہلو یہ ہے جس کو ہم مکمل آزادی حاصل کرنے کے ساتھ ہی ساتھ دنیا میں شہنشاہیت کی طاقت کو ایک نقصان عظیم پہونچا سکتے ہیں۔

بہر کیف فلسطین کی آزادی سے برطانوی سامراج کی زنجیر جو دنیا کے متعدد ممالک کو کسے ہوئے ہے کمزور ہو جائیگی اور اس حد تک ہندستان کے لئے بھی آزادی حاصل کرنا آسان ہو جائے گا۔

---

# مساوات

اک بڑے کارخانہ کے مالک — پی رہے تھے شراب وقتِ شام
ایک مفلس بھی تھا وہیں حاضر — اس کی بابت یہ کر رہے تھے کلام
کہ میں سرمایہ دار، یہ مزدور — یعنی آقا ہوں میں، یہ میرا غلام
دونوں پڑھتے ہیں ایک صف میں نماز — کیونکہ دونوں ہیں بندۂ اسلام
پھر ذرا گھور کر مجھے دیکھا — اور بولے پٹک کے میز پر جام
او مساوات کے علمبردار! — ہے مساوات دیکھ اِسکا نام
میں نے جھک کر کہا بجا ہے حضور — اِس میں ہرگز نہیں کسی کو کلام
ہاں مگر ایک عرض ہے میری — کہ یہ مزدور، آپ کا یہ غلام
آج کل تنگدست ہے بے حد — اِس کو للہ دیجئے کچھ دام

آپ کے گھر میں بہتی ہے مایا
اس نے دو دن سے کچھ نہیں کھایا

"پیش رو"

# کانگرس اور مسلم عوام

زین العابدین احمد

کانگرس کی یہ نئی تحریک کہ عام مسلمانوں کو کانگرس میں ملایا جائے، اور اس غرض سے ایک کمیٹی کا بنانا بہت اچھی تحریک ہے۔ یہ بالکل صحیح قدم ہے، کیونکہ ہمکو ماننا پڑے گا کہ آجکل مسلمان عوام عام طور پر رجعت پسند اور فرقہ پرست لیڈروں کے اثر میں ہیں۔ ان لوگوں کو اس اثر سے نکالنے کے لئے خاص کوشش کی ضرورت ہے۔

ڈر ہے کہ کہیں یہ تحریک اپنی شکل چھوڑ کر ہندو مسلم اتحاد کی بے اثر اور بے بنیاد تحریک بنکر نہ رہ جائے۔ اسی لئے ضرورت ہے کہ اس کی بنیادوں کو اچھی طرح سمجھ لیا جائے۔ ہمارا مقصود یہ ہے کہ مسلمانوں کی سب دبی اور مٹی جماعتوں کو سامراج دشمن تحریک میں شامل کر لیا جائے۔ اور کانگرس کو عوام کی بنیادوں پر، بلا تفریق مذہب و ملت قائم کیا جائے۔ اس غرض کیلئے ہمکو ماضی کے تجربوں سے موجودہ حالت کو سلجھانا چاہئے۔ اور پھر یہ فیصلہ کرنا چاہئے کہ اس مقصد کو حاصل کرنے کا چھوٹا سے چھوٹا راستہ کون ہو سکتا ہے۔ گویا کہ پہلے اس تحریک کو آنکنا چاہئے، اور پھر کام کا ڈھنگ تیار کرنا ہے۔

اس غرض کیلئے کئی مسئلوں پر غور کرنا چاہئے۔ مسلمان اب تک کانگرس سے باہر کیوں رہے؟ ابھی تک کانگرس مسلمان عوام کو اپنے رجعت پسند لیڈروں سے کیوں نہ چھین سکی؟ اب تک کانگرس نے "فرقہ وارانہ اتحاد" کے مسئلہ کو کس رخ سے اٹھایا ہے؟ اور اب کس رخ سے اٹھا رہی ہے؟ کیا موجودہ کوششیں ہم کو ہندو مسلم اتحاد کی کوششوں سے کچھ آگے لیجائیں گی؟ موجودہ حالت کو سمجھنے کیلئے ان مسئلوں کو اچھی طرح حل کر لینا ضروری ہے۔

پہلے ہم کو ایک بات مان لینا ہے، وہ یہ کہ سیاسی حیثیت سے مسلمان ہندوؤں سے بہت پیچھے ہیں، اس میں شبہہ نہیں کہ مسلمانوں کی ایک جماعت نے پچھلی سامراج دشمن تحریکوں میں جاندار حصہ ضرور لیا تھا، لیکن اس واقعہ سے انکار نہیں ہو سکتا کہ ہندوؤں کی جماعت سیاسی بیداری میں مسلمانوں سے آگے ہے اس کے لئے اتنا دیکھ لینا کافی ہے کہ کانگرس جو ہندستان کا تنہا سامراج دشمن ادارہ ہے ہندو چھائے ہوئے ہیں۔ اور دوسری طرف جتنی انجمنیں مسلمانوں کے ہاتھوں میں ہیں کسی نے سامراج دشمنی کا پروگرام نہیں بنایا!

دونوں فرقوں کی سیاسی بیداری میں نابرابری کے بنیادی اسباب وہ خاص اقتصادی طبقے ہیں جو ان فرقوں پر چھائے ہیں۔ کیونکہ جو طبقہ اپنے فرقے پر اقتصادی قبضہ رکھتا ہے وہ سیاسی قبضہ بھی رکھتا ہے۔ اور یہ بات ان ملکوں میں اور زیادہ پائی جاتی ہے جو صنعتی اور حرفتی حیثیت سے پیچھے ہیں۔ کیونکہ وہاں کے عوام معاشرتی حیثیت سے بالکل بے جان ہوتے ہیں، اور صرف بالائی طبقہ اپنے نیچے کی ساری آبادی کی ذہنیت کا خاکہ بناتا ہے اور اس پر جیسا چاہتا ہے رنگ چڑھاتا ہے۔ اس طبقہ کا راج اسوقت جاکر ختم ہوتا ہے جب اس ملک کے لوگوں کو یہ احساس پیدا ہو جاتا ہے کہ جس چیز میں کاشتکاروں کا نفع ہے زمینداروں کا نہیں ہو سکتا اور جس چیز میں زمینداروں کا نفع ہے کاشتکاروں کا نہیں ہو سکتا، یعنی طبقات میں کشمکش پیدا ہو جاتی ہے، اور آخر کار کامیاب ہو کر ذاتی ملکیت کو جس پر بالائی طبقہ کی زندگی کا دارومدار ہوتا ہے مٹا دیتی ہے۔

اہم بات یہ ہے کہ اس وقت جبکہ معاشرتی اور سیاسی حیثیت سے ہندوؤں کی جماعت پر سرمایہ داروں کا طبقہ راج کر رہا تھا، مسلمانوں کی جماعت کی رہبری جاگیرداروں کے ہاتھ میں تھی۔ ہندستان کے مسلمان زیادہ تر دیہات میں رہتے ہیں، چوٹی پر بڑے بڑے زمیندار ہیں، اور تہ میں کسانوں کا ٹڈی دل۔ مسلمان شہروں میں رہتے ضرور ہیں، جن میں کاریگر، ملوں کے مزدور، دوکاندار، پیشہ ور، اور بڑے تاجر بھی شامل ہیں لیکن تعداد کے تناسب سے شہر کے رہنے والے دیہات کے رہنے والوں سے بہت کم ہیں۔ اس لئے مسلمان کاشتکاروں پر کوئی گہرا اثر نہیں ڈال سکتے۔ اگر مسلمانوں کی انجمنوں اور ان کی جماعتوں کو دیکھا جائے تو شک نہیں رہ جاتا کہ اس فرقہ کی رہبری پوری طرح بڑے بڑے زمینداروں کے ہاتھ میں ہے۔ پنجاب کی "یونینسٹ پارٹی" سب کی سب بڑے زمینداروں سے تیار ہوئی ہے، اور یہی سندھ کی دونوں مسلمان پارٹیوں کی حالت ہے۔ بنگال کی پرجا پارٹی میں عوام کا دخل ضرور ہے، مگر اس کی افسری مسلمان زمینداروں کے ہاتھ میں ہے مسلم لیگ کو ہمیشہ بڑے زمینداروں سے مدد ملتی رہتی ہے۔

مسلمانوں کی حکومت کے زمانہ میں تجارت و حرفت بالکل ہندوؤں کے ہاتھوں میں رہی ہے، مسلمان رؤسا، حکومت کے انتظام، اور فوج کی بڑی جگہوں پر قابض تھے اور مسلم عوام جن میں زیادہ تر نومسلم تھے، بدستور کاشتکاری کرتے رہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اس صدی کی ابتدا تک ہندو تجارت اور صنعت کے اجارے دار بنے ہوئے تھے۔ اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے انگریز تاجروں سے میل بڑھانے کا موقع پہلے ہندو تاجروں کو ملا۔ انگریزی تعلیم پہلے انھیں لوگوں نے حاصل کی جس سے ایک نئی ذہنیت کی لہر دوڑ گئی، اور آگے چلکر انہی لوگوں نے پہلے اس بات کے خلاف احتجاج کیا کہ انگریز ہندستانی تجارت کے ٹھیکیدار بنے ہوئے ہیں۔ کیونکہ انگریزی تجارتی کارخانوں کی اگلی سی ترقیوں کو توڑ دیا تھا اور اس نے ہندستانی سرمایہ داروں سے نفع بخش تجارت کرنے کے موقعے چھین لئے تھے۔

انڈین نیشنل کانگرس شروع میں نوجوان سرمایہ دار جماعت کی آواز تھی۔ اور اس نئی تعلیم یافتہ جماعت نے جو انگریزی حکومت۔ اور انگریزی تجارت کی تباہ کاریوں کے سایہ میں پل رہی تھی، بنی۔ اور انھیں کے ہاتھوں چلی، جتنا جتنا ہندستانی سرمایہ دار جنگ عظیم کے زمانہ میں صنعت و حرفت پر قبضہ پاتے گئے، کانگرس کا اثر و طاقت بڑھتی گئی۔ اور آخر قدرتی طور پر برطانوی سامراج سے جھڑپ ہو گئی، اب کانگرس میں آہستہ آہستہ انقلابی تبدیلیاں ہونے لگیں۔ جب سرمایہ دار برطانیہ سے ہر طرح کی صلح پسندانہ گفت و شنید کر کے ناکامیاب ہوئے۔ اور مایوس ہو گئے تب ان کو زیادہ پیاز ہتھیار کی ضرورت محسوس ہوئی۔ ۱۹۲۱ء میں کانگرس نے آگے کیطرف ایک بہت لمبا قدم بڑھایا۔ اس نے عوام سے اپیل کی کہ حکومت سے براہ راست جنگ کریں۔ اور سول نافرمانی کی تحریک اٹھائی۔

اب تک کانگریس سرمایہ داروں کا ادارہ تھی، اسی لئے اس پر صرف بالائی، اور اوسط طبقہ قابض تھا، اور صرف چند مسلمانوں نے جو اپنے اپنے پیشوں میں خوب کامیاب تھے، اس میں شرکت کی۔ اسکے پاس عوام کیلئے نہ کوئی پروگرام تھا، ورنہ اس نے سنہ ۱۹۲۱ء سے پہلے ان کو ملانے کی کوشش نہ کی تھی۔

جسوقت ہندستانی سرمایہ دار، انگریزی سرمایہ داروں کی دست برد سے حاجتمندان کی ٹھیکیداری کی سخت مخالفت کر رہے تھے، حکومت ملک کے زمینداروں اور جاگیرداروں سے میل بڑھا رہی تھی، بنگال میں دوامی بندوبست جاری کرنے کے بعد سے حکومت کی یہ پالیسی ہوگئی کہ ہر جگہ کے زمینداروں کے ایک طبقے کو اپنے سایۂ عاطفت میں پرورش کرتی، اور اس طرح اپنی قوت کو معاشرت میں پیوست کردیتی، اس طرح ملک بھر کے کاشتکاروں سے ملکیت کے تمام حقوق چھین کر ان مٹھی بھر آدمیوں کو سونپ دیئے گئے۔ جو مغل حکومت کے زمانہ میں انتظامی افسر تھے یا لگان دینے والے کاشتکار۔ بعض جگہ پر لوگوں نے لڑائی، یا دھوکہ بازی سے زمینیں چھین لی تھیں، جیسے اودھ میں تعلقداروں نے۔ ان لوگوں نے مالکانہ حقوق کو اس شرط پر تسلیم کرلیا کہ وہ حکومت برطانیہ کے ساتھ ہمیشہ وفادار رہیں گے۔

مختصر یہ ہے کہ سو برس سے کم میں، حکومت برطانیہ نے ہندستان میں ایک مضبوط اور محفوظ زمیندار طبقہ بنا لیا۔ اس کو اتنے زیادہ اختیارات اور طاقت دیدی، اور قانون مالگزاری سے ان کی اس طرح حفاظت کی جتنی آج تک ہندستان میں اس طبقہ کو میسر نہیں ہوئی تھی۔ برطانوی سامراج کے سایہ میں پرورش پایا ہوا یہ طبقہ بہت موقع پر، عوام کی ہلچل کے مقابل میں بہت بڑی معاشرتی فوج بن گیا۔ مغل حکومت کے مسلمان افسروں اور دولت مند زمینداروں کا اس فوج میں بہت بڑا حصہ تھا۔ اور ان لوگوں نے بہت جلد ہی مسلمانوں میں نمایاں حیثیت حاصل کرلی۔ پرانی حکومت، اور اسلامی تہذیب و تمدن کی روایات انکے پس پشت تھیں۔ حکومت نے مسلمانوں کا رہبر مان کر اس طبقہ کی خوب ہمت افزائیاں کیں، انکا مسلمان عوام پر اقتصادی دباؤ تو تھا ہی، اسی لئے اس رہبری نے واقعی اثر پیدا کر لیا۔

اس طرح جسوقت ہندؤں کا برسر اقتدار طبقہ برطانوی سامراج کے مقابلہ میں عوام کی مدد حاصل کرنے کیلئے ان کو ابھار رہا تھا مسلمانوں کا برسر اقتدار طبقہ مسلمانوں کو اس جد و جہد سے الگ رکھنے کی بالارادہ، اور باقاعدہ کوششیں کر رہا تھا مسلمانوں کے بالائی طبقہ نے مسلمانوں کو سامراج کا محکوم بنانے میں جاگیرداری نظام کے تمام تعصبات سے کام لیا۔ سر سید احمد جو ایک زمانہ میں مسلمانوں کے سب سے بڑے لیڈر تھے اس بات پر بہت زور دیا کرتے تھے کہ برطانوی حکومت کو ہندستان میں مضبوط کرنے کے لئے چاہتا ہوں کہ اس کی حمایت کیلئے تعلیم یافتہ اور وفادار مسلمان نوجوانوں کا ایک طبقہ پیدا ہو جائے۔ انھوں نے مسلمان رعایا کو بادشاہ کی وفاداری کی تعلیم دینے کے لئے علیگڈھ کالج قائم کیا گیا، اور اس کے لئے بڑے بڑے مسلمان زمینداروں اور تعلقداروں سے روپیہ وصول کیا۔ ایسے ہی لیڈر تھے جنھوں نے برسوں عام مسلمانوں کو بہکایا، دھوکا دیا، اور سیاسی حیثیت سے بہت پیچھے رکھا۔

سنہ ۱۹۲۱ء میں ترک موالات کی تحریک، پہلی سامراج دشمن تحریک تھی، جو شہروں کے حدود سے نکل گئی تھی، اور جس میں ہندو اور مسلم عوام یکساں جوش و خروش سے شریک ہوئے۔ یہ تحریک عوام کی اس بے چینی کا، جو جنگ عظیم کے بعد ہی سارے ہندستان میں پھیل گئی تھی، اور جسکو اقتصادی ابتری کے بار بار آنے نے قوت پہونچائی تھی، نہ رکنے والا اظہار تھا، لڑائی کے زمانہ میں چیزوں کے دام چڑھتے جاتے تھے، اور اس کے مقابل میں تنخواہیں اور مزدوریاں نہیں بڑھ رہی تھیں، گویا کہ دیہاتی عوام، اور ادنیٰ اوسط درجے لوگوں کی آمدنی حقیقت میں بہت تیزی سے گھٹ گئی تھی، لڑائی کے زمانے میں کاشتکاروں کی حالت بہت خراب ہوگئی۔ کچھ تو اس وجہ سے کہ مصنوعات خاصکر کپڑا، تیل اور نمک بہت گراں ہوگئے تھے لیکن خاص طور پر اس وجہ سے کہ اناج کے جتنے دام چڑھ گئے تھے، اس کی مناسبت سے بہت زیادہ لگان بڑھا دیا گیا تھا، لڑائی ختم ہوتے ہی اناج کی قیمت بہت تیزی سے گر گئی، لیکن لگان بالکل نہیں کم ہوا، بلکہ بعض صوبوں میں تو اور بڑھ گیا۔ ان سب اسباب نے ملکر عوام میں ایک ہی وقت میں باغیانہ جد و جہد بڑھا دی۔

لیکن یہ نہیں ہوا تھا کہ بے چینی عوام ہی میں لیڈر پیدا کردیتی۔ بلکہ لیڈری ہندستانی سرمایہ داروں اور انکے دم چھلے یعنی جاگیردار تعلیم یافتہ جماعت کے ہاتھ میں تھی، جنھوں نے یہ کوشش کی کہ عوام کی بے چینی کو کام میں لاکر حکومت کو کچھ تجارتی اور صنعتی حقوق دینے پر مجبور کریں۔ مسلمان عوام اس زمانہ میں بالکل مسلمان اوسط طبقے والوں کے ہاتھ میں، جنکی مالی حالت جنگ عظیم کے بعد بہت بگڑ گئی تھی، آگئے، خلافت کی تحریک انہیں لوگوں کی اٹھائی ہوئی تھی۔

اسی طرح سول نافرمانی کی تحریک، برطانوی سامراج کے خلاف ہندو اور مسلمانوں کی متحدہ جد و جہد کی جس میں ایک ہی مقصد دونوں کے سامنے ہو، پیداوار نہ تھی، بلکہ دو مختلف جماعتوں کا غیر مستقل محاذ تھا۔ یعنی کانگریس کا جو ہندؤں کے بالائی اور اوسط طبقہ کی نمائندگی کرتی تھی، اور خلافت کمیٹی کا جو مسلمانوں کے اوسط طبقے کی نمائندگی کرتی تھی، دونوں جماعتوں کے لیڈروں نے مذہبی جدائی کو تسلیم کرلیا اور اگرچہ برابر ہندو مسلم اتحاد کی تحریک ہوتی رہتی تھی، مذہبی نعروں کی اجازت تھی، بلکہ اس کی ہمت افزائی کی جاتی تھی، لیڈر ہندؤں سے ایک زبان میں بات کرتے، اور مسلمانوں سے دوسری میں۔ حکومت کی مخالفت کے پرچار میں یا تو جذبات کام میں لائے جاتے تھے یا مذہب۔ مسلمانوں کو ابھارا جاتا تھا کہ تم حکومت سے لڑو کیونکہ وہ خلافت کو مٹا دینا چاہتی ہے جو مسلمانوں کے اتحاد کی تنہا کڑی ہے۔ ہندؤں کو یہ کہکر ابھارا جاتا تھا کہ انگریزوں نے اسکے پاک بھارت پر قبضہ کرلیا ہے اسکو آزاد کرو۔ رجعت پسندانہ جذبات اور مذہبی خیالات دونوں طرف خوب پھیلائے جا رہے تھے۔ ہندؤں کو رام راج، کا خواب دکھایا جا رہا تھا، اور کچھ مسلمان ہندستان میں مسلم حکومت قائم کرنے کا خواب دیکھ رہے تھے۔

تحریک چل ہی رہی تھی کہ مسلمانوں کی لیڈری جاگیرداروں کے ہاتھ سے نکل کر نچلے اوسط طبقے کی تعلیم یافتہ جماعت کے ہاتھ میں آگئی جسکو علیگڈھ نے پیدا کیا ہے۔ اس میں سے ایک طبقہ اپنی مرضی سے کانگریس میں گھس گیا۔ لیکن کانگریس نے خود سے نہ تو مسلمان عوام کو شامل کرنے کی کوشش کی، اور نہ کسی باقاعدگی سے ہندو عوام کو اپنے سایہ میں منظم کرنے کی۔ کانگریس کے اوسط طبقے کے لیڈر برطانوی سامراج کو اکھاڑنا نہیں چاہتے تھے بلکہ عوام کا دباؤ ڈالکر کچھ اقتصادی فائدے حاصل کرنا چاہتے تھے۔ اسی وجہ سے انھوں نے کوئی کوشش نہیں کی کہ کانگریس کو جد و جہد کا ایسا ادارہ بنا دیں جس کی جڑیں دور تک عوام میں پیوست ہوں، کانگریس ایسا ادارہ

(باقی بر صفحہ ۱۰)

# نوجوان کی دُنیا

وہ دنیا جسکا ہر ذرہ جنوں بردوش ہوتا ہے
وہ دنیا جسکے سینے میں بلا کا جوش ہوتا ہے

وہ دنیا جس میں حُسن و عشق کی باتیں نہیں ہوتیں
وہ دنیا جسمیں سونے کیلئے راتیں نہیں ہوتیں

وہ دنیا جسمیں قومیں جیتی ہیں بس جنگ کیخاطر
جہاں قربانیاں ہوتی ہیں نام و ننگ کیخاطر

جہاں تلوار کی جھنکار سے نغمے ابلتے ہیں
جہاں خود موت کے آغوش میں انسان پلتے ہیں

جہاں طوفاں میں قومیت وطن کی ناؤ کھیتی ہے
کمانوں کی کڑک میں حریت انگڑائی لیتی ہے

جہاں ہر دل میں آزادی کی ہوتی ہے لگن پیدا
جہاں ہوتا ہے شوقِ جان نثاریٔ وطن پیدا

جہاں آلام میں ہوتا ہے لوہے کا جگر پیدا
جہاں ہوتا ہے چھد کرنا وکوں میں بال و پر پیدا

جہاں جذبات خودداری، دبانیسے ابھرتے ہیں
جہاں شیرانِ جنگ آور تھپکنے سے بپھرتے ہیں

جہاں خاشاک طوفانوں میں گھر کر مسکراتا ہے
جہاں خرمن شعلۂ برق سے آنکھیں لڑاتا ہے

جہاں کا چپہ چپہ انقلاب آباد، ہوتا ہے
دماغ و دل جہاں زنداں میں بھی آزاد ہوتا ہے

جہاں مجبور، جابر کی لحد تیار کرتا ہے
توانا کو جہاں بیدست و پا، بیمار کرتا ہے

جہاں مظلومیت توہین استبداد کرتی ہے
جہاں شاہنشہی کو بندگی برباد کرتی ہے

جواں ہمت جہاں تقدیر پر قانع نہیں ہوتی
کوئی مشکل جہاں تدبیر میں مانع نہیں ہوتی

تجھے اے نوجواں ایسا جہاں تیار کرنا ہے
اسی کوشش میں جینا ہے، اسی کوشش میں مرنا ہے

(رضی عظیم آبادی)

رہی جس کا اوپری سرا بہت وزنی تھا۔ جس کا اثر تو خاصا تھا۔ گو جڑیں کھلی تھیں مسلمان عوام بالکل خلافت کمیٹی کے ہاتھوں میں چھوڑ دیئے گئے تھے۔ اور وہ حکومت کی مخالفت بالکل مذہبی بنیادوں پر کر رہی تھی حقیقت یہ ہے کہ تحریک خلافت میں مذہبی رنگ اتنا گہرا تھا کہ اکثر مذہبی جوش و خروش اسکے سامراج دشمن پہلو کو چھپا دیتا تھا۔

تحریک خلافت مٹ گئی۔ لیکن کانگرس کے اوسط طبقے کے اصلاح پسند لیڈروں، اور تحریک خلافت کے جذبات پرست مذہبی لیڈروں کو میدان مل گیا۔ اسکے بعد برسوں تک تنزلی جاری رہی۔ جس میں کچھ تو برطانوی سامراج کی مہربانیوں سے، اور کچھ عام اقتصادی ابتری اور کانگرس کی سیاسی میدان میں رہبری کرنے کی ناا‌ہلی سے فرقہ وارانہ لڑائیاں بہت زیادہ بڑھ گئیں۔ مانٹیگو چیمسفورڈ اصلاحات نے جداگانہ فرقہ وارانہ انتخابات، فرقہ وارانہ ملازمتوں کی تقسیم وغیرہ دیکر ہندو اوسط طبقہ اور مسلمان اوسط طبقہ میں بڑی خلیج پیدا کر دی۔ اور سامراجی افسر خوب جانتے تھے کہ ان اصلاحوں سے کام لیکر کیسے فرقہ وارانہ ذہنیت بڑھائی جاسکتی ہے۔ اسی دوران میں جنگ عظیم کے بعد والی اقتصادی ابتری جسکے اثرات ۱۹۲۳ء میں ظاہر ہونے لگے تھے سارے ہندستان پر چھا گئی۔ اوسط طبقے کی بیکاری انتہائی تیزی سے پھیلنے لگی۔ سرکاری ملازمتوں کیلئے بہت سخت مقابلہ ہونے لگا۔ فرقہ وارانہ تقسیم نے دشمنی بڑھادی۔ گرتی ہوئی تجارت اور صنعت نے مذہبی ہمدردی کے نام پر خریدار بلائے۔ اور سامراج نے ان اسباب سے اچھی طرح فائدہ اٹھایا۔

ہندستان کا اوسط طبقہ جسکو اقتصادی ابتری نے بیحال بنا دیا تھا آسانی سے سامراج کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی بن کر لڑا اور حکومت کرو" کا کھیل دکھانے لگا۔ فرقہ وارانہ اخبارات، فرقہ وارانہ سیاسی اور معاشرتی انجمنیں۔ شدھی اور تبلیغ کے ادارے ہر طرف پیدا ہونے لگے۔ سب سے بڑھکر یہ بات ہوئی کہ اوسط طبقے نے فرقہ پروری کا زہر عوام کی ایک جماعت میں بھر دیا۔ جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ چند ہی سال میں ہر طرف فرقہ وارانہ خونی اور بری لڑائیاں پھیل گئیں۔

حکومت جسوقت بہت کامیابی سے ۱۹۱۹ء کی عام باغیانہ ہلچل کی بنیادوں کو اکھاڑ رہی تھی، کانگرسی لیڈر بیچارگی سے تک رہے تھے اور اچھے دنوں کا انتظار کر رہے تھے، اوسط طبقہ کا یہ پھیلایا ہوا زہر صرف یوں دور ہوسکتا تھا کہ عوام اپنے مشترکہ مالی مقاصد کیلئے منظم کئے جاتے۔ اور یہ چیز ایسی تھی جسکو کانگرسی ادارہ بھی نہیں کرسکتا تھا۔ کیونکہ لیڈری صرف اوسط طبقے کے ہاتھوں میں تھی۔ سول نافرمانی کی ناکامی کی وجہ یہ بھی تھی کہ عوام جد و جہد کیلئے تیار نہیں کئے گئے تھے۔ اس زمانہ میں کانگرس ایسی ناکام ہوگئی کہ سارا میدان فرقہ پرست لیڈروں کے ہاتھوں میں آگیا۔

مسلمان عوام، جنکو کانگرس کبھی براہ راست اپنے اثر میں نہیں لائی، ان لیڈروں کے ہاتھوں میں پڑکر جنھوں نے خلافت میں رہبری کی تھی، اور جنکے ہاتھوں میں کانگرس نے مسلمانوں کی قسمت کی باگ چھوڑدی تھی، دن بدن دور ہوتے گئے۔ خلافت ٹوٹنے کے بعد مسلمان اوسط طبقے میں بھی وہی فرقہ وارانہ نفرت جڑ پکڑ گئی جو ہندوؤں کے اوسط طبقے میں، اور اس نے مسلمان عوام کو ایک دوسری جانب پھینکدیا۔ فوراً پرانے جاگیرداری لیڈروں نے مسلمان عوام کو پکڑ لیا۔ موجودہ حالت نے عوام کو مدد دیکر انکو اور مضبوط بنا دیا۔

(باقی)

# زنجباری مسلمان

عبدالشکور جلال آبادی

مسلمانوں آخر وہ دن آہی گیا کہ مسلم لیگ اور اس کے صدر کے مسلمانوں کی فلاح و بہبودی کے دعوے اور مواعید آشکارا ہوگئے آپ کی باریک بیں نظروں سے زنجبار کے ہندوستانی مسلمانوں کا وہ بیان پوشیدہ نہ ہوگا۔ جو انکی طرف سے زنجبار کی مسلم ایسوسی ایشن نے لیجسلیٹو اسمبلی کی کانگرس پارٹی کو بذریعہ تار روانہ کیا ہے۔ "زنجبار کے گیارہ ہزار ہندوستانی مسلمانوں کو جو زیادہ لونگ کی تجارت کرتے ہیں یہ معلوم کرکے ازحد رنج ہوا۔ کہ لیجسلیٹو اسمبلی میں مسلم لیگ پارٹی نے گورنمنٹ کے نقطہ نگاہ کی تائید کرکے مسلم لیگ کو زنجباری مسلمانوں کی اقتصادی تباہی کا باعث بنایا۔" اس کے علاوہ آپ زنجباری مسلم باشندوں کی اس قرارداد سے بھی بخوبی واقف ہونگے۔ جو وہاں کی خوجہ انجمنوں نے بلا امتیاز شیعہ سنی۔ بوہرہ۔ آغاخانی وغیرہ ہم متحد و متفق ہوکر مسٹر جناح اور مسلم لیگ کے خلاف پاس کی جسمیں انہوں نے مسٹر جناح اور مسلم لیگ کو مسلم کش گردانا ہے۔

اصل واقعہ یہ ہے۔ کہ زنجبار میں تقریباً ۶۵ لاکھ روپیہ سالانہ کی لونگ پیدا ہوتی ہے۔ زنجباری باشندگان کا ذریعہ معاش یہی ہے زنجبار میں ۴۰ ہزار کے قریب عرب ہیں۔ اور پندرہ ہزار ہندوستانی ہیں جس میں گیارہ ہزار کے قریب ہندوستانی مسلمان ہیں باقی افریقی لوگ ہیں یہ جملہ اشخاص اب سے نہیں بلکہ کئی صدیوں سے آپس میں برادرانہ طریقہ سے رہتے ہوئے چلے آرہے ہیں۔ ان لوگوں میں عرب اور ہندوستانیوں کی حیثیت زمیندارانہ ہے۔ اور افریقی لوگوں کی حیثیت کاشتکارانہ ہے۔ لیکن ہندوستان کی طرح نہیں کہ زمیندار کاشتکار سے ناراض۔ اور کاشتکار زمیندار کے ظلم و جور کا شاکی۔ بلکہ وہاں تو زمیندار اپنے کاشتکار سے خوش۔ کاشتکار اپنے زمیندار سے راضی۔ زنجبار کے جن باغات میں لونگ پیدا ہوتی ہے ان باغات کے قریب قریب ½ حصہ یا اس سے کچھ کم پر مسلمان قابض ہیں اور بقیہ ½ حصہ یا کچھ زائد پر دیگر اقوام کا دخل ہے۔ زنجبار میں عرصہ دراز سے لونگ کے کاروبار کا یہ طریقہ تھا۔ کہ عرب اور ہندوستانی تجار کاشتکار سے براہ راست لونگ خرید کر دیگر ملکوں کے تاجروں کے ہاتھ فروخت کرتے اور وہ اپنے اپنے ممالک کو روانہ کردیا کرتے۔ اسطرح سے کاشتکار، زمیندار، چونکہ ہر وہ شخص جو لونگ کی تجارت میں کسی قسم کا حصہ رکھتا تھا۔ اپنی زندگی آرام

رہی جس کا اوپری سرا بہت وزنی تھا۔ جس کا اثر تو خاصا تھا۔ مگر جڑیں کھلی تھیں۔ مسلمان عوام بالکل خلافت کمیٹی کے ہاتھوں میں چھوڑ دئے گئے تھے۔ اور وہ حکومت کی مخالفت بالکل مذہبی بنیادوں پر کر رہی تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ تحریک خلافت میں مذہبی رنگ اتنا گہرا تھا کہ اکثر مذہبی جوش و خروش اسکے سامراج دشمن پہلو کو چھپا دیتا تھا۔

تحریک خلافت مٹ گئی۔ لیکن کانگرس کے اوسط طبقے کے اصلاح پسند لیڈروں، اور تحریک خلافت کے جذبات پرست مذہبی لیڈروں کو میدان مل گیا۔ اسکے بعد برسوں تک تنزلی جاری رہی۔ جس میں کچھ تو برطانوی سامراج کی مہربانیوں سے، اور کچھ عام اقتصادی ابتری اور کانگرس کی سیاسی میدان میں رہبری کرنے کی ناکامی سے فرقہ وارانہ لڑائیاں بہت زیادہ بڑھ گئیں۔ مانٹیگو چیمسفورڈ اصلاحات نے جداگانہ فرقہ وارانہ انتخابات، فرقہ وارانہ ملازمتوں کی تقسیم وغیرہ دیکر ہندو اوسط طبقہ اور مسلمان اوسط طبقہ میں بڑی خلیج پیدا کر دی۔ اور سامراجی افسر خوب جانتے تھے کہ ان اصلاحوں سے کام لیکر کیسے فرقہ وارانہ ذہنیت بڑھائی جا سکتی ہے۔ اسی دوران میں جنگ عظیم کے بعد والی اقتصادی ابتری جسکے اثرات ۱۹۳۰-۳۲ء میں ظاہر ہونے لگے تھے سارے ہندستان پر چھا گئی۔ اوسط طبقے کی بیکاری انتہائی تیزی سے پھیلنے لگی۔ سرکاری ملازمتوں کیلئے بہت سخت مقابلہ ہونے لگا۔ فرقہ وارانہ تقسیم نے دشمنی بڑھا دی۔ گرتی ہوئی تجارت اور صنعت نے مذہبی ہمدردی کے نام پر خریدار بلائے۔ اور سامراج نے ان اسباب سے اچھی طرح فائدہ اٹھایا۔

ہندستان کا اوسط طبقہ جسکو اقتصادی ابتری نے بیحال بنا دیا تھا آسانی سے سامراج کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی بن کر رہ گیا اور حکومت کردہ کا کھیل دکھانے لگا۔ فرقہ وارانہ اخبارات، فرقہ وارانہ سیاسی اور معاشرتی انجمنیں۔ شدھی اور تبلیغ کے ادارے ہر طرف پیدا ہونے لگے۔ سب سے بڑھکر یہ بات ہوئی کہ اوسط طبقے نے فرقہ پروری کا زہر عوام کی ایک جماعت میں بھر دیا۔ جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ چند ہی سال میں ہر طرف فرقہ وارانہ خونی اور بری لڑائیاں پھیل گئیں۔

حکومت جس وقت بہت کامیابی سے ۱۹۱۹ء کی عام باغیانہ ہلچل کی بنیادوں کو اکھاڑ رہی تھی، کانگرسی لیڈر بیچارگی سے تک رہے تھے اور اچھے دنوں کا انتظار کر رہے تھے، اوسط طبقہ کا یہ پھیلایا ہوا زہر صرف یوں دور ہو سکتا تھا کہ عوام اپنے مشترکہ مالی مقاصد کیلئے منظم کئے جاتے۔ اور یہ چیز ایسی تھی جسکو کانگرسی ادارہ بھی نہیں کر سکتا تھا۔ کیونکہ لیڈری صرف اوسط طبقے کے ہاتھوں میں تھی۔ سول نافرمانی کی ناکامی کی وجہ یہ بھی تھی کہ عوام جد وجہد کیلئے تیار نہیں کئے گئے تھے۔ اس زمانہ میں کانگرس ایسی ناکام ہو گئی کہ سارا میدان فرقہ پرست لیڈروں کے ہاتھوں میں آ گیا۔

مسلمان عوام، جنکو کانگرس کبھی براہ راست اپنے اثر میں نہیں لائی، ان لیڈروں کے ہاتھوں میں پڑ کر جنہوں نے خلافت میں رہبری کی تھی، اور جنکے ہاتھوں میں کانگرس نے مسلمانوں کی قسمت کی باگ چھوڑ دی تھی، دن بدن دور ہوتے گئے۔ خلافت ٹوٹنے کے بعد مسلمان اوسط طبقے میں بھی وہی فرقہ وارانہ نفرت جڑ پکڑ گئی جو ہندوؤں کے اوسط طبقے میں، اور اس نے مسلمان عوام کو دوسری جانب پھینکدیا۔ فوراً پرانے جاگیرداری لیڈروں نے مسلمان عوام کو پکڑ لیا۔ موجودہ حالت نے عوام کو مدد دیکر، انکو اور مضبوط بنا دیا۔

(باقی)

# زنجباری مسلمان

از عبدالشکور جلال آبادی

مسلمانوں آخر وہ دن آ ہی گیا کہ مسلم لیگ اور اس کے صدر کے مسلمانوں کی فلاح وبہبودی کے دعوے اور مواعید آشکارا ہو گئے۔ آپ کی باریک بیں نظروں سے زنجبار کے ہندوستانی مسلمانوں کا وہ بیان پوشیدہ نہ ہوگا۔ جو انکی طرف سے زنجبار کی مسلم ایسوسی ایشن نے لیجسلیٹو اسمبلی کی کانگرس پارٹی کو بذریعہ تار روانہ کیا ہے۔ زنجبار کے گیارہ ہزار ہندوستانی مسلمانوں کو جو زیادہ لونگ کی تجارت کرتے ہیں یہ معلوم کرکے ازحد رنج ہوا۔ کہ لیجسلیٹو اسمبلی میں مسلم لیگ پارٹی نے گورنمنٹ کے نقطۂ نگاہ کی تائید کرکے مسلم لیگ کو زنجباری مسلمانوں کی اقتصادی تباہی کا باعث بنایا۔ اس کے علاوہ آپ زنجباری مسلم باشندوں کی اس قرارداد سے بھی بخوبی واقف ہونگے۔ جو وہاں کی خوجہ انجمنوں نے بلا امتیاز شیعہ سنی بوہرہ۔ آغا خانی وغیرہ ہم متحد و متفق ہو کر مسٹر جناح اور مسلم لیگ کے خلاف پاس کی جسمیں انہوں نے مسٹر جناح اور مسلم لیگ کو مسلم کش گردانا ہے۔

اصل واقعہ یہ ہے۔ کہ زنجبار میں تقریباً ۱۵ لاکھ روپیہ سالانہ کی لونگ پیدا ہوتی ہے۔ زنجباری باشندگان کا ذریعہ معاش یہی ہے۔ زنجبار میں ۴۴ ہزار کے قریب عرب ہیں۔ اور پندرہ ہزار ہندوستانی ہیں جس میں گیارہ ہزار کے قریب ہندوستانی مسلمان ہیں باقی افریقی لوگ ہیں یہ جملہ اشخاص اب سے نہیں بلکہ کئی صدیوں سے آپس میں برادرانہ طریقہ سے رہتے ہوئے چلے آ رہے ہیں۔ ان لوگوں میں عرب اور ہندوستانیوں کی حیثیت زمیندارانہ ہے۔ اور افریقی سواحیلیوں کی حیثیت کاشتکارانہ ہے۔ لیکن ہندوستان کی طرح نہیں کہ زمیندار کاشتکار سے ناراض۔ اور کاشتکار زمیندار کے ظلم و جور کا شاکی۔ بلکہ وہاں تو زمیندار اپنے کاشتکار سے خوش۔ کاشتکار سے زمیندار راضی۔ زنجبار کے جن باغات میں لونگ پیدا ہوتی ہے ان باغات کے قریب قریب ½ حصہ یا اس سے کچھ کم پر مسلمان قابض ہیں اور بقیہ ½ حصہ یا کچھ زائد پر دیگر اقوام کا دخل ہے۔ زنجبار میں عرصہ دراز سے لونگ کے کاروبار کا یہ طریقہ تھا۔ کہ عرب اور ہندوستانی تجار کاشتکار سے براہ راست لونگ خرید کر دیگر ملکوں کے تاجروں کے ہاتھ فروخت کرتے اور وہ اپنے ممالک کو روانہ کر دیا کرتے۔ اسطرح سے کاشتکار زمیندار۔ غرضیکہ ہر وہ شخص جو لونگ کی تجارت میں کسی قسم کا حصہ رکھتا تھا۔ اپنی زندگی آرام

"اگر آپ خدا لگتی پوچھیں — تو میں عرض کروں اگر سب لوگ اسی طرح تیار ہو کر آئیں تو ہمیں اس طرح شکست کا منہ نہ دیکھنا پڑے۔ صاحب، بڑی خفت تو اس وقت ہوتی ہے جب اخباروں کے پہلے ہی صفحوں پر موٹے موٹے لفظوں میں اپنی شکست کا اعلان پڑھتے ہیں۔ اور یہ کمبخت اخباروں کے ایڈیٹر سرخیاں بھی ایسی ایسی تلاش کرتے ہیں کہ خواہ مخواہ ہر شخص کی نظر اس پر جم کر رہ جاتی ہے"

"اخبار کے ایڈیٹروں کا نہ پوچھئے۔ اگر وہ ایسا نہ کریں تو اخبار کیسے چلے"

اسمبلی ہاؤس کے دو ممبر آپس میں باتیں کرتے چلے آ رہے تھے "دیکھئے کبھی آپ اس پہاڑی پر گئے ہیں — سنا ہے بڑا حسین نظارہ ہے۔ شملہ آئے ہوئے اتنے دن ہو گئے لیکن یقین کیجئے، اس تقریر کی وجہ سے مجھے دم لینے کی فرصت نہ تھی"

"اگر آپ کی رائے ہو تو اسوقت چلا جائے"

"ہاں ہاں، چلئے، کیا مضائقہ ہے"

"ارے او رکشا والے"

"جی حضور"

"دیکھو اس پہاڑی پر لے چلو"

"بہت اچھا حضور — ایک رکشا کو اور لے آؤں آپ تو دو صاحب ہیں"

"ایک ہی میں چلیں گے، کچھ ایسی چڑھائی تو ہے نہیں —"

"چڑھائی تو صاحب بہت ہے۔ اور میں ذرا بیمار بھی ہوں —"

"کمبختوں کے مزاج ہو گئے ہیں۔ چلئے صاحب سامنے دو کئی رکشائیں کھڑی ہیں، وہاں سے کسی کو پکڑ لیں گے"

"نہیں نہیں صاحب، چلتا ہوں بیٹھئے"

"دیکھا آپ نے جب تک ان سے سیدھے منہ بات کرو یہ لوگ مزاج دکھاتے ہیں اب آ گئے راہ پر"

اسمبلی کے دونوں ممبر رکشا میں بیٹھ گئے یہ وہ لوگ ہیں۔ جو ہندستان کی قسمت کا فیصلہ کرتے ہیں۔

"ہاں صاحب تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ ان لوگوں کو شکست دینے کے لئے ہمیں کافی تیار ہو کر آنا چاہیئے۔ آئے دن کے واک آؤٹ سے تو اور بھی ناک میں دم ہے۔ یہیں پر یہ بات ختم نہیں ہو جاتی۔ بلکہ پبلک علیحدہ فقرے چست کرتی ہے"

"جی ہاں ان حالات کو دیکھ دیکھ کر تو طبیعتیں اور بھی پست ہوئی جاتی ہیں"

"ارے بھئی، خوب یاد آیا میرا لڑکا امسال بی۔ اے۔ پاس کر لیگا، کیا کراؤں اب اس سے، آپکی کیا رائے ہے، ایم۔ اے۔ کرانا تو میرے خیال میں بالکل بے کار ہے"

"اور کیا، ایم۔ اے۔ کرا کے کیا کیجئے گا بی۔ اے۔ کے بعد ہی اسے کسی طرف لگا دیجئے۔ ہمارے لڑکوں کے لئے بھلا ملازمتوں کی کوئی کمی ہے"

اس پر دونوں حضرات نے اپنے پھیپھڑوں کی اندرونی گہرائیوں سے قہقہہ بلند کیا۔

"میں سوچتا ہوں کہ ایک مرتبہ زمینداروں کے لگان میں کمی کرانے کی تجویز پیش کی جائے۔ آپ کی کیا رائے ہے"

"خیال تو اچھا ہے۔ غریب زمینداروں کی حالت تو بہت خراب ہو چلی ہے بس شان ہی شان ہے۔ غضب خدا کا اس دن میرا کارندہ لگان وصول کرنے کے لئے گاؤں گیا۔ تو کسانوں نے لگان دینے سے صاف انکار کر دیا۔ کہتے تھے کہ بارش کی زیادتی کی وجہ سے فصلیں خراب ہو گئیں تھیں۔ ہم ایک پائی بھی نہیں دے سکتے یقین کیجئے کہ یہ سن کر خون کھولنے لگا۔ اگر اسوقت میں پولیس کی مدد نہ لیتا تو ایک پیسہ بھی وصول نہ ہوتا۔ اب تو دیہاتی لوگ بہت سرکش ہوتے جاتے ہیں۔ ان ذلیل بھک منگوں کے بھی دماغ نہیں ملتے۔ خدا معلوم اپنے آپ کو اب یہ کیا سمجھنے لگے ہیں"

"ارے او رکشا والے کیا جسم میں جان نہیں ہے۔ تیز نہیں چلاتا"

"ہاں صاحب بیمار ہوں"

"بیمار و بیمار ہم کچھ نہیں جانتے۔ بیکار ہی جھوٹ بولتے ہو۔ اچھے خاصے موٹے تازے تو ہو — دوڑو، دوڑو، ذرا تیز دوڑو، واپس آ کر ہمیں "پرنس آف ویلز" سینما بھی تو جانا ہے"

"بہت اچھا حضور"

یہ کہکر رکشا والا پوری طاقت سے دوڑنے لگا۔ پسینے کے قطرے اس کے ماتھے اور گالوں پر سے ٹپک ٹپک کر اسکے متعفن ملبوس میں جذب ہو رہے تھے۔

"اب ٹھیک ہے اسی رفتار سے چلو"

"بہت اچھا حضور"

"آدمی شریف معلوم ہوتا ہے۔ تعریف مزاج کو ملحوظ رکھکر باتیں تہذیب سے کرتا ہے بعض رکشا میں تو موٹر سے بھی زیادہ لطف آتا ہے۔ دیکھئے کتنے مزے میں کھینچے چلا جا رہا ہے"

"تم شملہ ہی کے رہنے والے ہو"

"نہیں صاحب، رہنے والا تو شملہ کا نہیں ہوں۔ لیکن اب تو بہت دنوں سے یہیں ہوں"

"بیوی بچے والے معلوم ہوتے ہو"

"جی حضور، ایک بیوی اور چار بچے ہیں"

"ابھی تو تم جوان ہی ہو اور بھی ہوں گے"

"ہاں صاحب، ایک دو دن میں ایک اور بھی ہونے والا ہے"

اس پر فرمائشی قہقہہ پڑا۔

"لیجئے صاحب بس یہیں تک رکشا آتی ہے۔ اس کے آگے رکشا کا راستہ نہیں ہے پگڈنڈی پگڈنڈی چلے جایئے گا۔"

"ارے نہیں نہیں چلے چلو۔ ہم یہاں نہیں اتریں گے ابھی تو کافی فاصلہ ہے اور چڑھائی بھی ایسی کونسی ہے"

"اس سے آگے تو صاحب بہت چڑھائی ہے اور راستہ بھی ٹھیک نہیں ہے میں آپ لوگوں کو اتنی چڑھائی پر نہیں کھینچ سکتا"

اس نے پھر نخرے شروع کر دیئے۔ "دیکھو تم ہمیں واپس بھی لے چلنا۔ ہم وہاں تھوڑی ہی دیر ٹھہریں گے۔ اسکے بعد ہمیں "پرنس آف ویلز" پہونچا دینا۔ چلو چلو اب کیا دیکھ رہے ہو۔ ہم تمہیں پانچ روپے انعام دینگے"

پانچ روپے کا نام سنکر رکشا والے کا بیمار چہرہ خوشی سے تمتما اٹھا۔ اس کی نظروں میں گھر کا نقشہ پھر گیا۔ اور اسے ایسا محسوس ہونے لگا کہ اسکی بیوی کے پہلو میں ایک چھوٹا سا بچہ لیٹا ہوا ہے۔ اور وہ اسکا انتظار کر رہی ہے۔ اس نے یہ خیال کر کے رکشا کا جوا اٹھایا کہ جب وہ اپنی بیوی کو پانچ روپیہ دیگا۔ تو وہ کسقدر خوش ہوگی اور پہاڑ کی بلندیوں پر پہاڑی جھینگر کی طرح دو موٹی لاشوں کو کھینچے لگا۔

وہ پسینہ میں تر بتر تھا۔ کتے کی طرح ہانپ رہا تھا۔ اور بار بار اپنے خشک ہونٹوں پر اپنی خشک زبان پھیرتا جاتا تھا۔ آنکھوں میں پہاڑ کی بلندیوں کی ٹھنڈی

ہو آئیں رہی تھی جسکی وجہ سے اسکی آنکھوں سے آنسو بہ رہے تھے۔ اور سر چکرا رہا تھا۔ نظر آ رہی تھی۔ لیکن وہ برابر بلندی پر چڑھتا چلا رہا تھا۔ یکا یک اس کے پاؤں کو زمین میں ابھرے ہوئے ایک پتھر نے ٹھوکر لگی رکشا کا جوا اس کے ہاتھوں سے چھوٹ گیا۔ اور وہ پتھریلی زمین پر آ رہا۔ خون کی ایک تیز دھار موٹی دھار اس کے منہ سے نکل کر قریب کے سبزے پر پھیل گئی۔ اور قریب ہی ایک چھوٹی سی کھائی میں جا کر رکشا گری لیکن لمبے لمبے گھاس کے پودوں کی وجہ سے ان لوگوں کے زیادہ چوٹ نہ آئی۔

شام کے وقت شملہ کے سول اسپتال کی طرف بہت سی رکشائیں بڑی تیزی سے چلی جا رہی تھیں۔ اسپتال کے خوبصورت زینت وارڈ میں دو پلنگوں پر دو مریض قریب قریب پڑے تھے۔ رکشا کے اچانک ٹوٹ جانے کی وجہ سے ان لوگوں کے سر اور ہاتھوں میں چوٹ آئی تھی۔ دس بارہ نرسیں، دو چار یا پانچ ڈاکٹر دونوں پلنگوں کو گھیرے ہوئے تھے۔ قریب ہی ان مریضوں کے دوست اور ملنے والے آپس میں اس اچانک حادثہ پر اظہار افسوس کر رہے تھے۔

اسپتال میں دوسری طرف خیراتی وارڈ میں ایک رکشا والا کچھ گنوار دادر قریب لوگوں کے درمیان ایک ٹوٹی ہوئی ڈولی میں پڑا تھا۔ اس کے تمام کپڑے خون میں لتھڑے ہوئے تھے اور سانس رک رک کر آ رہی تھی۔

ایک بوڑھے نے ایک ڈاکٹر کو آتے دیکھ کر بڑی ہمت کر کے کہا۔ حضور میرا بیٹا دم توڑ رہا ہے ذرا اسے دیکھ لیجئے۔ اسکی تلی پھٹ گئی ہے اگر ذرا بھی دیر ہوئی تو وہ مر جائے گا ـــ

ڈاکٹر کی پیشانی پر بل پڑ گئے اس نے اپنی خونخوار آنکھوں سے بوڑھے کی طرف دیکھا۔ اور بڑبڑاتا ہوا چلا گیا۔

ـــ اندھے ہو گئے ہیں کمبخت ـــ سوجھتا نہیں ـــ ابھی تیرے بیٹے کی جان سے زیادہ قیمتی جانیں بچانا ہیں۔"

## مراسلات

# آنریری مجسٹریٹ

آنریری مجسٹریٹوں کے خلاف ایجیٹیشن کیا جا رہا ہے۔ مخالفین میں صرف وکلا میدان میں آئے ہیں، پبلک نے کوئی آواز نہیں اٹھائی جس سے یہ نہ سمجھ لینا چاہئے کہ عوام مطمئن ہیں۔ وکلا نے جس بات پر زور دیا ہے وہ طریق انتخاب ہے۔ ان کا خیال ہے کہ تنخواہ دار آنریری مجسٹریٹ رکھے جائیں اور ایسے لوگ چنے جائیں جو قانون جانتے ہوں۔ اگر قانون کی شرط رکھی گئی۔ تو آئندہ وکیل ہی آنریری مجسٹریٹ ہو سکے گا۔ وکیلوں کا مطلب بھی یہی ہے۔ ان کی بے روزگاری میں اس طرح کمی بھی ہو جائے گی۔ مگر سوال یہ ہے کہ اگر حکومت وکیلوں کے بجائے عوام میں سے بھرتی کرے تو کیا حرج ہوگا؟ اب تک عموماً اس عہدے کے لئے ایسے ہی لوگوں کا انتخاب عمل میں آتا رہا ہے جو حکام ضلع کو جھوٹ یا سچ یہ یقین دلا دیتے تھے کہ وہ ہمدرد حکومت ہیں۔ اب حکومت بدل گئی لہذا کیوں ایسے ہی لوگ نہ چنے جائیں جنھوں نے گذشتہ بیس برس سے برابر قوم کیلئے ہر قسم کی مصیبتیں جھیلی ہیں۔ کیا عوام کا دوست ان سے بڑھ کر کوئی اور ہو سکتا ہے؟ انصاف وہی کرے گا جس کو غریبوں سے ہمدردی ہوگی اس لئے اس کا خیال رکھا جائے کہ ان عہدوں کے مستحق صرف وہی لوگ ہیں جو کانگرس کا کام کرتے آئے ہیں۔ سب سے اچھا تو یہ ہوگا کہ پنچائتیں قائم کر دی جائیں تاکہ زیادہ آنریری مجسٹریٹ مقرر کرنے کی ضرورت ہی نہ ہو۔ اور جو تھوڑے بہت کئے جائیں وہ کانگرس اپنے لوگوں میں سے چن لے۔ قانون جاننے کی ابتک ضرورت نہ تھی لہذا اگر اب بھی قانون داں آنریری مجسٹریٹ نہ ہوں گے تو کوئی حرج نہ ہوگا۔

انیس البار ی

---

# طلبا پر مقدمہ

جناب من الہ آباد میں طلبا کی ایک کمیٹی قائم کی گئی ہے جسکا مقصد مہیش چند سنہا اور جگنا تھ بھٹا چاریہ کیطرف سے جن پر کمیونسٹ ہونیکا الزام ہے مقدمہ کی پیروی کرنا ہے۔ یہ کمیٹی چندہ جمع کر رہی ہے تاکہ وہ اپنے اس ارادے کو کامیاب بنانے کیلئے طلبا میں کافی تحریک کر سکے۔ اور اس کا کام صرف الہ آباد ہی میں نہیں بلکہ تمام صوبہ میں مجموعی تحریک پیدا کرنا ہے۔ مندرجہ ذیل اشخاص اس کمیٹی کے خاص کارکن ہیں۔

۱۔ بابو بھگوتی پرشاد۔ ایم۔ اس۔ سی۔ جنرل سکریٹری۔
۲۔ ڈاکٹر زین العابدین احمد سکریٹری مالیات۔
۳۔ دیوی نند اگروال۔ آفس سکریٹری۔

الہ آباد کے متعدد اسکولوں اور کالجوں میں طلبا برابر جلسے کر کے حکومت سے مطالبہ کر رہے ہیں کہ مہیش چند سنہا اور جگنا تھ بھٹا چاریہ کے خلاف جو مقدمہ چل رہا ہے اسے واپس لے لے حال میں ایونگ کرسچین کالج میں طلبا کے ایک جلسہ میں ڈاکٹر زین العابدین احمد اور ڈاکٹر رام منوہر لوہیا کی پر جوش تقریریں ہوئیں اور حسب ذیل تجاویز پاس ہوئیں۔

۱۔ طلبا کانگرسی وزارت سے سفارش کرتے ہیں کہ ایسے نازک موقع پر جبکہ عوام کو قومی لیڈروں کی سخت ضرورت ہے وہ مہیش چند سنہا اور جگنا تھ بھٹا چاریہ کے خلاف مقدمہ اٹھا لے اور ان کو پولیس کے شکنجہ سے آزاد کر کے ہمیں واپس کر دے۔

۲۔ طلبا عوام سے نیز تمام طلبا سے پر جوش اپیل کرتے ہیں کہ جبتک یہ دونوں قیدی آزاد نہ کر دئے جائیں اسوقت تک وہ چین سے نہ بیٹھیں اور برابر صدائے احتجاج بلند کرتے رہیں۔ اور گورنر پر زور ڈالنے کیلئے وزارت کے ہاتھوں کو قوی بنائیں۔

۳۔ ہم طلبہ کو مطالعہ اور اظہار خیالات اور جلسے منعقد کرنے کی پوری آزادی ہونی چاہیئے۔

۴۔ طلبا تمام شہر و صوبہ کے باشندوں سے بھی اس تحریک میں حصہ لینے کی درخواست کرتے ہیں کیونکہ قومی لیڈروں کی ضرورت صرف طلبا ہی کو نہیں بلکہ تمام ملک و قوم کو بھی ہے۔

اسی سلسلہ میں لکھنؤ یونیورسٹی کے طلبا ایک مظاہرہ کرینگے اور دوسرے مطالبات کے ساتھ ہی ساتھ ان دونوں قیدیوں کی رہائی کا بھی مطالبہ کرینگے اس مظاہرے میں شرکت کرنے کیلئے طلبا کی ایک کثیر تعداد الہ آباد سے بھی آ رہی ہے۔

راقم۔ بھگوتی پرشاد سریواستوا
جنرل سکریٹری

---

قابل فروخت]

## اطلاعنامہ بنام اشخاص دربارہ پیش کرنے اپنے دعوی کے حسب دفعہ ۱۱- ایکٹ جائدادہائے مقروضہ ممالک متحدہ (ایکٹ ۵ ۱۹۳۴ء)

بعدالت جناب اسپشل جج صاحب بہادر گونڈہ درجہ دوم مقام گونڈہ
مقدمہ نمبری نمبر ۹۰ ۱۹۳۳ء

۱- رگھبودت سنگھ ولد چندرکا سنگھ
۲- ٹھاکر پرشاد سنگھ ولد لالہ بہادر سنگھ } اقوام چھتریان ساکنان موضع ہلا پور پرگنہ مہادیوا ضلع گونڈہ قرضدار سائل

بنام

گنید بہادر سنگھ وغیرہ قرضخواہ فریق ثانی

چونکہ رگھبودت سنگھ ولد چندرکا سنگھ ساکن ہلا پور ضلع گونڈہ نے ایک درخواست حسب دفعہ ۴- ایکٹ جائداد ہائے مقروضہ پیش کی ہے اور چونکہ جائداد جس کی تفصیل فہرست اسکے منسلکہ میں درج ہے درخواست دہندہ نے حسب دفعہ ۸ یا فریق ثانی نے حسب دفعہ ۱۰ سائلان مذکور کی جائداد ظاہر کی ہے۔

لہذا حسب دفعہ ۱۱ (۱) ایکٹ مذکور تم کو اطلاع دی جاتی ہے کہ اگر جائداد مذکور کے متعلق تم کوئی دعوی رکھتے ہو تو گزٹ ممالک متحدہ میں اس اشتہار کے شائع ہونے کی تاریخ سے تین ماہ کے اندر ایک درخواست عدالت ہذا میں اصالتاً یا بذریعہ مختار مجاز پیش کرو۔

میرے دستخط اور مہر عدالت سے آج بتاریخ ۹ ستمبر ۱۹۳۳ء جاری ہوا۔

اسپشل جج
درجہ دوم
ضلع گونڈہ

(مہر عدالت)

### فہرست (الف)
جائداد سائلان

| نمبر شمار | حصہ | نام موضع | محال | پرگنہ | ضلع | قسم حقیت |
| --- | --- | --- | --- | --- | --- | --- |
| ۱- | ۵؍ | ہلا پور | پکار | مہادیوا | گونڈہ | باحت داری |
| ۲- | ۹؍ | ہتناغی | اکلاس کنور | " | " | " |

### فہرست (ب)

۱- ایک قطعہ مکان پختہ واقع موضع ہلا پور پرگنہ مہادیوا ضلع گونڈہ محدودہ ذیل

| پورب | پچھم | اوتر | دکھن |
| --- | --- | --- | --- |
| گڑھا | آبادی ہلا پور | گھاری وجرنی وغیرہ | آراضی |

۲- ایک قطعہ مکان خس پوش واقع موضع ہلا پور پرگنہ مہادیوا ضلع گونڈہ محدودہ ذیل

| پورب | پچھم | اوتر | دکھن |
| --- | --- | --- | --- |
| گڑھا | مکان چگنا تھ لقاں | کھیت | جاہ حسام |

۳- بیل ۴ راس قیمت تخمینی ۵؍
۴- گاڑی ایک عدد ... ۵؍
۵ گئو سے تین راس ... ۵؍ (دستخط حاکم بخط انگریزی مہر عدالت)

---

بدست عوام فروخت کیلئے]

بعدالت اسپشل جج درجہ اول غازیپور
نمبر ۱۸۱ سنہ ۱۹۳۴ء کیدارناتھ وغیرہ سائل بنام عام دیکھا جائے
نمونہ نمبر ۸ (تین)

## فارم اطلاع نامہ حسب دفعہ ۱۱- ایکٹ جائدادہائے مقروضہ ممالک متحدہ

ہرگاہ کیدارناتھ پانڈے ولد جگدیش پانڈے، بھلیبہ پانڈے، دوارکا ناتھ پانڈے نابالغان ساکن موضع بھدیلا پرگنہ سید پور ضلع غازیپور نے ایک درخواست حسب دفعہ ۴ ایکٹ جائدادہائے مقروضہ پیش کی ہے۔ لہذا اس تحریر کی روسے حسب دفعہ ضمنی ۱ دفعہ ۱۱ ایکٹ مذکور اطلاع دیجاتی ہے کہ اس جائداد کو جس کی تفصیل ضمیمہ ہائے منسلکہ میں درج ہے درخواست دہندہ نے حسب نمبر ۸ یا حقداران نے حسب دفعہ ۱۰ مذکور کی جائداد بتایا ہے۔

اگر کوئی شخص جائداد مذکور پر کوئی دعوی رکھتا ہو تو ... سے جو اس اشتہار کے گزٹ ممالک متحدہ میں شائع ہونے کی تاریخ سے تین ماہ کے اندر اپنے استحقاق کے بارہ میں اس حاکم کے روبرو اپنی عرضی پیش کرے جس کے دستخط ذیل میں ثبت ہیں۔

### ضمیمہ (الف)
قرضدار کے استحقاق مالکانہ متعلقہ آراضی

| نمبر سلسلہ وار | ضلع | قسم جائداد | نام مع پرگنہ و محال | حصہ ... |
| --- | --- | --- | --- | --- |
| ۱ | ۲ | ۳ | ۴ | ۵ |
| ۱ | غازیپور | زمینداری | بھدیلا محال کیدارناتھ پانڈے | سولہ آنہ |
| ۲ | " | " | کنبھی پور محال " | " |
| ۳ | " | " | دوسکی پور محال کیدارناتھ پانڈے | " |
| ۴ | " | " | ڈیہتی بڑھی محال ایضاً | " |
| ۵ | " | " | بھبورا محال سری کشن پانڈے | ۴؍۸ پائی |
| ۶ | " | " | دیورا محال مارکنڈے پرشاد پانڈے | ۵؍۴ پائی |
| ۷ | " | " | کرن پور محال سری کشن پانڈے | ۱؍۲ پائی ۵۰ ڈسمل |
| ۸ | " | " | ایضاً محال سری بال سنگھ | ۲ پائی ۵۵ ڈسمل ۵۵ بسول |
| ۹ | " | " | ایضاً محال ہر ہر سنگھ | ۵ ڈسمل ۲۵ بسول |
| ۱۰ | " | " | " محال خالم سنگھ | ۶ ڈسمل ۲۵ بسول |
| ۱۱ | " | " | کرن پور محال گیا سنگھ | ۲ ڈسمل ۸ بسول |

## نرخنامہ اشتہارات

اخبار ہندستان

| | باہر کا آخری صفحہ | اندر کے صفحے |
|---|---|---|
| پورا صفحہ | ۲۵ روپے | ۲۰ روپے |
| آدھا صفحہ | ۱۳ روپے | ۱۱ روپے |
| چوتھائی صفحہ | ۷ روپے | ۶ روپے |

مستقل اشتہار دینے والوں کیساتھ رعایت





ہندستان ہول بیرس لمیٹڈ کیطرف سے حیات اللہ انصاری ایڈیٹر و پبلشر نے باہتمام [illegible] ال سکینہ سلطانیہ برقی پریس نظیر آباد لکھنؤ سے چھپوا کر نیل روڈ سے شائع کیا

## ہمارے صدر کا دورہ

گجرات کے کسانوں اور مزدوروں نے جس جوش و خروش سے صدر کانگریس کا استقبال کیا ہے۔ فاقہ زدہ کمزور کسان ساٹھ ساٹھ سو سو میل سے آ آ کر احمد آباد میں جمع ہوئے ان کی کثرت دیکھکر صدر کانگریس نے کہا "میں مجمع کا عادی ہو گیا ہوں لیکن ابتک جتنے مجمع میں نے دیکھے ہیں یہ ان سب سے بڑھ چڑھ کر ہے۔"

یہ جوش و خروش یہ ہنگامہ بتاتا ہے کہ ملک اب کسی جارحانہ کارروائی کے لئے کتنا تیار ہے۔ جواہر لال نے اپنی تقریر میں کہا "ہندو عوام ہوں یا مسلمان سب غریبی کے بخوں میں جکڑے ہوتے ہیں اور غریبی ہر گوشہ سے ایک ہی وقت میں دور ہو جانا چاہیئے۔ فرقہ پرست لیڈران فرقوں کو کیوں الگ رکھنا چاہتے ہیں۔ ہمارا مشترکہ کام ایک ہی ہے وہ یہ کہ ملک کو آزاد کرائیں یہ کام صرف کانگریس کر سکتی ہے وہ دن قریب ہے جب کانگریس کے احکام پر ہر جگہ عمل درآمد ہوگا۔"

صدر کانگریس کی یہ پیش گوئی جلد ہی صحیح ثابت ہوگی۔ کیونکہ فرقہ وارانہ جھتوں نے کانگریس سے لڑنے کے لئے تو چند کرتب نکال بھی لئے ہیں لیکن اصلی جدوجہد یعنی برطانوی سامراج کو توڑنے کے لئے ان کے پاس کوئی پروگرام نہیں ہے کہ عوام کو کس لڑی میں پرو دیں اگر اقتصادی پروگرام تیار کرتے ہیں تو وہ سب سے پہلے فرقہ پرستی ہی کا خاتمہ کر دیگا۔ مثلاً کسانوں کو منظم کرنے کے لئے تخفیف لگان کی تحریک اٹھائیں تو اس میں ہندو مسلمان دونوں شریک ہو جائیں گے۔ دوسری طرف عوام غریبی سے تنگ ہیں کہ وہ اپنی مصیبتوں کو دور کرنے کے لئے کوئی جاندار پروگرام چاہتے ہیں۔ فرقہ پرست جماعتوں پر بے بسی اور دوسری طرف کانگریس کی طرف عوام کو ملانے کی کوشش عنقریب ہی عوام کے سب طبقوں کو کانگریس میں شامل کر دیگی۔

## آغا خاں کی عزت افزائی

انجمن جمعیۃ اقوام کی لیگ کی صدارت آغا خاں کو نصیب ہوئی معلوم ہوتا ہے کہ حکومت برطانیہ ان پر اپنے ہم قوموں سے زیادہ بھروسا کرتی ہے وقت بھی نازک ہے فلسطین کی تقسیم کا مسئلہ درپیش ہے ہندستان کے مسلمانوں نے فلسطین کے مسلمانوں سے زیادہ اس پر احتجاج کیا ہے کیا اچھا ہو کہ یہ تقسیم ایسے شخص کے ہاتھوں ہو جو ہندستانی بھی ہو اور مسلمان بھی۔ آغا خاں سے بہتر یہ خدمت کون انجام دے سکتا ہے۔

آغا خاں نے شکریہ میں کہا "مجھے صدر بنا کر میرے ملک کی عزت افزائی کی گئی" الکشن نے ثابت کر دیا کہ اس وقت صرف کانگریس ہندستان کی نمائندہ ہے گویا کہ آغا خاں کانگریس کی نمائندگی کر رہے ہیں۔ اور کانگریس مانے یا نہ مانے ان کے صدر چنے جانے سے کانگریس کی عزت افزائی ہو گئی۔

## ہندستان کیلئے نیا سفید ہاتھی

مرکزی حکومت کے لئے ایک ماہر اقتصادیات کی ضرورت ہے مسٹر کنزرو نے کونسل آف اسٹیٹ میں سوال کیا کہ حکومت نے اس کا کیا بندوبست کیا ہے مسٹر وڈ فنانس سکریٹری نے جواب دیا کہ وہ جگہ تین ہزار روپیہ ماہوار پر ایک انگریز کو پیش کی گئی ہے اس نے ابھی تک منظوری کا جواب نہیں دیا ہے "اس جگہ کے لئے اشتہار کیوں نہیں دیا گیا؟" "اس طرح یہ امید نہیں تھی کہ بہترین آدمی مل سکے گا۔" "ہندستانی کے لئے کچھ امید؟" "چونکہ ابھی تک اس انگریز نے ہاں یا نہیں کا کوئی جواب نہیں دیا اس لئے کہا نہیں جا سکتا کہ کسی ہندستانی کے لئے امید ہے یا نہیں۔"

گویا کہ بہترین آدمی تلاش کرنے کا صرف ایک طریقہ ہے وہ یہ کہ حضور والا سے ہماوشما سے پوچھا جائے کہ اس وقت کون شخص سب سے زیادہ قابل ہے پھر کیا تو کسی کو کیا حق ان کے فیصلہ میں شک کرے ظاہر ہے کہ ایسی سند ہندستانی کو کتنی ناک رگڑنے کے بعد مل سکتی ہے۔

# کانگرس اور زمیندار

جب سے کانگرس نے وزارتیں بنائی ہیں زمینداروں میں کھلبلی مچی ہوئی ہے۔ کانگرس کی یہ متفقہ پالیسی ہے کہ کسانوں کی حالت کو بہتر بنایا جائے۔ یہ اس وقت تک نہیں ہوسکتا جب تک زمینداروں پر پابندیاں نہ لگائی جائیں۔ اس لئے کہ زمیندار اب تک کسانوں کو انسان ہی نہیں سمجھتے تھے اور ان پر ایسے ایسے مظالم توڑتے تھے جن کا اندازہ بھی نہیں ہوسکتا۔ کانگرسی وزارتوں نے پہلا کام یہی کیا کہ کسانوں کی مصیبتوں کی تحقیقات کے لئے کمیٹیاں مقرر کیں۔ ظاہر ہے کہ اس تحقیقات میں دیر لگے گی۔ اس لئے کچھ قوانین ایسے بنائے گئے جن سے کسانوں کی فوری مصیبت دور ہو سکے اور بقایا لگان کا جو بار ان پر ہے اس میں کچھ کمی ہو سکے۔ ان قوانین اور احکامات کو زمیندار طبقہ بھلا کیسے برداشت کرسکتا تھا۔ جو لوگ صدیوں سے مطلق العنان حکومت کے عادی ہوں ان کو تو ذرا سی پابندی بھی شاق گذرتی ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ زمینداروں نے جا بجا جلسے کئے۔ اور بہار کے چند زمینداروں نے تو سول نافرمانی کی دھمکی بھی دی۔ زمینداروں کا یہ مطالبہ ہے کہ جب کسانوں سے ہمیں لگان نہیں ملتا تو ہم سے بھی مالگذاری نہ مانگی جائے۔ بہت سے زمینداروں نے ابھی تک مالگذاری ادا نہیں کی ہے اور جب وصولی کے لئے ان پر سختی کی جاتی ہے تو وہ شور مچاتے ہیں کہ حکومت ان پر ظلم کر رہی ہے۔ صوبہ متحدہ کی اسمبلی میں بجٹ کے سلسلہ میں اس مسئلہ پر کافی بحث رہی۔ اس کے علاوہ ۲۵ ستمبر کو راجہ ترروا نے ایک تجویز بھی پیش کی جس کا مقصد یہ تھا زمینداروں سے مالگذاری وصول کرنے میں سختی نہ کی جائے۔ حکومت پر یہ الزام بھی لگایا گیا کہ وہ بڑے اور چھوٹے زمینداروں میں پھوٹ ڈالنا چاہتی ہے۔ وزیر مال نے اپنی تقریر میں بتایا کہ حال میں ایک حکم صادر کیا گیا ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ مالگذاری کی وصولی میں زمیندار کی مالی حالت کا لحاظ رکھا جائے۔ یعنی جن زمینداروں کے پاس واقعی روپیہ نہیں ہے یا جنکے علاقوں میں بہت سا لگان باقی ہے ان پر سختی نہ کی جائے۔ برخلاف اسکے ۱۹۳۲ء میں اس وقت کی حکومت نے جو حکم صادر کیا تھا وہ یہ تھا کہ دس ہزار یا اس سے زیادہ مالگذاری ادا کرنے والوں پر سختی نہ ہو۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان چھوٹے زمینداروں پر جنکی مالی حالت کا دارومدار محض دو تین فصلوں کے اچھے یا خراب ہونے پر ہے جبر و تشدد کیا گیا اور جن زمینداروں کے پاس ہزاروں روپیہ عیاشی میں اڑانے کو ہوتا ہے ان پر کسی قسم کی سختی نہیں کی گئی۔ جب موجودہ حکومت نے اس ناانصافی کو دور کردیا تو بڑے زمینداروں کو بہت برا معلوم ہوا اور حکومت پر یہ الزام لگانے لگے کہ وہ تو زمینداروں میں پھوٹ ڈالتی ہے۔

ہمارے صوبہ میں دس ہزار ایسے زمیندار ہیں جو ایکہزار سے زیادہ مالگذاری ادا کرتے ہیں۔ ڈیڑھ لاکھ ایسے ہیں جو سو روپیہ سے زیادہ دیتے ہیں اور ساڑھے بارہ لاکھ ایسے ہیں جو ایک روپیہ سے بھی کم مالگذاری دیتے ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ ان زمینداروں میں جو ایکہزار سے زیادہ کے مالگذار ہیں اور ان میں جو ایک روپیہ سے بھی کم مالگذاری ادا کرتے ہیں کون سی بات مشترک ہے۔ بڑے زمیندار چاہتے ہیں کہ ان بدقسمت چھوٹے زمینداروں کو ٹٹی بنا کر انکی آڑ میں شکار کھیلیں۔ چھوٹے زمینداروں کو چاہیئے کہ وہ بڑے زمینداروں کا آلۂ کار نہ بنیں۔ سول نافرمانی کی جو دھمکی دی جاتی ہے وہ بھی انہی چھوٹے زمینداروں کے بل پر۔ اسلئے کہ یہ لوگ کانگرس کی تحریک میں شریک ہو کر اس حربہ کا استعمال سیکھ چکے ہیں۔ چھوٹے زمینداروں کی حالت واقعی قابل رحم ہے۔ کبھی انکے باپ دادا کھاتے پیتے زمیندار تھے۔ انہوں نے اپنی اولاد کو نہ تعلیم دی اور نہ کسی اور روزگار میں لگایا۔ جائداد تقسیم ہوتے ہوتے برائے نام رہ گئی اور اب یہ جاہل اور نکمے زمیندار روٹی کو ترسنے لگے۔ اگر کسی کاشتکار سے لگان وصول ہو تو اس سے دو وقت کا گذارہ ہو گیا۔ مالگذاری کہاں سے ادا کریں۔ عادتیں وہی خوشحالی کے زمانہ کی بگڑی ہوئی ہیں۔ محنت کر نہیں سکتے۔ کھانا اچھا چاہتے ہیں۔ اجلا کپڑا نہ پہنیں تو ہم چشموں میں سبکی ہوتی ہے۔ محنت کرنا بھی چاہیں تو کوئی راہ نہیں ملتی۔ میسر یا خود کاشت زمین بھی ان کے پاس نہیں کہ کھیتی کریں۔ بعض کی حالت تو کسانوں سے بھی بدتر ہے۔ لیکن چونکہ زمینداروں کے طبقہ سے وابستہ ہیں اسلئے دماغ ابھی تک عرش پر ہے۔ حکومت کی عادت ابھی چھوٹی نہیں۔ کاشتکاروں کو غلام سمجھتے ہیں۔ سب کام بیگار میں لینا چاہتے ہیں اور اگر کوئی کاشتکار انکار کر دیتا ہے تو زمانہ کی نیرنگی کا رونا روتے ہیں اور کانگرس کو گالیاں دیتے ہیں جس نے انکے خیال میں کسانوں کو انکا مخالف بنا دیا۔ ضرورت ہے کہ ان لوگوں کو انکی اس بدحالی کی وجہ سمجھائی جائے۔ ان کو یہ بتایا جائے کہ انکا وجود جاگیرداری نظام کی ستم ظریفی ہے۔ وہ جبتک اپنی پرانی عادتوں کو چھوڑ کر زمانہ کے حالات سے اپنے آپکو مطابق کرنے کی کوشش نہیں کرینگے، اسوقت تک انکی حالت سدھر نہیں سکتی اور جبتک یہ معاشی نظام قائم ہے کانگرس کیا دنیا کی کوئی طاقت بھی انکو خوشحال نہیں بنا سکتی۔ ان لوگوں کو چاہیئے کہ اپنی قسمت کو کسانوں کے ساتھ وابستہ کریں اور موجودہ معاشی نظام کو ختم کرنے کی جو جدوجہد دنیا میں جاری ہے اس میں شریک ہوں۔

جہانتک بڑے زمینداروں کا تعلق ہے انکا تو مفاد اسی میں ہے کہ کسان دبے رہیں اور انکے مظالم پر چوں بھی نہ کریں۔ وہ پہلے سے جانتے تھے کہ کانگرس کسانوں کی مدد کریگی، اسلئے انہوں نے اپنی ساری قوت اسکی مخالفت میں صرف کردی۔ لیکن کسانوں اور چھوٹے زمینداروں کی مدد سے کانگرس انتخاب میں کامیاب ہوئی۔ بہت سے چھوٹے زمینداروں کو آجکل یہ شکایت ہے کہ انہوں نے تو کانگرس کی مدد کی، لیکن اب کانگرس ان کا کچھ خیال نہیں کرتی۔ کسان ان کو لگان نہیں دیتے پھر بھی کانگرسی حکومت مالگذاری کی وصول یابی میں ان کیساتھ رعایت نہیں کرتی۔ ان لوگوں کو معلوم ہونا چاہیئے کہ کانگرس نے اپنے انتخابی اعلان میں یہ صاف صاف ظاہر کر دیا تھا کہ وہ کسانوں کی مصیبتوں کو دور کرے گی۔ جن لوگوں نے اس کی مدد کی انہوں نے بظاہر اس کے اصولوں کو صحیح سمجھا تھا۔ اب اگر وہ یہ توقع کرتے ہیں کہ کانگرس کامیاب ہوتے ہی اپنے اصولوں کو طاق پر رکھ دے گی۔ اور کسانوں کے مقابلے میں زمینداروں کا ساتھ محض اس لئے دے گی کہ زمینداروں نے اس کی مدد کی تھی تو وہ کانگرس کو بے ایمانی کی طرف بلا رہے ہیں۔

کانگرس یہ تو نہیں کر سکتی کہ کسانوں کا ساتھ چھوڑ دے۔ لیکن اس کا یہ فرض ضرور ہے کہ وہ تمام بدحال جماعتوں کی مصیبتوں کو دور کرنے کی کوشش کرے اور وہ اس سے غافل بھی نہیں ہے۔ وزیر مال کا یہ حکم کہ مالگذاری کی وصولی میں زمیندار کی مالی حالت کا لحاظ رکھا جائے، اس بات کا ثبوت ہے۔ اب چھوٹے زمینداروں کا فرض ہے کہ وہ بھی کانگرس کی حمایت بدستور کرتے رہیں اور کسانوں کی حالت کے سدھارنے میں اس کی مدد کریں۔ مزدوروں اور کسانوں کو منظم کرنے کے لئے اوسط طبقے کے کارکنوں کی ضرورت ہے۔ اگر چھوٹے زمیندار اس میں شریک ہو کر کسانوں کو جنگ آزادی کے لئے آمادہ کریں، اور اس طبقے سے جس میں وہ برائے نام شامل ہیں قطع تعلق کرلیں تو آئندہ جو معاشی نظام قائم ہونے والا ہے، اس میں ان کی بھی جگہ ہوگی۔ ورنہ سرمایہ داروں اور جاگیرداروں کا جو حشر ہونے والا ہے اس میں وہ بھی گیہوں کے ساتھ گھن کی طرح پیس دیئے جائیں گے۔

# تعلیم کا نظام

## اعلیٰ تعلیم

اطہر رشید

(۳)

ہماری اعلیٰ تعلیم اس وقت زیادہ تر خاص نظری علوم تک محدود ہے۔ زراعت، صنعت، وحرفت، تجارت، طب اور دوسرے فنون، کی تعلیم پر کم توجہ کی گئی ہے۔ حالانکہ ہمارے افراد کیلئے ان پیشوں میں اسوقت بھی کہیں زیادہ گنجائش ہے اور ابھی بہت وسعت پیدا کیجا سکتی ہے علاوہ ازیں قومی اور سماجی مقاصد اگرچہ اس درجے میں بظاہر زیادہ نمایاں نہ ہوں لیکن مضامین کا انتخاب اور ان کی توسیع دراصل قومی ضروریات کے مطابق ہونا چاہیئے۔ اور ہماری سب سے بڑی قومی ضرورت اس وقت بے روزگاری کا دور کرنا ہے، جو محض نظری علوم کی تعلیم سے نہیں بلکہ مختلف پیشوں کی عملی تعلیم سے ہی دور ہو سکتی ہے۔

اعلیٰ تعلیم کم لوگ حاصل کرتے ہیں، مگر مضامین کے اعتبار سے اسکا دائرہ بہت بڑا ہوتا ہے۔ اس غرض سے کہ مختلف مضامین کی تعلیم زیادہ وسیع پیمانہ پر اور زیادہ مکمل طور پر دی جاسکے مختلف مضامین کی تعلیم کیلئے علیحدہ علیحدہ درسگاہوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ یونیورسٹیاں جہاں عام طور پر نظری علوم کی تعلیم ہوتی ہے ہمارے ملک میں فی الحال بہت کافی ہیں۔ اسوقت ہماری معاشی حالت کا تقاضا ہے کہ ہم موجودہ یونیورسٹیوں کی تعداد سے کہیں زیادہ تعداد میں مختلف پیشوں کی تعلیم کیلئے الگ الگ درسگاہیں کھولیں۔

## مختلف پیشوں کی درس گاہیں

ہندستان جیسے زراعتی ملک میں زراعتی تعلیم کی ضرورت اور اہمیت صاف ظاہر ہے۔ اسکے ساتھ ہی ساتھ یہ بھی واقعہ ہے کہ ہمارے ملک کی معاشی زندگی کی ترقی کا دارومدار تجارتی اور صنعتی تعلیم پر بھی ہے۔ اور ہمارے ملک کی صحت عامہ کی جو ناگفتہ بہ حالت ہے اس سے کون واقف نہیں ہے؟ ہمکو ہر گاؤں کے لئے کم سے کم ایک صحیح معنی میں تعلیم یافتہ اور لائق طبیب پیدا کرنا چاہیئے: ان تمام امور کے مد نظر ہر صوبہ میں زراعتی، تجارتی، صنعتی، اور طبی درس گاہیں کافی تعداد میں ہونا چاہئیں، جہاں درمیانی تعلیم کے بعد اعلیٰ تعلیم حاصل کیجا سکے اور جن کا معیار کسی صورت میں یونیورسٹیوں کے معیار سے کم نہو۔

بد قسمتی سے ہمارے پیشوں کی تعلیم بھی عام طور پر محض نظری ہو کر رہ گئی ہے۔ اس طرز تعلیم کو فوراً بدلنے کی ضرورت ہے۔ اگر اعلیٰ تعلیم کے عملی اور افادی پہلو کو یوں نظر انداز کیا گیا تو اس قسم کی تعلیم سے ہمارے قومی مسائل حل نہیں ہو سکیں گے۔ ضرورت وقت کا تقاضا ہے کہ فی الحال تو کچھ عرصہ تک نظری تعلیم سے زیادہ عملی تعلیم پر زور دیا جائے۔

زراعتی یونیورسٹیاں زراعتی علاقوں میں کھولی جائیں، جہاں طالب علم کمروں میں بیٹھ کر زراعتی نظریوں پر صرف کتابیں نہ پڑھیں بلکہ باہر کھیتوں میں ہر قسم کا عملی کام بھی کر سکیں۔ ان زراعتی یونیورسٹیوں کا مقصد طلبا کو صرف تعلیم دینا نہ ہوگا بلکہ یہ دراصل اپنے اپنے دیہاتی حلقوں کے اندر زراعتی اصلاح کا کام سر انجام دینگی اور دیہات سدھار کے مرکز ہوں گی۔ ان درس گاہوں کے اپنے کھیت علاقے کے کسانوں کیلئے نمونہ ہونا چاہئیں، جن سے وہ طرح طرح کے نئے زراعتی اصول اور جدید ترین زراعتی آلات کا استعمال سیکھ سکیں۔ اسی طرح تجارتی اور صنعتی یونیورسٹیاں ایسے علاقوں میں ہونا چاہئیں جو صنعت اور حرفت کے مرکز ہیں اور جہاں طالبعلم علاوہ نظری علم حاصل کرنے کے مقامی کارخانوں میں عملی کام سیکھ سکیں، اور طبی درسگاہیں، اسی اصول کے مطابق علاوہ طبی تعلیم پھیلانے کے اپنے اپنے علاقے میں صحت عامہ کے سلسلے میں ہر خدمت سر انجام دیں گی۔ جن سے ساتھ شفاخانے ملحق ہوں گے اور جو نمائشوں اور مظاہروں کے ذریعہ سے گاؤں گاؤں میں حفظان صحت کے اصولوں کی تشریح کریں گی۔

مختصر یہ کہ ان مختلف درس گاہوں کا مقصد علاوہ نظری تعلیم دینے کے دیہات سدھار، صنعتی ترقی، صحت عامہ، سماجی خدمت ہوگا۔ اسوجہ سے ان کے اخراجات کا تمام بار محکمہ تعلیم ہی پر نہیں ہونا چاہیئے، بلکہ زراعت، تجارت، صنعت اور صحت عامہ کے محکموں پر بھی مالی امداد واجب ہے۔ علاوہ ازیں زراعتی درسگاہوں کے اخراجات کا کچھ حصہ مقامی زمینداروں سے وصول کرنا چاہیئے جو اس قسم کی تعلیم سے فائدہ اٹھائینگے۔ صنعتی تعلیم کے پھیلانے میں کارخانہ داروں کو ہاتھ بٹانا چاہیئے اور طبی درسگاہیں جو علاقے کی صحت عامہ کی ذمہ دار ہوں گی۔ مقامی بورڈ وغیرہ کی مالی تعاون کی مستحق ہوں گی۔

زراعتی، تجارتی، صنعتی اور طبی تعلیم کا نصاب وغیرہ اور اس کی عام تکمیل کے متعلق وہی لوگ رائے دے سکتے ہیں جو ان مضامین سے واقف ہیں۔ میں اس لئے اس مضمون میں صرف موجودہ یونیورسٹیوں کی تعلیم سے بحث کرنا چاہتا ہوں۔

## یونیورسٹی تعلیم کی نوعیت

موجودہ یونیورسٹی تعلیم کے سلسلے میں ہمیں ذرا جرأت سے کام لینا چاہیئے اور اس کی اہمیت کو کم کر دینا چاہیئے۔ ہمارے اپنے صوبہ میں اس وقت پانچ یونیورسٹیاں ہیں لیکن معلوم نہیں کہ نئی یونیورسٹیوں نے یعنی لکھنؤ اور آگرہ نے کونسا ایسا تعلیمی کام کیا ہے جو ان کے بغیر ممکن نہ تھا، ہمارا معیار تعلیمی اعتبار سے کچھ بڑھ نہیں گیا، البتہ صوبجاتی حکومت پر اخراجات کا بار بڑھ گیا ہے اور زندگی کا معیار اونچا ہو گیا ہے۔ اگر ہم ذرا جرأت سے کام لیں اور لکھنؤ اور آگرہ کی یونیورسٹیاں بند کر دیں اور پہلے کی طرح صرف مقامی کالج رہنے دیں تو تعلیمی نقطۂ نظر سے ہمکو کوئی نقصان نہیں پہونچیگا، لیکن ہم بہت سا روپیہ بچا سکینگے۔ اس صورت میں صوبجاتی حکومت کو صرف الہ آباد یونیورسٹی کا بار برداشت کرنا ہوگا، اس لئے کہ خوش قسمتی سے بنارس اور علیگڈھ یونیورسٹی کا خرچ مرکزی حکومت کے ذمہ ہے۔ اور اگر اس کی جرأت ہماری کانگرسی حکومت میں بھی ہے

تو گویا اگر یہ تو ہو کہ مختلف یونیورسٹیاں اپنے اپنے لئے علحدہ علحدہ میدان عمل معین کر لیں۔ آخر یہ کیا ضروری ہے کہ تمام یونیورسٹیاں لازمی طور پر سب مضامین کی تعلیم دیں؟ مثلاً اسوقت پانچوں یونیورسٹیوں میں قانون کی تعلیم دیجاتی ہے اور ان کے علاوہ چند دوسرے مقامات پر قانون کے کالج بھی ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ بے روزگار وکیلوں کی تعداد بڑھتی جاتی ہے۔ کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ قانون کی تعلیم الہ آباد یونیورسٹی کے لئے مخصوص کر دیجائے اور دوسرے مقامات پر قانون کی تعلیم نہ ہو؟ بنارس اور علیگڈھ ہمارے زیر اثر نہیں، لہذا اگر قانونی تعلیم جاری رکھنا چاہیں تو انھیں اختیار ہے لیکن یہ توقع کیجا سکتی ہے کہ علیگڈھ یونیورسٹی اسلامی قانون کو اور بنارس یونیورسٹی ہندو قانون کو فروغ دے گی۔

مختلف یونیورسٹیوں میں مختلف نئے مضامین کے رائج کرنے کی بھی ضرورت ہے۔ ہمارے ہاں انگریزی کے علاوہ دوسری یورپی زبانوں کا مثلاً فرانسیسی، جرمن، اطالوی، ہسپانوی، اور روسی وغیرہ کا کافی انتظام نہیں۔ ایشیائی زبانوں مثلاً جاپانی اور چینی کے معاملے میں ہم نے جسقدر بے اعتنائی کا ثبوت دیا ہے اس کا تو خیر کیا ذکر۔ حالانکہ صرف تہذیبی اعتبار سے نہیں بلکہ اقتصادی اور سیاسی اعتبار سے بھی یہ زبانیں زیادہ توجہ کی مستحق ہیں۔ تاریخ میں ہماری دلچسپی اسوقت تک زیادہ تر یورپی تاریخ تک محدود ہے۔ یورپی تاریخ کا جاننا مفید سہی لیکن ہمارے لئے ان دوسرے ملکوں کی تاریخ میں کہیں زیادہ سیکھنے کی باتیں ہیں، جنھوں نے گذشتہ سو سال میں سیاسی، اقتصادی اور تہذیبی انقلابات کے ذریعہ سے ترقی کی ہے، مثلاً جاپان، امریکہ، اور روس۔ علاوہ ان ملکوں کی تاریخ میں بھی عبرت کے سبق ہیں جو ہماری طرح یورپی سامراج کے شکار ہیں، چین، افریقہ کی نوآبادیاں، مصر وغیرہ وغیرہ، اور ہندستان میں سات کروڑ مسلمانوں کے ہوتے ہوئے اسلامی تاریخ کی اہمیت سے کون انکار کر سکتا ہے؟

لسانیات اور مذہبیات کیلئے ہندستان کی فضا کسقدر موزوں ہے لیکن ہم نے ان مضامین پر اب تک کافی توجہ نہیں کی، مذہبی اور تہذیبی رواداری پیدا کرنے کا یہ بھی ایک ذریعہ ہو سکتا ہے لیکن ہم نے اسوقت تک بالکل بے اعتنائی برتی ہے۔

فن تعمیر، موسیقی اور دوسرے فنون لطیفہ بھی ہمارے محتاج توجہ ہیں۔

یہ ضروری نہیں جیسا کہ میں کہہ چکا ہوں کہ ان سارے مضامین کو تمام درسگاہوں میں رائج کیا جائے، مختلف یونیورسٹیاں باہم مشورے سے اپنے اپنے لئے مختلف مضامین منتخب کر سکتی ہیں۔ مقصود صرف یہ ہے کہ جسقدر زیادہ مضامین کی تعلیم کا انتظام کیا جا سکے کیا جائے۔

یونیورسٹی تعلیم درمیانی تعلیم کے بعد شروع ہوگی، ادنیٰ سند (موجودہ بی۔ اے کے مترادف) کے حصول کے لئے تین سال کی تعلیم لازمی ہونا چاہیئے۔ اعلیٰ سند کے لئے کسی مدت کے تعین کی ضرورت نہیں۔ طالب علم جب بھی مقررہ علمی کام پیش کر سکے وہ سند کا مستحق ہوگا۔

ادنیٰ سند کیلئے طالب علم کو دو ایسے مضمونوں کا انتخاب کرنا ہوگا جن کا ایک دوسرے سے کچھ تعلق ہو۔ ان کے علاوہ فوجی تعلیم اور سماجی خدمت لازمی ہوگی۔

فوجی تعلیم سے مراد صرف فوجی ورزش نہیں، بلکہ عام فوجی ہتھیاروں کے استعمال کی تعلیم بھی اس میں شامل ہے۔ لڑکیوں کو ان کی ضروریات اور طبعی مناسبت کے مطابق تیمارداری، اور امور خانہ داری میں تعلیم دیجائے گی۔ جیسا کہ درمیانی تعلیم کے سلسلہ میں بیان کر چکا ہوں۔

سماجی خدمت میں دیہاتی نوجوانوں کی جبری تعلیمی خدمت شامل ہے، اور دوسرے اپنے اپنے علاقے کے سماجی، سیاسی اور تعلیمی کاموں پر مستقل شرکت اور تعاون۔ مختلف یورپی زبانوں کی تعلیم کا ہر یونیورسٹی میں معقول انتظام ہونا چاہیئے، اگرچہ ان کی تعلیم اور ان کا امتحان لازمی نہیں ہوگا۔

---

# مادری زبان اور اعلیٰ تعلیم

اصولاً تمام تعلیم مادری زبان کے ذریعہ ہونا چاہیئے۔ لیکن ہمارے ملک میں اسے اس وقت تک ممکن نہیں سمجھا گیا۔ یہ صحیح بھی ہے کہ ہماری زبانوں میں ابھی اتنی وسعت اور گہرائی پیدا نہیں ہوئی کہ ان میں پوری اعلیٰ تعلیم دی جا سکے۔ ہماری زبانوں میں نہ تو ہر مضمون پر اچھی کتابیں ہیں اور نہ ہی فی الحال کافی تعداد میں ایسے استاد موجود ہیں جو ان ملکی زبانوں میں ہر قسم کی تعلیم دے سکیں۔ یہ سب کچھ صحیح ہے لیکن یہ تو سراسر غلامانہ ذہنیت کا نتیجہ ہے کہ ہمارے ہاں وہ مضامین بھی انگریزی میں پڑھائے جاتے ہیں جو آسانی سے مادری زبان میں پڑھائے جا سکتے ہیں۔ علوم فطرت، یورپی فلسفہ، اور سیاست وغیرہ کی تعلیم اگر انگریزی میں ہو تو یہ بات ایک حد تک سمجھ میں آ سکتی ہے، لیکن ظلم تو یہ ہے کہ تاریخ (خصوصاً تاریخ ہند) جغرافیہ، عربی، فارسی، سنسکرت وغیرہ کی تعلیم بھی انگریزی زبان میں ہوتی ہے۔ اور اردو ہندی کے امتحانات میں بھی سوالات انگریزی میں کئے جاتے ہیں۔ اس ضرورت سے کسی کو انکار نہیں کہ جلد یا بدیر ایک نہ ایک دن اپنی ساری تعلیم کا ذریعہ مادری زبان کو بنانا پڑے گا اس لئے کہ اس کے بغیر یہی نہیں کہ بہت وقت اور روپیہ بیکار صرف ہوتا ہے بلکہ ہماری تعلیمی، ذہنی اور تہذیبی نشو و نما پورے طور پر اس کے بغیر ممکن نہیں۔ اور اگر یہ صحیح ہے تو انتظار کس بات کا ہے؟ ہم موجودہ آئین حکومت کے تحت اس معاملہ پر کسی طرح مجبور نہیں کئے جا سکتے، اور اپنی خواہشات اور ضروریات کے مطابق تعلیمی نظام جسطرح چاہیں بدل سکتے ہیں۔ یہ تعمیری کام کانگرسی حکومتوں کی فوری توجہ کا مستحق ہے۔ اس سلسلے میں میں مندرجہ ذیل تجویزیں پیش کرنا چاہتا ہوں۔

۱۔ جن مضامین کی تعلیم مادری زبان میں ہو سکتی ہے وہ لازمی طور پر صرف مادری زبان میں پڑھائے جائیں۔ مثلاً مادری زبان اور اس کی متعلق زبانیں، تاریخ، جغرافیہ، ملک کی معاشیات اور سیاسیات وغیرہ وغیرہ۔

۲۔ جو مضامین فی الحال مادری زبان میں نہیں پڑھائے جا سکتے، مادری زبان میں کافی کتابیں نہ ہونے کی وجہ سے یا استادوں کی اس معاملے میں مجبوری کے باعث، ان کی تعلیم کی انگریزی زبان میں اجازت ہو، لیکن اگر کوئی استاد یہ مضامین بھی مادری زبان میں پڑھا سکتا ہے تو اس کو یہ اختیار حاصل ہو کہ وہ مادری زبان میں ہی تعلیم دے۔

۳۔ اس امر کا اعلان کر دیا جائے کہ پانچ سال کے بعد تمام اعلیٰ تعلیم لازمی طور پر صرف مادری زبان میں ہوگی اور استادوں کو اسی مدت کے اندر مادری زبان میں اس کام کے لئے کافی استعداد حاصل کر لینا چاہیئے۔ تاکہ وہ مادری زبان میں تعلیم دے سکیں، علاوہ ازیں آئندہ نئے استادوں کے تقرر کے وقت اس بات کا بھی لحاظ رکھا جائے کہ جو مادری زبان میں تعلیم دے سکتے ہوں ان کو دوسروں پر ترجیح دی جائے۔

۴۔ مادری زبان میں مختلف مضامین پر مستند کتابیں مہیا کرنے کی فی الحال ایک صورت یہ ہے کہ ہر یونیورسٹی تصنیف و ترجمے کا ایک علحدہ شعبہ قائم کرے۔ جو استادوں کو اس کام کی رغبت دلائے اور ترجمے کروا کر شائع کرے۔ دوسرے اعلیٰ سند جو ادنیٰ سند کے بعد حاصل کیجا سکے گی، لیکن جس کی مدت تعلیم معین نہیں کی، اسکے حصول کے لئے ضروری ہوگا کہ طالب علم علاوہ اپنے ایک خاص مضمون کے زبانی امتحان میں کامیاب ہونے کے اس مضمون پر ایک خاص معیار کا مقالہ یا کسی مستند یورپی کتاب کا ترجمہ پیش کرے۔ اس ترکیب سے ہم دس پندرہ برس کے اندر مختلف مضامین کی اچھی اچھی مستند نصابی کتابوں

کا، خصوصاً جن کی ہمیں اعلیٰ تعلیم کے لئے ضرورت ہے، ترجمہ حاصل کر سکتے ہیں۔
۵۔ تمام درس گاہوں کے اندرونی معاشرتی اور انتظامی کاموں میں مادری زبان استعمال کیجائے۔

## یونیورسٹی کی تعلیم کا انتظامی پہلو

ابتدائی اور درمیانی تعلیم تمام تر صوبجاتی حکومت کے ہاتھ میں ہوگی لیکن اعلیٰ تعلیم کا انتظام بہت حد تک خود یونیورسٹیوں کے اساتذہ پر چھوڑ دینا چاہیئے۔ اگرچہ جہانتک قومی، سماجی، اور مالی مسائل کا تعلق ہے، ان میں حکومت کی ہدایات کا پورے طور پر لحاظ رکھا جائیگا۔ چنانچہ اعلیٰ تعلیم غیر ملکی مثلاً عیسائی تبلیغی جماعتوں کے کالجوں اور دوسرے فرقہ وارانہ اداروں میں حاصل کرنے کی اجازت دیجا سکتی ہے۔ بشرطیکہ یہ سب تمام ادارے نصاب، معاشرت اور سیاست کے معاملات میں ملکی یونیورسٹیوں کے احکام اور ہدایات کے پابند ہوں یونیورسٹی کا تمام اندرونی انتظام ملحقہ کالجوں کی اساتذہ کی ایک منتخب مجلس انتظامی کے ہاتھ میں ہونا چاہیئے۔ استادوں کے تقرر، نصاب کے تعین، طلبا کی معاشرتی اور سماجی زندگی کی نگرانی اور دوسرے انتظامی امور میں اس مجلس کو پورے اختیارات حاصل ہوں گے۔ اس مجلس انتظامی میں وزیر تعلیم کا ایک نمائندہ یا زیادہ سے زیادہ دو نمائندے شامل کر لینا چاہیئے تاکہ وہ دوسرے ارکان کو حسب ضرورت حکومت کی عام تعلیمی روش اور مالی استعداد کے بارے میں مشورہ دے سکیں، اس لئے کہ بالآخر تمام تعلیم [illegible] کے ماتحت ہونا چاہیئے۔ جو قوم کی سیاسی، سماجی، اور مالی زندگی کے تحفظ کی ذمہ دار ہے۔

اول تو ہمیں اپنی درسگاہیں تمام غیر ملکی اثرات سے آزاد کرنا چاہئیں، اس سلسلے میں سب سے پہلے اس تبدیلی کی ضرورت ہے کہ بجائے صوبوں کے گورنروں کے قومی راہنما یونیورسٹیوں کے چانسلر بنائے جائیں۔ ہم موجودہ دستور اساسی کی حدود کے اندر رہ کر اس قسم کے تمام غیر قومی اثرات کا خاتمہ کر سکتے ہیں۔ اور قومی خود داری کا تقاضا ہے کہ غیر ملکیوں کے ناجائز اور بیجا وقار کو فنا کر کے ہم اپنی درسگاہوں کو بالکل آزاد کر دیں۔

دوسرے ہماری یونیورسٹیوں پر اسوقت جو باہر کے غیر علمی لوگوں کا تسلط ہے اس کو جلد سے جلد توڑ دینا چاہیئے۔ ان میں سے اکثر اصحاب علمی عتبار سے اسکے اہل نہیں کہ ان کو تعلیمی معاملات میں دخل دینے کی اجازت دیجائے۔ اور نہ انتظامی امور میں ان کی امداد ضروری ہے۔ لیکن باوجود اسکے وہ لوگ اپنے اثر اور اپنی حیثیت کا عام طور پر غلط استعمال کرتے ہیں۔ جس کی وجہ کر یونیورسٹی کے اساتذہ میں بے اطمینانی پھیلتی ہے اور یونیورسٹی کی فضا اکثر مکدر ہو جاتی ہے۔ مثلاً اسوقت مختلف یونیورسٹیوں کی انتظامی مجلسوں میں مقامی چیف جج، رؤسا اور سیاسی کارکن موجود ہیں۔ اور بعض کے مقامی لاٹ پادری بھی رکن ہیں۔ اول الذکر کی امداد تعلیمی معاملات میں مطلق ضروری نہیں اور انتظامی معاملات میں ان لوگوں کے باعث طرح طرح کی بے عنوانیاں اور بے انصافیاں ہوتی ہیں اور ان کی جماعت بندی کیوجہ سے یونیورسٹیوں کو ہر قسم کا نقصان پہونچتا ہے، رہا لاٹ پادریوں کا معاملہ۔ غالباً کانگرسی حکومت کے دور میں اس ذہنیت کا تو آسانی سے خاتمہ کیا جا سکیگا، جسکے مطابق غیر ملکی عیسائی پادریوں کا وقار قائم کرنے کی یہ صورت نکالی گئی تھی۔ یوں بھی قطع نظر سیاسی مصالح کے، عیسائی پادریوں کو ہندو اور مسلمان مذہبی راہنماؤں کے مقابلے میں ترجیح دینا کسی طرح مناسب نہیں۔

یونیورسٹی کے انتظامی افسر (موجودہ وائس چانسلر) کا کام بھی خود اساتذہ یونیورسٹی میں سے کسی ایک کے سپرد ہونا چاہیئے۔ اساتذہ کی پوری جماعت اپنے میں سے ہر سال یا ہر دوسرے سال کسی کو کثرت رائے سے انتظامی افسر مقرر کر سکتی ہے، جیسا کہ یورپ کی اکثر یونیورسٹیوں میں رواج ہے۔ اس بات کا لحاظ رکھا جائے کہ انتظامی افسر صرف اعلیٰ استادوں میں سے منتخب ہو۔ بہر صورت اس طرح ایک طرف تو ہم وائس چانسلر کی پوری تنخواہ بچا سکتے ہیں اور دوسری طرف اساتذہ کی موجودہ شکایت رفع ہو جائے گی کہ ہر دوسرے تیسرے سال باہر کا ایک غیر شخص انپر افسر مقرر کر دیا جاتا ہے، علاوہ ازیں اس صورت میں ظاہر ہے کہ اساتذہ، آپس میں زیادہ اتحاد عمل سے کام لے سکیں گے۔

## مالی مسئلہ

زراعتی، تجارتی، صنعتی اور طبی درسگاہوں کے سلسلے میں بیان کیا جا چکا ہے کہ ان کے اخراجات کا ایک حصہ مختلف فرقوں اور جماعتوں کو حتی الامکان برداشت کرنا پڑے گا۔ اعلیٰ تعلیم کی چند ایک درسگاہیں اسوقت بھی بعض غیر ملکی مشنری اور دوسرے مذہبی فرقے چلا رہے ہیں اور ان کے تمام اخراجات کا بار حکومت پر نہیں پڑتا۔ لیکن اگر کوشش کیجائے تو خالص سرکاری تعلیمی اداروں کے لئے بھی مختلف جماعتوں سے مدد حاصل کی جا سکتی ہے۔ مثلاً مسلمانوں کی انجمنوں سے اور مالدار مسلمانوں سے توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ اسلامی زبانوں اور اسلامی علوم کو فروغ دینے میں یونیورسٹیوں کی مدد کریں گے۔ اسی طرح ہندو ہند و علوم کے شعبوں کے اخراجات کی کچھ نہ کچھ کفالت کر سکتے ہیں۔

یونیورسٹیوں کے طلبا بھی اگر معاشی نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو قومی اور سماجی خدمت کے ذریعہ سے اپنی تعلیم کے اخراجات ایک حد تک ادا کرینگے۔ جس سے حکومت کے دوسرے شعبوں کے اخراجات میں کمی ہوگی۔ سماجی خدمت کے اس معاشی پہلو کو ہمیں نظر انداز نہیں کرنا چاہیئے۔

اعلیٰ تعلیم کی فیسوں کا تعین بھی طلبا کے والدین یا سرپرستوں کی آمدنی کے مطابق ہونا چاہیئے تاکہ اگر ایک طرف ہم غریب لڑکوں کو مفت یا سستی تعلیم دے سکیں تو دوسری طرف اہل زر سے جسقدر ممکن ہو روپیہ وصول کیا جا سکے۔ ہماری قوم کی غربت کو اگر مدنظر رکھا جائے تو ہماری یونیورسٹیوں کے اساتذہ کی تنخواہیں بہت زیادہ ہیں۔ استادوں کی تنخواہیں کم کئے بغیر ہم دوسرے ضروری تعلیمی کام پورے نہیں کر سکتے، ہمارے معیار زندگی کے مطابق ۲۰۰ سو کی انتہائی تنخواہ بہت کافی ہوتی ہے۔ طلبا کا بار کم کرنے کی غرض سے یہ بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ استادوں کو امتحان کے پرچے دیکھنے کا کوئی معاوضہ نہ دیا جائے۔ اگرچہ پرچے دیکھنا انکے فرائض میں شامل ہوگا۔ ظاہر ہے کہ تنخواہیں اسقدر کم ہو جانے کی صورت میں ہماری یونیورسٹی کے اساتذہ بہت ٹھاٹھ سے نہیں رہ سکیں گے۔ لیکن ان کی اس خیال سے شاید تسکین ہو جائے کہ اہل علم کی غربت میں بھی شان باقی رہ سکتی ہے۔

میں نے ان تین مضامین میں ابتدائی، درمیانی اور اعلیٰ تعلیم کے بنیادی اور عام مسائل سے مختصراً بحث کی ہے۔ مقصود یہ نہیں تھا کہ تعلیمات کے مختلف نظریوں پر روشنی ڈالی جائے۔ یا ان پر تنقید کیجائے۔ بلکہ ملک کی سیاسی، سماجی اور مالی حالت کے پیش نظر بتایا جائے کہ ہمیں تعلیمی مسائل کو کس نقطۂ نظر سے دیکھنا چاہیئے۔ اسوقت ہمارے سامنے سب سے اہم اور ضروری مسئلہ ملک کی آزادی کا مسئلہ ہے اور ہماری قومی غربت دراصل اسی مسئلہ کا ایک پہلو ہے۔ اسلئے ہماری ساری تعلیم کی تشکیل اس قومی ضرورت کے مطابق ہونا چاہیئے۔ آزاد اور خوشحال ملکوں میں تعلیم کے مقاصد دوسرے بھی ہو سکتے ہیں۔ وہاں کے افراد

سیاسی اور سماجی اعتبار سے زیادہ وسعت نظر دکھلا سکتی ہیں لیکن ہم اپنے موجودہ سیاسی، سماجی اور اقتصادی حالات سے مجبور ہیں اور تعلیم کے ان خالص نظری جمالیاتی اور تہذیبی مقاصد کو فی الحال جب اہمیت نہیں دے سکتے جو آزاد اور مالدار قوموں کے لئے ضروری سمجھے جاتے ہیں۔ آزاد ہو جانے کے بعد ہماری سیاست بھی بدل جائے گی اور اسکے مطابق ہماری تعلیمی ضروریات میں بھی تبدیلیاں ہو جائیں گی اور جب ہمارے ملک کے سات لاکھ گاؤں میں غربت کا مسئلہ حل ہو جائے گا تو ہم اپنے افراد کو تعلیم کی جمالیاتی اور خالص تہذیبی قدروں سے بھی آشنا کرا سکینگے۔ لیکن اس وقت وطن کی آزادی اصلی چیز ہے جس کے لئے ہمیں اپنی تمام قوتیں صرف کر دینا چاہئیں۔

تعلیم کے اصول اور مقاصد مختلف قوموں کی ضروریات کے مطابق بدلتے رہتے ہیں اور تعلیم کے اچھا اور برا ہونے کا فیصلہ بالآخر اس بات سے کیا جاتا ہے کہ وہ کہاں تک قوم کے سیاسی، سماجی اور اقتصادی مسائل کو حل کرنے میں مدد دیتی ہے۔ میں نے بہر صورت جو کچھ لکھا ہے اسی نقطۂ نظر سے لکھا ہے۔ میں نے موجودہ کانگرسی حکومتوں کی مجبوریوں کو بھی نظرانداز نہیں کیا۔ مجھے یقین ہے کہ موجودہ دستور اساسی کی تنگ حدود کے اندر رہ کر بھی ہم اپنی تعلیم کی تشکیل اپنی خواہشات اور اپنی ضروریات کے مطابق کر سکتے ہیں۔ اور اگر ہم نے یہ کام پوری جرأت اور ہمت سے نہیں کیا تو یہ صرف اسی امر کا اظہار ہوگا کہ ہمارے ذہن ابھی تک غیر قومی اثرات سے کامل طور پر آزاد نہیں ہوئے۔

---

# فطرت ایک مفلس کی نظر میں

معین احسن جذبی

فطرت کی پجاری کچھ تو بتا کیا حسن ہے ان گلزاروں میں — ہے کون سی رعنائی آخر ان پھولوں میں ان خاروں میں

وہ خواہ سلگتے ہوں شب بھر، وہ خواہ چمکتے ہوں شب بھر — میں نے بھی تو دیکھا ہے اکثر، کیا بات بھلا ہے تاروں میں

اس چاند کی ٹھنڈی کرنوں سے مجھکو تو سکوں ہوتا ہی نہیں — مجھکو تو جنوں ہوتا ہی نہیں جب پھرتا ہوں گلزاروں میں

یہ چپ چپ نرگس کی کلیاں کیا جانے کیسی کلیاں ہیں — جو کھلتی ہیں جو ہنستی ہیں اور پھر بھی ہیں بیماروں میں

یہ لال شفق یہ لالہ و گل اک چنگاری بھی جن میں نہیں — شعلے بھی نہیں، گرمی بھی نہیں، ہیں تیری آتش زاروں میں

اس وقت کہاں تو ہوتا ہے جب موسم گرما کا سورج — دوزخ کی تپش بھر دیتا ہے، دریاؤں میں کہساروں میں

بادل کی گرج بجلی کی چمک بارش ہو کہ تیزی تیروں کی — میں ٹھٹھرا سمٹا سڑکوں پر، تو جام بلب میخواروں میں

سب ہوش و خرد کے دشمن ہیں سب قلب و جگر کے رہزن ہیں — رکھا ہی بھلا کیا اس کے سوا، ان راحت جاں مہ پاروں میں

وہ لاکھ ہلالوں سے بڑھ کر ہیں کیسی زہرہ کیسی پروین — اک روٹی کا ٹکڑا جو کبھی مل جائے مجھے بازاروں میں

جب جیب میں پیسے بجتے ہیں، جب پیٹ میں روٹی ہوتی ہے
اسوقت یہ ذرہ ہیرا ہے، اسوقت یہ شبنم موتی ہے

# کانگرس اور مسلم عوام

(۲)

از زین العابدین احمد

کانگرسی لیڈروں نے حالات سنبھالنے کی کوشش کی۔ یہ تو ہلیت نہ تھی کہ اقتصادی طبقوں کی بڑے پیمانہ پر تنظیم کرتے۔ انھوں نے اپنی ساری کوششیں اس بات میں خرچ کردیں کہ چوٹی کے مٹھی بھر لوگوں کی مدد سے ہندو مسلم اتحاد پیدا کریں، اس غرض سے گفت و شنید، خط و کتابت، اتحادی جلسے، ہندو مسلم صلح کے شرائط۔ اور طرح طرح کے سمجھوتے کام میں لائے گئے، ہندو مسلم ملاپ کی خوب اپیلیں کی گئیں، لیکن ان اپیلوں کا منشا، یہ تھا کہ دونوں فرقوں کے لیڈروں کے دلوں کو پھیر دیا جائے، ان کوششوں کا ناکامیاب ہونا ضروری تھا کیونکہ یہ چاہتی تھیں چند آدمیوں کے دلوں کو پھیر دینا، اور حالات اس کایا پلٹ کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ جھگڑوں کی بنیادیں اوسط طبقہ کی اقتصادی ابتری پر مبنی تھیں، اور جب تک یہ ابتری باقی تھی کسی زبانی اپیل کا کارگر ہونا ناممکن تھا۔

جب مسلم عوام کانگرس سے دور ہٹ گئے تو جتنا کچھ کانگرس کو عام مسلمانوں سے لگاؤ تھا وہ بھی جاتا رہا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس پر پہلے سے بھی زیادہ ہندوؤں کا قبضہ ہوگیا، اور اس پر ہندوؤں کی تہذیب و تمدن کا رنگ چڑھ گیا۔ صرف یہی نہیں۔ بلکہ کانگرس میں ہندو اوسط طبقے ہی کے لیڈر رہتے۔ اسی لئے یہ جماعت تعصب سے دور نہیں تھی۔ خاص کر ان صوبوں میں جہاں مسلمانوں کی اکثریت تھی جیسے پنجاب، سندھ اور بنگال مسلمانوں کے رجعت پسند لیڈروں نے اس سے خوب فائدہ اٹھایا اور کانگرس پر الزام لگایا کہ وہ صرف ہندوؤں کی جماعت ہے، اور ہندوؤں ہی کا بھلا چاہتی ہے

کانگرس اور مسلمانوں کے درمیان یہ جو خلیج پیدا ہوگئی ہے صرف اسطرح مٹائی جاسکتی ہے کہ مسلمان عوام سے براہ راست تعلق پیدا کیا جائے، اور انکی اقتصادی ابتری کو دور کرنے کی مسلسل، اور ان تھک کوششیں کی جائیں۔ لیکن ان صوبوں میں جہاں مسلمانوں کی تعداد بہت زیادہ ہے کانگرس کے لیڈروں کے منافع اس بات کی اجازت نہیں دیتے کہ عام مسلمانوں کی اقتصادی ابتری دور کیجائے۔ بنگال میں جیسا کہ ہمیشہ ہوا ہے، کانگرس میں ہندو زمیندا چھپے رہے اور مسلمان کاشتکاروں سے سیاسی ملاپ پیدا کرنے کی تمام صورتوں سے بھاگتے رہے۔ پنجاب میں کانگرس کی باگ خاص طور پر مہاجنوں کے ہاتھوں میں رہی، ان لوگوں نے کانگرس کو کبھی اس بات کا موقع نہیں دیا کہ وہ کاشتکاروں کو ان کی اقتصادی پریشانیوں (مثلاً قرضہ) کی بنا پر منظم کرتی۔ سندھ میں کانگرس شہر کے تاجروں کی چھوٹی سی جماعت میں پھنس کر رہ گئی۔ ان لوگوں کے پاس زمینیں بھی تھیں اور مہاجنی بھی کرتے تھے۔ وہاں کاشتکاروں کی تنظیم کیسے ہوسکتی تھی؟

جس وقت کانگرس کے پرانے لیڈر، فرقہ وارانہ جھگڑوں کے مقابلے میں اپنی نااہلی دکھا رہے تھے، نئی سیاسی لہریں ملک میں دوڑ رہی تھیں، اور اس کا حل جلد جلد کر رہی تھیں ان میں سب سے اہم ہندستانی مزدوروں کی تحریکیں تھیں جو سوشلزم کے راستوں پر چل رہی تھیں۔ جنگ عظیم کے بعد ہندستان میں جو مزدوروں کی تحریک ہوئی اس نے سیاسی جد و جہد کا ایک نیا راستہ کھول دیا جو پہلے سے زیادہ سامراج دشمن اور زیادہ جنگجو تھا۔ اور جس کی بنیادوں میں ساتھ کا اعتراف تھا کہ اصل میں لٹے ہوئے طبقوں کے مفاد سامراج کے مقابل میں، ایک ہیں، مزدور سبھاؤں نے فرقہ وارانہ ذہنیت کا مقابلہ نئی طرح کیا۔ اور اس کا حل بھی نیا نکالا تھا۔ اس نے تمام چوٹی کے لوگوں سے اتحاد کی گفت و شنید اور سمجھوتہ کی کوششوں کو لایعنی ثابت کردیا۔ اس نے اس بات پر زور دیا کہ فوری ضرورت اس بات کی ہے کہ ملاپ نیچے سے پیدا کیا جائے۔ اس غرض سے عوام کی طبقوں کے لحاظ سے جماعت بندی کی جائے۔ اور عوام کی تمام جماعتوں کو سامراج کے مقابلہ کرنے کیلئے متحد کیا جائے۔

ہندستان کے مزدوروں کی تحریک کا یہ بڑا احسان ہے کہ اس نے نہ صرف فرقہ وارانہ جھگڑوں کا حل سمجھا دیا۔ بلکہ اسکو عملی شکل میں لاکر دکھا بھی دیا۔ بمبئی کے ۱۹۲۹ء کے ہندو مسلم فساد میں، وسط طبقے کے چھوٹے لوگ اور تعصب کی شکار جماعتیں آپس میں ایک دوسرے کو ذبح کر رہی تھیں اور لوٹ مچا رہی تھیں، لیکن وہاں کے مزدور ہندو ہوں یا مسلمان گرنی کامگار یونین کے ماتحت اس بربری مذہب پرستی کے مقابل میں متحدہ محاذ بنائے رہے۔

مزدوروں کی تحریک سے نئے خیالات کی ایک رو دوڑ گئی جس نے زیریں اوسط طبقے کے ان لوگوں میں جن میں سیاسی بیداری تھی۔ ایک بایاں بازو بنا دیا جو سوشلزم کے اصولوں کا حامی تھا۔ کانگرس کے اندر نوجوان سبھائیں برابر ہندو مسلم اتحاد کا پروپگنڈا قومی جمہوریت کے اصول پر کر رہی تھیں، یہ پروپگنڈا کانگرس کے پرانے پروپگنڈے سے الگ تھا۔ پہلے کے لیڈر ہندو مسلم اختلاف کو تسلیم کرتے تھے۔ اور صرف مشترکہ عمل کی اپیل کرتے تھے نوجوان سبھاؤں نے سارا زور صرف کیا، معاشرتی، لسانی، مالی، اقتصادی اور سیاسی مشترکہ رشتوں پر جو دونوں فرقوں کو ملاکر ایک قوم بنا رہے تھے، انہی چیزوں کو کانگرس کے بائیں بازو نے، جو تیزی سے سوشلزم کے طرف جا رہا تھا اختیار کیا، مگر اس نے تنہا اقتصادی پہلو پر زیادہ زور دیا۔

نتیجہ یہ ہوا کہ دوسری سول نافرمانی کے موقع پر ہندستان کی سیاسی جماعتوں کی ایک معقول تعداد نے فرقہ وارانہ جھگڑوں کو نئے طرز پر حل کرنا چاہا۔ یعنی عوام کو اقتصادی ابتری کی بنا پر متحد کرنے کی انتھک کوشش کرنا چاہی۔

دوسری سول نافرمانی کاشتکاروں کی بدحالی سے پیدا ہوئی جو بہت زبردست تھی، اور بہت تیزی سے اٹھی تھی۔ دو سال کے اندر ہی اندر غلہ کی قیمت ۵۰ فیصدی گر گئی۔ لیکن لگان، اور سرکاری مطالبات بدستور تھے بلکہ بعض صوبوں میں تو بڑھ گئے تھے، اس نے کسانوں کو جو پہلے ہی سے بہت بدحال تھے، بالکل ہی تباہ کردیا۔ اس تباہی نے شہر کے رہنے والوں کو بھی نہیں چھوڑا۔ صنعتی پیداوار گھٹ گئی۔ جس نے مزدوروں میں بیکاری بہت پھیلادی، اوسط طبقہ کو تجارت اور صنعت کی تباہی سے بہت نقصان

ہو گیا۔ لیکن اس مرتبہ بھی تحریک کی سرداری کانگرس کے ہاتھ میں آئی۔ اور اس نے وہی طریقہ کار اختیار کیا جو سنہ ۱۹۲۱ء میں اختیار کیا تھا۔

سول نافرمانی سلمانوں کے اوسط طبقے کے کچھ لوگوں کو پھر کانگرس میں لے آئی۔ یہ لوگ اس طرح نہیں آئے تھے جس طرح "خلافت" کی تحریک کے زمانے میں آئے تھے۔ بلکہ نوجوانوں کی ایک جماعت تھی جس میں سیاسی بیداری ان لوگوں سے زیادہ تھی۔ اور جو نوجوان سبھاؤں اور بائیں بازوں کی تحریکوں سے متاثر ہو کر آئے تھے۔ لیکن نوجوانوں کا یہ چھوٹا طبقہ عوام کو اپنے ساتھ نہ لا سکا۔ اور تحریک کے زمانے میں مسلمان کسانوں کو فرقہ وارانہ لیڈروں کی گرفت سے نکالنے میں کامیاب نہیں ہوا۔ حالانکہ سارے ہندستان میں مسلمان مزدور اور کسان اس تحریک میں خوب جوش سے شریک ہو گئے۔

اس جد وجہد کا سب سے نمایاں کارنامہ وہ ہے جو صوبہ سرحد میں سرخ پوشوں نے دکھایا۔ اس تحریک کی جڑیں تو یہاں آبادی کی اقتصادی ابتری میں تھیں۔ لیکن اس کو ابھارنے میں نوجوان بھارت سبھا نے بہت کام کر دکھایا۔ اس کی تعداد میں بہت تیزی سے اضافہ ہوا۔ اور صوبہ سرحد بہت جلد سامراج دشمن تحریک کا بڑا میدان بن گیا۔ جس وقت صوبہ سرحد کے کسان اس طرح سامراج سے لڑ رہے تھے پنجاب، اور بنگال کے کسان رجعت پسند لیڈروں کے ہاتھوں میں پھنسے ہوئے تھے۔ کانگرسی لیڈروں کا کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے کاشتکاروں سے میل بڑھانے کی کوشش بھی نہ کی۔ ان مقاموں پر کانگرس نے اپنا اجتماع چند شہروں تک محدود رکھا، صرف اوسط طبقے سے اپیل کی اور عام کسانوں کو سامراج دوست جماعتوں اور افراد کے ہاتھوں میں چھوڑ دیا۔

صوبہ سرحد کے کاشتکاروں کی کانگرس کے ساتھ متحدہ ہمدردی اور مسلمان نوجوانوں کی ایک جماعت کی اس میں شرکت نے حکومت کو چونکا دیا۔ اس نے دونوں فرقوں کے اعلیٰ طبقہ کے درمیان میں ایک نئی دیوار اٹھانے کی سوچی۔ پہلی گول میز کانفرنس میں "انڈیا آفس" نے بہت خوبصورتی سے اعتدال پسندوں اور مسلم لیگ کے اتحاد کو رد کر دیا۔ اس کے بعد ہی ہندستان میں آغا خاں بھیجے گئے تاکہ مسلم کانفرنس تیار کریں جس میں مسلمانوں کے اوسط طبقے کو کانگرس اور اعتدال پسندوں کی متحدہ جماعت کے مقابلہ کے لئے منظم کریں۔ چونکہ سول نافرمانی کی تحریک جاری تھی، حکومت نے کسی بات میں اپنے کو پابند نہیں کیا۔ تحریک ختم ہوتے ہی سامراج نے اپنے پنجے نکالے۔ فوراً ہی فرقہ وارانہ سمجھوتا ملا۔ اور اس کے بعد ہی سموئیل ہور نے تقریر کی جس میں اقلیت کے بچاؤ کی ذمہ داری لی۔

لیکن اس مرتبہ سامراجی چالوں کو اتنی کامیابی نہیں ہوئی جیسی پہلے کی سول نافرمانی میں ہوئی تھی۔ سنہ ۱۹۲۱ء والی دنیا بدل گئی تھی۔ کسانوں کی مسلسل مالی ابتری، صوبہ سرحد کے مسلمانوں کی زبردست تحریک، نوجوان مسلمانوں کی تعلیم یافتہ جماعت میں (مثلاً مسلم یونیورسٹی، اور ڈھاکہ یونیورسٹی میں) اشتراکی خیالات پھیلنا، احرار اور جمعیت العلما کی کوششیں، کانگرس کے بائیں بازو کا متحد ہو کر کانگرس سوشلسٹ پارٹی بنا لینا۔ ملک کے کسانوں کا از خود سبھائیں بنانا، خاص کر بنگال کے مسلمان کاشتکاروں کا سبھائیں بنانا۔ اور آخر میں مزدوروں کی تحریک کا پھیلنا۔ یہ وہ قوتیں تھیں جنھوں نے حکومت کی چالوں کو کامیاب نہ ہونے دیا۔

ان سب سے بڑھ کر یہ ہوا کہ الکشن آ گیا۔ اور کانگرس کو طوفانی پروپگنڈا کرنا پڑا۔ لیکن الکشن نے کانگرس کی مسلمان عوام کے ساتھ پرانی حرکتوں کو پھر زندہ کر دیا۔ کانگرس کے داہنے بازو نے مسلمان نمائندوں کی ایک بڑی تعداد کو الکشن میں کھڑا کرنے سے اس بہانے سے انکار کر دیا کہ مسلمان عوام انکو پسند نہیں کرتے۔ انھوں نے مسلم لیگ کے ممبروں سے سمجھوتا کر لیا۔ اور وعدہ کر لیا کہ دوسری رجعت پسند پارٹیوں کے مقابلہ میں وہ ان کی مدد کریں گے۔ اس حرکت نے پھر مسلمان عوام کو فرقہ وارانہ لیڈروں اور جماعتوں کے ہاتھوں میں دیدیا۔

الکشن نے آنکھیں کھولدیں۔ کانگرس کے داہنے بازو کو یہ دیکھکر سخت حیرت ہوئی کہ ان چند صوبوں میں جہاں کانگرس نے اقتصادی پروگرام پر زور دیا۔ مسلمان کاشتکاروں نے از خود کانگرس کی تائید کی۔ کانگرس کا پروپگنڈا کیا اور بہت جوش سے ہندو امیدواروں کا الکشن میں کام کیا۔

کانگرس کی سوشلسٹ جماعت کو یہ دیکھکر سخت کوفت ہوئی۔ کیونکہ انکو نظر آنے لگا کہ مسلمان کاشتکاروں کو کانگرس میں لانیکا کیسا اچھا موقع ہاتھ سے نکل گیا۔ الکشن نے یہ بتا دیا کہ اگر مسلمان عوام میں ذرا سا کام بھی کیا جائے، تو وہ بہت آسانی سے کانگرس میں آ سکتے ہیں۔ اس بات کا اندازہ کر کے بائیں بازو نے مسلمان عوام کے ملاپ کی ایک کمیٹی کی تیاری کی تحریک کی۔ کانگرس کا داہنا بازو اس تحریک کی کامیابی کے متعلق مشکوک تھا۔ اس کا ابھی تک مسلم لیگ کے ممبروں سے سمجھوتہ کرنے پر شرائط وصلحنامہ تیار کرنے پر عقیدہ ہے۔ آخر کار ایسی کمیٹی بنائی گئی۔ کچھ تو اس وجہ سے کہ صدر کانگرس نے اس تحریک کی زور وشور سے تائید کی اور کچھ اس وجہ سے کہ اس وقت سمجھوتے کی کوئی صورت نظر نہ آتی تھی۔

مسلمان عوام کے ملاپ کی کمیٹی کانگرس کی سیاست میں ایک نئی چیز ہے۔ اس کمیٹی کا منشا یہ ہے کہ مسلمان عوام سے براہ راست تعلق پیدا کیا جائے اور انکو کانگرس میں لایا جائے۔ اور اس میں پرانے لیڈروں سے مدد نہ لی جائے جن کی امداد کی کانگرس ہمیشہ ایسے موقعوں پر خواہشمند رہی ہے۔ یہ ایسے لیڈروں کو کھلا چیلنج ہے اور کانگرس کی پرانی پالیسی سے جدا ہو جاتا ہے۔

مسلمان عوام کے ملاپ کے کمیٹی کو کامیابی کے لئے اس بات کی سخت ضرورت ہے کہ مسلمان فرقہ پرست لیڈروں کو مٹانے کی ان تھک کوششیں کی جائیں اور ساتھ ہی ساتھ اس بات کی ضرورت ہے کہ اب تک کانگرس نے عوام کے ملانے کیلئے جو کام کیا ہے۔ اس کا رخ بدلدیا جائے۔ اس کمیٹی کا مقصد صرف یہ نہ ہونا چاہئے کہ مسلمانوں میں بہت سے ممبر بنا سکے۔ بلکہ مسلمان عوام کی برابر پیش آنیوالی اقتصادی شکایتوں کو کانگرس کی سیاسی جد وجہد میں شامل کر لینا چاہئے۔ یہی صورت ہے جس میں کانگرس لئے ہوئے عوام کی اقتصادی بربادیوں کے دور کرنے کا علم زبانی نہیں بلکہ عملاً لیکر اٹھے گی۔ اور اسوقت اس کی طاقت دیہاتوں میں پیوست ہو جائے گی۔ لیکن اگر آج کل کی ایسی اوسط طبقے کی نمائندہ جماعت رہی اور اسکی دو طرفہ ذمہ داریاں قائم رہیں (یعنی زمینداروں کے نفع کا خیال جن کی یہ نمائندہ ہے۔ اور عوام سے نفع کا خیال جن کی امداد اسکو مجبوراً کرنا پڑتی ہے) تو نہ اس میں کبھی اتنی قوت آئے گی کہ برطانوی سامراج کو مٹا ڈالے۔ مسلمانوں کی اکثریت فاقہ زدہ کاشتکار ہے اگر کانگرس انکو شامل کرنا چاہتی ہے تو اسکو وہ دیواریں پار کرنا پڑیں گی جو زمیندار اور مہاجن طبقے نے جن کی کانگرس میں اکثریت ہے کھڑی کر دی ہیں، خاصکر ان صوبوں میں جہاں کاشتکاروں میں مسلمانوں کی اکثریت ہے۔ اس کمیٹی کو کاشتکاروں کے مطالبات مفصل تیار کرنا چاہئیں، اور انھیں ماتحت کمیٹیوں کی مدد سے ان مطالبات کے سلسل

جد وجہد کرنا چاہئے۔ کانگرس نے مزدوروں اور کسانوں کا یہ حق تسلیم کرلیا ہے کہ وہ اپنی طبقہ وار سبھائیں بنائیں اور صدر نے صوبہ کمیٹیوں کو سرکلر بھیجا ہے کہ وہ ان سبھاؤں کی مدد کریں اور ان کے قائم کرنے کی کوشش کریں اس لئے اب یہ ضروری ہے کہ ہر صوبہ کے کانگرسی لیڈر ایسی جماعتوں کی تنظیم کی کوششیں کریں۔ اور انکو کانگرس سے ملا دیں۔ اور اس طرح کانگرس کو عوام کی سامراج کے خلاف جد وجہد کا عظیم الشان مرکز بنا دیں۔

اس کمیٹی کا پہلا کام یہ ہونا چاہئے کہ مسلمان عوام کو ان کے جعبت پسند فرقہ وار لیڈروں کے پنجے سے نکال لیں۔ اس غرض سے معمولی سا سیاسی پروپیگنڈا کافی نہ ہوگا۔ کیونکہ ایسا پروپیگنڈا انکو ایسے لیڈروں سے زیادہ دور نہیں ہٹا سکے گا۔ بلکہ ان کو یہ دکھانا چاہیئے کہ کس طرح کانگرس انکی اقتصادی مصیبتوں کو دور کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔ اور انکے موجودہ لیڈروں کی کوششیں صرف یہ ہیں کہ وہ برقرار رہیں۔ لیکن کمیٹی کو اس بات کا خیال رکھنا چاہیئے کہ کوئی جداگانہ روش نہ بننے پائے۔ یہ کمیٹی ایسے زمانہ میں بنی ہے جب حالات کا تقاضا یہ ہے کہ مسلمان عوام کی طرف خاص توجہ کی جائے۔ ان کی ضرورت اسی وقت تک ہے جب تک مسلمان عوام کانگرس میں شریک نہیں ہو جاتے ہیں۔ جب یہ کام ختم ہو جائے گا کمیٹی ختم ہو جائے گی کسی حالت میں بھی یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ وہ کانگرس کے اندر ایک فرقہ وارانہ جماعت ہے جو ایک فرقہ کی لیڈری کر رہی ہے۔ اس کا کام یہ ہوگا کہ مسلمان عوام کو طبقہ وار سبھاؤں میں لائے جیسے کہ کسان سبھائیں۔ مزدور سبھائیں جہاں آکر فرقہ وارانہ ذہنیتیں مرجاتی ہیں، صرف اس طرح ایک زبردست کام ہوگا۔ اور کانگرس کا اثر تباہ حال عوام پر گہرا ہو جائیگا۔ اسوقت وہ ایک بہت زبردست سامراج دشمن طاقت بن جائے گی۔

# انقلاب زندہ باد!

ہے جہاں میں ہر طرف دورِ شبابِ انقلاب ذرے ذرے سے ہے ظاہر اضطرابِ انقلاب

کشمکش جاری ہے امن و جنگ میں اب چارسو صف بہ صف میداں میں دو نو طاقتیں ہیں روبرو

اک طرف ہیں امنِ دائم کیلئے کوشاں سماج اک طرف مصروف جنگ زرگری ہے سامراج

اک طرف ہیں بھوکے اور نادار با حالِ تباہ اک طرف خونخوار، ظلم و جور کا دیو سیاہ

لے رہے ہیں کروٹیں، جذبات اب مزدور کے لا رہے ہیں رنگ، خوں رستے ہوئے ناسور کے

ہو رہا ہے منتشر سرمایہ داری کا نظام چھٹ رہے ہیں ظلم کے پنجوں سے صدیونکے غلام

ہل رہی ہے نیو اب ایوانِ استعمار کی ہو رہی ہے کھوکھلی جڑ، ظلم کی دیوار کی

لرزہ براندام ہے ظالم، امیرِ گرگ خو جسکے ہونٹھوں سے ٹپکتا ہے غریبوں کا لہو

پائے ہیں قصرِ ملوکیت کے سب ڈولے ہوئے سامراجی گدھ ہے اب اڑنیکو پر تولے ہوئے

فکر ہے اک آخری حملے کی استبداد کو کر سکے مضبوط جس سے کھوکھلی بنیاد کو

ہے فضا گونجی ہوئی ہتھیاروں کی جھنکار سے جنگ کے آثار ہیں پیدا درو دیوار سے

ہر طرف سے امنڈی آتی ہیں لہو کی ندیاں سرخ شعلوں میں لپٹ جانیکو ہے سارا جہاں

تو یونہی دیکھا کریگا دور سے اے نوجواں؟

کود میداں میں، اڑا دے ظالموں کی دھجیاں!

(رتضیٰ اعظیم آبادی)

# ننھا باغی

وجاہت سندیلوی

"پاجی۔ بے ایمان۔ حرام زادہ۔ بدمعاش!"۔ فقیرنی نے دانت پیس کر کہا اور غصے میں بڑے زور سے ہاتھ کی دوانی اٹھا کر پھینک دی۔

رات کے نو بج چکے تھے۔ کڑاکے کا جاڑا پڑ رہا تھا۔ بازار میں صرف کچھ دکانیں کھلی رہ گئی تھیں باقی سب بند ہو چکی تھیں۔ ایک میلی کچیلی بدصورت فقیرنی مسجد کے دروازہ پر بیٹھی چیخ چیخ کر پیسہ مانگ رہی تھی۔ اس کے پاس ہی اس کا سات آٹھ سال کا چپڑا لڑکا زمین پر لوٹ رہا تھا۔ مسجد چونکہ بازار کے وسط میں تھی لہٰذا کافی تعداد میں لوگ نماز پڑھنے جا رہے تھے

"اماں اب چلو"، چپڑے لڑکے نے کہا

"چلتی ہوں"، ماں نے اپنی چیخ روک کر جواب دیا

"اب کہاں چلو گی"، لڑکے نے پوچھا

"ابھی ملا ہی کیا ہے سات پیسے"، تھوڑی ہی دیر میں سینما ختم ہو گا وہاں چلیں گے

ماں نے لڑکے کی بھوک کا اندازہ کرتے ہوئے تسلی آمیز جواب دیا

کئی آدمی مسجد سے نکلنے لگے فقیرنی اور زور سے چیخنے لگی۔

"کوئی اللہ کے نام پر بابو ایک پیسہ۔ اللہ جیتا رکھے۔"

ایک مولوی صاحب جو ایک ہاتھ سے اپنی داڑھی پکڑے ہوئے تھے اور ایک سے اپنی تسبیح۔ اس کی آواز پر ٹھٹک گئے جیسے وہ کچھ بھول گئے تھے۔ جو انہیں یکایک یاد آ گیا۔ انہوں نے اپنے ساتھیوں کو ٹھہرنے کا اشارہ کیا۔ اپنی مخملی واسکٹ سے بہت سے پیسے نکالنے لگے انہوں نے بڑے پندار سے ایک دوانی چھانٹی۔ اور اسے کھٹ سے فقیرنی کے ٹوٹے ہوئے المونیم کے کٹورے میں ڈال دیا۔ مولوی صاحب نے احساس ذمن سے اپنی آنکھیں نیچی کر لیں۔ اور انکے ساتھی انہیں بڑی عقیدتمندی سے دیکھتے ہوئے انہیں لیکر آگے بڑھ گئے۔

"فقیرنی کا گذارا نہ ہوتا تو چیخ پڑتی۔ اس کے چہرے پر خوشی کی برقی لہر دوڑ گئی اور اس کی حلقوں میں دھنسی ہوئی آنکھیں چمک اٹھیں۔

"آٹھ پیسے"، کہتا ہوا اس کا لڑکا جو بظاہر سوتا ہوا معلوم ہوتا تھا۔

"اماں اب سینما چلو گی"، اس نے پوچھا

ماں بڑے فلسفیانہ انداز میں سر پر ہاتھ رکھکر سوچنے لگی۔ وہ دن بھر چیختے چیختے تھک کر چور ہو گئی تھی۔ اور پھر اس نے آج سویرے آدھی روٹی سے زیادہ کچھ کھایا بھی نہ تھا۔ وہ کچھ نہ بولی اس نے اٹھکر لڑکے کی انگلی پکڑ لی۔ اور نان بائی کی دکان پر چلی گئی۔ نان بائی کی دکان پر اس نے دوانی دیکر روٹی اور دال مانگی۔ نان بائی نے غصے سے اس کی دوانی دیکھ کر دکان کے باہر پھینک دی "چور کہیں کی دھوکا دینے آئی ہے ہمکو؟"۔

فقیرنی نے ٹٹول ٹٹول کر سڑک پر سے دوانی ڈھونڈھی۔ اور خوشامد کرکے اسے نان بائی کو پھر دکھایا۔ لیکن وہ اسے ایک پیسہ کے عوض بھی لینے پر راضی نہ ہوا۔ "پاجی۔ بے ایمان۔ حرامزادہ، بدمعاش"، فقیرنی نے دانت پیس کر کہا اور غصے میں بڑی زور سے ہاتھ کی دوانی اٹھا کر پھینک دی۔ اگر اس وقت اسے دوانی کا دینے والا مل جاتا۔ تو وہ اسکی بوٹی بوٹی نوچ ڈالتی۔ دوانی ہی کی وجہ سے وہ سینما نہ جا سکی تھی۔

اس نے دو تین پیسہ کے چنے خریدے۔ اور تھوڑا سا گڑ۔ اور اپنے گھر کی طرف روانہ ہو گئی گھورے کے پاس ایک چھوٹا کچی چبوترہ یہ تھا اس کا گھر۔ چنے کھا کر ماں بیٹے اپنے اردگرد چیتھڑے لپیٹ کر سونے کیلئے چبوترہ پر لیٹ رہے۔ بار بار پاس ہی کی نالی میں پیر ڈال کر لڑکا کھیل رہا تھا۔ ماں دوانی کے سانحہ کی وجہ سے خاموش تھی۔

"اماں۔ نان بائی کے پاس تو بہت سی روٹیاں تھیں۔ وہ کیا کریگا"، لڑکے نے پوچھا

"بیچیگا"۔ ماں نے ترش لہجے میں کہا۔

"لیکن اب تو رات ہو گئی اب کون خریدیگا"

"خراب ہو جائیں گی تو سویرے پھینک دیجائینگی"۔ "لیکن خراب کیوں ہونے لگی۔

"کیا خراب روٹیاں پھینک دیجاتی ہے۔ کہاں پھینکی جاتی ہیں میں جا کر اٹھا لاؤنگا کتوں کے سامنے۔"

"اماں یہ بازار کا سامان کیا ہوتا ہے"

"لوگ خریدتے ہیں۔"

"پھر یہ کم کیوں نہیں ہوتا"

"اور آ جاتا ہے"

"یہ سب کا رہی تو کھا رہتا ہے"

"پھر کیا کیا جائے"

"ہم لوگوں کو دیدیا جائے"

"بے وقوف۔۔۔۔ اب سو رہ"

"اماں یہ کانسٹبل سب کو ڈانٹتا کیوں ہے۔"

"پھر کیا کرے"

"ہم اس کو نہیں ڈانٹ سکتے ؟"

"پاگل۔ وہ ڈنڈا جو مارے"

"ہم بھی اسکو ڈنڈا ماریں"

"اور جو حوالات ہو جائے"

"ہم بھاگ جائیں"

"اب سوئے گا یا نہیں"

"اماں یہ موٹر کتنے کی ملتی ہے"

"بہت داموں کی"

"تو کیا موٹر والوں نے بہت دام دئے ہوں گے"

"اور کیا"

"تو انکے پاس دام آئے کہاں سے"۔

"وہ روپیہ والے گھر میں پیدا ہوئے"

"ہم روپیہ والے گھر میں کیوں نہیں پیدا ہوئے"

"اب سو رہیگے"

"اماں میں کب بڑا ہونگا"

"جب تو بڑا ہوگا"

"اماں میں بڑا ہو کر کیا کرونگا"

ماں نہ معلوم کیوں خاموش ہو گئی۔ اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا

# مراسلات

## چرخا سنگھ کے تحت میں کاتنے والوں، بننے والوں اور دھنیوں کے فرقہ وار اعداد و شمار

جناب من! آپ کو بخوبی معلوم ہوگا کہ چند فرقہ پرست متعصب مسلمان کس طرح تنگ نظری سے کانگریس کے ہر کام اور خصوصاً اس کے اقتصادی و تعمیری پروگرام پر فرقہ وارانہ تعصب اور مسلم کشی کا الزام لگاتے ہیں۔ کھادی کو ہمارے پروگرام میں کافی اہمیت حاصل ہے اور اس کی خرید و فروخت وغیرہ کا تمام کام چرخا سنگھ کے سپرد ہے اس انجمن کے تحت کام کرنے والوں کے تازہ ترین اعداد و شمار روانہ ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ اس بیکاری کے زمانہ میں بھی ہمارے کھادی کے پروگرام سے تقریباً ۱۳۱۲۸۰ مسلمان کام سے لگے ہوئے ہیں۔ انجمن کے پاس ابھی چھاپنے والوں کشیدہ کاری بنانے والوں۔ درزیوں اور اس قسم کے دوسرے پیشہ ور لوگوں کی صحیح تعداد موجود نہیں لیکن ان مختلف پیشوں میں بھی کئی ہزار مسلمان کام کر رہے ہیں۔ اس میں ذرا بھی مبالغہ نہ ہوگا اگر میں کہوں کہ ہمارے صرف ایک تعمیری پروگرام سے تقریباً ۳۵ ہزار مسلمان برسر روزگار ہیں اور ان کے علاوہ لاکھوں کے لئے ایک بہت بڑا ترقی کا میدان کھل گیا۔

محمد اشرف
ناظم شعبہ اطلاعات سیاسی و معاشی
آل انڈیا کانگریس کمیٹی الہ آباد

| صوبہ | کاتنے والے | | | بننے والے | | | دھنیے | | |
|---|---|---|---|---|---|---|---|---|---|
| | ہندو | ہریجن | مسلمان | ہندو | ہریجن | مسلمان | ہندو | ہریجن | مسلمان |
| اندھرا | ۴۲۸۸ | ۵۰ | ۱۷ | ۳۸۶ | ۳۵ | | - | - | ۱۲۷ |
| آسام | ۴۱۷ | ۶۹۳ | ۰ | کاتنے والے ہی بنتے ہیں | | | کاتنے والے ہی دھنتے ہیں | | |
| بہار | ۶۴۳۶ | ۱۲۹ | ۹۹۳۱ | ۸۲ | ۱۲ | ۷۷۴ | نامعلوم | | |
| بنگال | ۶۴۹ | ۵۷ | ۷۶۵۵ | ۲۷۴ | ۰ | ۱ | کاتنے والے دھنتے ہیں | | |
| گجرات | ۰ | ۰ | ۲۳ | ۰ | ۴ | ۰ | ۲ | - | |
| کرناٹک | ۲۳۱۱ | ۱۶۶ | ۸۰ | ۹۴ | ۱۳ | ۵۲ | ۰ | ۰ | ۲۸ |
| کیرالا | ۸۸۵ | ۰ | ۶۵ | ۸۴ | ۲ | ۰ | کاتنے والے ہی بنتے ہیں | | |
| کشمیر | ۴۲ | ۰ | ۲۴۳۸ | ۰ | ۰ | ۳۳۸ | 〃 | 〃 | 〃 |
| مہاراشٹر | ۶۱۱۵ | ۳۱۳۳ | ۹۳۶ | ۱۶۱۹ | ۰ | - | ۰ | ۱۰ | ۴۷ |
| پنجاب | ۱۸۹۰ | ۱۷۴ | ۲۰۶۰ | ۰ | ۱۸۲ | ۶۱۷ | ۰ | ۲۲ | ۵۲ |
| راجستھان | ۱۹۴۱ | ۱۲۱ | ۴۲۶ | ۰ | ۴۰۶ | ۰ | ۵ | ۰ | ۱۱۳ |
| سندھ | ۲۷۲ | ۶۷۵ | ۵۴۵ | ۰ | ۴۰ | ۰ | کاتنے والے ہی بنتے ہیں | | |
| تامل ناد | ۲۳۵۶۷ | ۸ | ۷۴ | ۱۸۴ | ۶۴ | ۰ | ۰ | ۴ | ۳۱ |
| صوبہ متحدہ | ۷۵۹۳ | ۹۱۶ | ۱۷۲۴ | ۲ | ۴۱۴ | ۵۰۰ | ۲۷۱ | ۰ | ۱۵۰ |
| اتکل | ۲۲۷ | ۰ | ۹ | نامعلوم | | | نامعلوم | | |
| میزان | ۵۶۶۲۱ | ۶۱۲۲ | ۳۵۹۸۳ | ۴۳۵۷ | ۱۱۷۲ | ۲۲۸۲ | ۲۷۸ | ۳۶ | ۵۴۸ |

جناب ایڈیٹر صاحب!

میرے پاس یہ علوم کرنے کے لئے خطوط آئے ہیں کہ کلکتہ میں جو فلسطین کانفرنس منعقد ہونی تھی اس سے مجلس عمل آل انڈیا فلسطین کانفرنس کو کیا تعلق ہے۔ مجھے سوا اخباری اطلاع کے اس کانفرنس کے بارہ میں کوئی واقفیت نہیں۔ مجلس عمل نے اپنے ۹ راگست کے اجلاس میں حسب ذیل تجویز منظور کی تھی۔

"مجلس عمل کا یہ اجلاس محسوس کرتے ہوئے کہ فلسطین کا مسئلہ نہایت نازک اور فیصلہ کن مرحلہ سے گذر رہا ہے۔ تجویز کرتا ہے کہ آئندہ ماہ میں دہلی یا کسی دوسرے مناسب مقام پر مجلس عمل کا جلسہ منعقد کیا جاوے جس میں دیگر اسلامی اداروں کے نمائندوں کو بھی مدعو کیا جاوے تا کہ مقاصد کانفرنس اور دیگر تجاویز کے متعلق باہمی غور و فکر اور پوری بصیرت کے ساتھ کوئی موثر اقدام کیا جاسکے"

مجلس نے اس کانفرنس کیلئے حضرت مولانا احمد سعید صاحب مدظلہ سے درخواست کی تھی کہ وہ اس کانفرنس کے انعقاد کا انتظام کریں۔ چنانچہ مولانا دہلی اور میرٹھ کے کام کرنے والوں سے مشورہ کر رہے ہیں، اور عنقریب کانفرنس کی تاریخ اور جگہ کا اعلان کرنے والے ہیں۔

محمد الفاروقی

سکریٹری مجلس عمل آل انڈیا فلسطین کانفرنس

# بندے ماترم

آجکل "بندے ماترم" کی نظم پر جو اکثر قومی جلسوں میں پڑھی جاتی ہے بہت اعتراضات ہو رہے ہیں، اور مخالفین اسکو کانگرس کی مسلم کش پالیسی کے ثبوت میں پیش کرتے ہیں۔ علی سردار جعفری صاحب نے پنڈت جواہر لال نہرو کو خط لکھکر اس کی تشریح چاہی تھی۔ ذیل میں ہم پنڈت جی کا جواب شائع کرتے ہیں۔

جناب من۔ کانگرس نے کوئی مخصوص قومی گیت مقرر نہیں کیا ہے۔ لیکن اکثر قومی جلسوں میں اور دوسرے گیتوں کے ساتھ بندے ماترم بھی گایا جاتا ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ گذشتہ تیس سال سے اسکو گانا قانوناً ممنوع تھا اور اس لئے رفتہ رفتہ یہ نظم برطانوی سامراج کے مقابلہ میں ایک قسم کا اعلان جنگ خیال کیجانے لگی۔ اور عوام بھی اسکو قومی نعرہ سمجھنے لگے۔ کچھ لوگ اس کو ہندوؤں کی مذہبی دیوی سے متعلق بتاتے ہیں۔ لیکن یہ اعتراض بالکل فضول اور حقیقت حال سے کوسوں دور ہے۔ جسوقت عوام یہ نعرہ لگاتے ہیں یا یہ گیت گاتے ہیں اسوقت انکو نہ تو اس کتاب کا خیال ہوتا اور نہ وہ اسکے مصنف ہی کو یاد رکھتے ہیں۔ اور نہ وہ فرقہ وارانہ علیحدگی کا اس کی تشریح کرنے بیٹھتے ہیں

یہ گیت کسی فرقہ یا جماعت کے احساس خودداری کو صدمہ نہیں پہونچاتا لیکن اسکے باوجود بھی میرے خیال میں یہ قومی گیت کی حیثیت سے ناموزوں ہے۔ اس میں بہت سے ایسے الفاظ ہیں، جو عوام نہیں سمجھ سکتے اور اسکے الفاظ ہماری موجودہ قومی تحریک کے ترقی پسند خیالات کی ترجمانی بھی نہیں کرتے۔ یقیناً ہم کو ایسے قومی گیتوں کی ضرورت ہے جو ہماری موجودہ تحریک کے لئے موزوں ہوں اور اسکے ساتھ ہی ساتھ عام فہم زبان میں ہوں تاکہ عوام کو انکے سمجھنے میں دقت نہ ہو لیکن اسکے واسطے عالی دماغ شاعروں اور ادیبوں کی ضرورت ہے اور جب تک کہ ہم کوئی دوسرا اس سے بہتر قومی گیت نہ بنائیں کوئی وجہ نہیں ہے کہ اس کو اور اس طرح کے دوسرے گیتوں کو جو کثرت استعمال سے ہماری قومی تحریک سے مناسبت رکھنے لگے ہیں قومی جلسوں میں استعمال کیا جائے۔

"نیاز مند۔ جواہر لال نہرو"

(برائے فروخت عوام کے لئے) نمونہ نمبر ۱۷

# فارم اطلاعنامہ حسب دفعہ ۱۱۔ ایکٹ جائدادھائے مقروضہ ممالک متحدہ

بعدالت اسپیشل جج درجہ اول غازیپور انکمبر ۲۳ ۱۹۳۶ء

بابو ہری نرائن سنگھ وغیرہ بنام سوجارک رملے وغیرہ۔

ہرگاہ ہری نرائن سنگھ ولد کشن موہن سنگھ و مہابیر پرشاد سنگھ ولد سری نرائن سنگھ امرناتھ و کرشن کمار سنگھ پسران تھمو راپرشاد سنگھ عرف رگھو شنکر سنگھ پرکاش نرائن سنگھ نابالغ پسر امرناتھ سنگھ بولایت مہابیر پرشاد سنگھ ساکن کوتد مقبرہ پرگنہ محمد آباد ضلع غازیپور نے ایک درخواست حسب دفعہ ۴۔ ایکٹ جائدادھائے مقروضہ پیش کی ہے۔

لہذا اس تحریر کی رو سے حسب دفعہ ضمن ۱ دفعہ ۱۱ ایکٹ مذکور اطلاع دیجاتی ہے کہ اس جائداد کو جس کی تفصیل ضمیمہ ہائے منسلکہ میں درج ہے درخواست دہندہ نے حسب دفعہ ۸ یا حقداران نے حسب دفعہ ۱۰ مذکور کی جائداد بتایا ہے۔

اگر کوئی شخص جائداد مذکور پر کوئی دعویٰ رکھتا ہو تو جو اس اشتہار کے گزٹ ممالک متحدہ میں شائع ہونے کی تاریخ سے تین ماہ کے اندر اپنے استحقاق کے بارہ میں اس حاکم کے روبرو اپنی عرضی پیش کرے جس کے دستخط ذیل میں ثبت ہیں۔

## ضمیمہ (الف)

قرضدار کے استحقاق مالکانہ متعلقہ اراضی

| نمبر شمار | ضلع | [illegible] | نام موضع مع محال و پرگنہ | [illegible] | [illegible] | [illegible] | [illegible] | [illegible] |
|---|---|---|---|---|---|---|---|---|
| ۱ | غازیپور | زمینداری | بشارت پور پرگنہ محمد آباد محال بابو کشن موہن سنگھ بنی بابو تھمبو نرائن سنگھ | ۱ | ۱۲/۹ ۱۳ بیگہ | ۱/۱۲ ۱۱ روپیہ | • | ۱/۱۲ ۱۱ روپیہ |
| | ״ | ״ | ایضاً بنی ہری نرائن سنگھ | ۲ | ۱۵/۸ ۳۳ بیگہ | ۱۲/۱۱ روپیہ | • | ۱۴/۱۱ روپیہ |
| • | • | ״ | ملہیا پرگنہ محمد آباد بنی ہری نرائن سنگھ | ۶ | ۸/۱۶ ۱۲ بیگہ | ۵ روپیہ | ابواب ۱۴ روپیہ | ۱۴/۱۹ روپیہ |
| | • | • | ایضاً بنی تھمبو نرائن سنگھ | ۸ | ۱۱/۱۳ ۱۲ بیگہ | ۸ روپیہ | ۱/۵ روپیہ | ۵/۱۹ روپیہ |
| ۳ | ״ | ״ | لکتا پور عرف جوگما پرگنہ محمد آباد محال کشن موہن سنگھ بنی بابو ہری نرائن سنگھ | ۱۰ اگنڈہ اٹھ ہٹے | ۹ روپیہ | | • | ۹ روپیہ |
| ۴ | • | ״ | ہیوشہلا ایضاً | ۱ | ۸/۲۹ بیگہ | ۲۵ روپیہ | ۲/۳ روپیہ | ۲/۳۵ روپیہ |
| | • | • | ایضاً بنی تھمبو نرائن سنگھ | ۴ | ۲۹ بیگہ | ۳۵ روپیہ | ۳/۳ روپیہ | ۸/۳۸ روپیہ |

# نرخنامہ اشتہارات :-

| باہر کا آخری صفحہ | اندر کے صفحے |
|---|---|
| پورا صفحہ ۲۵ روپے | ۲۰ روپے |
| آدھا صفحہ ۱۳ روپے | ۱۱ روپے |
| چوتھائی صفحہ ۷ روپے | ۶ روپے |

متفرق اشتہاروں کیلئے فی انچ ۸ آنے -

ڈیڑھ روپیہ سے کم کا اشتہار نہیں لیا جائیگا ـــــ مستقل اشتہار دینے والوں کے ساتھ خاص رعایت کی جائیگی -

منیجر
ہندستان نمبر ۶ - نیل روڈ لکھنؤ







ہندستان نیوز پیپرس لمیٹڈ کی طرف سے حیات اللہ انصاری ... ولیجہ نے بہتمام گلزاری لال سکسینہ سلطانیہ برقی پریس نظیر آباد لکھنؤ سے چھپوا کر نیل روڈ نمبر ۶ سے شایع کیا۔

جلد نمبر ۱ | ۱۰ اکتوبر ۱۹۳۷ء | فی پرچہ ۱ر سالانہ ۲ مے


## فلسطین میں ہنگامہ

فلسطین کی ہل چل میں مسٹر اینڈریوز ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کو عربوں نے اڑالا۔ حکومت عربوں کو ہر طرح دبانے کی کوشش کر رہی تھی۔ لیکن اس واقعہ سے اتنا متاثر ہوئی کہ ۲۹ ستمبر کو کیبنٹ کا خاص اجلاس ہوا اور اس پر بحث کرنے کے بعد یہ طے پایا کہ اس شورش کو دبانے میں ہر ممکن کوشش کیجائے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ فسادی لوگ ہر ہفتہ سے ملک میں بد امنی پھیلا رہے ہیں۔ حکومت نے بہت طرح دی۔ لیکن اب اس شورش کو کچلنے کا مصمم ارادہ ہے۔

عرب اعلیٰ کمیٹی کو غیر قانونی قرار دیدیا گیا ہے۔ اس کے اراکین کی گرفتاریاں شروع کر دی گئی ہیں۔ ان میں سے کچھ لوگوں کو شہر بدر کر دیا گیا ہے مفتی اعظم سے انکا عہدہ چھین لیا گیا۔ اور انکو وقف کمیٹی سے بھی علحدہ کر دیا گیا۔ پولیس اور فوج کا سخت پہرہ ہے۔

اگر قوت سے بغاوت دب سکتی تو ہندستان میں کب کی دب گئی ہوتی۔ بغاوت کے اسباب فوج کی کمی نہیں ہوتی۔ بلکہ کچلی ہوئی خود داری، اور فاقہ زدہ پیٹ ہوتے ہیں۔ حکومت اگر بغاوت فرو کرنے میں کامیاب ہوسکتی ہے تو صرف ان اسباب کو دور کرکے۔

## ہندستان کی تجارت کے معاہدے

ہندستان اور برطانیہ کے درمیان جو تجارتی گفت و شنید ہو رہی ہے، اسکے متعلق سیٹھ مورتی اور بھولا بھائی ڈیسائی نے اخباروں کو ایک بیان دیا ہے۔

"ہمکو افسوس ہے کہ بعض وجہوں سے مرکزی اسمبلی کی پچھلی نشست میں موقع نہ ملا جو حکومت پر یہ ظاہر کرسکتے کہ اس کو اس ایوان کی منظوری بغیر اور اسکی مرضی کے خلاف حکومت انگلستان سے کوئی تجارتی معاہدہ نہ کرنا چاہئے۔ اس بارے میں ایک تحریک التوا پیش کی گئی تھی۔ لیکن بعض وجہوں کی بنا پر اسکو خلاف قانون قرار دیدیا گیا۔ ہم اس بیان سے حکومت کو بتانا چاہتے ہیں کہ اس ایوان کی اکثریت کی رائے یہی ہے کہ کوئی معاہدہ اسوقت تک نہ کیا جائے جب تک اس کی منظوری نہ لے لی جائے۔ امید ہے کہ حکومت ... مندوبوں کا پاس کرے گی۔ ہم ... اور سر محمد ظفر اللہ نے ... کی طرف سے اعلان کیا گیا ہے ... ہم حکومت کو یقین دلاتے ہیں کہ بہت ممکن ہے کہ حکومت ہند مرکزی اسمبلی کے مشورے کے بغیر جو معاہدہ کرے اسمبلی اسکو رد کر دے۔ اس قسم کے معاہدوں کے لئے اگر درآمد برآمد کے محصول میں ترمیم کرنے کے لئے کوئی قانون بنایا جائے گا تو اسمبلی اسکو بھی رد کر دے گی۔"

برطانوی حکومت کی ہمیشہ یہی پالیسی رہی ہے کہ جس طرح بھی ہوسکے ... کاشائر کے لئے زیادہ سے زیادہ مراعات حاصل کرے۔ اسکی خاطر ہندستانی مفاد کو خوب خوب بھینٹ دیا گیا۔ اکثر تو بھولے ہندستانیوں کو یہ یقین دلانے کی کوشش کی گئی کہ اس قسم کے معاہدے ہندستانیوں کے حق میں مفید ہیں۔ اوٹاوہ کا تجارتی معاہدہ، مودی - لیز پیکٹ اور ہندستان و برطانیہ کا معاہدہ سب کے سب اسی قسم کے معاہدے تھے۔

## جاپانی مصنوعات کا بائیکاٹ

پنڈت جواہرلال نہرو نے اخبارات میں ایک بیان دیا ہے۔

چین پر مصیبتوں پر مصیبتیں پھٹ رہی ہیں۔ اور جاپانی حکومت اس دھن میں ہے کہ امن پسند شہریوں پر جن میں بوڑھے، بچے، اور عورتیں سب ہی ہیں بمباری کرکے چینیوں کی ہمت توڑ دے۔ بارونق شہر اوپر سے بمباری کرکے تباہ کر دئے جاتے ہیں۔ اور اتنی بڑی زمین پر دہشت کا راج ہو رہا ہے۔

ہمکو پتہ چلتا ہے کہ موجودہ زمانے میں لڑائی کے کیا معنی ہیں۔ اور ہمکو سامراج کی تباہکاریاں اور خونریزیوں کا علم ہو رہا ہے۔ سارے ہندستان میں احتجاجی جلسے ہوئے، اور انھوں نے ہم لوگوں کی ہمدردی کو ہمارے چینی بھائیوں اور بہنوں تک پہونچا دیا۔ وہ لوگ اپنی آزادی کے لئے بہت بہادری سے لڑ رہے ہیں۔ جتنی بھی مصیبتیں ان پر ٹوٹیں، انجام میں کامیاب وہی ہوں گے۔ ہم انکی مدد کیسے کرسکتے ہیں۔

جاپانی مصنوعات کے بائیکاٹ کی تحریک صرف ہندستان ہی میں نہیں۔ بلکہ دنیا کی دوسری جگہوں پر بھی پیش کی گئی ہے۔ یہ تجویز بیحد سادہ ہے۔ اور انصاف کا تقاضا بھی یہی ہے۔ ہم کو اس طرف پوری توجہ کرنا چاہئے۔ ہندستان میں ایسے بائیکاٹ کا انتظام کرنا آسان نہیں ہے کیونکہ جاپانی مصنوعات پر اب بھی خاص پابندیاں مانع ہیں۔ اگرچہ انکی بہت سی قسمیں یہاں آجاتی ہیں لیکن انکی تعداد مقرر ہے۔ لیکن یہ ضروری ہے کہ ہم لوگوں کی طبیعتوں میں ایسی بات پیدا کریں کہ انکو بائیکاٹ کا شوق ہو جائے۔ جس کسی کو بھی دکھی چینیوں سے ہمدردی ہو جاپانی چیزیں خریدنا بند کردے۔ لیکن ایسا کرنے کا مقصد یہ نہ ہونا چاہئے کہ دوسرے ملکوں کی مصنوعات کو ترقی ہو۔ صرف ہمدردی کرنا تو کافی نہیں۔ ہم کو کچھ کرنا بھی چاہئے خاصکر اب جبکہ چینی اس سخت مصیبت میں پھنسے ہوئے ہیں۔

## مظلوموں کی آپس میں ہمدردی

پروفیسر تان یون شان۔ چینی ہندستانی تہذیب کی سوسائٹی کے ڈائرکٹر نے اخباروں میں بیان دیا ہے کہ

اپنے ملک کی طرف سے میں اپنے ہندستانی دوستوں کا دلی اور پرخلوص شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انھوں نے بہت جوش سے جاپان کی خونریزیوں کے خلاف آل انڈیا یوم چین منایا۔ اور اس شان سے منایا جو اس بڑے ملک کے لئے موزوں ہے۔ میں یہ فرض صرف اپنے ملک کی طرف سے نہیں بلکہ ساری دنیا کی طرف سے ادا کرتا ہوں۔

چین نے جاپان کو ہمیشہ تہذیب و تمدن دیا۔ اور اب بھی با امن ہو کر رہینگے ہمکو جینے کے لئے تیار رہے۔ لیکن شامراج کی حرص کو سمجھنا مشکل ہے۔ بار بار سوال یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ سارے چین کو فتح کر لیگا۔ ایشیا پر قبضہ جمالے گا۔ اور یورپ جیسی طاقت بنکر دنیا پر چھا جائیگا۔

یہ سنکر دل کو بہت تسکین ہوتی ہے کہ ہندستان کے بہت بڑے لیڈر پنڈت جواہرلال نہرو نے جاپان کے دستبرد پر اظہار نفرت کیا ہے۔ اور جاپانی مال کے بائیکاٹ کی تجویز پیش کی ہے۔ یہ قدم جاپانی سامراج پر ضرب کاری لگائے گا۔ اور اسوقت اسے پتہ چلیگا کہ اس نے کیسی غلطی کی ہے۔

ہندستانی بھی مظلوم ہیں اور لٹ رہے ہیں۔ چین بھی مظلوم ہے اور اس کا خون پانی کی طرح بہایا جا رہا ہے۔ ہم دونوں دوست ہیں۔ ہمارا دشمن صرف سامراج ہے۔ یعنی سامراج کے ہم دونوں شکار ہیں۔

## شاباش اڑیسہ

اڑیسہ اور صوبہ سرحد میں پابندی کے قوانین کو توڑنے کی تجویزیں پیش کی گئیں۔ اڑیسہ میں یہ تجویز کی کہ ہمارا اڑیسہ کا حفاظتی بل توڑ دیا جائے اور یہ بلا اختلاف پاس ہوگئی۔ اس پر اڑیسہ کے وزیر اعظم نے کہا کہ کانگرس کی وزارت کا پہلا فرض ہے کہ تمام پابندیوں کے قوانین کو توڑ دے لیکن

اس پہلے فرض کا احساس صرف اڑیسہ کو ہوا، یا پھر صوبہ سرحد کو۔ ہم اپنے صوبہ میں، اور دوسرے صوبوں میں جہاں کانگرس کی وزارتیں ہیں، یہ دیکھ رہے ہیں کہ اس معاملہ میں انکی رفتار بہت سست ہے۔ کمیونسٹوں پر مقدمے چل رہے ہیں۔ بہت سے سیاسی قیدی بدستور جیل میں ہیں۔ ہماری ان وزارتوں کو جلد سے جلد اس معاملے میں توجہ کرنا چاہیئے۔

## عدالت اور انتظام میں علیحدگی

دستور یہ رہا ہے کہ جو شہر کا حاکم ہے وہی شہر کا قاضی بھی۔ لیکن اب یو۔پی کی اسمبلی نے ایک تجویز پاس کی ہے کہ جلد سے جلد عدالت کو حاکموں کے ہاتھ سے نکال لیا جائے۔ کانگرس کا یہ بہت پرانا مطالبہ ہے، حالانکہ اب انتظام کانگرس کے ہاتھ میں ہے لیکن اس سے مطالبہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ کیونکہ اس طرح ہوتا یہ ہے کہ اگر کسی افسر کی ایک شخص کے متعلق رائے بگڑ گئی، تو عدالت میں آکر جب فیصلہ کرے گا تو وہ غیر جانبدار نہیں رہ سکتا۔ اس شخص کے خلاف ثبوت میں اگر کوئی گڑبڑ ہے تو اسکو نظر نہ آئے گی۔ ڈاکٹر کاٹجو نے حکومت کی طرف سے یہ تجویز منظور کرلی۔ اور اس بات کا اعلان کیا۔ حکومت کا اسکے متعلق جو فیصلہ ہوگا، وہ تین چار مہینہ میں ایوان کے سامنے پیش کیا جائے گا۔

## انشورنس بل

اب تک ہندستانی انشورنس کمپنیاں بیرونی کمپنیوں کے مقابلے میں بہت گھاٹا اٹھا رہی تھیں۔ بیرونی انشورنس کمپنیوں کو نہ تو گورنمنٹ میں ضمانت جمع کرنا ہوتی ہے اور نہ انکو ہندستان میں اسقدر سرمایہ رکھنا ضروری ہوتا ہے جتنے کی پالیسی یہاں بک چکی ہے۔ اس بل کا مقصد یہ تھا کہ نابرابری کو، جتنا ممکن ہے کم کیا جائے۔

انشورنس کا بل بڑا اہم مسئلہ تھا۔ ایسا بل جسکو بہت پہلے سے نافذ ہونا چاہئے تھا۔ ہندستان میں انشورنس کمپنیوں کو خوب ترقی دینے کی ضرورت ہے۔ اور بعض قسم کی انشورنس کمپنیوں کی بیحد ضرورت ہے۔ جیسے "کھیتی انشورنس" اور اس کی یہاں سب سے زیادہ کمی ہے۔ ساتھ ہی ساتھ اس بات کی بھی ضرورت ہے کہ ان کمپنیوں کا مقصد نفع کمانا نہ ہو بلکہ مزدوروں اور کسانوں کی برے وقت میں مدد کرنا ہو۔ یہ اسیوقت ہو سکتا ہے جب کمپنیاں سرمایہ داروں کے اثر میں نہ ہوں، بلکہ حکومت کے قبضہ میں ہوں۔

بل اسمبلی میں پاس ہوگیا۔ لیکن ایسی تمام تجویزوں کو جو ہندستانی کمپنیوں کو بیرونی کمپنیوں کا ہم پلہ بناتی تھیں بری طرح ذبح کیا گیا، کیونکہ دستور اساسی ہند میں بیرونی کمپنیوں کی خوب حفاظت کی گئی ہے۔ اس بل نے ایک بڑا کام کیا۔ وہ یہ کہ دستور اساسی ہند کی قلعی کھولدی، معلوم ہوگیا کہ ہندستان کو یہ بھی حق نہیں ہے کہ وہ اپنے روپیہ اور سرمایہ کی حفاظت کرسکے۔

اگر وائسرائے کی کونسل نے اب بھی یہ بل پاس کردیا تو ہندستان کو کچھ نہ کچھ ملجائے گا۔

## اسپینی حکومت کی اپیل

اسپینی حکومت نے مجلس بین الاقوامی میں ایک تجویز پیش کی کہ ابھی تک

فرانکو کے فوج میں غیر ملکی والنٹیر بہت بڑی تعداد میں موجود ہیں، اس لئے یہ مان لیا جائے کہ (۱) کہ انجمن غیر جانبداری سراسر ناکامیاب رہی۔ (۲) اٹلی براہ راست اسپین پر حملہ کر رہا ہے۔ اور (۳) اور اسپینی حکومت کو ہتھیار اور سامان جنگ منگوانے کی اجازت دیدیجائے۔

لیگ اسمبلی کا قانون ہے کہ تجویز صرف بلا اختلاف رائے پاس ہوسکتی ہے۔ یہ قانون اسپین کے حق میں قیامت ہوگیا۔ پرتگال نے جو کھلم کھلا فرانکو کا ساتھ دے رہا ہے، اور البانیہ نے اس تجویز کے خلاف ووٹ دیا۔ اسپین کی ساری امیدیں ٹوٹ گئیں۔ فرانکو اسپین میں بدستور خونریزی اور تباہی میں مصروف ہے۔ بارسیلونا کے شہریوں پر بمباری ہو رہی ہے۔ وہاں کے اسکول کے بچوں کو مشین گنوں کا نشانہ بنا جا رہا ہے۔ لیکن بیچاری مجلس اقوام کیا کرے۔ دو ووٹ اس ظلم کی مدافعت میں جو آگئے۔

## مسولینی اور فرانکو میں پیار کی باتیں

سرکاری طور پر اطلاع دی گئی ہے کہ فرانکو نے اپنی قومی سوشلسٹ پارٹی کے افسر مقرر کئے جانے کی سالگرہ منائی۔ مسولینی نے بہت گرماگرم مبارکباد پیش کی اور کہا، میری دلی تمنا ہے کہ قومی سوشلسٹ تحریک کو اس لڑائی میں جسکو تم اتنی خوبصورتی سے چلا رہے ہو، پوری فتح نصیب ہو۔ فرانکو نے جواب میں کہا کہ مسولینی کا سفر جرمنی جو کامیاب رہا، اس پر سارے اسپینیوں کو خوشی ہوئی۔

## برطانیہ، فرانس اور مسولینی

مسولینی اس بری طرح فرانکو سے دوستی کا اظہار کر رہا ہے لیکن برطانیہ اور فرانس اسکو لبھانے کی ہر ممکن کوشش کر رہے ہیں۔ اب ان دونوں نے مسولینی کو ایک نوٹ بھیجا ہے کہ تمنوں طاقتوں کی ایک کانفرنس منعقد کیجائے جس میں اسپین پر گفتگو کیجائیں ہوں۔ یہ باتیں کیا ہوں گی؟ وہی باتیں جو کفن گھسوٹ قبروں کے پاس بیٹھ کر کرتے ہیں۔ لیکن مسولینی خواہ مخواہ حصہ بٹانے کیلئے تیار نہیں۔

---

## جاپان اور مسولینی

خبر ہے کہ جلد ہی ایک معاہدہ جاپان اور اٹلی کے درمیان میں ہونیو ہے۔ جاپان اور اٹلی میں ایک تجارتی معاہدہ موجود ہے جس کی رو سے جاپان اور اطالوی مشرقی افریقہ میں مصنوعات کا تبادلہ منظور کیا گیا تھا۔ اس معاہدے کی رو سے اب اطالوی مشرقی افریقہ میں حبش کا بھی شمار کیا جائے گا۔

جاپان سمالی لینڈ سے نمک لیتا ہے جس کی قیمت بیس لاکھ ین کے قریب پڑتی ہے۔ اب اسکے عوض حبش میں سوتی کپڑا بھیجے گا۔

لیکن اس معاہدے کا چین و جاپان کی لڑائی کے موقع پر بہت کچھ اور معنی رکھتا ہے۔ جرمنی اور جاپان میں ایک خطرناک معاہدہ موجود ہی ہے مسولینی اور ہٹلر کی مشفقانہ دوستی اب پردے میں نہیں۔ یہ معاہدہ مثلث کا تیسرا خط ہے۔ دنیا کے امن کا اہرمن حافظ۔

---

# مسلم لیگ کے مجاہد

ہندستان ۲۶ ستمبر میں ایک نوٹ ہے۔

"مسٹر جناح کا نیا قدم"

شملے کے مسلمانوں نے مسٹر جناح کو ایڈریس پیش کیا۔ مسٹر جناح نے جوابی تقریر میں کہا کہ مسلم لیگ کا مقصد بھی کامل آزادی ہے "کون ایسا ہے جو غیر ملکی حکومت کو پسند کرتا ہو، مکمل آزادی اور اپنے ملک میں اپنی قوم کی حکومت نہ دیکھنا چاہتا ہو" مکمل آزادی چھوٹا سا لفظ ہے۔ زبان سے نکالنے یا قلم سے نکالنے میں کچھ دیر تو لگتی نہیں۔ مسٹر جناح نے اپنے ذرا سے اشارے میں مسلم لیگ کا دستور اساسی کچھ سے کچھ کر دیا۔

مسٹر جناح کا ایک نعرہ یہ بھی ہے کہ قبضہ کرنے سے پہلے تقسیم کر لو۔ یہ اصول انھوں نے اس سے بنایا ہے کہ جب آدمی کو یہ اطمینان ہو جاتا ہے کہ ہمکو اتنا حصہ ملیگا تو بہت جوش سے کام کرتا ہے۔ کاش مسٹر جناح خود اپنے قول پر عمل کرتے اور ذرا صاف کر دیتے کہ زمین کی تقسیم زمینداروں اور کاشتکاروں میں کیسے کرینگے۔ مل کی آمدنی کی تقسیم مزدوروں اور سرمایہ داروں میں کیسے کریں گے اگر مزدوروں اور کاشتکاروں کو مال غنیمت میں اپنے حصہ کا علم ہو جائے تو جد وجہد منزلوں آگے نکل جائے۔ اس صراحت کے بعد پھر کانگریس کو مصالحت کرنے میں ذرا جھجک نہ ہوگی"

مسلم لیگ کے حامیوں کو یہ نوٹ بہت برا لگا۔ ہمدرد دہلی (مسلم لیگ کا واحد ترجمان) دوسرے پیرے کو نقل کر کے لکھتا ہے۔

"معزز معاصر کو معلوم ہونا چاہئے کہ مسٹر جناح ہندستان کے ہٹلر یا مسولینی نہیں ہیں۔ نہ شاید پنڈت جواہرلال نہرو کی طرح ڈکٹیٹر بننا پسند کریں گے۔ نہ ان کو اس کا موقع ملیگا۔ برخلاف اسکے وہ ایک سچے جمہوریت پسند ہیں۔ اور سچے جمہوریت پسند ہی رہیں گے۔ اور اگر زمیندار اور کاشتکاروں کے درمیان زمین اور سرمایہ دار اور مزدور کے درمیان مل کی آمدنی کی تقسیم کا مسئلہ انکے سامنے آئے گا تو ہمارا خیال ہے کہ وہ صحیح جمہوری طریق پر اس مسئلے کو طے کرنے کی کوشش کرینگے۔ کسی طبقہ کو دوسرے طبقہ کی خاطر قربان کر دینا اور کسی طبقہ کی اکثریت کے نقطۂ خیال کو بالکل نظر انداز کر دینا جمہوریت نہیں ہے۔ کم از کم اسلام نے اپنے پیروں کو ایسے جمہوری اصول نہیں سکھائے ہیں۔"

مسٹر جناح آج کل مسلمانوں کے رہبر بنے ہیں۔ ان کا بنیادی کبھی جمہوری اصول پر نہیں ہوا ہے۔ انھوں نے ایک جنبش میں مسلم لیگ کا دستور اساسی کچھ سے کچھ کر دیا، جو شاید ہٹلر بھی نہ کر سکتا لیکن وہ ہمیں سچے جمہوریت پسند

# مسلمانوں میں کانگرس کا کام اور اشتراکیت پسندوں کا اعتراض

از محمد اشرف

دہلی کنونشن کے بعد کانگرس کے سامنے مسلمانوں میں خاص طور پر کام کرنے کا سوال درپیش ہے اور اس بارے میں جگہ جگہ اپنے اپنے خیال کے مطابق لوگ غور کر رہے ہیں۔ مسلمان فرقہ پرستوں میں تو ظاہر ہے کہ گھبراہٹ ہی نہیں بلکہ بدحواسی طاری ہے۔ سامراجی اخبار آئے دن مسلمانوں کو کانگرس میں جانے سے ڈراتے رہتے ہیں۔ مسٹر جناح کے ساتھ مولانا حسرت موہانی اور ظفر علیخاں بھی اس کوشش میں ہیں کہ کسی طرح آل انڈیا مسلم لیگ کی ایسی صورت بن جائے کہ مسلمان کانگرس میں شرکت سے باز رہیں۔ اس مہینہ میں لکھنؤ میں غیر کانگرسی مسلمان لیڈروں کے سامنے یہی سوال پیش ہوگا۔

مسلمان یوں تو دیکھنے میں فرقہ پرست اور متعصب ہیں مگر واقعہ یہ ہے کہ غریبی اور بے روزگاری کے غیر معمولی طور پر بڑھ جانے سے مسلمانوں میں سیاسی بیداری برابر بڑھ رہی ہے۔ جہاں مزدور انجمنیں موجود ہیں مسلمان مزدور ان میں برابر شریک ہوتے ہیں بلکہ مزدوروں کی مانگوں کے لئے بڑی ہمت اور جوانمردی سے لڑتے ہیں۔ بمبئی کی ہڑتالوں میں باوجود مسلمان لیڈروں کے بہکانے کے مسلمان مزدوروں نے فرقہ وارانہ فسادات میں ساتھ دینے سے انکار کر دیا۔ کلکتہ کے مسلمان مزدوروں نے خود مسلمان میئر کے مقابلہ میں دت مازومدار کو ہزاروں ووٹ سے جتایا۔ خود ہمارے صوبہ متحدہ میں کانپور کی ہڑتالوں کو کامیاب بنانے اور مزدور تحریک کو آگے لیجانے کا سہرا کانپور کے مسلمان مزدور اور مزدور لیڈروں کے سر ہے۔

یہی حال کسان تحریک کا ہے۔ بہار میں سیکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں مسلمان سوامی سہجانند کے پیچھے چل رہے ہیں۔ بنگال میں مسٹر فضل الحق کی کامیابی کی وجہ یہی تھی کہ انھوں نے کسان پروگرام اور زمینداری کی منسوخی پر ووٹ مانگے تھے۔ یہی حالت پنجاب کی ہے جہاں کانگرس کے دشمن صرف اس لئے کامیاب ہوئے کہ ہم نے عام لوگوں کے سامنے اپنا اقتصادی پروگرام پیش نہیں کیا۔

طلبا کی تحریک کا بھی یہی حال ہے۔ آج آل انڈیا اسٹوڈنٹ فیڈریشن کے بڑے بڑے کام کرنے والوں میں مسلم یونیورسٹی علیگڈھ کے طلبا خاص طور پر آگے آگے نظر آتے ہیں۔

غرضیکہ مسلمانوں میں عام سیاسی بیداری اور طبقاتی احساس کی کوئی کمی نہیں ہے، البتہ ایک متحدہ سامراج دشمن نظام میں کام کرنے کا ان میں شعور پیدا نہیں ہوا ہے جس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ مسلمانوں میں کانگرس نے منظم طور پر کام نہیں کیا۔ جیسی ہماری حالت ۱۹۲۱ء میں تھی اسکے مطابق کانگرس کے لوگوں کو یہ برا نہیں معلوم ہوتا تھا کہ اعلیٰ طبقہ کے مسلمانوں کی نگرانی میں مسلمان خلافت کے جھنڈے کے نیچے چلیں اور باقی ہندستانی کانگرس کی پابندی اور کمان میں لڑیں۔ ہندو اور مسلمان ایک دوسرے کو جداگانہ قوم سمجھکر قومی کاموں میں شریک ہوتے تھے۔

آج ہماری حالت دوسری ہے۔ ہم بہت سے سیاسی تجربوں سے گذر کر اس نتیجہ پر پہونچے ہیں کہ اس ملک کی آزادی اسوقت تک حاصل نہیں ہو سکتی جبتک کہ کانگرس اوپر کے ہندو مسلمانوں کو چھوڑکر عام لوگوں کے اثر اور عمل دخل میں نہ آجائے۔ یہ کافی نہیں ہے کہ جب ضرورت پڑے اور ہمارے لیڈر مناسب سمجھیں تب عام لوگ آکر کانگرس کے نعرے اور جھنڈے کا رسے پکاریں، جیلیں بھریں اور مصیبتیں اٹھائیں لیکن پالسی اور پروگرام کے بنانے اور بگاڑنے میں انکا کوئی عمل دخل نہو۔ آج ہم رابطہ عوام پر غور کر رہے ہیں گو یہ طے کرنا ابھی باقی ہے کہ اس کی صورت کیا ہوگی۔ کیا ہم مزدور اور کسان جماعتوں کو جماعت کی حیثیت سے کانگرس میں لائیں گے یا محلہ اور گاؤں کی کانگرس کمیٹیاں ہمارے بڑے بڑے سوالات پر رائے دیا کریں گی اور فیصلہ کریں گی؟ جو صورت بھی طے پائے اسمیں شبہہ نہیں ہے کہ آئندہ عام لوگ اپنا اثر کانگرس کے کاموں پر اسی طرح ڈالیں گے جس طرح آج ورکنگ کمیٹی کے ممبر اور بڑے بڑے لیڈر ڈالتے ہیں۔

اسی پروگرام کا ایک حصہ یہ بھی ہے کہ آج کانگرس مسلمانوں کیطرف خاص طور پر متوجہ ہے۔ ڈاکٹر احمد اس سوال پر ایک نہایت پر بصیرت مضمون لکھ چکے ہیں اور اس میں انھوں نے اس سوال کے تاریخی اور اقتصادی پہلو پر گہری نظر ڈالی ہے۔ اس مضمون میں ڈاکٹر احمد نے ان خطروں کا بھی تذکرہ کر دیا ہے جو اس پروگرام پر عمل کرنے سے پیدا ہو سکتے ہیں (ملاحظہ ہو ہندستان ۵/۹)۔

میں سامراجی اور سامراج پرست ہندستانیوں کی گھبراہٹ تو سمجھ سکتا ہوں لیکن مجھے تعجب ہے کہ بہت سے سوشلسٹ دوستوں نے بھی ناسمجھی میں ایسی باتیں کہی ہیں جن سے ہمارے دشمنوں کو بڑی خوشی ہوئی ہے۔

ابھی حال ہی میں کامریڈ رائے نے مدراس میں ایک تقریر کے دوران میں ایسی باتیں کہیں جن سے یہ کہیں نہیں معلوم ہوتا کہ یہ ایک سوشلسٹ اور ماہر سیاست کے خیالات ہیں۔ سوشلسٹ کہنے سے میرا یہ مطلب یہ ہے کہ بحیثیت سوشلسٹ ہمارا یہ فرض ہے کہ ہم سیاسی سوالوں کو فرقہ پرستوں کی طرح اوران جذباتی یا سطحی نظر سے نہیں دیکھتے، ہم ہر سوال کا سماجی تجزیہ کرتے ہیں، سماجی طبقوں کے مفاد اور طریقہ کار پر نظر رکھتے ہیں اور اسکے بعد یہ فیصلہ کرتے ہیں کہ عام لوگوں کا بھلا کس بات میں ہے۔ اس لحاظ سے ہم سوال کو نہیں بلکہ اصلیت کو دیکھتے ہیں۔

کامریڈ رائے نے اس طرح بات کہی جو طریقہ فرقہ پرستوں کے کہنے کا ہے، مثلاً یہ کہ کانگرس پر ہندو ردایتوں کا اثر ہے اور ہندو دھرم چھایا ہوا ہے ہمیں چاہئے کہ ہم مسلمانوں کی سب مانگیں قبول کرلیں وغیرہ وغیرہ۔ اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک دو نہیں درجنوں مسلمان اخباروں نے ہر صوبہ میں کامریڈ رائے کے الفاظ کی آڑ پکڑ کر کانگرس پر حملے کئے اور شوکت علی اور ظفر علیخاں کو کہنے کا موقع ملگیا کہ جو بات ہم کہتے تھے وہ چاہے کانگرس کے لوگ ہٹ دھرمی سے نہ مانیں مگر سوشلسٹ اور کامریڈ رائے جیسے کمیونسٹ تک مانتے ہیں۔ لیجئے فیصلہ ہوگیا۔

سوال ہندو مسلمان اور دھرم کی فضا کا نہیں ہے اور نہ مسلم لیگ اور ہندو سبھا اپنی جگہ مستقل حیثیت رکھتی ہیں۔ اسی طرح یہ کوئی اہم بات نہیں ہے کہ کانگرس میں "ہندو" اثر ہے۔ ہمیں بحیثیت سوشلسٹ کے یہ طے کرنا ہے اور دنیا کو یہ بتانا ہے کہ اس "دھرم" سے سرمایہ دار یا تعلقدار کیا کام کس طرح

فائدہ اٹھاتے ہیں۔ پہلی صورت کا حل یہ ہے کہ ہم سمجھوتہ کریں اور "مسلمان اقلیت" کے مطالبات مان لیں۔ دوسری صورت کا تقاضا یہ ہے کہ ہم کانگرس سے سرمایہ دار اور زمیندار کو بے دخل کر دیں اور دونوں صورتوں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ دیکھنے میں بات ایک ہی ہے لیکن دو طرح حل ہوسکتی ہے۔ ایک انقلابی شان سے اور عام لوگوں کے انقلابی مطالبہ کو ذہن میں رکھکر دوسرے اوپر کے لوگوں اور خاص کر جاگیرداروں کے طبقہ کو مطمئن کرکے۔ کامریڈ رائے نے اس موقعہ پر نہایت ارزاں قسم کی ہردلعزیزی کا سہارا لیا۔

کل کی بات ہے کہ میرے عزیز دوست کامریڈ بیدی نے پنجاب سوشلسٹ کانفرنس کے خطبۂ صدارت میں کانگرس کی اس پالیسی پر کچھ عجیب انداز میں تنقید کی۔ انھیں ایک ساتھ یہ خوف ہوا کہ کانگرس مسلم ماس کنٹیکٹ کمیٹی نہیں جارہی بلکہ وہ پیر دہ مسلم فرقہ پرستی کو سہارا دے رہی ہے۔ میں یہ مانتا ہوں کہ اس قسم کا خطرہ ممکن ہے۔ اس کا امکان ان صوبوں میں اور بھی زیادہ ہے جہاں مسلم آبادی بکثرت ہے اور کانگرس کا اندرونی نظام زیادہ مضبوط اور پختہ کار نہیں ہے۔ بالفاظ دیگر میرے نزدیک یہ شکایت کانگرس سے نہیں بلکہ ہیں اپنے آپ سے ہے اور جہاں ہمارا کانگرس کا نظام کمزور ہو وہاں مسلمانوں کا ہی نہیں بلکہ عوام کا ہر سوال فرقہ وارانہ صورت اختیار کرسکتا ہے۔

اپنے ساتھیوں اور دوستوں کے اس خوف وہراس کو دیکھکر کبھی کبھی میرے دل میں یہ سوال اٹھتا ہے کہ انقلاب پرست ہوتے ہوئے بھی ہم فرقہ پرستی کی مردہ اور مضمحل طاقت سے اس درجہ کیوں گھبراتے ہیں ہمیں نظری مطالعہ کے علاوہ خود سیاسی تجربہ نے بتا دیا ہے کہ فرقہ پرستی کسی جمہوری جدوجہد کی متحمل نہیں ہوسکتی ہے۔ فرقہ پرستی کا اصلی علاج اور دفعیہ یہی ہے کہ انجمنوں کو جمہوری جدوجہد کے لئے مجبور کیا جائے۔

میرے نزدیک اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ ہم میں سے بہت سے سوشلسٹ عوام سے دور رہ کر زندگی بسر کرتے اور موجودہ حالات کو گھٹا بڑھا کر اپنے نظریے بناتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بعض اوقات بجائے ایک واقعہ اور سوال کو دیکھنے اور اسکا حل ڈھونڈھنے کے ہم سرے سے اسکا انکار کر دیتے ہیں۔ گویا یہ طریقہ انقلاب کے راستہ کو مختصر اور سیدھا بنا دیگا۔ میں سمجھتا ہوں کہ نرم دل کو کانگرس سے اب تک مزدل نہ کرنے کی بڑی وجہ یہی ہے کہ ہم عوام کے قریب ابھی تک نہیں پہونچے ہیں۔

مثلاً مسلمانوں میں کام کرنے کے سوال کو ہی لیجئے۔ عام طور پر سوشلسٹ تو خود فرقہ پرستی کے وجود پر کچھ اس طرح شرمندہ ہے جس طرح ایک زمانہ میں ہر وطن پرست قومی جہالت اور رسم پرستی سے پشیمان ہوتا تھا اور ہر محب وطن کو بار بار اس کی فکر رہتی تھی کہ غیر ملک کے لوگ کہیں ہمیں غیر متمدن نہ قرار دیدیں۔ بہت سے ایسے سوشلسٹ نکلیں گے جن کے نزدیک جبتک عوام ایک خاص سیاسی اور جمہوری سطح پر نہ آجائیں سوشلسٹ پروگرام پر زور دینا بیکار ہے۔ چنانچہ ایسے لوگ آہستہ آہستہ "خالص" کانگرسی ہوتے جاتے ہیں۔ یا سیاسی "اعتراف" کے اس درجہ پر ہیں جیسے کامریڈ رائے پیش کر رہے ہیں۔

سامراج کی پالیسی کو دیکھتے ہوئے مسلمانوں کا سوال ہمارے نزدیک ایک خاص اہمیت رکھتا ہے اور ہمیں سوشلسٹ کی حیثیت سے یہ ذمہ داری خود سنبھالنا ہے۔ ان لوگوں کے کندھوں پر ڈالنا نہیں ہے جو کانگرسی کی حیثیت سے مسلم لیڈروں اور فرقہ پرستوں سے سمجھوتہ کرنے کو برا نہیں سمجھتے جنھوں نے کانگرس میں سوشلسٹ پارٹی کے وجود کو تسلیم کیا تھا اور آج بھی ایک پیکٹ کیلئے تیار بیٹھے ہیں۔ عوام سے قریب ہونے کے خیال سے مسلمانوں سے رابطہ بڑھانے کا سوال خالصتاً عملی ہے۔ ہر قوم پرست کو چاہیے کہ ہر صوبہ میں اس طور پر کام کرے کہ فرقہ داری کے رجحان کا امکان نہ رہے حیثیت یہ ہے کہ حالات کے لحاظ سے اس کی ذمہ داری ہم ہی لے سکتے ہیں۔ غیر سوشلسٹ یا تو یہ کام سرے سے کرینگے ہی نہیں یا پھر فرقہ پرستی کا اسقدر احترام کرینگے کہ اس کام کو خراب کر دینگے۔ مسلمانوں میں صحت کے ساتھ کام کرنے کے لئے ایک انقلابی اور جمہوری رجحان کی ضرورت ہے تاکہ "فرقہ" اور "قوم" کے بکھیڑوں سے دور رہ کر ہم عام لوگوں کے سامنے انقلاب کا پروگرام پیش کرسکیں اور کانگرس کے موجودہ پروگرام سے اسکا تعلق سمجھا سکیں۔ یہ فریضہ صرف وہ لوگ ادا کرسکتے ہیں جو ہندو مسلمان ذہنیت سے بالاتر صحیح اور ذمہ دارانہ انقلابی ذہنیت رکھتے ہیں۔

جس طرح ایک بڑی لڑائی سے پہلے ایک تجربہ کار جنرل اپنی فوج کی ترتیب دیتا ہے اسیطرح آنے والی انقلابی جدوجہد کے خیال سے ہم عوام کی تیاری اور تربیت پر غور کر رہے ہیں۔ مسلمان ہر لحاظ سے اس انقلابی جدوجہد کا ضروری اور فیصلہ کن جزو ہیں اس لئے کہ مسلمانوں میں سرمایہ دارانہ رجحانات کے پلنے اور بڑھنے کی گنجائش نہیں ہے۔ مسلمانوں کے اعلےٰ طبقے علانیہ طور پر کامل آزادی کے نام سے جی چراتے ہیں۔ آج انکے لیڈر انقلاب کا نام لیکر مسلمان عوام کو انقلاب سے دور رکھنا چاہتے ہیں۔ مسلمانوں میں جہاں دیکھو دو ٹوک سماجی تقسیم ہوتی جاتی ہے۔

ایسی حالت میں اگر ہم سوشلسٹ خیال کے لوگ مسلمانوں کی طرف متوجہ ہوں اور اس فرصت میں جم کر کام کریں اور ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں چھوٹی حیثیت کے مسلمانوں کو کانگرس کا ممبر بنالیں تو یقینی طور پر ہم انقلاب کی راہ میں ایک بہت بڑا قدم اٹھائینگے۔ بغیر اس کے ہماری مشکلات اور انقلاب کی مشکلوں کی آسانیاں بہت بڑھ جائیں گی، روس، چین اور اسپین کا سبق ہمارے سامنے ہے۔

---

## اگلے پرچے کے مضامین

دو مسجدیں ←←← از جواہر لال نہرو

برطانوی سامراج ایک روسی کی نظر میں

از پروفیسر ازداویچ

# چین اور جاپان کی لڑائی

از رام منوہر لوہیا

## چین نیم نوآبادی ہے

چین میں خود مختار حکومت قائم ہے۔ اس کی اپنی قومی فوج ہے اور سفیر و قونصل بھی مختلف ممالک میں موجود ہیں، غرضیکہ وہ تمام خارجی اور ملکی صفات جو ایک حکومت خود اختیاری میں ہونی چاہئیں اس میں موجود ہیں لیکن پھر بھی چین آزاد نہیں زیادہ سے زیادہ اسکو ایک نیم نوآبادی کہا جاسکتا ہے۔ اسکے خاص خاص ساحلی مقامات مثلاً ٹینٹسن، شنگھائی، اور ہانگ کانگ اور کچھ اندرون ملک کے علاقے مثلاً پیپنگ کے بعض حصے دوسروں کے قبضے میں ہیں۔ ان علاقوں میں قبضہ قائم رکھنے والی غیر ملکی سپاہ اور انکی مدد کے لئے بحری اور ہوائی بیڑے بھی موجود رہتے ہیں۔ چین کو اپنے دریاؤں میں بھی پورے پورے حقوق حاصل نہیں ہیں۔ چنانچہ تجارتی جہازوں کے علاوہ غیر قوموں کے تباہ کن جنگی جہاز دریائے یانگ تسی اور دوسرے دریاؤں میں ۱۰۰۰ میل تک ملک کے اندر آتے جاتے ہیں۔ درآمد و برآمد پر محصول لینے کا حق مختلف معاہدوں کے ذریعہ چین کے ہاتھ سے قریب قریب بالکل نکل چکا ہے۔ اسکے علاوہ دوسرے ملکوں نے خاص فوجی مظاہرے کرنے کا حق بھی حاصل کرلیا ہے۔ اس طرح ملکی آزادی پر غیر ملکی قبضہ ہوتا جاتا ہے لیکن ایک چیز اور ہے جس سے چین سامراجی قوتوں کے آگے بے بس ہے۔ اور وہ اسکا قومی قرضہ اور تجارت میں لگا ہوا بیرونی سرمایہ ہے۔ اسوقت تقریباً دس کروڑ روپیہ کی مالیت کا برطانوی اور ۲۰ کروڑ کی مالیت کا جاپانی سرمایہ ہے۔ اور اسکے علاوہ دوسری قوموں کا بھی کافی سرمایہ چین کی تجارت اور قومی قرضے میں لگا ہوا ہے۔ انھیں وجوہات سے جاپان شمالی اور برطانیہ و فرانس جنوبی صوبوں کی اندرونی سیاسیات میں دخل انداز ہوتے ہیں اور پیکنگ کی مرکزی حکومت میں جاپان، برطانیہ، فرانس و نیز ریاست ہائے متحدہ امریکہ برسر اقتدار ہیں۔ لہٰذا چین نہ تو اقتصادی نقطۂ نگاہ سے آزاد ہے اور نہ اسکو اپنے خاص خاص قومی مسائل پر کوئی اختیار باقی ہے۔

چین کی سرحدیں شمال میں روس سے، مغرب اور جنوب میں تبت اور برما و انڈو چین کی برطانوی و فرانسیسی مقبوضات سے۔ اور مشرق میں جاپانی نوآبادیات کوریا اور فارموسا اور امریکن نوآبادی جزائر فلپین سے ملتی ہیں۔ اور یہ تمام طاقتیں جو چین کو گھیرے ہوئے ہیں اسکے معاملات میں دخل دیتی رہتی ہیں اور اسکے اندرونی مسائل پر برابر کسی نہ کسی طرح اپنا اثر ڈالتی رہتی ہیں۔

## چین کی حکومت اور سیاسی جماعتیں

سنہ ۱۹۱۱ء کے انقلاب کے بعد بھی جبکہ سون یات سین کی عارضی جمہوریت قائم ہو چکی تھی۔ مقامی فوجی افسران۔ امرا۔ تجار اور غیر ملکی سرمایہ کی مدد سے چین کے اکثر حصوں پر حکومت کرتے رہے۔ سون یات سین کی زندگی میں جنوبی مغربی کوانگ تنگ اور کینٹن کی حکومتیں اسکے تینوں اصول (یعنی قومیت، جمہوریت اور عوام کی بہتری) قبول کرچکی تھیں اور تمام چین کے کسانوں مزدوروں اور طالب علموں کی امیدیں انھیں اصولوں سے وابستہ تھیں۔ سنہ ۲۶ء میں دیسی سپاہ اور مدبرین کی مدد سے ایک اسکیم بنائی گئی کہ شمال میں فوجی افسروں کی حکومتوں کو ختم کرکے پورے ملک میں جمہوری حکومت قائم کردی جائے اور اس طرح سے غیر ملکی قبضہ سے چھٹکارا حاصل کرلیا جائے اور زمینداروں اور سرمایہ داروں کو دباکر عوام کو ابھارا جائے تاکہ قوم ترقی کی راہ پر گامزن ہو۔ اس میں کامیابی ہوئی اور سنہ ۲۷ء میں نینکنگ چین کی قومی حکومت کا مستقر بنا دیا گیا۔ لیکن بیرونی مراعات اور فوجیں قائم رہیں اور سامراجی قرضوں کو بھی ختم نہ کیا گیا۔ صرف چند فوجی حکمرانوں کی سلطنت ضبط کی گئی اور اکثر صرف کہنے کو مرکزی حکومت کے ماتحت رہے۔ زمینداروں کا ظلم بھی بدستور قائم رہا۔ مرکزی حکومت اپنے اصلی مقصد یعنی سون یات سین کے تین اصولوں کے مطابق نہ چل سکی۔

جس جماعت نے ان اصولوں کو قائم کرنے کے لئے شمال میں مہم بھیجنے کا بندوبست کیا تھا اس کا نام کومن ٹانگ (عوام کی جماعت یا قومی انقلابی جماعت) تھا۔ جیسے جیسے اس مہم کو کامیابی ہوتی گئی ویسے ہی ویسے یہ بھی ظاہر ہوگیا کہ اس قومی جماعت میں تین مختلف خیالات کے لوگ ہیں اور پارٹی کا انتشار یقینی نظر آنے لگا۔ اس جماعت کے داہنے بازو کو چیانگ کائی شیک کی رہنمائی میں عوام کے اکثر طبقوں کی مدد حاصل تھی لیکن وہ بیرونی سرمایہ، امیروں اور فوجی حکام کی مدد کو بھی ہاتھ سے نہ دینا چاہتی تھی۔ اس پارٹی کو آخر کار فتح حاصل ہوئی کومن ٹانگ کا بایاں بازو کچھ عرصہ تک وسطی چین میں برسر اقتدار رہا لیکن سنہ ۱۹۳۱ء میں کوانگ تنگ کے صوبے میں اسکے قدم مستقل طریقہ سے جم گئے۔ باہری سرمایہ اور ملکی امارت پرستوں کی وجہ سے یہ پارٹی چیانگ کائی شیک کی پارٹی کی مخالف تھی سنہ ۲۷ء میں قومی تحریک کی ظاہری فتح (جو دراصل شکست تھی) کے بعد کمیونسٹ لوگ دبا دئے گئے اور کسانوں اور مزدوروں کی سبھائیں زبردستی توڑ ڈالی گئیں لیکن کچھ ہی عرصہ بعد انھوں نے کیانگ سی کے جنوبی مشرقی صوبہ میں اپنی حکومت قائم کرلی۔ اور حال ہی میں ۸ ہزار میل زمین فتح کرکے حکومت شانسی کے شمالی مغربی صوبے تک پھیلا لی۔ اب سے تقریباً دس سال سے چین میں خانہ جنگیاں ہوتی رہیں جس سے تعمیری کام ہونے کے بجائے ہر طرف بدامنی پھیل گئی۔ چیانگ کائی شیک نے مزدوروں کی حکومت کو پسپا کرکے ملک میں اتحاد پیدا کرنا چاہا لیکن چھ فوجی مہموں کے باوجود وہ کامیاب نہوسکا، اس اثنا میں عام سیاسی بیداری کی وجہ سے امیروں اور فوجی افسروں کی گرفت کمزور ہوگئی، قصبوں اور دیہاتوں کے رہنے والے ۴۵ کروڑ آدمی جمہوری اور اقتصادی نقطۂ نگاہ سے قوم کی ترقی اور بہبودی کا راستہ تلاش کرنے لگے۔ اس جذبہ کے ماتحت عوام نے جاپان کے خلاف احتجاج کیا۔ اب ایسا معلوم ہوتا ہے نینکنگ کی حکومت نے فوج کی مدد سے عوام کو دبانے کے بجائے (جسپر وہ دس سال سے کام کررہی تھی) جمہوریت کا رواج، سامراج کی مخالفت، اور ملک

میں یکجہتی پیدا کرنا اپنا نصب العین بنایا ہے۔ اب بیرونی قوتوں کے خلاف ایک متحدہ محاذ قائم ہو رہا ہے جسمیں بہ نسبت پہلے کے عوام کا ہاتھ بہت زیادہ ہے۔

## جاپان کی کوشش اپنے مقبوضات بڑھانے کیلئے

دوسرے ملکوں کیطرح جاپان میں بھی سرمایہ داروں کا طبقہ موجود ہے جسکو ایسے مقبوضات چاہئیں جہاں اپنی بنائی اشیار کے بدلے کچا مال حاصل کریں اور اپنا بچا ہوا سرمایہ لگا کر فائدہ اٹھائیں۔ گزشتہ ۴۰ سال سے جاپان نوآبادیوں کے لئے جد وجہد کر رہا ہے، ۱۹۳۱ء سے جبکہ اس نے منچوریا پر قبضہ جمایا ہے اس کی حرص بڑھتی ہی جاتی ہے۔ اس کی بری فوجیں چین پر قبضہ کرنے کو ہر وقت تیار رہتی ہیں، لیکن اسکے بحری بیڑے کو جنوب کی طرف بڑھنے کی خواہش ہے۔ اسکے نزدیک ملایا اور سیام کی بڑی اہمیت ہے۔ ان حصوں میں جاپان کی تجارت برابر بڑھ رہی ہے۔ مثلاً جاوا سماٹرا کی تجارت میں جنگ کے قبل جاپان کا حصہ ۱/۲ فیصدی تھا اور اب بڑھتے بڑھتے ۱۹۳۳ء میں ۳۰ فیصدی ہو گیا۔ اس ترقی کے ساتھ ہی ساتھ برطانیہ، فرانس اور ہالینڈ سے جاپان کی دشمنی بھی بڑھتی جا رہی ہے

جاپان کا چین پر حملہ بھی اسی استبدادیت کی مثال ہے جو اٹلی نے حبشہ کو هضم کرنے میں دکھائی، دونوں نے یکساں عذر قوتوں کی بنا پر حملے کئے اور ان حملوں سے دونوں کا مقصد بھی یکساں تھا۔ سامراجی ممالک کی اقتصادی بنیادیں ہلی جا رہی ہیں۔ اور عوام میں بے چینی پھیل رہی ہے۔ لڑائی کے ڈر سے ہر ملک کچے مال اور اہم جنگی مقامات کی ضرورت محسوس کر رہا ہے ۱۹۳۵ء میں اٹلی نے حبشہ پر اپنا ہاتھ بڑھایا اور ۱۹۳۷ء میں جاپان نے چین کی طرف رخ کیا ان دونوں ملکوں میں مظلوم ممالک کے علاوہ اور بہت سی باہری قوتوں کے اقتدار کو بھی خطرہ تھا اور ان لڑائیوں میں غیر ملکی قوتوں کی چال ڈھال سے بھی اسکا پتہ چلتا ہے۔

## شمالی چین میں جنگ

شمالی چین میں پانچ صوبے۔ شینٹنگ۔ شانسی۔ چہار۔ اور سویوان ہیں۔ ان کی آبادی ۸ کروڑ ۲۰ لاکھ ہے۔ شمالی چین تمام ملکوں کے زرخیز ترین خطوں میں سے ہے اور آبادی کے لحاظ سے بھی تمام دیگر حصوں سے بڑا ہے۔ اس میں مختلف دھاتوں کی بہت سی کانیں بھی پائی جاتی ہیں۔ سارے ملک میں ڈھائی لاکھ ٹن کوئلے کا اندازہ کیا جاتا ہے اور تنہا شمالی چین میں اس کا ۵۳٫۹ فیصدی کوئلہ موجود ہے، کانوں کی کمپنی میں زیادہ تر جاپانی اور برطانوی سرمایہ لگا ہوا ہے منچوریا میں کل لوہے کی پیداوار کا ۸۰ فیصدی حصہ پایا جاتا ہے اور ۱۰ فیصدی شمالی چین میں ہے، لیکن شمالی چین کا لوہا منچوریا کے لوہے سے اچھا ہے۔

سوت کاتنے کے بیس فیصدی اور کپڑا بننے کے ۲۵ فیصدی کارخانے شمالی چین میں پائے جاتے ہیں جن میں سے ۱/۲ جاپانی ہیں۔ ان حالات سے بخوبی معلوم ہو جائے گا کہ شمالی چین میں کسقدر دولت ہے اور جاپانی سرمایہ نے اس دولت پر کیا قبضہ جما رکھا ہے۔

پچھلی دفعہ جب جاپان نے منچوریا سے نکل کر شمالی چین کی طرف بڑھنا چاہا تو اسکو جھیل ہی پر رکنا پڑا تھا اور گذشتہ تین سال سے وہ صرف صوبجاتی خودمختاری ہی کیلئے کوششیں کر رہا ہے۔ اس درمیان میں آزادی کی تحریک تمام پیپنگ کے طالبعلموں، کسانوں اور مزدوروں میں پھیل گئی اور وہ سب جاپانی استبداد کے خلاف احتجاج کرنے لگے۔ چنانچہ موجودہ جنگ سے قبل بھی تمام ملک میں جاپانی مال کے بائیکاٹ کی تحریک جاری تھی۔

۷ جولائی کی رات کو چینی اور جاپانی سپاہ کے درمیان جبکہ وہ چینی حدود کے اندر لوکوچیاؤ پر اپنا جنگی مظاہرہ کر رہے تھے گولی چلی۔ جاپانیوں کا دعویٰ ہے کہ ۳۶ سال پہلے ایک صلحنامہ کے بموجب انکو اپنا مظاہرہ کرنیکا پورا پورا حق حاصل تھا۔ گولی چلنے کے صحیح اسباب اب تک نہیں معلوم ہوسکے لیکن چینیوں کا بیان ہے کہ لوکوچیاؤ کا پل جنگی حیثیت سے انتہائی ضروری ہے کیونکہ اس سے پیپنگ، ہانکو ریلوے پر بھی قبضہ قائم رہتا ہے۔ جاپان شمالی چین میں اپنی قوت مضبوط کرنے کے لئے اس پل پر قبضہ کرنا چاہتا تھا اور اس سے اس کا مقصد وسطی چین کو شمالی چین سے بالکل علیحدہ کر دینے کا تھا۔

اس کے بعد کے واقعات سامراجی زبردستیوں کو بخوبی ظاہر کرتے ہیں ۱۷ جولائی کو جاپان نے نانکنگ کی حکومت سے کہا کہ وہ شمالی چین کو اسکے حال پر چھوڑ دے کیونکہ وہاں کی کونسل میں اس کشمکش کے حل کرنے کی قابلیت موجود تھی۔ نانکنگ کی حکومت نے جواب دیا کہ شمالی چین در اصل چین ہی کا ایک حصہ ہے اور جاپان اسکے سیاسی یا قومی معاملات میں کوئی دخل نہیں دے سکتا اور ہر قسم کی صلح کی بات چیت براہ راست مرکزی حکومت سے ہونا چاہئے۔ جاپان چین کو ٹکڑوں میں تقسیم کرنا چاہتا تھا اور حکومت اتحاد پر مصر تھی۔ لڑائی کی خبروں سے بھی پتہ چلتا ہے کہ خواہ یہ ارادی ہو یا غیر ارادی لیکن جاپان برابر پیپنگ ہانکو ریلوے کی جانب بڑھ رہا ہے۔

## سامراجی لڑائیاں

مشرق بعید میں برطانیہ کی خاص سامراجی طاقت ہے اور وہ ۱۹۳۸ء تک سنگاپور میں اپنے مشرقی بیڑے کی طاقت پورے ۴۰ جہازوں کی کر دینا چاہتی ہے۔ اس نے فرانس سے دوستی کر کے انڈو چین کے ۲ کروڑ ۳۰ لاکھ باشندوں اور ہالینڈ سے ملکر جاوا اور سماٹرا کے ۶ کروڑ رہنے والوں پر قبضہ کر رکھا ہے۔

ریاستہائے متحدہ امریکہ نے فلپائن اور دیگر جزائر پر قبضہ کرنے کے علاوہ نانکنگ کی حکومت کو بھی کافی نقد و جنس قرض دیا ہے۔ برطانیہ بھی ساحلی شہروں اور اندرونی علاقوں میں دلچسپی لے رہی ہے، کہا جاتا ہے کہ جرمنی اور اٹلی نے بھی نانکنگ کو ماہرین جنگ اور ہوائی جہاز وغیرہ پہونچائی ہے غرضیکہ چین اور مشرق بعید میں مختلف سامراجی قومیں اپنا اپنا زور لگا رہی ہیں اور غالباً یہی وجہ ہے کہ آجکل چین کے متعلق اخبارات میں اسقدر چیخ پکار مچی ہے

اسی لئے یہ طاقتیں چین کے معاملات میں جاپان کی دخل اندازی کو لڑائی کی حیثیت سے نہیں بلکہ اپنے لئے ضرر اور نقصان دہ ہونے کی حیثیت سے برا سمجھتی ہیں۔ جاپان کی شکست کا نتیجہ یہ ہوگا کہ چین کی طاقت بڑھ جائیگی اور روس سے اسکے تعلقات اور بہتر ہو جائیں گے اس کا اثر یہ بھی ہوگا کہ ملایا اور انڈوچین اور جاوا سماٹرا میں مراعات سامراجی قوتوں کے ہاتھوں سے نکل جائیں گی، اس طرح ان قوتوں کے سامنے دو راستے ہیں ایک تو اپنے ہی ساتھی کے ہاتھوں اپنے وقار کو برباد ہوتے دیکھنا اور دوسرے تمام سامراجی قوتوں کی فنا کا مشاہدہ کرنا۔ اسی واسطے برطانیہ اپنے سفیر کی معرفت ہر کام میں اپنی ٹانگ اڑانے کی کوشش کر رہی ہے۔

## ہندستانی فوج کی چین کو روانگی اور جنگ کا خطرہ

برطانوی، جاپانی، امریکن، اور فرانسیسی ہتھیاروں کی اس نمائش میں

حکومت برطانیہ نے ہندستانی فوج بھی بھیجی ہے۔ بظاہر انکا مقصد ہندستانی اور کبھی کبھی انگریزی سرمایہ اور آبادی کی حفاظت کرنا ہے۔ فطرتاً ہندستان نے اپنے سپوتوں کے اس کام میں استعمال کئے جانے پر اعتراض کیا ہے۔ اور واقعی ہندستانی فوج کی روانگی بیجا اور نفرت انگیز ہے اس کا ایک مقصد یہ ہے کہ سامراجی مفاد کے لئے دوسرے مقامات پر ہندستانیوں کو بھینٹ چڑھایا جاسکے اور دوسرا یہ کہ چین میں برطانیہ کے قبضہ کو مستحکم کرنے کے لئے ہندستان سے ناجائز فائدہ اٹھایا جائے۔

فرض کیجئے برطانیہ اور جاپان میں لڑائی چھڑ جائے اسوقت بھی ہمکو برطانیہ کے ساتھ شریک نہ ہونا چاہیئے، اس جنگ میں برطانیہ کا ساتھ دینے سے چین کو بہت تھوڑا نفع ہوگا اور وہ بھی عارضی۔ کیونکہ آگے چلکر جاپان کی شکست سے برطانیہ کی گرفت مضبوط ہوجائیگی۔ ہندستان کے لئے چین کی مدد کرنیکا اس سے بہتر ذریعہ یہ ہے کہ وہ پہلے خود آزادی حاصل کرلے اور پھر جسطرح چاہے چین کی مدد کرے۔ غالبًا اسوقت ہندستان بھی باہمی مدد کے صلحنامہ میں جو ابھی حال ہی میں چین اور روس کے درمیان ہوا ہے ایک فریق ہوسکیگا

اسی طرح جاپانی مال کے بائیکاٹ کا کوئی اثر اسوقت ہوسکتا ہے جب جاپانی مال کے بجائے برطانوی نہیں بلکہ دیسی اشیا خریدی جائیں۔ سامراج ایک زبردست زنجیر ہے، اس کی ایک کڑی توڑنے کیلئے دوسری کڑی کو مضبوط کرنا ٹھیک نہیں۔ اسکے علاوہ چین کو برطانوی سامراج سے بھی اتنا ہی نقصان ہورہا ہے جتنا کہ جاپان سے۔

آجکل دو لڑائیاں جاری ہیں، ایک چین میں اور دوسری اسپین میں۔ اور انکے علاوہ کئی جگہ اور بھی مثلاً حبشہ میں اور دوسرے مقامات میں جو جنگ چھڑی ہوئی ہے، ابھی یقین کے طور پر یہ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ تمام محاذ ایک عالمگیر جنگ کی صورت کب اختیار کرلیں گے لیکن اتنا تو یقینی ہے کہ وہ دن دور نہیں۔ ہندستان نے بھی طے کرلیا ہے کہ ایسی صورت میں اس کا رویہ کیا ہوگا۔ انڈین نیشنل کانگریس برطانیہ کے ساتھ ہندستان کو جنگ میں ہرگز کودنے نہ دے گی۔ عوام کو اسکے لئے تیار رہنا چاہیئے۔

# جاہ پرست مسلم لیڈر سے خطاب

وطن والے کہا کرتے ہیں غدار وطن جسکو
غلامی کا سبق دیتا ہے مسلم کو جو بڑھ بڑھ کر
جو اپنے بھائیوں کا تازہ تازہ خون پیتا ہے
بنا رکھا ہے جس نے وہ طلسمی آئینہ خانہ
ہمیں آزادیاں ملتی نہیں جس کی عنایت سے
سن اے مسلم کے لیڈر تو ہی وہ عیار شاطر ہے
نہ تھی منظور خود تجھکو اگر مسلم کی بربادی
رہا سودا ترے سر میں فقط کرسی نشینی کا
سوالی ہو کے غیروں سے حق اقلیم لیتا ہے
کبھی آکر نہ دی میدان میں تعلیم عمل تو نے
رہا ہر وقت اہل درد کو تجھ سے یہی رونا
نہ کھائی خشک روٹی بیٹھ کر تو نے غریبوں میں
نہ کی اطفال مسلم کی دماغی تربیت تو نے
وطن کی صنعتیں جائز نہ ٹھہریں تیرے ایماں میں
لیا سیچتر مایۂ قومی سے کام اپنی امارت کا
یقیں کر جاگ اٹھا ہے کارواں آفت کے ماروں کا

چمن والوں نے سمجھا عمر بھر حسنا رحین جسکو
دیا کرتا ہے جو تسکین سحر کر پڑھ پڑھ کر
ہو کھا کر جان ملک و قوم کی دنیا میں جیتا ہے
نظر آتی ہے رحمت جس میں ہر رسم غلامانہ
نکلنے جو نہیں دیتا ہمیں زندانِ لعنت سے
تری ہستی وہ ہستی ہے جو سب کو بارِ خاطر ہے
لبِ خاموش سے نکلا نہ کیوں اعلانِ آزادی
نگاہِ تنگ سے کیا کام لیتا دوربینی کا
بھکاری بن کے ہمکو بھیک کی تعلیم دیتا ہے
ارے پہونچا دیا مسلم کو نزدیک اجل تو نے
نہ سکھلایا ہمیں خود پاؤں پر اپنے کھڑا ہونا
نہ آیا تو گزی گاڑھا پہن کر ہم فقیروں میں
نہ پھونکی قوم مردہ دل میں روحِ حریت تو نے
رہیں بیرونی اشیا جلوہ گر تیرے شبستاں میں
غریبوں کے لئے کھولا نہ دروازہ معیشت کا
جنازہ اب نکلنے والا ہے سرمایہ داروں کا

بہاتے ہیں جو اپنا خون اب تیرے پسینے پر
انھی کی گولیاں ہونگی کسی دن تیرے سینے پر

"منیر احمد یقین"

# آزاد مسلم لیگ

(محمد فرحت اللہ)

سید ذاکر علی سکریٹری آل انڈیا مسلم لیگ کا خیال ہے کہ آزاد مسلم لیگ محض کانگریس کی ایک ایجنسی ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں کو جو کانگریس میں داخل ہونے کو تیار ہیں پہلے اس مسلم ادارہ میں شامل کیا جائے پھر انکو کانگریس میں پہونچا دیا جائے۔ یہ ایک بے بنیاد الزام ہے۔ آزاد مسلم لیگ عام مسلمانوں میں سیاسی و اقتصادی بیداری پیدا کرنے والا ایک آزاد ادارہ ہے۔ اس کا مقصد نہ مسلم لیگ سے آویزش ہے۔ اور نہ کانگریس سے آمیزش۔ ممکن ہے۔ مسلم لیگ کی بے نیازی کا یہ نتیجہ ہو کہ وہ تمام بے چین مسلمان جو آج آزاد مسلم لیگ کے ذریعہ مسٹر جناح تک اپنی فریاد پہونچا رہے ہیں۔ کل مجبور ہو کر کانگریس میں شریک ہو جائیں۔ لیکن اگر یہ بات مسلمانوں کے لئے مہلک ہے۔ تو اس ہلاکت کی ذمہ داری ان ارباب مسلم لیگ کے سر ہوگی جو غریبوں کی اس اجتماعی فریاد کو قابل سماعت نہیں سمجھتے۔ موجودہ حالت میں آزاد مسلم لیگ کو اگر کسی ادارہ سے وابستگی ہے۔ تو صرف مسلم لیگ سے۔ اور یہ وابستگی محض نام کی نہیں۔ جو کام آزاد مسلم لیگ نے شروع کیا ہے وہ صرف مسلمان غریبوں کے حقوق پر مشتمل ہے۔ اور اس لئے اس کا مخاطب مسلمانوں کی نمائندہ جماعت مسلم لیگ سے ہے وہ کانگریس یا حکومت برطانیہ سے اپنے حقوق کی بھیک نہیں مانگتی۔ وہ چاہتی ہے کہ خود مسلمانوں میں اتنی طاقت اور بیداری پیدا ہو کہ وہ اپنے حقوق کو کسی فرقہ اور کسی طبقہ کے ہاتھوں بھی پامال نہ ہونے دے۔

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ آزاد مسلم لیگ جناحی مسلم لیگ سے علحدہ رہ کر کیوں مطالبات پیش کرتی ہے۔ سید صاحب یہ فرماتے ہیں کہ کسی شخص کی جماعت سے باہر رہ کر یہ توقع کرنا کہ پہلے جماعت اپنی پالیسی میں تبدیلی کرے تب میں داخل ہوں بیجا تصور کی جائے گی۔ بیشک اگر کوئی شخص اپنی انفرادیت کو اتنا اہم سمجھتا ہے۔ تو وہ غلطی پر ہے مگر ایسے افراد جناحی مسلم لیگ ہی میں ملتے ہیں جنھوں نے کانگریس میں شرکت کر لئے یہ بے معنی شرطیں پیش کی ہیں۔ آزاد مسلم لیگ کے مطالبات ان لاکھوں مسلمانوں کے مطالبات ہیں جو مزدور ہیں۔ کسان ہیں۔ ٹھیلے والے ہیں۔ اور خوانچے والے ہیں۔ اسکا یہ مطالبہ نہیں کہ مسلم لیگ کی کونسل یا لجسلیٹیو اسمبلی میں اسکے نمائندہ کو بھی ایک نشست عطا ہو۔ اور اگر نادار مسلمانوں کی یہ بڑی اکثریت ابتک مسلم لیگ سے باہر ہے تو اس سے زیادہ مسلم لیگ کی بے عملی کا ثبوت کیا ہو سکتا ہے۔ اکثریت آزاد مسلم لیگ کے ساتھ ہے۔ تو اس کا یہ مطالبہ بالکل جائز ہے۔ کہ پہلے مسلم لیگ کے دستور العمل میں تبدیلی ہو۔ تب وہ مسلمانوں کی نمائندہ جماعت سمجھی جا سکتی ہے

"سیاسی جماعتوں کا پروگرام کوئی مستقل چیز نہیں۔ ترقی و تبدیلی کا سلسلہ ہمیشہ جاری رہتا ہے۔" تعجب ہے کہ سید صاحب سیاسی جماعتوں کے پروگرام کے متعلق اتنی ترقی پسند رائے رکھنے کے باوجود مسٹر جناح کو ایسا پروگرام بنانے کی ترغیب دلاتے جو زمانہ کے ساتھ ساتھ بدل سکتا۔ شاید وہ مسلم لیگ کو سیاسی جماعت نہیں سمجھتے۔

خود کانگریس کی مثال لیجئے ۱۹۲۲ء سے ۱۹۲۷ء تک مسلسل جد و جہد کے بعد کانگریس کا مطمح نظر آزادی کامل قرار پایا۔ لیکن اس سعی کو جاری رکھنے والوں نے ..... مسعود آزاد کانگریس قائم نہیں کی،" یہ سچ ہے کانگریس کا پروگرام سال بہ سال بلکہ روز بروز بدلتا رہا۔ یہاں تک کہ اب اس کا مطمح نظر آزادی کامل ہے اور پھر بھی کانگریس کا ایک معتد بہ حصہ اس سے مطمئن نہیں ہے۔ وہ اور زیادہ ترقی پسند ہے لیکن اسی طرح مسلم لیگ میں بھی ترقی پسند تبدیلیاں کیوں نہیں ہوتی ہیں۔

سید صاحب کے نزدیک اس کا سبب یہ ہے کہ ترقی پسند مسلمانوں نے مسلم لیگ میں شریک ہونے کے بجائے اپنے خبث نفس سے یہی زیادہ مناسب سمجھا کہ وہ علحدہ آزاد مسلم لیگ قائم کریں لیکن اس جواب سے مسلم لیگ کی بے عملی کی زبانی مدافعت نہیں ہوتی۔ مسٹر جناح اور سکریٹری آل انڈیا مسلم لیگ ترقی پسند مسلمانوں کی اکثریت بڑھانے میں مسلسل جد و جہد کرتے اور ہر زمانہ میں عام مسلمانوں کے حقوق کی ترجمانی کرتے تو مسلم لیگ کو مسلمانوں کا وہی اعتماد میسر ہوتا جو آج کانگریس کو حاصل ہے۔ مسلمانوں کا کوئی گروہ بھی مسلم لیگ کے خلاف صدائے احتجاج بلند نہ کرتا اور اگر مسلمانوں میں اپنے سیاسی و اقتصادی حقوق کا اتنا احساس نہیں پیدا ہوا کہ وہ ایک سیاسی انجمن میں شریک ہوتے اور اپنے مقصد کو حاصل کرنے کے لئے ہر طرح کی جنگ کرتے تو اس بےحسی اور مردگی کی ذمہ داری مسلم عوام پر نہیں ارباب مسلم لیگ پر ہے۔ اس لئے ہر سیاسی انجمن کا پہلا کام عوام میں بیداری پیدا کرنا ہے۔ مولانا حسرت نے سنہ ۲۲ء کی کانگریس میں مکمل آزادی کی تجویز پیش کی کانگریس نے اس جذبہ آزادی کی قدر نہیں کی۔ پھر بھی مسلم لیگ نے مسلمانوں کے اس سچے رہنما کی تجویز کو عملی جامہ نہ پہنایا۔ اور خود مولانا نے مسلم لیگ کو رجوع نہ کیا۔ بظاہر مولانا کو کانگریس کی ترقی پسندی پر پندرہ برس پہلے جو اعتماد تھا وہ مسلم لیگ پر آج پندرہ برس بعد بھی نہیں ہے۔

لیکن ہندوستان کی آزادی کا مسئلہ ایسا مسئلہ ہے جو ہندو مسلمان دونوں سے برابر تعلق رکھتا ہے۔ اور مسلم لیگ صرف مسلم حقوق کے تحفظ کے لئے قائم ہے اسلئے یہ دیکھنا چاہئے۔ کہ مسلم لیگ نے خالصاً مسلمانوں کے حقوق کا کہاں تک تحفظ کیا ہے۔ اردو زبان کو اپنی زبان سمجھتے ہیں۔ اسکی حفاظت وہ اتنی ہی ضروری سمجھتے ہیں جتنی کہ سیاسی اور اقتصادی حقوق کی حفاظت۔ لیکن مسلم لیگ نے کبھی اس امر پر توجہ نہ کی کہ مسلم تمدن کیلئے اردو زبان کیا اہمیت رکھتی ہے۔ اردو ہندی کی کشاکش میں مسٹر جناح نے ایک بار بھی اردو زبان کی عملی حمایت نہ کی

تعلیم یافتہ مسلمان تعداد میں کم ہونے کے باوجود ہندوؤں سے زیادہ بے روزگاری کے شکار ہیں۔ لیکن مسلم لیگ نے اس کے دفعیہ کی کوئی صورت نہ نکالی مسٹر جناح کے لمبے لمبے بیانات میں ایک حرف بھی ان مسلمانوں کے حق میں نہیں جو کشمکش روزگار کے شکار ہیں کیا یہ بدقسمت مسلمان مسٹر جناح کے اسلامی بھائی نہیں ہیں۔ کیا انکی اخوت اسلامی صرف ان تعلقہ داران و نوابین ہی تک محدود ہے جن کے پاس اتنا زیادہ روپیہ ہے کہ وہ تمام مصارف تعیش کے بعد بھی مسلم نمائندگی گراں سے گراں قیمت پر خرید سکتے ہیں۔ موجودہ دنیائے صنعت میں بے روزگاری ایک بین الاقوامی مسئلہ ہے۔ اور ہر سیاسی تحریک کا پہلا مقصد بے روزگاری کو رفع کرنا ہے۔ مگر مسلم لیگ نے کبھی اسے قابل التفات نہ سمجھا۔ زمانے کے ستائے ہوئے لاکھوں مسلمان جواہر لال نہرو کے اقتصادی پروگرام کو اپنی مصیبت کا علاج نہ سمجھیں تو مسلم لیگ کی کس امید پر زندہ رہیں۔ مسٹر جناح کی بے نیازی انکا پیٹ نہیں بھر سکتی۔

مسلم کسان اور مسلم مزدوروں کی فلاح و بہبود کے لئے اشتراکی اصول مذہبی شرع کے وہ قوانین کیوں نہیں جاری کئے گئے جو سرمایہ داری کے

خلاف ہیں۔ مسلم تعلقہ داران اور راجگان کو مسلم لیگ کیوں نہیں مجبور کرتی۔ کہ وہ اپنی جائداد کو اسلامی قواعد کے مطابق تقسیم کریں۔ اور ہر لڑکے اور ہر لڑکی کو شرعی حصہ ضرور دیں۔ غریب مسلم کسانوں کی ہمدردی میں کیوں نہیں یہ تحریک کیجاتی کہ مسلم زمیندار حسب حیثیت پچیس ۲۵ سے پچاس فیصدی تک لگان معاف کر دیں۔ مسلم مزدوروں کے تحفظ حقوق کے لئے مسلم لیگ مسلمان مزدوروں کی انجمنی کیوں نہیں قائم کرتی۔ کیا مسٹر جناح اس تاریخی حقیقت سے انکار کر سکتے ہیں کہ موجودہ حالت میں غریبوں کی روز افزوں غریبی اور امیروں کی بڑھتی ہوئی امیری نے اخوت اسلامی کو ایسا مٹا دیا ہے کہ ایک مسلمان سرمایہ دار مسلمان مزدور کا اتنا ہی دشمن ہے جتنا ہندو مزدور کا۔ چھوٹے مسلمانوں کی جائدادیں مہاجنوں نے چھین لیں۔ بڑے مسلمانوں کے اوقاف بھی لوگ غصب کر لے۔ مفاد عام کا تقاضہ تھا۔ کہ مسلم لیگ اس دستبرد کے خلاف اپنی تمام طاقت ختم کر دیتی لیکن مسلم لیگ نے نہ صرف غریبوں کے حقوق کو نظر انداز کیا بلکہ اسلام کے وہ احکام بھی فراموش کر دیئے جو سرمایہ داری کے خلاف ہیں۔ مسلم نشستوں کے جھگڑے اور فرقہ وارانہ مناقشات ان چند مسلمانوں سے متعلق ہیں جو دولتمند ہیں۔ غریب مسلمانوں کی سیاست میں انکی کوئی اہمیت نہیں۔ جو مسائل غریبوں کی رگ جان سے وابستہ ہیں وہ اقتصادی مسائل ہیں۔ اس لئے غریبوں کا اعتماد حاصل کرنے کیلئے ہمیشہ اپنا اقتصادی پروگرام عمل میں لانا ضروری ہے۔ جو عوام کے حق میں مفید ہے۔ اس وقت مسلمانوں کی بے چینی کا سبب صرف یہی ہے کہ مسلم لیگ نے مسلم سیاست کے اقتصادی پہلو پر ذرا بھی توجہ نہیں کی اور مسلم لیگ اس عام بے چینی کا صرف ادنیٰ مظاہرہ ہے۔ اس کے مطالبات اور اعترامات خود بتا رہے ہیں کہ اسکو کانگریس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ارباب مسلم لیگ اگر مسلمانوں کی خدمت اور تنظیم کو اپنا فرض سمجھتے ہیں تو طعن و تشنیع کی جگہ انکو آزاد مسلم لیگ کے مطالبات کو سکون دل سے سننا چاہیئے اور اپنی عملی کوششوں سے مسلم لیگ کی بے عملی کے اعتراض کا جواب دینا چاہئے۔ اسلئے کہ مسٹر جناح اپنے اس دعوی کے باوجود کہ قانون پیشہ ہے۔ اور سیاست میں اکمیل اپنی سیاسی بازیگری کر چکے اور بیکار مسلمانوں کو مطمئن نہیں کر سکتے اور اب جبکہ اقتصادی بیداری پیدا ہو گئی ہے نوجوان اور مضطرب مسلمانوں کا جذبہ عمل کسی بھی منظوری کا انتظار نہیں کر سکتا ہے۔

# اعترافِ گناہ

ماں نے ایک دردبھری سسکی لی۔

پاس ہی بیٹھی ہوئی موٹے اور بد نما خد و خال کی لڑکیوں نے سمجھا کہ آخری وقت آگیا۔ اور یہ سسکی زندگی کی چنگاری کی موت کے بجھنا بعد اکثر ہیں بجھنے سے ہے۔ لیکن نہیں ــــ ماں کی آنکھیں چمک رہی تھیں اور وہ اٹھنے کی کوشش کر رہی تھی قریب بیٹھی ہوئی لڑکی نے ماں کو اٹھا کر دیوار سے ٹیک کر بٹھا دیا اور دوسری لڑکی نے جلدی بوتل سے عرق انڈیلا اور ماں کے منھ سے لگا دیا۔ وہ سمجھی کہ شاید زندگی نے پلٹا کھایا اور بہت ممکن ہے کہ اسوقت عرق اپنا کام کر جائے لیکن اسے کیا خبر تھی کہ جس عرق کو وہ دوا سمجھ رہی تھی اور حکیم صاحب نے جسکو جلدی سے بلا اس کی ماں کا حال سنے ہوئے اپنے پیسے صحیح کرنے کیلئے لکھ دیا تھا وہ زندگی کو بقا سے زیادہ فنا کے قریب پہونچانے کیلئے موزوں تھا۔

"سنو مجھے ایک اعتراف کرنا ہے" ماں کی نحیف آواز کمرے میں گونج گئی۔ نہ معلوم کیوں لڑکیوں کو ایک جھرجھری سی معلوم ہوئی اور انھیں اپنی کوٹھری پہلے سے زیادہ گندی اور تاریک معلوم ہونے لگی۔ چراغ بھی آنکھ جھپکاتا نظر آیا۔

"میں اب صرف چند لمحوں کی مہمان ہوں۔ میں چاہتی ہوں کہ میں نے زندگی میں جو کچھ غلطیاں کیں ہیں انکا اعتراف کروں۔ اور ان سے تمھیں متنبہ کر دوں اور پھر اطمینان سے مروں" ماں نے پھر کہا۔ لڑکیوں کے تعجب سے منھ کھلے کے کھلے رہ گئے انھیں معلوم ہوتا کہ ان کی ماں کے اندر کوئی دوسری طاقت بول رہی ہے۔

"لو سنو۔ میں اور میری بہن ناظمہ ایک نہایت غریب گھر میں پیدا ہوئے تھے۔ ہمارے ابا دائم المرض تھے، وہ کچھ کام کاج نہ کر سکتے وہ ہر وقت پلنگ ہی پر پڑے رہتے۔ اماں ایک نواب صاحب کے یہاں کھانا پکانے پر ملازم تھیں وہ جو کچھ کما کر یا چرا کر لاتیں اسی پر ہم لوگوں کی بسر اوقات ہوتی۔ جب ہم دونوں بہنیں ذرا سیانی ہوئیں۔ تو ہم لوگ بھی نواب صاحب کے یہاں اماں کے ساتھ جانے لگے اور وہاں کام کرنے لگے اور سامان چرانے میں اماں کا ہاتھ بٹانے لگے۔ ناظمہ بڑی خود دار لڑکی تھی اس نے کبھی کوئی چیز نہیں چرائی اور وہ اسکو بہت معیوب سمجھتی لیکن اکثر مجبور ہو کر اسے اماں اور میری چوری میں اعانت کرنا پڑتی مثلاً یہ کہ جب اماں دہی کے جوڑے اپنے پائجامے میں چھپاتیں تو اسے مجبوراً کسی اور طرف کرنا پڑتا۔ جب ہم دونوں بہنیں جو صورت شکل کی بہت ہی خوبصورت تھے سترہ اٹھارہ سال کے ہوئے تو ہر طرف سے ہماری شادی کے پیام آنے لگے اور راہ چلتے لوگ ہمیں اشارے کرنے اور ہم پر آوازے کسنے لگے اس زمانے میں اماں ابا بہت خوش رہتے۔ جیسے ہم لوگ خزانے کی کنجیاں تھے اور بڑا مزا لے لیکر شادی کے پیاموں اور ہمارے منگیتروں پر اظہار خیال کیا کرتے۔ ایک روز مجھے یہ سنکر بڑا افسوس ہوا کہ وہ لوگ میری شادی نواب صاحب کے باورچی سے کرنے والے ہیں۔ میں اس باورچی کو بارہا دیکھ چکی تھی، پچاس سے اوپر کا بڈھا کھوسٹ تھا اور نہ معلوم کتنی بیویوں کو مار چکا تھا۔ باتیں بڑی چکنی چپڑی کرتا، اکثر اس نے ہم بہنوں پر آوازے بھی کسے تھے، مجھے اس سے بڑی نفرت تھی۔ یہ باورچی بہت مالدار تھا، اس نے اماں سے وعدہ کیا تھا میری شادی اسکے ساتھ کر دینے کے صلے میں وہ انکو پچاس روپئے دے گا۔ پچاس روپئے کے نام ہی سے اماں کے منھ میں پانی بھر آیا تھا اور وہ سمجھیں کہ اس رقم کے وصول کرنے کے بعد وہ باطمینان اپنی بقیہ زندگی بسر کر سکیں گی۔ ناظمہ کو میرے ساتھ بڑی ہمدردی تھی وہ کئی بار ابا اماں سے میری خاطر لڑ بھی چکی تھی۔ ایک روز اسنے اماں سے کہا اگر میں تمکو پچاس روپئے لا دوں تو پھر تو تم اس موئے باورچی سے بہن کی شادی نہ کرو گی" اماں اس کی اس گستاخی پر اسے ڈانٹنے پھٹکارنے لگیں

اور بات آئی گئی ہوگئی۔ ایک دن ناظمہ رات کو ذرا دیر سے آئی اور آتے ہی اپنے اماں کے سامنے دس دس روپیہ کے پانچ نوٹ پھینک دیے "اب اگر تمنے اس موئے باورچی سے بہن کی شادی کی تو میں فوراً پولیس میں جاکر اطلاع کر دوں گی کہ تم ہی نے نواب صاحب کی جیب سے یہ نوٹ نکالے تھے۔" اماں مارے خوشی کے پاگل ہوگئیں اور ناظمہ کی بلائیں لینے لگیں۔ رات کو جب سب سوگئے تو میں نے ناظمہ کو اپنی طرف گھسیٹ لیا۔ ہم لوگ زمین ہی پر لیٹے تھے۔ وہ جاگ رہی تھی میں نے اسکے چہرے پر ہاتھ پھیرا تو وہ آنسوؤں سے تر تھا۔ میں نے اسکے کان میں پوچھا "یہ روپیے کہاں سے پائے تونے؟" وہ بھرائی ہوئی آواز میں بول اٹھی "جمال میاں سے!" میں سب کچھ سمجھ گئی۔ جمال میاں نواب صاحب کے اکلوتے صاحبزادے تھے اور ہم دونوں بہنوں سے ضرورت سے زیادہ بے تکلف ہونے کی کوشش کرتے۔ میں نے اس کی قربانی اور ایثار کی دل سے قدر کرتے ہوئے ناظمہ کو اپنے سینے سے چمٹا لیا وہ سارے بدن سے تھر تھر کانپ رہی تھی، اس حادثے کے تھوڑے ہی عرصہ کے بعد ابا کا انتقال ہوگیا اور اماں نے نواب صاحب کے باورچی سے خود شادی کر لی۔ ہم دونوں بہنوں کو اماں کے اس رویہ سے بیحد افسوس ہوا اور ہم لوگوں نے انکے ساتھ باورچی کے گھر جانے سے انکار کر دیا اور بدستور ابا ہی کے گھر میں رہ گئے۔ ناظمہ نواب صاحب کے یہاں کام کرتی اور میں محلہ کے ایک مولوی صاحب کے یہاں۔ دونوں بہنیں جو کچھ کما کر لاتے اسے مل بانٹ کر نہایت اطمینان سے گذر کرتے۔ لیکن رفتہ رفتہ ہماری خوبصورتی اور ہمارا شباب ہملوگوں کی جان کا عذاب ہوگیا۔ اوّل تو ہم لوگوں ہی کے دل میں نئی نئی امنگیں اور ولولے اٹھتے اور دوسرے محلے بھر کے غنڈوں نے ہمارا ناک میں دم کر رکھا تھا۔ سڑک چلتے وہ ہم کو اشارے کرتے انکے ڈر سے ہملوگ سر شام ہی اپنا دروازہ بند کرلیتے تھے۔

جن مولوی صاحب کے یہاں میں ملازم تھی وہ بڑی بری طرح سے میرے پیچھے پڑا تھا۔ اسکے یہاں سے میں ملازمت چھوڑ تی اس لئے ڈرتی تھی کہ میں جہاں بھی جاؤں گی میرے پیچھے یہ آفت رہیگی۔ ایک روز اس کمبخت بڈھے کھوسٹ مولوی نے زبردستی میری آبرو ریزی کر ڈالی۔ اس احساس سے میرے دل پر ایک گھونسا سا لگا کہ غریب اگر اپنی عزت بچانا بھی چاہتے ہیں تو بھی وہ بچا نہیں پاتے۔ شام کو میں نے گھر آکر سارا قصہ ناظمہ سے بیان کیا۔ وہ مجھ پر بہت بگڑی اور کہنے لگی کہ مجھے ابھی چاہئے کہ جب مولوی صاحب عشاء کی نماز پڑھانے آویں تو مسجد جاکر انکا سارا کچا چٹھا سب نمازیوں کے سامنے کھول دوں۔ میں کمبخت ہمیشہ ہی کی بزدل واقع ہوئی تھی۔ اتنی بڑی بات کی مجھے ہمت نہ پڑی۔ دوسرے روز میں نے مولوی صاحب کو بہت ڈانٹا پھٹکارا اور انھیں دھمکی دی کہ اگر میری آبرو ریزی کی قیمت وہ پچاس روپیہ نہ دینگے تو میں مسجد میں جاکر سب نمازیوں کے سامنے انکا دامن پکڑ لونگی۔ بڑی مشکل سے مولوی صاحب اس بات پر راضی ہوگئے کہ وہ میرے ساتھ نکاح کرلیں۔ میری ضد پر انھوں نے اسی رات کو میرے ساتھ نکاح کرلیا۔

اپنے نکاح کی خبر جب میں نے ناظمہ کو سنائی تو اس نے میرا منھ نوچ لیا اور اپنا سارا بدن پیٹ ڈالا "بیوقوف تونے مولوی صاحب کی سیاہ کاری کا یہ انعام دیا کہ وہ تیرے ساتھ عمر بھر سیاہ کاری کرتے رہیں اور اپنے مرنے پر عمر بھر رونے کیلئے ایک جوان بیوہ چھوڑ جائیں۔" میں تو سمجھتی تھی کہ ناظمہ میری شادی کی خوش خبری پر مارے خوشی کے مجھ سے لپٹ جائے گی لیکن وہ تو ذرا نہ ہوتا تو مجھے مارنے لگتی۔ مجھے بھی غصہ آگیا۔ میں نے کہا "اور تونے جو جمال میاں....." میرا اتنا کہنے پائی تھی کہ ناظمہ شیرنی کیطرح مجھ پہ جھپٹ پڑی۔ میں نے اپنی خوشی سے کیا! اسکے ہاتھ جوڑ کر کیا! اسکی آنکھوں میں اپنے پیر رگڑ کر کیا! لیکن تونے تو کمبخت ایک گناہ کیا اور دوسرے جوتے کھا کر کیا۔ اور پھر عمر بھر جوتے کھا کر کرتی رہے گی۔" میری اور ناظمہ کی بڑی رات گئے تک لڑائی ہوتی رہی۔ آخر میں اس نے مجھے اپنی آخری شرط بتا دی "یا تو اس کمبخت مولوی سے طلاق لے۔ یا کل جہاں میرا سینگ سمائے گا چلی جاؤں گی" میں بزدل تھی کمینی تھی، سماج سے ڈرتی تھی، میں نے مولوی سے طلاق نہیں لی اور دوسرے ہی دن ناظمہ نے اپنے جمع شدہ سرمایہ سے جو اس نے وقتاً فوقتاً جمال میاں سے حاصل کیا تھا چوک میں ایک کمرہ لے لیا! آہ کاش میں بھی یہی کرتی۔"

پاس بیٹھی ہوئی دونوں لڑکیاں اٹھیں "اماں تم بھی یہی کرتیں؟" ماں نے بڑی درد بھری آواز میں کہا "ہاں کاش کہ میں بھی یہی کرتی!" دونوں عورتیں مبہوت رہگئیں اور ماں پھر اپنی رام کہانی دہرانے لگی "مولوی صاحب سے شادی کرکے مجھے صرف یہ حاصل ہوا کہ پہلے جب میں مہینہ بھر کام کرچکتی تو مجھے تنخواہ ملتی اب مجھے وہ بھی نہ ملتی۔ پہلے جب میں دن بھر کا کام ختم کردیتی تو رات کو اطمینان سے ٹانگیں پھیلا کر سوتی، لیکن اب بارہ بجے رات تک ادھر اور تہجد کی نماز سے سویرے تک ادھر اس کمبخت وحشی مولوی کی شہوانی درندگی کا شکار بنی رہتی اور وہ جس طرح چاہتا مجھے جھنجھوڑتا۔ میں تو سمجھی تھی کہ مولوی سے شادی کرلوں گی عمر بھر چین سے زندگی بسر کروں گی لیکن شادی سے اس کمبخت کو بے دام کی ایک عورت ملگئی جو ملازمہ کی ملازمہ تھی اور بیوی کی بیوی۔ وہ دن بھر مجھ سے لونڈیوں کی طرح کام کرواتا۔ برتن دھلواتا۔ کھانا پکواتا۔ جھاڑو دلواتا۔ پنکھا جھلواتا اور پھر رات کو مجھے اس کا انعام یہ دیتا کہ مجھی کو پیتا! یہ تھی میری درگت کیونکہ میں نے سماج کے آگے اپنا سر جھکا دیا تھا اور شادی کو سوسائٹی کی عزت اور وقار کی مجلس میں پہنچنے کا پروانہ راہداری سمجھا تھا! میری ہی بہن ناظمہ نہایت پر وقار اور باعزت طریقے سے اپنی مالک آپ بنی ہوئی اپنی مرضی کے مطابق داد عیش دے رہی تھی، جسے چاہتی اپنے پاس بٹھاتی، اسکے آغوش میں شباب و مستی کے بھرے جام چھلکاتی، اور جسے چاہتی کتے کیطرح دھتکار دیتی۔ میں اور وہ دونوں کام ایک ہی کرتے لیکن وہ اپنی خوشی سے، اپنی خود داری سے، اور میں مجبوری سے ذلت سے۔ کھسیانی بلی کھمبا نوچے! اس نے ذلیل سماج کو ٹھکرا دیا تھا لہذا سماج اُسے بے عصمت کہتی، اور میں نے اپنی بزدلی اور کمزوری سے سماج کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا تھا لہذا وہ مجھے باعصمت کہتی۔" بے عصمت، اور "باعصمت" خالی مولی الفاظ کے ہیر پھیر سے ہیں کیسی زندگی بسر کررہی تھی اور وہ کیسی؟ کیا جو وہ کررہی تھی وہی میری دلمیں نہ تھا؟ فرق یہ تھا کہ اگر وہ بری تھی تو باہمت تھی اور میں بڑی تھی بری تھی تو ساتھ ہی ساتھ بزدل بھی۔ سزا کی مستحق میں زیادہ ہوں کہ وہ! کتنی عورتوں کو وہی کرنے کی آرزو نہیں جو ناظمہ کر رہی تھی صرف فرق یہ ہے انہیں کردار کی مضبوطی نہیں وہ منافق نہ تھی اور انکا کردار کمزور ہے، بزدل ہیں۔ دنیا ساز ہے نا۔

اب مسلم لیگ کے جنگ کرنے کے کرتب ملاحظہ ہوں۔ ایک اشتہار ملا ہے جس پر محمد عبداللطیف عرفانی یزدانی، جنرل سکریٹری ڈسٹرکٹ مسلم لیگ رامپور، یو۔ پی کے دستخط ہیں۔ اشتہار کی چوٹی پر لکھا ہے۔

اللہ اکبر     لا الٰہ الا اللہ     اللہ اکبر

دوسری آیت ہے۔

دفتر ڈسٹرکٹ مسلم لیگ رامپور۔

مسلمانوں کا یہ عالم ہے جیسے بتیس دانتوں کے بیچ میں ایک زبان کا ہونا۔ ......... کانگریس ...... کا بھانڈا پھوٹ چکا ہے اور تمام ڈھونگ آشکارا ہوچکے ہیں۔ کوئی دن اور کوئی لمحہ ایسا نہیں گزرتا کہ مسلمانوں کو مرتد بنانے کی کوشش نہ کیجاتی ہو...... اردو زبان کو دنیا سے نابید کرنے کا عزم بالجزم ہے۔ ہندستان میں آریہ راج قائم کرنے کی انتہائی کوشش جاری ہے۔ ...... بے حیائی کا یہ عالم ہو کہ ہر وقت یہی کوشش ہے کہ مسلمان کسی طرح بے وقوف بنکر ایک مرتبہ کانگریس میں شامل تو ہو جائیں، کیونکہ آریہ راج قائم کرنے کا خبط ہے۔

ان آرزوؤں کے تحت میں کانگریس نے لکھوکھا کی رقم نکال رکھی ہے۔ چند خود پرست مولوی و چند خود غرض لیڈروں کو بذریعہ خاص رقم نذر کر کے قبضہ میں کر لیا گیا ہے۔ میرے بزرگو یہ ہیں وہ جور و ستم بالشدد و تباہ کاری اور استبدادیت و مردم آزاری کہ جسے قدرت کی آنکھیں دیکھ رہی ہیں.. ...... کیا ایسے دزدان شرع متین نے جو فرزندان اسلام میں پھوٹ کا بیج بونے کا عزم کیا ہے۔ اور امت محمدیہ (صلعم) کو جادہ مستقیم سے ہٹانے کی کوششوں میں ہیں۔ فرقان حمید میں یہ نہیں پڑھا ہے کہ خداوند عالم اپنے بندوں کو کس طرح تسلی دیتا ہے۔ اور اگر نہیں پڑھا ہے تو سن لیں کہ وہ رب ذوالجلال فرماتا ہے کہ.........

لہٰذا جمیع برادران اسلام و کلمہ گویان ...... بلا تفریق اعتقاد کثیر تعداد میں مسلم لیگ کے ممبر بنیئے اور بنائیے۔"

اشتہار ختم ہو گیا۔ مشتہر صاحب کے دستخط بھی آ گئے۔ لیکن پھر انھیں کچھ بےچینی ہوئی اور ایک نوٹ لگا دیا۔

نوٹ:- (۱) زیر تحت مسلم لیگ ایک بیت المال کمیٹی قائم ہو نیوالی ہے (۲) ابھی مسلم لیگ کا موجودہ پروگرام مسلم لیگ کی رسید پر ملاحظہ فرمائیں۔ کانگریس کا پروگرام محض دکھلاوا ہے

شاید آخری نقرہ صرف اپنے ضمیر کی تسلی کے لئے لگایا ہے۔

سب سے زیادہ لطیف طرز تنقید یہ ہے۔ ویر بھارت کی خبر ہے۔

"ہوشیارپور، ۲۷ ستمبر۔ پرسوں شام کو ملک برکت علی۔ ڈاکٹر شجاع اللہ اور پروفیسر عنایت اللہ پر مشتمل مسلم لیگ لاہور کا ایک وفد ہوشیارپور پہونچا۔ اسی رات کو گمیٹی گنج میں زیر صدارت شیخ سلطان محمد ان ہر سہ اصحاب کی تقریریں ہوئیں ....... ڈاکٹر شجاع اللہ نے کہا۔ آج علما حضرت محمد کی خاک پاک کو سر پر رکھنے کی جگہ پر گاندھی کی ٹوکری کو سر پر رکھتے ہیں۔ جواہر لال نے گوری عورت کا دودھ پیا ہے جس نے اپنی ماں کا دودھ نہیں پیا وہ وطن پرست کیا۔ جب جواہر لال گوری عورت کا دودھ پیتا تھا تب بھی جناح ملک کا لیڈر تھا۔ جواہر لال خود تو احمدآباد۔ لکھنؤ۔ الہ آباد کا چکر کاٹتا ہے سیر کرتا ہے۔ کھدر پہنتا ہے۔ مگر اپنی لڑکی کو انگلینڈ میں بھیجتا ہے وہ وہاں بن سنور کر دن کاٹتی ہے۔"

مسلم لیگ کا یہ درخشاں کارنامہ تنقید سے بالاتر ہے۔

یہ وہ سیاہ چراغ ہے جو اس کی تاریخ میں ہمیشہ جگمگاتا رہیگا۔

اس وقت تو بد وجہد کی صورت یہ ہے کہ کانگریس لڑ رہی ہے برطانوی سامراج سے، اور مسلم لیگ لڑ رہی ہے کانگریس سے، کانگریس ڈنڈا اور ہتا نہ لاٹھی اور جیل خانوں کو جھیل کر میدان فتح کرتی ہے۔ یہاں مسلم لیگ فتوے سے کوسی کاٹتی اسکے پیچھے دوڑتی ہے کہ ادھر آؤ۔ جو کچھ لائے ہو اس میں حصہ بٹاؤ۔

اللہ اکبر کے نعرے لگتے ہیں۔ کرارے کرارے فتوے نکلتے ہیں۔ حدیثیں اور آیتیں تلاوت ہوتی ہیں، اسلام کی تنزلی کا نوحہ۔ اور مسلمانوں کی پرانی بہادری کے ترانے گائے جاتے ہیں۔ کیوں؟ صرف اس لئے کہ وزارت ملجائے اور کچھ ایسی شرطیں ہو جائیں جس سے وہ خاندانی گدی بن جائے۔

## کانگریس اور مسلمان

کانگریس کے طریقۂ کار اور اصول فرقہ پرست نہیں کہے جا سکتے۔ اسکے ثبوت میں پندرہ برس کے واقعات گنائے جا سکتے ہیں۔ خلافت کے زمانے سے کانگریس صرف ہندستانی مسلمانوں ہی کے لئے نہیں۔ بلکہ بیرونی مسلمانوں کے حقوق کے لئے بھی لڑ رہی ہے فلسطین کے عربوں اور زنجباری مسلمانوں کے ساتھ جو ہمدردی کی گئی ہے مثال کے لئے کافی ہے۔ مسلمانوں نے جب سندھ کو الگ کرنا چاہا۔ اور صوبہ سرحد میں اصلاحات نافذ کرنا چاہی تو کانگریس نے انکا ساتھ دیا۔ دوسری طرف اسی غرض سے ہندو فرقہ پرست جماعت سے لڑتی رہی۔ لڑائی کا مقصد یہ نہیں تھا کہ مسلمانوں سے کسی طرح کا سمجھوتا کیا جائے۔ بلکہ کانگریس نے انکے مطالبات کو اپنے مطالبات میں شامل کر لیا۔

ابھی پچھلی اشاعت میں نکل چکا ہے کہ کھدر کی تحریک میں غریب مسلمانوں کی کتنی خرکت ہے۔ اس میں تقریباً ۳۵ ہزار مسلمان بسر کار ہیں۔

وزارت قبول کرنے کے بعد ہم کو اپنے اصولوں کو عمل میں لانے کا موقع ملا۔ مولانا عبدالحق اور بابو راجندر پرشاد کا جو اردو ہندی کے متعلق بیان ہے اس بات کا کھلا ثبوت ہے کہ کانگریس اردو ہندی دونوں رسم الخط کو رکھنا چاہتی ہے، اور زبان وہ رکھنا چاہتی ہے جو دونوں میں مشترک ہے۔ گائے کے ذبیحہ کے متعلق یو۔ پی اور مدراس کی حکومتوں نے صاف بیان دیدیا کہ وہ کسی ایسی تجویز کی حمایت کے لئے تیار نہیں جو مسلمانوں کے موجودہ حقوق کو بگاڑتی ہو۔ مدراس کی حکومت نے قاعدہ جاری کیا ہے کہ اسمبلی کا جلسہ شروع ہونے سے پہلے قرآن پاک اور دیگر مذاہب کی کتابوں کی تلاوت کیجائے۔ یو۔ پی کے اسپیکر نے نماز جمعہ کے لئے جلسہ ملتوی کرنے کا فیصلہ کر دیا۔

۲۳ ستمبر کو مدراس اسمبلی میں ایک کٹ موشن پیش ہوا جس میں مقرر مسٹر عبدالحمید نے پوچھا کہ اقلیتوں کی حفاظت میں حکومت کا کیا رویہ ہوگا۔ ملازمتوں پر تقرری میں اقلیتوں کا کوئی لحاظ کیا جائے گا۔ وزیر اعظم نے جواب دیا۔ اقلیتوں کا ہر طرح تحفظ کیا جائے گا۔ اور ملازمتوں پر تقرر کرنے میں اقلیتوں کا خیال رکھا جائے گا۔

ان واقعات کو دیکھنے کے بعد کون کانگریس کو صرف ایک فرقہ کا ادارہ کہہ سکتا ہے، اور اگر یہ صحیح معنوں میں قومی ادارہ ہے تو پھر سوال یہ ہوتا ہے کہ کسی دوسرے ادارے کی کیا ضرورت ہے؟

قابل فروخت]

# اطلاعنامہ بنام اشخاص دربارہ پیش کرنے اپنے دعویٰ کے حسب دفعہ ۱۱ ایکٹ جائداد ہائے مقروضہ ممالک متحدہ (ایکٹ ۲۵ سنہ ۱۹۳۴ء)

بعدالت جناب اسپشل جج صاحب بہادر درجہ اول سلطانپور

مقدمہ نمبری ۳۰ سنہ ۱۹۳۶ء

بابو محمد بدرالدین ولد بابو محمد مصطفےٰ خاں ساکن بدل گڈھ پرگنہ جگدیشپور ضلع سلطانپور۔ قرضدار سائل

بنام

راجہ نثار احمد خاں وغیرہ قرضخواہ فریق ثانی

بنام راجہ نثار احمد خاں ولد بابو محمد خاں تعلقدار مہونہ ساکن مہونہ پرگنہ جگدیشپور تحصیل ضلع سلطانپور و بابو اشتیاق احمد خاں ولد بابو محمد یار خاں ساکن مہونہ بجیہم پرگنہ جگدیشپور تحصیل ضلع سلطان پور و بابو بشیر الدین خاں ولد بابو عوض علیخاں ساکن دیوکلی پرگنہ جگدیشپور تحصیل ضلع سلطان پور۔ ابوالحسن خاں ولد اشرف خاں ساکن بدل گڈھ پرگنہ جگدیشپور ضلع سلطان پور

چونکہ بابو محمد بدرالدین خاں ولد بابو محمد مصطفےٰ خاں ساکن بدل گڈھ ضلع سلطانپور نے ایک درخواست حسب دفعہ ۴ ایکٹ جائداد ہائے مقروضہ پیش کی ہے اور چونکہ جائداد جس کی تفصیل فہرست ہائے منسلکہ میں درج ہے درخواست دہندہ نے حسب دفعہ ۸ یا فریق ثانی نے حسب دفعہ ۱۰ ایکٹ مذکور کی جائداد ظاہر کی ہے۔

لہذا حسب دفعہ ۱۱ (۱) ایکٹ مذکور تمکو اطلاع دیجاتی ہے کہ اگر جائداد مذکور کے متعلق تم کوئی دعویٰ رکھتے ہو تو گزٹ ممالک متحدہ میں اس اشتہار کے شائع ہونے کی تاریخ سنہ ۱۹۳۶ء سے تین ماہ کے اندر ایک درخواست عدالت ہذا میں اصالتاً یا بذریعہ مختار مجاز پیش کرو۔

میرے دستخط اور مہر عدالت سے آج بتاریخ ۱۰ اگست سنہ ۱۹۳۶ء جاری ہوا۔

اسپشل جج۔ درجہ اول
(دستخط بخط انگریزی) سلطانپور

مہر عدالت

## فہرست (الف)

زمیندار کے حقوق مالکانہ متعلقہ آراضی

| [illegible] | [illegible] | [illegible] | [illegible] | [illegible] | [illegible] | [illegible] |
|---|---|---|---|---|---|---|
| ، | سلطانپور | ملکیت اعلیٰ | بدل گڈھ محال مہونہ | ملکیت آنے | مسلم موضع | مع ابواب مالگذاری |
| ۲ | " | " | نانڈی محال مہونہ | - | " | مع ابواب مالگذاری ۵ |

## فہرست (ب)

قرضدار کی جائداد جو باستثناء حقوق مالکانہ متعلقہ آراضی حسب دفعہ ۶۰ ضابطہ دیوانی سنہ ۱۹۰۸ء قرق اور نیلام ہوسکتی ہے

| نمبر سلسلہ | نوعیت جائداد | وسعت حقیت درخواست دہندہ |
|---|---|---|
| ۱ | اونٹ گاڑی۔ ایک | ملکیت سائل |
| ۲ | بیل دوراس | |
| ۳ | پلنگ ۵ عدد | |
| ۴ | کرسیاں کارآمد و غیر کارآمد ۵ عدد | |
| ۵ | میز چھوٹی ۲ عدد | |
| ۶ | مسہری ایک | |
| ۷ | ڈیگ ایک | |

دستخط اسپشل جج۔ درجہ اول
ضلع سلطانپور۔

قابل فروخت)

# اطلاعنامہ بغرض اعلان و اشاعت حسب دفعہ ۱۱ ایکٹ جائداد ہائے مقروضہ ممالک متحدہ (ایکٹ ۲۵ سنہ ۱۹۳۴ء)

بعدالت جناب اسپشل جج صاحب بہادر سلطانپور۔ درجہ دوم مقام سلطانپور۔

مقدمہ نمبری ۵۱ سنہ ۱۹۳۶ء

۱۔ محمد خاں۔ ۲۔ محمد صدیق خاں۔ ۳۔ محمد ابراہیم خاں۔ ۴۔ محمد بشیر خاں پسران عبدالغفور خاں۔ ۵۔ محمد یسین خاں ولد محمد صدیق خاں۔ ۶۔ محمد یوسف خاں ولد ابراہیم خاں نابالغان بولایت ابراہیم خان ساکنان پور پرگنہ نپور ضلع سلطانپور۔ قرضدار سائل۔

بنام

۱۔ عبدالخالق خاں ولد گھسیٹو خاں ساکن میرانپور۔ ۲۔ چھیکو بقال ولد رام سلاقال ساکن گنانی پور پرگنہ میرانپور۔ ۳۔ اودیا پرشاد سنگھ ولد ناتھ بخش سنگھ ۴۔ جیندر پرتاب سنگھ ولد مہابیر سنگھ۔ ۵۔ برج بہال سنگھ۔ ۶۔ اودے نعان سنگھ ساکن شیوگڈھ پرگنہ چاندہ۔ ۷۔ مساۃ مولیبہ بیوہ جہانگیر خاں

ہندستان نیوز پیپرس لمیٹڈ کیطرف سے حیات اللہ انصاری، ایڈیٹر و پبلیشر نے باہتمام گلزاری لال سکینہ سلطانیہ برقی پریس نظیر آباد لکھنؤ سے چھپوا کر دفتر واقع لکھنؤ سے شائع کیا

جلد ۱ نمبر ۱۱ | ۱۷ اکتوبر سنہ ۱۹۳۷ء | فی پرچہ ا؍ سالانہ ۳؍

## صدر مسلم لیگ

۱۳ اکتوبر ۷ بجے شام کو مسٹر محمد علی جناح صدر مسلم لیگ چار باغ لکھنؤ پہنچے۔ استقبال کے لئے والنٹیروں کی بہت بڑی تعداد موجود تھی۔ اسکے علاوہ راجوں مہاراجوں، نوابوں، رؤسا اور علماء کا ایک بہت بڑا غول تھا، یہ جلوس اسٹیشن سے بڑی شان سے چلا۔ آگے آگے لیگ کے جھنڈے اور والنٹیروں کی فوج، چھلکے لمبے لمبے ڈنڈوں اور شاندار وردیوں کو دیکھکر بڑا رعب پیدا ہوتا تھا۔ انکے پیچھے موٹر پر صدر مسلم لیگ، راجوں، مہاراجوں، نوابوں اور علماء کے جھنڈ میں گھرے ہوئے۔ اس طرح یہ جلوس امین آباد میں داخل ہوا، یہاں پہونچکر ایک عجیب واقعہ پیش آیا، کچھ غریب مسلمانوں کا گروہ سیاہ جھنڈیاں لئے، جناح گو بیک، اور مسلم لیگ مردہ باد کے نعرے لگا رہا تھا۔ تعداد اتنی کم اور اسپر یہ گستاخی، والنٹیروں نے ان پر ڈنڈوں سے حملہ کر دیا۔ آن واحد میں یہ درہم برہم ہو گئے۔ انکے کالے جھنڈے مسلم لیگ کے سپاہیوں نے فتح کر لئے، اور پھر انکو فوج کے آگے بہت فخر سے جلاتے رہے۔

---

یہ والنٹیر صاحبان لیگ کی ہمدردی کے ہمدردی کے جوش میں ریاست سلیم پور، اور ریاست محمود آباد سے جوق در جوق آکر شریک ہوئے تھے، گر عین وقت پر آئے تھے، کیونکہ ان میں ہنگامہ کرنے کی صلاحیت تو ضرور تھی، اگر ڈسپلین نہ ہو ۔۔ "انقلاب زندہ باد" پکار رہے تھے، مگر غور کرنے پر بھی یہ پتہ نہیں لگتا تھا کہ کیا کہہ رہے ہیں۔ غنیم کے جھنڈے فتح کرنے کے بجائے، اگر یہ لوگ اپنی تنظیم کا اظہار کرتے تو شاید مسلم لیگ کی شان زیادہ چمکتی۔

---

پچھلے جمعہ کو کچھ غریب مسلمانوں نے ایک جلسہ کیا تھا، اس میں کہا گیا تھا کہ مسلم لیگ اپنے کو عام مسلمانوں کی نمائندہ کہتی ہے۔ اور عام مسلمانوں کی حالت یہ ہے کہ انمیں سے بہت زیادہ تعداد کسانوں کی ہے اور مزدوروں کی، انکا درد دکھ، غریبی، ہے مسلم لیگ ان کی غریبی دور کرنے کے لئے کیا کر رہی ہے؟ ان کی غریبی دور کرنے کیلئے (۱) مسلمان کسانوں کی جماعت منظم کیجائے تاکہ وہ زمینداروں کو دبا کر لگان کم کرا سکے، اور پھر اپنی تنظیم کی قوت سے اسکو برقرار بھی رکھ سکے۔ اسی طرح مزدوروں کو منظم کیا جائے تاکہ وہ کارخانہ داروں سے لڑکر اور اسٹرائکیں کرکے اپنی تنخواہ بڑھوا سکیں اور پھر اس کی حفاظت بھی خود کر سکیں۔ اس کے علاوہ یہ مطالبات تھے۔

(۱) مسلمان تعلقدار جو مسلم لیگ کے ممبر ہیں اپنے مسلمان کاشتکاروں کا لگان فی الفور پچاس فیصدی کم کر دیں (۲) مسلمان کارخانہ دار جو مسلم لیگ کے ممبر ہیں فی الفور مسلمان مزدوروں کی تنخواہ تیس روپیہ سے کم نہ رکھیں، یہ مطالبات راجہ صاحب محمود آباد، اور دوسرے با اثر مسلم لیگ کے ممبروں کے سامنے پیش ہوئے۔ انھوں نے جواب دیا کہ چونکہ اس سال ہم لوگوں کا ایجنڈا دوسرا ہے۔ اس لئے یہ مطالبات جلسے میں نہیں پیش کئے جا سکتے۔

ایجنڈا تو بڑی ڈراؤنی چیز ہے۔ جب وہ اجازت نہیں دے رہا ہے تو کوئی بات کیسے پیش ہو سکتی ہے؟ اسکے علاوہ غریبی، مفلسی، روٹی تو بہت حقیر چیزیں ہیں۔ انکے لئے لڑتے ہیں سکتے"۔ رہی مسلم لیگ تو وہ لڑتی ہے ——

—— وہ لڑتی ہے یا تو بلا وجہ، یا اعزاز کیلئے، دوسرے غریبی کی شکایت تو صرف چند مسلمانوں کو ہے۔ ورنہ عام مسلمان تو اسمبلی کی نشستیں چاہتے ہیں اور آئی سی ایس کی ملازمتیں۔

مسلم لیگ کے کچھ لوگ اونچے نارے توڑتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ دستور کا نام انگریزی میں نہ ہونا چاہئے، اور اس کا رنگ کالا ہونا چاہئے، انگریزی کر ٹیڑھے بڑے نام لینے سے حلق میں خراش آجاتی ہے۔ سننے سے کانوں کے

پردوں پر و رم آجاتا ہے ، یہ گلفام ، اور یہ رنگ دیکھکر آنکھوں میں رو سے پڑ جاتے ہیں ، دوسرے یہ خیال ہی کتنا سوہان روح ہے کہ ہماری پارلیمنٹ ، سمندر پار رہتی ہے ۔ تو لوگ ، کبھی مسلم لیگ میں مکمل آزادی کی تجویز پاس کرینگے ۔ پاس کرتے ہی مسلم لیگ زن سے ترقی کے ہزاروں مدارج طے کر کانگرس کو منزلوں پیچھے چھوڑ ، فراٹے بھرتی دور نظر آئے گی ۔

---

مکمل آزادی کی تجویز پاس ہو جائے ۔ اور صدر مسلم لیگ کا انتخاب عام ووٹ ہو ۔ ابھی بھی مسلم لیگ ، ملت اسلامیہ ، کا ادارہ بن جائے گی ۔ لوگ مکمل آزادی کی باتیں کریں گے ، مکمل آزادی کے اخبار نکلیں گے ، مسلمانوں کو مکمل آزادی کے فوائد بتائے جائیں گے ، کہا جائے گا تم سب بھائی بھائی ہو ملجاؤ ۔ ان باتوں کے اول و آخر آیات و احادیث کی تلاوت ہوں گی ۔ چلو پروگرام بھی بن گیا ۔ اسپر اگر اعتقاد سے عمل کیا گیا ، تو فائدہ جلد ہوگا ۔

---

ذرا اصلاحی پروگرام کی بھی ضرورت ہے ۔ کہا جائیگا بھائی دیہاتی مسلمانوں تم کوڑا اس جگہ نہیں اس جگہ پھینکا کرو ، آگ اس طرح نہیں اس طرح جلایا کرو ، جب بیمار پڑو ، یا بھوکے ہو تو مسلم لیگ ، اور مسٹر جناح کا نام اور ان کے متعلق چھپے ہوئے اشتہارات کی آیات و احادیث اپنے اوپر دم کرلیا کرو ۔

---

## ہمارے صدر

پنجاب جاتے ہوئے پنڈت جواہر لال ایک دن کے لئے دہلی میں ٹھہر گئے ۔ اور شہر سے دس میل دور نانگلا دیوات میں کسانوں کے ایک جلسہ میں گئے ۔ راستہ میں ہزاروں مرد عورتیں اور بچے استقبال کیلئے موجود تھے تقریباً ۵ ہزار آدمیوں نے آپ کی خدمت میں ایڈریس پیش کیا ۔ جواب میں پنڈت جی نے کہا ، کانگرس کا سب سے پہلا فرض دیہاتیوں کی حالت کو سدھارنا ہے ۔ ملک کا بہت اہم مسئلہ زمینداروں اور کسانوں کے تعلقات ہیں ، اور انکو حل کئے بغیر کوئی اہم مسئلہ حل نہیں ہوسکتا ۔ پنڈت جی نے بتایا کہ کانگرسی وزارتوں نے ان کے لئے کیا کیا ، ساتھ ہی ساتھ بتایا کہ چند صوبوں میں وزارتیں قائم ہوجانیکا مطلب نہیں کہ ہمکو سوراج ملگیا ۔ اسلئے وزیروں سے زیادہ فائدہ کی امید نہیں کیجا سکتی ۔ درحقیقت وہ عوام کو جنگ آزادی کے لئے تیار کر رہے ہیں ۔

بین الاقوامی مسائل ۔ آزاد پارک میں پندرہ ہزار آدمیوں کے ایک جلسہ میں پنڈت جی نے بین الاقوامی مسائل پر روشنی ڈالی خصوصاً ہندستان پر ان کے اثرات بیان کئے ۔ انھوں نے بتایا کہ دنیا تباہی کے گڑھے کے کنارے ہے ، نہیں کہا جاسکتا کہ کسوقت وہ گرکر تباہ ہو جائے ۔ اگر لوگ ان خطرات سے محفوظ رہنا چاہتے ہیں تو وہ ایک متحدہ محاذ قائم کریں ، انھوں نے چین میں جاپان کی دست درازی پر اور فلسطین میں برطانوی سامراج کے مظالم پر اظہار ملامت کیا ۔ اور مصیبت زدگان سے اظہار ہمدردی کیا ۔

الور کے کچھ لوگ بغرض ملاقات آئے ہوئے تھے ، پنڈت جی نے انکو امن پسندی کے ساتھ تعمیری پروگرام پر کام کرنے کی ہدایت کی اور انکو مشورہ دیا کہ وہ ضرورت کے وقت دہلی کانگرس کمیٹی سے رائے لیا کریں ۔ لوگوں نے آپ کو ریاست میں مدعو کیا لیکن آپ نے مشغولیت کی وجہسے معذوری ظاہر کی ۔

پنڈت جی نے مقامی کانگرسی کارکنوں سے مزدوروں کے مسئلہ اور ہڑتال کی بابت باتیں کیں ، اور فرمایا کہ کانگرس کمیٹیاں ہڑتال میں کوئی ذمہ دارانہ حصہ نہ لیں ، اور مزدور سبھا میں ہڑتال سے پہلے اپنے مطالبات کارخانہ داروں کے سامنے رکھیں اور انکو غور کرنے کو کافی وقت دیں ، اور یہ کہ کانگرس کمیٹیوں سے بھی مشورہ کرلیں ، اور اپنے مطالبات سے عوام کو بھی آگاہ کردیں تاکہ رائے عامہ انکا ساتھ دے ۔

## گورنمنٹ ٹکنیکل اسکول کے طلبا کی اسٹرائک

گورنمنٹ ٹکنیکل اسکول کے طلبا ایک ہفتہ سے اسٹرائک کئے ہوئے تھے ۔ انکے خاص مطالبات یہ تھے کہ ۔

(۱) ہم سے داخلے کے وقت کہا گیا تھا کہ انجینیری کی سند دیجائے گی ۔ لیکن اب طے ہے کہ مستری کی سند دیجائے گی ۔ یہ صریحی بے ایمانی ہے ، ہم لوگوں کو انجینیری کی سند دیجائے ۔

(۲) اسٹرائک کرنے والوں کے خلاف کوئی کارروائی نہ کیجائے ۔

(۳) طلبا کی یونین کو ان کا نمائندہ تسلیم کیا جائے ۔ انکے کھیل کا انتظام ہو ، اور ایک نئے ہوسٹل کا انتظام کیا جائے ۔

(۴) کام کرنے کا وقت گھٹایا جائے ۔

یہ اسٹرائک دوسرے طلبا کی طرح نہیں تھی ، بلکہ یہ کھلی اقتصادی لڑائی تھی طلبا دو مہینہ تک ناخدایان اسکول کے پاس دوڑتے رہے ۔ لیکن کہیں مانگنے سے حق ملتے ہیں ، مجبوراً ان لوگوں نے اسٹرائک کردی ۔ پرنسپل نے ، اور اسکول کے دوسرے افسروں نے اسٹرائک کو ختم کرانے کی تمام ناجائز کوششیں کیں ، بعض طالب علموں کو لالچ دیا ، کسی کو وظیفہ بند کردینے کی دھمکی دی ، انکے سرپرستوں کے پاس شکایتیں لکھیں ، مگر یہ لوگ بدستور اپنی مانگوں پر ڈٹے رہے

پرنسپل نے کالج بند کردیا ، اور طلبا کو ہوسٹل خالی کردینے کا حکم دیا ۔ مگر انھوں نے یہ حکم ماننے سے انکار کردیا ، مجبوراً پرنسپل نے اور اسکول کی جانچ کمیٹی نے طلبا کے مطالبات تسلیم کرلئے ، سب سے زیادہ انکو یہ وعدہ کرنا کھلا ہے کہ کسی اسٹرائک کرنے والے کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کیجائیگی ۔

اسوقت طلبا میں بیداری کی ایک لہر دوڑ گئی ہے ، ابھی کچھ دن ہوئے یو ۔ پی میں لکھنؤ اور اطراف کے طلبا کا ایک جلوس نکلا تھا جس میں تقریباً پندرہ ہزار طلبا تھے ، ان لوگوں نے وزیر اعظم کے سامنے اپنے مطالبات پیش کئے ۔ ان میں سے خاص خاص باتیں یہ تھیں کہ مسلم یونیورسٹی نے پانچ طالبعلموں کو داخل کرنے سے انکار کردیا ہے ، انکو داخل کرایا جائے ۔ اگر مسلم یونیورسٹی یو ۔ پی حکومت کا کہنا نہ مانے تو اس کی امداد بند کردی جائے ۔ (۳) رمیش چندرا اور دوسرے طالب علموں پر جو مقدمہ چل رہا ہے وہ اٹھا لیا جائے ۔ اسکے علاوہ مختلف اسکولوں اور کالجوں کی شکایات تھیں ۔

بردوان میں طلبا کی کانفرنس ہوئی ، خالصہ کالج امرتسر کا جھگڑا ابھی رہا ہے ۔ اور وہاں طلبا کے فیڈریشن کے کچھ ممبروں کی گرفتاریاں بھی ہوئیں ،

طلبا کی یہ بےچینی ملکی حالت کی خاص پیداوار ہے ، اسکولوں اور کالجوں میں جو کچھ پڑھایا جاتا ہے اس کا زندگی سے دور کا بھی لگاؤ نہیں ہوتا ، کچھ ناقابل عمل نصیحتیں کچھ مردہ لوگوں کی داستانیں کچھ غیر انسانی لیڈروں کے کارنامے ہوتے ہیں ۔ کوشش یہ کیجاتی ہے کہ طالب علم کھانے پینے ، کھیل تماشے ، بھائی بہن اور جنسی تعلقات کو بھول حساب کی بھول بھلیوں ، اور کتابوں کے انبار میں دفن ہو جائے ۔ کیا بیجان طالب علم لاکھوں میں ایک نکل سکتا ہے ، ابھی تک طلبا ان بے تکی باتوں کو برداشت کرتے چلے آئے کیونکہ اس برداشت کے انعام میں ڈپٹی کلکٹری ملتی تھی ۔ اب زمانہ گیا ، تو برداشت بھی گئی ، انکی تمنا یہ کہ اداروں کو ہی اٹھا دینا چاہئے جو ہمیشہ زندگی سے الگ تھلگ ہے ، یہ تحریک ہندستانی طلبا ہی میں نہیں بلکہ دنیا کے تمام طلبا میں پھیل رہی ہے ۔

# غریب مسلمانوں کی جماعت

پہلے تذکرہ آچکا ہے کہ غریب مسلمانوں کی ایک جماعت مسلمان کاشتکاروں مسلمان مزدوروں، اور مسلمان غریب طبقوں کی نمائندہ بنکر، یہ صاحب محمود آباد، اور دوسرے با اقتدار لیگیوں کی خدمت میں کچھ مطالبات پیش کئے گئے۔ ان مطالبات کا منشا یہ نہیں تھا کہ امیروں کو اتنی نصیحتیں کیجائیں، اتنی نصیحتیں کی جائیں کہ وہ غریبوں کو روپیہ بانٹنے لگیں، بلکہ اس کا منشا یہ تھا کہ غریب طبقوں کو جیسے مزدور، اور کاشتکار ہیں، اقتصادی جدوجہد پر ابھارا جائے، اور پھر سامراج سے، اور سرمایہ داری سے مقابلہ کیا جائے، یہ اقتصادی جدوجہد صرف ان اصولوں پر بن سکتی ہے، "لگان کم کرو،" "بیدخلی بند کرو،" مزدوروں کی تنخواہ بڑھاؤ" جہاں لڑائی اس ڈھنگ پر ہوئی۔ اس کا پہلا حملہ، راجاؤں، تعلقداروں، اور کارخانہ داروں پر ہوگا۔ گویا ملک دو حصوں میں بٹ جائیگا۔ ایک طرف سرمایہ داروں کی جماعت، دوسری طرف محروموں کی جماعت، اس صورت میں نہ تو سرمایہ دار ہندو مسلم کی ضدیں لگا کر آپس میں پھوٹ ڈالیں گے، اور نہ محروموں یعنی مزدوروں اور سرمایہ داروں کا طبقہ، گویا یہ لڑائی چھیڑنا ہی فرقہ وارانہ جنگ کو مٹانا ہے۔ بھلا مسلم لیگ ان باتوں کو مانے گی، اور خود ہی اپنے پاؤں پر کلہاڑی مارے گی،

اگر محروموں کے طبقے یوں منظم ہوگئے تو تعلقداری اور سرمایہ داری کی جڑوں کو کھوکھلا کردیں گے۔ اور کوئی حد بھی نہیں ہے جہاں پہونچ کر مزدوروں اور کاشتکاروں کے مطالبات رک جائیں گے۔ اگر آج اسٹرائک کرکے ایک آنہ انھوں نے تنخواہوں میں بڑھوا لیا تو کل اسی دباؤ پر دو آنہ بڑھوانے کی کوشش کرینگے، زمینداروں اور سرمایہ داروں کے پاس مقابلہ کرنے کو جو ہتھیار ہیں وہ مضبوط ضرور ہیں۔ قانون، عدالت، پولیس، اور فوج ان کی پشتیبانی کے لئے تیار ہیں۔ علماء بھی اپنے فتوؤں سے مدد کرنے کو موجود ہیں، مگر تجربہ یہ ہے کہ جہاں مزدوروں یا کاشتکاروں کی جماعت ایک بار منظم ہوگئی، تو پھر وہ ایسی گستاخ ہوجاتی ہے کہ کسی طرح نہیں دبتی، ان کی تعداد اور ذرائع آمدنی کا انکے ہاتھ میں ہونا ایسی طاقتیں ہیں جنکے سامنے فوج اور پولیس سب بیکار ہوجاتی ہے، اور جہاں اس نے ایک بار لڑائی جیت لی پھر مذہب کے نام پر اس میں پھوٹ پڑسکتی ہی نہیں۔ کانپور کے مزدوروں، اور کلکتہ کے مزدوروں کی تنظیم اس کی مثال ہے۔ یہ جماعت اب ہمیشہ کے لئے علماء، اور پنڈتوں کے ہاتھ سے گئی۔ چاہے شہر میں ہندو مسلم فساد ہوں، فتوؤں پر فتوے نکلیں، مولاناؤں اور پنڈتوں کی چڑھائیاں ہوں مگر یہ لوگ اب کسی مذہبی لڑائی میں شریک نہیں ہوسکتے۔ فرقہ پرستی کی یہ موت، تاریخی موت ہے۔

ہم اگر مسلم لیگ یا کسی اور فرقہ پرست جماعت کو لڑانا چاہتے ہیں۔ تو ہم کو مزدوروں اور کسانوں کی طرف جھکنا چاہئے۔ ان لوگوں کے دلوں میں سرمایہ داری اور زمینداری سے نفرت کے جذبات برسہا برس سے پک رہے ہیں دوسری طرف مصیبتوں پہ مصیبتیں جھیلتے جھیلتے تنگ آگئے ہیں، پھر یہ لوگ بہت آسانی سے اقتصادی پروگرام کے جھنڈے کے نیچے آجاتے ہیں، اور جہاں ایک بار آزاد ہوکر اس کا عملی تجربہ کرلیتے ہیں تو پھر جا نہیں سکتے۔ ان جماعتوں کو منظم کرنے کے معنی یہ ہیں کہ ہم نتیجہ کہ ذہن سے نتیجیں کرکے انکو فرقہ پرستی کے گرداب سے نکال کر جدوجہد کی سیدھی راہ پر لگا دینگے اس ایک تیر سے دو شکار کرینگے، ایک طرف فرقہ پرست جماعتیں، اور دوسری طرف برطانوی سامراج، اور اس وقت یہ بھی کھل جائیگا کہ یہ دو جماعتیں الگ الگ گروہ نہیں، بلکہ ایک ہی ذات کے دو مظہر ہیں۔ اور پھر زمینداروں اور سرمایہ داروں پر کوئی

گہری ضرب پڑی، اور ادھر برطانیہ بلبلا اٹھی۔ مگر کوئی بڑی، اسکے علاوہ سامراج پر، اور سرمایہ داری پر حملہ کرنے کا کوئی دوسرا اسورچہ ہو بھی تو نہیں سکتا یہ نہ ہوگا تو اور کیا پروگرام ہوگا؟

آزاد لیگ یا مسلمانوں کو منظم کرنے والی جماعت نے ایک بڑی غلطی یہ کی کہ وہ متوجہ ہوئے اوسط طبقے کے چھوٹے لوگوں کی طرف، یہ غریبی سے تنگ ضرور ہوتے ہیں مگر ساتھ ہی ساتھ اقتصادی حالات انکو فرقہ پرست بھی بنا دیتے ہیں۔ یہ لوگ نوکری پیشہ ہوتے ہیں، یا چھوٹے دوکاندار، و پھیری والے لوگ، ان سب جماعتوں میں فرقہ پرستی کا بہت زور ہوتا ہے، نوکریاں اور ملازمتیں زیادہ تر فرقہ پرستی کے اصول پر مبنی ہیں، سرکاری ملازمتوں میں تو یہ اصول مقرر ہی ہے۔ غیر سرکاری ملازمتوں میں بھی اس کا خیال کرنا پڑتا ہے۔ ایک ہندو دوکاندار جہاں تک ممکن ہوگا ہندو ہی کا ذکر رکھے گا۔ اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ اوسط طبقے میں روپیہ کم ہوتا ہے، مگر خرچ زیادہ۔ اسکے لئے آپس کی ہمدردی کی بہت ضرورت رہتی ہے، ہر شخص کو یہ فکر رکھنا پڑتی ہے کہ لوگوں سے تعلقات قائم ہیں، اگر کوئی بیمار پڑتا ہے تو یہ لوگ سفارش کرا کر اسپتال میں داخلہ کرا دیتے ہیں، اگر کوئی ملازمت خالی ہوتی ہے تو سفارش کرکے انکو جگہ دلا دیتے ہیں۔ ایسی حالت میں اوسط طبقے میں شاید ہی کوئی ایسا شخص ہے جس کے منافع فرقہ پرستی سے ذرا بھی وابستہ نہوں، یہ صورت اس وقت تک قائم رہے گی جب تک حکومت ہر شخص کے اخراجات کی ذمہ دار نہو جائے۔

اوسط طبقہ سرمایہ داروں سے تو سخت نفرت کرتا ہے مگر عمل جدوجہد کا کوئی مؤثر راستہ نہیں بنا سکتا۔ اسلئے یہ ہنگامی طور پر ابھارا جاسکتا تھا، اور اسکے لئے سخت پروپگنڈے کی ضرورت تھی، جلسوں، اشتہارات، پوسٹروں، اور نظموں سے کام لیا جاتا۔ اسکے لئے روپیہ کی سخت ضرورت تھی، آزاد لیگ کے پاس روپیہ کہاں؟ اسلئے غریب مسلمانوں کو ان سے ہمدردی تو تھی مگر انکے جذبات نفرت کو اتنا نہیں بیدار کیا جاسکا کہ وہ لوگ جناح کو بیک میں شریک ہوتے، تعداد کی کمی مضر ہوئی، اور چار پانچ سو لاٹھیوں سے مسلح لیگی والنٹیروں نے آسانی سے انکو زخمی کرکے منتشر کردیا۔ حملہ تو کامیاب رہا لیکن حقیقت میں مسلم لیگ نے اوسط طبقے کے چھوٹے لوگوں میں اپنی نفرت کا بیج بو دیا۔

مسلم لیگ کبھی مٹ نہیں سکتی، چاہے اس کا نام بدل دیا جائے۔ کاشتکاروں اور مزدوروں کا مقابلہ کرنے کو زمینداروں اور سرمایہ داروں کو ایک انجمن بنانا ضروری ہے۔ اس انجمن کا مقصد کھلم کھلا کاشتکاروں اور مزدوروں کو دکھ پہنچانا تو ہو نہیں سکتا۔ یہ تو محض خودکشی ہوگی۔ اس لئے مقاصد کچھ ایسے رکھے جائیں گے جو در پردہ کسانوں اور مزدوروں کی تحریک کو کمزور کردیں۔ مگر لہٰذا ہر بڑے مقدس نظر آئیں۔ مثلاً مذہب کی حفاظت، کلچر کی حفاظت، حالانکہ اب یہ الفاظ اتنے گھس گئے ہیں کہ اندر کا خول نظر آنے لگا ہے۔ لیکن پھر بھی کچھ نہ کچھ کام دے ہی جاتے ہیں۔

مسلم لیگ کی تباہی میں ہمکو ہمت نہ ہارنا چاہئے کیونکہ ہمارے پاس کام کرنے کا ایک پروگرام ہے اور انکے پاس کچھ نہیں۔ یہ لوگ تو اقتصادی پروگرام یعنی مزدوروں، و کسانوں کی تنظیم چھیڑ ہی نہیں سکتے۔ اگر وہ کچھ کرینگے تو یہی کہ ان جماعتوں کو بھٹک بھٹک کر سلانے کی کوشش کریں۔ کچھ ادنیٰ قسم کی اصلاحوں میں الجھانے کی کوشش کریں، اور سرمایہ داری جماعتیں ذرا بھی منظم ہوئیں اور ان پر حملہ کرنا چھوڑ دینے۔ مزدوروں اور کسانوں کی تنظیم ہنگامی کام نہیں، محنت اور استقلال کی ضرورت ہے۔ تاریخی حیثیت ایک طاقت کو مٹانا دوسری کو پیدا کرنا ہے، گویا تاریخ بنانا ہے۔

# صوبہ متحدہ کی اسمبلی کا مالیاتی اجلاس

مجالس قانون ساز کے جن اجلاسوں میں بجٹ پیش کیا جاتا ہے وہ عام طور پر بہت اہم سمجھے جاتے ہیں۔ حکومت کے لئے بجٹ کی اہمیت تو ظاہر ہی ہے لیکن ان اجلاسوں میں اسکے علاوہ حکومت کی عام پالیسی اور گذشتہ اور آئندہ طرزِ عمل پر بھی بحث کیجاتی ہے جس کی وجہ سے ان کی اہمیت اور بڑھ جاتی ہے۔ یوں تو ہندستان کے ہر صوبہ میں ہر سال اس قسم کا اجلاس ہوتا آیاہے لیکن اس سال خاص کر ان صوبوں میں جہاں کانگرسی وزارتیں ہیں مالیاتی اجلاس کی اہمیت اور بڑھ گئی کیونکہ ایک ایسی جماعت نے جو ہندستان کے موجودہ دستور اساسی کو توڑنے کا ارادہ رکھتی ہے حکومت کی ذمہ داریاں اپنی اوپر لے لی ہیں۔ ظاہر ہے کہ وزارتیں پرانے طرزِ عمل کو بدل کر ایک نئی راہ نکالنا چاہتی ہیں اور اس اجلاس میں ان کو آئندہ کا پروگرام پیش کرنا تھا۔

وزارتوں کو کام شروع کئے ہوئے چند مہینے بھی نہیں ہوئے تھے کہ مالیاتی اجلاس کا وقت آگیا اسلئے بہت سی ایسی چیزیں تھیں جو صاف طور پر نہیں پیش کیجاسکیں لیکن دوسرے صوبوں کی طرح جہاں کانگرسی وزارتیں ہیں اس صوبہ میں بھی اتنا تو صاف ہوگیا کہ وزارت کسانوں کی طرف سب سے پہلے توجہ کرنا چاہتی ہے۔ چنانچہ بجٹ سے متعلق جتنی بحثیں ہوئیں ان میں یہ بات بالکل ظاہر ہوگئی۔ زمینداروں کی طرف سے بجٹ میں بہت سی ترمیمیں پیش ہوئیں جن کے ذریعہ سے ان لوگوں نے اس بات پر زور دیا کہ حکومت کو زمینداروں کا خیال رکھنا چاہئے لیکن وزیر زراعت اور وزیر مال نے بار بار حکومت کی اس پالیسی کا اعلان کیا کہ وہ کسانوں کو زمینداروں کے ظلم وستم سے بچانا اپنا فرض سمجھتی ہے۔ اسکے لئے جو قوانین حکومت نے پہلے اور دوسرے اجلاسوں میں پیش کئے ان سے ضمنی طور پر چھوٹے زمینداروں کا فائدہ بھی ہوتا ہے لیکن دراصل وہ کسانوں کی مصیبتوں کا لحاظ کرکے بنائے گئے ہیں۔

مزدوروں کی مصیبتوں پر اس اجلاس میں کچھ زیادہ بحث نہ ہوسکی لیکن کانپور کی ہڑتال کے سلسلے میں اتنا تو ضرور صاف ہوا کہ حکومت کو جتنی ہمدردی مزدوروں سے ہے کارخانہ داروں سے نہیں ہے۔ ایک دلچسپ واقعہ قابل ذکر ہے۔ مسلم لیگ کے ایک ممبر نے التوا کی تحریک اس غرض سے پیش کی کہ کانپور کے مزدوروں پر حکومت نے جو پابندیاں عائد کردی ہیں انپر اظہار ناراضگی کیا جائے۔ بحث شروع تو ہوگئی لیکن مسلم لیگ اور انڈپنڈنٹ پارٹی کے ممبروں نے اس میں بہت کم حصہ لیا۔ وجہ ظاہر ہے مسلم لیگ کے بہت سے ممبر اور انڈپنڈنٹ پارٹی تو زمیندار ہیں یا ان کے متعلقین، کانگرسی وزارت کی مخالفت میں انھوں نے بحث تو شروع کردی لیکن آخر مزدوروں کے مطالبات کی تائید کیسے کرتے۔ وہ تو خود ان کے خلاف پڑتے ہیں۔ اس سے یہ فائدہ ضرور ہوا کہ حکومت کو اپنی پالیسی کے صاف کرنے کا موقع مل گیا۔ وزیر صنعت اور وزیر اعظم کی تقریروں سے یہ ظاہر ہوگیا کہ وہ مزدوروں کی مصیبتوں سے غافل نہیں ہیں۔

مسلم لیگ پارٹی نے اس اجلاس میں بجز فرقہ وارانہ مسائل کے اور کسی بنیادی مسئلہ پر بحث کرنا ضروری نہیں سمجھا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسکے پاس کوئی متعین پروگرام نہیں ہے۔ کانگرس پارٹی کی طرف سے جو تجویز دستور اساسی کے خلاف پیش ہوئی تھی اس سے متعلق بھی مسلم لیگ پارٹی کا رویہ عبرت انگیز تھا۔ بجائے اسکے کہ گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء کے خلاف ایک متحدہ محاذ قائم کرتے انھوں نے حقوق کا مسئلہ چھیڑ دیا۔ اسکے معنی یہ ہوئے کہ حکومت برطانیہ سے انکو بمقابلہ کانگرس کے اپنے حقوق کی حفاظت کی زیادہ توقع ہے۔ اس میں شک بھی نہیں اسلئے کہ اسوقت جن عناصر کا مسلم لیگ پر قبضہ ہے ان کی حفاظت کوئی جمہوری جماعت ہرگز نہ کرے گی۔ مسلم لیگ کی ترمیم کے مسترد ہوجانے پر انڈپنڈنٹ پارٹی کے مسلمان بھی مسلم لیگ پارٹی کے ساتھ اسمبلی سے باہر چلے گئے۔ اب ذرا غور کرنے کی بات ہے کہ انڈپنڈنٹ پارٹی جس نے نیشنل اگریکلچرسٹ پارٹی کی شکل میں انتخابات میں مسلم لیگ کی مخالفت کی تھی اور اپنے آپ کو ایک مشترک اور غیر فرقہ وارانہ جماعت بتلایا تھا کیوں اس خالص فرقہ وارانہ مسئلہ پر مسلم لیگ کے ساتھ ہوگئی، ان دونوں کے کاغذی پروگرام پر اگر غور کیا جائے تو کانگرس کی مخالفت کے سوا اور کوئی چیز ان میں مشترک نہیں معلوم ہوتی لیکن اس اشتراک عمل سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مسلم لیگ جس چیز کا مطالبہ کررہی ہے وہ غریب ومظلوم مسلمانوں کے حقوق نہیں ہیں بلکہ زمیندار اور سرمایہ دار مسلمانوں کی موجودہ دست برد کی حفاظت ہے۔

اس اجلاس کی ایک بہت بڑی خصوصیت یہ تھی کہ اس میں پرانے دستور کے خلاف کارروائی بجائے انگریزی کے ہندستانی زبان میں ہونے لگی۔ اسمبلی کی کارروائی کے جو ضابطے موجود ہیں ان کی رو سے عام طور پر یہ سمجھا جاتا تھا کہ صرف ان لوگوں کو کسی دوسری زبان کے استعمال اجازت مل سکتی ہے جو انگریزی نہیں جانتے لیکن صدر اسمبلی کی نئی تعبیر کی رو سے اب جو کوئی بھی چاہے ہندستانی میں تقریر کرسکتا ہے، یہ تبدیلی ایک ذہنی انقلاب کا پتہ دیتی ہے۔ زبان کا مسئلہ قوم کی ترقی کے اہم مسئلوں میں سے ایک ہے۔ اپنی زبان کا استعمال نہ صرف قومی وقار کے لحاظ سے ضروری ہے بلکہ معاملات کو ٹھیک ٹھیک سمجھنے اور سمجھانے کے لئے بھی۔ جبتک اسمبلی کی حیثیت ایک دلچسپ تماشے کی تھی اور لوگ وہاں اس لئے جاتے تھے کہ اپنی قوت گویائی اور زبان دانی کا مظاہرہ کریں۔ اسوقت تک تو غیر ملکی زبان کا استعمال موزوں تھا لیکن جب ملک کے نمائندے اس میں موجود ہیں اور وہ ملکی مسائل پر سنجیدگی سے غور کرنا چاہتے ہیں تو ان مسائل کو کچھ اپنی ہی زبان میں اچھی طرح سے ادا کیا جاسکتا ہے۔ دوسرے صوبوں کی اسمبلیوں کے اسپیکروں کو بھی چاہیے کہ اس مبارک فیصلہ کی تائید کریں اور اپنے صوبوں کی زبانوں میں کارروائی کی اجازت دیں۔

اس اجلاس میں ایک اہم مسئلہ پر بہت کم بحث ہوئی۔ وہ تعلیم کا مسئلہ ہے۔ توقع تھی کہ وزیر تعلیم ایک خاکہ تعلیمی اصلاح کا پیش کرینگے۔ اس میں شک نہیں کہ تعلیم کا مسئلہ بہت غور طلب ہے لیکن چند بنیادی خرابیاں تو موجودہ نظام تعلیم میں ایسی ہیں کہ انکو دور کرنے کا مطالبہ ہورہا ہے۔ حکومت کو چاہئے کہ ان کی طرف توجہ کرے۔ کیونکہ نظام تعلیم کی اصلاح کے بغیر سماج کی اصلاح ناممکن ہے اور خاص کر ایسے ملک میں جہاں پڑھے لکھے لوگوں کی تعداد اتنی کم ہے۔

# دو مسجدیں

جواہرلال نہرو

[یہ مضمون مسجد شہید گنج کی تحریک کے زمانہ میں لکھا گیا تھا لیکن اردو میں پہلی بار شائع ہو رہا ہے]

آجکل اخباروں میں لاہور کی مسجد شہید گنج کا ہر روز کچھ نہ کچھ چرچا ہوتا ہے۔ شہر میں کافی کھلبلی مچی ہوئی ہے، دونوں طرف مذہبی جوش دکھائی پڑتا ہے۔ ایک دوسرے پر حملے ہو رہے ہیں، اور بیچ میں ایک پنچ کیطرح انگریزی حکومت اپنی طاقت دکھاتی ہے۔ مجھے نہ تو واقعات ہی ٹھیک ٹھیک معلوم ہیں کہ کس نے یہ سلسلہ پہلے چھیڑا تھا، یا کس کی غلطی تھی، اور نہ اس کی جانچ کرنے کی میری کوئی خواہش ہی ہے۔ اس طرح کے مذہبی جوش میں مجھے زیادہ دلچسپی بھی نہیں ہے، لیکن دلچسپی ہو یا نہ ہو جب وہ بدقسمتی سے پیدا ہو جاتے تو اس کا سامنا کرنا ہی پڑتا ہے۔ میں سوچتا ہوں کہ ہم لوگ اس ملک میں ابھی کتنا پیچھے ہیں کہ ادنیٰ ادنیٰ سی باتوں پر جان دینے پر آمادہ ہو جاتے ہیں لیکن اپنی غلامی اور فاقہ کشی کو تیار رہتے ہیں۔

اس مسجد سے میرا دھیان بھٹک کر ایک دوسری مسجد کیطرف جا پہنچا۔ وہ ایک بہت ہی مشہور تاریخی مسجد ہے، اور قریب پندرہ سو برسوں سے اس کی طرف لاکھوں کروڑوں نگاہیں دیکھتی آئی ہیں۔ وہ اسلام سے بھی پرانی ہے، اور اس نے اپنی اس لمبی زندگی میں نہ جانے کتنی باتیں دیکھی ہیں۔ اسکے سامنے بڑے بڑے سامراج گرے پرانی سلطنتیں غارت ہوئیں، مذہبی انقلابات ہوئے، خاموشی سے اس نے یہ سب دیکھا اور مہر کرانتی اور انقلاب پر اس نے اپنی بھی پوشاک بدلی۔ چودہ سو برس کے طوفانوں کو اس عالیشان عمارت نے برداشت کیا، بارش نے اس کو دھویا، ہوا نے اپنے بازوؤں سے اسکو رگڑا، جس نے اسکے بعض حصوں کو ڈھا دیا، پر بزرگی اور شان اسکے ایک ایک پتھر سے ٹپکتی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اسکی رگ رگ اور ریشہ ریشہ میں دنیا بھر کا تجربہ اس ڈیڑھ ہزار برس نے بھر دیا ہے۔ اتنے طویل زمانے تک قدرت کے کھیلوں اور طوفانوں کی برداشت کٹھن تھی، لیکن اس سے بھی کٹھن تھا آدمیوں کی حماقتوں اور وحشتوں کا سہنا، پر اس نے یہ بھی سہا۔ اسکے پتھروں کی خاموش نگاہوں کے سامنے سامراج کھڑے ہوئے اور گرے، مذہب اٹھے اور بیٹھے، بڑے سے بڑے بادشاہ، خوبصورت سے خوبصورت عورتیں، لائق سے لائق آدمی، ہیرو اپنا اپنا راستہ ناپ کر غائب ہو گئے، ہر طرح کی شجاعت ان پتھروں نے دیکھی، اور ہر قسم کی رذالت اور کمینہ پن بھی، بڑے اور چھوٹے، اچھے اور برے، سب آئے اور چل بسے، لیکن وہ پتھر ابھی تک قائم ہیں۔ کیا سوچتے ہونگے وہ پتھر جب وہ آج بھی اپنی اونچائی سے آدمیوں کی بیہودگی کو دیکھتے ہوں گے ــــ انکے بچوں کا کھیل، انکے بڑوں کی لڑائی، فریب اور بیوقوفی! ہزاروں برس میں انہوں نے کتنا کم سیکھا! کتنے دن اور لگیں گے کہ ان کو عقل و سمجھ آئے گی۔؟

سمندر کی ایک پتلی سی بانہہ ایشیا، اور یورپ کو وہاں الگ کرتی ہے۔ ایک چوڑی ندی کی طرح باسفورس بہتا ہے اور وہ دو دنیاؤں کو جدا کرتا ہے۔ اسکے یورپی کنارے کی چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں پر بازنطین کی پرانی بستی تھی۔ بہت دنوں سے وہ رومن سلطنت میں تھی جبکی پوربی سرحد عیسوی کی شروع صدیوں میں عراق تک تھی، لیکن پورب کیطرف اس سامراج پر اکثر حملے ہوتے تھے۔ روم کی طاقت کچھ کم ہو رہی تھی، اور وہ اپنی دور دور کی سرحدوں کی ٹھیک طرح حفاظت نہیں کر سکتا تھا۔ کبھی پچھم اور اتر میں جرمن وحشی (جنکو رومن لوگ ہنس کہتے تھے) چڑھ آتے تھے، اور انکا ہٹانا مشکل ہو جاتا تھا۔ تو کبھی پورب میں عراق کی طرف سے یا عرب سے ایشیائی لوگ حملے کرتے اور رومن فوجوں کو ہرا دیتے تھے۔

روم کے شہنشاہ قسطنطین نے یہ فیصلہ کیا کہ اپنی راجدھانی پورب کی طرف لے جائے تاکہ وہ پوربی حملوں سے سامراج کی حفاظت کر سکے۔ اس نے باسفورس کے حسین کنارے کو چنا اور بازنطین کی چھوٹی پہاڑیوں پر ایک عظیم الشان شہر بسایا۔ عیسوی کی چوتھی صدی ختم ہونے والی تھی جب قسطنطنیہ کا جنم ہوا۔ اس نئے انتظام سے رومن سامراج پورب میں مزید مضبوط ہو گیا لیکن اب پچھم کی سرحد اور بھی دور پڑ گئی، کچھ دن بعد رومن سامراج کے دو ٹکڑے ہو گئے، ایک مغربی سامراج اور دوسرا مشرقی سامراج، کچھ برس بعد مغربی سامراج کو اسکے دشمنوں نے ختم کر دیا لیکن مشرقی سامراج ایک ہزار برس سے زیادہ قائم رہا، اور وہ بازنطینی سامراج کے نام سے مشہور ہوا۔

شہنشاہ بازنطین نے صرف راجدھانی ہی نہیں بدلی، بلکہ اس سے بھی بڑی ایک اور تبدیلی کی، اس نے عیسائی مذہب قبول کیا، اسکے پہلے عیسائیوں پر روم میں بہت ظلم ہوتے تھے، جو ان میں سے روم کے دیوتاؤں کو نہیں پوجتا تھا، یا شہنشاہ کی مورتی کی پوجا نہیں کرتا تھا اسکو موت کی سزا مل سکتی تھی، اکثر اسے میدان میں بھوکے شیروں کے سامنے پھینک دیا جاتا تھا۔ یہ روم کی جنتا کا بہت پیارا تماشا تھا۔ روم میں عیسائی ہونا ایک بہت خطرے کی بات تھی، وہ تو باغی سمجھے جاتے تھے۔ اب یکایک زمین آسمان کا فرق ہو گیا، شہنشاہ خود ہی عیسائی ہو گیا، اور عیسائی مذہب سب سے زیادہ قابل احترام سمجھا جانے لگا۔ اب بیچارے پرانے دیوتاؤں کے پجاری مشکل میں پڑ گئے، اور بعد کے شہنشاہوں نے تو ان کو بہت ستایا، صرف ایک بادشاہ ایسا ہوا (جولین)، جو عیسائی مذہب کو خیرباد کہکر پھر دیوتاؤں کا پجاری بن گیا۔ لیکن اس وقت تک عیسائی مذہب بہت زور پکڑ چکا تھا۔ اسلئے بیچارے روم اور یونان کے قدیم دیوتاؤں کو جنگلوں کی راہ لینا پڑی، اور وہاں سے بھی وہ دھیرے دھیرے غائب ہو گئے۔

اس پوربی سامراج کے مرکز قسطنطنیہ میں شہنشاہوں کی خواہش سے بڑی بڑی عمارتیں بنیں، اور بہت جلد وہ ایک حسین اور دلفریب شہر ہو گیا۔ اس وقت یورپ میں کوئی بھی دوسرا شہر اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ روم بھی بالکل پیچھے پڑ گیا تھا۔ وہاں کی عمارتیں ایک نئی طرز کی بنیں، ایک نئے تعمیری آرٹ کا جنم ہوا جس میں محراب، گنبد، برج، کھمبے، زیادہ تر ایک نئے طرز کے تھے۔ اور جسکے اندر اور کھمبوں پر باریک گلکاری ہوتی تھی۔ یہ فن تعمیر بازنطینی فن کے نام سے مشہور ہے۔ چھٹی صدی میں اس آرٹ کا ایک عالیشان کیتھیڈرل (بڑا گرجا) قسطنطنیہ میں بنایا گیا جو سانتا صوفیہ کے نام سے مشہور ہوا۔ پوربی رومن سامراج کا یہ سب سے بڑا گرجا تھا، اور شہنشاہوں کی یہ خواہش تھی، کہ وہ بے مثل بنے اور اپنی شان اور فن کے اعتبار سے سامراج کی شان کے لائق ہو۔ انکی تمنا پوری ہوئی، اور یہ گرجا اب تک بازنطینی آرٹ کی سب سے بڑی فتح سمجھا جاتا ہے۔

بعد میں عیسائی دھرم کے دو ٹکڑے ہوئے (ہوئے تو کئی لیکن دو بڑے ٹکڑوں کا ذکر ہے) اور روم اور قسطنطنیہ میں مذہبی لڑائی ہوئی، وہ ایک دوسرے سے الگ ہو گئے۔ روم کا بشپ (بڑا پادری) پوپ ہو گیا اور یورپ کے مغربی ملکوں میں بڑا مانا جانے لگا، لیکن پوربی رومن سامراج نے اسکو نہیں تسلیم کیا۔ اور وہاں کا عیسائی فرقہ الگ ہو گیا۔ یہ فرقہ آرتھوڈکس چرچ کہلانے لگا، یا اکثر گریک چرچ بھی کہلاتا تھا، کیونکہ وہاں کی بولی گریک ہی ہو گئی تھی، آرتھوڈکس چرچ کی، روس اور اسکے آس پاس

بھی عملداری تھی۔

سینٹ سوفیہ کا کیتھیڈرل گریک چرچ کا مرکز تھا۔ اور نو سو برس تک وہ ایسا ہی رہا۔ بیچ میں ایک مرتبہ روم کے کٹر عیسائی (جو سارا ذہن سے کروسیڈ جہاد کرنے آئے تھے) قسطنطنیہ پر ٹوٹ پڑے اور اس پر انھوں نے قبضہ بھی کر لیا۔ لیکن وہ جلد ہی نکال دئے گئے۔

آخر میں جب پوربی رومن سامراج ایک بڑی حد سے زیادہ ضعیف ہو چکا تھا اور سینٹ صوفیہ کی زندگی بھی تقریباً نو سو برس کی ہو رہی تھی، تب ایک نیا حملہ ہوا۔ وہاں کا جو سب سے بڑا عیسائی کیتھیڈرل تھا وہ اب سب سے بڑی مسجد بن گئی۔ سینٹ صوفیہ کا نام ایا صوفیہ ہو گیا۔ اسکی نئی زندگی بھی لمبی نکلی سیکڑوں برسوں کی۔ یا آج اس طرح سے وہ عالیشان مسجد ایسی نشانی بن گئی جس پر دو دوسرے نگاہیں آ کر ٹکراتی تھیں اور بڑے بڑے منصوبے باندھتی تھیں۔ انیسویں صدی میں ترکی سامراج کمزور ہو رہا تھا۔ روس اتنا بڑا ملک ہوتے ہوئے بھی بند ملک تھا۔ اسکے سامراج میں کوئی ایسا کھلا بندرگاہ نہ تھا جو سردیوں میں برف سے خالی رہے اور کام آ سکے۔ اسلئے وہ قسطنطنیہ کی طرف لالچ بھری نگاہوں سے دیکھتا تھا۔ اس سے بھی زیادہ کشش روحانی اور تمدنی تھی۔ روس کا زار اپنے کو پوربی رومن سامراج کا وارث سمجھتا تھا، اور اسکی پرانی راجدھانی کو اپنے قبضہ میں لانا چاہتا تھا۔ دونوں کا مذہب وہی ارتھوڈاکس گریک چرچ تھا جسکا بانی گرجا سینٹ صوفیہ تھا۔ روس کے لئے ناقابل برداشت تھا کہ اس کا سب سے پرانا اور مشہور گرجا مسجد بنا ہوا ہے۔ اسکے اوپر جو اسلام کا نشان ہلال تھا اسکے بجائے یونانی صلیب کو ہونا چاہئے تھا۔

دھیرے دھیرے انیسویں صدی میں زاروں کا روس قسطنطنیہ کی طرف بڑھتا گیا۔ جب قریب پہنچنے لگا تو یورپ کی دوسری طاقتیں گھبرائیں۔ انگلینڈ اور فرانس نے ترکی کا ساتھ دیا، لڑائی ہوئی۔ روس رکا۔ لیکن پھر وہی کوشش جاری ہو گئی۔ پھر وہی سیاسی پیچ چلنے لگے۔ آخر کار ۱۹۱۴ء کی بڑی لڑائی شروع ہوئی، اور اس میں انگلینڈ، فرانس، روس، اور اٹلی میں خفیہ سمجھوتے ہوئے۔ دنیا کے سامنے تو اعلیٰ اصول رکھے گئے، آزادی کے اور چھوٹے ملکوں کی خود مختاری کے، لیکن پردے کے پیچھے گدھوں کی طرح لاش کے انتظار میں اسکے بٹوارے کے منصوبے باندھے گئے۔

پر یہ منصوبے بھی پورے نہیں ہوئے۔ اس لاش کے ملنے کے پہلے زاروں کا روس ہی ختم ہو گیا۔ وہاں انقلاب ہوا اور حکومت اور سماج دونوں کا ہی الٹ پھیر ہو گیا۔ بالشویکوں نے تمام پرانے خفیہ سمجھوتے شائع کر دئے یہ دکھلانے کو کہ یورپ کی بڑی بڑی سامراجی طاقتیں کتنی دھوکہ باز ہیں۔ ساتھ ہی اس بات کا اعلان کر دیا کہ وہ (بالشویک) ہر سامراج کے مخالف ہیں، اور کسی دوسرے ملک پر اپنا اختیار نہیں جمانا چاہتے۔ ہر ایک قوم کو آزاد رہنے کا حق ہے۔

یہ صفائی اور نیک نیتی یورپ کی تجربہ کار طاقتوں کو پسند نہیں آئی۔ انکی رائے میں خفیہ معاہدوں کا ڈھنڈورا پیٹنا شرافت کی نشانی نہیں تھی۔ خیر اگر روس کی نئی حکومت نالائق ہے تو کوئی وجہ نہیں تھی کہ وہ اپنے اپنے ٹکڑے پر ہاتھ دھو بیٹھیں۔ انھوں نے، خاصکر انگریزوں نے قسطنطنیہ پر قبضہ کیا۔ ۴۶۸ برس بعد اس پرانے شہر کی حکومت اسلامی ہاتھوں سے نکل کر پھر عیسائی ہاتھوں میں آئی۔ سلطان خلیفہ ضرور موجود تھے۔ لیکن وہ ایک گڑیا کی طرح تھے۔ جدھر موڑ دئے جائیں، ادھر ہی گھوم جاتے تھے۔ ایا صوفیہ بھی حسب معمول کھڑی تھی اور مسجد بھی۔ لیکن وہ شان کہاں جو آزادی کے زمانے میں تھی، جب حضرت سلطان اس میں جمعہ کی نماز پڑھنے جاتے تھے؟

سلطان نے سر جھکایا، خلیفہ نے غلامی تسلیم کی، لیکن چند ترک ایسے تھے جنکو یہ منظور نہ تھا۔ ان میں سے ایک مصطفیٰ کمال تھا جس نے غلامی سے بغاوت کو بہتر سمجھا۔

اس عرصہ میں قسطنطنیہ کے اور دعویدار پیدا ہوئے۔ یہ یونانی لوگ تھے۔ لڑائی کے بعد یونان کو مفت میں بہت سی زمین ملی۔ اور وہ پرانی پوربی رومن سامراج کا خواب دیکھنے لگا۔ ابھی تک روس راستہ میں تھا، اور ترکی تو موجود ہی تھا۔ اب روس مقابلے سے ہٹ گیا اور ترک لوگ ہارے ہوئے پریشان پڑے تھے۔ راستہ صاف معلوم ہوتا تھا۔ انگلینڈ اور فرانس کے بڑے آدمیوں کو بھی راضی کر لیا گیا۔ پھر دقت کیا تھی؟

لیکن ایک پرانی مشکل تھی یعنی مصطفیٰ کمال پاشا! اس نے یونانی حملے کا مقابلہ کیا اور اپنے ملک سے یونانی فوجوں کو بری طرح ہرا کر نکالا۔ اسکے بعد سلطان خلیفہ کو جب اس نے دیکھا کہ دشمنوں کا ساتھ دیتا تھا، نکال دیا۔ اس نے سلطنت اور خلافت، دونوں ہی کا سلسلہ مٹا دیا۔ اس نے اپنے گرے اور تھکے ملک کو ہزاروں مصیبتوں سے دشمنوں کے سامنے کھڑا کیا اور اس میں پھر نئی جان ڈالی۔ اس نے بڑے بڑے انقلاب مذہبی اور سماجی کئے۔ عورتوں کو پردے سے باہر کھینچ کر قوم میں سب سے آگے رکھا۔ اس نے مذہب کے کٹرپن کو دبا دیا اور سر نہیں اٹھانے دیا۔ اس نے سب کی نئی تعلیم چلائی۔ ہزار برس پرانے رواجوں اور طریقوں کو ختم کیا۔

پرانی راجدھانی قسطنطنیہ کو بھی اس نے عہدے سے اتار دیا۔ ڈیڑھ ہزار برس سے وہ بڑے بڑے سامراجوں کی راجدھانی رہی تھی۔ اب راجدھانی ایشیا میں انگورہ ہو گئی۔ ایک چھوٹا سا شہر لیکن ترکوں کی نئی طاقت کا ایک نمونہ۔ قسطنطنیہ کا نام بھی بدل گیا۔ وہ استنبول ہو گیا۔

اور ایا صوفیہ! اس کا کیا حشر ہوا؟ وہ چودہ سو برس کی عمارت استنبول میں کھڑی ہے۔ اور زندگی کے اونچ نیچ کو دیکھتی جاتی ہے۔ نو سو برس تک اس نے گریک مذہبی گانے سنے، اور طرح طرح کی خوشبوؤں کو سونگھا جو یونانی گرجاؤں میں رہتی ہیں۔ پھر چار سو اسی برس تک عربی اذان کی آواز اسکے کانوں میں آئی اور نماز پڑھنے والوں کی قطاریں اسکے پتھروں پر کھڑی ہوئیں۔

اور اب؟

ایک دن کچھ مہینے کی بات ہے۔ اسی سال ۱۹۳۵ء میں غازی مصطفیٰ کمال پاشا (جنکو اب خاص نام اور خطاب اتاترک کا دیا گیا ہے) کے حکم سے ایا صوفیہ مسجد نہیں رہی۔ بغیر کسی دھوم دھام کے وہاں کے موذن اور ملا لوگ ہٹا دئے گئے۔ اور دوسری مسجدوں میں بھیج دئے گئے۔ اب یہ بڑا گرجا جو مسجد تھا میوزیم ہے۔ خاص کر بازنطینی آرٹ کا۔ بازنطینی زمانہ ترکوں کے آنے کے پہلے کا عیسائی زمانہ تھا۔ جب ترکوں نے قسطنطنیہ پر قبضہ ۱۴۵۳ء میں کیا تھا۔ اس وقت سے سمجھا جاتا ہے کہ بازنطینی فنون ختم ہو گئے۔ اسلئے اب ایا صوفیہ ایک طرح سے پھر عیسائی زمانہ کو واپس چلی گئی۔ مصطفیٰ کمال کے حکم سے۔

آجکل وہاں زوروں سے کھدائی ہو رہی ہے۔ جہاں جہاں نئی قلعی لگی تھی ہٹائی جا رہی ہے اور پرانی گلکاری کے نمونے نکل رہے ہیں۔ بازنطینی آرٹ کے جاننے والے امریکہ اور جرمنی سے بلائے گئے ہیں اور انھیں کی نگرانی میں کام ہو رہا ہے۔ پھاٹک پر خان کی گھنٹی ہے اور دربان بیٹھے ہیں۔ ان کو آپ اپنا چھاتا اور چھڑی دیجئے، انکا ٹکٹ لیجئے اور اندر جا کر اس مشہور قدیم آرٹ کے نمونے دیکھئے۔ اور دیکھتے دیکھتے اس دنیا کی عجیب تاریخ پر غور کیجئے۔ اپنے دماغ کو ہزاروں برس آگے پیچھے دوڑنے دیجئے۔ کیا کیا تصویریں، کیا کیا تماشے، کیا کیا ظلم، کیا کیا ستم، آپ کے سامنے آتے ہیں۔ ان دیواروں سے پوچھیے، وہ اپنی کہانی سنائیں۔ اپنے تجربے آپ کو دیں۔ شاید کل اور پرسوں جو گزر گئے ان پر غور کرنے سے ہم آج کو سمجھیں۔ شاید مستقبل کے پردے کو بھی ہٹا کر ہم جھانک سکیں۔

لیکن وہ پتھر اور دیواریں خاموش ہیں۔ انھوں نے اتوار کی عبادتیں پوجا بہت دیکھی، اور بہت دیکھیں جمعہ کی نمازیں۔ اب ہر دن کی نمائش ہے انکے سامنے ہیں! دنیا بدلتی رہی لیکن وہ قائم ہیں۔ انکے گھسے ہوئے چہرے پر ایک ہلکی مسکراہٹ سی معلوم ہوتی ہے، اور دھیمی سی آواز کانوں میں آتی ہے ——— انسان بھی کتنا بیوقوف اور جاہل ہے کہ وہ ہزاروں برس کے تجربے سے نہیں سیکھتا، اور بار بار وہی حماقتیں کرتا ہے۔

# برطانوی سامراج ایک روسی کی نظر میں

پروفیسر زدانیچ

دولت برطانیہ نے بیسویں صدی کے شروع ہی سے اپنی نوآبادیوں کو شریک سلطنت بنانا شروع کر دیا تھا لیکن جنگ عظیم کی آمد پر اس بات کی ضرورت اور زیادہ محسوس ہونے لگی۔ چونکہ نوآبادیوں نے جنگ میں سپاہی اور ہر قسم کے سامان سے مدد کی تھی تالیف قلب اور تسلی کے لئے برطانیہ نے بھی انکے نمائندوں کو جنگی مشوروں میں اور بعد کو صلح کانفرنس میں شریک رکھا تھا۔ لیکن جنگ کے بعد جب جمعیت اقوام قائم کی گئی اور ان نمائندوں کو شریک کیا گیا تو انھوں نے رفتہ رفتہ انگلستانی حکومت سے اختلاف کرنا شروع کیا۔ وجہ یہ تھی کہ ان نمائندوں کو احساس ہو گیا کہ وہ صرف دولت برطانیہ کے مختلف حصوں کے ترجمان ہی نہیں ہیں بلکہ ان کو اپنی اپنی حکومتوں کی ان ضرورتوں کے لئے بھی جو لڑائی کے بعد پیدا ہوئی تھیں جد و جہد کرنا ہے۔ برطانیہ کی وزارت کی ہمیشہ یہ کوشش رہی کہ تمام مقبوضات کو انگلستانی حکومت کا محتاج اور تابع بنا رکھیں لیکن نوآبادیوں میں اب یہ خیال پیدا ہونے لگا کہ ان کا فائدہ اسی میں ہے کہ وہ اپنی ضرورتیں حاصل کرنے میں آزاد ہو جاویں۔ دونوں طرف سے اپنے اپنے فائدے کی کوششیں جاری ہیں لیکن نوآبادیاں کوشش میں کامیاب ہوتی رہیں۔ اس میں برطانیہ کے مالی اور تجارتی نقصان کے ساتھ ہی ساتھ اسکے وقار کو بھی صدمہ پہنچتا تھا لہذا برطانوی اخبار والے اور مصنفین کچھ عرصہ تک اپنی تحریروں سے اس رسوائی پر پردے ڈھانکتے رہے۔

لیکن وزارت پر نوآبادیوں کے اختلاف کا دباؤ بڑھتا گیا اور بالآخر مجلس شوریٰ دولت قائم کی گئی۔ سنہ ۱۹۳۱ء میں ایک سمجھوتہ سٹیٹوٹ آف ویسٹ منسٹر کے نام سے تیار ہوا جس کی رو سے برطانیہ نے نوآبادیوں کی آزادی رائے اور آزادی عمل کو تسلیم کر لیا۔ یہ فیصلہ سخت مجبوری میں کیا گیا کیونکہ نوآبادیوں نے اپنے ارادوں پر عمل کرنا اور برطانیہ کو قطع تعلق کی دھمکیاں دینا شروع کر دیا تھا۔

ہندستان کو جو دستور حکومت سنہ ۱۹۳۵ء میں دیا گیا، اس کو دیکھکر بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ سلطنیکی ساتویں نوآبادی ہے لیکن سمجھنے والے جانتے ہیں کہ یہ اس ملک کو ہمیشہ کیلئے غلامی اور بے بسی میں رکھنے کا طریقہ ہے۔ انگلستان اور مصر کا نیا سمجھوتا بھی کچھ اسی قسم کا ہے۔ مصر برطانیہ کے چھکڑے سے نصف صدی سے بندھا ہوا ہے۔ اتنی مدت کے بعد پرانی رسیاں کھول کر جو نئے ریشمی فیتوں سے اسے باندھا گیا ہے تو اسکا یہی مطلب ہے کہ پرانی رسیاں اتنی کمزور ہو گئیں کہ ٹوٹنے کے قریب ہیں۔ ان تمام حالات کو دیکھکر یہ حقیقت صاف ہو جاتی ہے کہ سلطنت برطانیہ کا پرانا ڈھیرا بالکل بیکار اور بے جان ہو چکا تھا اگر نئے طریقوں کو اختیار نہ کیا جاتا تو ان کا ٹوٹ جانا لازمی ہوتا۔

کناڈا، آسٹریلیا اور ہندستان وغیرہ میں مصنوعات اور کارخانوں کی مسلسل ترقی سے برطانیہ کی تجارتی منڈیوں کی رونق اور فائدوں کو بھی سخت دھکا پہنچا ہے۔ اب برطانیہ کے سرمایہ داروں کو وہاں کے کارخانوں سے پہلے کیطرح نفعے نہیں ملتے۔ انکے خلاف انھیں اب اپنے مقبوضات میں پھیری لگانا پڑتی ہے اور وہاں کے مقامی کارخانوں کی سستی پیداوار کے مقابلہ میں ایڑیاں رگڑنی پڑتی ہیں۔

اس مصیبت سے پیچھا چھڑانے کیلئے اوٹاوہ پیکٹ تیار کیا گیا۔ اس سمجھوتہ کے ذریعہ انگلستان سے نوآبادیوں کو باندھا گیا تھا۔ اس سمجھوتے میں انگلستان کے فائدوں کی پالیسی باتیں بھی تھیں جنکی طرف ماہرین سیاست کی نظریں ضرور گئی تھیں۔

دوسری امپیریل کانفرنس جو پانچ سال کے عرصہ بعد ۱۹۳۷ء میں ہوئی وہ اس بات کا ثبوت دیتی ہے کہ برطانیہ میں قدیم خیال کے بااثر لوگ اب بھی اتنی کثیر تعداد میں ہیں کہ وہ نوآبادیوں کے ساتھ کسی قسم کی رعایت اور آزادی کو روا نہیں کرتے اور سنئے خیال کے مدبرین کے راستہ میں مزاحمت کرتے رہتے ہیں۔ لیکن برطانیہ اور نوآبادیوں کی تہذیب و زبان مشترک ہے۔ برطانیہ کے سرمایہ داروں کی دولت نوآبادیوں میں اور ہندستان میں لگی ہوئی ہے۔ انگریزی بینکوں کی کثرت ہے، انگریزی جہاز رانی، انگریزی ذرائع اور وسائل تجارت اور تجارتی طریقے تمام برطانوی سلطنت پر چھائے ہوئے ہیں اور ان سب سے زیادہ برطانیہ کی خشکی اور بحری طاقتیں بہت زیادہ ہیں۔ انکے اعداد جو فوجی دفاتر میں درج بتلائے جاتے ہیں اصل شمار کے مقابلہ میں بہت کم ہیں۔ ابتک تمام نوآبادیوں کے لئے برطانیہ ہی مرکزی منڈی رہا ہے، اور نوآبادیات اپنی تجارت کو زیادہ سے ترقی دینے میں عاجز رہی ہیں۔ کناڈا کے پاس ہی سلطنت متحدہ امریکہ ہے اس لئے کناڈا اس ملک سے تجارت کرنے میں تو ذرا آزاد ہے لیکن دنیا کے دوسرے ملکوں سے تجارت کرنے میں تمام مقبوضات برطانیہ کے دلالوں کا محتاج ہے۔ ان باتوں کا نوآبادیوں اور انگلستانی حکومت کے تعلقات پر بڑا اثر پڑتا ہے۔ نوآبادیوں کی آزادانہ روش سے اور برطانیہ کی پالیسی کی کایا پلٹ سے یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ یہ سلطنت زوال پذیر ہے یا مٹنے کے قریب ہے، اور جو لوگ ایسا سمجھتے ہیں وہ غلطی کرتے ہیں۔ اسلئے کہ نوآبادیوں کے ساتھ جدید معاہدے، ہندستان کا نیا آئین اور مصر کے ساتھ نیا سمجھوتا ان سبکے اغراض جدا جدا ضرور ہیں لیکن مرکز اور منبع تو ایک ہی ہے یعنی برطانوی سامراج۔ اور برطانیہ نے ان تمام سروں کو بخوبی سنبھال رکھا ہے۔ لیکن غیر سلطنتوں کے ارادوں اور بیرونی واقعات و حوادث نے مزید اسکو پریشان کر رکھا ہے۔

جن سلطنتوں کو باہر کے مقبوضات سے فائدہ پہونچ رہا ہے ان میں برطانیہ کا درجہ سب سے اول ہے۔ اسلئے یہ بالکل قدرتی بات ہے کہ جن سلطنتوں کو اپنے کارخانوں کے لئے خام پیداوار اور نئے بازاروں کی تلاش ہے اور جو سرمایہ لگا کر زیادہ سے زیادہ نفع اٹھانا چاہتی ہیں ان کی زد برطانیہ ہی پر پڑتی ہے، ایسی سلطنتوں میں جرمنی، اٹلی اور جاپان ہیں جنکی طمع اور ہوس دنیا کو خوب معلوم ہیں، اور یہ سلطنتیں بھی ان کو چھپانا نہیں چاہتی ہیں۔

جرمنی کے اقتصادی ڈکٹیٹر شاخت نے حال ہی میں ایک موقعہ پر سخت غصہ میں لکھا تھا کہ "برطانیہ کو اپنی نوآبادیوں سے بے اندازہ خام پیداوار حاصل ہو رہی ہیں لیکن جرمنی دوسرے ملکوں پر قبضہ کا ارادہ کرتا ہے تو برطانیہ امن پسندی کا وعظ سنانے لگتی ہے، اس کا یہ طریقہ بالکل سمجھ میں نہیں آتا۔" اسکے لکھنے سے پہلے وہاں کے وزیر جنگ ہرگورنگ نے کہا تھا کہ "برطانیہ جرمن نوآبادیوں کا چور ہے"۔ حبشہ کی پچھلی لڑائی کے زمانے میں اٹلی کے ایک اخبار میں برطانیہ کی عیاریوں پر کارٹون اس طرح نکلا تھا کہ جان بل (برطانیہ) کرسی پر توند نکالے بیٹھا ہے سامنے میز پر دسترخوان بچھا ہے۔ میز کے فاصلہ پر ایک طرف مقبوضات کے کباب بھن رہے ہیں اور انگیٹھی میں سے دھواں انگلستان کی صورت میں پھیلتا اور بلند ہوتا چلا جاتا ہے سامنے اٹلی نحیف صورت کھڑا ہوا منتیں کر کرکے مانگ رہا ہے اور کارٹون کے نیچے لکھا ہے "یہی بزرگ اخلاق و خیرات کی تعلیم دیا کرتے ہیں"۔ اٹلی جاپان اور جرمنی دنیا میں اپنی اپنی کارگذاریوں کی صفائی اور حق نوازی کے نقارے پیٹ رہے ہیں اور برطانیہ کی مثال دیکر بار بار یہی کہتے ہیں کہ ہم اب جو کچھ کرنا چاہتے ہیں انگلستان ان تمام جرائم کو پہلے ہی کر چکا ہے۔ ہمیں اس وقت اس سے بحث نہیں کہ ان سلطنتوں

کے ارادے اور دوسری قوموں کو لوٹنے کی تدبیریں کہاں تک صحیح ہیں بلکہ بحث صرف واقعات اور نیتوں سے ہے جن کی تفصیل یہ ہے۔

دو تین سال قبل لوگوں کا خیال تھا کہ اگر لیگ اقوام میں یورپ کی اعلیٰ طاقتوں کے برابر جرمنی کو بھی درجہ مل جائے اور اسکو اپنی مشرقی ریاستوں پر کامیاب حملہ کرنے کی اجازت ہو جائے تو وہ مطمئن ہو جائیگا اور دوسری عالمگیر جنگ نہ ہوگی۔ جرمنی کی جنگی تیاریوں کو دیکھتے ہوئے زیکوسلاویہ، سوویٹ روس اور ریاست ہائے بالٹک کو اس کی طرف سے جن حملوں کا خطرہ تھا وہ اب بھی ہے بلکہ اور بڑھ گیا ہے۔ جرمنی اب یورپ کی سلطنتوں سے میل آنے لگا ہے جسطرح لڑائی سے پہلے قیصر جرمنی پیش آتا تھا۔ ہٹلر نے بارہا اعلان کیا ہے کہ جرمنی کی مالی حالت ایسی ہے کہ اسکو مقبوضات اور نوآبادیوں کی سخت ضرورت ہے اور اسکے پورا کرنے کے لئے وہ اپنی ترکیبوں سے پوری کوشش کرے گا کہ وہ دوسروں کے ملکوں اور علاقوں پر قبضہ کرے۔ اسکو مطلق خیال نہیں کہ یہ علاقے دشمنوں کے ہیں یا دوستوں کے۔

جنگ سے پہلے غیر ملکوں پر قبضہ کرنے اور نوآبادیاں بنانے میں جرمنی کا بھی وہی مقصد تھا جو دوسری سلطنتوں کا ہوا کرتا ہے اس نے اپنی نوآبادیوں کو مفید مطلب بنانے میں دوسروں کی بنسبت بہت زیادہ سرمایہ لگایا تھا۔ اسکی نوآبادیوں میں ٹنگنیکا کے سوائے تمام علاقے بنجر اور غیر آباد تھے۔ جرمنی کی بیرونی تجارت اور سرمایہ داری کو دیکھتے ہوئے ان کی کوئی اہمیت نہ تھی۔ لڑائی سے کچھ پہلے جرمنی اس فکر میں تھا کہ شمالی افریقہ میں مراکش پر قبضہ کرلے لیکن انگلستان اور فرانس کی ایک مصالحت کی وجہ سے کامیابی نہ ہوئی۔

اب ہٹلر کا مقصد کچھ اور زیادہ ہے۔ وہ نوآبادیاں قائم کرکے یورپ اور خاص کر جرمنی میں اپنا ذاتی وقار بڑھانا چاہتا ہے۔ اگر اسکو کچھ مقبوضات حاصل ہو گئے تو جرمنی کے نسطائی چہرے کی خشکی اور پریشانی سرخ روئی سے بدل جائے گی اور اشتراکیت کو اپنی قوم میں بدنام اور ذلیل کرنے کا موقع مل جائیگا۔ گو جرمنی کی پچھلی نوآبادیاں قیصر کے نعرۂ جنگ کی بدولت لڑائی کے زمانہ میں ہی نکل گئی تھیں لیکن ہٹلر اس داغ کو فراموش کرکے دنیا اور اپنی قوم سے یہ کہنا چاہتا ہے کہ مارکس کی ملعون جماعت نے جرمنی کو نقصان پہنچایا تھا لیکن ان کو نکال کر میں نے اپنا گذشتہ نقصان پورا کرلیا ہے اور وقار پھر حاصل کرلیا ہے۔

اسپین میں جرمنی کی مداخلت سے دنیا کے لئے جو خطرات پیدا ہوں گے ان کی شروعات ہوگئی ہیں۔ اسپین میں اس کی امداد اور مداخلت کے تین وجوہ ہو سکتے ہیں۔ پہلی وجہ تو یہ ہے کہ وہ اسپین میں تجارتی اور سیاسی فائدے اٹھانا چاہتا ہے مطلب یہ ہے کہ وہ اسپین میں یا اس کی نوآبادیات میں معدنیات کے ٹھیکے لینا، اور خشکی کے اور بحری مستقر (اسٹیشن) قائم کرنا چاہتا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ جرمنی فرانس کے جنوب مغرب میں اپنا ایک مستقل ساتھی پیدا کرنا چاہتا ہے تاکہ فرانس اور برطانیہ سے جب لڑائی ہو تو یہ دونوں سلطنتیں اسکے مقابلہ میں اتنی کثیر طاقت نہ کھڑی کرسکیں جتنی گذشتہ جنگ میں کی تھی بلکہ دوسری سرحد کی طرف سے بھی اندیشہ رہے اور ان کی طاقتیں الجھی رہیں۔ تیسری وجہ اشتراکیت کو زک دینا ہے۔ گو اسپین میں باقاعدہ جمہوریت قائم تھی لیکن نسطائیت کو اس قسم کی جمہوریت سے دشمنی ہے اور اسکو حقیر و ذلیل کرنا چاہتی ہے۔ یہ تینوں ارادے برطانیہ کے لئے سخت تکلیف دہ اور خطرناک ہیں۔

جبل طارق یا جبرالٹر کے مضبوط قلعے کی حیثیت (جو اسپین کے جنوب میں ہے) برطانیہ کے لئے سخت پشتیبان کی سی ہے۔ جب جرمنی کو اسپین میں کوئی اسٹیشن مل جائے گا تو یہ قلعہ کمزور ہو جائیگا۔ اگر اٹلی اور جرمنی کی سازش سے جنرل فرانکو فرانس کے خلاف معرکہ آرائی کردے تو صرف اسیقدر نہ ہوگا کہ فرانس کی جنوبی سرحدوں پر فرانس اور برطانیہ کو بے اندازہ فوج بھیجنی ہوگی بلکہ انکے تمام نظام ملک مرتے خطرے میں پڑجائیں گے

اور لندن کے تعلقات اپنی نوآبادیوں سے ڈھیلے پڑ جائینگے۔

جرمنی افریقہ میں پرتگالی انگولا، ٹنگنیکا یا کیمرون کے حاصل کرنے کے منصوبے کررہا ہے۔ اگر جرمنی کو یہ نوآبادیاں حاصل ہو جائیں تو برطانیہ کے لئے یہ دوسرا عظیم خطرہ ہوگا۔ اسلئے کہ اسکو جہاں کہیں تسلط نصیب ہوگا وہ وہاں پر فوجی چھاونی ڈال کر آئندہ جنگ میں برطانیہ کے خلاف اس سے کام لیگا۔ اگر مغربی افریقہ میں نوآبادیاں ملیں تو کیپ ٹاؤن پر خطرہ بڑھ جائیگا۔ اس کا یہ مطلب ہے کہ اگر سوئز سے راستہ بند ہو جائے تو برطانیہ کے لئے ہندستان اور آسٹریلیا کا دوسرا راستہ بھی مخدوش حالت میں ہو جائیگا۔ اسکے علاوہ ایک یہ بھی قوی اندیشہ ہے کہ افریقہ میں جرمن نوآبادیات قائم ہو جانے سے برطانیہ کی تمام مخالف جماعتیں اور طاقتیں جرمنی اور اسکے دوستوں اور ایجنٹوں کی ساتھی بن جائیں گی پچھلی لڑائی میں جنوبی افریقہ یونین میں جرمنی کی سازشوں اور رشوتوں کی بدولت مخالفین کے مطالبات برطانیہ کیلئے سخت تکلیف دہ بن گئے تھے پھر یہ بھی ممکن نہیں ہے کہ اہل ملک نسطائیت کے زہر سے محفوظ رہ سکیں۔ اس ملک کے قومی اور نسلی خصوصیات سے دھوکہ نہیں ہونا چاہئے۔ یہاں کے ڈاکٹر ملان کی جماعت کا خیال نسطائیت سے بہت کچھ ملتا جلتا ہے۔

جرمنی اپنی تدبیروں اور ارادوں میں تنہا نہیں ہے۔ حبشہ پر اٹلی کے کامیاب قبضہ نے شمالی مشرقی افریقہ اور مشرق اقصیٰ (چین) میں جنگی معاملات میں بہت فرق پیدا کردیا ہے، یہ ضرور ہے کہ حبشہ انگلستان کے کسی راستہ پر نہیں ہے لیکن اگر اس سمت کے کسی نقشہ پر ایک خط سوئز، عدن، بمبئی پر کھینچا جائے۔ دوسرا قاہرہ سے کیپ ٹاؤن تک اور تیسرا کیپ ٹاؤن سے زنجبار اور سنگاپور تک جائے تو حبشہ سالی لینڈ اور ایریٹیریا اس مثلث کے بیچ میں ہوگا۔ اس کا یہ مطلب ہے کہ اٹلی کو ان ہوائی اڈوں سے برطانیہ کے خطوط کشیدہ راستوں پر حملہ کرنے میں سہولت رہیگی۔ دریائے نیل کے مخرج پر قبضہ کرکے اٹلی کے ہاتھ میں مصر اور انگریزی سوڈان پر دھمکی دینے کے مستقل ذریعہ پہنچ گئے ہیں، کچھ دن ہوئے برطانیہ کے دفتر سے ایک مسودہ دستاویز اٹلی کے اخبارات میں شائع ہوئی تھی اس میں برطانیہ کے ماہرین نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی تھی کہ حبشہ کی قسمت بدل جانے سے برطانیہ کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔ اگر حقیقت اسی طرح ہوتی تو بحیرۂ روم میں برطانیہ کو اپنے بحری اسٹیشنوں کو مضبوط کرنے، مصر سے مصالحت کرنے، اور فلسطین کی پریشانیوں سے دامن چھڑانے کی کیوں فکریں ہوتیں۔ یہ واقعات صاف طور پر بتلاتے ہیں کہ برطانیہ کے مدبرین کسقدر بےچین ہیں۔

سمندر میں واقع ہونے کی وجہ سے اٹلی کے ساحل ۶۰۰۰ کیلومیٹر لمبے ہیں۔ ماہرین جنگ کے خیال سے اٹلی میں کسی طاقتور بحری غنیم سے مقابلہ کی تاب نہیں ہے اسلئے انکے خیال میں وہ انگلستان سے مقابلہ نہ کریگا۔ لیکن اسباب جنگ کی قسم قسم کی ترقیوں نے پرانے اسباب اور سامان جنگ کی ڈھال کو کھوکھلا دیا ہے۔ دنیا میں بمبار طیاروں کی نمود نے پچھلے حالات بدل دئے ہیں۔ لہٰذا اب اٹلی کی فضائی طاقت اپنے ملک کی حفاظت ہی نہیں کرے گی بلکہ انگلستان کے حملہ آور جنگی جہازوں کو بھی بمباری سے پریشان کردے گی۔

گو برطانیہ بھی اٹلی سے کسی طرح عاجز نہیں ہے لیکن بحیرۂ روم میں اٹلی کے پیدا کردہ اسباب انگلستان کے حق میں ٹانگ توڑ خطرات ہیں۔ اٹلی کی نظریں سوئز، نہر، عدن اور نیل پر ہیں۔ مجموعی طور سے یہ وہ مقام ہے جسکی بدولت برطانیہ کو دنیا کی فرمانروائی حاصل ہے، اس منزل مقصود تک پہنچنے کے لئے اٹلی نے ایک قدم تو جمالیا ہے اور آئندہ جرمنی کو شریک حال بناکر انگریزی سلطنت کے حق میں ناگہانی بلا بننے والا ہے۔

مشرق اقصیٰ میں جاپان چھ سال سے فتوحات حاصل کرتا جارہا ہے۔

سنہ ۱۹۳۱ء میں اس نے جس آسانی سے منچوریا پر قبضہ کیا وہ ظاہر ہیں۔ اسکو اتنی زحمتیں بھی نہیں، آئیں جتنی اسکے رفیق اٹلی کو حبشہ میں۔ اسوقت جاپان کسی اہم مزاحمت اور مداخلت کے بغیر چین کے ایک ایک صوبہ پر قبضہ کرتا چلا جا رہا ہے۔ سیاسی قبضہ کے ساتھ اپنی مقبوضات میں تجارتی حیثیت سے بھی پورا دخل جما رہا ہے۔ برطانیہ اور امریکہ کی تجارتیں یہاں قریب قریب بالکل مٹ گئی ہیں۔

چین اور منچوریا جاپان کے علاقے نہ سہی لیکن چین میں جاپان کے بڑھتے ہوئے اقتدار نے ہندستان کے نواح میں انگریزی چوکیوں کو خطرہ میں ڈالدیا ہے۔ لہذا برطانیہ اب مدافعت کے دوسرے خطوط پر جدید مورچوں کے بنانے میں بے اندازہ دولت خرچ کرنے پر مجبور ہو رہا ہے۔ برطانیہ کے اہل بصیرت کی رائے ہے کہ انگریزی علاقہ ہانگ کانگ اور امریکہ کی نوآبادی فلپائن پر جاپان کا قبضہ کرلینا کچھ دنوں کی بات ہے انکی حیثیت اسکے نزدیک کاغذی ہے۔ جب چاہیگا چاک کر دیگا ان حالات کے علاوہ جاپان کے ارکان حرب کی نگاہیں آسٹریلیا کی طرف اٹھنے لگی ہیں ۱۹۲۹ء میں پیسفک انسٹیٹیوٹ (بحر الکاہل کے مسائل سے بحث کرنیوالا ادارہ) کے سکریٹری کار ٹر نے ماسکو میں ایک تقریر میں کہا تھا کہ شمالی آسٹریلیا کے جغرافیہ اور طبیعیات کی خبر جتنی جاپان کے ماہرین حکومت کو ہے اتنی خبر خود میلبورن اور سڈنی کی داخلی حکومتوں کو نہیں ہے۔ ایک زمانہ تھا کہ جرمنی کے ماہرین جغرافیہ اقتصادیات اور حرب کو مملکت روسیہ کی حالات کی جسقدر خبر رہتی تھی اتنی زار کی حکومت کو نہ تھی۔ چنانچہ برلن کی ۔۔۔ برکانگرس میں، روس کے مدبرین کے سامنے جرمنی کے مطبوعہ نقشے رہتے تھے یہ پیش خیمہ تھا اس کوشش کا جو جرمنی نے سرحدی علاقوں پر قبضہ کرنے کیلئے کیں۔
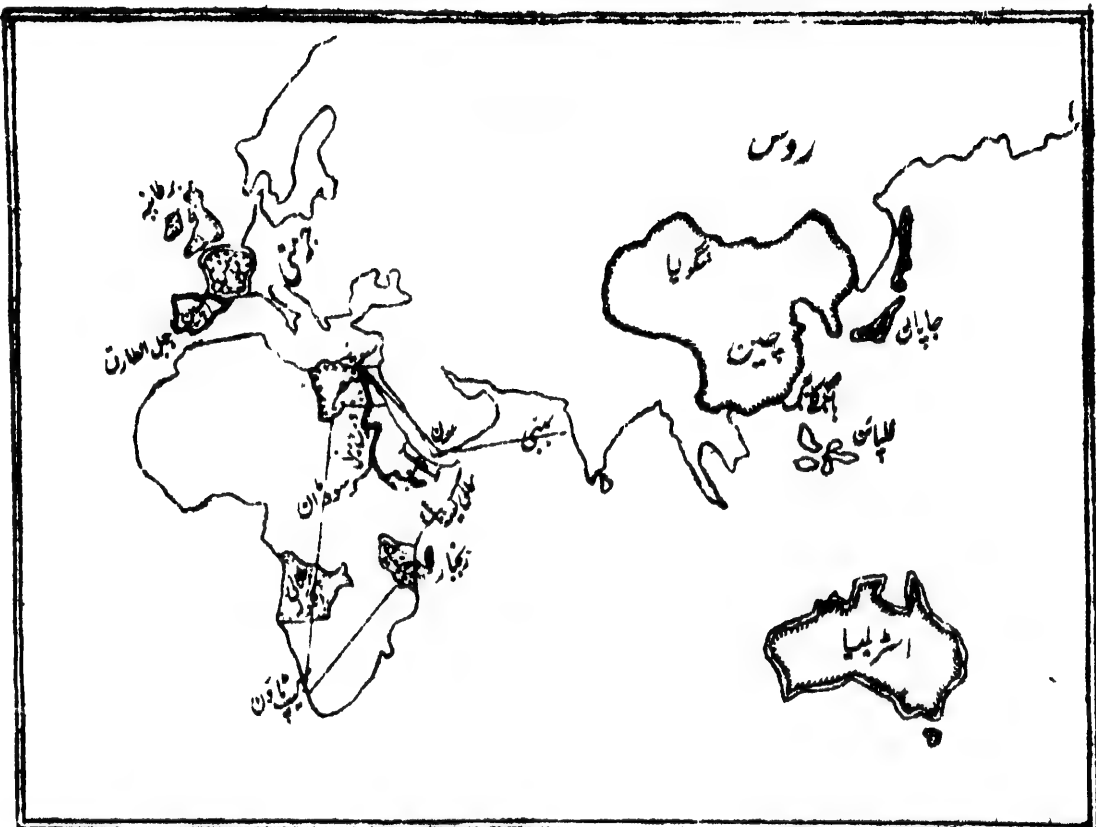
پس اگر اس وقت بھی شمالی آسٹریلیا میں جاپانی مدبین کی دلچسپیوں کا واقعہ صحیح ہے تو کچھ وہ دن دور نہیں جب آسٹریلیا پر جاپانی یورش ممکن ہی نہیں بلکہ بہت اغلب ہوگی۔

ہالینڈ کے جزائر مشرقی میں جاپان کی روز افزوں تجارتی ترقی اس بات کی شہادت ہے کہ جرمنی اور جاپان کے درمیان سمجھوتہ ہو رہا ہے وہ کسقدر صحیح ہے اور اس کا کیا مقصد اس سمجھوتے کی روسے کہ ہالینڈ پر حملہ کرکے قبضہ کر لیا جائیگا اور پھر اسکو دونوں پارٹیوں پر تقسیم کر لیا جائیگا۔ یہ دونوں طاقتیں ہالینڈ پر یورپ اور ایشیا میں حسب ضرورت دباؤ ڈالیں گی اور دونوں جگہ اس کو مجبور کرکے ختم کر دیں گی۔ جزائر مذکور پر اور خود ہالینڈ پر اسکے قبضہ کرنے کے یہ معنی ہوں گے کہ وہ برطانیہ کے مقابلہ میں آ پہنچینگے۔ جزائر مذکورہ ہالینڈ کے تاجر جسقدر ربڑ اور تیل پیدا کرتے ہیں برطانیہ ہی انکو خریدتا ہے۔ وہاں انگریزی سرمایہ بھی لگا ہوا ہے پس انکی حفاظت کا مسئلہ جسقدر ہالینڈ کے لئے پیچیدہ ہے اسی قدر برطانیہ کو پیچ و تاب کھلا رہا ہے۔ دولت برطانیہ کے وسیع ذخائر اب خود اسی کے لئے بلائے جان بن رہے ہیں۔ اس کی طاقت منتشر ہے۔ کبھی نوآبادیوں کی سیون کو ٹانکتا ہے کبھی دشمنوں کے نعرۂ جنگ سے لرز جاتا ہے۔ ایک گٹھڑی سمیٹتا ہے تو دوسری کھل جاتی ہے۔ معدہ ہضم سے تھک رہا ہے۔

ہندستان والوں کو بھی اس گھڑی سے فائدہ اٹھانے کے لئے تیار رہنا چاہئے۔

(از کوارٹرلی ریویو بابت اگست ۱۹۳۳ء) مترجمہ عبدالرشید خاں

# حال اور مستقبل

علی سردار جعفری

غلط ہے یہ کہ یاں ٹوٹے ہوئے دل جوڑے جاتے ہیں۔
مرے نزدیک یاں لبریز ساغر توڑے جاتے ہیں

کہیں آپس میں اہلِ زر کے مذہب کی لڑائی ہے
کہیں کھوٹے کھرے چاندی کے ٹکڑوں کی خدائی ہے

چھپی بیٹھی ہے مکاری حریمِ زہد و تقویٰ میں
گناہوں کی جھلک ہے حسنِ معصومِ کلیسا میں

عیاں سفاکیاں پرہیزگاروں کی جبینوں سے
ٹپکتا ہے لہو پیرِ حرم کی آستینوں سے

ہویدا نفرتیں ہیں سادھوؤں کی چشمِ پُرفن سے
تعصب کی صدا آتی ہے ناقوسِ برہمن سے

اخوت کی زباں محرومِ اندازِ تکلم ہے
بتانِ رنگ و خوں کے لب پہ زہریلا تبسم ہے

نہ جانے کیوں یہ دنیا قومیت کے راگ گاتی ہے
یہ چکی وہ ہے جس میں آدمیت پیسی جاتی ہے

مظالم ڈھائے اس سرمایہ داری نے خدا بن کر
تمدن آگیا رسمِ کہن کا دیوتا بن کر

لہو چوسا مزے لے لے کے مذہب نے خدائی کا
بچھایا جال پیرانِ کہن نے پارسائی کا

نظامِ کہنہ کے کندھوں پہ اصلاحوں کی لاشے ہیں
بہت سے بت ملوکیت کے آذر نے تراشے ہیں

کہیں ناسور سینے کے بھرے ہیں جامہ زیبی سے!؟
حکومت کی سیاست کم نہیں ابلہ فریبی سے

دھمک پیروں کے نیچے ہے گرج توپوں کی کانوں پر
گھٹائیں جنگ کی چھائی ہوئی ہیں آسمانوں پر

فضا بگڑی ہوئی ہے زہر پھیلا ہے ہواؤں میں
نئی پرخاش ہے جھوٹی سیاست کے خداؤں میں

بیابانوں پہ حملہ ہے پہاڑوں پر چڑھائی ہے
سمندر پر چھڑی ہے جنگ، نہروں پر لڑائی ہے

قیامت کب تلک ڈھائیں گے یہ آفت کے پرکالے
یہ جمہوری کمیں گاہوں میں چھپ کر بیٹھنے والے

تمناؤں میں کب تک زندگی الجھائی جائے گی
کھلونے دے کے کب تک مفلسی بہلائی جائیگی

نیا چشمہ ہے پتھر کے شگافوں سے ابلنے کو
زمانہ کس قدر بیتاب ہے کروٹ بدلنے کو

جوانی ہے متاعِ کفر و دیں کو لوٹنے والی
ہے اک جھٹکے میں زنجیرِ غلامی ٹوٹنے والی

پرانی تجربہ کاری سے اس کی ضرب کاری ہے
عمل کا جوش مقصد کا تعین سب پہ بھاری ہے

تڑپ قطروں کی جب بڑھتی ہے موجوں میں نہاں ہوکر
پہاڑوں سے گذر جاتی ہے جوئے نغمہ خواں ہوکر

ابھی دیکھو تو کنگورے گریں کے قصرِ سلطاں کے
مراتب کی بلندی پست ذہنیت ہے انساں کی

زمانے کے اُفق سے اک نیا طوفان اُٹھے گا
بغاوت کا پیمبر لیکے اک ارمان اٹھے گا

شفق کی سرخیوں میں ساری دنیا مسکرائے گی
ہزاروں سال کی مظلومیت پھر رنگ لائے گی

طلوعِ صبح سے روشن جبینِ آسماں ہوگی
ستارہ بن کے آزادی کی دیوی ضوفشاں ہوگی

# سالانہ اجلاس

ا - س

نال باغ میں جہاں ہر سال دو ایک مرتبہ سرکس ہوا کرتا ہے ایک پنڈال تیار کیا گیا ہے۔ جو لوگ اس طرف سے گذرتے ہیں، خصوصاً بچے وہ پنڈال کے اندر جھانکتے ہیں۔

دو بچے ایک آیا کے ہمراہ اس طرف سے گذرے، پنڈال دیکھتے ہی انکے چہرے خوشی کے مارے چمک اٹھے۔

ایک بچہ دوسرے سے "ارے دیکھو، یہاں پھر سرکس آگیا"۔

**دوسرا** "یہ تو شروع بھی ہوگیا ہے" آیا سے مخاطب ہوکر "آیا تم امی جان سے کہنا، ہمکو تمہارے ساتھ سرکس میں بھیج دیں"

آیا نے جو ذرا کچھ افسردہ سی معلوم ہوتی تھی، ذرا ڈانٹ کر کہا "تم دونوں کو جانور دیکھنے کا بہت شوق ہے۔ تیسرے دن چڑیا گھر جاتے ہو لیکن طبیعت سیر نہیں ہوتی یہاں چڑیا گھر کے جانوروں سے اچھے جانور تھوڑے ہوں گے"

**پہلا بچہ** "لیکن سرکس والے جانور تو اور ہی طرح کے ہوتے ہیں، وہ کرتب کھلاتے ہیں، مالک کے اشاروں کو سمجھتے ہیں، اور جب کوئی کچھ کھانے کو دیتا ہے تو اسکو جھک کر سلام بھی کرتے ہیں"

**دوسرا** "اور چڑیا گھر کے شیروں سے مجھے ڈر بھی لگتا ہے، وہ کمزور سہی لیکن معلوم ہوتا ہے، ہر وقت اس فکر میں رہتے ہیں کہ خندق کو دکر باہر چلے آئیں اور ہمکو......"

**پہلا** "اور سرکس کے شیر تو اسٹیج کے ادھر اُدھر دیکھتے ہی نہیں،

**آیا** "وہ کوئی جنگلی شیر تھوڑے ہی ہوتے ہیں، مالکوں کے سدھائے ہوئے ہوتے ہیں"

**پہلا** "آیا مالک ان کو کیونکر سدھاتے ہیں؟"

**آیا** (مسکراکر) کھانا کھلاکر"

**دوسرا** "اور وہ ان پر کبھی حملہ نہیں کرتے؟"

**آیا** "ان پر کاہیکو حملہ کرنے لگے؟ انکے تو وہ پالے ہوئے ہوتے ہیں"

**دوسرا** "وہ ان کو بند جو رکھتے ہیں"

**آیا** "انکا جی نہیں چاہتا ہوگا کہ آزاد ہوکر اس وسیع دنیا میں پھریں......"

ایک شخص جو پیچھے پیچھے چلا آرہا تھا اور غالباً بچوں کی گفتگو سن چکا تھا، ہنسی ضبط نہ کرسکا اور ایک بچے کے پیٹھ پر ہاتھ پھیر کر کہنے لگا "اس سرکس میں شیر نہیں ہیں، گیدڑ ہیں" بچے اس کی طرف حیرت سے دیکھنے لگے لیکن وہاں دھان پارک کا پھاٹک آگیا تھا۔ آیا ان کو لیکر پارک میں داخل ہوگئی۔

سہ پہر کا وقت تھا۔ دیاند دھان پارک میں بہت سے بچے جمع تھے۔ اور مختلف ٹولیوں میں بیٹھے آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ آیا لوگ کے بھی دو تین گروہ بن گئے تھے اور بعض بچوں کو خوش دیکھکر ان کی حرکتوں پر ہنس رہی تھیں۔

## بچوں کی ایک ٹولی

**ایک بچہ** "اتنا بڑا سرکس تو لال باغ میں کبھی نہیں آیا۔ کیا اگن بوٹ کا ہے؟"

**دوسرا بچہ** "نہیں۔ وہاں ایک شخص کہہ رہا تھا کہ یہ کوئی بمبئی کا آدمی ہے جس کا یہ سرکس ہے"

**تیسرا لڑکا** جس کی عمر کوئی دس برس کی ہوگی، اس احساس کے ساتھ کہ جیسے صحیح بات صرف اسکو معلوم ہے، اور چھوٹے بچوں کی غلط فہمی رفع کرنا اس کا فرض ہے، بزرگانہ شان میں بولا "ارے تم لوگ کچھ نہیں جانتے۔ یہ سرکس تھوڑے ہے......"

بچوں کے منہ کھلے کے کھلے رہ گئے۔ بالآخر ایک نے پوچھا "تو کیا کارنیوال ہے؟"

**بڑا لڑکا** "ارے نہیں۔ ریویو ہے ریویو۔ جانتے ہو ریویو کیا ہوتا ہے؟"

بیچارے چھوٹے بچے چپ سے ہوگئے اور ایک دوسرے کیطرف دیکھنے لگے۔

بڑے لڑکے نے سلسلۂ کلام جاری کیا "بمبئی کا ایک مداری ہے جو اپنے کرتب دکھلائے گا۔

ایک بچہ بے صبری سے "بس"؟

**بڑا لڑکا** "اور رامپور کا ایک بھانڈ بھی ہے"

**ایک بچہ** (جسکے چہرے سے معلوم ہوتا تھا کہ اب وہ تمام معاملہ سمجھ گیا ہے) "ارے تو پھر لکھنؤ کے بہروپیے بھی ہوں گے؟"

**بڑا لڑکا** "اور ہاں میں نے دیکھا ہے کہ پنجاب کے بڑے بڑے شلواروں والے اور اونچے اونچے طروں والے کچھ میراثی بھی ہیں"

**ایک دوسرا لڑکا** (بے تابی سے) "اور کلکتہ والی مس گہن؟"

---

آیا لوگ کی ایک ٹولی فوارے کے پاس بیٹھی تھی۔

**ایک آیا** "اری بوا یہ سچ مچ سرکس ہے یا کارنیوال؟"

**دوسری** (ذرا جھنجلاکر) "اری نہیں کوئی جلسہ ہونے والا ہے"

**پہلی** "کس کا؟"

**دوسری** "میری جوتی... سے کسی کا ہو۔ ہم غریبوں کے لئے سب ایک سے ہیں"

**پہلی** "کہو، بات کیا ہے؟ تم بہت پریشان معلوم ہوتی ہو"

**دوسری** (آبدیدہ ہوکر) "منے کے باوا خود تو چل بسے اور مجھکو چھوڑ گئے، اس دنیا میں۔ میں اکیلی عورت ذات کس کس کو سنبھالوں؟ منے کو ایک ہفتہ سے ایسا بخار ہے کہ بیچارا انجکو بھی نہیں پہچانتا، ننھی سی جان چار سال کی اور بدن پر ہاتھ رکھو تو معلوم ہوتا ہے جیسے بھٹی ہے۔ اور مجھکو چند ٹکوں کی خاطر ان بابا لوگوں کی ناز برداری کرنا پڑتی ہے، وہ سارا دن گھر میں پڑا تڑپتا ہے۔ دو دن سے میری بہن آگئی ہے، لیکن اس غریب کے اپنے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں اور اسکے گاؤں میں جو بیٹیا آئی تو بیچاری کے پاس سوائے تن کے کپڑوں کے کچھ بھی نہیں رہا۔ خدا بھلا کرے کانگرس والوں کا، جو اسٹیشن ریل کے سفر کا انتظام کردیا۔ پرسوں جب وہ شام کیوقت میرے ہاں پہنچی تو میں حیران [illegible]، نہ تن پر کپڑا ٹھیک، نہ جسم میں خون، اور بچے بیچارے بھوکے، بھوک لگ رہی تھی۔ مہینے کی ابھی تیرہویں اور میرے پاس کل [illegible] پیسے تھے۔ [illegible] کل [illegible] لی ہے لیکن وہ کب تک چلے گی۔ آج ابھی ۱۵ ہے۔ اور مہینہ کو پورے ۳۱ دن کا۔ بیگم صاحبہ سے پیشگی کچھ مانگا تو ڈانٹ پڑی۔ اب [illegible] کیا کرسکا ۱۶ دن باقی ہیں، اور یہاں ایک ایک دانہ [illegible] ہو رہا [illegible] اور مہینے کی پہلی بھی آئی تو کیا۔ اسوقت تک آدھی [illegible] [illegible]

ہندو و ہیں جو رزق جمع کیے ہوئے ہیں۔ ایک۔ کہاں تو اُن کے مارے طعنوں۔ بات تو یہ ہے کرنے دو بیماری سے سخت پریشان ہوگئی ہوں کام کیسے ہو؟ دو روز کی بھیجی مانگی تو جواب ملا۔ جلسے کی وجہ سے مہمان آ رہے ہیں۔ وہ بیگم صاحب کو ان کی خاطر مدارات سے فرصت کہاں ملیگی جو بچوں کو خود سنبھالیں۔ جی ہاں، مہمان نہیں بھی ہوتے تو بچوں کیلئے وقت کہاں نکلتا ہے؟ تیتریاں سی بنی پھرتی ہیں۔ نہ ہندؤں سے حجاب، نہ موئے زنگیوں سے تکلف۔ اور میاں بڑے ہمدرد مسلمان بنتے ہیں۔ آجکل تو موٹر پر ہرے رنگ کا ہلال والا جھنڈا بھی لگوا لیا ہے۔ ہم بھی تو مسلمان ہیں، لیکن ہماری مصیبتوں کا حال کون سنتا ہے۔ کل شام کو جب بابا لوگ کے ساتھ یہاں آ رہی تھی تو مجھے خیال آیا کہ ایسے میں بیٹے کو دیکھتی جاؤں۔ دوسرا اٹھنی جو قرض مل گئی تو وہ بھی بہن کو دینا تھی مگر بیچاری آٹا دال خرید کر شام کے کھانے کا کچھ بندوبست کر سکے۔ تو یہ میں گھر چلی تو گئی لیکن آج صبح ایسی قیامت آئی کہ بس کیا کہوں۔ یہ کمبخت نیچے کیا ہم ہنستے ہیں۔ رات جلتے ہی بیگم صاحبہ سے کہہ آئی کہ میں انکو اپنے گھر لے گئی تھی۔ آج جاتے ہی برست ہوئی۔ میں نے یہ کیوں کیا؟ ہاں۔ اگر گندا ہو رہے تھے بیچارے ہمارے ان کی جوئیں کپڑے، اُنہوں نے سب کچھ سنا۔ تم نے تو میرے منے کو دیکھا ہے۔ کتنا پیارا ہے۔ اور یہ سب بابا لوگ چاہے کیسے ہی کپڑے پہنیں، کتنا ہی پوڈر لگائیں اسکے سامنے تو بھوت ہی معلوم ہوتے ہیں۔ بس میں کیا کہوں۔ جی جلتا ہے ......

بیچاری آیا کچھ ایسی غصے میں بھری بیٹھی تھی کہ جب ایک ہمدم ملا تو سب کچھ کہنا چاہتی تھی۔ معلوم نہیں، اس کی تقریر کب تک جاری رہتی لیکن اتنے میں دوسری آیا کے منہ آ گئے۔ اور اس سے گھر جانے کو کہا۔ وہ اٹھی اور یہ کہہ کر چلدی وہ امیر لوگ مسلمان کیا اور دوسرا کیا۔ سب ایک سے ہیں۔ غریبوں سے ہمدردی کسی کو نہیں۔ دیکھو، کانگرس راج آیا ہے۔ شاید یہ ہوا ہمارے حق میں بدلے ...“

دو اور آیائیں آپس میں ہنس ہنس کر باتیں کر رہی تھیں۔ دور سے ایک تیسری نظر آئی۔ انھوں نے اسکو اپنی طرف اشارہ کیا۔ وہ وہیں سے چلائی ”وہیں آ رہی ہوں“۔ جب قریب پہونچی تو دونوں نے بیک وقت پوچھا ”کہو، تم اتنے دن کہاں رہیں؟“

تیسری۔ رانی صاحبہ ریاست گئیں تو مجھکو بھی جانا پڑا۔ اب پرسوں واپس آئی ہیں۔

پہلی۔ ”کہو تم تو پہلی مرتبہ ریاست میں گئی ہو۔ کتنا بڑا گاؤں ہے؟“

تیسری۔ ”ہاں پہلی مرتبہ گئی تھی۔ لیکن خدا نہ کرے کہ دوسری مرتبہ جانا پڑے۔“

دوسری۔ ”ہاں ہاں تم تو شہر کی رہنے والی ہو۔ تمکو گاؤں کیسے پسند آ سکتا ہے۔“

تیسری۔ ”پسند و ناپسند کا کیا سوال ہے۔ یہ جلسہ نہ ہوتا تو معلوم نہیں ابھی اور کتنے دن وہاں رہنا پڑتا۔ راجہ کو جلسے کی وجہ سے آنا پڑا ورنہ ابھی اور کچھ دن ریاست ہی میں رہتے۔ جو بات ریاست میں ہے وہ یہاں تھوڑے ممکن ہے۔“

پہلی: ”ہاں، اپنی اپنی ریاست میں تو یہ لوگ فرعون بنے رہتے ہیں، تم نے گاؤں والوں کی غربت کی بھی حالت دیکھی؟ تن پہ کپڑا نہیں۔ کھانے کو روٹی نہیں۔ صبح سے شام تک گدھے کیطرح کام کرتے ہیں، عورتیں بھی چھوٹے بچے بھی۔ اور شام کو ملتا کیا ہے؟ سیر سوا سیر دانا اور وہ بھی تیسری سیر، اور بعض کو وہ بھی نہیں ملتا۔ اسپر حرامی سپاہیوں کی گالیاں ایک طرف اور ہاجی ذیلداروں کی بیگار دوسری طرف“

تیسری: ”خیر یہ تو سنتی ہوں سبھی ریاستوں میں ہے، لیکن انکے ہاں تو آہستہ سے یقین کرو کوئی نوجوان لڑکی محفوظ نہیں، ہندو کیا، اور مسلمان کیا، راجہ کی نظر سے بچ گئی تو مصاحبوں کی بھینٹ چڑھ گئی، مصاحبوں کی آنکھ نہ پڑی تو تحصیلداروں کارندے، ذیلدار اور سپاہی ..... خدا کی لعنت ان مسلمانوں پر یہ تو انسان بھی نہیں رہے۔ بھیڑیئے ہیں .. بھیڑیئے۔“

دوسری: ”تو کیا تمھارے راجہ بھی اس جلسہ میں شریک ہو رہے ہیں؟“

تیسری: ”ارے وہ تو اس جلسے کے بڑے آدمیوں میں ہیں۔ آجکل مسلمان بنگئے ہیں۔ لگان وصول کرتے وقت ہندو مسلمان میں فرق نہیں کرتے۔ نہ ان کو بھوکے مسلمانوں کا خیال۔ نہ مسلمان عورتوں کی ننگ و ناموس اور عزت کا۔ خیر، میں تو پہلی نومبر سے جا رہی ہوں“

---

ایک بنچ پر تین چار مسلمان بیٹھے ہوئے ہیں، ایک نے آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا: ”خیر دیکھو۔ نتیجہ کیا نکلتا ہے؟“

دوسرا۔ ”نتیجہ معلوم ہے۔ کیا نکلیگا۔ کانگرس کی زبان میں یہ لوگ باتیں کرنا سیکھ گئے ہیں۔ اپنی ساکھ قائم رکھنے کی خاطر دو چار رزولیوشن منظور کریں گے لیکن جہاں عمل کا وقت آیا تو سب کو اپنی اپنی پڑ جائے گی۔“

تیسرا: ”لیکن بھئی تم اس کی تو داد دو کہ ایک شخص ایسا ہے جس نے اپنی ذاتی لیڈری برقرار رکھنے کی خاطر اتنے آدمیوں کو دیوانہ بنا رکھا ہے۔“

دوسرا: ”اس کی پیروی کرنے میں اور چند اشخاص کا بھی فائدہ ہے۔ وہ اس کے اشارے جان نثار بنے ہوئے ہیں۔ تم تو جانتے ہو۔ ہمارے ہاں صوبجات متحدہ میں دو ایک وزارت مل جائے تو ساری مسلم لیگ بیٹھ جائے۔“

پہلا: ”پھر نہ تو کانپور کے مزدوروں سے کوئی ہمدردی ہے اور نہ دوسرے غریبوں سے۔“

دوسرا: ”ہمیں دو ایک مسلمانوں کے وزیر بن جانے سے مسلمان جنتا کی بھوک دور ہو جائے گی۔“

پہلا: ”اور مسلمان کاشتکار مسلمان زمینداروں کے ظلم سے نجات پا جائیں۔“

تیسرا: ”اور ہم مسلمان بیروزگاروں میں مسلمان وزیر اپنی تنخواہیں بانٹ دیں گے تو ہم بھی پیٹ بھر کر کھا سکینگے۔“

پنڈال کے اندر سے تالیوں کی آواز آئی۔ سب کی آنکھیں پنڈال کی طرف مڑ گئیں۔

ایک بچہ: ”معلوم ہوتا ہے مداری نے کوئی کرتب دکھلایا ہے۔“

دوسرا بچہ: ”شاید بھانڈ نے کوئی سوانگ بنایا ہو۔“

اب اللہ اکبر کے نعروں کی آواز آئی۔

بنچ پر مسلمان بیٹھے ہوئے تھے۔ انھوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ ایک نے کہا: ”اللہ اکبر کے نعرے، لیکن ان میں کتنے ہیں جو اللہ کی راہ میں جان دینگے؟“

دوسرا: ”اور ان میں کتنے ہیں جنھوں نے ترکی، عراق، فلسطین کے خلاف انگریزوں کی جنگ میں مدد کی تھی؟ اور کتنے ہیں جن کی روحیں تڑپ رہی ہیں۔ آج انگریزوں کے سرحدی قبائل پر مظالم دیکھکر؟“

پہلا: ”ابھی حال ہی میں جناح نے غریب زنجباری مسلمانوں کے ساتھ کیا اسلامی سلوک کیا تھا؟“

تیسرا: ”لیکن بھئی فلسطین کی حمایت کے لئے تو ایک وفد بھیجا جا رہا ہے۔ اور وہ بھی ایسے لوگوں کا جو سیاست اور شریعت کی دنیا میں اپنا جواب نہیں رکھتے۔“

تینوں نے ایک دوسرے کیطرف دیکھا اور مسکرا دئے۔

تیسرا: ”اور میں نے سنا ہے کہ اگر وفد کے مشورے پر برطانیہ نے عمل نہیں کیا تو تجویز ہے کہ مسلم لیگ کے تمام اراکین برطانیہ کے خلاف جنگ کا اعلان کر دینگے۔“

دوسرا: ”کیا سول نافرمانی کر کے جیل میں جائیں گے؟ یہ سب لوگ جو برطانوی شہنشاہیت کے خطاب یافتہ اور پروردہ ہیں؟“

تیسرا: ”جناح جیل جانے کا قائل نہیں، وہ تو بقول اسی کے توپ و تفنگ کا مقابلہ کرے گا، آخر مسلمان مجاہد ہے۔“

تینوں نے زوردار قہقہہ لگایا۔ ایک منٹ کی خاموشی کے بعد دوسرے نے کہا: ”انگریز بھی کیسے شاطر ہیں! برطانوی سامراج کے علمبردار آج ”مسلمان مجاہد“ کے لباس میں نظر آ رہے ہیں۔ برطانوی سامراج کیا کیا بھیس بدل سکتا ہے؟“

# اس ہفتہ کی خبریں

## کانگرس کی مقبولیت

**اناؤ** کے دیہی علاقے میں ۴۳ ہزار ممبروں کا کانگرس میں اضافہ ہوا۔

**اٹاوہ ضلع** میں ۲۵ ہزار مرد اور عورتیں جنہیں مسلمانوں کی تعداد بھی کافی ہے کانگرس میں داخل ہوگئے۔

**شیخوپورہ** میں ۷۵ کانگرس کمیٹیاں بن گئی ہیں اور ممبروں کی تعداد ۵ ہزار ۸ سو تک پہنچ گئی ہے، ان میں ۲۵ فیصدی مسلمان ہیں۔

**ضلع انبالہ** میں اس سال ۷۰ کانگرس کمیٹیاں بنائی گئی ہیں جنکے ممبر ۳ ہزار ۵ سو تک ہوچکے ہیں گزشتہ سال ۱۲ کمیٹیاں بنی تھیں اور ممبروں کی تعداد صرف ایک ہزار تھی۔

**باپڑ** میں اب تک ۷ ہزار دیہاتیوں کے فارم موصول ہوچکے ہیں، مقامی ذمہ دار اشخاص کا خیال ہے کہ ممبروں کی تعداد ۹ ہزار تک پہنچ جائے گی۔

**متھرا** کی ضلع کمیٹی نے ۱۵ ہزار ممبر بنائے ہیں اور ۲۳ منڈل اور ۲۰۰ دیہاتی کانگرس کمیٹیوں کی تنظیم کی ہے۔ گزشتہ تین ماہ میں، دیہاتیوں نے ۳ سو جلسوں میں تقریریں کیں۔

**بنارس** میں گزشتہ سال صرف ۲ ہزار ممبر ہوئے تھے اور اس سال تعداد بیس ہزار تک پہنچ چکی ہے جن میں ۵ ہزار شہر کے اور ۱۵ ہزار مضافات کے ہیں۔

### مسٹر قدوائی اور ڈاکٹر کاٹجو گورکھپور میں

۹ اکتوبر کو مسٹر رفیع احمد قدوائی اور ڈاکٹر کاٹجو گورکھپور کے دیہاتی علاقہ مہاراج گنج پہونچے اور ۲۵ ہزار آدمیوں کے ایک جلسہ میں تقریر کی۔ مسٹر قدوائی نے بتایا کہ کانگرسی وزیر عوام کے نوکر ہیں اور انھیں کے فائدے کیلئے کام کر رہے ہیں۔ مہاراج گنج کے دیہاتیوں کی تکلیف کو محسوس کرتے ہوئے انھوں نے کہا کہ حکومت کاغذات وغیرہ کی تصحیح کا انتظام کر رہی ہے اور لگان میں کمی اور دیگر ذرائع پر غور کر رہی ہے۔ کسانوں کو لگان ادا کرنے کی ہدایت کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ زمینداروں کے زیادتی کرنے پر وہ بغیر کسی مزید محصول کے تحصیلوں میں لگان جمع کر سکتے ہیں

ڈاکٹر کاٹجو کو کسانوں کی حالت دیکھکر بہت صدمہ ہوا۔ انھوں نے انصاف و مساوات پر زور دیا اور کسانوں کو مشورہ دیا کہ وہ زمینداروں کو کوئی غیر قانونی رقم نہ دیں

### سرحد

۵ اکتوبر خان عبدالغفار خاں اپنی صحت کی خرابی کی وجہ سے کچھ دنوں کے لئے کشمیر چلے گئے تھے۔ کل ایبٹ آباد واپس آگئے۔ اب صحت بہتر ہے، مگر کمزوری باقی ہے۔ آپ نے ابھی ایک لمبے دورے کا ارادہ ہے۔ جو کل سے شروع ہوگا۔ اس کا مقصد مختلف مقاموں پر کانگرس کمیٹیوں کو منظم کرنا، اور ممبروں کی تعداد بڑھانا ہے۔

**سرحد کی کانگرس کمیٹیوں**، اور کانگرس سوشلسٹ پارٹی میں بہت سخت اختلاف ہوگیا ہے۔ صوبہ کانگرس کمیٹی نے یہ طے کرلیا ہے کہ کانگرسی سوشلسٹوں کو کانگرس کمیٹیوں میں اسوقت تک نہیں شامل کریں گے جب تک وہ لوگ کانگرس سوشلسٹ پارٹی کو چھوڑ نہ دیں گے۔ پنجاب سوشلسٹ لیڈروں کو، اور جو سرحد کو تیار کرنے گئے ہیں

### بنارس

پنڈت برمندا جی جنکو لاہور سازش کے سلسلہ میں قید ہوگئی تھی۔ اور گھوش چندر چیٹرجی اور رام کرشن کھتری جنکو کاکوری کے مقدمہ میں سزا ہوگئی تھی۔ ایک جلسہ میں تقریریں کیں، لوگوں کو کانگرس میں شریک ہونے کی دعوت دی۔ اور خود بھی اسی جماعت میں شریک ہوکر کام کرنے کا وعدہ کیا۔

### نل کنوئیں

پنجاب حکومت اس فکر میں ہے کہ پنجاب کے جنوبی مشرقی خطوں میں نل کنوئیں کا انتظام کیا جائے۔ کیونکہ زمین اونچی ہونے کی وجہ سے وہاں نہریں نہیں کام دیتیں ہیں۔ آنریبل منوہر لال وزیر مالیات نل کنووں کے انتظام کے معائنہ کے لئے یوپی آنے والے ہیں۔

**حکومت بہار** نل کنووں کے رائج کرنے کا ارادہ کر رہی ہے، لیکن بہار میں پانی کی قوت سے بجلی لینے کی کوئی صورت نہیں اس لئے سستی بجلی حاصل کرنے کی ترکیب سوچی جا رہی ہے۔ ایک اسکیم یہ ہے کہ بجلی کا کارخانہ کوئلہ کی کانوں کے پاس بنایا جائے اس طرح کوئلہ ڈھونے کے دام بچ جائیں گے۔ اور بجلی انھیں داموں میں پڑے گی جتنے میں پانی سے حاصل کرنے میں پڑتی ہے۔

**مسٹر گرین فیلڈ** نے کیچڑ سے ایندھن بنانے کی ایک سستی سی ترکیب دریافت کی ہے۔ بمبئی سے لیکر کراچی تک ساحل کے کنارے ایسی کیچڑ بہت ہے جس سے یہ ایندھن تیار ہوسکے گا۔ اس کے علاوہ اس کی تیاری میں اور نفع بخش چیزیں بھی نکلیں گی۔ مسٹر گرین فیلڈ اس غرض سے ایک بڑا صنعتی ادارہ قائم کرنے والے ہیں۔ انھوں نے اسکا حق گورنمنٹ سے محفوظ کرا لیا ہے۔

**کولمبو** میں ایک آدمی نے اپنی بہن کی زمین کو فروخت سے بچانے کیلئے اسی روپیہ بیس فیصدی شرح سود پر قرض لیا۔ کچھ دنوں کے بعد اس پر ادائی کے لئے نالش کی گئی، اس نے مجبوراً دو سو روپیہ اٹھارہ روپیہ فیصدی شرح سود پر قرض لئے، اس سے پچھلا قرضہ ادا کیا، اور اس سے مقدمہ کا خرچ پورا کیا۔ اس قرضہ کی چند قسطیں نہ ادا ہوسکیں تو اسکو مجبوراً ایک ہزار کی مالیت کی جائداد گروی کرنا پڑی، رجسٹرار کوآپریٹو سوسائٹی کا بیان ہے کہ عنقریب یہ جائداد ہاتھ سے نکل جائیگی۔

### مزدور

۵ اکتوبر۔ مدراس۔ کرناٹک مل میں چھ سو مزدوروں نے "دھرنا اسٹرائک" کی۔ اس کا مقصد تنخواہ بڑھوانا تھا۔ مل کے مالکوں نے پولیس کی مدد سے مزدوروں کو باہر نکلوا دیا۔

**کوئمبٹور**۔ لکشمی مل کی اسٹرائک کو پندرہ دن ہوگئے۔ مل کے مالکوں اور مزدوروں میں کسی طرح کا سمجھوتہ نہیں ہوسکا۔ ۴ اکتوبر کو ان مزدوروں کی ہمدردی میں شہر کے پانچ ہزار مزدوروں کا ایک جلوس نکلا

**سورت**۔ میں بھنگیوں نے تنخواہ بڑھوانے کے لئے، اور دوسری شکایتوں کو دور کرنے کیلئے اسٹرائک کی۔ میونسپلٹی کے کارکنوں نے دوسرے بھنگیوں کی مدد سے کام نکلوانا چاہا مگر وہاں کے ہریجن سیوک سنگھ کے لیڈروں کی مدد سے سمجھوتہ ہوگیا۔ اور میونسپلٹی کے کارکنوں نے بھنگیوں کی مانگوں پر غور کرنے کا وعدہ کیا۔

**بمبئی** کے اسٹینڈرڈ مل کے مزدوروں نے دن رات میں بہت زیادہ کام لئے جانے پر اسٹرائک کردی۔

**بیاور** کے مزدوروں کا ایک جلسہ کانگرس مزدور پارٹی کے لیڈروں کی ماتحت منعقد ہوا۔ اس میں انھوں نے پولیس نے جو نیا ٹیکس لگایا ہے اس پر اظہار نفرت کیا۔ اور مجسٹریٹ کو توجہ دلائی کہ روئی گودام میں کام بہت دیر تک لیا جاتا ہے۔

**احمد آباد کے مزدوروں** نے بمبئی حکومت کی اس تجویز پر کہ مزدوروں میں شراب نوشی کا انسداد کیا جائے، ایک جلسہ میں اظہار خوشی کیا۔

ہندستان نیوز پیپرس لمیٹیڈ کیطرف سے حیات اللہ انصاری، ایڈیٹر و پبلیشر نے باہتمام گلزاری لال سکینہ سلطانیہ برقی پریس نظیر آباد لکھنؤ سے چھپوا کر مینل روڈ لکھنؤ سے شائع کیا۔

جلد ۱ نمبر ۱۲ | لکھنؤ ۲۴ اکتوبر ۱۹۳۷ء | فی پرچہ ۱ ر سالانہ ۳ روپے

# مسلم لیگ کا اجلاس

بہت بڑا پنڈال جس میں تقریباً ہزار سے زیادہ کرسیاں ہوں گی خوش پوش لوگوں سے جن کے چہروں سے خوش خوری کی ٹپک رہی تھی، بھرا تھا۔ اور جب [illegible] جغادری، سر سکندر حیات خان اور اسی قسم کے حضرات جو اب تک ملک و ملت کی پالیٹکس میں بہت نمایاں قربانیاں کرتے رہے ہیں ابھی [illegible] سمجھتے تھے مسلم لیگ کی فضا اب بھی ان کی تفریح گاہ بن سکتی ہے۔ اجلاس برخواست ہونے پر ان لوگوں کے لباس، وضع قطع، نقل و حرکت [illegible] سے عجیب چہل پہل ہو جاتی تھی۔ جی چاہتا تھا کہ دیکھتے ہی رہو [illegible] تمنا ہوتی کہ ہمارے پاس بھی ایسے ہی کپڑے ہوتے، اور زندگی کی [illegible] بھی میسر ہوتیں۔ دیکھتے ہی معلوم ہو جاتا تھا کہ "کلچر" کیا چیز ہے [illegible] مسلم لیگ رہی ہے، پائجامہ، شلوار، شیروانی، ٹوپیاں [illegible] نیکر موزے، ہر طرح کے جوتے، سگار، سگرٹ، چھڑیاں [illegible] پیدا، اور وردی پوش ملازم بھی تو موجود تھے،

جا بجا چوکیوں پر والنٹیر صاحبان استادہ تھے۔ دیکھنے کے قابل تھے دولتمند جوان والنٹیر جو صدر کی میز کے سامنے دونوں طرف ہاتھوں میں تلوار یا ڈنڈا لئے کھڑے رہتے تھے۔ ان کو دیکھکر بے اختیار جی میں آتا تھا کہ ٹھہرے ہوکر صدر کو شاہی آداب بجا لاؤ۔ والنٹیروں نے جلسوں میں جلوس سے بڑھ کر تنظیم کا اظہار کیا۔ اور اپنے فرض سے کبھی کوتاہی نہ کی۔ [illegible] راستہ کا انتظام کرنے میں ہر ایک مستعد تھا۔ انکی سب سے بڑی خدمت تھی نعرۂ تکبیر بلند کرنا۔ یہ فرض اگر یہ ادا نہ کرتے تو کون کرتا؟ جلسے میں کسی طرح کا ہنگامہ نہیں ہوا۔ لیکن ہنگامہ کی گنجائش بھی تو نہ تھی۔ بیچارے حاضرین کی زیادہ تعداد خاموشی سے سنتی۔ ان میں سے کچھ لوگ کبھی کبھی جوش میں آکر نعرۂ تکبیر لگا دیتے معلوم ہوتا تھا کہ جیسے پانچ سو طالب علم پرنسپل کا لکچر سننے جمع ہو گئے ہیں۔ ہاں، جب ووٹ دینے کا وقت آتا تو سب بالاتفاق، بلا تفریق مراتب، ہاتھ اٹھا دیتے۔ جو قرارداد پاس ہوتی تھی سو فیصدی ووٹ سے پاس ہوتی تھی۔ اتحاد ہو تو ایسا ہو۔

پہلے دن زندگی کے آثار اسوقت ہویدا ہوئے جب شیر بنگال، آنریبل فضل الحق، جناب صدر صاحب کی انتہا پر اسٹیج پر تشریف لائے۔ اس "زعیم ملت" کو آتے دیکھ کر چار پانچ ہزار کا جتنا مجمع تھا سب میں جان پڑ گئی۔ اور نعرۂ تکبیر کی صدا گونج اٹھی۔ آنریبل فضل الحق نے بتایا کہ "میرے متعلق گورنر نے کیا کہا تھا کہ اگر ان کی پارٹی کامیاب بھی ہو گئی تو بھی میں اسکو گورنمنٹ ہاؤس کے پاس پھٹکنے نہ دوں گا۔ لیکن وہی فضل الحق کامیاب ہوتا ہے تو گورنر اسکو بلاتا ہے اور اپنے برابر کرسی پر بٹھا کر باتیں کرتا ہے۔ اسکی کامیابی [illegible] وزارت [illegible] نعرۂ تکبیر اور [illegible] فضل الحق زندہ باد سے پنڈال گونج اٹھا۔ آنریبل فضل الحق نے صاف طور پر [illegible] کیا کہ "اگر کسی صوبے میں ہندوؤں نے مسلمانوں پر ظلم کیا تو اس کا انتقام میں بنگال میں لونگا،" یہ ایسی ہی بات ہے جیسے کوئی کہے کہ اگر دنیا میں کسی ہندو نے مسلمان [illegible] ڈالا، تو میں فوراً اپنا ایک ہندو نوکر قتل کر ڈالونگا، لیکن یہ دلیل لیگی مجاہدین کو بہت منصف نظر آئی۔ "نعرۂ تکبیر" بلند ہو گیا

مولانا حسرت نے "پوری آزادی" کی قرارداد پیش کی۔ انھوں نے لفظ "مکمل" چھوڑ دیا، کیونکہ کانگرس نے اسکو [illegible] "پورن سوراج" وغیرہ کے معنی دے دے کر لایعنی کر دیا ہے۔ اسکے بعد انھوں نے قرارداد کے الفاظ کی خوبی یہ بیان کی کہ اس سے اعتدال پسند اور انتہا پسند دونوں خوش ہو سکتے ہیں، اسکے معنی زیر سلطنت برطانیہ کے بھی ہو سکتے ہیں اور پوری

"موجودہ حالت میں مسلم لیگ جارحانہ کارروائی کی پالیسی کو لاحاصل اور خودکشی سمجھتی ہے۔ ایسی روش پر کوششیں ہوئیں اور ناکامیاب رہیں۔ اور نتیجہ میں لوگوں کی مصیبتیں بڑھ گئیں۔"

دوسری جگہ کہتے ہیں۔

"پالیٹکس کے معنی ہیں قوت کے۔ اور انصاف، بھلمنساہٹ، اور اور خوش نیتی سے کے لئے فریاد دل پر بھروسہ کرنے کے۔ دنیا کی قوموں کو دیکھو روزانہ کیا ہو رہا ہے۔ دیکھو حبش سے ساتھ کیا ہوا، دیکھو چین اور اسپین پر کیا گذر رہی ہے۔"

ایک طرف حکم ہے کہ جارحانہ کارروائی نہ کرو یعنی لڑو بھڑو نہیں۔ دوسری طرف نصیحت ہے کہ انصاف مانگنے سے نہیں ملتا۔ بلکہ زبردستی چھیننے سے یعنی لڑنے سے۔ ان دونوں اقوال پر مسٹر جناح ہی بدل پاتے ہیں۔ اور کسی کے بس کی بات نہیں۔

## مکمل آزادی اور پوری آزادی میں فرق

مسٹر جناح کے خطبہ صدارت میں ہے۔ کچھ لوگ مکمل آزادی کی باتیں کرتے ہیں مگر کیا فائدہ کہ زبان پر تو مکمل آزادی ہو اور دستور اساسی ہند ۱۹۳۵ء تمہارے ہاتھوں میں۔ مسلم لیگ نے "پوری آزادی" پاس کر دی، دوسری طرف سر فضل الحق اور سر سکندر حیات خاں مسلم لیگ میں شریک ہو گئے۔ اب ممکن ہے کہ کوئی سمجھے جو اعتراض مسٹر جناح کانگریس پر کرتے ہیں وہ مسلم لیگ پر چپکا جا رہا ہے۔ کہنے والے کا منہ یہ کہہ کر بند کر دیا جائے گا کہ کانگریس چاہتی ہے مکمل آزادی اور مسلم لیگ صرف پوری آزادی۔

## مذہب اور سیاست

مسلم لیگ کے جلسوں میں جو تقریریں ہوئیں۔ ان کو سنکر ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ اسلام، مسلم لیگ، وزارت، اور الکشن ایک ہی چیزوں کے الگ الگ نام ہیں۔ جب کوئی مقرر حقوق اور وزارت نہ ملنے کی شکایت کرتا تھا۔ تو مذہب کے نام پر مسلمانوں کو مسلم لیگ کے ممبر ہونے کی دعوت دیتا تو مذہب کے نام پر۔ مولانا شوکت علی نے مسلمانوں کو الکشن میں ووٹ دینے کے لئے بلایا تو اسلام کی عزت اور جمعیت کے نام پر۔ ان باتوں سے تو سمجھ میں آتا ہے کہ اگر آپ فیصدی ووٹ حافظ ابراہیم کو ملے تو گویا مذہب دس فیصدی ہار گیا۔ لگاؤ مذہب کی بازیاں۔ اچھا کھیل ہے۔

## جاپان اور ٹیگور

مسٹر راس بہاری بوس نے کچھ عرصہ ہوا کہ ٹوکیو سے بجری تار کے ذریعہ ڈاکٹر ٹیگور سے ہندوستانی تاجروں، طلبا و دیگر باشندوں کی طرف سے درخواست کی تھی کہ وہ ہندوستانی مفاد اور ہندوستان جاپان کے تعلقات کے خاطر کانگریس اور پنڈت نہرو کو جاپان کے خلاف کارروائیاں کرنے سے روکیں۔ ذیل میں ڈاکٹر ٹیگور کے جواب کا خلاصہ درج کرتے ہیں۔

ڈیر راس بہاری۔ آپکے تار نے مجھکو بہت پریشان کر دیا کیونکہ میں آپ کی درخواست رد کرنے پر مجبور ہوں۔ آپنے درخواست ان خیالات کی بنا پر کی ہے جو میں کچھ عرصہ پہلے جاپان کے متعلق رکھتا تھا۔ لیکن جاپان نے جلد ہی ان آئیڈیا کا خاتمہ کر دیا۔ اور کمزور مشرق کیلئے ایک بلا ثابت ہوا۔

اقتصادی اور جغرافیائی دستبرد سے زیادہ بدتر ہے وہ بے رحمانہ قتل و غارت جو جاپان بے حیائی سے برپا کئے ہوئے ہے۔ اگر دنیا کی تمام آبادی اسکے خلاف احتجاج کرے تو مجھے روکنے کا کونسا حق ہے۔ اس احتجاج کا محرک کوئی ایک انسان نہیں۔ اسکی جڑ تمام دلوں میں ہے اور جس طرح جاپان کے متعلق اچھے خیالات کی ابتدا غیرارادی طور پر ہوئی تھی اسی طرح نفرتی جذبہ خود بخود پیدا ہو گیا ہے۔ مجھے اپنے ہم وطنوں کے ساتھ جو جاپان میں ہیں اور جاپانیوں کے ساتھ بھی ہمدردی ہے لیکن چین کے مظلوموں کی آہیں ان سے کہیں زیادہ پر اثر اور خوفناک ہیں۔

# دو ذہنیتیں

مسلم لیگ کا اجلاس تین دن رہا۔ خوب خوب تقریریں ہوئیں لیکن اصل مسئلہ جوں کا توں رہا۔ حسن الحسن صاحب نے تو ضرور اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ "پوری آزادی" کیا چیز ہے؟ اس سے عوام کو کیا بھلا ہوگا؟ بیکار نوجوانوں کا کیا بھلا ہوگا؟ اور یہ نعمت خاص کیسے کی جائے گی؟ انکے علاوہ کسی نے یہ مسئلہ چھوا تک نہیں بلکہ اس کو ٹالنے کیلئے عجیب عجیب باتیں کیں۔ مسٹر جناح نے فرمایا۔

"غریبی" اور بھوک کا تذکرہ اس لئے کیا جاتا ہے کہ عوام کو سوشلزم اور کمیونزم کیسے خیالات کی طرف بہکایا جائے۔ جس کے لئے ابھی ہندوستان بالکل تیار نہیں ہے"

چودھری خلیق الزماں صاحب نے فرمایا

"کوئی فرقہ مسلمانوں سے زیادہ غریب نہیں ہے۔ اس فرقہ کے چند سرمایہ دار اپنی جائدادوں اور ریاستوں کو چھوڑ دینے کے لئے تیار ہیں بشرطیکہ کانگریس ہندو سرمایہ داروں کو اپنی اپنی جائدادیں چھوڑنے پر مجبور کرے لیکن..... لیکن کانگریس سرمایہ داری کو نہیں توڑ سکتی"

دوسری طرف مسٹر جناح کہتے ہیں

"صرف ایک چیز مسلمانوں کو نجات دلا سکتی ہے اور انکے چھینے ہوئے مرتبہ کو واپس دلا سکتی ہے۔ پہلے ان کو اپنے نفس پر قابو حاصل کرنا چاہئے۔ اپنے کو اور اپنے ان اصولوں کو جو اسلامی اتحاد کی بنیاد میں پہچاننا چاہئے۔ ...... اسکے بعد کہا کہ مسلمانوں کو لیگ کے جھنڈے کے نیچے آ جانا چاہئے۔"

یہ سیاسی لڑائی کس غرض سے ہے؟ عوام اس میں کیوں شریک ہوں؟ مسلم لیگ کی تین دن کی تقریروں سے جو بات دکھائی دیتی ہے سمجھ میں آتی ہے وہ یہ کہ عوام لیگ کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو جائیں اور اتنا متحد ہو جائیں کہ صرف وہی مسلمان اسمبلی کے ممبر منتخب ہو سکیں جو لیگ کے ٹکٹ پر کھڑے ہوں۔ اس طرح اسمبلی میں ایک متحدہ جماعت پہونچے گی۔ یہ اتحاد کانگریس کو، اور دوسری طرف برطانیہ کو مجبور کر دیگا کہ مسلمانوں کے ساتھ زیادہ سے زیادہ رعائتیں کریں۔ اسکے بعد مسلمانوں کی یہ متحدہ جماعت کانگریس کی متحدہ جماعت سے (جو خالص ہندوؤں کی جماعت ہوگی) یہ سنگم اپنی پشت پر سارے ہندوستان کی قوت رکھتی ہوگی۔ اگرچہ جماعتیں "پوری آزادی" ہی کا مطالبہ کریں۔ اسکے

اسمبلی، اور کونسلوں کے بائیکاٹ کی دھمکی دیں۔ اور ایسے قانون پاس کرنا شروع کریں جو برطانیہ کے حق میں مضر ہوں تو برطانیہ ڈر کر پوری آزادی حوالہ کر دیگی اور پھر سب چین ہی چین ہے۔

بعض لوگوں کو تسلیم ہے کہ ایک اچھی، نیک، بے عملوں کی جماعت رہی ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ کام کرنے والوں کو چاہئے کہ اس میں داخل ہوں اور کام کریں۔ نہ کہ اسکو چھوڑ کر ہندوؤں کی جماعت یعنی کانگرس میں گھسیں۔ لیکن اگر ان لوگوں سے پوچھا جائے کہ کام کرنے والے اس جماعت میں آکر کیا کام کریں تو جواب میں وہ جو کچھ بتائیں گے، وہ بالکل اوپر والا پروگرام ہوگا۔

اس لڑائی سے، اور اس آزادی سے کیا حاصل ہوگا؟ ساری لڑائی لڑیں گے عوام، اور مزے لوٹیں گے وہ سپہ سالار جو اسکے سرغنہ بنیں گے۔ ملازمتیں خالی ہوں گی، تجارتی حقوق ہاتھ لگیں گے، ان لوگوں کے مزے ہیں جو ان سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

اگر ان کے سامنے عوام کا نام لو تو یہ ٹال جاتے ہیں۔ گویا وہ توجہ کے قابل ہی نہیں۔ یا پھر ترس کھاتے ہیں اور ان کے لئے خیرات اور اس قسم کی دوسری مدوں کا انتظام کرنے کا وعدہ کر لیتے ہیں۔

اس سلسلہ میں راجہ محمود آباد نے جو پروگرام غریبوں کے لئے پیش کیا ہے دیکھنے کے قابل ہے۔ وہ اس طرح چلتا ہے۔

مسلم لیگ کو ان باتوں کو پورا کرنے کے لئے جلد سے جلد تدبیر کرنا چاہئے۔

۱۔ مزدوروں کے لئے ملوں کے اندر کام کرنے کے گھنٹے مقرر کرنا۔
۲۔ انکے لئے کم سے کم تنخواہ کی مقدار مقرر کرنے کرنا۔

. . . . . . . . . . . .

۱۳۔ بیکاری دور کرنے کی تدبیر نکالنا۔

اسی ذہنیت کے لوگ عوام کو بھولا جانور سمجھتے ہیں۔ یعنی انکو اپنے نیک و بد کی بالکل تمیز نہیں، جو سفید پوش، جو سفید پوش، انکے ساتھ ذرا ہمدردی دکھائے۔ یا پروپگنڈا کرے، اسکے ہاتھ میں انکی نکیل پہونچ جائے گی۔ ان لوگوں کے خیال میں عوام جب تک بے۔ لے پاس نہ ہو جائیں۔ اپنی بھوک اور اپنے دکھوں کو نہیں سمجھ سکتے۔

ان خیالوں کی بنیاد سوچنے والوں کی زندگی پر ہوتی ہے۔ یہ لوگ خود آسودہ حال ہوتے ہیں۔ ان کی تمام بنیادی ضرورتیں پوری ہوتی رہتی ہیں، انکے لئے پالیٹکس، اور "آزادی" کے لئے لڑنا، اعزاز ہے یا تعیش، یہ خود محسوس کرتے ہیں — کہیں تو ہم لوگ "غلام" مگر اس غلامی کے خلاف ہمارے دل میں کوئی جذبہ نفرت نہیں بھڑکتا۔ پھر دوسرے کے دل میں جو "غلامی" کی ذلتوں پر لکھی ہوئی نظموں کو بھی نہیں سمجھ سکتا کیسے یہ جذبہ پیدا ہو سکتا ہے۔ عوام سے ان لوگوں کا تعلق حاکمانہ ہوتا ہے۔ یہ دیکھتے رہتے ہیں کہ ہم کس طرح انکو دبا لیتے ہیں، کس طرح وہ لوگ ہمارے سامنے آکر گڑگڑاتے ہیں، اور ایسی خوشامدانہ حرکتیں کرتے ہیں، جو ہم کبھی کسی حالت میں نہ کرتے۔ اسوقت ان لوگوں کے دل میں "عوام کی طاقت" کا احساس نہیں رہتا۔ زندگی بھر یہ لوگ اپنی غرض کے لئے انکو الو بناتے رہتے ہیں سمجھتے ہیں کہ ہمیشہ یونہی کام چلتا رہیگا۔ انکی عقلیں اتنی اندھی ہو جاتی ہیں کہ دنیا کے ہنگامے، اور روزمرہ کی اسٹرائکیں انکو نظر ہی نہیں آتیں۔

کچھ لوگ ہیں جو ان اونچے لوگوں کے دم چھلے ہیں۔ انکے دلوں پر بڑے لوگوں کی بڑائی چھائی رہتی ہے۔ یہ دنیا کو بڑے لوگوں کی نگاہ سے دیکھتے سمجھتے ہیں۔ بڑے لوگ، عوام کو ذلیل سمجھتے ہیں، اسلئے یہ بھی انکو ذلیل سمجھتے ہیں۔ یہ لوگ زندگی کے تمام پہلوؤں کو پرکھنے کے معیار بڑے لوگوں سے سیکھتے ہیں، ان لوگوں کی سیاست بھی بڑے لوگوں کی سیاست ہوتی ہے۔

ایک ذہنیت میں اپنی عیش و عشرت کا بچاؤ ہے۔ اور اسکے لئے مذہب کی آڑ۔ دوسری ذہنیت میں منطقی تجزیہ ہے۔ تاریخی شواہد اور عملی ثبوت

آزادی کے معنی اور آزادی حاصل کرنے کی یہ ترکیبیں، عوام کو بلانے کی تدبیریں سب اس میں ہیں جسکے لئے دلیل کی ضرورت ہے مسلم لیگ کے لیڈروں نے دلیل شدہ حاصل کر لی ہے، وہ یہ کہ یا تو "حقوق"، "مسلمانوں کے حقوق" کا نام لیکر مسلمانوں کو غیرت دلاتے ہیں۔ یا پھر علماء کی مدد سے اپنی سیاست میں مذہب اتنا گھوستے ہیں کہ بیچارا سیدھا سادھا مسلمان مجبور کر اس پروگرام کو مان لے

دوسری ذہنیت ان لوگوں کی ہے جو سمجھتے ہیں کہ اصل طاقت عوام کی ہے۔ عوام کو جگانے کے لئے تعلیم کی نہیں، بلکہ بھوک کی ضرورت ہے۔ انکو دھوکا دیا جا سکتا ہے لیکن صرف ایک بار خلافت اور خادم الحرمین کی تحریک میں آکر وہ سبق سیکھ گئے۔ اب اگر کوشش کی جائے کہ یہ تحریکیں پھر چلیں۔ یا فلسطین کی تحریک اس پیمانہ پر چلے، تو کبھی کامیابی نہیں ہو سکتی۔ ہندستانی عوام کی یہ کمزوری ہمیشہ کیلئے تاریخ سے گئی! اس طاقت کا اندازہ گذشتہ الکشن میں خوب ہو گیا۔ زمینداروں نے، مقامی افسروں نے، بڑی بڑی کوششیں کیں کہ کانگرسی امیدوار نہ کامیاب ہو لیکن ایک نہ چلی۔ اور کانگرس کی جیت ہوئی۔ یہ جیت بتاتی ہے کہ عوام نے سمجھ لیا کہ کانگرس ہماری ہمدرد ہے۔ انھوں نے یقین کر لیا کہ برطانیہ سے، اور برطانیہ کے دم چھلوں سے کچھ بھلا نہیں ہو سکتا۔

عوام کی طاقت ابھی صرف اپنی جھلک دکھلا رہی ہے۔ کسانوں کے جلوس اور جلسے، مزدوروں کی اسٹرائکیں اور ان کی کامیابیاں مستقبل کا نقشہ دکھلا دیتی ہیں۔ ملوں کی موجودگی، اور مزدوروں کی غریبی، دوسری طرف اقتصادی ابتری اور کسانوں کی غریبی یہ اسباب ایسے ہیں جو دن بدن کسان سبھاؤں، اور مزدور سبھاؤں کی طاقت بڑھاتے جائینگے۔ وہ زمانہ دور نہیں ہے جب ساری پالیٹکس اوسط طبقے کے ہاتھوں سے نکل کر انھیں جماعتوں کے ہاتھوں میں آجائے گی۔ ان جماعتوں کی بناوٹ میں، ہندو مسلم کا سوال پیدا ہی نہیں ہو سکتا۔ مزدور لڑتے ہیں کارخانہ دار سے، اور کسان لڑتے ہیں زمیندار سے، اس سے کوئی مطلب نہیں کہ کون ہندو ہے اور کون مسلمان۔

ادھر پالیٹکس مزدور سبھاؤں اور کسان سبھاؤں کے ہاتھوں میں آئی۔ ادھر ہندو مسلم، اور فرقہ وارانہ جھگڑے ختم ہوئے۔ کیونکہ عوام ان باتوں کو سن ہی نہیں سکتے، ان کا تجربہ ہے کہ زمیندار کوئی مذہب رکھتا ہو، رہتا ہے وہی زمیندار ہی۔

ان جماعتوں کو اگر کوئی چیز توڑ سکتی ہے، تو وہ فرقہ وارانہ جھگڑے ہی ہیں، اس لئے سرمایہ دار، کارخانہ دار، اور زمیندار اپنے اپنے ساتھ کچھ علماء کو لیکر مذہب کے سرپرست بنکر ان جماعتوں کو توڑنے کی کوشش کرینگے۔ کچھ عجب نہیں کہ اس دور میں پہونچ کر مسلم لیگ، اور مہاسبھا میں مذہب اور کلچر کے مقدس نام پر دوستی ہو جائے۔ الگ الگ رہ کر دونوں کمزور رہیں گی، مگر دونوں مشترکہ دشمن یعنی عوام کا اچھا مقابلہ کر سکیں گی۔

پہلی ذہنیت کا تعلق ماضی سے ہے۔ انقلاب کے بعد اس کی جگہ صرف تاریخ میں ہوگی۔ دوسری ذہنیت کا تعلق مستقبل سے ہے۔ آنے والے انقلاب کی باگ اسی کے ہاتھ میں ہوگی۔ اور انقلاب کے بعد اسی کا راج ہوگا۔

# ہمارے پرانے ساتھی

از محمد اشرف ایم اے

آج کی سیاست اور خاص کر محکوم قوموں کی سیاسی جدوجہد کا مطالبہ بھی شریعت کے مطالبہ سے کم نہیں ہے۔ اس میں بھی اعمال کا نصاب مقرر ہے، اسیطرح حد بھی مقرر ہیں، غرضکہ ہر سیاسی انسان مکلف ہوتا ہے۔ اور ایک اعتبار سے سیاست کا مطالبہ شریعت سے زیادہ شدید ہے اسلئے کہ شریعت ایک مستحکم اور مرتب نظام کو برقرار رکھنے کا نام ہے لیکن محکوموں کی سیاست رائج الوقت نظام کو بدل کر ایک دوسرے نظام کو قائم کرنے کا ذریعہ ہے یعنی دوسرے الفاظ میں آج کل کی سیاست کا مقصد انقلابی ہے اور اس کا مقصد صرف موجودہ کروڑوں بندگان خدا سے ہی نہیں بلکہ آنے والی نسلوں سے بھی ہے یہی وجہ ہے کہ موجودہ سیاست میں مواخذ شریعت سے بھی زیادہ سخت ہوتا ہے مثلاً آجکل روس کی موجودہ حکومت یہ نہیں کرتی کہ اختلاف اور مخالفت کرنے والوں کو انکے حال پہ چھوڑ دیا کرے بلکہ انھیں انتہائی سزائیں دیتی ہے اور اس میں صرف موجودہ حالات کا خیال رکھا جاتا ہے گذشتہ خدمات پر نگاہ نہیں جاتی۔ جمہور مدتوں صبر اور ضبط سے کام لیتے ہیں لیکن ایک خاص وقت میں انتقام کے لئے مجبور ہوتے ہیں۔ یہ جذبہ ایسے زمانہ میں ابھرتا ہے جب ظالم اور مظلوم اور غاصب اور مغصوب قوتیں آمنے سامنے آجاتی ہیں اور ہر شخص کو اپنی جگہ فیصلہ کرنا پڑتا ہے کہ وہ کس قوت کے ساتھ ہے۔ وہ یہ خوب سمجھ لے کہ ایک جماعت کے حمایت کے معنی لازمی طور پر دوسری جماعت کی دشمنی کے ہیں۔ اور اس میدان کارزار میں تماشائی حیثیت یا غیر ذمہ دارانہ موافقت اور مخالفت کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

آج ہندستان اسی منزل میں ہے اور ہمیں بھی فیصلہ کرنا ہے کہ ہمارے ساتھ کون ہے؟ ہندستان میں آزادی کی تحریک اب جذباتی حیثیت سے گذر کر سیاسی جماعتوں کا روپ لے چکی ہے۔ لیکن ہمارے ملک میں اب بھی صدہا ایسے لوگ ملیں گے جو ملک کی سیاست میں "مجذوبوں" کا ایک وسیع مرتبہ سمجھتے ہیں۔ جنکے نزدیک سیاسی جماعتیں اور ان میں شریک ہونا کوئی فیصلہ کن حیثیت نہیں رکھتا ایسے لوگ نہ سیاسی تقاضوں کو سمجھ سکتے ہیں اور نہ سیاسی زندگی پر کوئی اثر ڈال سکتے ہیں۔ دو چار بندگان خدا ایسے بھی نکلینگے جنکا یہ خیال ہے کہ شاید ارونڈ گھوش دوبارہ ہندستان کی سیاست میں رونما ہوں اور دفعتاً ایسا نسخہ پیش کریں کہ ہم کانگرس، گاندھی، جواہرلال اور سوشلزم وغیرہ کے قصوں کو چھوڑ کر آناً فاناً آزاد ہو جائیں بلکہ دنیوی سوالات کے علاوہ ہزارہا برس کے روحانی سوالوں کو بھی حل کرلیں۔ قرون وسطیٰ کے جاگیرداری دور میں سیاسی مجذوب اور کرامات دکھانے والے پیدا ہوتے تھے۔ اب دنیا کا نظام ایک دوسری نہج پر آگیا ہے جسطرح سامراج اور سرمایہ منظم طور پر ہمیں محکوم اور مفلوک رکھتا ہے اسیطرح ہم بھی اس کے منظم طور پر اور مدت کی کشمکش کے بعد نجات پائیں گے۔ اس تنظیم اور کشمکش کی تاریخ آج نہیں بلکہ ۱۸۸۵ء سے شروع ہوتی ہے۔ اسکے بہتیرے مدارج اور ہر درجہ میں بہت سے اتار چڑھاؤ ہیں۔ کانگرس بھی اسیطرح بہت سی ارتقائی منزلوں سے گذر رہی ہے۔ اس پرانی گھڑی اور بے ضابطہ جذبات کا زمانہ بھی گذر گیا ہے جب لوگ تلک کے مقولے کو کہ "سوراج ہمارا پیدائشی حق ہے" کچھ اس انداز سے پیش کرتے تھے کہ گویا یہ آخری الہام ہے۔ مسز بسنٹ کی تقریروں میں جادو پاتے تھے، حسرت کی عاشقانہ غزلوں، اور حالی اور ظفر علیخاں کی مناجات میں انقلابی روح تلاش کرتے تھے اور پالیتے تھے۔ جستجو کا عالم یہ تھا کہ ہمیں میر اور غالب میں بھی وطن پرستی کا جذبہ نظر آتا تھا اسلئے کہ ہم خود اس میں سرشار تھے۔ اور تو اور ہم طبیعت کی موزوں والی نظم پڑھتا تو ورکنا رسر دھنتے تھے۔ لیکن آپ آج یہ مصرعہ پڑھئے کہ ع ہم ہونگے قفس ہوگا اور موسم رول ہوگا۔ اور سیر لاذمہ کہ سننے والے ہنس پڑینگے۔ آخر یہ ذہنی انقلاب کیوں ہوا؟

صرف اسلئے کہ آج ہم اٹھارہ سال کی منظم تحریک کے سیاسی تجربات کے وارث ہیں اور جو ان تجربات سے نہیں گذرا وہ عوام کی اور ہماری نفسیات سے واقف نہیں ہوسکتا۔ اس زمانہ میں انفرادی حیثیت سے گذر کر ہمنے اجتماعی اور منظم سیاسی تحریکات کا مزہ چکھ لیا ہے اور جو شخص انفرادیت اور انانیت کے جامہ میں مست رہا ہو وہ انقلابی ہوتے ہوئے اور انتہائی ایثار کرنے کے باوجود بھی دریا کے بہاؤ سے ناآشنا اور ہماری جماعت سے باہر ہے۔ جو آج بھی عوام سے ربط ضبط نہیں رکھتا یا جتا اسکے لئے آنے والے انقلابی دور میں عوام کے محرکات اور مظاہر کو سمجھنا ناممکن ہوجائیگا اور بالآخر عوام اور انفرادیت پسند لیڈروں کی ذہنیت میں زمین آسمان کا فرق ہوجائیگا۔ ہندستان کے ہندو مسلم عوام کو تلخ تجربوں کے بعد معلوم ہوا ہے کہ کامل آزادی کا مطالبہ دور کے نصب العین کا نہیں بلکہ فوری اور عملی ضرورت کا درجہ رکھتا ہے۔ ہمیں تجربہ نے یہ بھی سکھایا ہے کہ کامل آزادی کی مانگ صرف ایک مفلوک اور نادار طبقہ کی مانگ ہوسکتی ہے۔ اعلیٰ طبقہ کے لوگوں کو کامل آزادی سے صریحاً نقصان پہنچیگا۔ چنانچہ اعلیٰ طبقہ کے وہ لوگ جو کچھ مدت پہلے بےخبری کے عالم میں کامل آزادی کی حمایت کر بیٹھتے تھے، آج اس نام سے گھبراتے ہیں اور کل جب عام لوگ کامل آزادی کے لئے جدوجہد کریں گے تو یہی اعلیٰ طبقہ کے ہندو اور مسلمان عوام کے خلاف مذہبی روایات، کلچر، تمدن، غرضکہ ہر نازک جذبہ کی آڑ لیکر سازشیں کریں گے اس لئے کہ سماج کے دو متضاد طبقوں کی نگاہ میں آزادی کا مفہوم لامحالہ طور پر جداگانہ ہے عجب نہیں کہ کل ہمیں مذہب اور اخلاق کے معیار کا فیصلہ بھی اسی نگاہ سے کرنا پڑے اسلئے کہ ہر جگہ ایک کے مفاد میں دوسرے کا نقصان مضمر ہے

ظاہر ہے کہ ہمارے ایثار پرست اور انفرادیت پسند لیڈر اس حقیقت سے منکر ہیں چنانچہ انھیں مسٹر جناح اور مسلم لیگ کی لیڈری کا کامل آزادی کے عقیدہ میں کوئی تضاد یا تصادم نظر نہیں آتا۔ اور خیر بعض کے نزدیک تو کامل آزادی ایک شعری کیفیت ہے اسے پروگرام اور سیاسی تجزیہ سے کیا نسبت

یوں بھی کامل آزادی کے متعلق ہمارے بزرگ کچھ اس طور پر تذکرہ کرتے ہیں گویا کہ اس کا حاصل کرنا یا نہ کرنا گاندھی یا جواہرلال کے بس میں ہے۔ اور آزادی کی جدوجہد تاریخی حالات سے قطعاً بے نیاز ہے۔ شوکت علیصاحب کے نزدیک تو اسکا حاصل ہونا یا نہ ہونا صرف ان سے صلح اور سمجھوتہ کرنے پر موقوف ہے۔ ہمیں گذشتہ تجربوں نے بتایا ہے کہ آزادی اور سوراج ایک دو سال میں نہیں سمجھوتوں سے نہیں بلکہ ایک مدت کی جدوجہد کے بعد عوام کو نصیب ہوگی اور ہمارے، دوستوں اور حامیوں میں برابر ردوبدل ہوتا رہیگا۔ اس سے زیادہ دلچسپ اور عبرت انگیز سبق ہمیں یہ بھی ملا کہ ہمارے دشمنوں کی صفوں میں بہت سے ہندستانی اور جاگیرداری طبقے کے لوگ خصوصیت

سے ہوں گے۔

آج ہم عجیب عالم میں ہیں۔ عوام کی جدوجہد کا دھارا ایک رخ ہو گیا ہے جس کی کسی حد تک صرف کانگریس ترجمان ہے۔ دوسری طرف ہمارے بھولے بھالے ہیں کہ اس جدوجہد اور اسکے ترجمانوں سے مطمئن نہیں ہیں اور ڈیڑھ اینٹ کی مسجد بنا کر ہمیں اس جدوجہد کے خلاف ہنگامہ آرائی کرنے کی دعوت دے رہے ہیں۔ ہم دودھ کے جلے ان پرجوش اور واجب الاحترام ہستیوں سے پریشان ہیں اسلئے کہ صرف یہی نہیں کہ ان حضرات کے پر عظمت خوابوں کی کوئی تعبیر نہیں نکلتی بلکہ ان کی ہنگامہ آرائی کی بدولت ہمارے دشمنوں کے ہاتھ مضبوط ہوتے جاتے ہیں۔ جو حضرات حسرت کے سیاسی اور خطرناک خواب میں انکے سائے سے گھبراتے تھے۔ آج سایے کیطرح ساتھ ہیں، کل تک جو مولانا شوکت علی کو اولڈ بوائز ایسوسی ایشن علیگڈھ کا سکریٹری دیکھنا پسند کرتے تھے آج وہ شوکت صاحب کو امام سیاست بنانا چاہتے ہیں۔ آج "انقلاب" اخبار ہم سے پوچھتا ہے کہ آخر سیتہ پال ظفر علیخاں کو سرسکندر حیات کی حمایت کرنے پر کیوں معترض ہیں؟ اٹھارہ سال کی جدوجہد کے بعد ہمارے رہنما آج وہاں ہیں جہاں رجعت پسندی نے ۲۰ سال پہلے اپنا مکان تعمیر کیا تھا! وہ آج گاندھی اور جواہر لال کی لیڈری سے منہ موڑ کر جناح کے ہاتھ پر بیعت کرنا چاہتے ہیں، آج مسلمانوں کی حمایت کے بھروسہ پر میاں دولتانہ کو اعتبار ہے کہ مرکزی فیڈرل حکومت چلائی جا سکتی ہے۔

مولانا حسرت نے جب سے کانگرس سے اختلاف کیا ہے، انھیں برابر یہی خیال ہے کہ ہماری طرح کانگرس بھی بدستور اپنی حدود سے آگے نہیں بڑھی۔ مولانا شوکت علی کو چونکہ ایک زمانہ میں کسی قدر غیر معمولی اہمیت حاصل ہو گئی تھی وہ آج بھی اسی کے متمنی ہیں کہ بجز چند برگزیدہ ہستیوں سے گفت و شنید کے اور کوئی جدوجہد کا طریقہ نہ اختیار کیا جائے۔ مولانا ظفر علیخاں کو اب کم از کم اس کا اطمینان ضرور ہے کہ یونینسٹ پارٹی کے ذمہ دار لوگ انھیں وقعت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں

ان حضرات کے شریک ہونے کے باوجود ہندستان میں بڑی تحریکیں ہوئیں صرف یہ کہ ہماری آزادی کے دشمنوں نے ان لوگوں کو بالواسطہ اور بلا واسطہ مسلمانوں کو قومی جدوجہد سے دور رکھنے اور اس جدوجہد کو کمزور بنانے میں استعمال کیا اور ان محترم لیڈروں کو اس واقعہ سے کوئی خاص تکلیف نہیں ہوئی کہ سامراج اور اسکے حامی مسلم کانفرنس اور جمعیۃ کی گفتگو کے بہانے انھیں استعمال کر رہے ہیں۔ جب سائمن کمیشن اور راؤنڈ ٹیبل کانفرنس کے سلسلہ میں قومی آزمائش ہوئی تو یہ لوگ بلا تامل ہمارے ملک کو کمزور کرنے والوں کے ساتھ تھے سنہ ۳۰ء کی سول نافرمانی میں یہ پیکر حریت خاموش تھے اور تو اور ان سے یہ بھی نہ ہو سکا کہ کراچی، پیشاور یا خود لاہور کے واقعات کی تحقیقات پر زور دیتے۔ ان لوگوں نے سماجی اور مذہبی اصلاح کے لئے ہی کچھ کیا ہوتا تنظیم کے نام سے ہی کچھ کر دکھایا ہوتا؟ ان سے جامعہ ملیہ تک نہ سنبھالی گئی۔ پھر جب یہ لوگ خود مسلمانوں کے لئے اس انقلاب انگیز زمانہ میں کچھ نہ کر سکے تو پھر اب آزمائے ہوئے کو آزمانے سے کیا فائدہ؟

کانگرسی لوگوں کو اپنی کمزوریوں کا علم ہے۔ ہمارا یہ دعویٰ نہیں ہے۔ کہ ہم عوام کے شدید اور بڑھتے ہوئے انقلابی تقاضوں کو پورا کر رہے ہیں، ہم یقینی کمزور ہیں اور ہندستانی سرمایہ داری کی ہمارے ساتھ وابستگی اور ہماری قومی جدوجہد کی روایات ہماری آئندہ جدوجہد کے لئے خطرناک ہیں۔ مگر شاید یہ لوگ یہ چاہتے ہیں کہ جو کچھ ہمیں کیا کرایا ہے اُسے سرمایہ داروں کے ہاتھ طرح حوالہ کردیں جسطرح انھوں نے اسلامی اداروں کو جاگیرداروں کی نذر کر دیا ہے اور مسلمانوں کے مفاد اور کانگرس کی نمائندگی کی قسم کھا کر آئندہ کی انقلابی تحریکات کی بنیادیں یکسر منہدم کر دی جائیں؟

کیا یہ لوگ ہمیں یہ بتانا چاہتے ہیں کہ نوابوں مہاراجوں اور رجعت پسند دستور پرستوں کی گود میں ایسی انقلابی جماعت پرورش پائے گی کہ جو گذشتہ پندرہ بیس سال کی جدوجہد اور عوام کی موجودہ بیداری اور آزادی کی [illegible] ہوں گے سنہ [illegible] کے مقابلہ میں۔ آج تو مسلم لیگ کی پالیسی اس درجہ عریاں طور پر رجعت پسندانہ ہے کہ یہ پر عظمت ہستیاں کبھی بمشکل اسکی سامراج پرستی پر پردہ ڈال سکتی ہیں۔ یہ لوگ کانگرس پر یہ اعتراض کرنے کے بعد کہ وہ کامل آزادی نہیں چاہتی کانگرسیوں سے وزارتوں کے طالب ہیں! فلسطین کے سوال پر یہ لوگ جدوجہد کے بجائے برطانوی عمال کے پاس ایک وفد لے جانا چاہتے ہیں۔ بہرنوع میرا منشا ان حضرات کے سیاسی اعمال کا جائزہ لینا ہے نیت پر حملہ کرنا نہیں ہے اسلئے زیادہ بہتر یہ ہے کہ میں ان لوگوں کی سامراج دشمنی کی پرکھ کے لئے ایک تجویز پیش کر دوں۔ فرض کیجئے کہ کانگرس کی تنقید کرنے میں یہ لوگ حق بجانب ہیں تو پھر ان کا فرض ہے کہ کانگرس میں شریک ہو کر اور اپنی ضرب المثل بیباکی اور اخلاقی جرأت سے کام لیکر سرمایہ دارانہ اور مہاسبھائی ذہنیت کی مخالفت کریں جسکے لئے آج گنجائش پہلے سے زیادہ ہے۔ کانگرس سوشلسٹ پارٹی کا وجود اسکا ثبوت ہے۔

ممکن ہے کہ بعض وجوہات سے انکو شرکت گوارا نہ ہو تو اس صورت میں انکا فرض ہے کہ ایسی قومی جدوجہد کی ترتیب اور ایسے قومی اور استعمار دشمن ادارہ کی تنظیم میں لگ جائیں جس میں سرمایہ دارانہ یا جاگیردارانہ رجحانات کا گزر نہ ہو تاکہ کانگرس کا دعویٰ اور عوام کی تمنائیں انکے انقلابی عمل کی صورت میں دنیا کے سامنے پیش ہوں،

اگر یہ لوگ ان دونوں صورتوں کے بجائے ایک بنیادی طور پر فرقہ پرست اور انقلاب دشمن ادارہ میں شریک ہو کر بجائے آزادی اور انقلاب کا کام کرنے کے خود مسلمانوں اور عوام کو کانگرس کی شرکت سے روکنے کے لئے نکلے تو پھر ہمیں یہ فیصلہ کرنا پڑیگا کہ یہ لوگ انقلاب کے نام پر عوام سے غداری اور استعمار دشمنی کے پردہ میں برطانوی سامراج کو مضبوط کرنا چاہتے ہیں۔

دِن نکلنے سے کام کیا ہے انھیں

زندگی کی اندھیری رات ہیں یہ

عصرِ حاضر سے کیا غرض اِن کو

عہدِ ماضی کی باقیات ہیں یہ

"پیش رو"

# ہندوستان میں انقلاب

(علی سردار جعفری)

انقلاب کے اسباب آہستہ آہستہ جمع ہوتے ہیں لیکن وہ خونریزی تیزی کیساتھ آتا ہے جب تک انقلاب رونما نہیں ہوتا۔ اس کے امکانات اور اس کے تعمیری اور تخریبی پہلوؤں پر بحث ہوتی ہے۔ لیکن جب وہ ظاہر ہوتا ہے تو دنیا کی بڑی سی بڑی قوت اس کے سامنے جھک جاتی ہے۔

آج ہندوستان بھی ایک ایسے دور سے گذر رہا ہے۔ جو بہت جلد انقلابی شکل اختیار کرنے والا ہے حالات ملک کو ایک ایسی منزل کی طرف گھسیٹے لئے جا رہے ہیں۔ جہاں پہونچ کر تاریخیں بدل جاتی ہیں۔ دنیا کے موجودہ واقعات ہمارے سامنے حالات کی تشکیل کر رہے ہیں۔ یوروپ میں جنگ کا خطرہ اتنا بڑھ گیا ہے کہ برطانیہ اپنے مقبوضات اور نوآبادیوں کی حفاظت آسانی کے ساتھ نہیں کر سکتا۔ اس لئے اس کا امکان ہے کہ ہندوستان کو دوسرے برطانوی مقبوضات اور نوآبادیوں کی طرح بہت جلد خود مختار یا ذمہ دار حکومت مل جائے۔ لیکن یہ چیز ہندوستان کو انقلاب سے نہیں بچا سکتی۔ کیونکہ جنگ عظیم کے بعد سے واقعات نے نئی صورت اختیار کر لی جس میں نہ محض ہمارا مقصد اور منزل بلکہ قومیت Nationalism کا تخیل بھی بدل گیا ہے۔ اسواسطے ضرورت ہے کہ اسکا تجزیہ کیا جائے کہ خود ہندوستان کے اندر کس طرح انقلاب کی تیاریاں ہو رہی ہیں

یوں تو جدوجہد ایک عرصہ سے ہو رہی ہے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی خود اس پر شاہد ہے۔ لیکن ابھی سوال انگریز اور ہندوستانی کا تھا۔ جسکے معنی سوائے حکومت کی تبدیلی کے اور کچھ نہ تھے۔ اس جنگ کا تعلق عوام سے نہ تھا بالائی اور درمیانی طبقہ کے چند آدمی اس میں حصہ لے رہے تھے۔ اس لئے مسلمانوں کا درمیانی طبقہ یہ نتیجہ نکالنے میں حق بجانب تھا۔ کہ برطانوی سامراجی حکومت کے بعد ہندوستان میں ہندو راج قائم ہو جائے گا۔ اس کا نتیجہ اس صورت میں ظاہر ہوا۔ کہ مسلمانوں نے کانگریس کے خلاف ایک محاذ بنانے کی کوشش کی جو آج تک جاری ہے۔ کانگریس مسلمانوں کی اس بدگمانی کو دور نہ کر سکی اس کے تقریباً سارے لیڈر اسی درمیانی طبقہ کی ذہنیت رکھتے تھے۔ جن میں مذہب، تہذیب، تمدن، اور اس قسم کی دوسری چیزیں کام کرتی رہتی ہیں

اس کا جواب اشتراکیت کی طرف سے پیش کیا گیا۔ جواب کانگریس کا بایاں بازو بنی ہوئی ہے۔ کہ جنگ انگریز اور ہندوستانی کی نہیں، کالی اور گوری حکومت کی نہیں۔ بلکہ غریب اور امیر کی ہے۔ مزدوری اور سرمایہ داری کی ہے۔ اس میں ہندو اور مسلمان دونوں برابر ہیں۔ ہندو سرمایہ دار۔ ہندو مزدور کے ساتھ کوئی رعایت نہیں کرتا مسلمان زمیندار مسلمان کاشتکار کی لگان معاف نہیں کر دیتا۔ گوری حکومت کے بعد ہندوستان میں کسی ایسی کالی حکومت کی ضرورت نہیں جس میں قومی اور نسلی امتیازات باقی رہیں۔ اور اکثریت اور اقلیت کی کشمکش مسلمانوں کو ہندوؤں سے اپنے حقوق مانگنے پر مجبور کرے غالباً اسی چیز کو مدنظر رکھتے ہوئے کرپلانی (کانگریس سکریٹری) نے محمد علی جناح کو یہ جواب دیا تھا کہ وہ اپنے مطالبات ہندو مہاسبھا کے سامنے پیش کریں۔ اشتراکیت کا پیش کیا ہوا پروگرام خالص اقتصادی قسم کا تھا۔ اس نے عوام کی توجہ اپنی طرف مبذول کر لی۔ اور درمیانی طبقہ کی لیڈری کو ایک ایسی کاری ضرب پہونچائی کہ ہندو اور مسلمان دونوں چیخ اٹھے۔

اب چاروں طرف سے یہ آوازیں آ رہی ہیں کہ اشتراکیت ہندوستان کے لئے خطرہ ہے۔ اشتراکیت یہاں کامیاب نہیں ہو سکتی۔ اس نے مذہبی لڑائیوں میں لامذہبی کی جنگ کا اضافہ کر دیا ہے یہ تمام اعتراضات مہمل اور بے معنی ہیں۔ صرف ایک الزام ایسا ہے جو بڑی حد تک صحیح ہے یعنی اشتراکیت نے فرقہ وارانہ جنگ کے ساتھ طبقہ وار جنگ کی بھی بنیاد ڈالدی ہے چنانچہ برج نرائن نے بھی اپنی نئی کتاب "ہندوستانی اشتراکیت" Indian Socialism میں اس کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی ہے۔ لیکن اس کے لئے اشتراکیت قابل مبارکباد ہے۔ اس طرح اس نے ملک کے سامنے آزادی اور اسکی جنگ کا صحیح و صاف تصور پیش کر دیا ہے۔

مسلمان کانگریس سے کیوں خائف ہے؟ اس لئے کہ اسکے اندر ہندو ذہنیت کام کر رہی تھی۔ مسلمان اپنے حقوق کا تحفظ کیوں چاہتے ہیں۔ اسلئے کہ انہیں ہندو راج قائم ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ اس ہندو مسلم سوال کا حل اس کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا کہ فرقہ وارانہ جنگ کو طبقہ وار جنگ میں تبدیل کر دیا جائے تاکہ سوال ہندو اور مسلمان کا باقی نہ رہے۔ بلکہ ظالم۔ اور مظلوم کا رہ جائے۔

جب مزدوروں کا گروہ اٹھ کر فیکٹریوں کے مالک سے اپنے حقوق مانگے گا تو مسٹر جناح مالوی جی اور بھائی پرمانند کیا فیصلہ کریں گے جب کسان زمینداروں سے لگان کی کمی کا مطالبہ کریں گے۔ تو راجہ صاحب محمود آباد۔ و راجہ صاحب ترو اکیا جواب دیں گے۔ ظاہر ہے کہ ہندو کسان اور مسلمان کسان ایک ہوں گے ہندو زمیندار اور مسلمان زمیندار ایک ہوں گے۔ اور فرقہ پرستی سسک سسک کر دم توڑے گی۔

اگر کانگریس کی جنگ صرف اس لئے ہے کہ برطانوی شہنشاہیت ہندوستانی شہنشاہیت میں تبدیل ہو جائے۔ تو ملک کی قربانیاں بے کار ہیں۔ لیکن کانگریس کی جنگ اس لئے ہے کہ شہنشاہیت کا خاتمہ ہمیشہ کے لئے کر دیا جائے اور ہندوستان میں انسانیت کا راج قائم ہو تو اس میں ہندو اور مسلم کا سوال پیدا ہی نہیں ہوتا۔ پھر ہر چیز کی بنیاد اقتصادی ہو جاتی ہے۔ اور اسکے لئے محض حکومت کا انقلاب ہی نہیں بلکہ ہمارے سماجی نظام کو بدل دینے کی ضرورت ہے

اشتراکیت کی اس طبقہ وار جنگ کے تخیل نے ہمیں منزل سے بہت زیادہ قریب کر دیا ہے۔ کانگریس کی پچاس سال کی کوششیں اس وقت تک ناکام صرف اس لئے رہیں۔ کہ اس کے نشتر ملامت کی شہ رگ تک نہیں پہونچے تھے۔ ہندوستان میں فرقہ وارانہ نفاق کے علاوہ حکومت کو تقویت پہونچانے والے یہاں کے بڑے بڑے زمیندار اور کارخانہ دار بھی ہیں جنکی پیشانیوں پر غداری کے ٹیکے لگے ہوئے ہیں۔ ابھی تک عوام کو صرف یہ بتایا گیا تھا کہ تمہارا دشمن انگریز ہے۔ اور یہی بڑے بڑے پونجی پتی لیڈر بنے ہوئے بیٹھے تھے۔ کیا انگریزوں سے زیادہ وہ ہندوستانی ہمارے دشمن نہیں ہیں جو ہماری گردن پر سفید حکومت کا جوا رکھنے کے ذمہ دار ہیں اور جب ہم اسکے ہٹانے کی کوشش کرتے ہیں۔ تو مذہب۔ تہذیب۔ اور اخلاق کے دیوتا انکو ہمارے سامنے لے آتے ہیں۔ چنانچہ درخت کی شاخیں کٹتی رہیں۔ اور رہ جاتی رہیں۔ اور پچاس سال کی کوشش کے بعد بھی وزارت کے سوا کچھ نہ ملا۔ جواہر آئینہ کی [illegible] ہے [illegible] ہر صورت خواہ کتنی ہی حسین کیوں نہ ہو۔ مضحکہ خیز دکھائی دیتی ہے اب اشتراکیت نے درخت

کی جڑ پر حملہ کر دیا ہے۔ وہ پوری عمارت کو ڈھانے کے بجائے صرف سنگ بنیاد کو نیچے سے نکال لینا چاہتی ہے۔ اس لئے طبقہ دار جنگ بجائے اس کے کہ ہماری آزادی کی جدوجہد کو نقصان پہونچاتی ہمیں بڑی تیزی کے ساتھ منزل مقصود کی طرف کھینچے لئے جا رہی ہے۔ سرمایہ داری ایک عرصہ تک جمہوریت کی نقاب چہرے پر ڈالے رہی۔ اور ہم قومی اور ہم وطنی کے نام پر فریب دیتی رہی۔ لیکن اب وہ وقت ختم ہو چکا جس دن وہ منڈیاں باقی نہیں رہیں گی۔ جہاں سے برطانیہ کو نہیں اور اس کی مشینوں کو خام مال ملتا ہے۔ اور وہ فیکٹریاں بند ہو جائیں گی جو ہندوستانی یا ولایتی سرمایہ۔ انگریزی مشینوں۔ اور سستی مزدوری کی بدولت چلتی ہیں۔ بس ان صحیح معنوں میں ہندوستان آزادی کی لڑائی لڑ رہا ہوگا۔ مانا کہ ان کے ساتھ حکومت کی پشت پناہی اور دوسری مادی قوتیں ہیں۔ لیکن ہمارے ساتھ بھی عمل کا جوش اور مقصد کی بلندی ہے وہ امن دامان آگ میں جھونک دینے کے قابل ہے۔ جو انسان کو انسان کا خون پینا سکھائے۔ وہ مذہب اور تمدن ٹھکرا دینے کے قابل ہے جو سرمایہ داری کو فروغ دے اور غلامی کی زنجیروں کو مضبوط کرے۔

ہماری جنگ نہ انگریز سے ہے۔ نہ سرمایہ دار سے۔ ہماری جنگ سامراج سرمایہ دارانہ نظام۔ اور ذہنیت سے ہے۔ ہندوستان کی حکومت چاہے بدل جائے لیکن ہماری جنگ اس وقت تک باقی رہے گی جب تک کہ سماج کا پورا نظام نہ بدل جائے گا۔ اس طرح انقلاب کا سہرا حقیقتاً جس کے سر پر بندھے گا وہ کانگریس کا بایاں بازو ہے۔ جو سامراجی نظام۔ اور اس کو تقویت پہونچانے والی ذہنیت کا سب سے بڑا دشمن ہے۔

۱۹۱۹ء میں جلیانوالا باغ کا واقعہ ہوا۔ اس کے نتیجے کوئی مستقل اقتصادی قوت نہیں تھی۔ پھر خلافت کی تحریک شروع ہوئی۔ خوش قسمتی سے ہندوؤں اور مسلمانوں کا دشمن ایک ہی تھا۔ اس لئے ان میں وقتی اتحاد ہو گیا۔ جو بدھ کے ابال کی طرح جلد ہی ختم بھی ہو گیا۔ ہندوستان کو اتحاد کی یہ برکت دوبارہ نصیب نہ ہوئی لیکن اب اس کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ عوام اپنی ضروریات کو سمجھنے لگے ہیں۔ جنتا خود اپنے مسائل کی نزاکت جانتی ہے۔ لہذا مزدور۔ اور کسان سبھائیں بن رہی ہیں۔ انہیں نہ محمد علی جناح کی ضرورت ہے۔ نہ ڈاکٹر مونجے کی۔ انہیں ان لیڈروں کی بھی ضرورت نہیں ہے جو بچھونے سے کر دسترخوان پر بیٹھ کر بڑی باتیں بگھارتے ہیں۔ وہ ایسے ساتھی چاہتے ہیں جو ان کے سامنے اقتصادی لائحہ عمل پیش کرتے ہیں کہ ان کی ضروریات پوری ہو سکیں۔ چنانچہ اب روزانہ ہڑتالیں ہو رہی ہیں۔ بڑے بڑے پیمانوں پر ہو رہی ہیں۔ دشمن پہچان لیا گیا۔ اب اس کی خیر نہیں جو ان کے گلے کی تلوار تو یہی ہے۔ اگر یہ ٹوٹ گئی تو بس مصیبت کٹ گئی۔

یہ ہڑتالیں خواہ اپنے فوری مقاصد میں ناکامیاب رہیں۔ ان پر چاہے گولیاں برسیں چاہے آسمانی بلائیں نازل ہوں۔ لیکن یہ واقعہ ہے کہ ان کی بدولت عوام نہ محض اپنی حقیقی قوت سے آگاہ ہو گئے ہیں۔ بلکہ وہ یہ بھی سمجھ گئے ہیں کہ آزادی کتنی قربانیوں کے بعد ملتی ہے۔ اور اس کی جنگ کے لئے کتنی پامردی کی ضرورت ہے۔

خدا نہ کرے کہ کسی کو اپنی قوت کا احساس ہو جائے۔ یہ احساس جب پیدا ہو جاتا ہے تو ختم نہیں ہوتا۔ یہاں تک کہ کاروان امید منزل مقصود پر آ کر دم لیتا ہے

# ہمارے رہنما

شہاب ملیح آبادی

## حکومت

سازو ساماں جنگ کا میرے شبستانوں میں ہے
فوج میری ہندوؤں میں ہے مسلمانوں میں ہے
میرے عیسیٰ تھے خدا کے ساتھ ہیں ابلیس کے
قتل و غارت کی فضا میرے گلستانوں میں ہے

## مسلم لیگ

ہند میں پیدا ہوئی ہوں، ہند سے بیزار ہوں
میں مجاہد ہوں، امیرِ ملت خوددار ہوں
میرے سینے میں کھٹکتی ہے ہر اک ہندو کی سانس
سلطنت کی میں سپاہی، بازوئے سرکار ہوں

## مہاسبھا

اٹھی سینے میں تپک، غم میں گھری جاتی ہوں میں
دیکھ کر اسلام کے رستے مری جاتی ہوں میں
وہ اٹھی سرحد سے پھر اسلام کی خونی گھٹا
ہندوؤ! دوڑو درندوں سے ڈری جاتی ہوں میں

## خلافت

ہیں رسولوں کی امانت، دولتِ بغداد ہوں
ہے گلے میں طوق محکومی مگر آزاد ہوں
پرورش چندے سے ہوگی، تخت تو میرا گیا
چھن گیا ترکی تو کیا؟ اب ہند میں آباد ہوں

## احرار

میں حجازی نسل ہوں، میرا وطن بدر و حنین
میرے دریا میں ہے طوفانِ جہادِ مشرقین
کام ہے میرا رسولِ قادیانی پر جہاد
وہ یزیدِ عصرِ حاضر اور میں روحِ حسین

## قادیانی

یہ غلط ہے، در غلط، میں دشمنِ اسلام ہوں
میں تو بیچارہ ابھی نو واردِ الہام ہوں
ہاں بغاوت وقت سے میری شریعت میں حرام
میں ہوں اسلامی برہمن صلح کا پیغام ہوں

## آغا خاں

احمقوں کو جنت پر دا اپنے دیا کرتا ہوں میں
تھیلیوں پر تھیلیاں زر کی لیا کرتا ہوں میں
ہند میں پڑتا ہے کچھ اسلام کی باتوں سے کام
ورنہ لندن کی ہواؤں میں جیا کرتا ہوں میں

## گاندھی

جب خدا کے فضل سے لیتا ہوں آزادی کا نام
میرے ماتھے پر چمکتا ہے جلالِ صبح و شام
اپنے پہلو میں لئے بیٹھا ہوں میں ہر دو حریف
میری جنگی میں ہے نخشِ قوم ہندی کی لگام

## جواہر لال

ہر نفس اک حشر ہے۔ آمادۂ پیکار ہوں
قوم کے ہاتھوں میں، میں بپھری ہوئی تلوار ہوں
تند پھونکوں سے بجھا دوں گا حکومت کا چراغ
دولتِ خاکِ وطن ہوں، جذبۂ خود دار ہوں

## کانگرس

میں وطن کا خواب ہوں اور خواب کی تعبیر ہوں
میں یتیموں کی صدا ہوں، درد کی تاثیر ہوں
میرے ہنگاموں میں آزادی کا طوفانی خروش
قسمتِ ہندوستاں ہوں، قوم کی تقدیر ہوں
ہندو و مسلم میری آغوش بیداری میں ہیں
سلطنت کے طنطنے میری وفاداری میں ہیں
ہر نفس میں سو تغیر، ہر قدم پہ انقلاب
صرف میری عمر کے لمحے شرر باری میں ہیں

---

# زمیندار اور انقلاب

از خلیل الرب

زمینداری یا جاگیرداری ایک نہایت فرسودہ اقتصادی نظام ہے، یہ زمانہ وسطیٰ کی یادگار ہے جبکہ دنیا سیاسی اور معاشی خیالات کے اعتبار سے ترقی یافتہ نہ تھی اور قوموں میں اجتماعی فائدہ کا شعور نہ پیدا ہوا تھا۔ افراد کو قوم پر فوقیت حاصل ہوتی تھی۔ مگر آج بیسویں صدی میں جبکہ دنیا کے سیاسی اور اقتصادی نظریات بالکل بدل چکے ہیں ایسے بوسیدہ اقتصادی نظام کا باقی رہنا کوئی معنی نہیں رکھتا۔

زمیندار اپنی مدافعت میں صرف ایک دلیل پیش کرتے ہیں ان کا کہنا ہوتا ہے کہ چونکہ یہ جائدادیں ہمارے باپ دادا کی پیدا کی ہوئی ہیں اس لئے وہ ہماری ہیں اور ان سے فائدہ اٹھانے کا ہمیں قانوناً حق ہے۔ مگر یہ دلیل انتہائی بھدا اور غیر منطقی ہے۔ درحقیقت قومی ضروریات، افراد کی ضروریات سے زیادہ اہم ہیں، یہی وجہ ہے کہ حکومتیں خوشحال لوگوں پر مختلف قسم کے ٹیکس لگاتی ہیں اور انکو رفاہِ عام کے کاموں میں لگاتی ہیں ورنہ حکومت کو کیا حق ہے کہ وہ دوسروں کی پیدا کی ہوئی دولت یا آمدنی پر ٹیکس لگائے۔ اس اصول کے معنی کو وسعت دے کر ہم یہاں تک کہہ سکتے ہیں کہ کسی ایسے نظام کو قائم ہی نہ رہنا چاہئے جس سے قوم کو اجتماعی طور پر نقصان پہنچتا ہو۔

اگر زمینداروں اور جاگیرداروں سے قوم اور ملک کو کوئی فائدہ پہنچتا ہو یا پہنچنے کا امکان ہو تو ان کا وجود سمجھ میں آسکتا ہے لیکن تاریخ کے اوراق بتلاتے ہیں کہ یہ بحیثیت جماعت کے ہمیشہ ملکی تحریکات کے دشمن، رجعت پسند اور آرام طلب رہے ہیں۔ زمینداروں نے چاہے

وہ انگلستان کے رہے ہوں، چاہے فرانس کے، چین کے رہے ہوں چاہے روس کے ہمیشہ ترقی پسند اور انقلابی تحریکوں کی مخالفت کی ہے۔ عوام کی بیداری اور جد و جہد سے یہ ہمیشہ خائف رہے ہیں۔ حکومت کی خوشامد کرنا اور اس کی خوشنودی حاصل کرنے کی کوشش کرنا ان کا جماعتی اصول ہے، چاہے وہ حکومت کتنی ہی غیر منصف اور ظالم کیوں نہ ہو۔

ہندستان کے زمینداروں کا بھی یہی حال ہے۔ یہ کانگرس کے مخالف اور برطانوی ملوکیت پرستی کے معاون اور مددگار رہیں۔ ہمیشہ حکومت کے شکنجے پر لپٹے ہیں اور نامعقول سے نامعقول سرکاری حکم کے بجا لانے میں ان کو ذرا سا بھی تامل نہیں ہوتا۔

ان میں جماعتی حیثیت سے نہ خودداری رہ گئی ہے نہ آن بان۔ انھوں نے قومی راہ میں نہ تو کبھی قربانیاں کیں ہیں نہ ان میں اب ایثار و قربانی کی ہمت ہے۔ ان کی تہذیب مصنوعی، ان کا تمدن مستعار اور ان کی زندگی بے جان اور بناوٹی ہوتی ہے۔ حاکم قوم کی اندھی تقلید ان کا شعار اور حکومت کی خیر خواہی ان کا مسلک قومی ہوتا ہے۔ جاہ طلبی اور آرام پسندی ان کی گھٹی میں پڑی ہے اور اسی سے حکومت کی خوشامد میں یہ اپنی خودداری، عزت نفس، حاشریت، غرضیکہ سب کچھ کھو بیٹھے۔

یہ جب تحصیلدار، ڈپٹی، ڈپٹی کلکٹر صاحب کو سلام کرنے حاضر ہوتے ہیں تو ان کا جذبۂ احترام و عقیدت دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ بات بات پر ان کی زبان سے "جی حضور" .. اور "بجا ارشاد ہوا" کے کلمات نکلتے ہیں مگر جب یہ بنگلوں کی حدود سے باہر نکل کر اپنے گاؤں میں پہنچتے ہیں تو اپنے اسامیوں اور کاشتکاروں کو وہ دبدبہ دکھاتے ہیں کہ معاذ اللہ! یہ ہے ان کی ذہنی زندگی اور اسی کو یہ اپنی زندگی کی معراج خیال کرتے ہیں۔

انھوں نے آج تک اپنی نجات کا کوئی راستہ نہیں نکالا۔ علم و ہنر سے ان کو کوئی خاص لگاؤ نہیں، صنعت و حرفت سے انکو کوئی مطلب نہیں۔ یہ "میاں لوگ" ہیں ان سے اپنا ذاتی کام یعنی کھیتی باڑی اپنے ہاتھ سے کئے نہیں ہوتا، معمولی سے معمولی کام کے لئے یہ دوسروں کے محتاج ہیں۔ ظاہر ہے کہ ایسی بیکار و نکمی جماعت جو محض قوم و ملک پر بار ہو آج نہیں تو کل ضرور مٹ جائے گی۔ اس کو خود زمانہ مٹا دے گا۔

اپنی باپ دادا کی پیدا کی ہوئی جائداد پر عیش کرنا اور بے فکری اور بے نیازی کو اپنا سرمایۂ زندگی بنائے رکھنا صرف اخلاقی نہیں بلکہ قومی گناہ ہے۔ ان سے جائز طور پر پوچھا جا سکتا ہے کہ آپ لوگ ملکی باشندے ہونے کی حیثیت سے قومی اور ملکی معاملات کی تشکیل و تکمیل میں کیا حصہ لے رہے ہیں۔ محض آسودگی سے کھا پی لینے، نوکروں اور اسامیوں کو دس بیس جھڑکیاں دے لینے اور پھر پڑ کر سو رہنے کا نام تو زندگی نہیں ہے۔ باعزت زندگی کا راستہ اتنا آسان نہیں ہے جتنا کہ زمینداروں اور تعلقداروں کا طبقہ سمجھے ہوئے ہے۔ اس راستہ میں پھول نہیں کانٹے بچھے ہوتے ہیں اصل زندگی اسی کی ہے جو ان کانٹوں کو صاف کرکے اپنے لئے اور دوسروں کے لئے راستہ بنائے۔

ملک میں چاروں طرف آگ لگی ہوئی ہے۔ شعلے بھڑک رہے ہیں۔ غریب کسان، مزدور، بے روزگار، اور فقیر اپنی روٹی اور کپڑے کے لئے برطانوی سامراج سے جنگ کر رہے ہیں۔ مگر یہ طبقہ ہے کہ ان حالات کو دیکھنے اور سمجھنے کی کوشش نہیں کرتا، شعلوں کی لپٹ ابھی اس تک نہیں پہنچی۔ مگر شاید اس کو یہ نہیں معلوم کہ جب کہیں آگ لگتی ہے تو وہ جلانے میں امتیاز نہیں کرتی۔ جھونپڑوں کے ساتھ محلات بھی خاک کے ڈھیر ہو جاتے ہیں۔ مفلسی اور بے روزگاری کی جو آگ لگی ہوئی ہے اس کے بجھانے میں ان کو بھی غریبوں اور مظلوموں کا ساتھ دینا چاہئے ورنہ ان کی خوشحالی بھی ختم ہو جائے گی۔

قومی اور ملکی تحریکات سے ان کی بے توجہی اور دشمنی انتہائی افسوسناک ہے۔ یہ شرم کی بات ہے کہ جس بدنصیب ملک کے کروڑوں انسانوں کو دو وقتوں میں سے ایک وقت بھی پیٹ بھر کھانا نہ ملتا ہو وہاں ایک ایسی جماعت بھی موجود ہو جو خود اپنے انجام سے بے خبر ہو کر اپنی امارت اور جائدادوں پر بھروسہ کئے ہوئے۔ ان بد قسمت انسانوں کی طرف سے منہ پھیرے بیٹھی ہو۔ اور اخلاقی اور انسانی فرائض سے منہ موڑ کر اس فیصلہ کن انقلابی جد و جہد کی مخالفت کرے جو یہ فاقہ کش غریب اپنی روٹی کے لئے کر رہے ہیں۔

موجودہ صورت حالات میں ہمارے زمینداروں اور تعلقداروں کے سامنے اس وقت دو راستے کھلے ہوئے ہیں۔ یا تو وہ برطانوی شہنشاہیت اور ملوکیت پرستی یعنی سامراجی نظام کے اسی طرح مددگار اور قومی تحریکات کے اسی طرح دشمن رہیں جس طرح آج تک رہے ہیں۔ اس صورت میں یہ ہوگا کہ جب تک یہاں برطانیہ کی حکومت قائم ہے اور مکمل سیاسی انقلاب نہیں ہوتا یہ بھی زندہ رہیں گے۔ مگر یہ بات یاد رکھنا چاہئے کہ سیاسی انقلاب کا ہونا ایسا ہی یقینی ہے جیسا کہ سورج کا نکلنا، دنیا کی کوئی طاقت آج تک قومی بیداری کو کچل نہیں سکی، قومی تحریکات میں ایک زبردست طغیان ہوتا ہے جس طرح سیلاب کی تیزی پر جھاڑ جھنکاڑ کا کوئی اثر نہیں پڑتا اسی طرح قوم کے جذبۂ آزادی کو افراد نہیں مٹا سکتے، آندھی کے زور شور کے آگے بگولوں کی کوئی حقیقت نہیں۔

ہمیں بظاہر کانگرس کی تحریک کبھی کبھی سست نظر آتی ہے مگر کانگرسی تحریک کی خاموشی کے معنی قومی بیداری اور سیاسی ہیجان کا خاتمہ نہیں ہے۔ آج ہندستان کے نئے سیاسی رجحانات اور انتہا پسندی کے خیالات اور کسانوں و مزدوروں کی بڑھتی ہوئی سیاسی بیداری خود کانگرس کو چیلنج دے رہی ہے۔ کہ اگر وہ انقلابی شان سے اپنی جد و جہد جاری نہیں رکھتی تو وہ کانگرس کو بھی ٹھکرا کر آگے بڑھ جائیں گے۔ کانپور کے مزدوروں کی ہڑتالیں ان نئے رجحانات کا پتہ دیتی ہیں۔

دوسرا راستہ یہ ہے کہ زمیندار بھی اپنے کو ہندستانی خیال کریں اور ملک کے دکھ درد کو محسوس کریں۔ ترقی پسند قومی تحریکات سے خوفزدہ نہ ہوں بلکہ مردانہ وار "جنگ آزادی" میں شامل ہو کر اس باعزت اور پروقار زندگی کے حقدار بنیں جس کی قدر صرف آزاد قومیں جانتی ہیں۔ آزاد ہندستان کی ترقی یافتہ قومی حکومت زمینداریوں کو تو باقی نہیں رہ سکتی نہ رکھنا چاہئے مگر باعزت طریقے سے روٹی کمانے کے تمام ذرائع مہیا کرے گی جس ملک میں کروڑہا انسانوں کی روٹی کا انتظام ہوگا اس میں یہ مٹھی بھر زمیندار بھوکے ہرگز نہ رہیں گے بشرطیکہ قومی غدار نہ بنیں۔

زمیندار اس خیال خام میں نہ رہیں کہ کانگرس کا [illegible] زمینداری زندہ رہے۔ حکومت نے اس وقت بین الاقوامی پریشانیوں میں مبتلا ہونے کی وجہ سے ڈھیل دے رکھی ہے ورنہ اس کو کچل کے رکھ دیتی۔ کون جانتا ہے کہ یہی بین الاقوامی بے چینیاں آگے بڑھ کر عالمگیر جنگ کی صورت اختیار کر لیں اور ہندستان کی قسمت بھی جاگ اٹھے۔ زمینداروں کو اپنے مستقبل کا فوراً جائزہ لینا چاہئے اور اپنا رویہ بدلنا چاہئے ورنہ غریب ہندستان کا جذبۂ انتقام سخت اور بے رحم ثابت ہوگا اور ان کا وہی حشر ہوگا جو کہ اس طبقہ کا روس میں ہوا تھا

# پروفیسر

(جگل کشور شکلا)

"نمستے"

"نمستے بھائی نمستے"

کہکر بھائی صاحب نے آئے ہوئے صاحب کو رخصت کیا۔ اور لوٹ کر بیٹھے ہی تھے کہ نوین نے کرسیوں کی بغلیاں تباتے کمرے میں پاؤں رکھا۔ ہاتھوں میں بیگ تھا۔ پیچھے قلی بستر اور صندوق لئے ہوئے تھا۔ اسی طرح حضرت نے بیٹھنے کے کمرے میں قدم رکھا۔ اور دہلیز نا کھتے ہی بڑے بھاؤ سے بھائی صاحب سے پوچھا۔

بھائی صاحب "جو صاحب ابھی ابھی یہاں سے باہر گئے ہیں۔ وہ کون تھے؟"

بھائی صاحب اور میں چھوٹے بھائی کے سوال کا جواب نہ دیکر حیرانی سے اسکا منھ تاکنے لگے۔ اور دل میں سوچنے لگے۔ کہ شاید یہ نہیں جانتا ہے۔ جانتا ہوتا تو کون تھے کیوں کہتا۔

آخر بھائی صاحب بولے "نوین تم انکو جانتے ہو کیا؟ ابھی تو گاڑی سے چلے آ رہے ہو جاؤ منھ ہاتھ" نوین بات کاٹ کر "بھائی صاحب تم ایسوں کو جان کر اپنی بے عزتی نہیں کرنا چاہتا۔"

ریل پر سے آئی ہولی ــــ ریل ہی کی ایسی بے تماشا شکل لئے کرسی پر بیٹھ گیا۔ قلی سے سامان رکھنے کو کہا۔ اس کے آگے ایک دوانی پھینک دی۔ اور ہم لوگوں کی طرف گھوم کر بولا۔

"جاڑے کا سویرا تھا۔ میں ہوسٹل میں رہتا تھا۔ ایک دن جب رضائی سے باہر آنے میں ہاتھ پیر آنا کانی کر رہے تھے۔ کلیم بھائی کا نوکر کمرے میں آیا۔ اور ساتھ میں دھواں کالا لایا۔ بیڑی کی تمباکو کی خوشبو سے کمرے کو بھر دیا۔ میں اکیلا پڑا ہوائی قلعہ بناتا تھا۔ اور ڈھادیتا تھا۔ ایسی فضول چیزوں کا آنا اچھا نہ لگا۔ جھڑک کر پوچھا کیا ہے؟" وہ بولا۔

"دوکان پر آپ کو دس بجے بلایا ہے۔ ضروری کام ہے۔ کوئی آنے والا ہے" یہ کہکر سیکھ جاڑے لگا۔ چھٹی کا دن تھا۔ اس دن گھڑی کا حکم ماننے کو میں تیار نہ تھا۔ بلایا ہے اور وہ بھی جلد کون آنے والا ہے۔ مجھے کیوں بلایا ہے۔ جاڑے کی چھٹیاں بدن صاف کرنے کا خیال تانی میں۔ وہ اسکیم تو فیل ہو گئی گرم آما میں تیل کی اپنی اپنی خیر رضائی۔ میں نے اچھا کہا اندر تنہائی توڑنے والے نوکر کو رخصت کیا۔

کلیم کو آپ لوگ تو جانتے ہی ہیں۔ اسی شہر کے رہنے والے ہیں۔ چوک کے پچھواڑے انکا مکان تھا۔ میرے پاٹھ شالے کے ساتھی ہیں۔ دو چار درجہ تک پڑھ کر چھوڑ دیا۔ لیکن اب تو وہ بڑے مزے میں ہیں باجوں کی۔ ہارمونیم طبلہ۔ گراموفون کی دوکان کر لی ہے۔ یہاں بی۔ ایس۔ سی پاس کر کے اپنے ہی لئے سینہ بھر کی بوٹ پالش کے پیسے کمانا مشکل ہے۔ اور تم تمام الگ بڑھ گئی۔

. . . . . .

بھائی صاحب بیچ میں بول اٹھے

نوین گاڑی سے چلے آ رہے ہو پہلے کھانا وانا . . . . . . . . . .

نوین نے جلدی سے "بھائی صاحب میں نے ریل پر کھانا کھا لیا ہے۔ خاص بات اس وجہ سے کہہ رہا ہوں۔"

ہم لوگ جانتے تھے۔ کہ نوین باتوں کی تہہ کے اندر گھسنے والا آدمی ہے اس میں اپنے دیس کی حالت پر اور اپنی ترقی میں رکاوٹ ڈالنے والے، اور رجعت پسند نا خدا باتوں پر تنقید کرنے کی بڑی قوت تھی۔ ایسی باتوں پر غور بھی خوب

پھر اس کے کہنے کا ڈھنگ، اور بھائی صاحب کا ان چیزوں کے نشہ میں پہلے ہی سے ڈوبا ہوا ہونا ان سبھوں نے مل کر ہم لوگوں کو اچھا کہنے پر مجبور کیا اور وہ بولا۔

"خیر جیسے تیسے میں ہوسٹل سے کلیم بھائی کی دوکان وقت پر پہنچ گیا۔ جلدی میں سیدھا اندر گھس گیا۔ چھوٹے لمبے کمرے میں سامنے کی طرف میز کرسی۔ گدی ہی اور بیچ میں کلیم بھائی بیٹھے تھے دیوار پر ستار، طبلہ، بینجو وغیرہ لٹک رہے تھے۔ کتابوں کی گھما سے نقل کر یہ میرے ساتھی بڑے بھلے معلوم ہوئے۔ گاہکوں کے بیٹھنے کے لئے ۵۔۶ کرسیاں ایک قطار میں لگی ہوئی تھیں۔ اور ان پر دو مورتیاں بھی براج رہی تھیں۔ کلیم بھائی ایک انگریز سے باتیں۔ بلکہ باتوں کی کوشش کر رہے تھے۔ میں جا کر ان دونوں کے سامنے ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ اور ایک ہی منٹ میں مجھے معلوم ہو گیا۔ کہ مجھے ترجمان کا کام کرنا ہے۔

کلیم بھائی نے بڑی خاطر سے چاندی کی کامدار ڈبیا۔ پانوں سے بھری ہوئی نکالی۔ اور پان نکال کر مجھے دئے۔ ان کے پانوں اور روزگاری کی الجھنوں کے بیچ، یہ خاطر مجھے بہت اچھی معلوم ہوئی مجھے دینے کے بعد انہوں نے مسکرا کر صاحب کے سامنے پان بڑھایا۔ لیکن انہوں نے "شکریہ" کہکر انکار کر دیا۔ اتنے میں کیا دیکھتا ہوں۔ کہ گاہکوں والی کرسی پر بیٹھنے والے دو لوگوں میں سے ایک نے جو صاحب کی شکل میں دلچسپی لیتے دکھائی دے رہے تھے۔ اٹھے۔ اور سگریٹوں سے بھرا ہوا ڈبا صاحب کے سامنے بڑی فیاضی سے پیش کیا بھر ان بزرگ کے ہونٹ ایک مسکراہٹ کو ظاہر کرتے ہوئے۔ ایک دوسرے سے الگ ہوئے جیسے سگریٹ کی دعاؤں، اور سیوا سے خوش ہو گئے ہوں۔ اور صاحب ایسے بھاؤ سے گویا بڑا احسان کیا، سگریٹ لیکر دھواں اڑانے لگے "تھینکس" سے ہمارے سگریٹ دینے والے کی وہی حالت ہوئی جو تیلی تلی کے جھک جانے سے ہو جاتی ہے اور مطمئن ہو۔ اپنی جگہ بیٹھ گئے۔

کلیم بھائی گریٹ مشین کمپنی کے ان ایجنٹ سے میرے ذریعہ سے یہ کہنا چاہتے تھے کہ ان کی دوکان میں جو مشین پچھلی دفعہ انہوں نے بھیجی تھیں ان میں سے کچھ پرانی ہو گئی ہیں۔ اور گراموفون میں لگانے کے قابل نہیں رہیں۔ اس لئے وہ واپس کر لیں۔ اور ان کے بدلے میں نئی مشینیں اپنے ہیڈ کوارٹر سے بھیج دیں۔

کلیم بھائی سے ان باتوں کو سمجھ کر میں نے ان ایجنٹ صاحب سے انگریزی میں سب باتیں کہیں۔ ضرورت سے کچھ زیادہ باتوں کو پوچھنے اور سمجھنے کے بعد ایک سچے کاروباری کی طرح ایجنٹ نے ان مشینوں کو لوٹا لینا قبول کر لیا لیکن اسی بات کو سن کر۔ سگریٹ دینے والے بزرگ کی گردن ملی اور انہوں نے اپنے ساتھی کو کہنی کا ٹھوکا دیا۔ سدھائی اور تہذیب کو اگر کوئی سمجھا تو یہی سمجھے۔ اسی طرح دو چار منٹ بھاؤ پوچھنے اور آرڈر دینے کی باتوں کو میں نے کلیم بھائی سے سمجھ کر صاحب سے انگریزی میں کہا۔ اور انکے جواب کو کلیم بھائی سے بتایا۔ صاحب نے آرڈروں کو اپنی نوٹ بک میں درج کر لیا۔ پھر ہنستے اور شکریہ ادا کرتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے صاحب کی ایک ایک حرکت، سگریٹ دینے والے بزرگ کے جسم پر ایسا اثر کر رہی تھی گویا کہ جلتے چراغ پر بوند بوند تیل ٹپک رہا ہے۔ اور وہ مسکرا مسکرا کر چمک اٹھتے تھے۔

صاحب کے کھڑے ہوتے ہی حضرت بھی کھڑے ہو گئے۔ کچھ نہ سمجھ میں آیا کہ وہ کیوں

# کانگرس کی مقبولیت

کانگرس عوام سے تعلقات بڑھانے میں سرگرمی سے کوشش کر رہی ہے ۱۸ر اکتوبر ۳۸ء تک صوبہ متحدہ میں جتنے ممبر ہوئے ہیں انکی تعداد درج ذیل ہیں۔

| ضلع | تعداد |
|---|---|
| (۱) شہر آگرہ | ۲۲۵۶ |
| (۲) ضلع آگرہ | ۲۲۰۳۳ |
| (۳) الہ آباد (شہر) | ۹۴۳۳ |
| (۴) ضلع الہ آباد | ۲۱۵۱۳ |
| (۵) علی گڑھ | ۶۴۰۰۰ |
| (۶) اعظم گڑھ | ۱۳۰۳۶ |
| (۷) الموڑہ | ۱۰۰۰۰ |
| (۸) بلیا | ۱۲۶۱۰ |
| (۹) بستی | ۱۴۰۳۸ |
| (۱۰) شہر بریلی | ۴۳۹۱ |
| (۱۱) ضلع بریلی | ۱۲۲۷۰ |
| (۱۲) بجنور | ۳۲۰۵۹ |
| (۱۳) بلند شہر | ۴۲۰۹۵ |
| (۱۴) بدایوں | ۱۰۰۹۱ |
| (۱۵) بنارس (شہر) | ۴۹۵۲ |
| (۱۶) ضلع بنارس | ۸۶۹۶ |
| (۱۷) بہرائچ | ۹۹۵۵ |
| (۱۸) بارہ بنکی | ۱۱۶۷۳ |
| (۱۹) کانپور (شہر) | ۱۶۱۹۴ |
| (۲۰) ضلع کانپور | ۳۱۲۹۳ |
| (۲۱) دہرہ دون | ۷۷۰۵ |
| (۲۲) ایٹہ | ۱۵۲۳۶ |
| (۲۳) اٹاوہ | ۲۳۷۳۳ |
| (۲۴) فتحپور | ۱۴۶۷۳ |
| (۲۵) فرخ آباد | ۲۴۸۳۶ |
| (۲۶) فیض آباد | ۱۹۶۸۴ |
| (۲۷) گڑھوال | ۱۲۴۳ |
| (۲۸) غازیپور | ۶۳۰۴ |
| (۲۹) گورکھپور | ۴۲۰۰۰ |
| (۳۰) ہمیرپور | ۹۸۷۸ |
| (۳۱) ہردوئی | ۱۲۱۷۸ |
| (۳۲) جالون | ۴۳۴۱۴ |
| (۳۳) جھانسی | ۱۰۰۰۰ |
| (۳۴) جونپور | ۲۹۰۰۹ |
| (۳۵) لکھیم پور | ۱۲۷۴۱ |
| (۳۶) شہر لکھنؤ | ۵۷۲۵ |
| (۳۷) ضلع لکھنؤ | ۱۳۷۷۱ |
| (۳۸) مراد آباد | ۱۶۰۰۰ |
| (۳۹) مرزاپور | ۱۳۴۹۱ |
| (۴۰) متھرا | ۱۵۰۰۰ |
| (۴۱) مین پوری | ۸۳۵۴ |
| (۴۲) نینی تال | ۳۴۹۶ |
| (۴۳) پرتاب گڑھ | ۳۱۶۷۷ |
| (۴۴) پیلی بھیت | ۱۰۰۰۰ |
| (۴۵) رائے بریلی | ۲۲۲۵۴ |
| (۴۶) شاہجہان پور | ۲۰۰۰۰ |
| (۴۷) سہارن پور | ۱۳۴۵۰ |
| (۴۸) سیتاپور | ۱۸۶۲۴ |
| (۴۹) سلطانپور | ۲۶۸۱۱ |
| (۵۰) اناؤ | ۳۴۰۰۰ |

باقی صفحہ ۱۲۔

کھڑے ہوئے جنرل ایجنٹ صاحب نے کلیم بھائی سے ہاتھ ملایا۔ اور پتلوں کو ... اوپر کھسکاتے ہوئے ٹوٹی پھوٹی ہندستانی میں بولے "دیکھو آج کل کیسا موٹا ہوتا جا رہا ہوں کہ پتلون توند پر ٹھہرتی نہیں کھسکی جاتی ہے"

صاحب کے اس مذاق پر کچھ نہ کچھ سب ہی کو ہنسی آئی۔ پر وہ حضرت جنکے اوپر گورے چمڑے کا جادو پوری طرح چل چکا تھا۔ ایسے ہوئے جنکی کوئی حد نہیں اور خود بخود بڑھ کر ایجنٹ سے ہاتھ ملایا۔ تب انکے کھڑے ہونے کی پہیلی ہم لوگوں سے سلجھی۔

صاحب نے اپنا راستہ لیا۔ بھائی صاحب! میں آپ سے سچ کہتا ہوں کہ جس وقت سب بیٹھ رہے تھے ان بزرگ نے بھول کر ہم لوگوں سے کہا۔ "دیکھا صاحب ان لوگوں کے بات کرنے کا طریقہ کیسا ہوتا ہے۔ ہم ہندستانی جب تک ان باتوں کو نہیں سیکھ لیتے۔ تب تک سوراج ملنا مشکل ہے" جناب انکے کرسی پر بیٹھ جانے ہی سے عہدے کی کچھ بات کم ہو جاتی ہے۔

میں بہو چکا ہو کر انکا منہ تاکنے لگا سمجھ میں نہ آیا کہ ایجنٹ نے کس خاص طرح بات کی جو ان پر ایسا کاری اثر کر رہی تھی۔

میری ہندوستانی روح پر ٹھیس آگئی۔ پھر خیال آیا کہ شاید میں ہی نہ سمجھ پایا ہوں۔ کیوں نہ کانگرس ان سے اس طریقہ کو سمجھ لے۔ تاکہ سوراج جلدی حاصل ہو سکے۔

بھائی صاحب! میں آپ سے یہ بھید اب کھولتا ہوں کہ جو بزرگ ابھی باہر گئے تھے یہ انہی کی شان میں قصیدہ ہے

نوین کی باتوں سے میرے اور بھائی صاحب کے تعجب کا ٹھکانا نہ رہا۔ کیوں کہ ہم لوگ جانتے تھے کہ وہ صاحب کالج میں پروفیسر ہیں۔ اور سمجھدار آدمی کہ جاتے ہیں۔ پر کیا کہا جا سکتا ہے۔ آج کل تو کپڑے لتے ہی آدمی کی قیمت مقرر کرتے ہیں

# اس ہفتہ کی خبریں

## ہمارے صدر

پنڈت جواہر لال نہرو، پنجاب اور سرحد کا دورہ کرکے ۱۸ اکتوبر کو الہ آباد واپس آگئے۔ آپ پنجاب پولیٹیکل کانفرنس میں بھی تشریف لے گئے تھے۔ پنجابی وزیر اعظم نے آپ سے استدعا کی تھی کہ آپ کانگرسی کارکنوں کو پروپگنڈا کرنے سے منع کردیں لیکن آپ نے فرمایا کہ پنجاب کی حکومت کی فرقہ بندی اور کانگرس کے آدمیوں کی گرفتاری کو دیکھتے ہوئے یہ درخواست مضحکہ انگیز معلوم ہوتی ہے۔

ڈیڑھ لاکھ آدمیوں سے زیادہ کے مجمع میں تقریر کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ مکمل آزادی حاصل کئے بغیر کانگرس اپنی جد و جہد کو ختم نہیں کرسکتی۔ آپنے لوگوں کو صلاح دی کہ وہ کانگرس میں داخل ہوں اور ہر مقام پر کانگرس کمیٹیاں بنائیں۔

**شیخوپورہ** ۵ ہزار سے زیادہ کسانوں نے آپ کا استقبال کیا اور کئی سپاسنامے پیش کئے۔ آپ نے انکو قومی جھنڈے کے نیچے متحد ہونے کی صلاح دی۔

**سرحد** میں مختلف مقامات پر جلسوں میں آپ نے تقریریں کیں اور پٹھانوں کے جذبۂ آزادی کی تعریف کی۔

**پشاور**۔ اسکولوں اور کالجوں کے طلباء نے آپ کو مدعو کیا اور اکثر مقامات پر آپ نے تقریریں کیں پشاور سے آپ خان عبد الغفار خاں کے گاؤں اتمنزئی گئے اور جلسہ عام میں تقریر کی آپنے فرمایا کہ ہندستان کا گوشہ گوشہ اس چھوٹے سے گاؤں سے واقف ہے۔ سپاسنامے کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ ہزاروں سرحدیوں کے عدیم المثال ایثار اور قربانی کے مقابلہ میں خود انکی قربانی اور ایثار کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔

**راولپنڈی** میں پولیس کے انتظامات کے باوجود ۲۰ ہزار سے زیادہ آدمی اسٹیشن پر کانگریس کے صدر کا استقبال کرنے پہنچ گئے اور انقلاب زندہ باد کے نعروں سے اپنے رہنما کا خیر مقدم کیا۔ یہاں ۵۰ ہزار سے زیادہ کے مجمع میں آپنے تقریر کی۔ آپنے فرمایا کہ سرحد میں ۹۵ فیصدی مسلمان آباد ہیں اور کانگریس کا سب سے بڑا دشمن نے ثابت کردیا ہے کہ مسلمانوں کے حقوق کانگریس کے ہاتھوں میں بالکل محفوظ ہیں۔ آپنے پنجابی حکومت کی سختیوں کا تذکرہ کیا اور کہا کہ یہاں بھی ابھی تک سختی ہو رہی ہے۔ چنانچہ سیاسی قیدی بھی ابھی تک نہیں چھوڑے گئے۔ آپنے کانگریس رضاکاروں کی کوشش اور انکے انتظام کی تعریف کی۔

لوگ آپ کا درشن کرنے کیلئے بیقرار تھے۔ آپنے انکو پیر چھونے سے منع کیا اور کہا کہ اس سے غلامانہ ذہنیت کا اظہار ہوتا ہے۔

راستہ میں تمام اسٹیشنوں پر ہزاروں آدمی آپکو دیکھنے کے لئے موجود تھے۔

## مسلم لیگ اور پولیس

صوبہ متحدہ کی حکومت کے چیف سکریٹری نے حسب ذیل بیان اشاعت کیلئے بھیجا ہے:-

آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس کی خبروں سے معلوم ہوتا ہے کہ جلسہ میں ایک مقرر نے شکایت کی تھی کہ خفیہ پولیس کے آدمی جلسہ کی کارروائی لکھ رہے تھے اصل حقیقت یہ ہے ا-

خفیہ پولیس کا کوئی آدمی جلسہ میں موجود نہ تھا۔ اور نہ کسی پولیس کا کوئی افسر تقریریں لکھنے یا کارروائی کی خبریں مہیا کرنے کے لئے مقرر کیا گیا تھا۔ مسلم لیگ کے منتظمین کی درخواست پر ۱۳ اکتوبر کو مسٹر جناح کے جلوس میں پولیس کا انتظام کردیا گیا تھا۔ اور جلوس میں فساد ہوجانے کی وجہ سے لیگ کے اجلاس میں انتظامات اور بڑھا دئے گئے۔ ہر نشست میں پنڈال کے باہر باوردی پولیس متعین تھی اور کچھ بلا وردی کی پولیس اندر بھی موجود تھی۔ لیگ کے سکریٹری کو اسکی پوری پوری خبر تھی، ورا ای نے ان کے ملئے پاس دے تھے۔ پولیس کا مقصد صرف امن قائم رکھنا تھا۔ تاکہ کوئی جھگڑا فساد نہ ہونے پائے اس کے نزدیک مسلم لیگ کے جلسوں کی وہی حیثیت تھی جو دوسرے بڑے سیاسی، یا غیر سیاسی جلسوں کی ہوتی ہے۔ جہاں جھگڑے کا ذرا بھی ڈر ہوتا ہے

## گاندھی جی اور انڈمن کے قیدی

انڈمن کے قیدیوں کے متعلق گاندھی جی نے یہ بیان دیا ہے:-

میں نے انڈمن کے قیدیوں سے وعدہ کیا تھا کہ میں ان کی رہائی کیلئے ہر ممکن کوشش کروں گا۔ اس وعدہ کی بنا پر ان کے پاس تین صوبوں سے خطوط آئے ہیں جن میں بتایا گیا ہے کہ قیدیوں کی حالت ہندستان میں انڈمن سے بھی زیادہ بدتر ہے، اور بظاہر ان کی رہائی کی کوئی امید نہیں معلوم ہوتی نیز یہ کہ اگر وہ رہا نہ کئے گئے تو وہ اپنا دستیاب ہتھیار یعنی بھوک ہڑتال استعمال کریں گے۔ میری خواہش ہے کہ جب تک رنگ دیکھتے ہیں کہ عوام ان سے بے خبر نہیں ہیں اس وقت تک وہ بھوک ہڑتال سے کام نہ لیں۔ میں ان کو یقین دلاتا ہوں کہ میں بھی ان سے بے خبر نہیں ہوں، اور میں پریس اور عوام سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ بھی قیدیوں کی حالت پر نگاہ رکھیں۔ صوبجاتی حکومتوں سے بھی میں اپیل کرتا ہوں کہ وہ قیدیوں کے ساتھ رائے عامہ کے مطابق برتاؤ کریں۔ مجھے امید ہے کہ اس میں کانگرسی اور غیر کانگرسی صوبوں کی تفریق نہ ہوگی

## رفیع احمد قدوائی کی رائے

مسٹر جناح کے آل انڈیا مسلم لیگ والے خطبہ صدارت کے متعلق مسٹر رفیع احمد قدوائی نے کہا کہ مسٹر جناح کا دعویٰ ہے کہ مسلم لیگ ایک سیاسی جماعت ہے لیکن کیا ان کے خطبہ صدارت میں کوئی چیز اس کا ثبوت دے سکتی ہے۔ ان کے خطبہ صدارت کا تقریباً تین چوتھائی حصہ تو محض کانگرس کی سخت مخالفت میں ہے

مسلم لیگ کا یہ اجلاس ایک ایسی جگہ منعقد ہوا تھا۔ جہاں کا زراعتی مسئلہ بہت تیز ترما ہو گیا ہے۔ تمام ملک میں ہلچل سی مچی ہوئی ہے، ہر طرف سے طبقاتی کشمکش کی آوازیں آ رہی ہیں، تعلقہ دار اور زمیندار اپنے کو منظم کرنے کی کوشش میں لگے ہیں تاکہ وہ اپنے مفاد اور جبر سے حقوق کی حفاظت کر سکیں۔ کسانوں کی بھی سمجھ میں آ گیا ہے کہ ان میں قوت آ گئی ہے۔ اور اس لئے وہ زمینداروں کی توڑ کرنے پر آمادہ ہیں۔ لیکن مسٹر جناح کے خطبہ صدارت میں اس قسم کے مسئلوں کے لئے ایک لفظ بھی نہیں آیا۔ انھوں نے مفلسی اور بھوک کے مسئلے کو بہت حقارت کے ساتھ تذکرہ کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ غربت اور کسانوں کی بری حالت اور ان کے حقوق کا نام لینا سوشلزم اور کمیونزم کی اشاعت کرنا ہے۔ مسلم لیگ کا یہ سیشن اس قسم کے سوالوں کا حل نکالنے کی کوشش کئے بغیر ہی ختم ہو گیا۔

آج مسلم لیگ نے یہ اعلان کر دیا ہے کہ اس کا مقصد کامل آزادی ہے۔ اعلان مسٹر جناح کی مرضی کے خلاف کیا گیا ہے۔ ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ وہ اس میں لیگ کی تقلید کرتے ہیں یا نہیں۔

مسٹر جناح نے اپنے خطبہ صدارت میں ان مسائل میں سے ایک کا بھی ذکر نہیں کیا جو اس وقت چھائے ہوئے ہیں [illegible] مسٹر جناح [illegible] کو اس کی مصیبتوں میں ہمارے مدد دینے کے خلاف تھے۔ لیکن آج [illegible] بہت دریا دلی اور جوش کے ساتھ فلسطین کے عربوں کو یقین دلاتے ہیں کہ ہندوستان کے مسلمان ان کی جنگ آزادی میں مدد کرنے کے لئے ہر طرح کی قربانی [illegible] کو تیار ہیں۔ فرق یہ ہے کہ اس وقت مسٹر جناح ہندوستان کو مادر وطن [illegible] تھے اور آج اس کو مخض [illegible] ستان یا غریب ہندوستان سمجھتے ہیں۔

## جواہر لال اور مسلم لیگ

وزیر آباد میں پریس کے نمایندہ کی درخواست پر پنڈت جواہر لال نے مسلم لیگ کے اجلاس پر نہایت ہی معنی خیز تبصرہ کیا۔ انھوں نے کہا کہ میں اپنے سرحدی ساتھیوں کے جذبہ حریت اور انکی زبردست طاقت کا اور مسلم لیگ کی بدحواسی میں زمین و آسمان کا فرق محسوس کرتا ہوں۔ مسلم لیگ نے سرحدی صوبہ کو بالکل ہی نظر انداز کر دیا ہے۔ وہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے اور واقعات بتلاتے ہیں کہ وہ سب کے سب کانگریس کے ساتھ ہیں۔ لیگ اور اس قسم کی دوسری چھوٹی چھوٹی فرقہ وارانہ جماعتیں عوام کی منظم طاقت سے ڈرتی ہیں اور اسکے خلاف متحد ہونے کی کوشش کر رہی ہیں۔ دلچسپی کی بات یہ ہے کہ بھائی پرمانند بھی مسلم لیگ کی پالیسی کے مداح ہیں۔ ظاہر ہے کہ اگلا قدم یہی ہوگا کہ مسلم لیگ اور ہندو مہاسبھا مذہب کے مقدس نام پر متحد ہو کر اپنے مالکانہ حقوق کی خاطر عوام کے خلاف محاذ قایم کریںگی۔ ہندوستان میں گویا یہ فسطائیت کی ابتدا ہے۔ مذہب اور کلچر کی آڑ میں چونکہ چند خود غرض اشخاص پناہ لے رہے ہیں۔ مگر اس سے سیاست میں خاصی تبدیلی رونما ہو گئی ہے اور سچے مسائل عوام کے سامنے آ رہے ہیں۔

بدقسمتی سے آج بھی مذہب کی چادر بہت سے لوگوں کو دھوکے میں ڈال سکتی ہے جب کوئی باختیار جماعت قومیت اور عوام کی بڑھتی ہوئی طاقت سے ڈرتی ہے تو وہ اپنے ہوش و حواس بھی کھو بیٹھتی ہے۔ یہ لابدی مسئلہ ہے اور لیگ کے اجلاس میں بھی ہم یہی بات پاتے ہیں لیکن اسکی بھی ایک انتہا ہوتی ہے جب ذمہ دار لوگ ہندو راج کے متعلق فضولیات بکتے اور مسلم راج قایم کرنے کی دھمکی دیتے ہیں تو وہ اس بدحواسی کی حد سے گذر جاتے ہیں۔ اس قسم کی وحشیانہ گفتگو واقعات پر کوئی اثر نہیں ڈالتی لیکن کچھ طریقے ہیں جن کا بدحواس سے بدحواس کو بھی لحاظ

رکھنا پڑتا ہے۔

لیگ اور اسکے ہمدرد صاف طور سے سیاسی اور اقتصادی نقطۂ نظر سے بھی ہندوستان کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالنا چاہتے ہیں۔ کچھ بھی ہو بہر حال یہ دل قومی جذبہ اور ہندوستانی اتحاد کے منافی ہے۔ موجودہ زندگی اور اسکے مسائل کا انتہائی نامعقول حل ہے۔ یہ تاریخی منطق کے بھی خلاف ہے اور اسلئے اس کا عمل میں لانا غیر ممکن ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ہندوستان میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جنکے خیالات اس بلندی تک نہیں پہنچ سکتے لیکن اس سے بھی کوئی نقصان نہیں [illegible] اس طرح سے مسائل صاف صاف سامنے آ جاتے ہیں۔ یہ سیاسی رجعت پسندی کی انتہا ہے ممکن ہے کہ ابھی ہمیں کسی زحمت کا سامنا ہو لیکن ہندوستان کے کروڑوں آدمی دوسری رکاوٹوں کی طرح اس خندق کو بھی پار کر کے آزادی اور اتحاد حاصل کرنے کیلئے بدستور مستعدی سے بڑھتے رہینگے۔

## مزدوروں کے مطالبات

[illegible] کو لکھنؤ [illegible] کے مزدوروں کا ایک عام جلسہ ہوا [illegible]
[illegible] بالمقابل [illegible]
[illegible]
[illegible] کیا [illegible]
[illegible] یہ جلسہ کانگریس کے وعدوں کے مطابق [illegible]
[illegible] حکمنامہ [illegible] غیر مشروط [illegible]
کسانوں اور صوبے کی دوسری سامراج دشمن جماعتوں [illegible]
[illegible] وزارت کو مقدمہ واپس کر لینے کے لئے مجبور کریں۔

ہندستان پریس لمیٹڈ کیطرف سے حیات اللہ انصاری اڈیٹر و پبلیشر نے باہتمام [illegible] سکینہ سلطانیہ برقی پریس نظیرآباد لکھنؤ سے چھپوا کر [illegible] روڈ لکھنؤ سے شائع کیا۔

جلد نمبر ۱۳ | لکھنؤ ۳۱ اکتوبر ۱۹۳۷ء | فی پرچہ چار سالانہ ۳ر

## گیجن کی فتح

۲۱ - اکتوبر کی خبر ہے کہ اسپینی باغیوں نے اسپینی حکومت کا شمالی جنوبی مورچہ گیجن فتح کر لیا۔ یہاں دو مہینہ سے مقابلہ جاری تھا۔ باغیوں کو اٹلی اور جرمنی کی طرف سے برابر مدد ملتی رہی، مگر برطانیہ کی "غیر جانبداری" کی اسکیم نے اسپین تک اسلحہ کے جہازوں کی رسد نہ پہونچنے دی۔ اس فتح نے اسپینی حکومت کو بہت کمزور کر دیا ہے۔ اور دوسری طرف باغیوں کی ایک لاکھ فوج جو ادھر الجھی ہوئی تھی خالی ہو گئی ہے۔ اور دوسری طرف حملہ کرنے کی تیاری کر رہی ہے۔

اس فتح کا مطلب یہ ہے کہ اسپین کی لڑائی کا مسئلہ تقریباً حل ہو گیا۔ اٹلی اور جرمنی کو ادھر سے فرصت مل گئی اب یہ دونوں نئی باتوں کو سوچ رہے ہیں۔ اٹلی بحر روم میں اپنے حقوق منوانا چاہتا تھا، مگر اسپین کے معاملات کی وجہ سے بات چیت رکی ہوئی تھی۔ اب شاید جلد ہی یہ مسئلہ اٹھ کھڑا ہو۔ بحر روم کے تصفیہ کے ساتھ ہی یہ بھی طے کرنا ہوگا کہ اطالوی مشرقی افریقہ کے کینیا، سالی لینڈ اور سوڈان سے کیسے تعلقات رہیں گے۔

## پھر غیر جانبداری کی اسکیم

اٹلی اور جرمنی نے صاف انکار کر دیا تھا کہ جب تک فرانکو کو اسپین کا باقاعدہ مد مقابل نہ مان لیا جائے۔ ہم اپنے والنٹیروں کو واپس بلانے کے متعلق کسی طرح کی بات چیت نہیں کریں گے۔ لیکن اب دونوں اس گفت و شنید کے لئے راضی ہو گئے ہیں۔ اس پر بعض انگریز سیاست داں خوشی سے پھولے نہیں سماتے ہیں لیکن دور سے دیکھنے والے اب اس ڈھونگ کو اچھی طرح سمجھ گئے ہیں۔ اٹلی اور جرمنی نے مل کر یہ سازش کی تھی کہ اسپین میں ایک فاسسٹی حکومت قائم کی جائے۔ اس طرح یورپ کے دکھنی خطے میں فاسزم کا ایک مضبوط مورچہ بن جائے گا۔ جو فرانس، روس اور خاصکر مشرقی کمزور ریاستوں کو دبا سکے گا۔ اسی غرض سے انھوں نے "ایک کٹھ پتلا" فرانکو کو کھڑا کر دیا، اسپین میں لڑائی چھڑ گئی، اور پوری بربریت کا مظاہرہ ہوا۔ غیر محفوظ شہروں پر، غیر فوجی مردوں، عورتوں اور بچوں پر، اسکولوں اور اسپتالوں پر خوب بمباری کی گئی۔ اٹلی اور جرمنی نے غیر جانبداری کی اسکیم میں شرکت کی، اور یوں انگو فرانکو کی کھلے خزانے مدد کرنے کا اور روس کو اسپین کی مدد کرنے سے روکنے کا خوب موقع مل گیا۔ جب یہ حال دنیا پر خوب آشکارا ہو گیا تو اٹلی نے فخریہ اپنے والنٹیروں کے کارنامے بیان کئے، اور کہا جب تک فرانکو کو اسپین حکومت کا مد مقابل نہیں، تا یہ ہم والنٹیروں کے بلانے کے بارے میں کسی طرح کی بات چیت نہیں کریں گے۔ اب کی سولینی نے قبول کیا ہے کہ اطالوی والنٹیروں کی تعداد صرف چالیس ہزار ہے۔ لیکن اور معتبر اخباروں کا بیان ہے کہ فرانکو کی فوج میں اطالوی سپاہیوں کی تعداد ایک لاکھ دس ہزار سے کم نہیں۔ کہنے کو تو یہ والنٹیر ہیں، لیکن واقعہ میں یہی مستحکم فوج ہے جس کی مدد پر فرانکو لڑ رہا ہے۔ مسولینی نے یہ نہیں بتایا کہ ان چالیس ہزار کے ساتھ لڑائی کا سامان کتنا ہے۔ فرانکو کے پاس لڑائی کا سامان اسپینی حکومت سے دگنا تگنا ہے۔ بعض انگریز سیاست داں ایسے ہیں جو سوشلزم کی مخالفت میں ہر طرح کا کام کرنے کو تیار ہیں۔ خواہ اس سے انھیں کو نقصان پہونچے۔ انھوں نے اٹلی کو منانے کیلئے کہا کہ والنٹیر بلائے جائیں، پھر مد مقابل تسلیم کرنے پر بھی گفت و شنید ہوگی، لیکن اٹلی اور جرمنی اس پر بھی راضی نہ ہوئے گفت و شنید کا سلسلہ ٹوٹ گیا۔ اب فرانکو کی عظیم الشان فتح کے آثار دیکھکر اٹلی اور جرمنی گفت و شنید پر راضی ہو گئے۔ یا یوں کہئے کہ یہ دیکھکر کہ اسپین کی فتح چند ہی روز کی بات ہے۔ اتنے دنوں کو گفت و شنید میں کاٹنے کو مناسب سمجھا، اور پھر غیر جانبداری کا ڈھونگ رچایا۔

غیر جانبداری کی انجمن کے جلسے ہونے، آثار ایسے ہیں کہ یہ گفت و شنید اسوقت تک چلتی رہے گی جب تک فرانکو کا پورا پورا تسلط نہ ہو جائے۔

## جرمنی کا رخ کدھر ہے

جرمنی اور بلجیم میں عرصہ سے خط و کتابت ہو رہی تھی۔ اب بے قاعدہ طور پر اس بات کا تصفیہ ہو گیا کہ (۱) جرمنی بلجیم کی حکومت کے حدود کو تسلیم کرتا ہے۔

(۲) بلجیم کی حدود پر حملہ نہیں کیا جائیگا۔ اگر کیا جائے گا تو صرف اس صورت میں کہ بلجیم جرمنی سے لڑنے کی تیاری کر رہا ہو (۳) جرمنی بلجیم کی حکومت کی ہر طرح حفاظت کریگا۔ اور اس پر کسی دوسری بیرونی حکومت کو حملہ کرنے کی اجازت نہیں دیگا، معاہدہ لوکارنو کے رو سے بلجیم پر کچھ ذمہ داریاں تھیں۔ برطانیہ اور فرانس نے ان ذمہ داریوں سے سبکدوش کر دیا تھا۔ اب جرمنی نے بھی اس کی سبکدوشی تسلیم کرلی ہے۔

اس معاہدہ کا مطلب یہ سمجھ میں آتا ہے کہ جرمنی یورپ کی مغربی حکومتوں سے لڑنا نہیں چاہتا۔ اسکے دانت صرف یورپ کی مشرقی ریاستوں پر ہیں۔

# چین کی لڑائی

لڑائی دن بدن سخت ہوتی جا رہی ہے۔ وسط ستمبر سے لیکر اب تک شمالی چین کا بہت بڑا رقبہ فتح ہو چکا ہے۔ پیکنگ کے جنوب کی طرف چار پانچ ہزار مربع میل کا رقبہ جاپانیوں کے قبضہ میں آگیا ہے۔ پیکنگ اور ٹینٹسن کے خطے میں جاپانی حکومت قائم ہو گئی، اس سے آگے بڑھکر چنگ ٹن کا علاقہ جو پیکنگ کے جنوب مغرب میں ہے اور سو میل تک پیکنگ۔ ہانکانگ ریلوے کے پاس پھیلا چلا گیا ہے فتح ہو گیا۔ اسکے بعد شی کیا ج وانگ جو چینی فوج کا صوبہ ہوپی میں آخری مستقر رہ گیا تھا چھن گیا۔ اس سے اور آگے بڑھکر دریائے ہوانگ کے جنوب میں ایک بڑا اہم ریلوے جنکشن تھا۔ وہ چینی فوج کا بہت اہم مرکز تھا۔ بس بڑی گھمسان کی لڑائی ہوئی، آخر یہ مقام ہاتھ سے نکل گیا۔ اس سے زمین کا بہت بڑا رقبہ یعنی ساحل سے لیکر تائی یوان تک جو شانسی راجدھانی ہے بالکل بے بچاؤ کے پڑا رہ گیا۔ جاپانیوں نے اس پر قبضہ کر لیا، اور رفتہ رفتہ اس پر حکومت قائم کرتے جا رہے ہیں۔ اب مقابلہ صوبہ شانسی میں ہو رہا ہے، یہاں پر خاص چینی مورچہ دریائے زرد کا ساحل ہے جو ہونن اور شانتون کی حفاظت کرتا ہے، دریائے زرد کے ساحلوں کی بناوٹ نے مورچہ بندی میں بہت مدد کی ہے۔ اسکے علاوہ اب لڑائی کا محاذ سکڑ گیا ہے۔ اس لئے غالباً یہ پہلا موقع ہوگا کہ جاپانیوں کو جمکر مقابلہ کرنا ہوگا، اگر اس موقع پر چین کو کوئی خاص مدد مل گئی، یا جاپان کو کسی قسم کی رکاوٹ ہو گئی تو جاپان کے قدم آگے بڑھنا مشکل ہیں۔

ان صوبوں میں جو خانہ جنگیاں تھیں، اور گروہوں کے باہمی مقابلے تھے، وہ اب سب بند ہو گئے ہیں، سب جماعتوں نے مشترکہ دشمن کا مقابلہ کرنے کے لئے مرکزی حکومت کی اطاعت قبول کرلی۔ دور دور صوبوں سے کمک زور و شور سے پہونچ رہی ہے۔ اور کوشش یہی ہے کہ جاپانیوں کو اس طرف سے شنگھائی تک نہ پہونچنے دیں۔

شنگھائی کی لڑائی کا نقشہ مختلف ہے یہاں شروع ہی سے مقابلہ سخت ہے یہاں جاپانی فوجوں کو جنگی جہازوں سے بہت مدد ملتی ہے۔ جب چینی ادھر حملہ کرتے ہیں تو ان جہازوں سے سخت گولہ باری ہوتی ہے، اور اسکے قدم رک جاتے ہیں۔ لیکن جاپانیوں کے لئے بھی یہ امداد زیادہ فائدہ مند نہیں ہے۔ اس لئے کہ جب وہ کوئی فتح حاصل کرکے آگے بڑھتے ہیں، اور جہازی توپوں کی حدود سے آگے نکل جاتے ہیں تو فوراً انکو پسپا ہونا پڑتا ہے، کئی بار جاپانیوں نے سخت سے سخت حملے کئے، لیکن کوئی خاص فائدہ نہ ہوا۔

جاپانیوں نے امن پسند رعایا کو خوفزدہ کرنے کے لئے کئی بار شہروں پر بمباری کی۔ ساحل پر رہنے والے ماہی گیروں پر بم برسائے۔ بم کے علاوہ ہوائی جہاز پر سے اس مضمون کے اشتہارات بھی برسائے "ہار مان لو" ہر شخص

کو ایک ڈالر انعام دیا جائیگا۔ "جاپان کی فوجی طاقت سے مقابلہ کرنے میں تباہی کے سوا اور کچھ نہ ہاتھ آئیگا۔"

جاپان ابھی تک چین کو پرانا چین سمجھ رہا ہے، چین بہت کچھ بدل گیا ہے۔ فوجی طاقت، اسلحہ اور دولت میں پہلے سے بہت بہتر ہے، لڑائی چھڑ جانے کے بعد سے اس کی حالت اور تیزی سے سنبھل رہی ہے۔ اب چینی حکومت نے کسانوں اور مزدوروں کو ملانے کے لئے انکے لیڈروں کو ملک میں شامل کر لیا ہے۔ اس سے عوام کو حکومت پر بھروسا ہو گیا۔ اور اب وہ اپنے لئے لڑ رہے ہیں۔ اس کا اظہار اس بات سے ہو رہا ہے کہ ابھی تک چینی حکومت یا فوج کی کوئی کمزوری ظاہر نہیں ہوئی۔

# برطانیہ کا صبر و شکر

چین و جاپان کی لڑائی سے کچھ دن پہلے جاپانی پولیس نے چند انگریز بحری افسروں کے ساتھ برا برتاؤ کیا تھا۔ برطانیہ نے بہت خفگی کا اظہار کیا۔ اخباروں نے غل مچایا۔ مگر پھر معاملہ رفع دفع ہو گیا۔ اسکے بعد برطانوی سفیر ہیوگیسن پر گولا گیا، وہ اتنے زخمی ہو گئے کہ اسپتال پہنچائے گئے اور وہاں آپریشن کیا گیا۔ برطانوی اخباروں کے غصہ کا ٹھکانا نہ تھا۔ انگریزی حکومت نے بھی بیحد ناراضگی کا اظہار کیا اور چند بار جاپان کو خوب دھمکیاں دیں، جاپان نے جواب دینے میں بہت دن لگائے۔ جو جواب آیا وہ گول گول تھا۔ مگر برطانوی حکومت نے اسکو بلا عذر پی لیا۔ اسکے کچھ ہی دنوں کے بعد انگریزی موٹروں پر جاپانیوں نے حملہ کیا۔ پھر ناراضگی کا اظہار ہوا۔ مگر اب کی زور کم تھا۔ اب خبر ملی ہے کہ جاپانیوں نے انگریزی بندرگاہ پر مشین گن چلا دی، جس سے دو ایک کشتیاں خراب گئیں، ایک افسر زخمی ہو گیا۔ سنا جاتا ہے کہ برطانوی افسر بیزار ناراضگی دکھانے والے ہیں، کام اچھا ہے، اگر استقلال سے ہو تو ضرور کچھ نہ کچھ فائدہ ہوگا۔ جاپان، اٹلی اور جرمنی برطانیہ کی نگاہوں میں سے پیارے ہیں کہ یہ کچھ کریں، برطانیہ ضرور طرح دے گی، اس کا غصہ صرف مظلوموں پر اترتا ہے۔

# فلسطین سامراجی پنجے میں

جب تک پیل کمیشن رپورٹ تیار کرتا رہا فلسطین میں بالکل امن رہا، عرب اور یہودی دونوں اچھے فیصلہ کی امید کر رہے تھے اگست میں رپورٹ آگئی۔ اس میں عرب اور یہودیوں کے جھگڑے کا فیصلہ کیا کہ فلسطین کے تین ٹکڑے کئے جائیں۔ اس میں خاص مقصد یہ تھا کہ فلسطین پر ہمیشہ کے لئے برطانیہ کا راج ہو جائے۔ اور وہ آسانی سے لڑائی کا اسٹیشن بنایا جا سکے۔ عربوں نے بالاتفاق اس رپورٹ پر اظہار نفرت کیا۔ دوسری طرف برطانوی حکومت سے انجمن اقوام نے یہ رپورٹ منظور کرلی۔ لیکن ایک اور کمیشن بھیجنے کا فیصلہ کیا جو حالات کو دیکھے، اور بتائے کہ اس رپورٹ پر عمل کرنے کیلئے کون اسکیم اچھی ہوگی۔ اس کمیشن سے عربوں کو کچھ امید نہیں۔ اس لئے کہ وہ تقسیم کو مٹانے نہیں آرہا ہے۔ بلکہ تقسیم کو قابل عمل بنانے آرہا ہے۔

اس تقسیم سے سب سے زیادہ نقصان عربوں کے اوسط طبقے کو پہونچیگا۔ کیونکہ سرمایہ داروں کو تو اپنے سرمایہ ہی کے کم ہو جانے کا ڈر ہے۔ مگر اوسط طبقے کی اپنی روزی چھین جائیگی۔ اس طبقے کے کچھ ... نے بے بس ہو کر تشدد آمیز کارروائیاں کرنے لگے۔ انگریز اور یہودی افسروں پر حملے کئے۔ بدقسمتی سے عربوں

کو سزائیں ملیں، لیکن سلسلہ جاری رہا۔ اس مہینہ کے شروع میں دو انگریز افسر مار ڈالے گئے۔ فلسطینی حکومت نے انگلستان سے اجازت پاکر یہ فرمان جاری کیا کہ اس سلسلہ کو ختم کرنے کے لئے سخت کارروائیاں کی جائیں گی۔ مارشل لا، کرفیو آرڈر۔ کا نفاذ کردیا گیا۔ خطرے کی جگہوں پر فوجی چوکیاں بٹھا دی گئیں۔ لیکن اتنا دباؤ عربوں کی زخمی خودداری کو کچلنے کے لئے کافی نہ ہوا۔ انھوں نے ایک اسلحہ کے خزانے پر حملہ کیا۔ اور بندوقوں اور رائفلوں کی بہت بڑی تعداد لوٹ لے گئے۔ حیفہ سے لیدا جانے والی ایک ریل کو جس میں فوجی سپاہی جا رہے تھے بم سے اڑا دیا اور حیفہ کے ہوائی جہاز کے مستقر کو جلا ڈالا۔

عربوں کا جرم سخت تھا انھوں نے انگریزی مظالم کو ہنسی خوشی نہیں برداشت کیا۔ اس کی سزا کے لئے برطانیہ نے اپنے جوہر دکھانے شروع کر دئے۔ عرب اعلیٰ کمیٹی توڑ دیا گیا۔ مفتی اعظم کو سیریا بھگا دیا گیا جہاں وہ فرانسیسی پولیس کی نگرانی میں ہیں۔ اس کمیٹی کی جگہ ٹوڈیوں کا ایک وقعت کمیٹی بنا دیا گیا ہے۔ لیدا میں کرفیو آرڈر نافذ کر دیا گیا۔ فوجی ڈیوٹی والے پاس کے دو گاؤں اڑا دئے، حیفہ میں دو مکانوں کو پھونک دیا۔ تاکہ لیدا کے ہوائی مستقر کو لوٹنے کی سزا مل جائے۔ لیدا کے رہنے والے نظربند ہیں، چوبیس گھنٹہ میں انکو صرف دو گھنٹہ کے لئے کھانے پینے کا سامان لانے۔ اور مویشیوں کو چرانے کے لئے چھٹی دی جاتی ہے۔ پولیس چوکی پر حملہ کرنے اور ڈاکخانوں اور اسلحہ کی سزا میں دعاریہ کے گاؤں پر دو ہزار پونڈ جرمانہ کیا گیا ہے۔ اور جتنی رائفلیں چوری گئیں، اتنے مکانوں پر [illegible]ن بنا دیا گیا ہے۔ ایک رائفل نہ ملنے پر ایک مکان اڑا دیا جائے گا۔"

یہ وہ خبر ہے جو ہندستان تک آسکی ہے۔ ورنہ اصل واقعات کیا ہوں گے۔ اور اس خونخوار انتقام نے کیسے کیسے چھاپے مارے ہوں گے یہ تو ہماری نگاہوں سے چھپا ہوا ہے۔ سمجھ لینا چاہئے کہ انگلستان بھی ویسا ہی ستمگر ہے جیسا کہ جاپان۔ اگر انگلستان کی تباہ کاریاں معلوم کرنا ہوں تو جاپان کی بربریت کو دیکھ لو۔

ایسے عبرتی حملوں سے ہوتا کیا ہے؟ جلیانوالہ باغ کے واقعہ نے کیا ہندستان کی جد و جہد کو گھٹا دیا۔ فلسطین میں ابھی تو یہ زہر پھیل رہا ہے۔ ذرا عوام کو اپنی غریبی اور غریبی کے اسباب کا احساس ہو جانے۔ پھر دیکھنا ہے کہ برطانیہ اپنی حکومت جمانے کو کیسی چالیں چلتی ہے۔ اور اس میں کتنی کامیابی ہوتی ہے۔ فلسطین میں بیداری وقت پھیل رہی ہے۔ برطانوی سامراج کے ہاتھ ہر طرف پھنسے ہوئے ہیں، اور دن بدن پھنستے جا رہے ہیں۔ حیفہ کے واقعہ پر ہمارے اس حوصلہ کی خاص وجہ یہی ہے۔ اگر فلسطین نے بھی ایک ہاتھ پھنسا لیا تو ہندستان کو اپنی جد و جہد میں زیادہ آسانیاں ہوں گی۔

## مسلم لیگ

مسلم لیگ اور جمعیت پسند اسلامی ادارے ان سامراجی مظالم کا جو فلسطین کے عربوں پر ڈھائے جا رہے ہیں، بڑی پامردی سے مقابلہ کر رہے ہیں۔ ہمارے ہاں بھر میں بہت سے جلسے کر ڈالے، اور جلسے میں نئی قراردادیں پاس کیں جن کا مطلب یہ تھا کہ اب تک تو خیر، اب اگر زیادہ مظالم کئے تو ہم خفا ہو جائیں گے۔ سنا ہے کہ ابھی میرٹھ میں ایک کانفرنس اور ہونے والی ہے، اور وہاں بھی اسی مضمون کی ایک قرارداد پاس ہوگی، کبھی نہ کبھی تو برطانیہ ان نازپروردہ انجمنوں کی نازبرداریاں کرے ہی گی۔ دوسری کارروائی یہ ہونے والی ہے کہ فلسطین ایک وفد جا رہا ہے گر لطارود ولیسکر نہیں، بلکہ برطانیہ کو اپنا خیال سمجھانے۔ فریب سے سمجھانے کی بات ہی کچھ اور ہوتی ہے۔

---

# جاپانی مال کا بائیکاٹ

جاپانی مال کے بائیکاٹ کی تحریک اس وقت سب ملکوں سے اٹھ رہی ہے۔ خاص کر ہندستان، امریکہ، انگلستان، نیوزی لینڈ اور آسٹریلیا نے اس کی زور و شور سے تائید کی۔ مزدوروں کی بین الاقوامی انجمن نے یہ تحریک اٹھائی۔ امریکہ، کناڈا، نیوزیلینڈ، آسٹریلیا، ہندستان، میکسیکو، ہالینڈ، فرانس، سوئزرلینڈ، اسکینڈے ناویا۔ روکو سلا دیا۔ آسٹریلیا، اور آئرلینڈ کے مزدوروں نے اس کی تائید کی۔ بنگال کی ہر پارٹی نے ساحلی مزدوروں سے اپیل کی ہے کہ وہ لوگ نہ تو جاپان جانے والے جہازوں پر لوہا اور اسی طرح کا دوسرا لڑائی کا سامان لادیں اور نہ وہاں سے آنے والے جہازوں کا سامان اتاریں۔ لیکن لوگوں کو ایسی تحریکوں پر بھروسا نہیں رہا۔ دیکھتے آئے ہیں کہ ظالم قوم کمزور قوم کو کچلتی رہی ہے اور اس کی زمین اور دولت پر قبضہ کرتی رہی ہے۔ جاپان نے منچوریا پر حملہ کیا۔ ساری دنیا چیختی رہی لیکن اس نے قبضہ کر لیا۔ اٹلی نے حبش پر حملہ کیا لیگ آف نیشنز نے خوب جلسے کئے۔ اٹلی کی مخالفت کی، اور اس کا اقتصادی بائیکاٹ کیا لیکن ہوا کیا؟ اسی طرح فرانکو جرمنی اور اٹلی کی مدد سے اسپین کو کچل رہا ہے۔ وہاں کی غیر فوجی رعایا پر گولہ برسا رہا ہے۔ اخبار ان ظلموں پر چلا رہے ہیں۔ بااختیار حکومتیں دیکھ رہی ہیں۔ کسی کے کئے کچھ نہیں ہوتا۔ ان ڈراموں کے دیکھنے سے تو معلوم ہوتا ہے کہ چین کا بھی شاید وہی حشر ہو۔ جو منچوریا کا ہو چکا ہے۔ کیا جاپانی مال کے بائیکاٹ کا اثر کچھ نہ ہوگا؟

پہلی بات تو یہ ہے کہ جاپان اب وہ جاپان نہیں رہا جس نے منچوریا پر حملہ کیا تھا منچوریا کی لڑائی میں اور اس کے بعد تین کرور انسانوں کو قابو میں کرنے کی تدبیروں میں، فوجی نقل و حرکت کے لئے سڑکیں اور ریلیں بنانے میں۔ اور روسی سرحد کے مقابل قلعے تعمیر کرنے میں کروروں روپیہ صرف ہو چکا ہے۔ جاپان کی آمدنی کے ذرائع بہت محدود ہیں۔ اس نے ایسی لڑائیوں کے لئے کچھ جمع کیا تھا اس سے زیادہ منچوریا کو اپنانے میں خرچ کر دیا۔ دوسری طرف چین بھی اب وہ چین نہیں رہا۔ ادھر چند مہینوں کی لڑائی سے یہ معلوم ہو گیا کہ وہ ملائم لقمہ نہیں ہے۔ اس کے فتح کرنے کے لئے بہت زیادہ سامان، فوج اور وقت کی ضرورت ہے۔ ایسی صورت میں اگر جاپان کی طاقت میں مضبوط رکاوٹ ڈالی جائے تو پھر چین کو فتح کرنا مشکل ہو جائیگا۔

اٹلی کے خلاف اقتصادی بائیکاٹ کامیاب نہیں ہوا۔ اس کی وجہیں تھیں۔ ایک تو یہ کہ اٹلی بیس سال سے لڑنے کی تیاری کر رہا تھا۔ [illegible] ایسا اہم موقع نہیں اٹھا جو اس کی پس انداز طاقت کو چوس لیتا۔ اس کے علاوہ اٹلی کے کارخانے لڑائی میں زیادہ کام دے سکتے ہیں۔ اٹلی موٹر تیار کر سکتا ہے۔

چھین سکتا ہے۔ لیکن جاپان ان چیزوں میں دوسروں کا محتاج ہے۔ ہوائی جہازوں کے انجن کی ایسی ضروری چیزیں بھی اُس کو امریکہ سے لینا پڑتی ہے۔ اٹلی کو جرمن مصنوعات کی کمی پوری دو جرمن مہیا کرتا رہا تھا۔ لیکن اگر ممالک متحدہ امریکہ اور انگلستان مل کر کوشش کریں تو جاپان یہ فائدہ نہیں اُٹھا سکتا۔ کیونکہ جاپان کے پاس قیمت ادا کرنے کو نقد نہیں ہے۔ اس سال ادھر کے چھ مہینوں میں اُس کی تجارتی حالت ایسی خراب رہی ہے کہ اندر آنے والے سال بھر بھی نہیں رہی۔ چین پر حملہ کرنے کے وقت تک جاپان کے اندر آنے والا سامان کی قیمت اتنا تو باہر جانے والا (۲) دوسری دقت یہ ہے کہ جاپان کا ملک کے باہر لگا ہوا سرمایہ بہت کم ہے۔ ورنہ اُس سے قیمت ادا ہو سکتی۔

تجارت کی اس ابتری کی وجہ ایک تو یہ ہے کہ جاپان کو جنگی سامان بہت خریدنا پڑا۔ جو وہ بھی دام چڑھ جانے کی وجہ سے بہت مہنگا پڑا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ ابھی تک اس کی بڑھی ہوئی تجارت کا راز سستے مزدور اور سستا کچا مال تھا اب اون۔ روئی کے دام چڑھ گئے ہیں۔ مگر اس کے مقابلہ میں مصنوعات کے دام نہیں چڑھے۔ نتیجہ یہ ہے کہ پار سال سے جاپانی اونی، سوتی کپڑے کی مدآمد کم ہوتی جا رہی ہے۔ اور جو سامان آ رہا ہے وہ بھی معمولی قسم کا ہوتا ہے۔

جاپان کے بجٹ کی حالت اس سے زیادہ خراب ہے۔ اس سال اخراجات کا تخمینہ دو ارب ستاسی کروڑ ین (ین = تقریباً ڈیڑھ روپیہ) جس میں سے ڈیڑھ ارب فوج کے لئے اور آدھا ارب قرضہ کی ادائی، اور سود کے لئے رکھا گیا۔ رہا آمدنی کا تو تمام ٹیکس وغیرہ ملا کر صرف ایک ارب اکتیس کروڑ وصول ہوا تھا۔ اور اس میں چھیانوے کروڑ قرض لیکر ملا یا گیا۔ اور لڑائی کے بجٹ کا حال یہ ہے کہ تخمینہ ہے ساڑھے چار ارب۔ لیکن ساری آمدنی اسکی تہائی ہے۔ حکومت پہ قرضہ بہت بڑھ گیا ہے۔ اور برابر بڑھتا جاتا ہے۔

ان حالات سے تو معلوم ہوتا ہے کہ اگر جاپانی مال کا بائیکاٹ کیا گیا تو جاپان کا سارا زور چند ہی روز میں ٹوٹ جائیگا۔ لیکن یہ بائیکاٹ کون ملک کریں جو فائدہ حاصل ہو؟

پچاس فیصدی جاپانی مال برطانیہ اور امریکہ میں بکتا ہے۔ اور اس کے عوض میں جاپان اپنی باسٹھ فیصدی ضرورت کی چیزیں یہاں سے لیجاتا ہے۔ ہندوستان۔ ملایا۔ اور اسٹریلیا سے لوہا جاتا ہے۔ ممالک متحدہ امریکہ۔ ہندوستان اسٹریلیا اور جنوبی افریقہ سے اون۔ اور روئی جاتی ہے۔ تیل امریکہ سے آتا ہے۔ جاپانی پیداوار میں اونی سوتی کپڑا۔ ساٹھ فیصدی ہوتا ہے اس میں سے ۱۲ - ۱۵ فیصدی کے قریب ہندوستان میں بکتا ہے۔ باقی ممالک متحدہ میں صرف ہوتا ہے۔ اگر ان چیزوں کی درآمد برآمد بند کر دی جائے تو جاپان کو سخت چوٹ پہونچے گی۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا برطانیہ اور ممالک متحدہ جاپان کو سزا دینے کے لئے تیار ہیں؟

انگلستان میں جب بائیکاٹ کی تحریک اُٹھی تو وہاں کے اخباروں نے یہ رائے دی کی۔

ٹائمس۔ جو حکومتیں اقتصادی بائیکاٹ کے لئے تیار ہو رہی ہیں اُن کو سمجھ لینا چاہئے کہ جاپان کو لڑائی کا چیلنج ہے۔ اور بہت ممکن ہے کہ جاپان اس طرح لڑائی ختم کر کے سیدھے چین کو فتح کرنے کی زیادہ جان توڑ کوشش کرے

ڈیلی ٹیلیگراف۔ لڑائی چھڑ جانے کا ڈر ہے۔ فائدہ ہونا غیر یقینی ہے۔ مگر فساد ہو جانا یقینی ہے۔

مانچسٹر گارڈین۔ اگر بائیکاٹ کیا جاتا ہے تو لڑائی کا خطرہ ضرور ہے۔ اور مشرق اقصیٰ میں لڑائی کے خطرے کے معنی ہیں کہ یورپ میں خطرہ اور زیادہ ہو۔ اگر اس تحریک میں اخلاقی پہلو نہ ہوتی تو پیش کرنے کے قابل نہ تھی۔"

امریکہ کے صدر روزویلٹ نے ایک تقریر کی جس سے کسی طرح کا نتیجہ نکالنا مشکل ہے۔ لیکن یہ ضرور سمجھ میں آتا ہے کہ ممالک متحدہ جاپان کے خلاف کوئی عملی قدم اُٹھانے کے لئے تیار نہیں ہے۔

غالباً انگلستان کے پاس ایک اور ترکیب ہے جس سے اپنے چینی سرمایہ کی حفاظت کر سکتا ہے۔ وہ یہ کہ چین کو مجبور کرے اور وہ لڑائی ختم کر دے! اور شمالی چین، جاپان کے قبضہ میں دیدیا جائے۔ اس کوشش میں چینی صاحبین اور سرمایہ دار شریک ہو جائیں گے۔ کیونکہ ان لوگوں کو اس سے کوئی سروکار ہوتا نہیں کہ حکومت کس کی ہے صرف اپنے حلوے مانڈے سے مطلب ہے۔

ایک موقع پر برطانیہ نے اپنی اس پالیسی کا اظہار بھی کر دیا، وہ یوں کہ امریکہ کو اس بات پہ راضی کر لیا کہ جاپانی دست اندازی پر تو چشم پوشی کی جائے۔ مگر شنگھائی کی بین الاقوامی آبادی کو لڑائی سے محفوظ رکھا جائے۔ اس کا نتیجہ یہ ہو کہ اسی آبادی میں جاپان کی فوجیں جا سکتی ہیں، مگر چین کی نہیں جاپان کو یہ امداد بہت قیمتی ملی ہے۔

انگلستان کی اس چشم پوشی کا راز یہ ہے کہ وہ صاف صاف اپنے کو جاپان، جرمنی۔ اور اٹلی کا دشمن نہیں کہہ سکتا۔ ابھی تک عالمگیر لڑائی ٹلتی آئی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ برطانیہ نے کسی طرح ظاہر نہیں ہونے دیا کہ وہ فسطائی پارٹی کی طرف ہوگا۔ یا غیر فسطائی پارٹی کی طرف۔ رہا۔ امریکہ کا تو چین کے فتح ہو جانے سے اس کا فی الحال اتنا بڑا نقصان نہیں ہو رہا ہے، جس سے بچنے کے لئے وہ لڑائی چھیڑ کر اربوں روپیہ بہا دے۔ دوسری طرف جب برطانیہ نے ۳۲-۱۹۳۱ء میں جاپان کا ساتھ دیکر منچوریا فتح کرا دیا۔ امریکہ کو اس کے رویہ پر بالکل بھروسا نہیں رہا۔ موجودہ حالات دیکھ کر اور بھی بھروسا نہیں ہے۔ اگر حالات رخ نہیں بدلتے تو بہت کم امید ہے کہ یہ خاص حکومتیں جاپان کے خلاف کوئی عملی قدم اٹھائیں۔ اب اگر جاپانی مال کا بائیکاٹ ہو سکتا ہے تو عوام کی اپنی کوششوں سے۔ جب سے یہ تحریک اُٹھی ہے جاپان کی تجارت کو خاصہ دھکا پہونچ گیا ہے۔ اگر تحریک یونہی چلتی رہی تو چینیوں کو مقابلہ کرنے میں کچھ آسانیاں ہو جائیں گی۔

ہندوستان میں جاپان کا سب سے بڑا تجارتی حریف انگلستان ہے اور ممالک متحدہ ہے۔ یہ طے ہے کہ ہم کو کسی حالت میں برطانیہ کو قوت نہ پہونچانا چاہیے۔ انقلاب کی لڑائی سامنے ہے۔ دشمن کو ہر طرح کمزور کر دینا ہے تاکہ مقابلہ میں زیادہ زحمت نہ ہو۔ بعض جاپانی مال ایسا ہے کہ اگر اس کی خریداری بالکل بند کر دی جائے تو کوئی نقصان نہیں پہونچتا۔ جیسے کھلونے اور آراستگی کی چیزیں۔ اس کے علاوہ کچھ سامان ہے جس کا مقابلہ ہندوستانی مصنوعات سے رہتا ہے۔ جیسے کپڑا۔ اس صورت میں ہندوستانی سامان خریدنا چاہئے۔ اس کے علاوہ جو سامان ہے اس کا مقابلہ غیر ملکی مصنوعات سے رہتا ہے۔ اس صورت میں انگلستانی مصنوعات نہ خریدنا چاہئے اور چاہے جہاں کی بنی ہوئی چیزیں خرید لیں۔

اگر کسی طرح جاپانی حکومت اس لڑائی میں ہار گئی تو جاپان میں قطعی انقلاب ہو جائیگا۔ اور وہاں کی محروم اور مظلوم رعایا۔ یعنی مزدوروں اور کسانوں کو سرمایہ داروں کے پنجے سے رہائی مل جائے گی۔ گویا کہ جاپانی مال کے بائیکاٹ سے ہم چین اور جاپان دونوں جگہ کے مظلوموں کی بھلائی کریں گے۔ ہم کو اسی کا بدلہ یوں ملے گا انقلاب کے موقع پر دنیا کی ساری مظلوم قومیں ہمارے ساتھ ہمدردی کریں گی۔

# آج کل کا چناؤ اور عوام

عام طور پر لوگ چناؤ میں صحیح اقتصادی، سماجی، اور سیاسی مسائل کو نظر انداز کرکے ذاتی اثر ورسوخ، برادری اور دولت کی طاقت کو استعمال کرتے ہیں۔ لیکن آجکل چناؤ میں جو سب سے بڑی طاقت استعمال کی جاتی ہے وہ مذہب کی طاقت ہے مذہبی باتوں کا تذکرہ کرکے لوگ اصلی مسائل، بھوک، جہالت اور غلامی کے مسائل کو پس پشت ڈال دیتے ہیں۔ اور عوام کو ان باتوں سے ناآشنا رکھکر وہ رجعت اور غلامی کی طاقتوں کو سینچتے ہیں۔

جداگانہ چناؤ کا طریقہ بہرحال موجود ہے، اور آئندہ کچھ دنوں تک اس سے چھٹکارا ملنے کی کوئی امید بھی نہیں۔ اس لئے ہمیں اس میں شرکت کرنا ہی پڑتی ہے۔ اور حالات ہمارے لئے کتنے ہی غیر موافق کیوں نہ ہوں، عوام تک اپنی آواز اور پروگرام پہنچانا ہی پڑتا ہے، اس میں ہماری ہار بھی ہوتی ہے، اور جیت بھی جیت تو خیر جیت ہی ہے، لیکن اس ہار میں بھی ہماری جیت کا پہلو نمایاں رہتا ہے۔ دو تین سو ووٹوں کی ہار سے یہ تو معلوم ہی ہوتا ہے کہ عوام میں ہماری طاقت بڑھ رہی ہے، اور اصلی مسئلوں سے روپوشی، اور مذہب کی باتیں کرکے عوام کی توجہ کو مادی سوالوں سے ہٹانے کی کوشش کے باوجود صحیح مسئلے عوام کے سامنے آتے جا رہے ہیں، اور وہ ان مسئلوں پر غور کرنے لگ جاتے ہیں۔ چناؤ کے میدان میں اگر اسی طرح کچھ دنوں تک لگاتار لڑتے بھی رہے تو اس سے ہماری طاقت کی بنیاد مضبوط ہی ہوتی جائے گی۔

آج دنیا پر جب ہماری نظر پڑتی ہے تو ہمیں دو متضاد طاقتیں دکھائی پڑتی ہیں۔ ایک طاقت استبداد اور رجعت کی ہے، جسکے سایہ میں بھوک، جہالت اور غلامی پلتی ہے، اور جنگ، غارتگری اور خونریزی ہوتی ہے۔ دوسری قوت امن ترقی کی ہے جس کی گود میں تمدن، آسائش اور آزادی پلتی ہے اور بھوک کی تسکین ہوتی ہے۔ امن و ترقی کی یہ طاقت رجعت اور استبداد کی اس قوت کی ضد ہے۔ ان میں کوئی مصالحت ممکن نہیں۔ مصالحت کے معنی استبداد کے سامنے سر جھکانا اور اس کی اطاعت قبول کر لینا ہے۔

رجعت کا سب سے بڑا ادارہ آج سامراج ہے، اور سامراج کی مختلف مشینری، پونجی، زمینداری، ساہوکاری وغیرہ ہے۔ اور ترقی پیدا ہوتی ہے عوام کی جاگ اور اسکی قوت سے جو کبھی کبھی چھوٹی چھوٹی کشمکش، ہڑتال، اور لگان بندی وغیرہ کی شکلوں میں ظاہر ہوتی ہے،

ہندستان میں ان دونوں قوتوں کے مظہر علی الترتیب برطانوی سامراج اور کانگرس ہیں۔ جس طرح مزدور اور کسان سبھائیں کانگرس کے دو پہلو ہیں اسیطرح برطانوی سامراج کے بھی کئی بازو ہیں،

موجودہ چناؤ کے کچھ مقاصد ہیں۔ عوام یا کانگرس کا مقصد واضح اور متعین ہے۔ آزادی، ایسی جس میں برطانیہ سے کوئی تعلق باقی نہ رہے، جسکے معنی عام ہندستانیوں کی حقیقی آزادی کے ہوں، جس میں عوام کا سیاسی، اقتصادی اور سماجی استحصال نہ ہوتا ہو، اور جسکے نظام میں اقتصادی اور سیاسی اختیار عوام کے ہاتھ میں ہو، آزادی کا یہی تخیل ہے جس نے آج تک ہمیں حرکت و عمل میں مصروف رکھا ہے۔ آزادی بذاتہ ہمارا مدعا نہیں! بلکہ یہ ایک وسیلہ ہے جس سے ہم اس سرزمین کی فاقہ مستی اور جہالت کو دور کر سکتے ہیں۔ کانگرس اور کانگرس کے مختلف پہلو اسی مقصد کو لیکر لڑ رہے ہیں۔ ممکن ہے یہ لڑائی کل ہی ختم ہو جائے۔ اور ہم اپنی منزل پر ایک ہی چھلانگ میں پہنچ جائیں اور ممکن ہے وہاں تک پہنچنے میں ہمیں دیر بھی ہو۔

مگر ان دونوں امکانات کا انحصار عوام کے ہی ارادہ اور مرضی پر ہے۔

اس وقت کا چناؤ خود لڑائی نہیں ہے۔ یہ جانچ ہے عوام کی رائے، انکے ارادے اور مرضی کی۔ اس سے سامراج اور اسکے بازوؤں اور حلیفوں پر عوام کے ارادے ظاہر ہوتے ہیں، اور ان سے ہماری تحریک اور عام سیاست کے رجحانات پر اثر پڑتا ہے۔ اس سے عوام خود اپنی قوت کا اندازہ کرتے ہیں، دوسری طرف سامراج اپنی طاقت کا۔ ترقی اور رجعت کی قوتیں دونوں اپنے اپنے ہتھیاروں کو پرکھتی ہیں۔

تحریکیں کبھی سیلاب کیطرح آگے بڑھتی ہیں، اور کبھی یکایک ایک نقطہ پر پہنچکر رک جاتی ہیں۔ اس رکاؤ کے وقت لوگ چھوٹی چھوٹی اصلاحی باتوں میں پڑ جاتے ہیں، عوام کو چھوٹی چھوٹی باتوں میں تھوڑا تھوڑا فائدہ پہنچانے لگ جاتے ہیں۔ کیونکہ اس تعطل کی حالت میں کوئی دوسرا پروگرام سامنے نہیں ہوتا۔ لیکن یہ جمود بہت دنوں تک باقی نہیں رہتا، دراصل اسی جمود کی حالت میں ہی مواد جمع ہوتے ہیں، اور شعلے بنکر یکایک بھڑک اٹھتے ہیں۔

ہماری قومی تحریک آج اسی دور تعطل سے گذر رہی ہے، اور اس وقت کسی دوسرے پروگرام کی عدم موجودگی میں لوگ اسمبلیوں کے مشغلوں میں لگ گئے ہیں۔ وہ عوام کے لئے عام مسئلوں میں زیادہ سے زیادہ سہولت پہنچانے کی کوشش میں ہیں اور اس کا اندازہ ان اسمبلیوں کی کارروائیوں ہی سے ہو سکتا ہے۔ قرضہ لگان، بے روزگاری اور تعلیم وغیرہ کے متعلق جو قانون کانگرسی وزارتوں کی نگرانی میں بن رہے ہیں یا بننے والے ہیں ان کی مثال کسی دوسرے غیر کانگرسی صوبوں میں نہیں مل سکتی پھر سیاسی قیدیوں کی رہائی، اخباروں کو لکھنے کی آزادی، اور عام شہری حقوق کی عوام کو واپسی جو پابندیاں رجعت پسند برطانیہ پرست وزارتوں کے زمانہ میں ہم پر عائد تھیں سب کی سب ختم ہوگئیں۔ اب تک بچوں کی مفت ابتدائی تعلیم کا سرکار کیطرف سے کوئی انتظام نہ تھا، اسمبلیوں میں ہندستانی زبان میں تقریر کرنے کی عام اجازت نہیں تھی، سو اس میں بھی یوپی کے صوبے نے زبان کے معاملے میں اور بہار نے مفت تعلیم کے بارہ میں پہلے قدم اٹھایا۔ بنگال اور پنجاب کے صوبے اب تک ان سے محروم ہیں۔ کانگرس کے سامنے یہ چھوٹی چھوٹی اصلاحی باتیں ہی نہیں ہیں۔ اسکے سامنے ہندستان بھر کی غربت کا مسئلہ ہے۔ اور اس تعطل سے اب وہ جلد نکل کر جارحانہ قدم اٹھانے والی ہے۔

عوام کو اس چناؤ میں کیا دلچسپی ہے، یا ہوسکتی ہے؟ اور اس کو ووٹ دینے کا جو اختیار ملا ہے اس کی طاقت کیا ہے؟ جدید جمہوریت کی عمارت اسی ووٹ پر کھڑی ہے۔ عوام اپنی رائے میں جس جماعت کو اپنے مطلب و غرض کے لئے مفید سمجھتے ہیں وہ اسی جماعت کے امیدوار کو ووٹ دیتے ہیں۔

ہم یہاں پر موجودہ ووٹ دینے کے اختیار پر جس میں اس وقت بھی بہت سی خامیاں ہیں، کوئی تبصرہ کرنا مناسب نہیں سمجھتے لیکن اتنا کہنا ضروری ہے کہ ووٹ کے ذریعہ عوام کو تو تمام سیاسی اختیارات سونپ دئے گئے ہیں، لیکن جس مادی اختیارات کے ذریعہ اس سیاسی اختیار کا صحیح اور جائز استعمال ہو سکتا ہے وہ ان عوام کو حاصل نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آج امریکہ، جاپان اور برطانیہ میں بھی جہاں مکمل آزادی ملک کو حاصل ہے، غربت کا دور دورہ ہے۔ وہاں کے عوام کو اقتصادی اختیار حاصل نہیں ہے اسلئے عام طور پر جو لوگ عوام کے سیاسی اختیار کو ان کے

۔۔ٹ کو حاصل کر کے پارلیمانوں میں جاتے ہیں وہ اپنے ہی معاشی، سرمایہ دارانہ اور تجارتی اغراض کو پورا کرتے ہیں اور مزدور پیشہ طبقہ کی مفلسی وغیرہ جیسے سوالوں کو نظرانداز کر دیتے ہیں۔ ہندستان کو دستور دینے کے متعلق جو اختیارات ہیں وہ بھی ویسے ہی کھوکھلے ہیں۔ اس لئے کانگریس سیاسی اختیار کو عوام میں منتقل کرنے کے ساتھ ساتھ اقتصادی اختیار کو بھی انھیں کے ہاتھوں میں دینے کی طالب ہے۔

تاہم عوام کی سیاسی تربیت اگر کی جائے تو اس کھوکھلے اختیار کو بھی وہ ایک حد تک جائز اور صحیح طریقہ پر استعمال کر سکتے ہیں۔ اسلئے عوام کو ایسے چناؤ کے وقت چند باتوں کا خیال رکھنا چاہئے اور انھیں باتوں سے چناؤ میں امیدوار کو پرکھنا چاہئے۔

پہلی چیز جماعت یا پارٹی ہے، امیدوار کی ذاتی خصوصیات، خوبیاں، یا برائیاں، اس کی لامذہبیت اور دہریت، یا اس کی مذہب پرستی اور خدا ترسی اجتماعی سیاسیات اور آئین سبھا کی مشغولیوں میں چنداں اہمیت نہیں رکھتیں یہ اوپری باتیں ہیں اور ان کا آئینی مشاغل سے کوئی تعلق نہیں ہوتا ہے۔ جو لوگ ان چیزوں کو اہمیت دیتے ہیں وہ در اصل بڑے بڑے مسئلوں کو چھپائے رکھنا چاہتے ہیں، اور اس سے ایک امیدوار کو بدنام یا نیک نام کرنا چاہتے ہیں۔ اصل چیز جو پرکھنے کی ہوتی ہے وہ اس جماعت یا پارٹی کا اقتصادی اور سماجی پروگرام ہے جسے وہ آئین سبھا میں چلانا چاہتی ہیں۔

بمبزرے کے چناؤ میں ایک طرف مسلم لیگ تھی، اور دوسری طرف کانگریس اور مرادآباد وغیرہ میں بھی شاید ایسا ہی ہو۔

مسلم لیگ صرف ہندستان کے مسلمانوں کی ایک جماعت ہے۔ اب اگر یو۔ پی میں سارے کے سارے مسلمان مسلم لیگ کے ٹکٹ پر چن کر آ جائیں جب بھی وہ اپنے پروگرام کو کامیاب نہیں بنا سکتے کیونکہ صرف مسلمانوں کی جماعت ہونے کے سبب سے اسمبلی میں اکثریت نہیں ہوگی اور اکثریت کے نہ ہونے کی وجہ سے اُن کو حکومت کی مشنری پر کوئی اقتدار حاصل نہیں ہو سکتا، آئینی پروگرام تو اسی وقت چل سکتا ہے جب حکومت کی مشینری پر اپنا اقتدار ہو، اپنی وزارت کی مجلس ہو۔ اور یہ چیز مسلم لیگ کو نازیست حاصل نہیں ہو سکتی۔ اسکے لئے اپنے خیال کے ہندوؤں اور دوسرے فرقہ والوں سے مل کر کانگریس یا نواب چھتاری کی زراعتی پارٹی کی طرح کوئی قومی جماعت بنائی چاہئے تھی، اسوقت چناؤ کے بعد ان کی اکثریت کا امکان ہو سکتا تھا، لیکن وہ امکان ہمیشہ کے لئے ختم ہو چکا ہے، انھیں کسی نہ کسی دوسری جماعت سے بشرطیکہ وہ اسکے لئے راضی بھی ہو۔ اتحاد کرنا پڑے گا، اس کا سارا معاشی، اقتصادی، اور سیاسی پروگرام، اگر اس میں کچھ جان ہو جب بھی بیکار ہے سوال تو صرف یہ ہے کہ وہ اسے عمل میں کب اور کیونکر لا سکتی ہے؟ کیا مسلم لیگ تنفیذی اختیارات کبھی حاصل بھی ہو سکتے ہیں؟ کانگریس کے ساتھ یہ صورت نہیں، وہ ہندوؤں اور مسلمانوں کی مشترکہ اور ہندستان کی تنہا نمائندہ جماعت ہے۔ اس کا جو پروگرام ہے وہ عملی ہے، مجنونوں کی بڑ نہیں ہے۔ اور آج وہ اسکا نفاذ ہندستان کے سات صوبوں میں کر رہی ہے۔

دوسری چیز جو سامنے آنی چاہئے وہ پارٹیوں کے تشکیلی اور ترتیبی عناصر ہیں، یعنی وہ افراد اور انکے مجموعی اغراض جن سے پارٹیاں بنتی ہیں۔ مسلم لیگ میں تنظیم ہندستان بھر کے تعلقداروں اور رجواڑوں اور بڑے بڑے مل کے مالکوں کا ہے۔ یہ چیزیں غربت اور محنت کی ضد ہیں، اور جب کبھی ان عناصر کو اقتدار حاصل ہوگا۔ خواہ وہ معمولی ممبری ہی کیوں نہ ہو تو وہ اپنے طبقاتی اغراض کی حفاظت کرنے لگ جائیں گے۔ جیسا کہ آج اسمبلیوں میں کسانوں کے متعلق قانون لگان وغیرہ پر انکے مخالفانہ رویہ سے ظاہر ہو سکتا ہے۔ اپنے اغراض کی حفاظت کرنا ایک فطری اور قدرتی بات ہے اور جب ہم انھیں موقع دینگے تو وہ یقیناً ایسا کریں گے۔ چناؤ میں ان لوگوں کو ایسا موقع ملنے کی گنجائش رہتی ہے ہمارے عوام اگر انھیں چناؤ میں کامیاب نہ ہونے دیں تو وہ صورت باقی نہیں رہتی۔

کانگریس کے ساتھ یہ صورت بھی نہیں۔ خود کانگریس کے اندر ایک بہت بڑی جماعت سوشلسٹوں اور کسانوں اور مزدوروں کی تحریکوں کو چلانے والوں کی موجود ہے، جسکا دباؤ کانگریس اور اسکے ذریعہ ملک کی تمام رجعت پسند اور سامراجی طاقتوں پر پڑ رہا ہے۔ وہ زمینداری اور سرمایہ داری شخصی ملکیت اور تمام استحصالی اداروں کو ہی ختم کر دینے کے حامی ہیں۔ کانگریس میں روز بروز ان لوگوں کا اثر بڑھتا جاتا ہے۔ اور وہ عوام کے اقتصادی بوجھ کو ہلکا کرنے پر زیادہ سے زیادہ متوجہ ہوتی جا رہی ہے۔ خیر یہ تو نئے رجحانات ہیں۔ کانگریس کے پاس خود ۱۹۳۱ء کا اقتصادی اور بنیادی پروگرام یہ ثابت کرنے کے لئے کافی ہے۔

یہ صحیح ہے کہ خود کانگریس میں بھی کچھ زمیندار اور پونجی پتی ہیں لیکن وہ مسلسل ایثار و قربانی سے عوام کے مفاد کی حفاظت کا کافی ثبوت دے چکے ہیں۔ اور بہرہ وہ تحریک کے دباؤ اور اصول کی زنجیر میں اسقدر جکڑے ہوئے ہیں کہ وہ اگر عوام کے مفاد کو کسی وقت نظرانداز بھی کرنا چاہیں تو ایک بہت بڑا طبقہ انہیں الگ کر پھینکنے کے لئے کانگریس کے اندر موجود ہے۔ آج مدراس کی کانگریسی حکومت میں باٹلی والا کی گرفتاری کی وجہ سے کانگریس کے اندر ایک ہلچل مچی ہوئی ہے۔ برخلاف اسکے مسٹر جناح نے مسلمانوں کے مذہبی معاملات کو اسمبلی کے اندر جو ٹھوکر ماری ہے اور نہ بنجاری مسلمانوں کے تجارتی مفاد کو جو زک پہنچائی ہے اس پر مسلم لیگ بالکل خاموش ہے۔

تیسری چیز خود پروگرام ہے جسے چلانے کے لئے پارٹیاں چناؤ میں حصہ لیتی ہیں، ہم اوپر بتا چکے ہیں کہ مسلم لیگ کو اپنا پروگرام چلانے کا کوئی آئینی امکان نہیں ہے اور نہ اسکے ہاتھ میں حکومت کے تنفیذی اور آئینی اقتدار آسکینگے اور نہ وہ اس پروگرام کو کبھی نافذ کر سکے گی۔ اسکے پروگرام میں اگر عوام کا کوئی فائدہ ہو بھی تب بھی وہ ناقابل التفات ہے اور اسپر کسی طرح کے غور و فکر کی ضرورت نہیں، لیکن ویسے بھی اگر کانگریس کے کراچی اور فیض پور کے اقتصادی اور زراعتی پروگرام کو جو اخباروں میں بار بار آ چکے ہیں اور جنکی لاکھوں کاپیاں عوام میں تقسیم ہو چکی ہیں، اٹھا کر دیکھئے تو اسکا مسلم لیگ کے پروگرام سے کوئی مقابلہ ہی نہیں۔ خود مسٹر جناح نے اپنی بار اور مرعوبیت کو چھپانے کے لئے لکھنؤ کے سالانہ اجلاس میں کہا ہے کہ "بھوک اور فاقہ کشی اور عام سماجی پستی کی باتیں عوام کو سوشلزم کی راہ پر لگانے کیلئے ہوتی ہیں" اسکے معنی یہ ہیں کہ ہندستان اور خاص کر کے مسلمانوں میں بھوک، فاقہ کشی، جہالت اور عام پستی ہے ہی نہیں۔ یہ در اصل اسلئے کہا گیا ہے کہ عوام کو اپنے اقتصادی اغراض کا کوئی احساس نہ ہونے پائے اور وہ اسکے لئے جد و جہد نہ کر پائیں۔ اگر احساس ہوگا اور وہ جد و جہد کرنے لگیں گے تو خواہ مخواہ انہیں کانگریس میں جانا پڑیگا۔ اسکے علاوہ کوئی دوسری راہ نہیں ہے۔ اور اس طرح مسلمانوں پر مذہب کے پردہ میں جو اقتدار حاصل کر سکتے ہیں اسکا جنازہ نکل جائیگا۔ ان تین اصولوں پر غور کرنے سے ہر ووٹر کو یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ کس جماعت یا فرد کو چن کر اسمبلیوں میں بھیجنے سے سامراج کی طاقت کو صدمہ پہونچیگا اور کس سے غیر ملکی تسلط کی گرفت زیادہ مضبوط ہوگی۔

---

# صدرِ مسلم لیگ کی آشفتہ خیالیاں

مرزا محمد جعفر حسین

مسٹر محمد علی جناح کبھی ہندستانی رہنماؤں میں ممتاز حیثیت کے مالک تھے، اور انھیں وطن پرستوں کی جماعت میں ہندو مسلم اتحاد کا سچا نقیب سمجھا جاتا تھا لیکن ہندستان کی بدقسمتی کہ یہ مقتدر رہنما چند برسوں سے فرقہ وارانہ جذبات میں گرفتار ہو کر اپنی سیاسی منزلت سے گر گیا ہے۔ تازہ اجلاس مسلم لیگ میں بحیثیت صدر کے مسٹر محمد علی جناح نے جو خطبہ ارشاد فرمایا ہے وہ نہ صرف لہجہ کے لحاظ سے بلکہ سیاسی خیالات و انکار کی حیثیت سے بھی عبرت انگیز ہے۔

مسلمان جس نازک سیاسی دور سے گذر رہے ہیں اس کا مقتضا قطعاً نہ تھا کہ جناح سی زبردست شخصیت رکھنے والا لیڈر اپنے خطبہ میں آندھی میں فیل کانگرس پر جا و بیجا الزامات ہی عائد کرنے پر اکتفا کرے اور کوئی قابل عمل تعمیری پروگرام مسلمانوں کے سامنے پیش نہ کرے۔ یہ سچ ہے کہ مسٹر جناح میں استبداد پورے طور سے موجود ہے اور صرف ان سے اور پنڈت جواہر لال نہرو اور بابو راجندر پرشاد وغیرہ سے جو سیاسی مباحثہ ہو چکا ہے جن نے انکے مزاج میں کافی برہمی پیدا کر دی ہے لیکن ایک ذمہ دار لیڈر کو ان حالات کے باوجود بھی اسقدر مشتعل ہو جانا زیبا نہیں۔

مسٹر جناح نے اپنے خطبہ میں کانگرس کے خلاف جو فہرست جرائم عائد کی ہے وہ اسکے سنجیدہ غور و فکر کا نتیجہ قطعاً نہیں ہو سکتی۔ بہت سے فرضی مقدمے ہیں جن سے غلط نتیجے اخذ کئے گئے ہیں اور مسلمانوں کو کانگرس کے خلاف ابھارا گیا ہے۔ مسٹر جناح کا خیال ہے کہ اس طرف بالخصوص دس سال سے کانگرس کی پالیسی کچھ ایسی کٹر ہندوانی ہو رہی ہے جو مسلمانوں کو اس سے روز بروز علحدہ کرتی جاتی ہے اور جب سے ان کانگرسیوں نے چھ صوبوں میں جہاں وہ اکثریت میں ہیں اپنی حکومت قائم کر لی ہے اُن کے قول فعل اور عمل سے برابر اسکا ثبوت مل رہا ہے کہ مسلمانوں کو ان سے انصاف کی توقع نہیں رکھنا چاہئے اس دعوے کے ثبوت میں جو امور بتائے گئے ہیں وہ حسب ذیل ہیں۔

(۱) انھوں نے مسلم لیگ سے وزارتوں کے بنانے میں کوئی اشتراک عمل نہیں کیا۔ انھوں نے مسلم لیگ والوں سے خواہش کی کہ وہ کانگرس کے اقرار نامہ پر دستخط کر دیں اور اپنی جماعت کو ترک کر دیں تو انھیں وزارت میں جگہ دی جا سکتی ہے۔ نیز یہ کہ ان مسلمان ممبروں کو جنھیں قانون ساز جماعت کی مسلم اکثریت کا اعتماد حاصل نہیں تھا وزارتوں میں شامل کر لیا۔

(۲) ہندی کو عام ملکی زبان بنایا جا رہا ہے۔

(۳) بندے ماترم کو قومی نغمے کی حیثیت دی جا رہی ہے۔

(۴) کانگرس کے جھنڈے کا احترام زبردستی ہر شخص پر عائد کیا جا رہا ہے۔

مسٹر جناح کے نزدیک یہی وہ چار عناصر ہیں جنھوں نے کانگرس کو کٹر ہندو جماعت میں تبدیل کر دیا ہے اور جن کی وجہ سے مسلمانوں کا اعتماد اس سے اٹھ گیا نہایت افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ یہ تمام باتیں حقیقت سے دور ہیں اور صرف پروپگنڈے کی حیثیت رکھتی ہیں۔

## مسلمان کانگرس سے کیوں علیحدہ ہو گئے

یہ ایک حقیقت ہے کہ چند معزز مستثنیات کے علاوہ گذشتہ برسوں میں مسلمانوں نے کانگرس کی طرف جو التفات ظاہر کیا تھا اس کی بنیاد کبھی وطن پرستی پر نہ تھی۔ چونکہ برطانیہ نے خلافت عثمانیہ کاری ضرب لگا کے عام مسلمانوں کو برہم کر دیا تھا اور گاندھی جی نے تحریک خلافت میں انکا ساتھ دیا اس لئے مسلمان کانگرس میں شریک ہو گئے تھے اور جب مصطفےٰ کمال نے خلافت کا مسئلہ ہی ختم کر دیا تو مسلمانوں کی دلچسپی بھی کانگرس سے زائل ہوتی چلی گئی۔ اور اس سے وہی مسلمان وابستہ رہ گئے جنکے قلوب یا تو ابتدا ہی سے وطن پروری کے جذبہ سے معمور تھے یا پھر کانگرسی رہنماؤں کے دوش بدوش کام کرنے اور اُن کے خیالات سنتے رہنے سے ان میں محبت وطن کا احساس پیدا ہو گیا تھا۔ ایسی حالت میں مسٹر جناح کی یہ ضد ہے کہ وہ کانگرس سے مسلمانوں کی علحدگی کو کانگرسی رہنماؤں کے طرز عمل کا نتیجہ قرار دیتے ہیں۔ جہاں تک ہندو مسلم سوال کا تعلق ہے کانگرس کے اصل رہنماؤں کے خیالات میں سابق سے کوئی تغیر نظر نہیں آتا بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ اسطرف جب سے پنڈت جواہر لال نہرو نے مسلم عوام میں اپنے وطن پرورانہ خیالات کی تبلیغ و اشاعت شروع کی ہے سرمایہ دار مسلمانوں کا ذکر نہیں لیکن عام مسلمانوں کی ہمدردیاں کانگرس سے بڑھتی جا رہی ہیں اور وہ کثرت سے اسکے ممبر بن رہے ہیں۔ یہ سچ ہے کہ کانگرس نے مسلم لیگ کا کوئی ممبر کیبنٹ میں نہیں لیا ہے لیکن اسکے کیا اسباب تھے؟

مصالحت کی گفتگو ہوتی رہی مگر ایسی صورت نہ نکل سکی کہ معاملات خاطر خواہ طے ہو جاتے۔ ظاہر ہے کہ کانگرس کسی ایسے ممبر کو اپنے میں کیونکر شامل کر سکتی تھی جو اس کی پالیسی کو عین موقع پر نقصان پہنچا دے۔ مشترکہ ذمہ داری کا اصول جمہوری قواعد و ضوابط کے بالکل مطابق ہے۔ کانگرس اُسے کیونکر نظر انداز کر سکتی تھی بہ بعد میں بھی جو کانگرسی حکومت قائم ہوئی ہے اس میں بھی یہ اصول ترک نہیں کیا گیا۔ خود کانگرسی ممبروں نے ایک معاہدے کے ذریعہ سے اپنے کو کانگرس کے ضبط و نظام کا بالکل پابند کر لیا ہے۔ اسکے علاوہ اگر مسلم لیگ کا کوئی ممبر وزارت میں نہیں لیا گیا تو اسکے یہ معنی نہیں ہو سکتے کہ کانگرس کی پالیسی ہندوانہ ہے مسلم لیگ قطعاً عوام مسلمانوں کی نمائندہ نہیں ہے۔ اسکے جو رہنما ہیں انھیں عام مسلمانوں کے درد دکھ سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ اسوقت جو پروگرام بنائے جا رہے ہیں ان میں کانگرس ہی کی تقلید کی جا رہی ہے اگر مسلم لیگ واقعی عوام مسلمانوں کی نمائندہ ہے اور اُسے غریبوں اور امیروں کی یکساں ہمدردی حاصل ہے تو پھر وہ کیوں مسلمانوں میں کانگرس کے براہ راست پیغام پہونچانے سے گھبرا رہی ہے؟ اُسے کشادہ پیشانی سے کانگرسی لیڈروں کو اس کا موقع دینا چاہئے کہ وہ اپنا پروگرام مسلمانوں کے سامنے پیش کریں۔ مسلم لیگ اگر واقعی عوام مسلمانوں کی نمائندہ ہے تو اسے کانگرس کے اس اقدام سے کوئی خطرہ نہیں ہونا چاہئے لطف یہ ہے کہ جناح نے کانگرسی حکومتوں کی بے قاعدگی پر تو بڑے زور سے حملہ کر دیا ہے لیکن اسپر نظر نہیں کی کہ پنجاب و بنگال کی مسلم حکومتیں بھی اسی جرم کا ارتکاب کر چکی ہیں کیا پنجاب و بنگال میں جو ہندو وزیر لئے گئے ہیں وہ ہندو ممبران کے معتمد علیہ ہیں۔ مسٹر جناح کو کانگرسی حکومتوں کا یہ تنکا دیکھنے سے پہلے مسلم حکومتوں کی آنکھ کا شہتیر بھی دیکھ لینا چاہئے تھا۔

اس کے گلے میں کوئی چیز لال رنگ کی ڈالی، پھر اس کا منہ چوم کر بڑی پھرتی سے کمرے میں گھس گئے۔

صبح کی خنکی ابھی باقی تھی۔ اور کنیز کے ہاتھ پاؤں ابھی کوئیں کے پانی سے بھیگے ہوئے تھے، اس لئے اسکو ہلکی ہلکی سردی لگ رہی تھی۔ مگر اس حادثہ سے اس کا سارا بدن ہمک سے جل اٹھا۔ ماتھے پر پسینہ کی بوندیں آگئیں۔ دل دھک دھک کرنے لگا، اور آنکھوں کے سامنے تارے ناچنے لگے۔ اس نے گھبرا کر چبوترے کا سہارا لیا۔ گھڑا اس پر رکھ دیا۔ اور دھیمی آواز سے کہنے لگی۔

"شبیر میاں، لونڈیوں سے دل لگی اچھی نہیں۔ میں تو مٹ جاوں گی آپ کا کچھ نہیں بگڑے گا۔"

نہ معلوم شبیر میاں کمرے میں تھے یا نہیں، اور کنیز کی آواز انہوں نے سنی یا نہیں کنیز نے حواس درست کئے۔ اور گھڑا اٹھا کر گھر چلی ادھر ادھر دیکھتی جاتی تھی کہ کسی نے دیکھا تو نہیں۔ مگر ابھی سناٹا تھا کوئی راہگیر نہیں تھا۔ چبوترے کے دوسری طرف چھپر کے نیچے ایک آدمی بیلوں کو کھول رہا تھا۔ مگر وہ آڑ میں تھا یہ دیکھ کر اس کے دل کو ڈھارس ہوئی۔ مگر شبیر میاں کی اس حرکت پر اس کو غصہ بہت آیا۔ اگر کوئی دیکھ لیتا، بغاطن نے کبھی نہ کبھی دیکھا ضرور ہے، نہیں تو پتہ کیسے چلا راستے میں اسکی نگاہ اپنے گلے پر پڑی۔ دیکھا۔ تو شیشے کا ترشا ہوا ایک ہار پڑا تھا چھوٹے چھوٹے بیر بہوٹی کے ایسے لال لال دانے تھے بیچ میں پھر سنگھار کا ایسا ایک پھول تھا۔ چلنے سے اس میں جنبش پیدا ہوتی تھی جس سے جگمگ جگمگ کر رہا تھا۔ اس کو دیکھ کر اس کے دل میں ایک لہر سی پیدا ہوئی۔ غصہ تو ویسا ہی رہا۔ مگر ساتھ ہی شبیر میاں کی محبت بھی زور کر آئی۔ اس نے جلدی سے گھڑا ایک ہاتھ سے سنبھال کر دوسرے ہاتھ سے ہار اتارا۔ اور اس کو کمر میں کھونس لیا۔ اور پھر گھر چلی گئی۔

ماں جھوٹا لیپ رہی تھی۔ باپ پلنگ پہ پاؤں لٹکائے ہوئے میٹھا حقہ گڑگڑا رہا تھا۔ چھوٹا بھائی منو مرغیاں کھول رہا تھا۔ کنیز نے گھڑا اسی کے بنے ہوئے چھوٹے سے چبوترے پر رکھ دیا۔ اور بولی۔

"اب میں اتنے سویرے پانی لینے نہیں جایا کروں گی۔"

ماں نے یہ سن کر منہ بگاڑ لیا۔ مگر کچھ بولی نہیں۔ باپ نے سنا کہ نہیں۔ منو بولا:

"اب میں سویرے سویرے مرغیاں نہیں کھولا کرونگا۔"

یہ کہکر اس نے مرغیوں کو کنیز کی طرف دونوں ہاتھوں سے ہنکا دیا۔

کنیز۔ دیکھو منو۔ مجھے یہ باتیں نہیں اچھی لگتیں۔ میری ہر بات کی نقل کرتا ہے میری ہر بات کی نقل کرتا ہے

منو — بڑی وہ بنی ہیں میں کیا نقل کرتا ہوں۔ میں نے کوئی بات تم سے کہی۔؟ منو نے پھر مرغیوں کو ہنکا دیا۔ اب کی ایک مرغی پھڑپھڑا کر کنیز پر آ گئی۔

کنیز — حرام زادہ، ٹھہر تو۔۔۔۔۔۔

منو فوراً گھر کے باہر بھاگ گیا۔

ماں "یہ کیا ہے کنیزا! تو ہر وقت منو کے پیچھے پڑی رہتی ہے اس نے اتنا ہی تو کہا تھا کہ میں سویرے سویرے مرغیاں نہیں کھولا کروں گا۔ اس میں کیا برائی ہے"

کنیز کی حرکت بیان کرتی۔ مگر اس کا دل بھرا ہوا تھا۔ رونا آگیا چپکے سے چھپر کے نیچے پلنگ پر لیٹ گئی۔ اور پھوٹ پھوٹ رونے لگی۔ ماں نے اٹھ کر مرغیوں کو گھر سے باہر نکال کر دروازے بند کر لئے باپ ویسے ہی حقہ گڑگڑاتا رہا تھا۔ بیچ بیچ میں کھانستا جاتا تھا۔ منو باہر ہی تھا۔ اور جب تک کنیز گھر میں تھی اس کے لوٹنے کی کوئی امید نہ تھی تھوڑا سا رو لینے کے بعد کنیز کے دل کی بھڑاس نکل گئی۔ اس نے چپکے سے کمر سے ہار نکالا۔ اور اسکو بچھونے پر پھیلا دیا۔ اب شبیر میاں پر غصہ بہت کم ہو چکا تھا۔ مگر یہ سوچ کر کانپ جاتی تھی کہ اگر کوئی دیکھ لیتا تو کیا ہوتا؟ ماں باپ مارتے مارتے میرا کیا حال کرتے۔ اور گاؤں میں کتنی بدنام ہو جاتی۔ مگر خیر اب کیا پروا کسی نے دیکھا تھوڑے۔ شبیر میاں کتنے اچھے لگتے ہیں۔ گورا گورا رنگ ہے۔ صاف صاف کپڑے پہنتے ہیں بال بہت درست رہتے ہیں۔ ان کے سفید پاؤں چپلوں میں کیسے اچھے لگتے ہیں۔ جب نیکر پہنے ہوئے بندوق ہاتھ میں لئے شکار سے واپس آتے ہیں، تو معلوم ہوتا ہے کہ انکے پاس گئے اور تمام خطروں سے بچ گئے۔ وہ سچ مچ محبت کرتے ہیں۔ ورنہ سویرے سویرے اٹھ کر گھنٹوں انتظار میں کیوں بیٹھے رہتے۔ میرے ستانے کی کیا کیا ترکیبیں کیا کرتے ہیں۔ انہوں نے پیالہ بھر سرخ رنگ ڈال دیا تھا۔ میں کتنی گھبرا گئی تھی کہ اماں دیکھیں گی تو کیا کہیں گی۔ اور پھر کنوئیں پر دھونے گئی۔ مگر وہاں پہونچتے پہونچتے رنگ اڑ گیا۔

کنیز نے ہار گلے میں پہن لیا۔ اور کوٹھری کے اندر جا کر آئینہ دیکھنے لگی یہاں ابھی اندھیرا تھا۔ اس لئے کچھ صاف نظر نہیں آیا اتنے میں ماں کی آواز آئی"

"زمیندار صاحب کے یہاں نہیں جائے گی، ابھی کوئی بلانے آتا ہوگا پھر گھر میں مار بھی پڑے گی۔"

کنیز نے جلدی سے ہار اتار کر کمر میں کھونس لیا۔ ببر آئی کو ملکر چبا کر دانت مانجے پھر ایک ٹوٹی سی کنگھی جس کے آدھے دانے میل سے بند تھے طاق پر سے اٹھا کر مانگ درست کی، اور زمیندار صاحب کے یہاں چلی۔

اب اس کو دوسری فکر دامنگیر ہوئی۔ اکثر ایسا ہوتا کہ شبیر میاں ڈیوڑھی میں چھپے ملتے۔ اور اس کا راستہ روک کر کھڑے ہو جاتے۔ گدگداتے۔ اور گالوں پر ہاتھ مارتے اور پھر اپنے کمرے میں جس کا ایک دروازہ ڈیوڑھی میں کھلتا تھا۔ گھس جاتے اسکا غصہ تو بجھ چکا تھا۔ اور دل ہی دل میں اس خیال سے کہ شبیر میاں اس کے انتظار میں کھڑے ہونگے خوش ہو رہی تھی۔ اب تو بوسہ کے خیال میں بھی اس کو مزا ملتا تھا۔ مگر اس مزے میں ایک عجیب قسم کا ڈر ملا ہوا تھا۔ ایسا نامعلوم ڈر جو بچوں کو اندھیرے میں لگتا ہے۔ مگر یہ کر کیا سکتی تھی۔ زمیندار صاحب کی ڈیوڑھی سے گذرنا ہی تھا۔ کہ پھاٹک تک تو آہستہ آہستہ گئی وہاں پہونچنے پر ذرا رکی۔ پھر زن سے دوڑ کر ڈیوڑھی پار کر گئی۔

زمیندار صاحب کی بہو۔ شبیر میاں کی بڑی بھاوج زچہ خانے میں تھیں آج کل کنیز انھیں کا کام کرتی تھی، انکی طبیعت میں حکومت بہت تھی۔ بات بات پہ کنیز کو ڈانٹا کرتی تھیں۔ اکثر ذرا سی غلطی پر مار بھی پڑ جاتی۔ آج کو نہ اماں کر اپنے کے لئے دیر سے منتظر تھیں کنیز کو دیکھتے ہی برس پڑیں دور ہی سے ایک ڈانٹ بتائی قریب آتے آتے پنکھا کھینچ مارا۔ مگر نشانہ خالی گیا۔ اب کسی دوسرے حربہ کی تلاش ہوئی، تکئے، چادریں۔ پاندان، پانی سے بھرا لوٹا سامنے تھا۔ اور شاید لوٹے کی باری آتی۔ مگر جوتیوں پر نگاہ پڑ گئی۔ ایک اٹھا کر کھینچ ماری جو اتفاق سے کنیز پر جا پڑی۔ اگر سیدھی نکلی چلی جاتی تو کنیز کی اور شامت آتی۔ مگر طوفان اب بھی نہیں تھما۔ کوسنوں کی بوچھار جاری تھی اتفاق سے شبیر میاں آ گئے۔ انہوں نے بھاوج کی اس فرعونیت پر دو چار فقرے کسے جس سے وہ خاموش ہو گئیں۔ اور کنیز کی جان بچ گئی۔

کنیز نے چپکے سے کوڑا اٹھا لیا۔ اور صاف کرنے چلی گئی۔ مگر نہ جانے کیوں ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ شبیر میاں مجھے گھور رہے ہیں۔ ایک مرتبہ کام کرتے کرتے

# مسلم لیگ ۱۹۳۷ء

آنند نرائن ملا

جہاں سے اپنی حقیقت چھپائے بیٹھے ہیں
یہ "لیگ" کا جو گروندا بنائے بیٹھے ہیں

پڑے ہوئے ہیں نگاہوں پہ پردہ ہائے ریا
دلوں سے نقشِ صداقت مٹائے بیٹھے ہیں

زباں پہ دامنِ یوسف کی داستانیں ہیں،
نظر کو خوابِ زلیخا بنائے بیٹھے ہیں

بھڑک رہی ہے تعصب کی دل میں چنگاری
چراغِ عقل و حقیقت بجھائے بیٹھے ہیں

ہراک کے دین پہ الزام کافری رکھکر
ہر ایک کفر پہ ایمان لائے بیٹھے ہیں

سجائے بیٹھے ہیں دوکان وطن فروشی کی
ہر ایک چیز کی قیمت لگائے بیٹھے ہیں

قفس میں عمر کٹے جی میں ہے غلاموں کے
چمن کی راہ میں کانٹے بچھائے بیٹھے ہیں

نہیں شریک مصیبت میں "ہند" کی لیکن
عراق و شام سے رشتے ملائے بیٹھے ہیں

گرائی ایک پسینہ کی بوند بھی نہ کبھی
متاعِ قوم میں حصہ بٹائے بیٹھے ہیں

ہر ایک گل کی طرف ہیں دراز دستِ ہوس
ہر ایک خار سے دامن بچائے بیٹھے ہیں

خدا کی شان، اسی سر کی رفعتوں پہ غرور
جو آستانِ عدو پر جھکائے بیٹھے ہیں

بھلا وہ قوم کو کیا دیں گے درسِ آزادی
جو آیتِ وطنیت بھلائے بیٹھے ہیں

وہ ہاتھ تیغِ سیاست کو کیا سنبھالیں گے
جو بزمِ عیش میں مہندی رچائے بیٹھے ہیں

نہ جوشِ حبِ وطن ہے نہ جذبۂ ایثار
عمل کے نام سے آنکھیں چرائے بیٹھے ہیں

کوئی بتائے انھیں آزمائیں ہم کب تک
ہزار بار جنھیں آزمائے بیٹھے ہیں۔

# بحر روم کی سیاست

از عشرت علی صدیقی

جنگ عظیم سے قبل جرمن اپنے دشمنوں کو کمزور خیال کرکے امن وچین کے نشہ میں مست تھے لیکن جنگ میں ذلت اور تباہی سہنے کے بعد انکو اپنی غلطی کا احساس ہوگیا۔ بالکل یہی واقعہ حال میں برطانیہ کے ساتھ پیش آیا۔ وہ طاقت کے زعم میں انگڑائیاں لے رہی تھی اور اسکے مدبرین واشنگٹن و لندن میں اس بات کی کوشش کر رہے تھے کہ ساتوں سمندروں میں جاپان کو دبا کر امریکہ کی ہمسری کریں کہ مسولینی کو فتح کا خبط سوار ہوا اور اسنے برطانوی بیڑے کو بحیرۂ روم سے نکال باہر کیا۔

جاپان کی مخالفت کیوجہ سے بحری تخفیف اسلحہ کانفرنس بغیر کسی نتیجہ پر پہنچے ختم ہوگئی اور برطانوی سامراج نئی نئی چالیں سوچنے لگی اسکو خبر نہ تھی کہ مسولینی کی قیادت میں اٹلی بڑھکر اسکے لئے مار آستین ہو جائیگا۔ اسی سلسلہ میں ایک واقعہ خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ فتح حبشہ کے زمانہ میں بحر روم میں برطانوی بیڑے کے افسر اعلیٰ ایڈمرل فشر تھے۔ اٹلی نے اپنے جنگی سامان کے کارخانے دکھانے کیلئے مدعو کیا اور وہ انکی طاقت سے اتنا مرعوب ہوئے کہ حکومت کے ذراسے اشارہ پر برطانوی بیڑے کو بحر روم سے ہٹا لینے پر راضی ہوگئے۔ غرضکہ اب اٹلی اتنا طاقتور ہوگیا ہے کہ اس کی ذات سے بحر روم میں برطانوی سامراج کو سخت خطرہ پیدا ہوگیا ہے اور اس حقیقت نے یورپ کی سیاست میں ایک نیا ورق پلٹ دیا ہے۔

بحر روم کی تاریخ بہت پرانی ہے۔ اسی کی وجہ سے یورپ کے مشرقی حصہ میں پیداوار بڑھی اور تجارت کو فروغ ہوا اور ایسی تہذیب کی بنیاد پڑی جو سارے یورپ سے اعلیٰ وارفع تھی۔ کچھ ہی دنوں بعد سمندری ڈاکوؤں نے تجارت کو غیر محفوظ بنا دیا لیکن دوسری طرف مشرقی ممالک سے برطانیہ کی تجارت بڑھ رہی تھی۔ اور تجارت کی حفاظت کے لئے اسنے ڈاکوؤں کو مار بھگایا اور رفتہ رفتہ ضروری بندرگاہوں پر بھی قبضہ جما لیا۔

۱۶۶۲ء میں پرتگال سے عہدنامہ کرکے اسنے اپنے بیڑے کے لئے لسبن کے بندرگاہ میں حقوق حاصل کرلئے اس طرح بھاپ کی ایجاد سے پہلے تمام سمندروں میں اس کا اثر قائم ہوچکا تھا۔ ۱۸۰۰ء میں فرانس کی کمزوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس نے نووا اسکاشیا۔ نیوفاؤنڈلینڈ اور دوسرے بندرگاہوں کے ساتھ جبرالٹر کو بھی حاصل کرلیا۔ ۱۸۵۶ء میں جنگ کریمیا کے بعد صلحنامہ پیرس کی رو سے اسنے بحر اسود میں روس کا داخلہ بند کردیا۔ حالانکہ روس راضی نہ تھا مگر اس میں مقابلہ کی طاقت ہی نہ تھی۔ اسکے بعد برطانیہ نے عربوں سے عدن اور مصریوں سے پورٹ سعید اور اسکندریہ حاصل کرلیا موخرالذکر دونوں بندرگاہ بظاہر آزاد کردیے گئے ہیں لیکن جنگ کے وقت وہ برطانوی بیڑوں کیلئے مستقر کا کام دینگے۔ فلسطین میں اس نے حیفہ اپنے قبضہ میں کرلیا۔ ان اہم مقامات کے علاوہ مالٹا اور سائپرس کے جزیروں اور نہر سوئز پر پورا پورا قبضہ کرکے جنگ عظیم کے بعد برطانیہ بحر روم کی مطلق العنان مالکہ بن گئی۔

یورپ کی تاریخ میں ۵ مئی ۱۹۳۶ء کا دن سرخ حرفوں سے لکھا جائیگا اٹلی کے سپہ سالار مارشل بیڈ گلیو نے اسی دن ادیس ابابا میں داخل ہوکر لیگ اقوام کی کمزوری کو عالم آشکارا کردیا اور برطانیہ کو بھی بتا دیا کہ اسکی گیدڑ بھبکیوں میں آنے والا نہیں ہے۔ اس ضرب سے بحر روم اور افریقہ میں برطانوی سامراج کو زبردست دھکا پہنچا۔ اٹلی ایک ایسے براعظم میں پہنچ گیا جسکا دو تہائی رقبہ برطانیہ کے زیر سایہ ہے۔ اب تک صرف برطانیہ کو نہر سوئز کی ضرورت تھی لیکن اب وہ اٹلی کے لئے بھی ضروری ہوگیا اور ڈر ہوگیا کہ حبشہ کی قدرتی دولت تجارت اور کاشتکاری سے اٹلی کی تجارت بھی اپنے پیروں پر کھڑی ہوجائے گی۔ بحر احمر میں اٹلی کا بندرگاہ مسوا مشرقی افریقہ کی دولت سے مالا مال ہوکر اس سمندر میں برطانوی بیڑوں کے لئے تشویشناک ہو رہا ہے، اور اسکو بحر ہند میں بھی اٹلی کیطرف سے خطرہ پیدا ہوگیا ہے۔ مالٹا کے لئے اٹلی اور برطانیہ بہت دنوں تک جھگڑتے رہے لیکن سسلی کے جنوب میں اٹلی کا ہوائی مستقر قائم ہوجانے سے اسکی اہمیت بہت کچھ کم ہوگئی ہے۔ اٹلی کی ہوائی طاقت کو یورپ میں اسدرجہ اہمیت حاصل ہے کہ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ کچھ عرصہ میں برطانوی سامراج کے رسل و رسائل فسطائی رحم کے محتاج ہوگئے۔ اب اطالوی طیارے چند گھنٹوں میں وہاں پہنچکر حملہ آور ہوسکتے ہیں۔ گذشتہ سال سر سیموئل ہور نے بحر روم کا معائنہ کرنیکے بعد برطانوی پارلیمنٹ میں برطانوی مقبوضات کی حفاظت کے لئے بحر روم اور دوسرے مقامات میں برطانوی اقتدار کی ضرورت کو بیان کیا۔ اسکو سنکر اطالوی وزیر نے جواب دیا کہ اٹلی کے طیارے بھی ہر وقت مقامات کی حفاظت کرتے رہتے ہیں۔

۱۹۳۵ء تک برطانیہ کی بحری طاقت ۱،۲۶۴،۹۹۰ ٹن اور اٹلی کی ۱۴، ۹۲۹۵ ٹن تھی لیکن اٹلی کے پاس ۷۵ آبدوز جہاز تھے اور برطانیہ کے پاس صرف ۵۰ تھے۔ اسکے علاوہ برطانیہ کی ذمہ داری بھی اٹلی سے زیادہ تھی ہے، اسکو اپنی سمندری تجارت، اور رسل و رسائل کی حفاظت کے علاوہ آسٹریلیا اور ہندستان کو جاپان سے اور جنوبی افریقہ کو جرمنی سے بچانا ہے اور بحر روم میں اپنے مقبوضات کو اٹلی کی دستبرد سے محفوظ رکھنا ہے۔ اسکے برخلاف اٹلی کی ذمہ داری بحر روم ہی تک محدود ہے۔ اسکے بیڑے کا کام صرف اس پر ختم ہوجاتا ہے کہ اسکے جہاز نہر سوئز اور درہ دانیال سے آزادانہ گذر سکیں۔

برطانیہ کیلئے اپنی کل طاقت بحر روم میں اکٹھا کرنا امر محال ہے۔ اسلئے دوسرے ساحلی ممالک سے تعلقات قائم کرنے شروع کئے ہیں یوگوسلاویہ سے دوستی کا مطلب صرف یہ تھا کہ ڈالمیشیا میں اقلیتوں کا سوال اٹھاکر اٹلی اور یوگوسلاویہ کو لڑا دیا جائے یونانیوں کے ساتھ اظہار ہمدردی اور وہاں کی حکومت میں دلچسپی لینے میں بھی یہی چال ہے۔ ترکی کو مسلح دیکھنے کیلئے برطانیہ اسقدر بے چین ہے کیونکہ خواہش یہ ہے کہ اٹلی کو چاروں طرف دشمنوں سے گھیر دیا جائے۔ اٹلی کے نزدیک حیفہ سے عدن تک ریلوے لائن بنانے کی تجویز سے برطانیہ یہ چاہتی ہے کہ اپنے لئے نہر سوئز کے بجائے دوسرا راستہ بنائے اور لڑائی کے وقت نہر سوئز کو بند کرکے اٹلی اور اسکے مقبوضات کے درمیان آمدورفت روک سکے۔ مصر کو آزادی دینے کا خاص سبب یہی ہے کہ برطانیہ نہر سوئز کے علاقہ میں اپنی فوج رکھنا چاہتی ہے۔

برطانیہ کی ان چالبازیوں سے اٹلی میں بہت سے شکوک پیدا ہوگئے چنانچہ مسولینی نے یکم نومبر ۱۹۳۶ء کو اپنی تاریخی تقریر میں برطانیہ سے استدعا کی کہ وہ بحر روم کے متعلق اٹلی سے کوئی سمجھوتہ کرلے۔ ساتھ ہی ساتھ اسنے دھمکی بھی دی کہ [illegible] پڑنے پر اپنے حقوق کے بچاؤ کیلئے اٹلی کو جنگ کرنے میں کوئی پس و پیش نہ ہوگا اسنے کہا ”دوسروں کیلئے بحر روم شاہراہ ہے لیکن ہم اطالویوں کی وہ جان ہے“

اس دھمکی نے جادو کا اثر کیا۔ جنوری ۱۹۳۷ء میں بحری طاقت کے متعلق کوئی قول وقرار کئے بغیر برطانیہ نے بحر روم کے معاہدے پر دستخط کر دئے اس سے گویا اسنے تسلیم کر لیا کہ بحر روم میں اسکے اور اٹلی کے مفاد واقعی ٹکراتے ہیں اور دونوں کی کشمکش جنگ سے دور نہیں ہو سکتی۔ اس قسم کے عہدناموں کا مقصد جنگ کے امکانات کو ختم کر دینا نہیں بلکہ اسکو کچھ عرصہ کے لئے روک دینا ہوتا ہے۔ برطانیہ نے عہدنامہ پر دستخط کئے اس لئے نہیں کہ اسے اٹلی کے نظریے سے اتفاق تھا۔ اسکا منشا صرف یہ تھا کہ صورت حال بد سے بدتر نہ ہونے پائے۔

اگر نوبت یہیں تک رہتی تو ممکن تھا کہ کچھ عرصہ تک مزید پیچیدگیاں نہ پیدا ہوتیں۔ لیکن اسپین کی خانہ جنگیوں نے اٹلی اور برطانیہ کے درمیان پھر بے لطفی پیدا کر دی برطانیہ سے صلح کے بعد اٹلی نے یوگوسلاویہ سے راضی نامہ کر کے ڈانیلیا میں اطالیوں کے قبضہ کو ختم کر دیا تھا۔ امیر سیلان مہاراجہ کی وزیر نے کا زنٹ کیانو سے ملاقات کی اور اٹلی صلح پر راضی ہو گیا تھا۔ اس طرح بحر روم کے مشرقی ممالک کی کشمکش کم ہو چکی تھی اسپین میں فسطائی حکومت قائم کرنے کی امید پر مسولینی نے باغی لیڈر فرانکو کو مدد دینا شروع کی۔ اسے اسکو بحر روم کے مشرقی حصوں میں فائدہ کی امید ہے اور ممکن کیا یقین ہے کہ باغیوں کی فتح سے جبرالٹر برطانیہ کیلئے بہت کچھ بیکار ہو جائیگا۔ جرمنی البتہ اسپین کی کشمکش میں جال پھیلا رہا تھا اور اس سے بھی اٹلی کو نفع کی توقع تھی۔

ان واقعات نے جنوری ۱۹۳۷ء کے عہدنامے سے خوشگوار تعلقات ختم کر دئے۔ برطانیہ نے حسب دستور پھر ایک کمیٹی "عدم مداخلت کمیٹی" کے نام سے بنائی جسکا مقصد یہ تھا کہ ملکی باشندوں کو موقع دیا جائے کہ اپنی قسمت کا فیصلہ آپ کر سکیں۔ لیکن سبکو معلوم ہے کہ یہ ترکیب دنیز پہرہ دینے کی اسکیم کیونکر ناکامیاب رہی۔ اس اثنا میں اٹلی کے اخباروں نے برطانیہ کے اور برطانیہ والوں نے اٹلی کے خلاف خوب زہر اگلا اظہار نفرت کیا جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ باہمی کشمکش نے پھر نہایت ہی خطرناک صورت اختیار کر لی۔

اسی زمانہ میں بحر روم میں ایک نئی صورت پیدا ہو گئی۔ چند نامعلوم ڈاکہ زن آبدوز جہازوں نے لوٹ مار شروع کر دی۔ مسٹر ایڈن نے اپنی گذشتہ ناکامیوں پر پانی ڈالنے کی غرض سے نیون کانفرنس منعقد کی جسکا مقصد تھا کہ اس لوٹ مار کو روکا جائے۔ ان ڈاکوؤں کا عرصہ تک پتہ نہیں چلا لیکن آخر کار پول کھل گیا اور روس و اسپین کے نمائندوں نے صاف صاف کہدیا کہ اسکی ذمہ داری صرف اٹلی پر تھی۔ دراصل اسکا مقصد دوسروں کے جہازوں کو تباہ کرنا نہیں بلکہ دھمکی دے کر دوسرے ممالک اور خصوصًا برطانیہ سے مراعات حاصل کرنا تھا کانفرنس نے سمندر میں پہرا دینے کیلئے مختلف طاقتوں کو علیحدہ علیحدہ علاقے دئے۔ شروع میں اٹلی اور جرمنی اس گفت وشنید سے الگ رہے لیکن ایک بالکل غیر متعلق علاقہ یعنی ٹیرینی روبر کو شامل کر لیا گیا مگر اب اٹلی بھی راضی ہو گیا ہے اور امید ہے کہ بحر روم میں اب ڈاکہ زنی ختم ہو جائے گی۔

اس سمجھوتے کے باوجود بھی برطانیہ اور اٹلی کی کشمکش ابھی ختم نہیں ہوئی ہے۔ حال میں مسٹر چیمبرلین اور مسولینی کے درمیان جو خط وکتابت ہوئی ہے اس میں بحر روم کے معاملہ کا خاص طور پر ذکر تھا۔ برطانیہ اور اٹلی دونوں کو اس سمندر کی یکساں ضرورت ہے۔ اگر برطانیہ کو اپنی مقبوضات پر قبضہ قائم رکھنا ہے تو اسے اٹلی سے اول یا آخر صلح کرنی پڑے گی اور اگر اٹلی کو حبشہ پر حکومت کرنا ہے تو اسکو بھی برطانیہ سے صلح کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔ اس طرح ان دونوں طاقتوں کے درمیان مفاہمت کے کافی امکانات ہیں اور موجودہ کشمکش کی وجہ صرف یہ ہے کہ برطانیہ اپنے مقبوضات میں سے ایک چپہ بھی کسی کو دینا نہیں چاہتا اور نہ اپنی تجارت میں کسی کو شریک کرنا چاہتا ہے۔ اور مسولینی قدیم سلطنت روما کا خواب دیکھ رہا ہے اور اسی غرض سے وہ دنیا کی تمام طاقتوں کو جنگ کی دھمکی دے رہا ہے لیکن بہت ممکن ہے کہ جلد ہی یہ دونوں طاقتیں اپنی اپنی موجودہ مقبوضات پر حکومت کرنے کی غرض سے آپس میں کوئی دیرپا سمجھوتہ کر لیں کیونکہ جنگ سے دونوں کا نقصان ہے۔

# کمزور پودا

پانی بھرتے بھرتے بفاطن نے ادھر ادھر دیکھا۔ پانی بھرنے والیاں دور جا چکی تھیں صرف کنیز پاس تھی۔

"کنیز! تجھ سے ایک بات کہوں خبردار زبان سے نہ نکالنا۔ ورنہ تیرا کچھ نہیں جائے گا میں مر جاؤں گی تیرے بھلے کی کہتی ہوں۔"

کنیز کا دل دھک سے ہو گیا۔ سمجھا سے خیال گذرا کہ بفاطن نے شبیر میاں کو مجھ سے اشارے کنائے کرتے دیکھ لیا ہے۔ ذرا گھبراتی ہوئی بولی۔

"کہو"

بفاطن گھڑا رکھ کر کوئیں کی جگت پر بیٹھ گئی۔ اور کنیز کو بھی اشارے سے بٹھا لیا۔

"شبیر میاں..........."

بفاطن کچھ کھنکھار کر بولی۔

"شبیر میاں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تیرے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔ ان کا کچھ نہیں جائے گا۔ تیری زندگی بگڑ جائے گی۔ اور تیرے مَیا باوا کا نہ معلوم کیا ہو۔"

کنیز کا رنگ اڑ گیا۔ جواب کیا دیتی۔ بفاطن سن میں اس کی ماں کے برابر تھی اور جو کہہ رہی تھی اسی کے بھلے کو کہہ رہی تھی۔ بفاطن یہ کہہ کر گھڑا اٹھا کر چلتی ہوئی۔ کنیز نے بھی گھڑا بغل میں دبایا۔ اور گھر کی طرف چلی لیکن سوچ رہی تھی کہ شبیر میاں کے کمرے کے نیچے سے گذرنا ہوگا۔ وہ چھیڑ ضرور کریں گے۔ کنیز نے ابھی تک ان کی چھیڑ کا کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ مگر سب ضرور کرنے لگی تھی۔ یہی لالچ تھا جو اس کو اتنے سویرے کوئیں پر لے جاتا۔ اگر کبھی شبیر میاں کمرے میں نہیں ملتے تو اس کا دل بجھ سا جاتا۔ اور پھر دن بھر افسردہ رہتی۔ اکثر اس کا دل چاہتا تھا کہ شبیر میاں اور زیادہ چھیڑ کریں میں دکھاوٹی ناراض ہوں۔ مگر وہ اس کی پروا نہ کریں۔

کوئیں سے ہٹ کے ہی زمیندار صاحب کا مکان تھا۔ رستے کے برابر کندھوں تک اونچا چبوترہ تھا جس پر ایک بڑا سا مردانہ کمرہ تھا۔ دروازوں پر چقیں پڑی تھیں۔ اندر فرش بچھا تھا۔ اس پر صاف چاندنی تھی۔ بڑی بڑی پیلی پیلی کرسیاں تھیں۔ کنیز سوچا کرتی تھی کہ ان پر بیٹھنے سے بڑا سکھ ملتا ہوگا۔

کنیز کی آنکھیں پلکوں پر جمی ہوئی تھیں۔ اور سوچ رہی تھی کہ دیکھا چاہئے آج شبیر میاں کیا سوانگ نکالتے ہیں۔ کوئی فقرہ کستے ہیں، پانی چھینکتے ہیں، یا ڈھیلا مارتے ہیں۔ کہ اتنے میں پیچھے سے شبیر میاں تیزی سے آئے۔ بڑی پھرتی سے

غلطی سے یہ مضمون صفحہ [illegible] پر [illegible]

# ہندی کو ملکی زبان بنانیکا الزام

اسی طرح مسٹر جناح کی یہ شکایت بھی کوئی وزن نہیں رکھتی کہ کانگرس ہندی کو عام ملکی زبان بنا رہی ہے۔ جہانتک کانگرس کا تعلق ہے اس کا نصب العین زبان کے بارے میں یہی ہے کہ ہندستانی ۔ (جس میں ہندی اور اردو دونو شامل ہیں اور امتیاز محض رسم خط کی بنا پر پیدا ہوتا ہے) کو عام ملکی زبان بنا دیا جائے۔ کانگرس کی پالیسی نہ تو اس اردو کے موافق ہے جو فارسی اور عربی کی آمیزش سے گرانبار بنا دیجائے اور نہ وہ اس ہندی کے موافق ہے جو سنسکرت کے الفاظ سے مغلق اور ثقیل کردیجائے۔ یہ سچ ہے کہ بعض افراد اپنی ذاتی حیثیت سے اسی طرح سنسکرت آمیز ہندی کے سرگرم حامی ہیں جسطرح بعض مسلمان معرب اردو کے مگر انکے خیالات کی ذمہ داری کانگرس پر کسی منطق سے عائد نہیں کیجاسکتی۔ لطیفہ تو یہ ہے کہ مسلم لیگ کے حامی جو اردو کو ہندستان کی عام زبان بنا دینے کے وکیل ہیں اسکو خود مسلم لیگ کی کاروباری زبان بنانے کے لئے تیار نہ ہوئے۔ ایسے غیر عملی افراد اردو کے لئے کیا مفید ہوسکتے ہیں ۔؟

# بندے ماترم کا مسئلہ

مسٹر جناح کا یہ فرمانا بھی نہایت دلچسپ ہے کہ بندے ماترم کا گیت کانگرس زبردستی ہم پر عائد کر رہی ہے۔ جو مسلمان کے لئے دل آزار ہے۔ مسٹر فضل الحق نے بھی جو بنگال کی وزارت عظمیٰ کے عہدے پر فائز ہیں اپنی غیر ذمہ دارانہ مشہور آفاق تقریر میں اس گیت سے نفرت کا اظہار کیا ہے۔ کیا مسٹر جناح اور آنریبل مسٹر فضل الحق سے یہ دریافت کیا جاسکتا ہے کہ اب سے پہلے آپ کہاں تھے ؟۔ یہ نغمہ تو اس زمانے سے کانگرس پلیٹ فارم پر گایا جا رہا ہے جب آپ حضرات اُسکے سرگرم ممبر تھے۔ وہ نغمہ جو اب تک آپ حضرات کے لئے برابر "فردوس گوش" بن رہا تھا، آج دفعتاً "جہنم گوش"، کیونکر بن گیا۔ اس رمز کو آپ ہی خوب سمجھ سکتے ہیں۔

یہ ٹھیک ہے کہ بندے ماترم کا ترانہ اپنی زبان کے غیر مانوس ہونے کی وجہ سے ہمارے لیے کوئی دلکشی نہیں رکھتا اور اس لئے وہ اس عنصر سے محروم ہے جو قومی نغمہ میں ہونا چاہیئے۔ اسکے علاوہ وہ ہماری انقلاب پسندانہ ذہنیت کو بھی متاثر کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا اس لئے ہمیں امید ہے کہ بندے ماترم کی جگہ کوئی ایسا ترانہ لے لیگا جس میں ہماری موجودہ ذہنیت کا ساتھ دینے کی صلاحیت ہو اور جسکی ہر لفظ ہمارے دل میں جذبۂ وطن پروری کا طوفان برپا کردے مگر یہ نقطۂ نظر دوسرا ہے۔ مسٹر جناح نے جس فرقہ وارانہ رنگ میں اس گیت کے خلاف احتجاج کیا گیا ہے اس کی شان نزول بالکل ہی دوسری ہے۔ اسکی ذریعہ سے باہمی تفریق کو ایک قدم اور آگے بڑھانے کی سعی کی گئی ہے جس کی ہمت افزائی کوئی سچا مسلمان نہیں کرسکتا۔ اگرچہ جہانتک اس گیت کا تعلق ہے اسمیں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو مسلمانوں کے جذبات کو حقیقتاً مجروح کرنیوالی کہی جاسکی لیکن یہ صحیح ہے کہ جس کتاب سے یہ گیت لیا گیا ہے اس میں مسلمانوں کے خلاف کچھ مواد موجود ہے مگر اسی کے ساتھ یہ بھی تو واقعہ ہے کہ یہ کتاب برطانوی سامراج (امپیریلزم) کی بھی حامی ہے۔ اگر اس نغمہ کا کوئی تعلق اصل کتاب کے کسی دوسرے جزو سے ملحوظ رکھا گیا ہوتا تو یقیناً کانگرس کی ایسی مکمل آزادی کی حمایت کرنیوالی جماعت کبھی اس کی اجازت نہ دیتی کہ اسکے پلیٹ فارم پر ایسا ترانہ گایا جائے۔ ہمارے ان معترضین کو صدر کانگرس پنڈت جواہرلال نہرو کے ان ارشادات سے تشفی ہو جانا چاہیئے تھی کہ نیشنل کانگرس نے باضابطہ طور پر کوئی قومی ترانہ منظور نہیں کیا ہے اور ابھی یہ سوال زیر غور ہے۔

# کانگرسی جھنڈے پر اعتراض

انڈین نیشنل کانگرس پر ایک اعتراض یہ بھی کیا گیا ہے کہ وہ کانگرسی جھنڈے کا احترام کرانے پر مصر ہے، اس شکایت کی بھی خواہمخواہ اہمیت دی گئی ہے۔ کانگرسی جھنڈا ملکی نشان کی حیثیت رکھتا ہے۔ آزادی وطن کی علامت ہے حریت پسندوں کی تنظیم کا ایک ضروری عنصر ہے اور اسے کوئی مذہبی حیثیت حاصل نہیں ہے۔ اسلئے بحیثیت ہندستانی ہونے کے ہمارا فرض ہے کہ اسکا احترام کریں۔ اس احترام کیوجہ سے ہمارا اسلام ہمسے غصب نہیں ہو جائیگا لیکن کیا اسی سلسلہ میں مسٹر جناح سے یہ پوچھا جاسکتا ہے کہ آپ نے مسلم لیگ کے نام سے اپنی طرف سے اسلامی جھنڈا جو بنایا ہے اور اسکا احترام جو عام مسلمانوں پر ضروری قرار دیا ہے اس کی حیثیت کیا ہے؟ کیا آپ کا یہ جدید جھنڈا سلطنت ترکیہ کا نشان نہیں ہے؟ اور کیا ایک غیر سلطنت کے نشان کا جس کا سرکاری مذہب بھی اسلام نہیں ہے احترام کرنا اپنے ملک سے غداری نہیں ہے؟ قیامت تو یہ ہے کہ آپ کے دست راست جناب مولانا ظفر علیخاں صاحب نے اسکے احترام کو ضروری قرار دیتے ہوئے یہانتک فرمایا ہے کہ جو اس سے ذرا بھی سرتابی کرے وہ کافر و مرتد ہے اور خصوصیت سے علمائے مذہب کو اس فتوائے تکفیر کا مخاطب قرار دیا گیا ہے۔ میں نہایت ادب سے عرض کرونگا کہ مسلم لیگ کی طرف سے جو یہ اقدام کیا گیا ہے اس میں وطن پرستی کا معمولی سا شائبہ بھی نہیں ہے، آپ یقین رکھیں کہ کوئی سچا مسلمان جسکے دل میں وطن کی محبت کا جذبہ موجزن ہے ایسے جھنڈے کے سامنے سر نہیں جھکا سکتا۔ مسٹر جناح کو یہ بھی واضح ہونا چاہیئے کہ سلطنت ترکیہ کا جو نشان انھوں نے قائم کیا ہے اسے مسلمانوں کے تمام فرقے قبول نہیں کرسکتے کیونکہ اس نشان کو مذہبی حیثیت حاصل ہے۔ چنانچہ ہمکو معلوم ہے کہ شیعوں کے بہت سے ذمہدار افراد اس نشان کے قائم کئے جانے پر برہم ہیں انکا خیال ہے کہ اگر ہندستانی رہنے کے باوجود بھی ہم کسی دوسرے ملک کا نشان لینے پر مجبور ہی ہیں اور اس معاملہ میں بھی اپنی فرقہ وارانہ ذہنیت سے الگ نہیں ہوسکتے تو پھر ایران کے نشان کو بھی کیوں نہ اہمیت دی جائے اور اسے بھی کیوں نہ شامل کیا جائے۔ میں اسکا پورا یقین رکھتا ہوں کہ مسلم لیگ کے نام سے اس قسم کے فرقہ وارانہ اقدامات سے سوائے مزید تفریق کے اور کوئی خدمت انجام نہیں دیجاسکتی۔

مسٹر جناح نے موجودہ کانگرسی لیڈروں کی ذہنیتوں کو ہندوانہ ثابت کرنے کیلیے جو زمین تیار کی تھی اوسکی واقعی حیثیت ظاہر ہوگئی اور یہ معلوم ہوگیا کہ انکا منشا ملک کی ان دو اہم جماعتوں میں اتحاد و اتفاق کی تخم ریزی نہیں ہے۔ بلکہ ان میں جو ارتباط کی کڑیاں موجود ہیں انھیں بھی کمزور کردینا ہے۔ اگرچہ مسٹر جناح آجکل جس جنگجویانہ ذہنیت کے ماتحت ملک کے موجودہ سیاسی مسائل پر غور کر رہے ہیں اسے دیکھتے ہوئے اس کی توقع نہیں کیجاسکتی کہ وہ آئندہ اس قسم کی بے بنیاد اعتراضات سے اپنی زبان و قلم کو آلودہ نہیں کرینگے تاہم عام مسلمانوں کو صحیح حالات کا ضرور اندازہ ہوسکے گا اور وہ ملک کی واحد نمائندہ جماعت انڈین نیشنل کانگرس میں زیادہ سے زیادہ شریک ہو کر اپنے وطن عزیز کو غلامی کی قید و بند سے آزاد کرنے میں پورا حصہ لیں گے۔

مہر [illegible] نمبر ۲ حیات اللہ انصاری ایڈیٹر و پبلیشر نے باہتمام گوادری لال سکینہ سلطانیہ برقی پریس نظیرآباد لکھنؤ سے چھپوا کر نیل روڈ نمبر ۲ سے شائع کیا۔

جلد ۱ نمبر ۱۴ | لکھنؤ ۷ نومبر ۱۹۳۷ء | فی پرچہ ۱؍ سالانہ ۳؍

## بندے ماترم

کانگرس ورکنگ کمیٹی نے بہت بحث و مباحثہ کے بعد بندے ماترم کے گیت پر فیصلہ کیا ہے۔ تمام باتوں کا خیال کرنے کے بعد کمیٹی سفارش کرتی ہے کہ جہاں کہیں بندے ماترم کا گیت قومی جلسوں میں گایا جائے۔ صرف پہلے دو بند گائے جائیں۔ ساتھ ہی ساتھ جلسہ کرنے والوں کو پوری آزادی ہے کہ وہ اسکی جگہ یا اسکے بعد کوئی دوسرا اپنا گیت جس سے کسی کو شکایت نہ ہو گائیں۔ یہ ماننا پڑتا ہے کہ جو درجہ بندے ماترم کے گیت کو قومی جد و جہد نے دیدیا ہے کسی گیت کو نہیں نصیب ہو سکتا۔ یہ کمیٹی ایک سب کمیٹی بناتی ہے جس میں مولانا آزاد، پنڈت جواہرلال نہرو، مسٹر سوبھاش بوس، و مسٹر نریندر دیو شریک ہونگے۔ یہ لوگ ان تمام مروجہ گیتوں پر جو انکے پاس بھیجے جائیں غور کریں گے، جو لوگ ایسے گیت تیار کرنا چاہتے ہیں وہ بھی اس کمیٹی کے پاس اپنے گیت بھیجیں۔ صرف ایسے گیتوں پر غور کیا جائے گا جو سادی ہندستانی زبان میں ہوں اور جوشیلی دلگداز دھن میں گائے جاسکیں۔ سب کمیٹی ڈاکٹر رابندرناتھ ٹیگور کا مشورہ بھی لے گی۔

بندے ماترم کے گیت کی اہمیت پر ورکنگ کمیٹی نے یہ بیان دیا ہے۔

یہ گیت مسٹر بنکم چندر چیٹرجی کی ناول "انند متھ" میں لکھا ہوا ہے۔ لیکن ان کی سرگذشت میں یہ بات ظاہر کردی گئی ہے کہ گیت ناول سے الگ تیار کیا گیا تھا بعد کو اس میں شامل کردیا گیا۔ اس لئے گیت کو کتاب کا جزو نہ سمجھنا چاہیئے۔ ڈاکٹر رابندرناتھ ٹیگور نے ۱۸۹۶ء میں اس کی دھن تیار کی۔ اس گیت کو اور بندے ماترم کے الفاظ کو حکومت نے جرم قرار دیدیا تھا۔ اور اسکو دباؤ و طاقت سے کچلنا چاہا۔

بنگال صوبہ کانفرنس کے مشہور اجلاس جو باریسال میں مسٹر رسول کی زیر صدارت اپریل ۱۹۰۶ء میں منعقد ہوا تھا۔ پولیس نے ڈیلیگیٹوں اور والنٹیرز پر سخت لاٹھی چارج کیا۔ انکے سینے پر سے بندے ماترم کے بیج نوچ لئے۔ بعض بعض ڈیلیگیٹ جو بندے ماترم پکار رہے تھے، اتنا مارے گئے کہ بیہوش ہوگئے۔ اسکے بعد سے تیس سال کے اندر جو قربانیاں ہوئیں، اور لوگوں نے جو مصیبتیں جھیلیں وہ سب اس گیت سے وابستہ ہوگئیں، عورتیں اور مرد بندے ماترم کے نعرے لگاتے ہوئے موت کے منھ میں گھس گئے۔ اس طرح یہ گیت بنگال خاص کر

ورنہ سارے ہندستان میں قومی فخر کا نعرہ بن گیا ہے جو لوگوں کے دلوں میں گرمی دوڑا دیتا ہے۔ اور سلام بن گیا ہے جو ہم کو اپنی قومی جد و جہد کو یاد دلاتا ہے۔ رفتہ رفتہ پہلے دونوں بند دوسرے صوبوں میں بھی پہونچ گئے۔ اور وہاں بھی اس سے قومی جذبات وابستہ ہوگئے۔ گیت کا یہ مقصد کبھی نہ تھا کہ ہندستان کے کسی طبقہ کو یا فرقہ سے برائی کی جائے، یا کسی جماعت یا فرقہ کی دل آزاری ہو، جو ہیں ۳۰ کروڑ کیطرف اشارہ ہے جو بتاتا ہے کہ یہ بنایا گیا تھا سارے ہندستان کے لئے کسی وقت بھی کانگرس نے اسکو، یا کسی اور گیت کو باقاعدہ طور پر ہندستان کا قومی ترانہ نہیں قرار دیا۔ لیکن عام استعمال نے اسکو یہ درجہ دیدیا۔

قومی ترانے کو نہ کوئی رائج کرسکتا ہے، اور نہ رائج ترانے کو کوئی بند کرسکتا ہے۔ اگر کانگرس کمیٹی کسی ترانے کو پسند کرکے گانے کا حکم دیدیتی تو بہت ممکن تھا کہ وہ سرکاری گیت (گاڈ سیو دی کنگ) بنکر رہ جاتا۔ بندے ماترم کے الفاظ کو بنگال سے باہر بہت کم لوگ سمجھتے ہیں۔ لیکن اب یہ یادگار بن گیا ہے حکومت کے مظالم کی، اور قوم کی قربانیوں کی، یہ قربانی کرنے والے جب اس نعرے کو سنتے ہیں انکے خون میں گرمی آجاتی ہے

لیکن یہ گیت زیادہ دنوں تک چل بھی نہیں سکتا کیونکہ اب جد و جہد کھاتے پیتے اوسط طبقے کے ہاتھوں سے نکل کر بھوک کے مارے مزدوروں اور کسانوں کے ہاتھوں میں آگئی ہے۔ انکو بھوک کی لگی ہے۔ اس لئے انکے جذبات میں گرمی



معذرت: پچھلے پرچہ میں "آجکل کا جہاد" منظر رضوی کا مضمون تھا غلطی سے نام چھپنا رہ گیا

اور تڑپ بہت زیادہ ہے۔ یہ گیت انکو کام نہیں دے سکتا۔ ہمارے فنکاروں کو وقت اپنے جذبات کا اظہار کرنے کے لئے انکو کوئی گیت چاہئے جسکی زبان سادہ ہو، دھن زبان پر چڑھ جائے۔ جن میں ان کی مصیبتوں کے تذکرے ہوں، اور لڑائی میں انکی جیت کا یقین۔ ایسے سیکڑوں گیت ہمارے شاعر لائیں گے، کوئی نہیں کہہ سکتا کہ کون مقبول ہوگا۔

## مسلم یونیورسٹی علیگڈھ

ناخدایان یونیورسٹی نے عبدالحامد زبیری (بی۔ اے۔ آخری سال) خلیل الرب (بی۔ اے آنرز) اور ضمیر احمد صدیقی (بی۔ اے) کو داخل کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ ابھی خبر ملی ہے کہ انصار الحق ہروانی (ایل۔ ایل۔ بی۔ آخری سال) کو بھی داخل کرنے سے انکار کر دیا۔ کہا یہ جاتا ہے کہ یہ لوگ، قانون کی پابندی میں کوتاہی کرتے تھے۔

طلبا کا یہ بیان ہے کہ قانون کی خلاف ورزی صرف بہانہ ہے، اس لئے کہ آجتک ہم لوگوں پر ایسا الزام نہ لگایا گیا، اور نہ کبھی اس جرم پر سزا دی گئی ہے۔ سزا صرف ہم لوگوں کی قوم پرستی اور فرقہ پرستی کی مخالفت کے جرم پر ہے۔

طلباء کے فیڈریشن نے ایک جانچ کمیٹی مقرر کی ہے۔ جسکے صدر سرور، جنرل سکریٹری پریم نرائن بھارگوا، اور ممبر ڈاکٹر زین العابدین احمد ہیں۔ ان لوگوں نے یونیورسٹی کے افسروں سے چند سوال کئے ہیں۔ اگر اس کا شافی جواب نہ ملا تو یہ لوگ یونیورسٹی جاکر معاملہ کی تحقیقات کریں گے۔ اور اصل واقعہ کو ملک و قوم کے سامنے پیش کریں گے۔

جو لوگ مسلم یونیورسٹی سے واقف ہیں، انکو طلباء کے بیان میں ذرا بھی شک نہیں ہوسکتا۔ اس یونیورسٹی کا عجیب و غریب حال ہے، یہاں کے اساتذہ حد سے زیادہ رجعت پسند اور فرقہ پرست، اور یہاں کے طلبا، ترقی پسندی میں اوسط طلبا کیلئے مثال۔ اور پورے قوم پرست، اساتذہ اپنے اعزاز کیلئے وائسرائے کی کونسل کے ممبروں کو بلاتے ہیں، انکا شاہانہ استقبال کرتے ہیں، اور خوش ہوتے ہیں۔ انکو برطانیہ کے سایۂ عاطفت میں پلنے پر فخر ہے۔ چند مہینہ ادھر جب گورنر نے یونیورسٹی کو سرفراز کیا تھا تو اساتذہ کی طرف سے جو ایڈریس پیش کیا گیا تھا۔ اس میں برکات دولت برطانیہ کا بہت بے صبری سے تذکرہ کیا گیا تھا۔ آجکل جبکہ ساری دنیا میں لڑائیاں ہو رہی ہیں، ہندستان میں اس فرشتۂ رحمت کی وجہ سے امن چین ہے۔ اسکے برخلاف طلبا، قوم پرست اور انقلابی لیڈروں کو بلاتے ہیں، ابھی ڈاکٹر محمود کا جس جوش سے استقبال ہوا، اور انکے سامنے جو تقریر ہوئی اس سے وہاں کی گرمی معلوم ہو جاتی ہے۔

اسی اختلاف کا اُبال پارسال کی اسٹرائک تھی، ایسی کامیاب اسٹرائک آجتک کسی یونیورسٹی میں نہیں ہوئی۔ اس میں خاص بات یہ تھی کہ طلبا، ڈر کر بھاگ نہیں گئے تھے بلکہ انھوں نے اپنی یونیورسٹی پر قبضہ کر لیا تھا اور رجعت پسند اساتذہ کے داخلہ کی ممانعت کر دی تھی۔

ایسی اسٹرائکیں ذرا سی بات پر نہیں ہوسکتیں۔ اور یہ چند بھڑکانے والوں کی کرامت ہوسکتی ہے، اسکے لئے بہت سخت جنبش کی ضرورت ہے۔ اور وہ پس منظر یہ ہے۔

طلبا، ملازمت کے لئے ترستے ہیں، ان میں سو میں سے بیشتر ایسے ہوتے ہیں جنکے ماں باپ، بھائی، بہن اپنا پیٹ کاٹ کر ان لوگوں کو تعلیم دلاتے ہیں صرف اس لئے کہ کہیں روزگار سے لگ جائیں گے۔ اساتذہ کے بس میں ملازمت دلانا نہیں ہے۔

اسلئے وہ کہتے ہیں کہ صرف پڑھنے کے لئے پڑھو، طلبا، کے دل میں اس حکومت کے خلاف نفرت موجزن ہوتی ہے جو ان کی روٹی کا کوئی سامان نہیں کرتی۔

اساتذہ اس حکومت کی تعریف کرتے ہیں، اور اس کی شان میں قصیدے قصائد پڑھتے ہیں۔ طلبا، اساتذہ کی اس دشمن پرستی پر اظہار ناراضگی کرتے ہیں، اساتذہ انکو سزا دیتے ہیں، اسی سزا کے شکار ہیں یہ چار طالب علم اگر یونیورسٹی کا رویہ یہی رہا تو ہم کو ڈر ہے کہ کہیں پھر نہ کوئی اُبال آئے۔ اور وہ نہ معلوم کیا صورت اختیار کرے۔

## فیڈریشن

آل انڈیا کانگرس کمیٹی میں مولانا ابو الکلام آزاد نے فیڈریشن کی مخالفت میں یک قرارداد پیش کی جسکا مطلب یہ تھا کہ کانگرس فیڈریشن کی مخالفت پر بدستور آمادہ ہے۔ اور کسی حالت میں اسکے قبول کرنے کے لئے تیار نہیں۔

اس بات پر بحث چھڑ گئی کہ فیڈریشن کو روکنے کی کیا ترکیب کی جائے۔ مسٹر سری پرکاش نے ایک ترکیب یہ بتائی کہ مرکزی اسمبلی میں ان تمام چیزوں کی مخالفت کیجائے جس کا فیڈریشن سے کسی نہ کسی طرح کا تعلق ہے۔ جیسے فیڈرل عدالت، پروفیسر رنگا نے کہا کہ صرف اسمبلیوں میں اور جلسوں میں فیڈریشن کے خلاف قراردادیں پاس کردینا کافی نہیں، بلکہ ہمکو سوچ لینا چاہئے کہ ہم اس بلا کا مقابلہ کیسے کریں گے۔ اگر اس کا مقابلہ ہوسکتا ہے تو ان تدبیروں سے جیسے کانگرس کی وزارتوں کا مستعفی ہو جانا فیڈرل اسمبلی کے الکشن کا بائیکاٹ کرنا، یا کانگرس کی وزارتوں کا مرکزی افسروں کی، انکے کاموں میں مدد کرنے سے انکار کر دینا۔ مثلاً ٹیکس کا وصول کرنا ہے، اگر ان تدبیروں پر عمل کیا گیا تو پھر فیڈریشن کا قیام ناممکن ہو جائیگا۔

بھولا بھائی نے جواب میں سری پرکاش کی بات مان لی اور وعدہ کیا کہ میں ایسی تمام تجویزوں کی مرکزی اسمبلی میں مخالفت کروں گا، اور دوسری تدبیروں کے لئے کہا کہ پہلے سے اپنی ترکیبوں کو ظاہر کرنا لڑائی کے فن کے خلاف ہے۔ جب وقت آئے گا تب اس پر غور کیا جائیگا۔

فیڈریشن میں والیان ریاست کو بہت زیادہ حق رائے دہندگی دیدیا گیا ہے۔ والیان ریاست برطانیہ کے سچے وفادار خدمتگذار ہیں اور کسی ایسی اسکیم کی تائید نہیں کر سکتے جو کسی طرح برطانوی سامراج کے مخالف ہو، دوسری طرف دونوں کا بھلا اسی میں ہے کہ عوام کے ہاتھوں میں طاقت نہ پہونچنے پائے۔ اس لئے والیان ریاست کے نمائندے خودبخود ان اسکیموں کی مخالفت کریں گے جن سے مزدوروں یا کاشتکاروں کا بھلا ہوتا ہو۔ صوبوں کی رجعت پسند جماعتیں جو درحقیقت اپنے منافع کے لئے لڑ رہی ہیں، والیان ریاست کے نمائندوں سے مل جائیں گی اور اس طرح رجعت پسندوں کی طاقت کانگرس سے بڑھ جائے گی۔ اسی امید پر حکومت فیڈریشن کو مسلط کرنے پر اتنا اصرار کر رہی ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ مزدور سبھاؤں، اور کسان سبھاؤں میں فیڈریشن کی مخالفت کی جائے۔ اور ابھی سے احتجاجی جلسے کئے جائیں، تاکہ کانگرس کو اپنے مطلب میں آسانی سے کامیابی ہو جائے۔

## اٹلی، جاپان اور جرمنی

خبر ہے کہ ان تینوں طاقتوں میں ایک معاہدے کی بات چیت ہوگئی ہے۔ عنقریب وہ تکمیل کو پہونچ جائیگا۔ معاہدہ اس بات پر ہے کہ دنیا میں اشتراکیت کو دبایا جائے گا۔

اگر اس معاہدے کی خبر نہ بھی ملتی تو بھی کسی کو شبہ نہیں ہوسکتا تھا کہ ان تینوں کے تعلقات رسمی ہیں، یا یہ کہ کبھی ایسا بھی ہوگا کہ یہ طاقتیں اشتراکیت کی مخالفت

نہ کریں، اسی باقاعدہ معاہدے کے معنی کچھ اور ہیں، جاپان کو ڈر تھا کہ شاید کوئی طاقت چین کی مدد کرے، اس لئے یہ دھمکی دیدی کہ ایک کو چھیڑنا تینوں کو چھیڑنا ہے۔ جسکے معنی عالمگیر جنگ کے ہوں گے۔ چین کی لڑائی تو خالص اشتراکیت کے خلاف لڑائی ہے۔ جو خدمت خلق کے لئے جاپان نے اپنے سر لی ہے۔

## مسلم لیگ کا درخشاں کارنامہ

مسٹر جناح نے مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس میں کہا تھا کہ ہم کانگرس کی طرح عدم تشدد کے قائل نہیں ہیں، ہم منتظر تھے کہ مسٹر جناح دیکھیں آزادی کی راہ میں کونسی نئی راہ نکالتے ہیں۔ لیکن صدر مسلم لیگ سے تو یہ کام ہو نہ سکا، ہاں ایک والنٹیر نے راہ نکالی، جب بجنور سے کانگرسی مسلمان اور لیگی مسلمان واپس آرہے تھے تو ایک لیگی والنٹیر نے مولانا حسین احمد کو برا بھلا کہا اس پر مولانا نصیرالدین فیض آبادی نے کچھ سخت جواب دیا، والنٹیر نے فوراً چاقو نکال کر ان پر حملہ کر دیا، ڈھائی انچ گہرا زخم آیا، وہ فوراً بیہوش ہو گئے۔ ریلوے کے افسروں نے مولانا کو جلد سے جلد اسپتال پہونچا دیا۔

والنٹیر کی اس حرکت پر ابھی تک مسلم لیگ کے زمیندار حضرات نے یا ذمہ دار اخبارات نے کسی قسم کا تبصرہ نہیں کیا، گویا معمولی بات ہے۔ صدو جہد کی یہ ترکیب جاہلی ہوئی ضرور ہے۔ لیکن کامیاب نہیں ہوسکتی جب برطانیہ کا تشدد کانگرس کو نہ اسکا تو بیچاری مسلم لیگ مسلم لیگ ہی ہے، پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائیگا۔

## فڈریشن میں آنے کی رشوت

خبر ہے کہ لارڈ وارڈ کے اکیس گاؤں جو دھیور راہ دادر دے پور کی ریاستوں کو دیدیے جائیں گے۔ غالباً یہ اس بات کی رشوت ہے کہ یہ ریاستیں فڈریشن کے معاملہ پر اچھی طرح غور کریں۔ وہاں کی رعایا میں یہ سنکر کھلبلی مچ گئی ہے۔ کیونکہ ریاستوں کا حال برطانوی ہندستان سے بھی بدتر ہے، یہاں سامراجی نقصانات کے ساتھ کچھ انتظامی خوبیاں بھی ہیں، اور کچھ قانونی پابندیاں بھی۔ لیکن ریاستوں میں نقصانات تو سب کے سب ہیں اور خوبی ایک نہیں، اگر ان دیہاتوں کے رہنے والے اپنے احتجاج میں کامیاب نہ ہوئے اور یہ مقامات ریاستوں کے ماتحت آگئے تو آگے چلکر ان ریاستوں کو اس انعام کے ہضم کرنے کی سخت سزا بھگتنا پڑے گی۔ نیا انتظام قائم کرنے کر لیا ہے، ان دیہاتوں کے کچھ لوگوں کو جاگیریں، اور عہدے دیکر رشوت دی گی، اور اس طرح جو آمدنی میں کمی پڑے گی وہ بقیہ رعایا سے پورا کیا جاسکیگا، رعایا کانگرس سے بغاوت کا سبق پڑھ چکی ہے، ایک حد تک تو وہ خود دکھ رہا سہے گی پھر جو منظم ہو گئی تو ریاستوں کو ہلا کر رکھ دے گی۔

## شمالی ریاست

میسور کے انتظام کی مثال دیجاتی تھی۔ اسکی تجارت گاہیں، اور اسکی نمائندہ اسمبلی وغیرہ ایسی چیزیں تھیں جو دوسری ریاستوں کے مقابلہ میں اسکو بہت زیادہ چمکا رہی تھیں، لیکن ادھر کے جو چند واقعات ہوئے اس سے معلوم ہو گیا کہ اس زینت کی چادر کے نیچے کتنے ناسور چھپے ہوئے ہیں۔ اس نظام سے صرف وہاں کے دولتمند لوگ فائدہ اٹھا سکتے ہیں، ورنہ مصیبت زدہ کسان اور بھوکے مارے مزدوروں کا یہاں سے بھی زیادہ بُرا حال ہے، یہ ریاست کانگرس کے بڑے لیڈروں کی تو خوب آؤ بھگت کرتی ہے، مگر جو مقامی لیڈر ہیں اور کام کرنے والے لوگ ہیں ہر طرح کی سختیاں جھیلتے ہیں، کانگرس کے کاموں میں رکاوٹیں ڈالی گئیں، لیڈروں کو گرفتار کیا، نظر بند کیا، اس کا نتیجہ بُرا ہوا اور عوام میں سخت بے چینی پھیل گئی۔ ریاست کے کارندے گھبرا گئے، پولیس نے گولی چلائی، آٹھ آدمی اسپتال جانے کے قابل ہو گئے جن میں ایک مر گیا۔

یہ روک ٹوک تب کے، ہندستان [illegible] ایسے لوگ ریاستوں کی کمی نہیں جو اپنے اعلیٰ مقصد کیلئے ہر طرح کی قربانی کو تیار ہوں، میسور کی کانگرس کمیٹی نے باقاعدہ کام کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے، چند ہی روز میں عوام میں تنظیم پیدا ہو جائے گی اور ان مظالم کا مقابلہ ہو سکیگا۔

---

# زمیندار کانفرنس

اکتوبر کی آخری تاریخوں میں لکھنؤ میں زمینداروں کی کانفرنس منعقد ہوئی صوبۂ متحدہ کے تمام زمیندار جماعتوں کے نمائندے جنکی تعداد تین ہزار سے اوپر پہنچتی تھی موجود تھے۔ زمینداروں کے پاس جھگڑے مشہور ہیں انکی فوجداری اور مقدمہ بازی کا سلسلہ پشتہا پشت تک چلتا رہتا ہے اس کے علاوہ ان سے اکثر لوگوں کے نفعوں سے دوسروں کو نقصان پہونچتا ہے ان وجہوں سے ابھی تک ان میں اتحاد نہیں ہوا تھا لیکن اب تاریخ کا ایک نیا باب کھل رہا ہے اور زمیندار ایک ساتھ کاشتکاروں کا مقابلہ کرنے کے لئے جمع ہو رہے ہیں۔

الکشن میں زمیندار جماعت نے کانگرس کے مقابلہ میں ہزاروں روپیہ پانی کی طرح بہا دیا، حکومت کے کارندوں اور پولیس نے بھی ان لوگوں کی مدد کی۔ لیکن فتح ہوئی کانگرس کی۔ اس کا مطلب صاف یہ ہے کہ عوام کو کانگرس پر بھروسہ ہے اور جبتک یہ بھروسا باقی ہے صرف کانگرس کو ووٹ لیں گے۔ بھروسا باقی رہنے کی صورت صرف ایک ہے وہ یہ کہ کانگرس عوام کے درد و دکھ کو دور کرے ان کا سب سے بڑا دکھ غریبی ہے اور اس مرض کو دور کرنے کیلئے دوسری جماعتوں کے نفعوں کو گھٹانا بلکہ مٹانا پڑیگا اگر کاشتکاروں کو فائدہ پہونچانا ہے تو زمینداروں کو نقصان پہونچانا پڑیگا۔ دنیا میں کوئی ایسا قانون نہیں بن سکتا جس سے ان دونوں جماعتوں کا بھلا ہو سکے کیونکہ زمیندار اور کاشتکار کے درمیان میں ہوتا ہے زمین کا لگان اگر یہ لگان کم ہوتا ہے تو نقصان ہوا زمیندار کا اگر یہ لگان بڑھتا ہے تو نقصان ہوتا ہے کاشتکار کا۔ اس صورت میں وہی جماعت عوام کی نمائندگی کر سکتی ہے جو زمینداروں کے نفعوں کو نہ دیکھے۔ عوام کی بھوک بیماری اور جہالت کو دور کرنے کے لیے ان مٹھی بھر انسانوں کے عیش و آرام کو مٹ جانے کی پروا نہ کرے کانگرس نے صرف اتنا کیا کہ کاشتکاروں کے خلاف مقدموں کو روک دیا۔ اور ایک کمیٹی بنا دی۔ جو ان لوگوں کے درد و دکھ دور کرنے کی ترکیبوں پر غور کرے۔ صرف ان دو چیزوں نے

زمینداروں کو بتلا دیا کہ یہ تو ابتدا ہے اگر کاشتکاروں کا زور یوں ہی بڑھتا گیا تو انجام کیا ہوگا؟ زمیندار کانفرنس بن گئی۔ یعنی کاشتکاروں اور زمینداروں کی لڑائی چھڑ گئی۔ اب یہ بات چھپی ہوئی نہیں ہے کہ یہ دونوں ایک دوسرے کے دشمن ہیں اور صرف ایک کی تباہی پر دوسرے کی آسائش بنی ہوسکتی ہے۔ اب تک زمیندار کاشتکاروں کو نچوڑتے رہے لیکن اب زمانہ بدل رہا ہے۔ ملک انقلاب کی طرف جا رہا ہے۔

زمینداروں نے طبقاتی لڑائی کو ٹالنے کی بہت کوشش کی بار بار کانگریس کو اور کانگریس کے نوجوان طبقہ کو یہ الزام دیا گیا کہ یہ لوگ طبقوں کو باہم لڑانا چاہتے ہیں لیکن زمینداروں ہی کی تقریروں میں بکثرت جملے ایسے ہیں جو بتاتے ہیں کہ طبقاتی لڑائی یہ لوگ خود شروع کر رہے ہیں۔

"میں دیکھتی ہوں کہ آج ہزاروں دل ایک مشترک مقصد پر یہاں جمع ہیں"
(رانی چیلکاری)

"ہم لوگ کسی طرح اپنے جائز اور اصلی حقوق کو نہیں مٹنے دیں گے اور اس کے لئے ہر طرح کی قربانیاں کرنے کو تیار ہیں"

"ہم کو چاہیئے کہ اپنے طبقہ کی حفاظت کے لئے اپنے کو منظم کرلیں"

اس کانفرنس کے بعد اور ان تقریروں کے بعد طبقاتی لڑائی کے وجود سے وہی شخص انکار کر سکتا ہے جو خواب کی دنیا میں زندگی کاٹتا ہو۔ زمیندار یہاں جمع ہوتے تھے صرف اس لئے کہ اپنے حقوق کی حفاظت کریں۔ یعنی کاشتکاروں کو نہ پنپنے دیں۔ اسی مقصد کو سمجھانے کے لئے انھوں نے خوب خوب باتیں کیں۔

"جن لوگوں کے ہاتھوں میں آج حکومت ہے وہ آپس ہی کے لوگ ہیں ہم کو بالکل یقین ہے کہ یہ لوگ انصاف کو بھول کر ہم لوگوں کے مقدس حقوق کو پامال کر رہے ہیں اور طبقاتی لڑائی اٹھائیں گے۔"

"ہر مذہب قانون وراثت کو تسلیم کرتا ہے لیکن موجودہ تحریک اس قانون کے خلاف ہے یہ ایسا خطرہ جس کا مقابلہ کرنے کیلئے پیش بندی کرنا ہے"

"خدا کی دی ہوئی زمینوں پر ہم قابض رہے ہیں" "ہمنے ہمیشہ حکومت کی وفاداری کی ہے" "یہ لوگ کاشتکاروں کو سکھانا چاہتے ہیں کہ کماؤ تم اور کھائیں ہم۔ یہی ہے انصاف اور یہی کہتا ہے مذہب۔" اسی قول کی دلیل ہیں وہ حکومت کو اپنی وفاداریوں کے عوض اپنا طرفدار بنانا چاہتے ہیں۔ ان کو حکومت برطانیہ سے ضرور امیدیں ہیں اور یہ ہونا بھی چاہیئے کیونکہ برطانیہ نے اپنے راج کو مضبوط کرنے کے لئے ہندوستانیوں کو زمیندار بنا کر بڑے بڑے حقوق دیدیئے تھے اور ان حقوق کی حفاظت کے لئے پولیس عدالت اور فوج کے ادارے وقف کر دیئے تھے۔ یہی وہ آسرے تھے جس نے برطانیہ کی طاقت کو ہندوستان کی رگ رگ میں پہونچا دیا برطانیہ اب اس جماعت کی پشت پناہی کرسکےگی۔ لیکن اسی وقت جب اسکو ڈر ہوگا۔ کہ اب پہلے قدم ہندوستان سے اکھڑ رہے ہیں۔ ابھی کھلم کھلا انکی پشت پناہی کرنے کا مطلب یہ ہوگا کہ خواہ مخواہ کاشتکاروں کی دشمنی کو اپنے سر لیلے۔

اس کے علاوہ اور بھی جماعتیں ہیں جو زمینداروں سے آکر جلد ہی مل جائیں گی۔ مثلاً مسلم لیگ اور ہندو مہا سبھا زمیندار کانفرنس کی طرح یہ جماعتیں بھی حقوق کیلئے لڑ رہی ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ زمینداروں نے تو صاف صاف بتا دیا کہ حقوق سے ان کا مطلب کیا ہے لیکن یہ دونوں جماعتیں ابھی تک اس لفظ کو مذہب کے نام سے ڈھانکنے کی کوشش کر رہی ہیں۔

مسلم لیگ اور ہندو مہاسبھا چاہتی کیا ہیں؟ اپنی جماعتوں کو منظم کرکے جب لوگ الیکشن میں کامیاب ہونا۔ وزارت حاصل کرنا۔ پھر ایسے قانون بنوانا جس سے مسلمانوں کا اور ہندوؤں کا بھلا ہو جائے۔ یہ قانون یہی ہو سکتے ہیں کہ مسلمانوں کو اتنی ملازمتیں ملیں۔ ہندوؤں کو اتنی۔ مسلمان مدارس کو اتنا روپیہ ملے۔ ہندو مدارس کو اتنا۔ گویا کہ ان اداروں کا یہ مقصد نہیں ہے کہ ان جماعتوں کو جو اقتصادی حقوق دبائے بیٹھے ہیں نچوڑا جائے اور ان کے نفعوں سے محروم جماعتوں کی مدد کی جائے۔ بلکہ جو حقوق فاضل ہیں انکی جائز تقسیم کی جائے یہی مقصد زمینداروں کا بھی ہے وہ بھی حکومت میں حصہ چاہتے ہیں اور وہ بھی کہتے ہیں۔

"حکومت کو چاہیئے کہ کسانوں کی اہم دشواریوں میں انکی مدد کرے۔ مثلاً سستی آبپاشی حفظان صحت کے اصول پر انتظام۔ ابتدائی مفت تعلیم۔ امداد باہمی کے قرضے۔ موجودہ کاشتکاری کے طریقے۔ اور ہم لوگ اپنی طرف سے یقین دلاتے ہیں کہ ان کاموں میں پوری طرح مدد کریں گے"

یہ وہ مطالبے ہیں جن کو ایک رجعت پسند جماعت چلاتی ہے حکومت کے سامنے جب غریبی کا جھگڑا دیا جاتا ہے تو وہ بھی ایسی ہی آواز نکالتی ہے۔ مسلم لیگ نے بھی ایسے ہی اصول پاس کئے۔ اور اب زمیندار بھی یہی کہتے ہیں ان نسخوں سے صرف یہ فائدہ ہوتا ہے کہ جاگے ہوئے کسان پھر سو جاتے ہیں لیکن اب شاید ان کا اتنا بھی اثر نہو۔ کیونکہ برسہا برس سے کاشتکار ان کھیل تماشوں کو دیکھتے آتے ہیں۔ اب ان پر سے عقیدہ اٹھ چکا ہے۔

شاید زمینداروں کو بھی ان چٹکلوں پر بھروسا نہیں۔ کیونکہ جب یہ تجویز پیش ہوئی کہ کانفرنس کی طرف سے ایک کمیٹی بنائی جائے۔ جو کاشتکاروں کی حالت دیکھکر بتائے کہ انکی بہبودی کرنے کی کیا صورتیں ہیں تو مسٹر بلونت سنگھ نے اس تجویز کی یہ کہکر مخالفت کی کہ ظاہر ہے کہ اس کمیٹی کی جو تجویزیں ہونگی وہ اتنی زیادہ مفید نہیں ہو سکتی جتنی کانگریس کمیٹی کی تجویزیں۔ اس صورت میں زمیندار کانفرنس کا صرف مذاق اڑایا جائےگا۔ اور کچھ فائدہ نہوگا۔ حاضرین نے بات مان لی گویا یہ تسلیم ہے کہ زمینداروں کے ہاتھوں کاشتکاروں کا بھلا نہیں ہوسکتا

ان جماعتوں کا اتحاد ایک طرح تو ہو چلا۔ بہت سے وہ مسلمان جنھوں نے مسلم لیگ میں شرکت کی تھی اور یہ ماننے پر راضی نہیں تھے کہ ملک کی جدوجہد زمیندار اور کاشتکار کی ہے نہ کہ مسلمان اور ہندو کی۔ جنھوں نے اس جگہ فرقہ پرستی کی تبلیغ کی تھی اس کانفرنس میں آکر شریک ہوئے۔ اور یہ تسلیم کرلیا کہ کانگریس کاشتکاروں کی نمائندہ ہے اور یہ کہ کاشتکاروں کی مخالفت میں زمینداروں کو بلا تفریق مذہب ملت ایک ہو جانا چاہیئے۔

زمیندار کانفرنس قائم ہو گئی اور زمینداروں نے اعلان کر دیا کہ "ہم لوگ بلا خون بہائے اپنے حقوق نہ چھوڑیں گے" بہت ممکن ہے کہ جلد ہی یہ تحریک آل انڈیا ہو جائے۔

سوال یہ ہے کہ ایک ایسی جماعت جس کا مقصد صرف یہ ہے کہ جو ہو رہا ہے اسکو نہ ہونے دے کیا پروگرام لیکر چل سکتی ہے اور انقلاب کی راہ میں کیا کیا رکاوٹیں ڈال سکتی ہے؟

پروگرام تو اس جماعت نے خود ہی بنالیا۔ تمام زمینداروں کو کاشتکاروں کے خلاف منظم کرنا۔ ایسی جماعت سے اتحاد کرنا جو انقلاب دشمن ہیں اور سماج کے موجودہ نظام کے خوش ہیں۔ کسانوں سے براہ راست تعلقات پیدا کرنا۔ اور انکی اصلاح کرنا۔

گویا ایک طرف تو یہ رجعت پسندوں کا اڈا بنے گا اور دوسری طرف عوام کو بہکانے کی کوشش کریگا۔ اس میں ان کو کامیابی ہونے سے رہی۔ عوام کی بے چینی کا راز بھوک ہے۔ جبتک بھوک موجود ہے انقلاب ٹل نہیں سکتا کاشتکار کچھ دنوں کیلئے بہل سکتا ہے لیکن اس طرح وہ سیکھ جائیگا کہ انقلاب دشمن لوگ کون ہیں اور ان کے پاس کیسے کیسے جال ہیں ایک دفعہ الجھنے کے بعد پھر جو وہ چلیگا تو کوئی طاقت اس کو نہیں روک سکتی۔

# انقلاب میں کسانوں کا ہاتھ

——(ٹی - آئی)——

ہندوستان میں کسانوں کی تحریک ایک تاریخی حیثیت رکھتی ہے مسلمان بادشاہوں کے زمانہ میں اکثر ایسا ہوا ہے کہ زمیندار اور مہاجن کے مظالم سے تنگ آکر کسانوں نے زمینداروں اور حکومت وقت کے خلاف بغاوت کردی اور ان بغاوتوں میں گو صرف ستیہ گرہ نہیں ہوتی تھی بعض اوقات تو باقاعدہ جنگ کی صورت پیدا ہوجاتی تھی اور حکومت کو ان کے دبانے کے لئے انتہائی ظلم و ہولناک بربریت سے کام لینا پڑتا تھا۔ محمد بن تغلق اور رنجیت سنگھ کے زمانہ میں خاص طور سے ایسے واقعات رونما ہوئے۔ گزشتہ صدی میں بھی سامراج اور اس کے ہمدرد زمینداروں کے خلاف کسانوں نے کئی بار علم بغاوت بلند کیا اور اکثر جگہ مہاجنوں کو مار ڈالا اور زمینوں پر زبردستی قبضہ کرلیا۔ سامراج نے ان شورشوں کا مقابلہ بہت ہی زیادہ چالاکی اور بربریت سے کیا۔ عام طور سے ان تحریکوں کے لیڈر کھاتے پیتے لوگ ہوتے تھے جو شکست کھاکر حکومت سے ملجاتے تھے۔ اور غریب کسانوں کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا تھا۔ پچھلے ۲۵ سال میں مشکل سے کوئی قومی تحریک ملیگی جس نے کسانوں کو نہ ابھارا ہو۔ ونکرانیہ تلک کے زمانہ میں تعلیم یافتہ نوجوان دیہات جاجاکر کسانوں کو سوراج کی خوشخبری سناتے تھے۔ لیکن یہ زمانہ جلد ہی ختم ہوگیا اور بہت عرصہ تک خاموشی چھائی رہی۔

جنگ عظیم کے زمانہ میں حالت پھر بدلنے لگی۔ ہندستان کا کروڑوں روپیہ اور لاکھوں آدمی سامراج پر بھینٹ چڑھادئے گئے۔ روپیہ کی اور جنگ کی مانگ نے تمام چیزوں کی قیمت کو کہیں سے کہیں پہنچا دیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ غریب آدمیوں کے لئے زندگی بسر کرنا مشکل ہوگیا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ شہروں کے سرمایہ دار بہت زیادہ مالدار ہوگئے اور زیادہ فائدے کے لئے انھوں نے بہت سے کارخانے۔ بینک اور تجارتی کمپنیاں قائم کردیں۔ جنگ کے ختم ہونے پر ملک میں عام بے چینی پھیلنے لگی۔ کسان تو پریشان تھے ہی لیکن اب مانگ کم ہوجانے کی وجہ سے بہت سے مزدور بھی بیکار ہوگئے۔ ان کے علاوہ لڑائی سے لوٹتے ہوئے سپاہی بھی سامراج کی مخالفت کرنے لگے اس لئے سب نے ملکر غریبی سے چھٹکارا پانے کے لئے آزادی کا مطالبہ کیا۔ مگر انکی تحریک کی رہنمائی کی باگ بجائے ان ہی جیسے پریشان حال غریبوں کے فیشن پرست وکیلوں مالدار سرمایہ داروں کسانوں کے دشمن زمینداروں فرقہ پرستوں اور نیشنل کانگریس کے تعلیم یافتہ مالدار نوجوانوں کے ہاتھ لگی۔ ان لوگوں نے کسانوں کی آزادی کے لئے لڑنے کا وعدہ کیا اور ستیہ گرہ کے ہتھیار کو کام میں لائے۔ اس کا اثر جو ہوا وہ جلیانوالہ باغ اور سامراجی بربریت کے دوسرے واقعات سے بخوبی ظاہر ہے۔ اسوقت کسانوں میں غیر معمولی جوش و خروش پھیلا ہوا تھا اور انقلاب بہت ہی نزدیک تھا۔ لیڈروں میں انقلاب کی رہنمائی کرنے کی اہلیت نہ تھی کسانوں کو بہلانے کے لئے انھوں نے چرخے کی تحریک شروع کی لیکن وہ ناکامیاب رہی اور اکثر مقامات پر کسانوں نے لوٹ مار شروع کردی۔ یہ گویا انقلاب کی ابتدا تھی۔ سامراج کے علاوہ سرمایہ داروں اور زمینداروں کو بھی اس سے سخت خطرہ تھا اور انھیں لوگوں کے اثر سے کانگریس نے ۱۹۲۲ء میں سول نافرمانی کی تحریک بند کردی۔ اسی طرح سکھ اور موپلے کسانوں اور سرحدی قبائل کی تحریکوں کو بھی دبا دیا گیا۔ چند کارخانہ داروں اور زمینداروں کیلئے آزادی کی لڑائی قربان کردی گئی۔ اور کسانوں کے ساتھ کھلی ناانصافی کی گئی۔

۲۹-۱۹۲۸ء میں بمبئی کے مزدوروں کی بہادرانہ لڑائی نے مردہ پڑے ہوئے کسانوں میں پھر خون دوڑا دیا۔ لیکن نام نہاد لیڈروں نے پھر انقلابی قوتوں کو غلط راستے پر ڈال کر بہکا دیا۔ اگر آج انھوں نے اپنا مطمح نظر نمک کے محصول کو بتایا تو کل وہ سول نافرمانی ہوگیا۔ کبھی ان کا مقصد لندن میں مراعات کے لئے گفت و شنید کرتا ہوا اور کبھی اچھوتوں کے واسطے برابر کے حقوق حاصل کرنا۔

اسی طرح چند خود غرض لوگوں کی وجہ سے اول تو کسانوں کی تنظیم ہو نہ سکی اور جہاں بوجہ مجبوری کی بھی گئی وہاں ان کو غلط راستہ پر ڈال کر بہکا دیا گیا۔ لیکن بمبئی کی ہڑتالوں شولاپور کی شورش مزدوروں کی منظم جنگ اور انکے لیڈروں اور سازشی مقدموں کے اسیروں کی جد و جہد سے پتہ یہ چلتا ہے کہ کسانوں کے دشمن سرمایہ داروں کی قوت کے ساتھ ہی ساتھ قصبوں میں ایک نئی انقلابی قوت موجود ہے۔ اور یہ قوت ان لوگوں کی ہے جو اپنی روٹی کے لئے سرمایہ دار کے محتاج ہیں

۳۲،۳۱،۳۰ اور ۳۳ء میں سارے ملک میں ایک انقلابی لہر دوڑ گئی اور اس میں زیادہ تر حصہ انہیں محروم کسانوں کا تھا۔ کسانوں نے خاص طور سے فصل کی ضبطی، زمین اور گھر کی پونجی کی قرقی۔ لگان۔ محصول اور مہاجنوں کے سود کے خلاف احتجاج کیا۔ اور ممالک متحدہ کے اکثر مقامات پر انھوں نے زمیندار اور مہاجن کی تیار فصل پر زبردستی قبضہ کرلیا۔ کارندوں کو مار بھگایا۔ اور ضبط شدہ جنگلوں اور چراگاہوں میں بھی اپ مویشی چرانے لگے۔ مختلف مقامات پر انھوں نے اپنی عدالتیں بنالیں جن میں زمینداروں مہاجنوں اور دوسرے مخالفین کے متعلق فیصلے ہوتے تھے۔ روز بروز زمیندار کی زمینداری اور سرمایہ داری پر قابض ہوتے گئے۔ اور بعض جگہوں پر مسلح بغاوت بھی کی چنانچہ ۳۰ء میں تلا میور میں اور ۳۱ء میں ممالک متحدہ میں اس قسم کے کئی واقعات ہوئے۔ ان تین سالوں کے اندر کسانوں کی جو جد و جہد رہی ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ انکا منشا یہ ہے کہ سارے نظام میں انقلاب کرکے زمین کی تقسیم از سر نو کی جائے انکی ساری جد وجہد اسی مقصد کے لئے تھی اور یہی بات بتاتی ہے کہ ان کی کامیابی یقینی ہے۔ ان کی تحریک کی کامیابی کی وجہ ہرگز یہ نہ تھی کہ ان کے مطالبات بہت زیادہ تھے۔ اس کے برعکس ناکامیابی کی وجہ یہ تھی کہ اپنے معاملات گہری نظروں سے نہ دیکھ سکتے تھے ان میں پیش بینی کی کمی تھی اس لئے دوست دشمن میں تمیز نہیں کرسکے۔ ملک کے مختلف حصوں میں کسانوں کی تحریک جدا جدا جماعتوں کے تحت میں تھی اور انکا مطمح نظر الگ الگ تھا۔ ان کو معقول لیڈر نہ ملتے تھے یہی انتشار اور لیڈروں کی کمی ان کی ناکامیابی کا باعث ہوئی

ملک کے ۳۴ کروڑ سے زیادہ آدمی ۵ لاکھ دیہاتوں میں پھیلے ہوئے ہیں ان میں سے بہت سے ایسے ہیں جو رسل و رسائل کے ذرائع اور سیاسی تحریک کی تنظیم کے بنیادی اصولوں سے نابلد ہیں۔ وہ پست ہمت ہو چکے ہیں اور پرانی رسموں اور چھوت چھات کی بندشوں نے انھیں دبا رکھا ہے۔ لیکن ضرورت وقت نے ان کو سکھا رکھا ہے کہ وہ اپنی لڑائی کو کس طرح

جاری رکھیں تاکہ غلامی اور مفلسی سے نجات پائیں۔

برطانوی سامراج ہندستان کے مزدوروں اور کسانوں کا سب سے زیادہ ظالم اور خطرناک دشمن ہے۔ راجاؤں اور مالدار طاقتور زمینداروں اور مہاجنوں کو جو سب کے سب کسانوں کی دولت کو چھین چھین کر موٹے ہو رہے ہیں اُس نے تھوڑی بہت طاقت دے کر اپنی طرف کر لیا ہے اور وقتاً موقع پر ان کی مدد کرتی رہتی ہے تاکہ وہ برطانوی سرمایہ کو فائدہ پہنچانے کے لئے کسانوں کی زمین چھینتے رہیں اور خود بڑے بڑے فارم کھولیں جن میں کسانوں کی حیثیت صرف مزدور کی رہ جاتی ہے۔ ان موٹے موٹے سرمایہ داروں کے علاوہ اُس نے چھوٹے چھوٹے زمینداروں کو بھی اپنا لیا ہے۔ کبھی کبھی کسانوں کی بڑھتی ہوئی تحریک کو دبانے کے لئے وہ محصول۔ بقایا۔ اور سود میں بہت معمولی سی تخفیف کر دیتی ہے۔ لیکن اس کے خاص ہتھیار۔ فوج۔ عدالتیں اور قانون ضبطی ہیں جن کی مدد سے پورے پورے صوبے تباہ ہو جاتے ہیں۔ نادار کسانوں پر انصاف کے نام پر سختیاں کی جاتی ہیں اور کوشش کی جاتی ہے کہ تمام زمین زمینداروں کے پاس پہنچ جائے تاکہ بڑے پیمانے پر کاشت کر کے برطانوی کارخانوں کیلئے سستا کچا مال پیدا کریں۔ بڑے مہاجنوں اور حکومت کو دکھ ... خوشامدیوں کی چالیں بالکل وہی ہیں جو خود سامراج کی ہیں۔

خطرے سے بچنے کے لئے سامراج اور اُس کے ساتھی دن دونے رات چوگنے مظالم کر رہے ہیں۔ غلامی کی بندشوں کو جکڑا جا رہا ہے انقلابی تحریکوں کو نہایت بے رحمی سے دبایا جا رہا ہے اور ہر طرح سے کوشش کی جا رہی ہے کہ کسان اُبھرنے نہ پائے۔ آئے دن اُن کی زمینیں زمینداروں کو دی جا رہی ہیں تاکہ وہ سامراج کی خاطر اپنے ہی ہم قوم کا گلا کاٹتے رہیں۔

کسانوں کی تحریک کو دبانے کے لئے سامراج کے پاس تشدد۔ فوج اور پولیس مضبوط ترین ہتھیار ہیں۔ لیکن ان کے علاوہ بھی وہ برابر نئی نئی چالیں چلتی رہتی ہے۔ مثلاً انکی جہالت سے (جس کی ذمہ دار خود سامراج ہے) ناجائز فائدہ اُٹھا کر ان کو توجہ اصلی دشمنوں کے بجائے خیالی دشمنوں کی طرف مبذول کرائی جاتی ہے فرقہ وارانہ فساد۔ مذہبی جھگڑے اور چھوت چھات کے مسئلے اچھالے جاتے ہیں۔ اور آپس میں نااتفاقی پیدا کرائی جاتی ہے۔ جب کبھی مسلمان کسان مہاجن اور زمیندار کے خلاف آواز بلند کرتے ہیں تو سامراج کے ایجنٹ اُن کو سمجھاتے ہیں کہ اصل میں زمیندار اور مہاجن ظلم نہیں کرتے بلکہ بات صرف یہ ہے زمیندار مسلمان ہو اور کاشتکار ہندو۔ یا یہ کہ زمیندار ہندو ہو اور کاشتکار مسلمان۔

جہاں زمیندار کی سختیاں اور کسانوں کی تحریک زور پکڑ لیتی ہے وہاں سامراج لگان کے قانون بنا کر اُن کو مختلف درجوں میں تقسیم کر دیتی ہے۔ کچھ لوگوں کے منافع کو دوسرے لوگوں کے نقصان پر قائم کر دیتی ہے۔ اس طرح کاشتکاروں کو آپس میں لڑا دیتی ہے۔ اگر کبھی دب کر سامراج نے کسانوں کے حق میں کوئی قانون بنا بھی دیا تو زمیندار قانون کو اپنے فائدے کے لئے توڑ مروڑ لیتا ہے۔ یا افسروں کو کچھ دے لے کر اپنی طرف کر لیتا ہے۔

ہندوستانی سرمایہ دار اتنی خوشامد کرتے رہتے ہیں پھر بھی فائدے کی چیزوں میں برطانیہ ان کو ہاتھ تک نہیں لگانے دیتی۔ باہری تجارت میں ہندستانی سرمایہ دار کا حصّہ صرف پندرہ فیصدی ہے بینکوں میں بھی زیادہ تر باہری سرمایہ لگا ہوا ہے اور ہندوستان سے منافع کما رہا ہے۔ ہندستانی بازار پر زیادہ تر برطانوی کارخانوں کا قبضہ ہے اور ہندستانی صنعت و حرفت کو اپنے ہی ملک میں بازار ملنا دشوار ہے۔ ان حالات میں سرمایہ دار بھی خوش خود نہیں رہ سکتے وہ مجبور ہیں کہ برطانوی استبدادیت سے آزادی حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ ان با اختیار لوگوں میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو اپنے کو عوام کا ہمدرد ظاہر کرتے ہیں لیکن انقلاب سے ڈرتے ہیں ان جھوٹے ہمدردوں میں کچھ مہاجن ہیں جنکا کروڑوں روپیہ زمینوں میں لگا ہوا ہے۔ کچھ وکیل ہیں جو کاشتکاری سے متعلق مقدموں کی پیروی کر کے موٹے ہو رہے ہیں اور کچھ بڑے بڑے کارخانہ دار ہیں جو کسانوں اور مزدوروں کی بے بسی سے فائدہ اُٹھا رہے ہیں کیونکہ اس طرح ان کو کچا مال اور مزدور بہت ہی سستی قیمت پر ملتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ انقلاب سامراج کی پوری قوت کو تباہ کر ڈالے گا۔ اور ہندستانی سرمایہ داروں سے بھی انتقام لیا جائے گا۔ ایسی حالت میں ہندستانی سرمایہ دار انقلابی قوتوں کے خلاف برطانوی سامراج کا ساتھ دیتے ہیں۔ اگر انقلاب کے بغیر برطانوی قبضہ سے نجات مل سکتی تو غالباً یہ سرمایہ دار لیڈر چھوٹے چھوٹے زمینداروں سے صلح کر کے کسانوں سے زمین چھین کر ان کو معمولی مزدوروں کے ہم پلہ کر دیتے۔ لیکن اس کا امکان نہ ہونے کی وجہ سے اب یہ کوشش کی جا رہی ہے کہ زمین کے مسئلوں میں کچھ اصلاحات کر دی جائیں۔ دراصل یہ چال ہے برطانوی سامراج کے زیر سایہ زمینداری کو قائم رکھنے کی۔ انھیں تاثرات کے زیر اثر سنہ ۲۶ء میں کانگریس نے یہ اعلان کیا تھا کہ آئندہ ہندستانی دستور اساسی میں سرمایہ داروں کا سرمایہ اور زمینداروں کی زمین بدستور رہیگی کسانوں کے واسطے زیادہ سے زیادہ مراعات یہ رکھی گئی تھی کہ کچھ محصول بند کر دئے جائیں۔ اور جن زمینوں سے فائدہ نہ ہو ان کے لگان میں کمی کر دی جائیگی طرح طرح کی فریب کاریوں سے کسانوں کو جوش دلا کر ساتھ ملایا جاتا تھا لیکن دراصل یہ سب باتیں صرف سرمایہ دار طبقہ کی حفاظت اور منافع کے لئے تھیں۔

سنہ ۱۹۱۹ء کے بعد بہت عرصہ سے کانگریس کی تمامتر کوشش اسی بات کے لئے رہی کہ ہندستانی سرمایہ داروں اور زمینداروں کے واسطے مراعات حاصل کرے۔ برطانیہ پر زور ڈالنے کے لئے اس نے مفلس اور سامراج دشمن عوام کو بھی اپنے ساتھ ملایا لیکن انقلاب کے ڈر سے اس نے اصلی تحریک کو کمزور کر دیا۔ کانگریسی لیڈر دیہاتوں میں جا کر کسانوں کو سبز باغ دکھاتے رہے تاکہ وہ زمیندار اور مہاجن کے خلاف بغاوت نہ کر سکیں۔ ملک کو آزاد کرانے کے لئے اُس نے ہمیشہ قومی اتحاد و یکجہتی کی آوازیں بلند کیں لیکن ہر مرتبہ اسی اتحاد سے برطانوی سامراج اور اس کے ہندستانی رفقائے کار ہی کو فائدہ پہنچا۔ انقلاب اور آزادی کے نعرے بالکل بے معنی ہیں کیونکہ کانگریس اب تک انقلاب کی مخالف اور زمینداری نظام کی حامی رہی ہے۔ لگان کم کرو پنچایتوں کی تنظیم کرو اور اسی قسم کے دوسرے مطالبات تحریک آزادی کو فائدہ پہنچانے کے بجائے اس کو کمزور اور ناکارہ بنا دیتے ہیں۔ ذمہ دار کانگریسیوں کے نزدیک زمیندار مائی باپ کی حیثیت رکھتا ہے اور اسی لئے اُنھوں نے ہمیشہ کسانوں کی تحریک کو دبانے کے لئے ہر ممکن کوشش کی یہاں تک کہ سنہ ۱۹۲۱ء میں برطانوی حکومت کے لئے یہ لوگ دیہاتوں میں گئے اور کسانوں کو پھسلا پھسلا کر خود لگان اور محصول وصول کئے اور اس طرح حکومت کی وفاداری کا فرض ادا کیا۔ انقلابی اور سوشلسٹ کہلانے کے باوجود اُنھوں نے سرحدیوں کی زبردست قوت کو خاک میں ملا دیا۔ ان کے نزدیک سوراج کے معنی صرف پنچائتوں کا راج ہے۔ لیکن ان پنچایتوں کا حال یہ ہے کہ تمام طاقت اُونچے طبقہ کے لوگوں میں رہتی ہے اور غریب کسان بدستور مفلس و پریشان حال بنے رہتے ہیں۔

ہندستان کے کاشتکاروں کی تکلیف دور کرنے اور قوم کے فائدہ کیلئے کوئی نیا نظام قائم کرنے کے لئے سب سے بڑی ضرورت اس بات کی ہے کہ برطانوی ملوکیت کے پنجہ سے چھٹکارا حاصل کیا جائے۔ اسی انقلاب کی طاقت کو کام میں لاکے زمینداروں اور مہاجنوں کی قوت کو فنا کر دیا جائے کیونکہ اسی صورت سے بے شمار دولت غیر منصفانہ حقوق جنپر یہ لوگ قبضہ جمائے ہوئے ہیں قوم کے فائدے کے لئے استعمال ہو سکتی ہے۔

واضح رہے کہ یہ کام ایسا نہیں ہے کہ جس کو چند بہادر آدمی سازش کر کے انجام دے سکیں اس کے پس پشت ساری قوم کا ہونا ضروری ہے۔ اس صورت میں کانگریس کو بھی اپنی موجودہ پالیسی بدلنی ہوگی کیونکہ ایک ہی وقت میں کسان اور زمیندار دونوں کو خوش نہیں رکھا جا سکتا۔ یہ حقیقتاً کھلی ہوئی طبقاتی لڑائی ہوگی۔ ساتھ ہی ساتھ مزدوروں اور کسانوں کا باہمی اتحاد بھی ضروری ہے کیونکہ یہی دو قوتیں ایسی ہیں جو قوم کو برطانوی سامراج اور ہندستانی سرمایہ داروں کے چنگل سے چھڑانے کے لئے آخر تک لڑ سکتی ہیں۔

مزدوروں کی جدوجہد کی بنیاد صرف اس بات پر ہے کہ طبقات کے فرق کو مٹا کر انسان کو انسان کی غلامی سے آزاد کرایا جائے نہ اُن کے پاس خود کوئی سرمایہ ہوتا ہے اور انکا مقصد کسی کے سرمایہ کو چھیننا ہوتا ہے۔ کارخانوں اور ملوں کے یہی کام کرنے والے تمام مظلوم مخلوق کو آزادی اور اطمینان کی روٹی دلا سکتے ہیں۔ روز روز کے تجربہ نے اُن کو سکھا دیا ہے کہ صرف مزدوروں اور کسانوں کی حکومت اور ذرائع پیدائش کی قومی ملکیت ہی ایسی چیزیں ہیں جن سے ہمیشہ کے لئے طبقات کا فرق مٹایا جا سکتا ہے اور انسان کو انسان کے مظالم سے نجات دلائی جا سکتی ہے۔

ان لوگوں کے سامنے روس کی سوشلسٹ جمہوریت کی تازہ مثال ہے۔ وہاں اکتوبر ۱۹۱۷ء کا انقلاب خاص مزدوروں اور کسانوں کی کوششوں کا نتیجہ تھا۔ انقلاب کے بعد اُنھوں نے زمینداروں سے تمام زمین لے کر کسانوں کو دے دی۔ اُنھوں نے تمام کارخانے۔ بینک۔ ریلوے اور دوسرے ذرائع پیداوار سرمایہ داروں کے ہاتھوں سے نکال کر سرمایہ کی حکومت کا خاتمہ کر دیا اور ایسی جمہوریت قائم کر دی جس کی رو سے مجالس قانون ساز میں صرف مزدوروں اور کسانوں ہی کے منتخب شدہ اشخاص جا سکتے ہیں۔ اُن کو خود کسی طبقہ پر حکومت کرنے کی تمنا نہیں ہے۔ لیکن وہ یہ بھی نہیں دیکھ سکتے کہ کوئی اپنے روپیہ کی وجہ سے کسی دوسرے پر حکومت کرے۔ فلاکت زدہ اور غیر متمدن روس کو لینن کی کمیونسٹ پارٹی نے آناً فاناً کہیں سے کہیں پہونچا دیا۔ پہلے جگہ جگہ پر چھوٹے چھوٹے کھیت نظر آتے تھے اب بڑے پیمانہ پر کاشت ہونے لگی اور وہ کسان جو ایک جانور تک رکھنے کی تمنا پوری نہ کر سکتا ہو اب وہ اطمینان اور چین کی زندگی بسر کرنے لگا۔ سرمایہ دار طبقہ جو ہمیشہ کسانوں پر ظلم کرتا تھا بالکل فنا کر دیا گیا۔ کوئی چھوٹے سے چھوٹا آدمی آزادانہ زندگی بسر کرنے لگا۔ بیکاری جو تمام دنیا کے لئے سوہان روح بنی ہوئی ہے۔ روس میں پتہ تک نہیں۔ دنیا کی سامراجی قوتیں کئی کئی قوموں کی آزادی سلب کئے ہوئے ہیں۔ لیکن روس نے انقلاب کے بعد ہی ازبکستان آذربائجان۔ جارجیا۔ آرمینیا۔ اور دوسری حکومتوں کو خود مختاری۔ جمہوری دستور دیدیا۔ ہمالیہ کے اس پار برطانوی پنجے اپنی استبدادیت کے کھیل دکھا رہے ہیں اور ہمالیہ کے اس پار آزاد مزدوروں کی خوشحال حکومت ہے ہندوستان کے مزدور اور کسان اس تقابل سے کافی سبق سیکھ سکتے ہیں

اُن میں جو زیادہ سمجھدار ہیں اُن کو معلوم ہے کہ مکمل آزادی ایک دم سے حاصل نہیں ہو سکتی۔ لیکن ہر حال میں پہلا قدم یہی ہوگا کہ برطانیہ کے جوے کو اتار کر پھینک دیا جائے۔ زمینداروں کی زمین کسانوں پر تقسیم کر دی جائے۔ تمام تجارتی کاروبار مل کارخانے۔ بینک اور سامراج پرستوں کی دوسری جائداد کو پوری قوم کے فائدے کے لئے استعمال کیا جا سکے اور مجالس قانون ساز میں مزدوروں اور کسانوں کے صحیح نمائندے بھیجے جائیں۔ مزدوروں کو اپنی جدوجہد میں محروم کسانوں کو بھی شامل کر لینا چاہیے۔ اور متحدہ جنگ و باہمی امداد سے ثابت کر دینا چاہیے کہ آزادی اور مساوات جیسے بے معنی بڑے بڑے الفاظ کے علاوہ مزدوروں اور کسانوں کو ایک بالکل نیا راستہ اختیار کرنا ہے اور وہ راستہ انقلاب ہے۔ سامراج، زمینداری اور سرمایہ داری کے خلاف۔

ہندستان کے کسانوں کے سامنے چین کے کسانوں اور مزدوروں کی بھی مثال ہے۔ چین میں ساویٹ نظام نے کروروں آدمیوں کو ایک ہی رشتہ میں منسلک کر دیا ہے۔ وہاں پرانے محصول مہاجنوں کے قرضے اور غلامی کے ٹھیکے سب کے سب کالعدم ہوگئے ہیں۔ اور سامراجی فوجوں کے بجائے مزدوروں اور کسانوں کی اپنی سُرخ فوج ہے۔ چھ سال سے برطانیہ۔ امریکہ۔ جاپان۔ فرانس اور دوسری سامراجی قوتیں چین کے سرمایہ داروں اور زمینداروں سے مل کر اس بات کی کوشش کر رہی ہیں کہ سوویٹ کی طاقت کو کچل دیں لیکن وہ کامیاب نہیں ہو سکتیں۔ اس لئے کہ رائے عامہ سوویٹ کی طرفدار ہے اور کسان کی ساری آبادی مل کر ملک کو سامراجی غلامی اور زمینداروں و سرمایہ داروں کے مظالم سے بچانے کی کوشش کر رہی ہے۔ چینی سوویٹ گویا مشرق میں آزادی کا رہنما ہے۔ وہ بتاتا ہے کہ مشرق کو بھی آزادی کا راستہ معلوم ہو گیا ہے اور یہ کہ مزدوروں اور کسانوں کا اتحاد دنیا کی تمام قوتوں سے زیادہ طاقتور ہے

---

# زمیندار

دن نکلنے سے کام کیا ہے انھیں

زندگی کی اندھیری رات ہیں یہ

عصر حاضر سے کیا غرض انکو

عہد ماضی کی باقیات ہیں یہ

"بلیش رو"

---

# موت کا گیت

(مخدوم محی الدین ۔ بی ۔ اے)

عرش کی آڑ میں انسان بہت کھیل چکا
خون انسان سے حیوان بہت کھیل چکا
مورِ بےجان سے سلیمان بہت کھیل چکا

وقت ہے آؤ دو عالم کو دگرگوں کر دیں
قلب گیتی میں تباہی کے شرارے بھر دیں

ظلمت کفر کو ایمان نہیں کہتے ہیں
سگِ خونخوار کو انسان نہیں کہتے ہیں
دشمنِ جاں کو نگہبان نہیں کہتے ہیں

جاگ اٹھنے کو ہے اب خوں کا تلاطم دیکھو
ملک الموت کے چہرے کا تبسم دیکھو

جان لو قہر کا سیلاب کسے کہتے ہیں
ناگہاں موت کا گرداب کسے کہتے ہیں
قبر کے پہلوؤں کی داب کسے کہتے ہیں

دورِ ناشاد کو اب شاد کیا جائے گا
روحِ انسان کو آزاد کیا جائے گا

نالۂ بے اثر اللہ کے بندوں کیلئے
حلقۂ دار و رسن حق کے رسولوں کیلئے
قصرِ شداد کے در بند ہیں بھوکوں کیلئے

پھونک دو قصر کو گر کن کا تماشا ہے یہی
زندگی چھین لو دنیا سے جو دنیا ہے یہی

زلزلو آؤ ۔ دہکتے ہوئے لاؤو آؤ
بجلیو آؤ گرجدار گھٹاؤ آؤ
آندھیو آؤ جہنم کی ہواؤ آؤ

آؤ یہ کرۂ ناپاک بھسم کر ڈالیں
کاسۂ دہر کو معمورِ کرم کر ڈالیں

# صنعت و حرفت

## بچوں کیلئے

امریکہ میں بڑے بڑے کارخانے بہت ہیں۔ وہاں ایسے ایسے کارخانے ہیں جنہیں ایک منٹ میں چار مشینیں تیار ہو جاتی ہیں۔ وہاں کی بعض بعض عمارتیں ساٹھ منزل کی ہیں۔ کچھ دن ہوئے وہاں ایک بہت بڑا فولاد کا ڈھلا ہوا پل ایک دن میں بنا لیا گیا تھا۔ امریکنوں کو اپنی مشینوں اور اپنے کارخانوں پر ناز ہے۔

لیکن یہ کارخانے کام کیا کرتے ہیں؟ کیا وہ کسی بنائی ہوئی اسکیم کے مطابق کام کرتے ہیں؟ بالکل نہیں۔ وہاں کسی اسکیم پر کام نہیں ہوتا۔

### جب بلا اسکیم کے کام کیا جاتا ہے تو کیا انجام ہوتا ہے

ایک صاحب ہیں جلیل۔ انکے پاس ایک لاکھ روپیہ ہے۔ اور عقل کا تقاضا ہے کہ روپیہ کو بیکار نہ ڈال رکھنا چاہئے۔

جلیل صاحب اس روپیہ کو لگانے کیلئے اشتہارات پڑھتے رہتے ہیں، دوستوں سے مشورہ کرتے ہیں، اور مختلف دلالوں سے بات چیت کرتے ہیں۔ انکے دلال شہر میں پھرتے ہیں اور کاروبار کی حالت دیکھتے ہیں۔

آخر میں ایک صنعت کا ارادہ ہو گیا۔ انگریزی ٹوپیوں کا کاروبار اچھا معلوم ہوا کیونکہ لوگوں نے انگریزی ٹوپیاں بنوائیں اور اسیر ہو گئے۔

اب سوچ بچار کی کیا ضرورت؟ جلیل صاحب نے انگریزی ٹوپیوں کا مل کھول دیا۔

اسی خیال پر جلیل صاحب، اور عدیل صاحب بھی پہونچے۔ دونوں کے سب ایک ہی وقت میں انگریزی ٹوپیوں کی ملیں تیار کرنے لگے۔

چھ مہینہ کے اندر ملک میں کئی ایک ٹوپی کی ملیں کھل گئیں۔ گوداموں میں ٹوپیوں کا انبار چھت تک لگا ہوا ہے۔ ذخیرہ گھر ٹوپیوں سے پٹا پڑا ہے۔ جدھر جاؤ، اشتہارات، پوسٹر، اور دستی اشتہارات نظر آ رہے ہیں۔ ٹوپیاں، ٹوپیاں، ٹوپیاں، ضرورت سے بہت زیادہ ٹوپیاں تیار ہو گئیں۔ دگنی، تگنی سے بھی زیادہ۔ لیکن ملیں ہیں کہ اب بھی کام کر رہی ہیں۔

دفعتاً ایک بات ایسی ہو جاتی ہے جس کا جلیل صاحب، یا خلیل صاحب یا عدیل صاحب کو ڈر لگا ہوا تھا۔ وہ یہ کہ لوگوں نے ٹوپیاں خریدنا بند کر دیا۔ جلیل صاحب نے ٹوپیوں کے داموں میں ایک آنہ گھٹا دیا۔ عدیل صاحب نے دو آنے کم کر دئے۔ وکیل صاحب نے گھاٹے پر بیچنا شروع کر دیا، کہ جو دام مل سکتے ہیں وہی مل جائیں۔

لیکن کاروبار بگڑتا گیا، بگڑتا گیا۔

تمام اخباروں میں اشتہار نکل رہے ہیں۔

> آپ کا سر تو ضرور ایک ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ٹوپی بھی ایک ہی رکھئے۔
> ہر شخص کے پاس تین ٹوپیاں ہونا ضروری ہیں
> **جلیل کمپنی کی ٹوپیاں خریدئیے**

وکیل صاحب کی کمپنی نے ٹوپیاں خریدنے کی ایک ترکیب نکالی جس میں ایک آنہ ماہوار دینا پڑتا ہے۔ اس کا اشتہار نکلتا ہے۔

> رعایت سے فائدہ اٹھانے کیلئے صرف وہ دن اور عدیل کمپنی کو یاد رکھئے۔

لیکن کچھ فائدہ نہیں ہوتا۔ جلیل صاحب نے اپنے مل میں کام کرنے والے مزدوروں کی تنخواہیں آدھی سے بھی زیادہ کم کر دیں، عدیل صاحب اور زیادہ کم کرتے ہیں، وکیل صاحب مزدوروں کے ساتھ سارے عملے کی تنخواہیں کم کر دیتے ہیں، لیکن کاروبار ہے کہ بگڑتا جاتا ہے، اور کچھ بنائے نہیں بنتا۔

دفعتاً نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کارخانے بند۔ جلیل صاحب نے اپنی مل بند کر دی، دو ہزار مزدور بیکار بنا کر چھوڑ دئے گئے کہ جہاں سینگ سمائے وہاں جائیں۔ دوسرے ہی دن وکیل صاحب کی مل بند ہو جاتی ہے۔ ایک ہفتہ کے اندر اندر سب ٹوپیوں کی ملوں کا یہی حشر ہوتا ہے۔ لاکھوں مزدور بے روزگار مارے مارے گھوم رہے ہیں۔ اچھی اچھی ملیں، بیکار پڑی زنگ کھا رہی ہیں، عمارتیں نیلام ہو رہی ہیں۔ کیونکہ جلیل صاحب وکیل صاحب، اور عدیل صاحب پر قرضہ بہت چڑھ گیا ہے۔

سال بھر گذرا، دو سال گذرے۔ جلیل، عدیل، کمپنیوں سے خریدی ہوئی ٹوپیاں پرانی ہو گئیں۔ لوگوں کو پھر ٹوپیوں کی ضرورت ہونے لگی۔ اور رفتہ رفتہ دوکانوں پر رکھی ہوئی ٹوپیاں بک گئیں۔ دوکانوں کے کارخانے کھولے گئے۔ وہاں جو ٹوپیاں ذرا اچھی حالت میں تھیں وہ بھی بک گئیں۔ اور اچھے داموں پر بکیں۔ ٹوپیوں کے دام چڑھنے لگے، اور ٹوپیوں کے ملوں کی ضرورت محسوس ہونے لگی۔

عدیل صاحب، جلیل صاحب خلیل صاحب کا تو دیوالہ نکل چکا تھا۔ اب ایک اور مہاجن رام شنکر ٹوپی کی مل کھولا چاہتے ہیں، یہی خیال رام لال رام پیارے کے دل میں بھی آتا ہے۔ اور وہی پرانا قصہ پھر سے چلتا ہے۔

ٹوپیوں کے کاروبار کی جو داستان ہے، وہی جوتوں کی، سگار کی، لوہے کی، کوئلے کی اور مٹی کے تیل کی داستان ہے۔ کارخانے بنتے ہیں۔ اور بات کی بات میں ٹوٹ جاتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے ان لوگوں کو عقل چھو نہیں گئی۔

### ایک بیوقوف ملک

یکم ستمبر ۱۹۳۸ء کو ایک ریل واشنگٹن سے چلی۔ اس میں تیس ڈبے تھے جو اوپر تک تربوزے بھرے تھے۔ سب تربوز تازے تھے اور پکے ہوئے تھے۔ ایک تربوز کے دام بارہ آنے سے کم نہ ہوں گے۔ ریل تیزی سے فلاں کی طرف چلی۔ دریائے پوٹومک کے کنارے، جہاں ریل کی پٹری ایک چٹان کے کنارے پر بنی ہوئی ہے، پہونچکر ریل کھڑی ہو گئی، اور ایک ڈبے پر

مزدور بچ رہے گئے۔

دھم دھم تربوز پانی میں پھینکے جانے لگے۔ ایک دھنیں کر کر کے تربوزوں کا تانتا لگ گیا۔

تربوزوں کی ایک چادر چٹان پر سے دریا میں گرنے لگی، پانی پر آ کر بھیم سے گرتے اور ٹوٹ جاتے۔ ساحل کے پاس تربوزوں کا ایک جزیرہ بن گیا! اس پر بھی تربوزوں کی آمد جاری رہی۔ جب ایک ڈبہ خالی ہو گیا تو دوسرے کی باری آئی، دوسرے کے بعد تیسرے کی، اسی طرح باقاعدگی سے کام جاری رہا۔ دو منٹ میں ایک ڈبہ خالی ہو جاتا، تیس ڈبے ایک گھنٹہ میں خالی ہو گئے۔

انجن نے سیٹی دی، مزدور دوڑ کر ریل میں بیٹھ گئے۔ اور ریل واپس چلی گئی۔ تربوز بہتے بہتے دریا نوٹا کمک تک پہونچ گئے۔

یہ قصہ کوئی فرضی کہانی نہیں ہے، اگر یقین نہیں ہے تو اسٹورٹ چیز کی کتاب "افراط ہونے کی پرالم داستان" پڑھیئے وہ امریکن ہے، اور نیویارک شہر کے مزدوروں کے ادارے کا ایک ممبر ہے۔ اس کی کتاب میں یہ صفحہ ۱۰۲ پر ملیگا۔ اس کتاب میں اس طرح کی اور دلچسپ داستانیں ہیں۔

سنہ ۱۹۳۲ء میں ہزار با گیلن دودھ جنوبی الی نوائس کے دریاؤں اور غاروں میں پھینک دیا گیا۔

اکتوبر سنہ ۱۹۳۱ء میں امریکہ کی وسطی ریاستوں میں سڑکوں کے کناروں پر اناج کے ڈھیر لگا دئے گئے، اور کسانوں کو مشورہ دیا گیا کہ کوئلے کی جگہ اناج جلایا کریں۔

۲۴ جون سنہ ۱۹۳۲ء پھلوں کے ٹوکرے تباہ کرنے گئے۔

ہر دوسرے سال کے بعد آلو کے تیار کھیت بلا کاٹے چھوڑ دئے جاتے ہیں۔ سنہ ۱۹۳۱ء میں امریکن اخباروں میں ایک خبر نکلی تھی۔

"مشرقی ریاستوں میں پھر سنہ ۱۹۳۱ء کی طرح کوئلے کی طرح اناج جلایا جا رہا ہے"

روئی کے کھیتوں کو تباہ کرنے کے لئے ایک قسم کے کیڑے کی پرورش کی جاتی ہے جو اسکے درختوں کو چاٹ جاتا ہے۔

موٹر کار کی کمپنیاں ہر سال ہزاروں روپیہ صرف کر کے پرانے موٹر کار خریدتی ہیں اور پھر انکو تباہ کر دیتی ہیں۔ دخانی کشتیوں کے کارخانے لاکھوں روپیہ کی پرانی کشتیاں خریدتے ہیں اور انکو توڑ پھوڑ ڈالتے ہیں۔

اکتوبر سنہ ۱۹۳۷ء کے ورلڈ ریویو میں خبر ہے۔

"برازیل پھر دنیا کی بے تکی اقتصادی حالت کو دیکھ رہا ہے، وہاں کافی پھر جلائی جا رہی ہے سنہ ۱۹۳۱ء سے لیکر اب تک پانچ کرور روپیہ کے کافی کے بورے جو اس ملک کی خاص پیداوار ہے جسکی قیمت پچیس کرور ڈالر (ڈالر=۳½ روپیہ) ہوتی ہے، تباہ کئے جا چکے ہیں، پارسال پیداوار کا تہائی حصہ خاک کر دیا گیا تھا۔ اس سال کافی کی پیداوار کا ستر فیصدی جلا دیا جائے گا"

ان باتوں کا مطلب کیا ہے؟ کیا لوگوں کی عقلیں پھر گئیں ہیں، ورنہ پھر معاملہ کیا ہے؟ اناج جلایا جاتا ہے، موٹر کار اور دخانی کشتیاں توڑ ڈالی جاتی ہیں۔ یہ سب کیوں؟ اس سے کسی کو کیا نفع ملتا ہے۔

ہمیں جلیل وعدیل کے قسم کے تاجروں کو فائدہ ہوتا ہے۔ جب یہ لوگ اناج جلا کر کر دیتے ہیں تو اسکے دام چڑھ جاتے ہیں جلیل صاحب کا حکم ہے کہ دودھ زیادہ سستا نہ بیچا جائے۔ دوسری طرف اسکولوں کے ڈاکٹروں کا بیان ہے کہ نیویارک کے ہر چار لڑکوں میں ایک لڑکا ایسا ملتا ہے جسکو غذا ضرورت سے بہت کم پہونچتی ہے (اور ہندستان کے ڈاکٹروں کا بیان؟) ایک ایسے ملک میں جو ناز کرتی ہے اپنی لاکھوں مشینوں پر جسکے ذخیروں میں مصنوعات بھری پڑی ہیں، جہاں کوئلے کی جگہ اناج جلایا جاتا ہے۔ جہاں پانی میں دودھ بہایا جاتا ہے، اور اسی وقت، اسی ملک میں ہزاروں انسان بھوکے مرتے ہیں۔

امریکن بہت فخر سے کہتے ہیں کہ امریکہ کے ہر مزدور کے قبضہ میں دوسو تیس مشینی خدمتگار ہیں، یعنی مشینوں کی مدد سے ایک مزدور وہ کام کر سکتا ہے جو دوسو تیس آدمیوں کو کرنا چاہیئے۔ جب یہ حالت ہے تو کیوں کروروں امریکہ کے باشندے اپنی ضروریات زندگی کے محتاج ہیں؟

اس پہیلی کی بوجھ کیا ہے؟

اس کی بوجھ یہ ہے کہ یہ سب مشینی خدمتگار۔ یہ سب بہا دری ایسی مشینیں امریکہ کے باشندوں کے لئے نہیں ہیں۔ بلکہ صرف چند انسانوں کے نفع کے لئے ہیں۔ مشینوں کا ایک بادشاہ مسٹر فورڈ ہے۔ جسکے امریکہ میں ساٹھ موٹر بنانے کے کارخانے ہیں۔ اور اٹھائیس کارخانے دوسرے ملکوں میں ہیں۔ اس کے پاس اپنی ریلیں ہیں، اپنے جہاز ہیں، اپنی کانیں، اپنے جنگل اپنے پہاڑ اور اپنے دریا ہیں۔ اگر اسکے کارخانوں میں کام کرنے والے سب مزدوروں کو انکے بال بچوں سمیت ایک جگہ بسا لیا جائے تو ایک شہر بن جائے گا جس کی آبادی تیس لاکھ ہوگی یعنی لکھنؤ کے ایسے ایسے دس شہر صرف ایک انسان کی آرام و آسائش کے لئے کام کرتے ہیں۔

چونکہ مشینیں ایک آدمی کے قبضہ میں ہیں۔ اس لئے لاکھوں آدمی اسکے لئے کام کر رہے ہیں۔

لمیٹڈ کمپنیوں، اور باہمی امدادی کمپنیوں کی مشینیں سو دو سو یا زیادہ سے زیادہ ہزار، دو ہزار بڑے مہاجنوں کی ملکیت میں ہوتی ہیں۔ اس لئے وہاں کے لاکھوں مزدور اس جماعت کے لئے کام کرتے ہیں۔

## امریکا اور روس

ہر امریکی مزدور کے قبضہ میں دوسو تیس مشینی موکل ہوتے ہیں، لیکن ہر روسی مزدور کے قبضہ میں صرف بیس ہوتے ہیں، لیکن روس کے موکل جلیل صاحب، عدیل صاحب اور وکیل صاحب کی ملکیت نہیں ہوتے، بلکہ مزدوروں کی اپنی ملکیت ہوتے ہیں۔ اور یہی بات ہے جو حالات کا رنگ بالکل بدل دیتی ہے۔ مزدور نہیں چاہتے کہ موٹر کار توڑ ڈالیں۔ وہ نہیں چاہتے کہ دودھ دریا میں بہا دیں یا غلہ کو کوئلے کی جگہ جلائیں، یا پھلوں کے ٹوکرے غارت کریں۔ مزدور جانتے ہیں کہ یہ موٹر کار، دودھ، غلہ وغیرہ میں محنت لگی ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ اگر موٹر ہے تو اسکو کسی نے بنایا بھی ہے، پھر محنت اور وقت یوں فضول کیوں برباد کیا جائے۔

روس میں ایک اسکیم کے مطابق کام ہوتا ہے۔

امریکہ میں بلا کسی اسکیم کے کام ہوتا ہے۔

روس میں اچھے بیج ڈالنے کے لئے مجھے نکلتے ہیں۔

امریکہ میں تیار رفتہ تباہ کر دیا جاتا ہے۔

روس میں پیداوار بڑھانے کی کوشش کی جاتی ہے

امریکہ میں پیداوار گھٹانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اور بیکاری بڑھائی جاتی ہے۔

روس میں صرف وہی چیزیں بنائی جاتی ہیں جنکی ضرورت پڑتی ہے۔

امریکہ میں ہزاروں کارخانے کچا مال اور محنت خرچ کر کے ایسی چیزیں تیار کرتے ہیں جو بالکل غیر ضروری ہیں۔

اسٹورٹ چیز لکھتا ہے "کہ ہمکو ایسی چیزیں بنانی پڑتی ہیں، جو ہمارے کام میں نہیں آتی ہیں: اور جو ضائع ہو جاتی ہیں۔ پرانی ہو جاتی ہیں، ہم اپنے دستور کے

سوینڈوچ بھی — اور انکو بھی ان کی ضرورت نہیں ہوتی۔ آخر دہ پھینک دی جاتی ہیں فاؤنٹین پن۔ سگار لائٹر، نمونی انگوٹھیاں، استرے وغیرہ وغیرہ۔ ہم سوں کیا لوہا، طاقت اور وقت صرف کرتے ہیں۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ چند مہینوں کے بعد ان سے بنے ہوئے سامان سے کوڑا گھر بھر جاتے ہیں" اور ذرا سوچو کہ اشتہار بازی پر کتنا روپیہ ضائع ہوتا ہے۔

امریکہ کے روزانہ اخباروں میں جتنے اشتہارات ایک دن میں نکلتے ہیں انکو پڑھنے کے لئے پانچسو برس چاہئیں۔ تفریح گاہوں پر شاہراہوں کے کنارے بڑے بڑے رنگین سائن بورڈ لگے رہتے ہیں۔ کسی خوبصورت جنگل کے کنارے پر درخواست ہوتی ہے کہ "آسمہ منجن استعمال کرو"۔ کسی مشہور پہاڑ کی چوٹی پر تفریح کے لئے جاؤ تو وہاں کی مٹھائی کی تعریفوں کی تختی لگی ہوئی ملتی ہے۔ رات کو شہر کے بازار میں اشتہار دینے والے بجلی کے قمقموں سے جگمگا اٹھتے ہیں۔ امریکہ کے شہروں میں "جھوا پلینڈ" کمپنی بجلی کے قمقموں سے اشتہار دکھاتی ہے۔ اس میں اتنی بجلی خرچ ہوتی ہے جتنی سارے شہر میں بھی نہیں،

لاکھوں اور کروڑوں من کچا مال اور ایندھن پھونک دیا جاتا ہے۔ بکثرت انسانی طاقت خرچ کی جاتی ہے صرف لوگوں کو مجبور کرنے کے لئے کہ وہ ایسی چیزیں خریدیں جنکی انہیں ضرورت نہیں ہے۔ انسان کی یہ دوڑ دھوپ بالکل لاحاصل ہوتی ہے اس سے اس کا کچھ بھلا نہیں ہوتا۔

اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ مشینیں موکل علیل صاحب، خلیل صاحب اور وکیل صاحب کی ملکیت ہیں۔ مزدوروں کی ملکیت نہیں ہیں۔ کارخانوں میں جاہے جو چیز بنے۔ اگر اس سے روپیہ آتا ہے، تو وہ بہت اچھی ہے۔ کارخانے کے مالکوں کو اس سے کیا مطلب؟

علیل صاحب ڈبیوں کا ل کیوں بناتے ہیں۔ کیا واقعی ان کا مطلب ڈبیاں بنانا ہے؟ بالکل نہیں۔ بلکہ ان کا مطلب صرف روپیہ بنانا ہے۔ انکے نزدیک مل صرف روپیہ بنانے والی مشین ہے۔ نفع کمانے والی مشین ہے

خلیل صاحب اور علیل صاحب کے نزدیک ایک مزدور آدمی نہیں ہے۔ بلکہ نفع تیار کرنے کی مشین کا ایک پرزہ ہے اگر انکے پاس لوہے اور فولاد کی بنی ہوئی مشین ہو، تو اس کی درستی کی خاص فکر رکھتے ہیں۔ اس سے بہت زیادہ کام نہیں لیا جائیگا۔

اس کی صفائی کی برابر فکر رہے گی۔ کیونکہ انکو اسکے بہت دام دینے پڑتے ہیں لیکن چونکہ انسانی مشین کی مرمت میں کوئی قیمت نہیں ہے اس پر ہمیشہ کام کا بہت زیادہ بار ڈالا جاتا ہے۔ اگر یہ کمزور پڑ جائے، یا بیکار ہو جائے۔ تو اسکو نکال پھینکتے ہیں اس کی جگہ دوسری انسانی مشین مل جاتی ہے۔

"سٹورٹ چیز کہتا ہے کہ چالیس سال کی عمر کے بعد مزدور اس قابل نہیں رہتا کہ مل میں کام کر سکے۔ اس سن پر پہونچکر امریکن مزدور بوڑھا ہو جاتا ہے۔ (اور ہندستان میں؟)

امریکہ میں مشین کا مقصد مزدوروں کی خدمت کرنا نہیں ہے۔ وہ دوست نہیں ہے۔ بلکہ دشمن ہے۔ اگر کوئی مشین نئی قسم کی تیار ہوتی ہے۔ تو اسکا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ ہزاروں مزدور بیکار ہو کر مارے مارے گھومتے ہیں۔ شیشہ کے کارخانے میں ایک آدمی تین ہزار بوتلیں تیار کرتا ہے۔ پہلے زمانے میں اس کام کیلئے ستر آدمیوں کی ضرورت ہوتی تھی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر مشین جو بوتلیں تیار کرتی ہے ایک آدمی کو ملازم رکھتے وقت چھیتر آدمیوں کو بیکار کر دیتی ہے۔ امریکن مزدور مشین سے نفرت کرتا ہے کیونکہ اس کی روٹی چھینتی ہے۔

ایک امریکن مصنف کہتا ہے "مشین اندھے۔ پیچھے دیتی ہمیں اور دن بدن بڑھتی جاتی ہیں۔ ہم ہی نے انکو پرورش کیا ہے لیکن وہ ہمکو اس طرح گھیرے ہوئے ہیں جیسے درندے گھیرتے ہیں۔ اور ہم انکے قبضہ میں ہیں" وہ دن بدن خونیں اور تباہی بڑھاتی جاتی ہے۔

لیکن روس میں کیا ہے۔ وہاں جتنی زیادہ مشینیں ہوں، اتنی ہی آسانی ہوگی کام کرنے کا وقت اتنا ہی کم ہو جائیگا اور اتنی ہی زیادہ آرام و آسائش بڑھ جائیگی۔ روس میں مشینیں بنتی ہیں صرف اس لئے کہ وہاں غریبی نہ رہے۔ گندگی اور بیماری نہ رہے۔ بیکاری اور سخت مشقت نہ رہے۔ اور زندگی میں انصاف اور عقل کو دخل ہو۔ وہاں کارخانے بنتے ہیں، ملیں کھولی جاتی ہیں تاکہ کم سے کم آدمی لگیں اور زیادہ سے زیادہ کام ہو۔ یہ مشینیں سب کی ہوتی ہیں۔ اور سب کے لئے یکساں کام کرتی ہیں۔ وہاں انکا انتظام ہے۔ جو انتظام ابھی تک کہیں نہیں، یعنی سوشلزم کی انتظام، اشتراکی نظام،

# کمزور پودا

اس نے دبی نظروں سے پیچھے دیکھا۔ تو شبیر میاں سے نگاہیں چار ہو گئیں دونوں بے اختیار مسکرا دیئے شبیر میاں فوراً دوسری طرف دیکھنے لگے۔ کنیز نے بھی جھیپ کے گردن جھکا لی۔

کنیز کے دل میں اب اپنی قدر پیدا ہو گئی شبیر میاں کے یہاں اتنی لونڈیاں اور مامائیں ہیں باہر نوکر ہیں چوکیدار ہیں۔ مگر وہ صرف میری ہی طرف داری کرتے ہیں، کتنے فخر کی بات ہے!

رات کو کھانا کھلا کر کنیز جب گھر جانے لگی تو ڈیوڑھی کے قریب پہونچ کر اس کا دل دھڑکا وہ دروازہ پر ٹھٹکی، اور صبح والی ترکیب عمل میں لانا چاہا مگر نہ جانے کیوں وہ ڈورنے سے باز رہی۔ اور معمولی تیز رفتاری سے ڈیوڑھی کو نکلنا چاہا شبیر میاں جو دروازے کی اوٹ میں کھڑے انتظار کر رہے تھے

فوراً اس پر جھپٹ پڑے۔ اس کو دونوں ہاتھوں سے دبوچ لیا۔ اور بے لب اسکے لبوں پر چپکا دیئے اس فوری حملہ سے کنیز بدحواس ہو گئی کھانا جو گھر لئے جا رہی تھی ہاتھ سے چھوٹ پڑا۔ شبیر میاں اس کو لے کر اپنے کمرے میں بھاگ گئے۔ کنیز نے ہاتھ پیر مارے۔ گڑگڑائی۔ برا بھلا کہا۔ چھٹنے کی دھمکی دی مگر شبیر میاں تجربہ کار تھے۔ ان کی پکڑ مضبوط تھی، ساتھ ساتھ بے پناہ اظہار محبت اور گرما گرم بوسوں سے انہوں نے اس ارادے کو کم کر دیا کنیز کے جسم میں برقی لہر دوڑ گئی۔ انجام کی تصویر دماغ کے سامنے دھندلی ہو گئی۔ اس نے مضطربانہ آخری جد و جہد کرنا چاہی۔ مگر بے سود۔ وقت گذر چکا تھا شراب کا ایک نشہ رگ و پے میں اترتا جا رہا تھا رفتہ رفتہ سرور و نشاط کا جسم و دماغ پر راج ہو گیا اور پھر اس نے خوشی خوشی اپنے کو طوفانی لہروں میں چھوڑ دیا۔

(۲)

اس واقعہ کو ڈیڑھ مہینہ گذر گیا شبیر میاں کی چھٹیاں ختم ہو گئیں اور کالج کھل گیا انہوں نے مختلف بہانوں سے ایک ایک دن دو دو دن دیر کرنا شروع کر دی انکے والد ورنہ حسب زمینداروں کی طرح معاملات سے بے خبر نہیں رہتے تھے اس سے شبیر میاں کے لئے انکو کسی طرح کا دھوکا دینا ناممکن تھا وہ ایک دن تو شبیر کو ڈانٹ ڈپٹ رہتے تھے۔ اور پھر انہوں نے شبیر میاں کو کوچ کا حکم سنا دیا۔

اسی رات کو کنیز شبیر میاں سے احاطے کے پچھواڑے ایک جگہ پر جو پہلے سے مقرر کر لی تھی ملنے گئی شبیر میاں بہت پہلے سے بیٹھے راہ تک رہے تھے اس کو دیکھ کر دھیمے سے بولے۔

"کنیز!"

"جی"

پھر کنیز نے کھانے کی پوٹلی کنارے رکھ دی اور شبیر میاں سے جڑ کر بیٹھ گئی۔

"کنیز ہماری ایک نشانی اپنے پاس رکھیے گا؟"

"کیوں نہیں"

کنیز نے ایک رومال شبیر میاں کو دیا۔

"کنیزہ آپ کے قابل تو ہے نہیں"

شبیر میاں نے غور سے رومال دیکھا معمولی مین سک کا بنا ہوا رومال تھا جس پر انگریزی میں حروف اسا "شبیر" سرخ ریشم سے کڑھا تھا۔ شبیر تھوڑی دیر تک اس کو چاند کی روشنی میں جو درخت سے چھن کر ہلکی ہلکی آ رہی تھی دیکھتے رہے۔ پھر بولے۔

"تو یہ تم نے بنایا"

میں کیا بناتی؟ جی تو یہی چاہتا تھا کہ کسی طرح سے خود بنانا سیکھ جاتی۔ مگر لونڈیوں کو کام دھندوں سے کہاں اتنی چھٹی۔ ... بنوایا ہے"

"بنوایا ہے؟ اماں سے؟"

"جی"

"کس سے؟"

آپ کو اس سے کیا؟ جس سے بنوایا ہے وہ کسی سے کہے گا نہیں"

"بڑی گدی ... کی نہیں کی۔ لونڈی پھر لونڈی مجھے میری عزت کی ذرا پروا نہیں کنیز آنسو بھر کر بولی۔

"دوسرے گاؤں میں بنوایا ہے بنانے والے کو معلوم بھی نہیں یہ کس کے لئے ہے ...... نہیں سمجھے گا؟"

کنیز شبیر میاں کی محبت میں سرشار تھی اس کے چھپائے نہیں چھپتی۔ آخر وہ دوسروں کے سامنے ایسی حرکتیں کر بیٹھتی کہ اگر ان کو کوئی ذرا خیال سے دیکھے تو ان دونوں کے تعلقات پر شک کرنے لگے شبیر میاں کنیز کی حرکت پر بہت بگڑتے اور انہی کے خیال سے کنیز اپنے کو امکان بھر سنبھالے رہتی۔ کنیز رفتہ رفتہ اپنے تعلقات کے غیر رسمی ہونے کو بھول گئی تھی۔ ہاں اگر کبھی شبیر میاں کی شادی کا تذکرہ آتا کوئی بڑا بوڑھا شبیر میاں کو دعا دیتا "اللہ کرے شادی بیاہ ہو" تو کنیز کا دل کڑھ جاتا۔ اور اس وقت اس کو اپنے تعلقات کی ناپائیداری کا احساس ہوتا۔ وہ بات بات پر شادی سے برہم ہوتی، مگر پھر شبیر میاں کے پاس آتے ہی سب کو بھول جاتی۔ اس محبت سچے عمل نے اس کی زندگی میں جان ڈال دی تھی جس کی وجہ سے کسی طرح کا رنج اس کے دل میں ٹھہرتا ہی نہیں پاتا۔

شبیر میاں نے آخر کنیز کا خیال کر کے رومال جیب میں رکھ لیا اور پھر بولے:

"کل صبح تو میں روانہ ہو جاؤں گا"

"پھر اب کیا ہوگا"

"تو بھی کیسی بچوں کی ایسی باتیں کرتی ہے۔ ہوگا کیا؟ میں دسمبر کی چھٹیوں میں پھر آؤں گا"

کنیز تھوڑی دیر تک سر جھکائے خاموش بیٹھی رہی۔ شبیر میاں نے جب کچھ ڈھارس دینے کی کوشش کی تو وہ ان کے سینہ پر سر رکھ کر رونے لگی اور ان کے سمجھانے سے کسی طرح چپ نہیں ہوئی۔ بڑی مشکلوں سے انہوں نے سمجھا بجھا کر ڈانٹ ڈپٹ کر اور صبح ملنے کا وعدہ کر کے اسکو گھر بھیج دیا۔

شبیر میاں وہاں سے اٹھ کر ٹہلتے ہوئے پاس کے تالاب تک پہنچ گئے یہاں مینڈکوں کی ٹرٹراہٹ۔ اور جھینگروں کی جھن جھناہٹ گونج رہی تھی کیچڑ اور سڑی ہوئی گھاس کی بو ہوا میں پھیلی ہوئی تھی۔ ساتویں تاریخ کا چاند ڈوبنے ہی والا تھا۔ درختوں کے سائے لمبے ہو گئے تھے۔ اور روشنی بھی مدھم تھی، اس منظر نے شبیر میاں کے دل کو ذرا سکون دیا۔ انکی طبیعت بے چین ہو رہی تھی۔ سرور کا دور گذر چکا تھا۔ اب نشہ کا اتار تھا۔ کچھ کنیز کی بے بسی کچھ اپنی عزت آبرو کا ڈر سب سے زیادہ بد مزاج باپ کی ناراضگی کا خطرہ ان کے دل میں ہیجان مچائے تھا۔ انکو اپنے اوپر غصہ آ رہا تھا۔ اور چاہتے تھے کہ اپنا قصور کسی کے سر پر تھوپ دیں اس وقت اپنے چھوٹے بھائی کی انا یاد آ رہی تھی جو دو سال پہلے انکی زندگی کا بہت اہم جزو بن گئی تھی۔ اور اسی کے چلتروں پر ان کی معصومیت ختم ہوئی تھی یہ اپنا سارا قصور اسی کے سر منڈھتے رہے۔

تھوڑی دیر کے بعد ٹھنڈی ہلکی ہوا چلنے لگی۔ دور سے کوئل کی آواز آ رہی تھی شبیر میاں کے دل میں گداز پیدا ہونے لگا۔ انہوں نے جیب سے رومال نکال کر دیکھا۔ کنیز کی محبت زور کر آئی اور یہ سوچنے لگے کہ سچ پوچھو تو تمام قصور کی ذمہ دار میری کنیز سے محبت تھی۔ اس محبت کا انجام یہ ہونا تھا کہ کیا میں کنیز سے شادی کر لیتا؟ یہی محبت سو اب بھی میرے دل میں باقی ہے۔ شبیر میاں نے رومال چوما سینہ سے لگایا۔ اور پھر کنیز کے ساتھ وفادار رہنے کا عہد کیا۔

(۳)

کنیز بہت سویرے اٹھ کر شبیر میاں کے کمرے میں گئی، کمرہ خالی تھا۔ بہت حیرت ہوئی۔ ڈیڑھ مہینہ کی اندر یہ پہلا واقعہ تھا۔ کہ انہوں نے وعدہ خلافی کی۔ کیوں نہیں آئے؟ کیا بات ہے کیا۔ ملال کے عالم میں برآمدے

شبیر میاں اس ڈر سے نہیں آئے تھے کہ شاید پھر کنیز رونے دھونے لگے یا کوئی ایسی حماقت کر بیٹھے جس سے چھپی چھپائی بات کھل جائے۔ کنیز تھوڑی دیر تک راستہ دیکھتی رہی اور پھر افسردہ دل گھر چلی گئی۔

دس بجے شبیر میاں سامان وامان درست کر کے روانہ ہونے لگے ماں، صاحب کو سلام کیا جاتی ہوئی نظر کنیز پر ڈالی جو صحن سے لگی کھڑی تھی۔ اور پھر باہر چلے گئے۔ کنیز آنکھ بچا کر ایک کوٹھری میں گھس گئی اور رو رو کر خوب بھڑاس نکالی۔

اب اس نے دسمبر کی چھٹیوں کا انتظار شروع کیا۔ ایک دن سے دوسرا دن ہوا۔ ایک ہفتہ سے دوسرا ہفتہ ہوا ایک مہینہ گیا۔ دوسرا مہینہ گیا۔ اور یوں ہی زندگی کٹنے لگی۔ وہی روزمرہ کا کام بیبیوں کی ڈانٹ لونڈیوں کے طعن و تشنیع صبح کام کرنے آنا۔ اور رات کو گھر واپس چلا جانا پہلے اسی زندگی کی عادی تھی اس لئے احساس بھی نہیں تھا۔ مگر اب ایکبار زندگی کی لذت اٹھا چکی تھی۔ تو اس کو

ایسا معلوم ہوتا کہ جنت میں داخل کی گئی۔ اور پھر نکال کر پھینک دی گئی۔ اس کا کام بھی خراب کرنے لگی تھی۔ اس لئے بیبیوں کی توجہ بھی اس کی طرف سے ہٹ گئی۔

دو مہینہ کے بعد اس کی صحت میں نمایاں تغیر ہونے لگا۔ دبلی ہو گئی۔ اور چہرے پر زردی آ گئی۔ آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے پڑ گئے۔ جو اس کو دیکھتا کہتا کہ تجھے کیا ہو گیا ہے؟ یہ چپ ہو رہتی۔ ایک مہینہ اور گذرا اب ماں باپ کو اس کی بیماری کی طرف توجہ ہوئی۔ کنیز کا نکاح تو دو سال پہلے ہو چکا تھا۔ ان لوگوں نے بیماری کا رنگ بھانپ کر رخصتی کے سلسلہ جنبانی کی۔ سسرال والے راضی ہو گئے مگر انھوں نے پانچ مہینے کی مہلت چاہی اور گیہوں کی فصل کٹنے پر رخصتی کی تاریخ مقرر کی۔ ادھر سے اور جلد رخصتی کرانے پر اصرار ہوا جسکو ان لوگوں نے بالکل نامنظور کر دیا۔ ایک مہینہ اور گذرا۔ اور ماں باپ کی گھبراہٹ بہت بڑھ گئی۔ ہر ایک سے کہنے لگے کنیز کو جلندھر کی بیماری ہو گئی ہے۔ جب لوگوں نے رائے دی کہ گاؤں کے دید جی کو دکھا دو۔ اگر شہر کے ہسپتال ہے وہاں لے جاؤ تو ان دونوں نے ٹال دیا اور گنڈا تعویز کرنے لگے۔ دو ایک دوائیاں بھی کھلائیں۔ آنے والی مصیبت پر آنکھیں چڑھائے اپنے دانت دبا رہی تھی۔ مگر شبہ دلوں میں اپنے کو دھوکے میں رکھنا چاہتے تھے۔

کنیز کے لئے سب طرح مصیبت تھی۔ ماں طعن تشنیع کرتی۔ باپ سیدھے منہ بات نہ کرتا۔ اگر کبھی دونوں میں سے کوئی ہمدردی دکھاتا تو اس طرح کہ کنیز جھینپ جاتی۔ زمیندار صاحب کے یہاں ڈانٹ اور مار ان دنوں زیادہ ہو گئی تھی ہاں اگر کوئی غم گسار تھا تو بنا طن، اس نے دو ایک دوائیاں بھی لا کر چھپا چھپا کھلائیں۔

کنیز خوش تھی کیوں کہ دسمبر کی چھٹیاں قریب آ رہی تھیں۔ شبیر میاں آنے والے تھے اس کو یقین تھا کہ ان کے آتے ہی دنیا بدل جائے گی اور خوشی پریشانیوں کی جگہ لے لیگی۔ کنیز اکثر لوگوں سے پوچھا کرتی کہ چھٹیاں کب سے شروع ہونگی اور کب تک رہیں گی۔ ہوتے ہوتے چھٹیاں آ گئیں مگر کنیز کو حیرت تھی کہ شبیر میاں کی ماں اور بھاوج اب کی خلاف معمول ان کے آنے کا انتظار نہیں کر رہی ہیں۔ اس کی وجہ کو پہلے سے اس نے سمجھنا ہی نہیں چاہی جب دن گذرتے گئے اور شبیر میاں نہ آئے اب سمجھتی گئی اور اس کا دل اندر ہی اندر ٹوٹتا گیا۔ آخر ایک دن شبیر میاں کی ماں کو یہ کہتے سنا کہ ہم نے شبیر میاں کو لکھا ہے کہ یہاں نہ آؤ بلکہ اپنی بہن کے یہاں چلے آؤ۔

کنیز بہت بیمار رہنے لگی۔ زمیندار صاحب کی بیوی نے اس کی ماں کو بلا کر پانچ روپیہ دئے اور کہا کہ اسکا علاج کرو اور جب تک اچھی نہ ہو جائے کام کاج کے لئے نہ بھیجو۔ کنیز اب گھر میں بے کار پڑی رہتی۔ کبھی کبھی دو ایک چھوٹے موٹے کام کر دیتی لیکن اس کی جلندھر کی بیماری روز بروز بڑھتی جاتی تھی۔ ماں سب دیکھتی بھی سمجھتی بھی۔ اور ترس کھا کر چپ ہو جاتی تھی۔ باپ اکثر جلا اٹھتا تھا۔

کبھی برے گھروں میں لڑکی کو گھر نہ رکھنا چاہئے

ان دن رات گئے کنیز کے ماں باپ، اپنے خیال میں اس کو سوتا پا کر آپس میں باتیں کرنے لگے۔

ماں، بھیا کے یہاں چلے چلو۔ بہت دن سے ہم لوگ وہاں نہیں گئے ہیں۔

باپ، کیا خراب قسمت ہے! کمبختی کو دیکھوں؟ کیا کروں؟۔

ماں، تم پہنچا کر چلے آنا۔

باپ، کنیز جانے کے بھی قابل ہے؟

ماں، جائے گی نہیں تو کیا کرے گی بدنصیب کہیں کی۔

باپ، منہ دکھانے کے قابل نہیں رکھا۔

کنیز سب سن رہی تھی۔ اس نے اسی وقت طے کر لیا کہ کچھ ہو اپنے ناپاک وجود کو ماں باپ کے مکان سے ہٹا لیجاؤں۔ کہاں جاؤں گی، نہ اس نے یہ سوال سوچا اور نہ سوچ سکتی تھی۔ رات بھر جلتی رہی جب اس کے خیال میں دو تین گھنٹہ رات رہ گئی، آہستہ سے پلنگ سے اٹھی اور دبے پاؤں کوٹھری میں چلی گئی وہاں جلانے کی لکڑیاں اور کنڈے ڈھیر تھے۔ ان کو کونے میں ہٹا دیا۔ اور ٹٹول کر ایک چھوٹی سی ہانڈی نکالی۔ اس میں سے شبیر میاں کا دیا ہوا ہار نکالا۔ اور گلے میں پہن لیا۔ اور پھر چپکے سے دروازہ کھول باہر نکل گئی۔

کنیز کو وقت کا اندازہ نہیں ہوا تھا۔ درحقیقت صبح ہو گئی تھی۔ اور لوگ بیلوں کو لئے کھیتوں کی طرف جا رہے تھے ان میں سے ایک نے کنیز کو دیکھا، اور پہچان کر کہا۔

کہاں جا رہی ہے کنیزیا؟"

کنیز گھبرائی ہچکچائی پھر بولی۔

دید جی کے یہاں۔ ابا کا جی نہیں اچھا ہے۔

دید جی ادھر کہاں ہیں تالاب پار جا"

کنیز اسی طرف مڑ گئی۔ اس کے لئے تو سب سمتیں برابر تھیں۔ تھوڑی دور جا کر اس نے خیال کیا کہ صبح تو ہو گئی تالاب پر بہت سے جاننے والے مل جائیں گے اس لئے پہلے ہی والا راستہ بہتر ہے۔ مگر جیسے ہی وہ پلٹی دیکھا کہ انکا راہبر ٹھہر کر دیکھ رہا ہے۔ یہ معلوم راستہ بتانے کے لئے، یا کنیز کا ارادہ دریافت کرنے کے لئے مجبوراً وہ اسی سمت چلی، کچھ دور جا کر اس کے علی الدین چچا آتے دکھائی دئے۔ اس نے فوراً راستہ بدل دیا، اور پگڈنڈی چھوڑ سڑک پر نکل گئی۔ ادھر سے بیل گاڑی آ رہی تھی گاڑی کا پردہ چھوٹا ہوا تھا صرف ایک کونہ اٹھا تھا۔ گاڑی خیراتی ہانک رہا تھا جو کنیز کے ساتھ کا کھیلا تھا۔ کنیز نے سوچا کہ اس کو اپنا دوست بنانا چاہئے قریب جا کر خوشامد سے کہنے لگی۔

خیراتی سڑک کو جا رہا ہے؟ مجھے بھی اپنے ساتھ لیتا چل۔

کہاں جائے گی؟

خالہ کے پاس۔ اپنا علاج کرانے۔

کیلی؟

ہوں!

خیراتی معنی خیز تبسم سے اس کی طرف دیکھنے لگا اور بولا۔

ہوں ہوں اہوں۔

کنیز کھسیا کر بولی"

اگر لیجانا ہو تو ویسا کہہ نہیں تو میں خود چلی جاؤنگی۔"

کنیز اس لئے اور گھبرا گئی تھی اس کے علی الدین چچا قریب آ رہے تھے۔ بارے خیراتی اس کو گھبرایا ہوا دیکھ کر ترس کھا گیا۔ اور بولا،

"بیٹھ جا"

کنیز علی الدین چچا سے آڑ میں ہو کر بیٹھ گئی۔ اور پردہ چھوڑ دیا۔ گاڑی کچی سڑک پر گھمگھر کرتی ہوئی چلنے لگی۔ علی الدین چچا برابر سے گذر گئے کنیز کے دل کو اطمینان ہوا اور وہ گاڑی کے ہچکوں سے مزا لینے لگی زندگی میں صرف دو تین بار گاڑی پر بیٹھی تھی۔ مگر کسی مرتبہ اس طرح نہیں کہ پوری گاڑی اس کے لئے وقف ہو گئی۔ اس نے اطمینان دیکھ کر گاڑی میں ہٹ گئی۔ اور پردے کا ایک کونہ اٹھا کر جھانکنے لگی خیراتی پوری آواز سے تانیں اڑا رہا تھا

(باقی آئندہ)

| | | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|---|
| ۱۰ | تحریا بنگال | توزی ۳۴۸۵ | محبت پور پرگنہ | . | کل | ۱۰ر |
| ۱۱ | " | توزی ۳۴۱ | " | . | کل | ۱۵ر۲ |
| ۱۲ | " | ۳۴۳۶ | بہار پرگنہ | . | کل | [illegible] |
| ۱۳ | " | ۳۴۷۰۹ | " | . | کل | [illegible] |
| ۱۴ | " | [illegible] | لکھن پور پرگنہ | . | کل | [illegible] |
| ۱۵ | " | ۲۰۹۹ | محبت پور پرگنہ | . | کل | [illegible] |
| ۱۶ | " | ۳۴۴۸ | " | . | کل | [illegible] |
| ۱۷ | " | ۲۸۴۹ | " | . | کل | [illegible] |
| ۱۸ | " | ۳۲۹۱ | گونانستری پرگنہ | . | کل | [illegible] |
| ۱۹ | " | ۴۰۴ | محبت پور پرگنہ | لہ دوچہ ۱۹۳۲ء | کل | [illegible] |
| ۲۰ | " | ۳۲۲۰ | بیکنٹھ پور محبت پور پرگنہ | . | کل | ۱۰ر |

(نوٹ) فریق ثانیان نے کوئی دیگر جائداد علاوہ اس جائداد کے اپنے بیان تحریری حسب دفعہ ۱۰ ایکٹ مذکور میں ظاہر نہیں کیا ہے۔

## ضمیمہ (ب)

قرضدار کی جائداد جو بہ استثنائے حقوق مالکانہ متعلق اراضی حسب دفعہ ۶۰ ضابطہ دیوانی ۱۹۰۸ء قرق اور نیلام ہوسکتی ہے۔

| نمبر سلسلہ وار | نوعیت جائداد | وسعت حقیت درخواست دہندہ | کیفیت |
|---|---|---|---|
| ۱ | ایک قطعہ مکان موروثی مشترکہ | کل | واقع موضع شیو گنج مزرعہ سارے سو پرگنہ گھاٹم پور ضلع اوناؤ |
| ۲ | ایضاً | کل | ایضاً ایضاً ایضاً |
| ۳ | چارپائی | ۴ عدد | |
| ۴ | تخت | ۳ عدد | |
| ۵ | گائے | ایک راس | |

اور دیگر جائداد فریق ثانیان نے نہیں ظاہر کی ہے

(مہر عدالت) دستخط حاکم بخط انگریزی

# اطلاعنامہ بغرض اعلان و اشاعت حسب دفعہ ۱۱ ایکٹ جائداد ہائے مقروضہ ممالک متحدہ (ایکٹ ۵ سنہ ۱۹۳۴ء)

بعدالت جناب اڈیشنل سول جج صاحب بہادر (اسپیشل جج صاحب بہادر درجہ دوم) سلطانپور

تاریخ پیشی ۲ر فروری سنہ ۱۹۳۸ء
مقدمہ نمبری نمبر سنہ ۱۹۳۷ء

بابو منالال ولد بابو مہنومان پرشاد و بابو رام داس و بابو شیام داس پسران بابو منالال ساکنان موضع الولہ پرگنہ بروں تحصیل و ضلع سلطانپور قرضدار سائل

بنام

بابو راجہ بہادر خان ولد بابو درگاہی خان تعلقہ دار ساکن ونچگان پرگنہ جگدیس پور وسالگرام ولد رام داس لقال ساکن بازار ڈھیلے وسرجو چوبہ دار ولد کالیدین ساکن پورہ اچھا مزرعہ ڈھیلے و مساۃ کلیا بیوہ کندھئی کلوار ساکن بازار ڈھیلے پرگنہ بروں لنسر و بابو پچرن تیواری ولد بشیرہ تیواری ساکن سوبجی پور پرگنہ بروں لنسر و بابو سوبج سہائے ولد بلجی ساکن دریاپور پرگنہ میران پور و رام سہائے کلوار ولد دکھئی کلوار ساکن بازار لبدی رائے پرگنہ ایسوے و سید نصیر احمد صاحب وکیل ساکن تحصیل مسافرخانہ و لالہ لشبناتھ ساہو ولد رام اوتار ساکن دہرو سے پرگنہ و تحصیل مسافرخانہ ضلع سلطانپور قرضخواہ فریق ثانی

چونکہ بابو منالال ولد بابو مہنومان پرشاد ساکن الولہ پرگنہ بروں لنسر ضلع سلطانپور نے ایک درخواست حسب دفعہ ۴ ایکٹ جائداد ہائے مقروضہ ممالک متحدہ پیش کی ہے لہذا حسب دفعہ ۱۰ ضمن (۱) ایکٹ مذکور اطلاع دیجاتی ہے کہ اس جائداد کو جس کی تفصیل فہرست ہائے منسلکہ میں درج ہے درخواست دہندہ نے حسب دفعہ ۸ یا فریق ثانی نے حسب دفعہ ۱۰ ایکٹ مذکور کی جائداد بتایا ہے۔

اگر کوئی شخص جائداد مذکور کے متعلق کوئی دعویٰ رکھتا ہو تو اس اشتہار کے گزٹ ممالک متحدہ میں شائع ہونے کی تاریخ سے تین ماہ کے اندر اپنے استحقاق کے بارہ میں عدالت ہذا میں اپنی درخواست پیش کرے۔

میرے دستخط اور عدالت کی مہر سے آج بتاریخ ۱۹ اکتوبر سنہ ۱۹۳۷ء جاری ہوا
وقت حاضری عدالت ۱۰ بجے دن سے ۴ بجے شام تک

فہرست ہائے جائداد پیش کردہ قرضدار حسب تفصیل مندرجہ دفعہ ۸ و پیش کردہ قرضخواہ حسب تفصیل مندرجہ دفعہ ۱۰ ایکٹ جائداد ہائے مقروضہ ممالک متحدہ

## فہرست (الف)

قرضدار کے حقوق مالکانہ متعلق اراضی

| نمبر سلسلہ وار | ضلع | [illegible] | [illegible] | [illegible] | [illegible] | [illegible] | [illegible] |
|---|---|---|---|---|---|---|---|
| ۱ | سلطانپور | [illegible] | کیلاش پور پرگنہ مسافرخانہ | کھاتہ کھیوٹ نمبر ۱ تعدادی [illegible] | | مسلم حصہ سالمان مالگذاری [illegible] | |
| ۲ | " | " | بہدر پرگنہ مسافرخانہ | کھاتہ کھیوٹ نمبر ۲ تعدادی [illegible] | | سالمان [illegible] بواب | حصہ |
| ۳ | " | [illegible] | ادنچگاؤں پرگنہ جگدیس پور | نمبر احاطہ حصہ آبادی ۳۴۶ لغایت ۳۴۴ درختان معہ مکان | | مسلم | |

(مہر عدالت) دستخط حاکم بخط انگریزی

ہندستان نیوز پیپرس سینڈیکیٹ کی طرف سے حیات اللہ انصاری ایڈیٹر و پبلشر نے باہتمام گرداری لال سکسینہ سلطانیہ ہمتی پریس نظیر آباد لکھنؤ سے چھپوا کر نبیل روڈ نمبر ۲ سے شائع کیا

جلد نمبر ۱۵ — لکھنؤ ۱۴ رنومبر ۱۹۳۷ء — فی پرچہ ار سالانہ ۳ر

# سر سکندر کا جوش وفاداری

"ملاپ" ۷ رنومبر کی خبر ہے۔

"چیف سکریٹری پنجاب گورنمنٹ کے دستخطوں سے ایک نوٹس..... وصول ہوا..... کہ ۳ راکتوبر کے "ملاپ" سنڈے ایڈیشن میں جو ڈرامہ سپاہی کی موت ..... شائع ہوا ہے۔ گورنر پنجاب نے اُسے قابل اعتراض قرار دیا، اس لئے ایمرجنسی پاور آرڈیننس ایکٹ کے ماتحت ملاپ کی داخل شدہ ضمانت تین ہزار میں سے ایک ہزار روپیہ بحق ملک معظم ضبط قرار دیدیا ہے"

"سر سکندر حیات خان کی حکومت کا میں شکریہ ادا کرتا ہوں کہ اُس نے مجھے یہ محسوس کرنے کا موقعہ دیا کہ میں پنجاب میں رہتا ہوں کہ ملاپ پنجاب سے شائع ہوتا ہے اور کہ پنجاب کی پالیسی ہندستان کے کانگرسی صوبجات کی پالیسی سے نہ صرف مختلف ہے، بلکہ برعکس بھی ہے"

"یہ ڈرامہ ملاپ نے **ہندستان** سے لیکر ہو بہو اسی طرح شائع کیا تھا۔ یوپی کی حکومت نے اس ڈرامہ کے متعلق کوئی ایکشن نہیں لیا — ہندستان کو تنبیہ تک نہیں کی گئی۔ لیکن وہی ڈرامہ جب ہندستان سے نقل کرکے ملاپ میں شائع کیا گیا تو حکومت پنجاب کو پریس ایکٹ کی مشینری حرکت میں لانی پڑی"

یہ ڈرامہ علی سردار جعفری کا لکھا ہوا ہے۔ اور ہندستان نمبر ۹ میں چھپا ہے۔

پلاٹ یہ ہے۔

فرانس کی مشرقی سرحد۔ فوجی اسپتال جو انگریزوں کے لئے مخصوص ہو رہا ہے۔ ایک زخمی ہندستانی سپاہی۔ فرانسیسی نرس

زخمی سپاہی اپنا گھر اور بیوی بچوں کو یاد کر رہا ہے۔ نرس بہلانے کی کوشش کرتی ہے۔ اتنے میں ایک زخمی انگریز سارجنٹ کو ایک ڈاکٹر لے کر آتا ہے اسپتال میں جگہ خالی کرانے کی ضرورت ہے۔ وہ نرس کو حکم دیتا ہے کہ اس ہندستانی کو زہر دیدو۔ نرس ہچکچاتی ہے۔ مگر پھر تعمیل کرتی ہے اور ہندستانی زہر پی کر مر جاتا ہے اس کے بستر پر سارجنٹ کو جگہ دی جاتی ہے۔ مگر وہ بھی اسی وقت مر جاتا ہے

اس ڈرامہ پر اعتراض یہ ہے کہ عوام کو ملک معظم کی فوج اور پولیس میں بھرتی ہونے سے روکتا ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ یہ اعتراض کس حد تک درست ہے۔

ڈرامہ کے کسی لفظ سے پتہ نہیں چلتا کہ یہ برطانوی فوج کے موجودہ نظام پر کچھ اعتراض کرتا ہے۔ اس ڈرامہ کے زمانے میں بہت وسعت ہے، یہ سو برس پہلے کی تصویر بھی ہو سکتا ہے۔ ورنہ بیس برس پہلے کی بھی تاریخ کے کسی پہلو کو دکھانا جرم نہیں۔

ڈرامہ کا مقصد انگریزی قوم پر، یا انگریزی فوج پر اعتراض کرنا نہیں۔ اگر اس میں سارجنٹ کو اور ڈاکٹر کو بجائے انگریز کے جرمن فرض کر لیا جائے یا اطالوی یا جاپانی فرض کر لیا جائے اور ہندستانی سپاہی کی جگہ کسی اور غلام ملک کا فرد لے لیا جائے تو ڈرامہ کے زور میں اور مقصد میں کسی طرح کی کمی نہیں آتی۔ کیونکہ دکھانا یہ ہے کہ حکمران قومیں اپنے نفعوں کی خاطر لڑائیاں لڑتی ہیں۔ مگر کٹتی ہیں اس میں غلام قومیں جن کے بھوکے افراد بیس بیس پچیس روپیہ پر اپنی جانوں کو بیچ ڈالتے ہیں۔ لڑائی میں اکثر موقعے ایسے آجاتے ہیں جہاں فیصلہ کرنا پڑتا ہے کہ شاہ قوم کے ایک فرد کی جان بچائی جائے۔ یا غلام قوم کے فرد کی تمام افسر اور اعلیٰ افسر شاہ قوم کے ہوتے ہیں۔ وہ اپنے بھائی کی جان کو ترجیح دیتے ہیں۔ ایسا نہ کریں تو اس قوم کے فوجی افسر بددل ہو جائیں۔ لڑائی کے کرتا دھرتا یہی لوگ ہیں۔ انکی بددلی کے صاف معنی ہیں شکست۔ جس کا نقصان ساری حکمران قوم کے سر ہوگا۔ پھر کیسے ہو سکتا ہے کہ حکمران قوم کے فرد کی جان کو ترجیح نہ دی جائے اعتراض موجودہ فوجی نظام پر نہیں۔ اس بات پر اعتراض ہے

کہ دنیا کو شاہ قوم، اور غلام قوم میں بانٹ دیا گیا ہے۔ اسی بات [illegible] کہ حکمران قومیں کا جو محل کی طرح غلام قوموں کو [illegible] دیتی ہیں۔ اس میں [illegible] انٹی۔ بے ضابطہ سب برابر ہیں۔ یہاں ملک ظفر کی [illegible] کا کیا [illegible]؟

دوسری طرف یہ بھی [illegible] آکر کوئی [illegible] قانون سے کام لینے [illegible] تو کیا کچھ کر سکتا ہے۔ [illegible] اخبار [illegible] ہے۔

فوج میں کھانا خراب ملتا ہے۔ فوج کے کیمپ ملازم نہیں ہوتے۔ کالی بلٹن کی تنخواہ اور گوری بلٹن کی تنخواہوں سے کم ہوتی ہے [illegible] مسلمان افسر انہی جرم میں لائے [illegible] بلکہ یہاں [illegible] نکلے

[illegible] فوج میں ادھر لوگ بھرتی ہوئے اور ادھر انکی زندگی میں مشکل بڑھ گئی۔ فوجیوں کو چھوڑنے کے بعد فوراں [illegible] اور کوئی بدنصیب اخبار کہے کہ یہ غلط ہے تو سر سکندر کی حکومت اس پر بھی یہ الزام دے سکتی ہے کہ یہ قصداً لوگوں کو ملک معظم کی فوج میں بھرتی ہونے سے روکنے کی کوشش ہے۔

قانون سے اس طرح غیر انسانی اور نامعقول فائدہ اُٹھانا قانون کو کمزور کرنا ہے۔ مولانا محمد علی کو فوج میں بغاوت پھیلانے کے جرم پر سزا دی گئی تھی لیکن اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جو الفاظ کیلئے اُنھوں نے سزا کھائی تھی، وہی ہزاروں آدمیوں نے ہزاروں موقعوں پر کہے اور قانون کو [illegible] دینا پڑی۔ معلوم ہوتا ہے کہ سر سکندر یہ حرکت جوش وفاداری میں کر بیٹھے ہیں زیادہ غور سے کام نہیں لیا

## بجنور کا الکشن

مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس میں مولانا شوکت علی نے، اور دوسرے لیگیوں نے بجنور پر چڑھائی کرنے کے لئے اسلام کی عزت وحرمت کا واسطہ دلایا تھا۔ الکشن میں لڑنے کیلئے بھی پروگرام بنایا تھا۔ پھر بیچ بیچ سب کے سب لیگی وہاں، اور اسی پروگرام پر سو فیصدی عمل کیا، اس جماعت کی ایک خصوصیت ہے۔ وہ یہ کہ عالم ہو، یا مسٹر، داڑھی والا ہو یا داڑھی منڈا، ہمیشہ تقریر یوں شروع کرتا ہے۔

کروں پہلے میں اس کی حمد وثنا ——— ووٹ لاؤ،
کہ قدرت سے اسکی ہے کیا کیا بنا ——— ووٹ لاؤ۔

ذرا لیگیوں کی تقریروں، پوسٹروں، اور اشتہاروں کو دیکھئے۔ یوں چلتے ہیں

مسلمانو! خدا ورسول کی عزت کو بچاؤ۔
ادھر اسلام ہے، اور ادھر کفر ——— کیا اسلام کفر کے مقابلہ میں سرخرو نہ ہوگا
خدا کا وعدہ ہے کہ کفر اسلام کے مقابلہ میں ٹھہر نہ سکیگا،
آؤ اے مسلمانو اپنے رسول کے نام کی عزت کو سنبھالو۔

لیگیوں نے ہر طرح کے فتووں سے کانگرس کے "صنم اکبر" کا مقابلہ کیا۔ کانگرسی علماء کی ایسے موقعوں پر پوزیشن کیا ہو سکتی تھی؟ یہی کہ آیات واحادیث پڑھ کر سمجھائیں کہ لیگی علماء کے فتوے غلط ہیں۔ مذہب کے مقابلہ میں مذہب آ گیا۔ اب مقابلہ کیسے ہو؟ علماء کی تعداد کانگرس ہی کی طرف زیادہ ہے۔ لیکن لیگیوں نے مقابلہ کا ڈھنگ نکال لیا۔ اور خوب نکالا۔ ایک لیگی اخبار لکھتا ہے۔

"مولانا حسین احمد نے اسلام زندہ باد کے نعرے لگوائے۔"

اگر مسلمانوں کا یہی عالم ہے تو مسلم لیگ کی زندگی معلوم!

پنڈت جواہر لال نہرو نے کانگرسی کارکنوں کو سمجھایا کہ مذہب کے نام پر ووٹ نہ مانگو۔ سیاست مذہب کی لڑائی ہے، اور الکشن دنیاوی معاملہ ہے، اس میں مذہب کے نعرے لگوانا۔ آیات واحادیث کی تلاوت کرنا زیبا نہیں۔ لیگیوں نے فوراً نقل چھاپ [illegible] "پنڈت جواہر لال اسلام کو مٹا دینا چاہتا ہے"۔ "جواہر لال کی مذہب دشمنی"۔

[illegible] کے بیچ جیسے مذہبی [illegible] دیا ہی جواب ملا۔ چلیں دونوں طرف سے مذہبی دہائی کی بڑی توپیں [illegible] ادھر سے کہا گیا کہ خدا اور رسول صرف لیگ کی طرف ہیں، ادھر سے جواب دیا [illegible] یہ غلط ہے۔ نتیجہ [illegible] مطلع صاف ہو گیا۔ [illegible] نے سوچا کہ یا تو یہ ہے کہ ہم [illegible] جنت میں گئے یا [illegible] جہنم۔ مجبوراً دنیاوی عقل کو کام میں لائے اور [illegible] کس طرف ہے؟ کس جماعت کے پاس کیا پروگرام ہے جو [illegible] لیگ کی جیت کیسے ہو سکتی تھی؟

دو چار الکشن اور لڑ جائیں، پھر مسلم لیگ کا تنہا ہتھیار، مذہب بہت کند ہو جائیگا۔ مذہبی جنگل سے کام نہ ہوگا۔ اگر کام کرے گا تو صرف ان لوگوں پر جو بہر طرح مسلم لیگ کے ممبر رہیں گے کیونکہ [illegible] ہی ادھر ہے، عوام تو اپنے درد و دکھ کی سوچیں گے اور ہوگی وہی روٹی کی لڑائی جس سے مسلم لیگ، اتنا گھبراتی ہے

## مسلم لیگ اور اسلام

مولانا ظفر علی خاں نے بجنور کے الکشن پر ایک نظم کہی تھی، اسکے چند شعر۔

حافظ ابراہیم ادھر ہیں، اور ادھر عبدالسمیع
ہر دو ادی درس اودھر ہے یثربی تعلیم ادھر
اُس طرف آذر کے سارے بت قطار اندر قطار
اور پرستاران رب کعبہ کی تنظیم ادھر
اس طرف کا مذہبی کے غریبان بجز تسلیم خم
اور رسول اللہ کے ارشاد کی تعظیم ادھر
اس طرف ہاتھوں میں ہے جھنڈا ترنگا اودھم کا
اور فضا میں اڑ رہا ہے پرچم طہٰ ادھر
اس طرف کا گرمیں گنگا جل کی گولی سکیاں
آبگینوں میں شراب کوثر وتسنیم ادھر
ووٹ دینے والوں سن لو کان دل کے کھول کر
خطرہ ایماں کو ادھر ہے اور نہیں ہے بیم ادھر

اگر پوچھا جائے کہ کون جیتا، تو کوئی تبلاؤ کہ ہم بتلائیں کیا، ہم لیگ کو صرف [illegible] فیصدی ووٹ ملے ہیں۔

## ایک لیگی اخبار لکھتا ہے

اٹاوہ کے مسلمانوں نے ایک مسلمان کے جنازے کی نماز پڑھنے سے انکار کر دیا کیونکہ وہ شخص کانگرسی تھا۔

اب مسلمان ہونے کے لئے توحید، رسالت، حشر ونشر، ملائکہ، اور آسمانی کتابوں پر ایمان لانے کی ضرورت نہیں، اور نہ جنتی بننے کے لئے نماز روزے کی بلکہ ضرورت ہے، اس بات کی کہ "ایمان بالغیب" ہو مسٹر محمد علی جناح کی قیادت پر، اور تا دم مرگ اس بات پر عقیدہ رہے کہ کانگرس کے کابینہ میں مسلمانوں کی طرف سے صرف مسلم لیگ ممبروں کو وزیر بننا چاہئے۔ رہے اعمال صالح، سو اسکے لئے مسلم لیگ کی طرف سے "الکشن لڑ لینا کافی ہے"

ہر وہ شخص جو ان دو بنیادی اصولوں کا منکر ہے۔ بے ایمان ہے، ملحد، مرتد، کافر، اور مشرک ہے۔

## انگلستان اور ہندستان کے تجارتی معاہدے پر بات چیت

جون میں سر ظفر اللہ خان کو حکومت ہند نے سرکاری نمائندہ بنا کر انگلستان تجارتی بات چیت کے لئے بھیجا تھا۔ اس زمانہ میں اقتصادی عنوان سرمیس ترکی جنتی لیکر انگلستان گئے۔ مطلب صاف تھا۔ یعنی سر ظفر اللہ کی نگرانی میں اس زمانے سے جو بات چیت چھڑی وہ ختم ہی نہیں ہونے کو آتی۔ ۱۷ اکتوبر کو حکومت ہند کا اعلان شائع ہوا کہ حکومت ہند اپنے نمائندوں کو مشورہ کرنے کے لئے بلا رہی ہے۔ معاہدہ کیا ہونے والا تھا؟ واپس کیوں بلا لیا۔

انگلستان کی تجارت جنگ عظیم کے بعد سے گرتی جا رہی ہے۔ اس کی بہت سی وجہیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ بازار ملکوں نے اب اپنے کارخانے کھول لئے ہیں وہاں کا مال سستا ملتا ہے اور مزدور بھی سستے ملتے ہیں اس لئے انگلستانی مال مقابلہ نہیں کر پاتا۔

دوسری طرف تجارتی ملکوں نے اپنی مشینوں کو اتنی ترقی دے لی ہے کہ انگلستان کا اچھی طرح مقابلہ کر سکیں۔ انگلستان نے اس کا حل یہ نکالا ہے اٹاوہ کے معاہدہ میں ہندستان کو مجبور کر دیا کہ اگر کسی دوسرے ملک اور انگلستان میں تجارتی مقابلہ پڑ جائے، تو ہندستان برطانوی سامان کو ترجیح دے۔ اسی معاہدے کے خلاف دو سال ہوئے اسمبلی میں سخت بحث مباحثہ ہوا۔ اور جب ووٹ لئے گئے تو اس معاہدے کی مخالف پارٹی کو بڑی کامیابی ہوئی۔ مولانا شوکت علی نے اس معاہدے کے خلاف ووٹ دیا۔

اب حکومت ہند کو ایک اور ایسے ہی معاہدے کی فکر تھی۔ اپنی پسند کے آدمیوں کو نمائندہ بنا کر لندن بھیج دیا۔ مگر ادھر بعض حالات ایسے ہوئے کہ معاہدے کی ضرورت کم ہو گئی۔ ہندستان میں جاپانی مال کے بائیکاٹ کی تحریک اٹھیں اور خود بخود زور پکڑ گئی۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ خواہ مخواہ برطانیہ مال کی نکاسی زیادہ ہوگی۔ دوسری بات یہ ہے کہ جب جاپان کا مال یہاں کم آئے گا تو تبادلہ میں جو روئی جاپان جاتی تھی وہ کم جائے گی۔ اس کے علاوہ اب کی امریکہ میں روئی کی فصل بہت اچھی ہو رہی ہے، اس کی وجہ سے دنیا میں روئی کا بھاؤ بہت گر جائیگا۔ اور انگلستان کو یہاں کی روئی بہت سستی مل جائیگی۔

جب تک دوسرا معاہدہ نہیں ہوتا۔ اٹاوہ کے معاہدے پر عمل درآمد کرنا ضروری ہے۔ یعنی انگلستان میں بنے ہوئے مال کو خاصکر کپڑے کو اور لوہے کی بنی چیزوں کو دوسری جگہ کے بنے ہوئے مال پر ترجیح دینا ضروری ہے۔ اس صورت میں خواہ مخواہ معاہدہ کر کے ہندستانیوں کی دشمنی مول لینے سے کیا حاصل؟ جب حالات انگلستان کے حق میں بگڑیں گے معاہدہ کر لیا جائیگا۔

## علماء اور الکشن

روزنامہ حقیقت

لکھنؤ لکھتا ہے۔ ہم اس کے مخالف نہیں کہ علماء کرام سیاست میں حصہ لیں البتہ الکشن کے اکھاڑوں میں ان کا لنگوٹ باندھ کر کودنا سخت نازیبا اور خوفناک ہے۔ ہمارے ایک دوست کا تو یہ قول ہے کہ الکشن لڑنا شہدہ ونکیا کام ہے۔ خیر اس حد تک تو ہم ان سے متفق نہیں ہیں۔ مگر یہ سب جانتے ہیں کہ الکشن میں کیسی غلیظ اچھلتی ہے۔ اور علماء اس میں حصہ لیتے ہیں انکی عزت و وقار میں بجائے اضافہ ہونے کے کمی ہوتی ہے یقین نہ آئے تو بجنور کے الکشن کے بعد بجنور کے عام مسلمانوں سے پوچھئے کہ اب انکی نظروں میں ان علماء کی کیا وقعت۔ دگئی ہو جن کو الکشن سے پہلے وہ بہت قابل احترام سمجھتے تھے؟

اس پر مولانا عبد الماجد دریا بادی نے صدق ۱۱ر نومبر میں نوٹ لکھا ہے کہ لیکن اس میں اس قدر افسوس کی کیا بات ہے؟ علماء کا احترام اسی وقت تک واجب ہے۔ جب تک وہ اپنے حدود کے اندر ہیں۔ فقہ میں حدیث میں، تفسیر میں، جن جن فنون میں انہوں نے مہارت خصوصی حاصل کی ہو اس کے اندر یقیناً انکی رائے (ہر دوسرے ماہر فن کی طرح) قابل عظمت و مستحق توقیر ہے۔ لیکن کوئی فقیہ اگر مسائل فقہ سے باہر نکل کر انجیری کے کسی مسئلہ پر رائے دے رہا ہو۔ تو یقیناً اس میدان میں وہ محض ایک عامی کی حیثیت رکھتا ہے۔ اور یہاں ہرگز عالمانہ عظمت سے متاثر ہونا صحیح نہ ہوگا۔ طبیب کیسا ہی حاذق ہو۔ کوئی خوشنویس اسے اپنے فن میں کیسے استاد تسلیم کرلے گا؟ مسئلہ اساسی اور اصولی ہے۔ اور بالکل صاف و واضح یہ جتنا سے عوام و خواص دونوں کی سمجھ میں جسقدر جلد آجائے۔ اسی قدر بہتر۔

”حقیقت“ کا مطلب صرف اتنا کہنا ہے کہ الکشن میں مولاناؤں کو حصہ نہ لینا چاہئے۔ کیونکہ الکشن میں غلیظ اچھلتی ہے۔ اور جو علماء اس میں حصہ لیتے ہیں۔ انکی عزت و وقار میں بجائے اضافہ ہونے کے کمی ہو جاتی ہے عزت و وقار ہی بڑی چیزیں ہیں۔ اب یہ سوال ہی نہیں رہ جاتا کہ الکشن مذہبی معاملہ ہے یا نہیں ممکن ہے کہ ہو وہ مذہبی معاملہ۔ اس صورت میں علماء فتووں کے ذریعہ دوسروں کو بھیجدیں۔ لیکن خود نہ جائیں۔

مولانا عبد الماجد دریا بادی نے اقبال کر لیا کہ الکشن مذہبی معاملہ نہیں اور اس کے بارے میں مولاناؤں کی رائے کوئی قیمت نہیں رکھتی بہت اچھی بات ہے لیکن سیاست سے الکشن کو الگ نہیں کیا جا سکتا۔ سیاست پروگرام بناتی ہے۔ الکشن عمل میں لاتا ہے۔ اگر الکشن مذہبی معاملہ نہیں تو سیاست بھی مذہبی معاملہ نہیں۔ اب مولانا عبد الماجد کیسے نبھائیں گے۔ اپنی ان تحریروں کو جن سے یہ جھلکتا ہے کہ سیاست اور مذہب۔ الگ الگ دو چیزیں ہیں

## بیچارا جاپان، اور بیچاری برطانیہ

بمبئی کے جاپانی قنصل نے اخباروں کو ایک بیان دیا ہے

”جاپان ہمیشہ چین سے دوستی رکھنا چاہی۔ لیکن چین نے بہت حماقت کی اور احسان فراموشی کا ثبوت دیا۔ اس نے خواہ مخواہ جاپان دشمنی پروپگنڈا شروع کر دیا۔ جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ جاپانی تجارت خطرے میں آگئی۔ اور ساتھ ہی ساتھ جاپانیوں کی جانیں بھی مجبوراً جاپان کو اپنے بچاؤ میں لڑائی کرنا پڑی۔

دار العوام میں اشتراکی نمائندے گالاچر نے۔ وزیر نو آبادیات سے پوچھا کہ حکومت جو برتاؤ عرب ہائی کمیشن کے ساتھ کر رہی ہے اس پر نظر ثانی نہیں کر سکتی؟

مسٹر آر ایس بی گور وزیر نو آبادیات نے جواب دیا۔

”حکومت برطانیہ نے فلسطین کے معاملہ میں قابل مثال صبر سے کام کیا قتل غارتگری، بغاوت کو سہتی چلی گئی۔ لیکن اس صبر و تحمل سے عرب یہ سمجھے کہ برطانیہ کمزور ہے“

عجب زمانہ ہے۔ بکری کے بچے بھیڑئے کو اتنا ستاتے ہیں کہ اس بیچارے کو آخر مار کر کھا جانا پڑتا ہے۔

اس پر بھی برطانیہ کی رائے ہے کہ جاپان چین کے ساتھ ظلم کر رہا ہے۔

# کلکتہ میں کانگرس کی سرگرمیاں

اکتوبر کے آخری ہفتے میں کلکتے میں جو سیاسی سرگرمیاں دیکھنے میں آئیں ان کی مثال کم ملتی ہے۔ آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے جلسے کے سلسلہ میں بنگال اور خاص کر کلکتے والوں نے جو دلچسپی ظاہر کی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بنگال میں کانگریس پھر سے زندہ ہو رہی ہے اور وہ دن دور نہیں ہے کہ جب سیاسی تحریکوں میں پہلے کی طرح بنگال پھر آگے آگے ہوگا۔

آل انڈیا کانگریس کمیٹی کا یہ اجلاس بہت اہم تھا۔ دہلی کے اجلاس کے بعد ملک کی سیاست نے ایک بڑا پلٹا کھایا۔ اور سات صوبوں کی حکومتوں کی ذمہ داری کانگریس نے لے لی۔ کلکتے کے اجلاس میں سب سے بڑا مسئلہ یہی تھا کہ کانگریسی وزارتوں کے کارناموں کا جائزہ لیا جائے اور یہ اندازہ کیا جائے کہ کانگریس کا یہ نیا تجربہ کتنا کامیاب رہا۔ یہ بات اب راز نہیں ہے کہ وزارتیں قبول کرنے کے معاملے میں شروع سے ہی کانگریس میں اختلاف تھا۔ ایک جماعت کا خیال تھا۔ کہ وزارتوں کے ذرائع سے کانگریس کی طاقت بڑھیگی اور دوسری جماعت کہتی تھی کہ حکومت کی ذمہ داری سے انقلابی ذہنیت کمزور ہوگی۔ بہرحال کانگریس نے وزارتیں قبول کیں اور اس میں شک نہیں کہ ملک میں اس سے کانگریس کا وقار بہت بڑھ گیا لیکن پچھلے چار مہینوں میں بہت سے مسئلے ایسے سامنے آئے جس سے کانگریس کے "گرم دل" کا اندیشہ ایک حد تک صحیح ثابت ہوا۔ کھلے [illegible] کافی بحث رہی اور یہ بات سامنے آئی کہ حکومت کی ذمہ داریوں کے ساتھ [illegible] انقلابی تحریک کو آگے بڑھانا آسان کام نہیں ہے [illegible] مدراس کی حکومت کی پالیسی پر بہت سے اعتراض کئے گئے [illegible] ان میں کانگرس کے ایک رکن کا مقدمہ بانٹلی والا پر جو مقدمہ چل رہا ہے۔ اور مزدوروں اور کسانوں کی تحریکوں پر جو پابندیاں ابھی تک عائد ہیں ان کے خلاف آل انڈیا کانگرس کمیٹی کے بہت سے ممبروں نے اپنی آوازیں بلند کیں۔ اور اس بات پر زور دیا کہ جن صوبوں میں کانگرس کی وزارتیں قائم ہیں ان میں تقریر اور تحریر پر کسی قسم کی پابندی نہ رہنی چاہیئے۔

فیڈریشن کے خلاف بھی ایک زوردار تجویز منظور ہوئی۔ لیکن یہ بات ظاہر نہ ہوئی کہ فیڈریشن کو کانگرس کس طرح ٹالے گی۔ کانگرس سوشلسٹ پارٹی کی طرف سے جو ترمیم اس سلسلے میں پیش ہوئی تھی اور جس کا مقصد یہ تھا کہ اگر حکومت برطانیہ فیڈریشن کو جاری کرے تو کانگرسی وزارتیں مستعفی ہو جائیں اور ملک میں ایک بڑی تحریک اس کے خلاف شروع کی جائے منظور نہ ہو سکی۔ کانگریس فیڈریشن کے اصول کے خلاف نہیں ہے بلکہ نئے دستور اساسی میں فیڈریشن کی جو صورت رکھی گئی ہے اور جس طرح راجاؤں اور نوابوں کو جو مطلق العنان ہیں۔ اپنے نمائندوں کو نامزد کرنے کا اختیار دیدیا گیا ہے۔ اور ریاستوں کے عام باشندوں کے حقوق کا بالکل خیال نہیں رکھا گیا ہے۔ کانگریس اسکی مخالف ہے

آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے اس جلاس میں ایک تجویز حکومت میسور کے خلاف منظور ہوئی جس میں مسٹر نریمان کی گرفتاری اور کانگریس کے کارکنوں پر جو پابندیاں وہاں عائد ہیں۔ ان کی برائی کی گئی۔ یہ تجویز اصول کے لحاظ سے بہت اہم ہے۔ اس لئے کہ اب تک کانگریس ریاستوں کے معاملوں میں باضابطہ طور پر مداخلت کرنے سے پرہیز کرتی رہی ہے۔ اس تجویز سے ظاہر ہوتا ہے کہ اب یہ پابندی اٹھ گئی اور ریاست کے مظلوم باشندوں کی طرف بھی توجہ کی جائیگی۔ اگر کانگرس واقعی فیڈریشن کی موجودہ تجویز کو ناکام بنانا چاہتی ہے تو اس کی ایک بہت ہی اچھی ترکیب یہ ہے کہ ریاستوں میں پورے زور سے سیاسی تحریک شروع کرے اور ریاستوں کی رعایا کو مطلق العنان راجاؤں اور نوابوں کے خلاف ابھارنے کی کوشش کرے جب تک ریاستوں میں بھی سیاسی بیداری پیدا نہ ہو جائیگی ہندوستان کو برطانوی سامراج سے نجات نہیں مل سکتی۔

آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے اجلاس میں ان کے علاوہ اور بھی کئی اہم تجویزیں منظور ہوئیں جن میں سے ایک حکومت بنگال کے خلاف تھی۔ بنگال کی حکومت کی باگ پرجا پارٹی اور مسلم لیگ پارٹی کے متحدہ ہاتھوں میں ہے بقول آنریبل فضل الحق کے یہ اسلامی حکومت ہے۔ جو تمام ہندوستان کے مسلمانوں کی کفیل اور ان کی مصیبتوں کو دور کرنے والی ہے۔ لیکن اسلامی انصاف پسندی کی نمائش یوں ہو رہی ہے کہ دو ضلعوں کے باشندوں پر ایسی پابندیاں عائد ہیں جن کی مثال صرف جرمنی کی نازی حکومت میں مل سکتی ہے۔ میدنا پور اور چٹاگانگ میں ظلم حکومت کے ہاتھوں ہو رہا ہے۔ اس کے خلاف آل انڈیا کانگریس کمیٹی نے ایک زوردار تجویز منظور کی لیکن جب تک بنگال والے خود اس ظلم کو دور کرنے کے لئے پوری ہمت سے تیار ہو جائیں گے اور موجودہ حکومت کو مجبور نہیں کر دینگے ہر قسم کی سب تجویزیں بیکار ثابت ہونگی تعجب اور افسوس ہے کہ اسی بنگال میں جو تمام ہندستان کا سیاسی پیشوا تھا آج ایک رجعت پسند حکومت بڑے اطمینان سے قائم ہے لیکن ترقی پسند جماعتیں آپس کے جھگڑوں میں پڑی ہوئی ہیں۔

کلکتے میں ورکنگ کمیٹی کے سامنے بہت سے اہم اور پیچیدہ مسئلے پیش ہوئے جن میں کانگرسی وزارتوں کی پالیسی کا سوال سب سے اہم تھا۔ اس موقع پر ہر صوبہ کے وزیر اعظم یا ان کے نمائندے بھی موجود تھے پچھلے چند مہینوں میں جو تجربے کانگرسی وزارتوں کو ہوئے ہیں اور جو مشکلیں انہیں پیش آئی ہیں ان سب پر غور کیا گیا۔ اور کئی دن تک بحث مباحثہ رہا۔ ہمیں امید ہے کہ اب تمام کانگرسی وزارتیں اپنے اپنے صوبوں میں ایک قسم کی پالیسی رکھیں گی اور یہ شکایت باقی نہ رہے گی کہ ان صوبوں میں بھی تھوڑی ہی سہی لیکن کسی قسم کی پابندی تحریر اور تقریر پر موجود ہے۔ ورکنگ کمیٹی نے کلکتے سے دو اہم اعلان بھی شائع کئے۔ ایک بندے ماترم کے متعلق اور دوسرا اقلیتوں کے بارے میں۔ بندے ماترم کے گیت کے خلاف بعض مسلمانوں نے حال میں بہت شور مچایا ہے ان میں سے بہت کم لوگ ایسے ہیں جو عرصے تک کانگریس میں شریک تھے اور اس گیت کو ادب اور احترام سے سنا کرتے تھے۔ اب جو وہ اپنی ذاتی مصلحتوں کی وجہ سے

# کانگریسی وزارتوں کا سالانہ بجٹ

از منظر رضوی - الہ آباد

کانگریس نے ہندوستان کے چھ (اب سات) صوبوں میں پہلی بار اپنی وزارت بنائی ہے پچاس برس کی زندگی میں پہلا موقع ہے کہ حکومت کی باگ اور ذمہ داری اپنے ہاتھوں میں لی۔ ایک تو اس کے آنے سے پہلے ایک سیاسی تعطل دو چھ مہینہ گذر چکا تھا اس لئے اسے حکومت کی اسکیم مرتب کرنے کا پورا موقع بھی نہیں ملا اپنے کام نہایت ہی عجلت کے ساتھ کرنے پڑے۔ جو بجٹ اس نے مرتب کیا نہ اسے نمونہ کہا جاسکتا ہے۔ اور نہ یہ کہ اس میں ترقی کی کوئی گنجائش نہیں بجٹ کو اور بھی وسیع کیا جاسکتا تھا۔ اس امکان کو خود ہمارے وزیروں نے بھی تسلیم کیا ہے۔ بلکہ انہوں نے اپنے اپنے بجٹ پر ایک حد تک بے اطمینانی بھی ظاہر کی لیکن اپنی چند در چند خامیوں کے باوجود بھی بجٹ پچھلی حکومت کے بجٹ سے بہت آگے اور بڑھے ہوئے ہیں۔ ان میں نئی نئی اسکیمیں بھی شامل ہیں۔ اور عوام کی فلاح و ترقی کے کچھ سامان بھی۔

جدید دستور اساسی میں جو رکاوٹیں رکھی گئی ہیں ان کی وجہ سے کانگریس پارٹی کے لئے کسی طرح ممکن نہیں کہ کوئی انقلابی قدم اٹھائے یا کسی انتہا پسند اسکیم کو جاری کرے۔ اس کے لئے تو ہمیں ابھی لڑنا ہے ایسا اقتدار جس سے ہم حکومت کے سیاہ و سفید کے مالک ہو سکیں۔ اور ہم اپنی مرضی کے مطابق قوانین اور بجٹ تیار کر سکیں۔ حاصل کرنے کے لئے جد و جہد کرنا ہے۔ نیا دستور اسی سلسلہ میں آگیا ہے اب ہمیں اس دستور کو استعمال کر کے اپنی جد و جہد اور لڑائی کو آگے بڑھانا ہے اس سے مقصد یہ نہیں ہے کہ کانگریس اس دستور میں الجھ کر رہ جائے اور عوام کو بڑے بڑے مسئلوں کو نظر انداز کر دے۔ بڑے بڑے مسئلے تب ہی حل ہو سکتے ہیں جب ہم حکومت کی مشینری پر پورا قبضہ کر لیں اور اس میں برطانوی سامراج کی طرف سے کوئی روک ٹوک اور مداخلت نہ ہو سکتی ہو۔

اس جد و جہد کے سلسلے میں ہم عام لوگوں کے روزمرہ کے سوالوں کو بھی نظر انداز نہیں کر سکتے۔ جہاں تک ممکن ہوگا اس لڑائی کے دوران میں انکے لئے کچھ نہ کچھ کرتے ہی رہنا پڑے گا۔

قطع نظر ان باتوں کے جو آئے دن ہماری راہ میں آتی رہتی ہیں، یا آسکتی ہیں ہمیں کانگریسی بجٹ کو جو بہرحال ہمارے سامنے ہے پرکھکر دیکھنا ہے۔

## بہار

۱۹۳۷-۳۸ء کی کل آمدنی کا جو تخمینہ کیا گیا ہے۔ اس کے رو سے حکومت کے خزانے میں پانچ کروڑ چھ لاکھ کے آنے کی امید ہے بہار کی عارضی وزارت نے سال کے خرچ کے لئے جو رقم مقرر کی تھی وہ چار کروڑ ستر لاکھ [illegible] ہزار تھی اب کانگریسی وزارت نے حسب ذیل کاموں پر خرچ کرنے کی تجویز کی ہے۔

(۱) نئے دستور پر خرچ - تین لاکھ
(۲) جو اسکیمیں پہلے مرتب ہو چکی ہیں انکے لئے۔ ایک کروڑ چھ لاکھ
(۳) پبلک ورکس - ایک کروڑ پچاس لاکھ
(۴) گورنر اور وزیروں کی اختیاری منظوری کے لئے ایک کروڑ بیس لاکھ
(۵) ڈسٹرکٹ بورڈوں کی امداد کے لئے - تیس ہزار
(۶) تعلیم، زراعت، صنعت، مویشیوں کے علاج وغیرہ کیلئے۔ ایک لاکھ
(۷) ترہت کے سیلاب میں امداد کے لئے - پچیس ہزار

وزارت کو امید ہے کہ اسے چار لاکھ غیر عدالتی اسٹامپ کی قیمت بڑھانے اور عام تفریح پر ٹیکس لگانے سے مل جائینگے - زرعی آمدنی پر ٹیکس لگانے سے بھی اسے تیس چالیس لاکھ کی آمدنی ہو جائیگی۔

پچھلے برسوں سے جب ہم اس بجٹ کا موازنہ کرتے ہیں تو ہمیں انقلاب سا معلوم ہوتا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ کانگریسی بجٹوں میں یہ نہایت ہی مایوس کن اور بہت ہی جو پست بجٹ ہے جو حالت اس وقت وہاں کے کسانوں کی ہے اور روز روز جو وہ سیلاب اور برف باریوں۔ اور پھر زمینداروں کی لوٹ کھسوٹ سے تباہ ہوتے جا رہے ہیں۔ انکو اگر سامنے رکھکر دیکھئے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ میزانیہ کتنا غیر منصفانہ اور بے مصرف ہے۔ بہار کی سب سے پہلی ضرورت کسانوں کے قرضوں کی منسوخی تھی۔ اور ان کے لگان میں پچاس فیصدی کی کمی۔ بجٹ اور بجٹ کی تقریروں میں ان باتوں کا کوئی تذکرہ نہیں گو کہ وہ اب اسطرف متوجہ ہو رہے ہیں پھر سیلاب زدہ علاقے یعنی ترہت (جسمیں چار ضلعے پڑتے ہیں) کی وقتی امداد کے لئے پچیس ہزار روپئے رکھے گئے ہیں ۱۹۳۴ء سے ترہت کا علاقہ سیلاب اور زلزلے سے تباہ ہوتا رہا۔ اور اسکی تباہی اب اتنی بڑھ گئی ہے کہ پچیس ہزار کی رقم کسی ایک ضلع کے ایک گاؤں کے لئے بھی کافی نہیں۔ خود سیلاب کو روکنے کی چند صورتیں ہو سکتی تھیں۔ مثلاً پانی کو روکنے کے لئے بند اور اسکی نکاسی کے واسطے نہروں کی تعمیر ہو سکتی تھی۔ لیکن اسکیم میں انکا کوئی چرچا بھی نہیں۔ مفت ابتدائی تعلیم کے متعلق ابھی وزیر تعلیمات صوبہ بہار کا اعلان نظر سے گذر رہا ہے ہمیں اسکی تفصیلات معلوم نہیں۔

## اڑیسہ

۱۹۳۶-۳۷ء کے بجٹ میں تین لاکھ چھپن ہزار کی بچت تھی۔ لیکن انہیں پرکھنے اور جانچ کرنے سے معلوم ہوا کہ بچت محض چار ہزار روپیوں کی ہے کیونکہ مفروضہ فاضل رقم در اصل سڑکوں کی تعمیر، دیہاتی ترقی، چرخہ اور رنگریز کی صنعت اور نشکرو اکسائز پر منظور ہو چکی تھی۔ کانگریسی وزارت نے اس لئے اسے اسی طرح بحال رکھا اس کے علاوہ خرچ کی بہت سی مدیں ایسی تھیں جنکی ادائیگی حکومت اڑیسہ کے ذمہ باقی تھیں۔ وہ رقمیں مدراس اور بہار کو ادا کرنا تھیں۔

۱۹۳۷-۳۸ء کی کل آمدنی کا تخمینہ ایک کروڑ اٹھاسی لاکھ . . . . . اور خرچوں کا ایک کروڑ چوراسی لاکھ گیارہ ہزار کیا گیا ہے۔

۱۹۳۶-۳۷ء کے بجٹ سے مقابلہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تعلیم پر بیالیس ہزار۔ صحت عامہ پر ستر ہزار۔ علاج معالجہ پر باون ہزار روپیہ کوآپریٹو قرضہ (امداد باہمی کے قرضہ کے لئے) تیس ہزار۔ صنعت پر بچھتر ہزار۔ سول کاموں پر چھ لاکھ نو ہزار۔ زراعت پر چھپن ہزار۔ مویشیوں کے علاج وغیرہ پر چھبیس ہزار۔ پولیس پر ایک لاکھ چھیاسی ہزار۔ جیل اور قیدی کے لباس پر ستر ہزار۔ عدالت پر

۹۵۱۰ عام حکومت پر ۱۰۰۶۰۲۰۲ آب تیراکی اور کشتی رانی
پر ۹۵۱۰۰۰

## صوبہ متوسط (سی پی)

۳۹-۱۹۳۸ء کی آمدنی کا جو تخمینہ کیا گیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف لگان اور مالیہ کے ذریعہ ۴ کروڑ ۴۷ لاکھ ۸ ہزار کی آمدنی اور ۴ کروڑ ۹۸ لاکھ روپیہ کا خرچ سال بھر میں پڑے گا۔ اس طرح کل ۳۱۰۰۰ روپیہ کی بچت ہوتی ہے۔ قحط امداد فنڈ اور صرف ترقی کیا لین دین کے بعد قرضہ امیج اور پونجی کی مدات میں کل ۷۵ لاکھ ۸ ہزار کی رقم باقی رہ جاتی ہے جس میں ۴۵ لاکھ اسی ہزار روپیہ پچھلے سال قرض معجل لیا گیا تھا۔ جسکو حکومت ہند کے لئے ادا کرنا ہے۔ بقیہ پچاس لاکھ کے مستقل قرضہ سے۔ جو سال میں رفتہ رفتہ لیا جاتا رہتا ہے پورا کیا جائے گا۔

سی پی کے پہلے کانگریسی بجٹ نے نئے اخراجات کے لئے ۱۸ لاکھ ۱۲ ہزار روپیہ کی رقم مہیا کی ہے۔ لیکن اس میں تقریباً ۵۰ فیصدی رقم کو نام نہاد طور پر نیا کہا جا سکتا ہے۔ کیونکہ اس میں پرانے وعدے، لین دین وغیرہ شامل ہیں اور ان کے لئے ہر سال آئین سبھا کی اجازت لینی پڑتی ہے۔ ۷ لاکھ ۳۰ ہزار میں سے ۳ لاکھ ۸ ہزار کی رقم دراصل منجمد رقم ہے۔ اور بقیہ چالو قیمیں ہیں۔ ۸ لاکھ ۷۰ ہزار دو نئی اسکیموں کے لئے رکھی گئی ہیں۔ یہ چالو تر سال کے آخری حصہ کے لئے ہے پورے سال کے لئے اصل رقم چار لاکھ باون ہزار روپیہ ہے

نئی منظور شدہ رقموں میں آٹھ ہزار روپئے بونہ گرانٹ کو مضبوط کرنے کے لئے مخصوص کر دی گئی ہیں ۹۷۰۰۰ روپیہ جسمیں تعلیم کی اسکیم کے ماتحت مقامی جماعتوں (میونسپلٹی اور ڈسٹرکٹ بورڈ) مدد پانے والے اسکولوں، عمارت اور ساز و سامان کے لئے ہیں۔ جنگلی دیہاتوں میں تعلیم پھیلانے کے واسطے ۲ ہزار ۸۰۰ روپیوں کی چالو اور ۶ ہزار ۲ سو کی منجمد رقمیں رکھی گئی ہیں۔ ہبتیل کے اضلاع کے اسکولوں کے لئے بارہ ہزار (۱۲۰۰۰) روپئے رکھے گئے ہیں۔ اس رقم میں ان علاقوں میں علاج اور دوا وغیرہ پہنچانے کی سہولتیں مہیا کرنا بھی شامل ہے دیہات کے صنعتی اداروں اور قومی انکیشر کی اسکیم کو کامیاب بنانے کے لئے ۵۵۰۰ کی چالو اور ۲۱ ہزار پانچ سو کی منجمد قیمیں ہیں اسکے علاوہ بنواریوں کے ایک باہمی امداد فنڈ قایم کرنے کے واسطے ۲ ہزار کی رقم تجویز کی گئی ہے۔

## بمبئی

بمبئی کے وزیر مالیات مسٹر لٹھے نے بجٹ پیش کرتے وقت ماضی کے حالات کا جائزہ لیتے ہوئے کہا تھا کہ پچھلے سترہ برسوں میں کوئی اٹھاسی لاکھ کا بوجھ صوبہ پر نئے نئے ٹیکسوں کی شکل میں ڈالا گیا تھا۔ کفایت کے تمام مطالبات کے باوجود صوبہ کا خرچ دو کروڑ پچھتر لاکھ تک پہنچ گیا تھا۔ خرچوں کے بڑھنے کی ایک بہت بڑی وجہ یہ تھی کہ تنخواہیں اور حکومت کے لئے شعبوں سے مصارف روز بروز بڑھتے جاتے تھے۔ مانٹیگ چیمسفورڈ اصلاحات کے نفاذ کے وقت صرف پنشن ہی کی رقم پچاس لاکھ روپیہ تک پہنچ گئی ہے۔ اور اس وقت نہ صرف یہ رقمیں ایک کروڑ سے اوپر ہو گئی ہیں۔ بلکہ بڑھتی ہی جاتی ہیں مسٹر لٹھے کے خیال میں چند برسوں تک اس بڑھتی کو۔ جو عام لوگوں کے حق میں مضر ہے، اور روکا بھی نہیں جا سکتا ہے قرضوں کی وجہ سے جو یہ صوبہ اخراجات کی کفایت کے لئے وقتاً فوقتاً لیتا رہا ہے، سود کی بھی ایک کثیر رقم صوبہ پر واجب ہو گئی

اور اس قرضہ کی بڑی بڑی قسمیں جن میں سے ایک کروڑ پچاس لاکھ روپیہ کی ہے اور جو بمبئی کی ترقی کی اسکیم کے ماتحت لی گئی تھی اور دوسری ۴ کروڑ روپئے کی جو آب پاشی کی اسکیم کو کامیاب بنانے کے لئے لی گئی تھی۔ اس صوبہ کو اتنا بڑا بوجھ ہو گئی ہیں کہ انہی سے صوبہ بمبئی مستقلاً قرضدار ہو گیا ہے۔ جن لوگوں کے ہاتھوں میں اب تک حکومت کی ذمہ داری رہی ہے وہ لوگ آمدنی کے تمام ذرائع کو آزما کر دیکھ چکے ہیں۔ اور آج اسکی تمام راہیں بند ہو چکی ہیں۔

۳۹-۱۹۳۸ء کے بجٹ میں ۷۱ لاکھ ۶۷ ہزار کے گھاٹے کا اندازہ کیا گیا ہے اور اس گھاٹے کو پورا کرنے کے لئے پچھلے سال کی بچت میں سے چالیس لاکھ روپیہ کو صرف میں لیا جائے گا۔ وزارت نے تقریباً دس لاکھ کے اخراجات میں تخفیف کا فیصلہ کیا ہے۔ اس فیصلے کے رو سے آئندہ چھ مہینوں میں وزیروں اور اسمبلی کے دوسرے افسروں کی تنخواہوں میں کاٹ چھانٹ اور دوسرے محکموں میں پانچ فیصدی کمی کی جائیگی وزارت نے مالیاتی آمدنی میں سے کچھ نئی اسکیموں پر بھی خرچ کرنے کا فیصلہ کیا ہے جسکی تفصیل نیچے دی جاتی ہے۔

(۱) شراب خواری کی روک تھام - دو لاکھ روپیہ۔
(۲) چراگاہوں کی قیمت بند کرنے کے لئے۔ پانچ لاکھ روپیہ۔
(۳) زمین کے لگان میں کمی کرنے کے لئے۔ پانچ لاکھ روپیہ

لگان بقایا کے علاوہ ایک مدت سے پہلے کے بقائے آئندہ دو برسوں تک منسوخ کر دئے جائینگے۔

عام اخراجات کی مد میں بھی کچھ نئی اسکیموں پر خرچ کرنے کا التزام کیا گیا جسکی تفصیل یہ ہے:۔

(۱) دیہاتوں میں پانی مہیا کرنے کیلئے۔ دس لاکھ روپیہ
(۲) گھریلو صنعت کے لئے۔ ایک لاکھ پچاس ہزار روپیہ
(۳) دیہاتوں میں سڑکوں کی تعمیر کے لئے۔ تین لاکھ پچیس ہزار روپیہ

اس کے علاوہ دو لاکھ کی رقم شراب بندی کے لئے دکن، کونکن، اور گجرات کے خاص خاص علاقوں میں صرف کی جائے گی۔

## مدراس

مدراس میں ۳۹-۱۹۳۸ء کا مالیاتی سال ایک کروڑ ۳۹ لاکھ بچت سے شروع ہوتا ہے۔ نئے بجٹ کے ماتحت اس رقم کو سلیم ضلع میں شراب بندی کے لئے خرچ کیا جائے گا۔ جس سے ۱۶ لاکھ روپیہ کا گھاٹا ہوگا اور اس میں سے کچھ رقم جسکی میزان ۵ لاکھ روپیہ کی ہوتی ہے لگان میں رعایت اور کمی کے لئے بھی خرچ کی جائیگی۔ اس طرح مالیاتی آمدنی و خرچ کو ہم میزان پر قائم رکھا گیا ہے جو پچھلے سال تھا گو کہ نشو و ترقی کے شعبوں پر کافی رقمیں بڑھا دی گئی ہیں اس طرح کی آب پاشی پر ۵ لاکھ ۵۰ ہزار زیادہ کی مزید رقم بڑھا دی گئی ہے یا صحت عامہ پر ۹ لاکھ پچاس ہزار، زراعت پر ایک لاکھ پچیس ہزار اور مویشی کے علاج والے شعبہ پر پچھتر ہزار، کوآپریٹو قرضہ پر دو لاکھ ۲۵ ہزار صنعت پر تقریباً پانچ لاکھ روپیہ، محکمہ پر ۳ لاکھ پچاس ہزار اور تعلیم پر دو لاکھ ۵۰ ہزار بچیں۔ حکومت کے ابتدائی اور بنیادی فرائض، اور ترقی کے شعبوں پر جو رقمیں اب تک خرچ ہوتی تھیں وہ ۳۷-۱۹۳۶ء کے اخراجات سے علی الترتیب ۴۲٫۳۲ فیصدی اور ۵۷٫۶۸ فیصدی تھیں، لیکن اب کانگریسی بجٹ کے ماتحت انکی

میزان علی الترتیب ۵، ۳، ۴ اور ۳، ۰۵ فیصدی ہے۔ نئی اسکیموں کے لئے جو ٹیکس مل سکیں گے ان میں سے ۹ فیصدی کی رقم حکومت پنجاب کی فرائض کی تکمیل کے لئے ملازمتوں کے واسطے مخصوص کر دی گئی ہیں۔ اور ۲،۲۴ فیصدی کو ترقی کے کاموں کے لئے لگا رکھا گیا ہے۔

## یوپی (صوبہ متحدہ)

صوبہ متحدہ کی پہلی کانگریسی وزارت کو اخراجات کی مروجہ میزان پر بجٹ بنانے میں بہتیری رکاوٹیں اور دشواریاں تھیں۔ مانٹیگو چیمسفورڈ اصلاحات کے نفاذ کے بعد سے آج تک یوپی برابر مقروض رہا۔ اور اب اس کا قرضہ پندرہ کروڑ سے بڑھکر چونتیس کروڑ ہو گیا ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ یہ صوبہ بحیثیت مجموعی زراعتی صوبہ ہے۔ اور پچھلے چند برسوں سے زراعتی نرخ اور قیمت میں بر ابر انحطاط پیدا ہوتا رہا ہے۔ وزیر مالیات نے اس صورت حال کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا کہ گو کہ اس صوبہ کا مستقبل اتنا زیادہ مایوس کن نہیں ہے جتنا کہ اور صوبوں کا ہے۔ لیکن اسکی موجودہ حالت اچھی نہیں ہے اور تھوڑی سی دشواریاں بھی بہت کثیر ہیں۔

عارضی وزارت کے تخمینہ کے رو سے صوبہ کو ۰۰۰،۰۰، ۱۱ لاکھ روپیہ کا گھاٹا ہوتا تھا۔ اس وزارت نے گھاٹے کو دور کرنے کے لئے کچھ کفایت بھی کی تھی پھر بھی ۹ لاکھ روپیہ کا گھاٹا ہی گیا تھا۔ کانگریسی وزارت نے جب ان تمام مسئلوں کو دیکھا تو اسکے نزدیک تیس لاکھ روپیہ کا سوال تھا۔

لیکن عام حکومتی اداروں، عدالت، اور پولیس، اور کانگریسی وزیروں کی سفر خرچ کو کانٹ چھانٹ کر کانگریسی وزارت نے صوبہ کو گھاٹے میں پڑنے سے بچا لیا۔ بلکہ دراصل اس نے چار لاکھ پچاس ہزار کی بچت بھی کر لی نئی اسکیم کے تحت ہر محکمہ نئے نئے اخراجات کی تجویز کی گئی ہے جس کے کل ستر لاکھ روپئے ہوتے ہیں اس طرح سال رواں میں کل گھاٹا اندازاً ساڑھے بارہ لاکھ روپئے ہوتا ہے۔ ۱۹۳۶-۳۷ء کے کل اخراجات سے مقابلہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کانگریسی

وزارت نے تیس لاکھ روپیہ کی رقم کا قومی تعمیر کے اداروں پر اضافہ اور بارہ لاکھ کی عام حکومتی، عدالتی اور پولیس پر اخراجات میں تخفیف کر دی ہے قومی تعمیر کے سلسلہ میں جو منظوریاں ہوئی ہیں ان میں دس لاکھ کی رقم گاؤں سدھار کے اخراجات کے لئے ہے بیس ہزار کی رقم دیہاتی کتب خانوں کے واسطے، شہروں میں خالص دودھ بہم پہنچانے کی اسکیم کے واسطے بیس ہزار، پانچ سو خالص گھی پیدا کرنے کی اسکیم پر، کسانوں کے لئے اچھے بیج کا سامان کرنے پر تیس لاکھ روپیہ اور دو لاکھ روپیہ کھاد کیلئے مویشیوں اور بیلوں کی پیداوار اور ترقی کے لئے تینتیس ہزار پانچ سو بیلوں کو سینچنے کے لئے۔ دو ہزار اور آلو کی تحقیق کے لئے اکتیس ہزار اور دس ہزار روپیہ کی رقم ٹیوب ویل والے حلقوں میں زراعت کی ترقی کے واسطے ہے ان سب کے علاوہ کھاد کی تحقیق کرنے کے لئے دس ہزار کی رقم رکھی گئی ہے ایک لاکھ چوبیس ہزار چھ سو ہینڈ لوم صنعت کی ترقی کے واسطے ہے دس ہزار مزدور علاقہ میں عام رفاہی کاموں کے لئے اڑتیس ہزار گڑ بنانے کے طریقہ کی ترقی کے لئے ہے۔ صنعتی قرضہ۔ کمپنی کو ترقی دینے کے لئے

مارکیٹنگ کمیٹی کے لئے پچیس ہزار ملیریا کی دبا کو روکنے کے لئے اسی ہزار دیہاتی علاقوں میں طبی امداد کو اور وسیع کرنے کے لئے ایک لاکھ پچاس ہزار ہے اور نوجوانوں کے صنعتی کاموں میں مدد کرنے کے لئے ایک لاکھ ہے وزیر اعظم مسٹر گوبند بلبھ پنت نے شراب بندی کی اہمیت پر زور دیتے ہوئے کہا تھا کہ اس کے لئے وہ آئندہ سال قدم اٹھائیں گے کیونکہ اس سال عارضی حکومت (جیسے مولانا ظفر علیخاں صاحب کی اصلاح میں اسلامی حکومت کہنا مناسب ہوگا) محکمہ آبکاری کا بندوبست کر چکی تھی اور اب کانگریسی وزارت کو اپنے پیشرو کے فیصلوں میں کسی ترمیم کا اختیار نہیں ہے۔ سرکاری ملازمتوں کے طرح طرح کے ابتذال اور خرابیوں کو دور کرنے کے لئے، پنت جی کی حکومت نے دس ہزار کی رقم ایک خاص افسر کے لئے جو ان خرابیوں کو دور کرنے پر معمور کیا جائے گا۔ رکھ چھوڑی ہے۔

---

# انقلاب میں کسانوں کا ہاتھ

(مسلسل)

(پی۔ آئی)

ہندستانی مزدوروں کا طبقہ اب رفتہ رفتہ جمع ہوتا اور منظم ہونا شروع ہوا ہے لیکن اوسط طبقے کے چھوٹے لوگ جو ایسی تحریک کی تو خوب تائید کرتے ہیں جس میں ان کے طبقے کا بھلا ہو لیکن ان تحریکوں سے سخت نفرت کرتے ہیں جن سے اصلی طاقت کے عوام کے ہاتھوں میں چلے جانے کا خدشہ ہو۔ یہ لوگ ہمیشہ اس کوشش میں رہتے ہیں کہ مزدور کی تحریک کا رخ گھما دیں۔ مزدوروں کی تحریک کا مقصد طاقت چھیننا ہوتا ہے۔ لیکن یہ اس کو اصلاحی تحریک بنا دیتے ہیں یعنی مزدوروں کو سکھاتے ہیں کہ وہ لوگوں سے لڑیں نہیں بلکہ ان سے التجا کریں کہ ہمارے ساتھ ذرا کم سختی برتو لیکن مزدوروں کی اس طاقت کو نہ تو برطانوی سامراج کچل سکتا ہے اور نہ اوسط طبقے کے چھوٹے لوگ کیونکہ سرمایہ دار اپنی دولت بنانے کے لئے مجبور ہیں کہ مزدوروں کو ملوں میں جمع کریں۔ مزدوروں کا یکجا ہونا اور ان کے درد دکھ یہ دو چیزیں ایسی ہیں جو ان کی طاقت کو بڑھاتی رہیں گی۔ اور ان کو صحیح راستے پر لگاتی جائیں گی۔

ہندوستان میں انقلاب کے لئے مزدوروں اور کسانوں کی جماعتوں کا باہمی اتحاد بہت ضروری ہے لیکن یہ ایک دن کا کام نہیں ہے اس کے لئے بہت سخت محنت و استقلال کی ضرورت ہے جس کو صرف نوجوان اشتراکیوں کی جماعت کر سکتی ہے۔ اشتراکی صرف وہی شخص کہا جا سکتا ہے جو کسانوں کی جماعت بندی اور مزدوروں کی تنظیم میں اپنی جان کھپاتا ہو، ان کی جماعت کو مستقبل کی لڑائی کیلئے تیار کرتا ہو اور ہر موقع سے پورا فائدہ اٹھائے۔

برطانوی سامراج اور زمینداروں کا مطلق العنان راج اور مہاجنوں کے قرضوں کا جال صرف یوں ٹوٹ سکتا ہے کہ مزدوروں اور کسانوں کی طاقت انقلاب لائے۔ اس کے بعد انقلابیوں کی جماعت کی جمہوری حکومت قائم ہو۔ تب مزدوروں اور کسانوں کا اقتدار ہی صرف ایسی طاقت ہے جو انقلاب کے بعد مہاجنوں سرمایہ داروں اور زمینداروں کی بچی کھچی طاقت کو بالکل فنا کر دیگا اور یہی اقتدار اس بات کی گارنٹی ہو جائے گا کہ سرمایہ داری دوبارہ

واپس نہیں کر سکتی۔ اس جدوجہد کے زمانہ میں اوسط طبقہ اور چھوٹے سرمایہ دار کوشش کریں گے کہ انقلاب کے سیلاب کا رُخ اپنے فائدے کی طرف پھیر لیں وہ برسرِ حکومت ہو جائیں اور پست طبقہ پر بدستور حکمرانی کرتے رہیں۔ زیادہ سے زیادہ اس طبقہ کے ساتھ کچھ رعائتیں کر دیں۔ دوسری طرف مزدور گاؤں اور شہروں کے مفلس طبقہ سے مل کر اس بات کی کوشش کریں گے کہ سرمایہ داروں کی دولت سوشلسٹ نظام جمہوری قوم کی مشترکہ ملکیت بنا دی جائے۔ اور زمینداروں سے زمین نکال کر کسانوں کو دیدی جائے۔ اس طبقاتی لڑائی کے امکانات دیکھ کر اوسط طبقہ ہر ممکن طریقہ سے اس بات کی کوشش میں ہے کہ اپنے سے چھوٹے سرمایہ داروں کو بھی اپنے جھنڈے تلے اکٹھا کرے جیسا کہ فرقہ وارانہ جماعتوں (مسلم لیگ وہما سبھا) اور سرمایہ داروں (انجمن تاجران) اور زمینداروں کی انجمنوں سے بخوبی ظاہر ہوتا ہے لیکن یہ وہ اونچے طبقہ کا مقصد حاکمانہ حقوق حاصل کرنا ہے۔ اوسط طبقہ کے اونچے لوگ جس میں سب کھاتے پیتے، اور تعلیم یافتہ لوگ ہیں اور جن کی آمدنی دوسروں کی کمائی چھیننے پر منحصر ہے ——— مثلاً سوداگر۔ بڑے کاریگر اور چھوٹے مہاجن یہ لوگ اپنے منافع قائم رکھنے کے لئے سامراج شکن جدوجہد میں اور زمینداری کے خلاف اور ملوں کی غلامانہ مزدوری کے خلاف جدوجہد کو ایک دوسرے میں پیوست کر دیتے ہیں دوسری طرف غیر قوم کی لوٹ مار اور زمینداروں کی دستبرد عوام میں یہ خیال پھیلا رکھا ہے کہ صرف سامراج اور زمینداری کے خلاف جنگ کرنا کافی ہے، اور اسی طرح ہم ہندوستانی سرمایہ داروں کی سختیوں سے بھی نجات حاصل کر لیں گے۔ لیکن یہ خیال انقلاب کے حق میں اور کسانوں اور مزدوروں کے اتحاد کے حق میں بہت نقصان دہ ہے۔ اوسط طبقہ کے لوگ کسانوں اور مزدوروں کو الگ الگ طبقات میں تقسیم کرتے ہیں اور اپنے نام نہاد جمہوری مطالبات کو سوشلسٹ مطالبات کے مطابق بنا کر لوگوں کو دھوکے میں رکھتے ہیں اس لئے اُن کے جھوٹے پروپیگنڈے کے خلاف جنگ کرنا بھی انقلاب کی کامیابی کے لئے ضروری ہے۔

جب وقت سے کہ طبقاتی کشمکش نے ملک میں زور پکڑا ہے اسوقت سے اب تک کسانوں اور مزدوروں کی بہت سی انقلابی انجمنیں وجود میں آچکی ہیں اور اکثر مقامات پر ان دونوں کی مشترکہ انجمنیں بھی قائم ہوئیں۔ لیکن ابھی تک وہ یہ نہیں سمجھ سکے کہ سرمایہ پرستی اور زمینداری کے خلاف لڑنے کے لئے بھی پرولتاری طبقہ کی رہنمائی ضروری ہے۔

کسان تحریکوں پر غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ یہ ایک بڑی انقلابی قوت ضرور ہے۔ لیکن کسانوں میں یہ صلاحیت نہیں ہے کہ وہ تنہا اپنی تحریکوں کو چلا سکیں۔ ان تحریکوں کی ناکامیابی کی عام طور سے دو وجوہ ہوئیں۔ ایک تو یہ کہ وہ مقامی حیثیت رکھتی تھیں اور اس لئے عارضی طور پر کچھ دنوں تک چلنے کے بعد ختم ہو گئیں کیونکہ ان کے پیچھے ملک کے دوسرے کسانوں کا زور نہ تھا۔ دوسری وجہ یہ ہوئی کہ تحریک کی رہنمائی خوشحال اوسط طبقہ کے ہاتھ میں رہی جنھوں نے ساری تحریک کی بنیاد صرف چند معمولی مطالبات پر رکھی اور آگے چل کر تحریک کا رُخ غلط راستہ پر کر دیا۔ کسان تنہا کوئی تحریک نہیں چلا سکتے یا تو وہ اوسط طبقہ کی رہنمائی میں چلتے ہیں۔ اور آگے چل کر شکست اُٹھانے کے بعد خاموش ہو جاتے ہیں۔ جیسا کہ آج تک ہندستان میں ہوتا رہا۔ یا دوسری صورت یہ ہوتی ہے کہ پرولتاری (مزدور) طبقہ سے مفاہمت کر کے وہ کمیونسٹ پارٹی کی سرکردگی میں آگے بڑھتے ہیں اور ایک آدھ وقتی شکست کھانے کے باوجود انقلابی راستہ پر گامزن ہو جاتے ہیں۔ بالکل یہی حالت سوویٹ روس میں ہوئی جہاں کسانوں نے مزدوروں سے مل کر سامراج کے ساتھ ساتھ سرمایہ پرستی اور زمینداری کا بھی خاتمہ کر دیا۔ تجربہ ہم کو بتاتا ہے کہ جب تک ہندستان کے کسان اور مزدور مل کر یہ سوال حل نہ کریں گے اسوقت تک کسانوں کی کوئی انقلابی جماعت سامراج اور اس کے ہمدردوں کے خلاف فتح نہیں پا سکتی۔

کمیونسٹ انجمنوں کا مقصد صرف سامراج اور زمینداری ہی کو ختم کرنا نہیں بلکہ اس پورے نظام کو مٹانا ہے جس میں صرف چند لوگوں کے بدلے سیکڑوں کسان اور مزدور غلام بنے رہتے ہیں۔ ایک کمیونسٹ مزدور کا پہلا فرض یہ ہے کہ وہ کھیتوں اور بڑے بڑے فارموں میں کام کرنے والوں کی سبھائیں بنائے جن کا مقصد کسانوں اور مزدوروں کے حقوق کی خاطر زمینداروں۔ مہاجنوں اور سرمایہ داروں سے جنگ کرنا ہو زمیندار، مہاجن یا سرکاری حاکم کی ذرا سی بھی سختی سے ہم کو فائدہ اٹھانا چاہئے اور کسانوں کے دلوں میں اس طبقے کے خلاف تحریر و تقریر سے جذبۂ حقارت پیدا کرنا چاہئے۔ اس قسم کی تحریکوں میں کسانوں کو متحد ہو کر اپنے حقوق کے لئے جنگ کرنے کی بھی اچھی تعلیم دی جا سکتی ہے۔ ہندستان میں بہت سی جماعتیں ہیں جو خود کو کسانوں کی جماعت کہتی ہیں لیکن دراصل وہ سب کی سب چند ملعدار وکیلوں اور زمینداروں کے ہاتھوں میں رہن ہیں۔ ہندستانی اوسط طبقہ بہت عرصہ سے کانگریس کی مدد سے کسانوں پر حاوی ہے۔ وہ کانفرنسیں منعقد کرتے ہیں۔ کسان سبھائیں بناتے رہے لیکن صرف اس لئے کہ ان کو ڈر ہے کہ کہیں دیہاتی لوگ اپنی جدوجہد کو خود اپنے ہاتھوں میں نہ لے لیں کیونکہ اس حالت میں ان کے اور زمینداروں کے درمیان خوشگوار تعلقات ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائیں گے اور پھر وہ کسی کے دھوکے میں نہ آسکیں گے۔

کسان سبھاؤں میں کام کرنے والے کسانوں کا ہاتھ پکڑ کر نہیں چلاتے بلکہ ان کو راستہ بتا دیتے ہیں جس پر چل کر وہ اپنی تحریک کو کامیاب بنا سکیں۔ شہروں کے مزدور سرمایہ داروں کے دھوکے اور چالیں غریب دیہاتی کسانوں سے زیادہ اچھی سمجھ سکتے ہیں۔ مزدور اور ان کے لیڈر اب جان گئے ہیں کہ اپنی ان تھک کوششوں اور منظم جنگ ہی سے وہ سامراج، زمینداری اور سرمایہ داری کو ختم کر سکتے ہیں۔ نہ کہ حکومت اور اس کے ملازموں کے خلاف سازشیں کر کے۔ تجربہ شاہد ہے کہ چوٹی کے چند لیڈر عوام کو کبھی آزاد نہیں کرا سکتے۔ عوام خود ہی اپنی تحریک چلاتے ہیں اور ملوں۔ کارخانوں۔ کھیتوں۔ شہروں اور دیہاتوں میں اپنی تنظیم اور اپنے اتحاد کے زور سے دشمنوں کا خاتمہ کر سکتے ہیں۔ دیہاتوں میں جا کر اگر تفصیل سے کسانوں کی مانگیں سنی جائیں اور غور کیا جائے کہ ان کو کیسے پورا کیا جا سکتا ہے، تو غور کرنے والا اس نتیجہ پر پہونچے گا کہ جب تک انقلاب نہ ہو، انکی مانگیں نہیں پوری ہو سکتیں۔ گویا کہ ہر غیر مطمئن کسان درحقیقت انقلاب چاہتا ہے۔

انقلاب کا مطلب یہ ہے کہ تمام زمینیں۔ علاقے۔ ریاستیں جنگلات چراگاہیں۔ آبپاشی کے ذرائع، برطانوی حکومت والیان ریاست، تعلقداروں زمینداروں اور مہاجنوں سے چھین کر کسان سبھاؤں کے حوالے کر دی جائیں جو امداد باہمی کے اصول پر ان کا انتظام کریں۔ اُن سے فائدہ سب اُٹھائیں کھائیں پئیں۔ مکان بنوائیں۔ باغ لگوائیں۔ لیکن اپنے استعمال کے لئے نہ کہ نفع کمانے کے لئے۔

تمام کشت زار (فارم) کسان سبھاؤں کی ملکیت قرار دیدئے جائیں

اگر ان کا مقصد یہ نہ ہو کہ مٹھی بھر انسانوں کے لئے عیش عشرت مہیا کریں۔ بلکہ یہ مقصد ہو کہ تمام باشندوں کے لئے روٹی کا انتظام کریں۔ ان تمام ذرائع آمدنی چھین لئے جائیں، اور ان کو کسی قسم کا بدلہ ان کے مالکوں کو نہ دیا جائے مگر ان کو بھی حق ہو کہ وہ کام کریں اور کسانی سماج کے ممبر بنکر اس کی پیداوار سے فائدہ اٹھائیں۔

ان مقاصد کے حاصل کرنے کے لئے جدوجہد کا ایک ہی راستہ ہے۔ یہ جدوجہد ایسی ہے جو ایک طرف سرمایہ داری نظام کو مٹاتی جاتی ہے، اور دوسری طرف مزدوروں اور کسانوں کو سیاسی اور اقتصادی تعلیم دیتی جاتی ہے۔ عام طور پر لوگ جب انقلاب کا نام سنتے ہیں تو ان کی نگاہ موجودہ نظام، یعنی پولیس عدالت اور جیل کے آہنی ہاتھوں سے قائم کئے ہوئے، امن کی طرف جاتی ہے، موجودہ تمدن کی ظاہری چمک دمک کی طرف نگاہ جاتی ہے۔ اور پھر اس تباہی غارتگری اور بربریت کی طرف نگاہ جاتی ہے، جسکا انقلاب کے آگے آگے آنا ضروری ہے۔ وہ یہ نہیں دیکھتے کہ اصلی انقلاب یہ تباہی نہیں ہے بلکہ وہ تمیز جو انقلابی خیالات کے راستے، اسی جدوجہد کے راستے اور اسی تباہی کے راستے مزدوروں اور کسانوں کی رگ و پے میں سرایت کرتی جاتی ہے۔ جب ایک جماعت حقوق کے لئے لڑتی ہے اور سمجھ کر لڑتی ہے، پھر فتحیاب ہوتی ہے تو خوب سمجھ جاتی ہے کہ یہ حقوق کیا چیز ہیں۔ کیونکر بچائے جاسکتے ہیں اسکو دوست و دشمن کی تمیز ہو جاتی ہے۔ اس انقلاب کے لئے جدوجہد کا جو راستہ ہے۔ اس کا خاکہ یہ ہے۔

کسان سبھائیں دیہاتوں کے کسانوں اور مزدوروں کو منظم کرکے ایکے جلوس نکالیں، مظاہرے کریں۔ جلسے کریں، اور ان کے روزمرہ کی مانگوں کیلئے لڑیں۔ مثلاً

(۱) لگان پر اضافوں، ٹکس پر اضافوں اور آبیانہ پر اضافوں کے ادا کرنے سے انکار کر دینا۔

(۲) زمینداروں، تعلقداروں حکومت کے افسروں کو کسی قسم کا بیگار نہ لینے دینا۔

(۳) مہاجنوں کو سود ادا کرنے سے انکار کر دینا۔

(۴) مقامی حکومت کو جو پولیس کی امداد کے لئے۔ مقامی افسروں کے استقبال اور رخصتی کے لئے۔ یا اور شاہی رسموں مثلاً تاجپوشی وغیرہ کے موقعوں پر لگائے جاتے ہیں ادا کرنے سے انکار کر دینا۔

(۵) زمینداروں، پولیس اور مقامی افسروں کو کسی قسم کا تحفہ دینے سے انکار کر دینا۔

(۶) بلا مزدوری سڑک بنانے سے۔ یا کسی افسر کا سامان اٹھانے سے انکار کر دینا، یہ بیگار ریاستوں میں بہت چلتی ہے۔

(۷) بقایا لگان۔ یا قرضہ کی ادائی کے لئے کسانوں کی زمین، ہل بیل اور کھلیان قرق کرلئے جاتے ہیں۔ اس کے خلاف جدوجہد کرنا۔

(۸) پولیس دیہاتوں میں وارداتوں کی تحقیقات کے لئے آتی ہے اکثر مقامات پر فوج اپنی چھاؤنی ڈالتی ہے، اس کی دعوت اور خاطر مدارات زمیندار کسانوں سے زبردستی کراتے ہیں اس سے انکار کر دینا۔

(۹) جو زمیندار یا مہاجن کسی کسان کی زمین چھین لے اس سے ہر طرح کا میل جول بند کر دینا اور قطع تعلق کر لینا۔

(۱۰) قرضہ کے عوض کام نکالنے کی رسم کے خلاف آواز اٹھانا

(۱۱) نمبرداروں کے خاندانی بنائے جانے کے خلاف لڑنا

(۱۲) پنچایت، جسکے پنچ عموماً دولتمند لوگ بن جایا کرتے ہیں۔ اور پھر اپنے مطلب کے فیصلہ کرتے ہیں، توڑکر ایسی پنچایتیں بنانا۔ جس کے پنچ باقاعدہ منتخب ہوکر آیا کریں اور جو کسانوں کی صحیح نمائندگی کرسکیں

(۱۳) عدالتوں کا بائیکاٹ، اور کسانوں کے آپس کے معاملات کا تصفیہ پنچائتوں کے ہاتھوں میں دیدینا

(۱۴) چراگاہوں، جنگلوں کی پابندیوں کے خلاف لڑنا۔

(۱۵) جو مزدور کھیتوں میں مزدوری کرتے ہیں۔ ان کے کام کرنے کا وقت ہفتہ میں ۴۸ گھنٹوں سے زیادہ نہ ہو۔

ان تمام مطالبوں کے لئے ایک وقت لڑنا ضروری نہیں ہے۔ بلکہ پہلے تو کسان سبھائیں بنانا چاہئیں۔ اور کسانوں کی تکلیفوں کو بہت غور سے سننا چاہئے۔ پھر ایک ایسی چھوٹی سی مانگ اٹھانا چاہئے جو سب کسانوں میں مشترک ہو اور جس کے تسلیم کرنے میں زمیندار کو بہت بڑا نقصان نہ ہوتا ہو مگر پھر بھی ایسی مانگ ہو کہ اسی پر جدوجہد چل سکے۔ اس مانگ پر مظاہرے کئے جائیں نعرے لگائے جائیں۔ جلسے ہوں۔ اور لگان بندی کی دھمکی دی جائے۔ زمیندار جو ہزاروں کاشتکاروں کے بیچ میں اکیلا ہوتا ہے ایسے موقعوں پر گھبرا جاتا ہے۔ اس کو اپنے خاص مددگاروں اور سپاہیوں پر بھی بھروسہ نہیں رہتا۔ کیونکہ سمجھتا ہے کہ کچھ ہو مگر ہیں یہ لوگ کسانوں ہی کے۔ جہاں جدوجہد نے ذرا طول کھینچا، اور اس نے مانگیں پوری کردیں۔ ادھر مانگیں پوری ہوئیں۔ اور ادھر کاشتکاروں کی ہمتیں بڑھ گئیں پھر جب کاشتکاروں کی حالت سنبھل جائے۔ تو دوسری مانگ اٹھانا چاہیئے۔

اس پروگرام کی کامیابی۔ آہستہ۔ آہستہ ہوگی۔ کیونکہ جب تک سارا ملک ساتھ نہیں چلے گا۔ زمیندار پر دباؤ نہیں پڑ سکتا۔ لیکن کسانوں کی یہی کچھوے کی رفتار۔ پانچ سال میں اتنا میدان طے کرلے گی کہ سرمایہ داری چراغ سحری نظر آنے لگے گی۔

# دیہاتی لڑکیاں

(علی سردار جعفری)

گردشِ افلاک نے گودی میں پالا ہے انھیں — سختیٔ آلام نے سانچے میں ڈھالا ہے انھیں

گھورتی رہتی ہے گرمی میں نگاہِ آفتاب — آسماں کرتا ہے نازل ان پہ کرنوں کا عتاب

سر پہ ساون کی گھٹا جاتی ہے منڈلاتی ہوئی — سرد جاڑوں کی ہوا سینوں کو برماتی ہوئی

بیکسی انکی جوانی، مفلسی ان کا شباب — ساز انکا سوزِ حسرت، خامشی انکا رباب

سر سے پا تک داستانیں حسرتِ ناکام کی — نرم و نازک قہقہوں میں تلخیاں ایام کی

خشک لب، بھیگی نظر، مدقوق چہرے، زرد گال — وہ دھنسی آنکھیں، فسردہ رنگ، گرد آلود گال

پپڑیاں ہونٹوں پہ زخموں کے کناروں کی طرح — گرم ماتھوں پر عرق، مدھم ستاروں کی طرح

بوجھ کا مرہونِ منت انکے ابرو کا تناؤ — انکا حاکم ظلم، انکا پاسباں بیجا دباؤ

انکے ساتھی پھاؤڑے، انکی سہیلی ہے کدال — زندگی پر یہ وبال اور زندگی ان پر وبال

پہلوؤں میں انکے تازہ لاکھ زخموں کا چمن — انکا بستر قبر ان کے سر کی چادر ہے کفن

لیکن ان کی پستیوں کو اپنی رفعت سے نہ دیکھ — انکی غربت پر نہ جا انکو حقارت سے نہ دیکھ

انکے سینوں میں ہیں پوشیدہ رموزِ زندگی — چیتھڑوں میں ہیں نہاں کچھ گوہرِ تابندگی

اپنی نظروں سے یہ لکھ سکتی ہیں تاریخوں کے باب — انکے تیور دیکھتی رہتی ہے چشمِ انقلاب

بچ کے جائیگا کوئی کمزور ہاتھوں سے کہاں — پتھروں پر انکی ضربِ آہنی کے ہیں نشاں

ٹھوکروں پر ان کی جھک سکتے ہیں ایوان و قصور — توڑ دیتی ہیں ہتوڑوں سے چٹانوں کا غرور

انکی چوٹوں پر نکلتے ہیں پہاڑوں سے شرار — یہ اگر چاہیں الٹ ڈالیں بساطِ روزگار

بن کے قوت ایک دن ابھرے گی برسوں کی تھکن
دیکھ لینا یہ بدل دیں گی نظامِ انجمن

# کمزور پودا

گذشتہ سے پیوستہ

سنا نہ جائے درد دل مت منہ جانے درد دل "
گاڑی سڑک چھوڑ ایک باغ کے بیچ سے گذر رہی۔ اور اس کے بعد ایسے راستے پر چلنے لگی جس کے دونوں طرف اونچے اونچے تیار کے جھنڈ کھڑے تھے کنیز بچپن میں گاؤں سے شہر میں گھوم چکی تھی۔ اس لئے اس کو تعجب ہوا کہ خیراتی کدھر جا رہا ہے۔ اور بولی۔

" کدھر جا رہا ہے "

خیراتی برابر تانیں مار رہا تھا

" درد دل ہوئی درد دل "

گفتگو کی گنجائش نہ پا کر کنیز خاموش ہو گئی۔ رات بھر کی جاگی تھی۔ اس لئے لیٹے لیٹے آنکھ لگ گئی۔ مگر تھوڑی ہی دیر گذری ہوگی نہ اس کو ایک طرح کی بے چینی محسوس ہوئی۔ اور آنکھ کھل گئی۔ دیکھا تو گاڑی اسی کے دروازے پر کھڑی ہے۔ اور خیراتی اس کے ماں باپ سے باتیں کر رہا ہے۔

خیراتی " اتریئے بیگم صاحبہ۔ سسرال آ گئی "

باپ ڈانٹ کر بولا کنیز اتر۔ ...

کنیز ڈر سے کانپتی ہوئی اتری۔ اترتے ہی باپ نے ایک گھونسا مارا۔ اور پھر لکڑی اٹھا کر چار پانچ ضربیں لگائیں کنیز دروازے سے گذر کر انگنائی میں گر پڑی باپ نے ایک لات رسید کی پھر بھی غصہ کم نہیں ہوا۔ برابر گالیاں دیئے جا رہا تھا۔ آخر ماں کو ترس آ گیا اور بولی۔

کیا مار ڈالو گے۔ وہ بچاری کرتی کیا۔ تم ہی نے اس کی زندگی اجیرن کر دی تھی زمیندار کے مکان میں نوکر رکھ کر آج تک کوئی لڑکی بچی ہے! ابھی پار سال بندو کی بیوہ کے پیٹ ہوا تھا .........

" چپ رہ تو۔ کئے جا رہی ہے۔ میں گاؤں میں منہ دکھانے کے قابل نہیں رہا "

پاس پڑوس کے مرد اور عورتیں آ کر جمع ہو گئیں قصہ ان لوگوں کو خیراتی سے معلوم ہو گیا تھا۔ اور جو کچھ باقی بچا۔ وہ ماں باپ کی لڑائی سے معلوم ہو گیا۔ ہر ایک اپنی سی کہنے لگا۔

" برا کیا "

" برا کیا "

" برا ہوا "

" کہاں گئی تھی "

" گئی ہی کیوں تھی۔ کوئی نکال رہا تھا "

" بچاری غیرت دار ہے "

" پہلے سے سوچ لیتی "

ماں باپ کا برا حال سب کے سامنے دکھ رو رہے تھے ایک عورت بولی "

" ایسی باتیں غریبوں کے گھر ہو ہی جاتی ہیں "

دوسری عورت " عزت آبرو بڑے لوگوں کی باتیں ہیں "

غل شور سن کر زمیندار صاحب کے گھر سے بقاطن خبر لینے آئی۔ اور کنیز کے باپ سے پوچھنے لگی "

" کیا بات ہے "

" کیا بتاؤں ؟ عنبر میاں نے ہم لوگوں کی عزت لے لی اور اس حرامزادی کو تو کسی کام کا نہ رکھا "

" یہ سنتے ہی عورتیں آدمی بول اٹھے "

" ہائیں ہائیں کسی کا نام کیوں لیتے ہو "

" کیا کہہ رہے ہو۔ کیا کہہ رہے ہو "

" کسی کا نام کیوں لو۔ اپنی قسمت کو کہو قسمت کو "

ماں " ہاں اپنا لکھا "

" ایک بڑھیا نے بقاطن کے پاس جا کر کہا۔

" یہ نہ کہہ دینا کہ کسی کا نام لیا۔ کیا فائدہ ؟ جو ہونا تھا وہ ہو چکا "

دوسری عورت۔ زمیندار صاحب کو خفا کر کے گاؤں میں رہنا ہوگا کیسے

تیسری عورت۔ دریا میں رہ کر مگر مچھ سے بیر "

بقاطن چپکے سے چلی گئی۔ جو جمع ہو گئے تھے وہ بھی ایک ایک سے دو کر کے رخصت ہونے لگے۔ دو عورتیں ٹھہر گئیں۔ انھوں نے کنیز کو انگنائی سے اٹھایا۔ جو ابھی تک منہ ڈھکے بے کل پڑی رو رہی تھی۔ بیچاری کو پلنگ پر لٹایا۔ جوڑ بہت بے جگہ لگی تھیں خوب سینکا گیا۔ ہلدی چونا لگایا گیا۔ مگر کنیز کی بے چینی میں کچھ کمی نہیں ہوئی۔ اکثر زور سے چیخ اٹھتی۔ ان لوگوں کے کچھ سمجھ میں آیا کچھ نہیں۔ مگر جو بن پڑا کرتی رہیں۔

چار روز کے بعد کنیز کے ماں باپ گھر کو بر چھوڑ منہ اندھیرے کنیز کو لیکر گاؤں سے چلے اور یہ ارادہ کیا کہ کنیز کو مصلحتاً کچھ دنوں کے لئے اس کی خالہ کے پاس پہونچا دینا چاہئے پھر جیسا رنگ ہو ویسا کیا جائے گا کیونکہ اس کی رخصتی کی طرف سے تو اب بالکل مایوسی ہو چکی تھی اور زمیندار صاحب نے بھی اعلان کر دیا تھا کہ میں ایسی خراب عورت کو گھر میں نہیں آنے دوں گا۔ سورج نکلتے نکلتے یہ لوگ ایک کوس نکل گئے وہاں کسی شاہ صاحب کا مزار تھا ان لوگوں نے جا کر دو پیسے چڑھائے ایک باباجی بیٹھے تھے دعائیں دینے لگے۔ ان کی نگاہ کنیز پر پڑی دیکھا تو ایک نوجوان عورت گلے میں سفید ے کا سرخ ہار پہنے۔ گود میں ایک لڑکا لئے کھڑی ہے۔ دوپٹہ منہ کی طرف گھونگھٹ کی طرح لٹکا ہوا ہے۔ باباجی اس کی طرف دیکھ کر۔ کنیز کے باپ سے کہنے لگے۔

" پوتا ہے کہ نواسہ "

کنیز غیرت کے مارے کٹ گئی اور اس نے دوسری طرف منہ پھیر لیا۔ باباجی اس شرم کو دیکھ کر مسکرائے اور بولے

پوتا ہے۔ اللہ اچھا رکھے۔ کما کر دادی دادا کا پیٹ بھرے "

تینوں مسافروں میں سناٹا چھا گیا۔ اور وہاں سے چپ چاپ چل کھڑے ہوئے پندرہ دن کے بعد ماں باپ کنیز کو پہونچا کر واپس آئے تو معلوم ہوا زمیندار صاحب کے یہاں شادی کے سامان ہو رہے ہیں۔ عنبر میاں کو قسمتوں سے بڑی مالدار بیوی مل رہی ہے۔

" یہ دونوں ٹھنڈی سانسیں بھر کر گھر کے اندر بیٹھ گئے۔

# سچ بولنے کا مرض

زندگی کے متعلق بہت سوچ کر جن غلط نتائج پر میں پہنچا ان میں سے ایک یہ بھی تھا کہ ہم ہندوستان کے رہنے والے سچ محض رسماً بولتے ہیں یعنی جس طرح مردوں کی سوم اور چہلم کی رسم ہے یعنی مرنیوالا اچھا ہو یا برا۔ جوان ہو کہ بوڑھا۔ قاتل ہو کہ مقتول ہو، سوم اور چہلم ضرور ہوتے ہیں۔ اسی طرح موقع ہو کہ نہ ہو۔ ضرورت ہو کہ نہو۔ ہم لوگ سچ بک دیتے ہیں۔ مجھے تقریباً یقین ہو چلا تھا۔ کہ انگریزوں کے ہاں جھوٹ بولنے کی رسم ہے، اور ہمارے ہاں سچ بولنے کی رسم ہے۔ اور اسی افسوسناک نتیجہ کو اخذ کر کے اس مضمون پر مزید غور کرنے کی ضرورت محسوس نہ ہوتی تھی۔ حال ہی میں چند واقعات نے ثابت کر دیا ہے۔ کہ یہ نتیجہ نظرثانی کا محتاج ہے اور اب میری رائے یہ ہو چلی ہے کہ میرا خیال غلط تھا۔ اب مجھے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انگریز تو ضرور محض رسماً جھوٹ بولتے ہیں۔ مگر ہم لوگ رسماً نہیں بلکہ مجبوراً سچ بولتے ہیں۔ ہندوستان میں جہاں سینکڑوں بیماریاں ہیں۔ اور طاعون جن قائم و دائم وبائیں ہیں۔ وہاں سچ بولنے کی وبا بھی عام ہے۔ ملیریا کے مریض کو امتلاء اعضاء شکنی و درد سر سے مفر نہیں اسی طرح ہندوستانی تمدن کے عنصر کو سچ بولنے کے سوا اور کوئی چارہ نہیں۔ مثالیں ملاحظہ ہوں :-

**مثال۔** (ہندوستانی قومی جلسوں میں)

قومی جلسے سکھ صاحبان کے ہوں، کہ مہاسبھا کے، مہارشیوں کے ہوں کہ اسلام کے نام پر جان قربان کرنے والے سرخ اور نیلی قمیصوں کے پہننے والوں کے ہوں سب کے سب سچ سے لبریز ہوتے ہیں۔ آج تک ایک بھی مثال ایسی نہیں ہے کہ کسی شخص نے دانستہ کسی جلسہ میں صریح جھوٹ بولا ہو۔ یہ نہایت دلیری سے کہا جا سکتا ہے۔ کہ پولیٹیکل جلسوں میں کسی قسم کے جھوٹ کو مشکل سے ہی داخل ہونے کا موقع ملتا ہے مگر نتیجہ ملاحظہ ہو۔ اکالیوں نے جھوٹ بولا تو گوردوارے ان کے ہو گئے سرخ قمیصوں نے سچ کے طیش میں آ کر کھیں لال پیلی کیں تو جلاد طفولان کا بول بالا ہو گیا۔ اور جو ہندوؤں کے حقوق کی حفاظت میں مہاسبھا کے رہنماؤں نے مسلمانوں کی ملا شیت سے بحث شروع کی تو مسلم اخباروں سے آگ برسنے لگی۔

جس قسم کے مطالب ہندو یا سکھ صاحبان یا فدایان اسلام کے مدنظر ہیں اگر اسی قسم کے مطالب انگلستان کے لوگوں کے مدنظر ہوتے تو جھوٹوں کی کوئی حد نہ رہتی۔ وہ میکڈانلڈ مزدوروں کا حامی اور سرمایہ داروں کا دشمن بن کر اور پیر سر بالڈون صاحب جھوٹ موٹ پیار کر کے انگریزی سفینہ کی ناخدائی کا بیڑا اٹھا لیتا۔ ہندوستان میں محض سچ بولنے کے مرض کی وجہ سے یہ صورت ناممکن ہے حضرت جناح جو اسلامی سیاسی سرمایہ کے خود ساختہ امین ہیں کبھی پنڈت جواہر لال نہرو سے مکر کام کرنے کا موقع نہیں پاتے۔ قصور کسی کا بھی نہیں پنڈت جی بھی سچے ہیں۔ اور جناح صاحب بھی راستی کا نمونہ ہیں،

سچ کبھی ہم نوالہ نہ ہوں گے۔ ہندوستان میں ایک سچ دوسرے سچ کیلئے قطعی اچھوت ہے

## باقی صفحہ ۴

کانگرس سے علیحدہ ہو گئے تو طرح طرح کے بہانے کانگرس کو بدنام کرنے کے ڈھونڈ ہیں۔ ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ بندے ماترم سے مسلمانوں کے جذبات کو ٹھیس لگتی ہے ورکنگ کمیٹی نے بہت غور و بحث کے بعد یہ اعلان کیا کہ بندے ماترم ہندوستان کا قومی گیت نہیں ہے لیکن بنگال کی سیاسی تحریک اور حکومت کی مخالفت کی وجہ سے اس کو بہت مقبولیت حاصل ہو گئی ہے۔ یہ خیال تو بالکل غلط ہے کہ وہ کسی فرقہ یا مذہب کے خلاف ہے لیکن اس میں شک نہیں کہ وہ عام فہم نہیں ہے اور اس وجہ سے وہ تمام ہندوستان کا قومی گیت نہیں بن سکتا، مگر جب تک کوئی اور مناسب گیت نہ ملے اسکے پہلے دو بند جلسوں میں گائے جائینگے۔ یہ دو بند ایسے ہیں کہ ان پر کسی معقول پسند انسان کو کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا۔ ہٹ دھرمی کی دوسری بات ہے۔

دوسرا اعلان اقلیتوں کے حقوق کے بارے میں تھا۔ کانگرس کئی دفعہ اس کا صاف صاف اعلان کر چکی ہے کہ وہ تمام ہندوستانیوں کے حقوق کی محافظ ہے۔ اور اسکے ہاتھوں کسی فرقہ یا مذہب کو کبھی نقصان نہیں پہنچیگا۔ کسی کے مذہب تمدن۔ زبان اور رسم و رواج کو زبردستی۔ اور اسکا مٹانے کی کبھی کوشش نہیں کریگی۔

اس اعلان میں اس قسم کی تمام پرانی تجویزوں کو اکٹھا کر دیا گیا ہے جن پر غور کرنے سے بالکل صاف ہو جاتا ہے کہ جو لوگ کانگریس کی مخالفت میں بے بنیاد الزام پر کرتے ہیں کہ وہ مسلمانوں کے حقوق کو پامال کر رہی ہے وہ نہ صرف دروغ باف ہیں۔ بلکہ دراصل برطانوی سامراج کے دست بازو اور ہندوستان کی آزادی کے دشمن ہیں۔

آل انڈیا کانگرس کمیٹی کے جلسوں کے علاوہ بھی کلکتے میں بہت زیادہ سیاسی سرگرمیاں نظر آئیں۔ جگہ جگہ عام جلسے ہوئے جس میں کانگریس کا پروگرام پیش کیا گیا۔ ان جلسوں میں ہر فرقے اور ہر جماعت کے لوگ شریک تھے اور جس شوق اور دلچسپی سے لوگوں نے ان جلسوں میں حصہ لیا۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ بنگال میں کانگریس کا زور بہت بڑھ گیا ہے سب سے زیادہ شاندار کسانوں اور مزدوروں کے مظاہرے تھے۔ خاص کر مزدوروں کا مظاہرہ تو ایسا تھا۔ کہ اس کی مثال ہندوستان میں پہلے کبھی دیکھنے میں نہ آئی تھی۔ اس مظاہرے میں بلا مبالغہ ایک لاکھ کے قریب مزدور شامل ہوئے جن میں سے اکثر پندرہ۔ پندرہ اور بیس بیس میل پیدل چل کر شہر میں آئے تھے۔ کسانوں کا مجمع بھی جو اس سے دو دن پہلے ہوا تھا بہت بڑا تھا۔ ان مظاہروں کو دیکھ کر یہ اندازہ ہوتا ہے کہ مزدور اور کسان اپنے حقوق اور ہندوستان کی آزادی کیلئے جدوجہد کرنے کیلئے بیتاب ہیں۔ اگر ہمارے سیاسی رہنما ان کو منظم کر سکیں تو برطانوی سامراج کو ختم کرنا ممکن ہی نہیں بلکہ تھوڑے عرصہ کی بات ہے۔ لیکن یہ دیکھ کر افسوس ہوتا ہے کہ نظم کی بہت کمی ہے۔ مزدوروں کے مظاہرے میں انتظام بہت خراب تھا۔ مزدور خود تو بہت اطمینان اور سکون سے بیٹھے تھے لیکن انتظام کرنے والے بہت پریشان اور منتشر تھے۔ یہاں تک کہ لاؤڈ اسپیکر کا بھی انتظام نہ کر سکے تھے جس کی وجہ سے اتنے بڑے مجمع تک مقرر کی آواز کو پہنچانا بالکل ناممکن تھا۔ اس بد انتظامی سے یہ اندیشہ ہوتا ہے کہ کہیں بد دل نہ ہو جائیں۔ مزدوروں اور کسانوں میں کام کرنیوالوں کا فرض ہے کہ وہ آپس کے تمام جھگڑوں کو چھوڑ کر ایک متحدہ ادارہ ایسا قائم کریں جس کی رہنمائی میں تمام سامراج دشمن طاقتیں اکٹھا ہو سکیں۔ کانگرس اگر چاہے تو یہ کام بخوبی کر سکتی ہے لیکن اس سلسلے میں کوئی بڑی کوشش نہیں کی گئی ہے۔ کانگرس میں ابھی تک زیادہ تر اوسط طبقے کے لوگ شریک ہیں، لیکن انقلاب کی تحریک میں یہ لوگ بہت دور تک ساتھ نہیں دے سکتے۔ ہم اگر واقعی انقلاب چاہتے ہیں تو ہمیں چاہیے کہ پوری توجہ مزدوروں اور کسانوں کی طرف کریں۔ اصلی طاقت انھی کے ہاتھوں میں ہے اور اگر ہم نے انھیں منظم کر لیا تو دنیا کی بڑی سے بڑی قوت بھی ہماری تحریک کو نہیں روک

# بیانات

## سر سکندر اور "ملاپ"

مسٹر جناح کی قیادت ملنے سے پہلے سر سکندر کا یہ قول تھا کہ پنجاب میں پریس ایکٹ صرف اس لئے باقی رکھا گیا ہے کہ اخباروں کو فرقہ پرستی پھیلانے سے روکا جائے۔ لیکن ادھر ہی انکی حکومت سے ایک ایسا فعل سرزد ہوا جس سے معلوم ہو گیا کہ اس قول کا مطلب کیا ہے۔ حکومت پنجاب نے معاصر ملاپ لاہور کی تین ہزار روپیہ کی ضمانت میں سے ایک ہزار ضبط کر لیا۔ اس خفگی کا سبب ایک مضمون ہے جو حکومت کے خیال میں عوام کو ملک کی فوج اور پولیس میں بھرتی ہونے سے روکتا ہے۔ اب ملاپ اور پریس سے ایک ایک ہزار کی ضمانتیں طلب کی گئی ہیں۔ حکومت پنجاب کا یہ کارنامہ تبصرے سے بالاتر ہے۔

(امرت بازار پتریکا۔ کلکتہ ۰ نومبر)

## فیڈریشن کیلئے رشوت

پنڈت جواہر لال نہرو نے یونائیٹڈ پریس کو ذیل کا بیان دیا ہے "چند ہفتے قبل جبکہ میں اجمیر میں تھا یہ خبر بڑی تیزی سے پھیل رہی تھی کہ حکومت برطانیہ فیڈریشن کے سلسلہ میں ادے پور اور جودھپور کی ریاستوں سے بھاؤ تاؤ کر رہی ہے۔ میں نے یہ بھی سنا کہ حکومت مارواڑ کے بعض حصوں پر سے اپنا قبضہ ہٹا کر ان کو ریاستوں کے حوالہ کر دینا چاہتی ہے تاکہ وہ آسانی سے فیڈریشن قبول کریں۔"

"تمام اجمیر اور مارواڑ میں اس تجویز پر اظہار نفرت کیا جا رہا ہے۔ خاصکر میواتی لوگ جو ایک بہادر اور متحدہ فرقہ سے تعلق رکھتے ہیں اپنے کو تین حصوں میں تقسیم کرنے کے لئے کسی صورت میں تیار نہیں ہو سکتے۔ وہ ریاستی حکومت کے دقیانوسی رسم و رواج اور امارت پرست قوانین کے سامنے جھکنا پسند نہیں کرتے اور اسی لئے اس تجویز کی مخالفت کر رہے ہیں۔"

"مجھے نہیں معلوم کہ اس تجویز کو عملی جامہ پہنانے کے لئے کہاں تک کوشش کی جا چکی ہے لیکن عوام کی تحریک کا ردعمل یہ ضرور ہوا کہ میوڑ میں متعدد مکانوں کی جن میں کانگریس کا دفتر بھی شامل ہے تلاشیاں لی جا چکی ہیں کانگریس کے دفتر میں اس مسئلہ کے متعلق جتنے کاغذات تھے پولیس نے ان پر قبضہ کر لیا ہے۔ جودھپور میں پرجا منڈل اور سول لبرٹیز یونین کی مقامی شاخ کو خلاف قانون قرار دیدیا گیا اور پرجا منڈل کے صدر کو گرفتار کر لیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ وہاں بھی کئی تلاشیاں لی جا چکی ہیں۔"

"یہ واقعات خاص اہمیت رکھتے ہیں کیونکہ ان سے ہم کو پتہ چلتا ہے کہ فیڈریشن کے لئے راستہ کس طرح ہموار کیا جا رہا ہے حکومت اور ریاست کے ذمہ دار حکام ایک پرانی قوم کی قسمت کا فیصلہ کرنے بیٹھے ہیں۔ لیکن اس قوم سے کوئی رائے نہیں لیجاتی گویا کہ جانوروں کا ایک گلہ ہے جس کو ایک حکومت کے قبضہ سے نکال کر دوسرے کے قبضہ میں دیا جا رہا ہے اور اگر لوگ اسپر غور کرتے ہیں یا احتجاج کرتے ہیں تو انکو جیل خانہ میں بھر دیا جاتا ہے اور ان کی جماعت غیر قانونی قرار دی جاتی ہے۔"

"یہ مسئلہ صرف شہری آزادی ہی کا نہیں ہے بلکہ اسکا تعلق سارے ہندستان سے ہے کیونکہ ملک کا ایک حصہ جو برطانوی ہندستان میں شامل ہے زبردستی دیسی ریاستوں کے قبضہ میں دیا جا رہا ہے اس قسم کا تبادلہ اسوقت تک ٹھیک اور منصفانہ نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس جگہ کے باشندے خود بھی اسپر راضی نہ ہوں اور یہ صاف ظاہر ہے کہ وہ لوگ اس پر راضی نہیں۔"

## سوبھاش بوس اور بجنور کی جیت

بجنور میں کانگریس کی فتح کے متعلق یونائیٹڈ پریس کے نمائندے کے سوال کرنے پر سوبھاش چندر بوس نے کہا "بجنور کا ضمنی انتخاب جس میں حافظ محمد ابراہیم شاندار اکثریت سے کامیاب ہوئے تمام ملک کے واسطے اہمیت رکھتا ہے۔ وہاں فرقہ پرست اور قوم پرست قوتوں میں مقابلہ تھا اور آخرکار قوم پرست قوت ہی کی جیت ہوئی۔ میرے خیال میں بجنور نے پبلک معاملات کے بہاؤ کا رخ ہی بدل دیا ہے اور میں بلا جھجھک یہ کہہ سکتا ہوں کہ مستقبل قریب میں ملک کی تمام ترقی پسند قوتیں کانگریس دشمن جماعتوں کے پروپگنڈے کے باوجود بھی انڈین نیشنل کانگریس کے جھنڈے تلے جمع ہو جائینگی۔"

"بنگال پر بدقسمتی سے ایک رجعت پسند اور فرقہ پرست وزارت کا بوجھ لدا ہوا ہے لیکن اب وہاں بھی ہر مذہب اور ملت کے لوگوں میں مجھے ایک نئی بیداری نظر آتی ہے۔"

"آل انڈیا شیعہ کانفرنس کا فیصلہ کہ مسلمانوں کو کانگریس میں شامل ہو جانا چاہیے۔ اور نواب صاحب مرشد آباد کی باہمت اور قابل قدر کوشش بتاتی ہیں کہ ہوا کس رخ چل رہی ہے۔ ڈلہوزی سے واپس آکر میں نے اپنے بنگالی مسلمان دوستوں سے جو باتیں کی ہیں انکی اور اپنے ذاتی تجربہ کی بنا پر مجھے یقین ہے کہ جو بنگالی جماعتیں اب تک کانگریس سے الگ رہی ہیں وہ جلد ہی اس میں شامل ہو جائیں گی۔"

"کانگریس کا اقتصادی پروگرام تمام فرقہ وارانہ تقسیموں کو ختم کر دیگا اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ہندستانی قوم کو روٹی اور آزادی کے نعروں پر متحد کریگا۔"

## طلباء کی تحریک کی نوعیت

طلباء کی ایک صدر کانفرنس دہلی میں منعقد ہوئی۔ اس میں کملا دیوی نے خطبۂ صدارت میں کہا کہ طلباء کی یہ تحریک بہت امید افزا ہے۔ طلباء کے معاملات بھی بڑے بڑے معاشرتی اور اقتصادی مسائل کا ایک ٹکڑا ہیں لیکن پھر بھی ان کی جداگانہ حیثیت ہے۔ بعض مسئلے ان کے خاص ہیں جنکو طلباء کی جداگانہ تنظیم بہت حد تک سلجھا سکتی ہے۔ ان کا پورا پورا حل تو اسی وقت ہو سکتا ہے جب بڑے بڑے قومی مسائل حل ہو جائیں۔

انہوں نے نظام تعلیم کی تاریخ کو دہرایا، اور اس کی خرابیاں بتائیں، اور کہا کہ اب بیکاری کے پھیل جانے سے تمام دنیا کے طلباء کو معلوم ہو گیا ہے کہ یہ سب سماج کے بنیادی نظام کی خرابی کی وجہ سے ہے۔ بیکاری، سرمایہ داری نظام کی پیداوار ہے۔ بیکاری مفلسی اور سرمایہ داری کا چولی دامن کا ساتھ ہے موجودہ صنعت و حرفت کی ترقی مشینوں کا استعمال ایک طرف دولت لاتے ہیں تو دوسری طرف بیکاری۔ اس کا صرف ایک علاج ہے وہ یہ کہ سماج کی دوسرے اصولوں پر تنظیم کی جائے۔ جنکی بنیاد عقل اور علم پر ہو۔

کملا دیوی طلباء کی ہڑتالوں کا تذکرہ کیا۔ اور کہا کہ جب ہر طرح کی کوششوں سے انکی مانگیں پوری نہ ہو سکیں، اسوقت طلباء کو اسٹرائک کرنے سے کوئی نہیں روک سکتا۔ پھر کملا دیوی نے طلباء کو صلاح دی کہ وہ سب لوگ ملک کی بڑی لڑائی میں شریک ہوں۔ اس کے اصولوں کا پروپگنڈا کرنے میں اور اقتصادی جماعتوں کو منظم کرنے میں ہاتھ بٹائیں۔ پست طبقوں کے ساتھ ہمدردی دکھائیں۔ اور اسی طرح مستقبل کی خوش و خرم اور آزاد سماج کے بنانے میں حصہ لیں۔ اس بڑے کام کے کرنے کے لئے ضروری ہے کہ طلباء اپنی تنظیم کریں تاکہ ان میں فرقہ وارانہ ذہنیت جگہ نہ پکڑ سکے۔

# دنیا کی سیاسیات

فرانکو کی فتح۔ سے دنیا کی سیاسیات واضح ہوتی جا رہی ہے۔ برطانیہ نے فرانکو کے ایجنٹ کو بات چیت کرنے کے لئے بلایا ہے۔ اور غیر جانبداری کے صدر دونوں فریقوں یعنی حکومت اسپین، اور فرانکو سے ملنے جا رہے ہیں یعنی صرف یہی نہیں کہ اپنی حکومت کے مقابل فرانکو کو مان لیا ہو بلکہ ایجنٹ کو بلا کر اس کو باقاعدہ سپین کا مالک تسلیم کر لیا۔

## اٹلی جرمنی اور جاپان

ان تینوں نے بڑا افسوسناک صرف اتنا اثر ہوا کہ انہوں نے آپس میں اشتراکیت دشمن معاہدہ کر لیا جس کا مطلب یہ ہے کہ چونکہ مزدوروں کی بین الاقوامی انجمن دنیا کی موجودہ سماج کو مٹانا چاہتی ہے اس لئے یہ تینوں مل کر اس کی حفاظت کریں گے۔

کوئی نئی بات نہیں یہ حفاظت تو بہت پہلے سے ہو رہی تھی۔ اسی سلسلہ میں اسپین کو اٹلی نگل گیا۔ اور جاپان چین کو نگل رہا ہے۔ جرمنی نو آبادیات، نوآبادیات کی رٹ لگائے ہوئے ہے سب اسی قسم کی انسانی خدمتیں ہیں۔

## جرمنی نے پولینڈ

کو علانیہ دوست بنا لیا۔ ایک معاہدہ اس قسم کا ہو گیا ہے کہ پولینڈ اپنے ملک کی اقلیتوں کی حفاظت کرے گا۔ اقلیتوں کی حفاظت کا مسئلہ اسی وقت اٹھتا ہے جب ملک میں انقلابی تحریک ہو رہی ہو۔ جیسے برطانیہ ہندوستان پر صرف اس لئے راج کر رہی ہے کہ یہاں کی اقلیتوں کو اکثریت مار کر ختم نہ کر دے پولینڈ میں یہودیوں کی غربت کی وجہ سے خاصا ہنگامہ ہے۔ اسکو قابو میں رکھنے کے لئے اسکو جرمن کی مدد کی ضرورت ہے۔ دوسری طرف جرمنی بھی ان ریاستوں پہ دانت لگائے ہے۔ موقع اچھا ملا اپنا حق جتانے کا۔

## نو حکومتوں کی کانفرنس

برسلز میں منعقد ہوئی۔ جاپان نے شرکت سے انکار کر دیا۔ جاپانی اخباروں نے یہاں تک اعلان کر دیا کہ وہ کسی طاقت کو درمیانی نہیں تسلیم کرے گی۔ اس کانفرنس میں برطانیہ اور امریکہ کی خوب بنی۔ کیونکہ ایک طرح سے دونوں جاپانی غضب ناکی کے شکار ہیں۔ دونوں کے منافع کا چین میں خون ہو رہا ہے۔ اگر دونوں مل کر زور لگائیں تو شاید ان میں کچھ بچ جائے لیکن یہ دونوں طاقتیں کریں تو کیا کریں۔ لڑنے کی تاب نہیں۔ زبانی جمع خرچ کا نتیجہ۔ اٹلی اور حبشہ کی لڑائی میں دیکھ لیا۔

## جاپان

کتنی بار اعلان کر چکا ہے کہ جاپان کا مقصد صرف یہ ہے کہ چین میں ایک منظم حکومت قائم کر دی جائے۔ تاکہ وہاں امن رہے۔ اور سب تجارت کرنے والی قوموں کو پوری آزادی ہو مطلب ہے کہ فتح کر کے سب نفع ہم ہی نہیں نگل جائیں گے۔ بلکہ اپنے دوستوں میں بھی تقسیم کریں گے۔ جرمنی نے یہ کہہ دیا کہ شمالی چین کی صنعت کو ترقی دینے میں جرمنی بھی مدد کرے گا۔ یعنی اس کا حصہ مسلم۔ اٹلی اور جاپان میں تجارتی معاہدہ ہو ہی چکا تھا۔ اس کا حصہ بھی ملے۔ اب امریکہ اور برطانیہ کے لئے کتنی امید ہے کوئی کیا بتا سکتا ہے۔

# خبریں

## ہمارے صدر کانپور میں

پنڈت جواہر لال نہرو مزدوروں کے حالات دیکھنے کانپور آئے ہوئے تھے۔ انہوں نے ملہار کی کانفرنس میں بھی شرکت کی اور اپنی تقریر میں رجعت پسندوں کی چالوں پر جو وہ عوام کو بہکانے کے لئے کرتے ہیں اظہار افسوس کیا اور کہا کہ ان لوگوں کی ایک نئی چال یہ ہے کہ وہ عوام میں مشہور کر رہے ہیں کہ کانگریسی حکومتیں قانوناً پائجامہ پہننا ممنوع کر کے دھوتی کو عام لباس بنا دینگی۔

## کانگرس کی مقبولیت

گذشتہ سال بنگال میں کانگریس کے ممبروں کی تعداد اٹھارہ ہزار تھی لیکن اس سال بڑھ کر دو لاکھ بیتالیس ہزار ہو گئی ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ بنگال میں کانگریس کا اثر کس تیزی سے بڑھ رہا ہے۔ سب ممبروں کی تعداد ۲۵ اور ۳۰ لاکھ کے درمیان تک پہنچ گئی۔ کانگریس کی گذشتہ تاریخ میں کسی سال بھی ممبروں کی تعداد اتنی زیادہ نہ تھی۔ اس میں صرف ممالک متحدہ کے ممبروں کی تعداد نو لاکھ ہے۔ جو تمام دیگر صوبوں سے زیادہ ہے

## انڈمن کے قیدی کی رہائی

دشنو سرن ڈبلیش جن کو کاکوری ڈکیتی کے مقدمہ میں حبس دوام کی سزا ہو گئی تھی اور بارہ سال کے بعد اب انڈمن سے واپس آئے تھے میرٹھ جیل سے رہا کر دئے گئے۔

پنڈت گووند ولبھ پنت نے آل انڈیا کانگریس کمیٹی میں پہلے ہی اعلان کر دیا تھا کہ کاکوری کے ایک قیدی کی رہائی کی خبر اکثر ممبران اپنے گھر پہنچنے سے پہلے سن لیں گے۔

## ترقی پسند مسلمانوں کی کانفرنس

مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس میں جس رجعت پسندی کا مظاہرہ کیا گیا تھا۔ اسکے جواب میں قوم پرست مسلمان بھی ایک کانفرنس کرنے والے ہیں۔ مجلس احرار، جمعیت العلماء ہند اور کانگریسی مسلمان سب اس تجویز کی حمایت کر رہے ہیں۔

کانگریسی مسلمانوں نے جو آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے اجلاس کے سلسلہ میں کلکتہ میں جمع ہوئے تھے۔ لیگ کی رجعت پسندانہ روش پر کافی غور و خوض کرنے کے بعد۔ اسکی پالیسی کو ملک کے لئے نقصان دہ بتایا کیونکہ اس کا مقصد صرف فرقہ دارانہ کشمکش پھیلانا ہے۔

کانفرنس کے ذمہ دار اشخاص کی رائے ہے۔ کہ گذشتہ انتخاب میں اکثر مقامات پر کانگریس نے مسلم لیگ کے نمائندے کی مخالفت صرف اسلئے نہیں کی کہ انہوں نے اسمبلی میں کانگریس کے ساتھ تعاون کرنے کا وعدہ کیا تھا لیکن اب وہ اپنے وعدہ پر قائم نہ رہے۔ چنانچہ جمعیت العلماء جیسی زبردست اور باوجاہت جس نے انتخاب میں مسلم لیگ کی بہت کافی مدد کی تھی اب لیگ سے علیحدہ ہو گئی ہے اس لئے بعض لوگوں کا خیال ہے کہ مسلم لیگ کے نمائندے اپنی ہر دلعزیزی ثابت کرنے کے لئے نشستوں سے استعفا دیکر دوبارہ الکشن لڑیں۔

## گاندھی جی اور گورنر بنگال کی ملاقات

۹ نومبر کو گاندھی جی نے ہز اکسیلنسی گورنر بنگال سے ملاقات کی۔ اس ملاقات میں سیاسی قیدیوں کی رہائی کے بارے میں بات چیت ہوئی۔ اکثر معاصرین کا بیان ہے کہ حکومت بنگال کے ہوم ڈپارٹمنٹ کی طرف سے گورنر کے لئے ایک بیان تیار کیا گیا ہے جس میں اس مسئلے کے متعلق حکومت

کی پالیسی کی وضاحت کی گئی ہے۔ اور بیان کیا گیا ہے۔ کہ حالانکہ کچھ قیدیوں نے عام طریقہ سے اعلان کر دیا ہے۔ کہ وہ تشدد پر اعتقاد نہیں کرتے لیکن حکومت یہ ماننے کے واسطے تیار نہیں کہ بنگال کے سیاسی قیدی مجموعی حیثیت سے عدم تشدد کے قائل ہیں۔

اکثر حلقوں میں یہ بھی قیاس کیا جا رہا ہے کہ مہاتما گاندھی کی بحث سننے کے بعد ہز اکسلنسی کل معاملہ گاندھی جی ہی پر چھوڑ دینگے۔ بشرطیکہ وہ اسکو حل کر کا ذمہ لے لیں

## برطانیہ

برطانیہ کے مشہور جرنلسٹ مسٹر گارڈن نے حال ہی میں برطانیہ کے گندے طریقہ کار کے خلاف ایک مضمون لکھا ہے ان کا خیال ہے کہ جتنا اسلامی ہندوستان میں امن کو بٹانے کی کوشش کی اس سے کہیں زیادہ برطانیہ کے طریق نے اسکو مشکل بنا دیا ہے انھوں نے برطانیہ کی زبردست غلطیوں کا بھی تذکرہ کیا ہے جو اس نے اسپین کی حکومت کی مدد کرنے اور فلسطین کے عربوں پر ظلم کر کے تمام اسلامی مملکت کی مخالفت مول لے لی ہے۔ یہاں نام نہاد سیاست دانوں کی داد و دہش کو انہوں نے ظاہر داری سے تعبیر کیا ہے۔ اور لکھا ہے کہ انکی جھوٹی رہنمائی قوم کو تباہی کے غار میں گرادیگی۔

---

ہندوستان کے مشہور ڈانسر۔ اودے شنکر نے جو اپنے کمال کی وجہ سے تمام دنیا میں مشہور ہیں چین کی امداد کے لئے لندن میں ایک خیراتی تماشہ کیا۔ صدر کانگریس کا حسب ذیل پیغام تماشہ سے پہلے پڑھا گیا۔

موجودہ صورت میں جب کہ دنیا پر لڑائی کے بادل منڈلا رہے ہیں۔ یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ ہندوستان اور چین امن و صلح کے حامی ہیں اور ہمیشہ انکا طریق کار یہی رہا ہے "

## احرار اور مسلم لیگ۔

احراری لیڈر، مولوی مظہر علی اظہر۔ ایم ایل اے۔ نے لاہور میں تقریر کرتے ہوئے کہا "ہم مسلم لیگ میں داخل نہیں ہو سکتے۔ بلکہ ہم اسکو فنا کر دینا چاہتے ہیں کیونکہ وہ ہمکو آزادی کی طرف لے چلنے کے بجائے غلامی کے راستہ پر چلانا چاہتی ہے "

جلسہ تحریک فلسطین کے سلسلہ میں منعقد ہوا تھا۔ اور بڑے بڑے احراری لیڈر تھے سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے کہا کہ ملک میں اسوقت دو جماعتیں ہیں۔ ایک سرمایہ داروں کی جسمیں مسلم لیگ اور ہندو مہا سبھا شامل ہیں اور دوسری آزادی کے طلبگاروں کی یعنی کانگریس۔ احراری۔ اور جمعیت العلماء، خدائی خدمت گار ہیں۔ انھوں نے مسلمانوں سے اپیل کی کہ اگر وہ آزادی چاہتے ہیں تو اس دوسری جماعت میں داخل ہو جائیں

## ڈسٹرکٹ پولیٹیکل کانفرنس (سندیلہ)

سندیلہ ضلع ہردوئی میں ۶-۷ نومبر کو ضلع پولیٹیکل کانفرنس منعقد ہوئی۔ آچاریہ نرندر دیوجی بیماری کی وجہ سے نہ آسکے اور انکی جگہ بابو موہن لال سکسینہ نے صدارت کی۔ ۶ - نومبر کو صبح ۹½ بجے صدر کا جلوس نکلا جسمیں۔ پندرہ ہزار آدمی سر تھے۔ ۷ نومبر کو صدارت کے فرائض مولانا ظفر الملک۔ اور ذکار اللہ صاحب نے انجام دیئے کانفرنس میں کسان زیادہ تر شریک تھے۔ اور انکے حقوق کے متعلق متعدد تجاویز پاس ہوئیں۔ اور زمینداروں کے مظالم کے خلاف احتجاج کیا گیا۔ مقامی میونسپل بورڈ کی بدانتظامی کے متعلق بھی ایک تجویز پیش ہوئی اور کئی پرجوش تقریروں کے بعد باتفاق آرا پاس ہوئی حاضرین کی تعداد دونوں دن تقریباً پندرہ ہزار تھی۔ لاوڈ اسپیکر کا بھی انتظام تھا۔

## شاعر کے نام مظلوموں کا خط

انجمن تاجران ضلع کینٹن مسٹر سنگ کیانگ، اور نوجوان مسیحیوں کی انجمن کے صدر ٹی۔ پی یون نے شاعر رابندر ناتھ ٹیگور کو یہ خط لکھا ہے:-

"ہم لوگوں نے اس احتجاج کا حال اخباروں میں پڑھا جو آپ نے پنڈت جواہر لال نہرو اور کانگریس نے اس بمباری کے خلاف کیا ہے۔ جو جاپان نے ہمارے ملک کے امن پسند شہریوں پر بلا وجہ کی۔ ہم لوگ اس ہمدردی کا اور اس انصاف پسندی کی قدر کرتے ہیں۔ اور آپ سے اس بات کی خواہش کرتے ہیں کہ ہمارے شکریہ کو پنڈت جواہر لال نہرو اور کانگریس تک پہونچا دیجئے۔

ہم لوگوں کو یقین ہے کہ جاپان سے ہماری لڑائی، حق اور انصاف کے نام پر دنیا کی طرف سے لڑائی ہے۔ اسی مہینے میں جاپانی بمبازوں نے کینٹن میں اور اسی کے آس پاس دیہاتوں میں ہزاروں غیر فوجی امن پسند لوگوں کی جانیں لے لیں۔ اور جاپانی آبدوزوں نے سمندر پر ہزاروں ماہیگیروں اور ساحلی لوگوں کو گولوں سے اڑا دیا، ڈبو دیا۔ مار ڈالا۔ ہم لوگ مصیبت جھیل رہے ہیں اور آئندہ مصیبتیں جھیلتے رہیں گے۔ لیکن ان مصیبتوں کا اور آنے والی مصیبتوں کا بوجھ اسوقت ہلکا ہو جاتا ہے۔ جب ہم یہ خیال کرتے ہیں کہ آپ لوگوں کی ہمدردیاں ہمارے ساتھ ہیں۔ چین مقابلہ کریگا۔ لیکن اس میں دوسرے ملکوں کی مدد کی ضرورت ہے۔ اس طرح کہ وہ جاپانی مال کا بائیکاٹ کریں۔ جاپانی فوجی حکومت نہ صرف چین کی ہے۔ بلکہ ساری دنیا کے ملکوں کے لئے، خود جاپان کے غریب باشندوں کے لئے ایک وبال ہو رہی ہے۔

~~~~~~~~~~~~
~~~~~~~~~~~~

جلد ۱ نمبر ۱۶ | لکھنؤ۔ ۲۱ نومبر سنہ ۱۹۳۷ء | فی پرچہ ۱ر سالانہ ۳ ؎

## برطانیہ کی پوزیشن

"روزمرہ کی پالیٹکس میں پڑکر ان بڑی بڑی باتوں کو نہ بھولنا چاہئے جو دنیا پر منڈلا رہی ہیں اور جنکا ذرا سا تغیر ہماری ساری کی دھری کوششوں کو بہا سکتا ہے؟"

(جواہرلال) چین کے اصلاح پسندوں کے بنائے ہوئے سب گھروندے بات کی بات میں بیرونی پالیٹکس کے ہاتھوں برباد ہوگئے۔ سیاسیات عالم میں برطانیہ کی پوزیشن کو اچھی طرح سمجھتے رہنا چاہئے۔ لڑائی کا سب سے بڑا گر یہ ہے کہ دشمن کی نقل و حرکت پر نگاہ جمی رہے۔ برطانیہ کی پوزیشن سمجھنے کے لئے اسوقت کی سیاسی تصویر کو سمجھ لینا چاہئے۔ وہ یہ ہے۔

### اشتراکیت دشمن معاہدہ

اٹلی، جرمنی اور جاپان میں باقاعدہ ہوگیا تینوں فسطائی طاقتیں سوشلزم کے مٹانے کے بہانے گلے مل گئیں۔ سوشلزم کے مٹانے کا مطلب کیا ہے؟ اسپین میں عوام نے اپنے ملک میں کچھ اختیارات اپنے ہاتھ میں لینے کی کوشش کی، تو اٹلی نے فوراً فرانکو کو اس بہانے لڑانے کے لئے کھڑا کر دیا کہ یہ تو سوشلزم کا پرچار ہو رہا ہے۔ جاپان نے چین پر حملہ کرنے کی وجہ یہی بیان کی کہ وہاں اشتراکیت پھیل رہی ہے۔ آج کل کا اخلاق یہ ہے کہ جب کسی ملک یا کسی سیاسی جماعت کو لوٹنا ہو تو پہلے اس کو "اشتراکی" کہکر پکارو، اور پھر لوٹ لو۔ روس نے اٹلی کے محکمہ خارجہ سے شکایت کی کہ یہ معاہدہ ۱۹۳۳ء کے تین طاقتوں کے معاہدے کے بالکل خلاف ہے۔ اس میں روس اور اٹلی کی باضابطہ دوستی مان لی گئی تھی۔ کاونٹ کیانو نے جواب دیا کہ یہ معاہدہ روس دشمن معاہدہ نہیں ہے۔ بلکہ مزدوروں کی انجمن بین الاقوامی کے خلاف معاہدہ کیا گیا ہے۔ اس انجمن میں تمام دنیا کی مزدور سبھاؤں کے نمائندے شریک ہوتے ہیں اور دنیا کی سب سامراج طاقتوں کا مقابلہ کرنے کی ترکیبیں نکالتے ہیں۔ روس اس انجمن کا سب سے بڑا رکن ہے۔ کیونکہ روس میں صرف مزدوروں کی حکومت ہے۔ اس صورت میں اگر کوئی حملہ یا کوئی بیجا دباؤ مزدوروں کی بین الاقوامی انجمن پر ڈالا گیا تو روس کو اس کی پوری حمایت کرنا ہوگی۔

**روس** اس وقت دو طرف سے دشمنوں سے گھرا ہوا ہے ایک طرف جرمنی کی فوجی حکومت، اور دوسری طرف جاپان کی فوجی طاقت۔ اگر جاپان نے شمالی چین پر قبضہ کر لیا تو یہ خطرہ بہت بڑھ جائیگا۔ روس کا قصور صرف اتنا ہے کہ وہاں کی دولت، سب کی دولت ہے، اس سے سب فائدہ اٹھاتے ہیں اور حکومت نے ہر شخص کے کھانے پینے رہنے سہنے اور تعلیم کی ذمہ داری لے رکھی ہے۔ جاپان جرمنی اور اٹلی کی طرح وہ دوسروں کے ملکوں پر ان کو اپنے مال کی منڈی بنانے کے لے قبضہ کرنا نہیں چاہتا۔ یہ قصور بہت بڑا ہے روس کی مزدوروں کی آرام و آسائش دیکھکر جرمنی اور جاپان کے فاقہ مست بے گھر و بار مزدور شور مچاتے ہیں اور حقوق مانگتے ہیں۔

**یہ معاہدہ بہت پہلے سے** منڈلا رہا تھا۔ لیکن اس میں بہت سی رکاوٹیں تھیں۔ ایک تو یہ کہ اٹلی، جاپان اور جرمنی میں سے کسی کو اپنی یا اپنے دونوں ساتھیوں کی طاقت کا صحیح علم نہ تھا سرسری دیکھنے سے یہی معلوم ہوتا تھا کہ لڑائی کے سامان، فوج اور روپیہ میں یہ تینوں طاقتیں، فرانس، برطانیہ اور امریکہ سے بہت کمزور ہیں ان میں سے ہر ایک بازار ملکوں کا خواہشمند تھا۔ مگر کسی کو یقین نہیں تھا کہ اتنی آسانی سے حبشہ اسپین، اور چین پر قبضہ کیا جا سکتا ہے۔ دوسری بات یہ کہ ان تینوں میں اسپین

بھی اختلاف ہے جرمنی اور اٹلی دونوں کے دانت اسٹریا میں بلقان کے خطے اور دریائے ڈینوب کے وسطی بیسن پر لگے ہوئے تھے۔ تیسری بات یہ کہ ابھی تک برطانیہ، امریکہ اور اٹلی دونوں کی کمزوریاں ٹھیک طور پر معلوم نہیں تھیں اٹلی نے حبشہ پر حملہ کیا۔ برطانیہ نے بہت خفگی دکھائی۔ مگر کیا کچھ نہیں۔ پھر بھی پالیسی رہی، اسپین و بحیرۂ روم کے معاملہ میں۔ چین پر جاپان نے حملہ کیا اور غالباً سر ہتھیلی پر رکھ کر یہ حملہ کیا تھا۔ کیونکہ اسوقت تک امریکہ کی بے بسی اس طرح ظاہر نہیں ہوئی تھی۔ اور جاپان کو اپنی مفلسی کا علم تھا۔ کیونکہ ایک طرح یہ حملہ اسی مفلسی کا نتیجہ ہے۔ چین کے معاملہ نے رہا سہا کام پورا کیا بڑی سامراجی طاقتوں نے اس تباہ کاری کا مقابلہ کیسے کیا؟ لیگ اقوام میں قراردادیں پاس کرائیں اور برسل کانفرنس منعقد کی وہاں بالکل وہی ناٹک ہو رہا ہے جو انجمن غیر جانبداری میں ہوا۔ یعنی چین تو ختم ہوا جا رہا ہے مگر یہاں گفت و شنید، سمجھوتے۔ انسانی ہمدردی کی باتیں ہو رہی ہیں۔

ادھر ان سامراج طاقتوں کی قلعی کھلی اور ادھر جاپان، اٹلی اور جرمنی کو اپنی طاقت اور طریقہ کار پر بھروسا ہوا کہ یہ تینوں بھوکے خزانے دنیا کے امن کو ستیاناس کرنے کے لئے جمع ہو گئے۔

## برطانیہ فرانس اور روس

ان تینوں لٹیری طاقتوں کے خلاف ایک سمجھوتا ہو گیا تھا۔ اور اس سمجھوتے نے ان طاقتوں کے ابال کو بہت کچھ روکے رکھا۔ لیکن ایک بات بہت جلد ظاہر ہو گئی، کہ یہ تینوں فسطائی طاقتیں فرانس اور روس سے کسی طرح صلح کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔

## جرمنی

اپنی سلطنت روسی سرحد کی طرف بڑھانا چاہتا ہے۔ اگر ادھر نہ بڑھائے تو کدھر بڑھائے؟ نوآبادیات کا خیال تو جنگ عظیم کے بعد ہی سے چھوڑ دیا۔ کیونکہ لڑائی کے زمانے میں ان کی حفاظت کرنا بہت کٹھن کام ہوتا ہے۔ دوسرے ایسی نوآبادیات حاصل کرنے سے کچھ فائدہ نہیں جیسی جرمنی کے پاس تھیں۔ رہیں ابھی نوآبادیات سو وہ فرانس برطانیہ اور امریکہ کے قبضہ میں ہیں، اگر ان کے لئے لڑائی کی تو وہ فوراً عالمگیر لڑائی ہو جائے گی جس میں اسی کی فتح ہوگی جس کے پاس روپیہ اور آدمی بہت ہوں یعنی دشمنوں کی۔ اگر لڑائی ہی کرنا ہے، اور لڑائی کی تمام دشواریوں کا سامنا کرنا ہے تو پھر روس ہی کی ریاستوں پر کیوں نہ حملہ کیا جائے۔ اس طرف فوج کی نقل و حرکت بھی آسانی سے ہو سکے گی۔ قبضہ کرنے کے بعد انتظام کرنے میں بھی کم دشواری ہوگی اور اگر کبھی لڑائی چھڑی تو حفاظت میں بھی دقت نہ ہوگی۔ (دیکھئے جرمنی کیا چاہتا ہے؟" ہندستان نمبر ۵)

جرمنی نوآبادیات، نوآبادیات پکار رہا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کا مطلب یہ نہیں ہو سکتا کہ فرانس اور برطانیہ، جرمنی کے نام چند بڑے بڑے ملکوں کا داخل خارج اسی طرح کر دیں جیسے زمینداروں میں ہوتا ہے۔ اگر یہ طاقتیں تیار بھی ہو جائیں تو نوآبادیات کے رہنے والے کب ماننے لگے۔ گویا وہ بھیڑ بکریاں ہیں۔

## ہندستانی اخباروں کو جرمنی کے نوآبادیات

کے مطالبہ سے بڑی ہمدردی ہے جب یہ آواز اٹھتی ہے وہ فوراً کہنے لگتے ہیں کہ واقعی بڑی زیادتی ہے کہ برطانیہ کے پاس تو اتنی جائداد ہے مزے لوٹنے کو اور جرمنی کے پاس کچھ نہیں۔ للہذا انصاف کی مانگ یہی ہے کہ برطانیہ جرمنی کو بھی کچھ حصہ دے۔ ہمارے بھولے اخبارات یہ بھول جاتے ہیں کہ یہ ہم ہی بدنصیب لوگ ہیں جنکے گلوں کا حصہ بخرا ہو رہا ہے۔ یہی کیا کم ذلت ہے کہ ہماری زندگی اور ہماری محنت دوسرے کے ہاتھوں رہن ہے؟ اب اس پر اتنا اضافہ اور ہوا کہ جو زبردست ہو ہم کو ہنکا لے جائے۔ فرض کرو برطانیہ تیار ہے کہ ہندستان کو جرمنی کے حوالے کر دے (موجودہ حالات میں یہ بالکل محال ہے) کیا کوئی ہندستانی اس کو گوارا کریگا اور وہ بھولے اخبارات یہ بھی بھول جاتے ہیں کہ نوآبادیات کی مانگ، اور یہ شور کہ ہم غریب ہیں جرمنی کے مزدوروں اور کسانوں کی طرف سے نہیں ہے۔ بلکہ جرمنی کے مٹھی بھر سرمایہ داروں کی طرف سے ہے۔ کیا بے نفسی ہے ہمارے اخباروں کی اپنے کو مٹا رہے ہیں، صرف اس لئے کہ جرمنی کے دولتمند بیچاروں کو مرغن غذا کے بعد چورن میسر نہیں آتا۔

## اٹلی اور فرانس

میں بھی چشمک ہے۔ ان دونوں میں بھی صلح نہیں ہو سکتی ان باتوں کو دیکھکر برطانیہ نے اپنی پوزیشن ایسی بنالی تھی کہ ساتھ تھی فرانس اور روس کے، مگر لاڈ پیار ہوتے تھے مسولینی کے غیر جانبداری کی اسکیم کہنے کو غیر جانبداری تھی مگر اصل میں فرانکو سے جانبداری تھی۔ بحیرہ روم کی نگرانی کا مسئلہ جب اٹھا تو نگرانی میں اٹلی شریک کیا گیا مگر روس نہیں۔ اب فرانکو کو اسپین کی حکومت کا مقابل ماننے کا کیا تذکرہ، اس کے ایجنٹ کو گفت و شنید کے لئے بلایا جا رہا ہے۔ یعنی اس کو اسپین کا مالک تسلیم کر لیا۔ یا تسلیم کرنے کی باضابطہ تیاری شروع کر دی۔ چین کا معاملہ بھی بالکل غیر جانبداری کی طرح چل رہا ہے۔ اس میں صاف جانب داری ہے جاپان کے ساتھ

برطانیہ نے دوسرے اڑنگے بھی لگائے تھے وہ یہ کہ اٹلی کو اپنی طرف ملاکر جرمنی سے بگاڑ کرا دے یا یہ کہ جرمنی کو اپنی طرف ملاکر اٹلی سے بگاڑ کرا دے۔ دونوں کو لالچیں دی گئیں۔ جرمنی کو کچھ بیکار سی نوآبادیاں پرتگال سے چھین کر دلانے کی باتیں ہوئیں۔ اٹلی کو حبشہ میں صنعت و حرفت چلانے کو روپیہ کی ضرورت تھی، انگریزی مہاجن فوراً امداد کے لئے آگے بڑھے مگر یہ دونوں طاقتیں ایسے ننھے ننھے فائدوں کے لئے اپنے کو بیچنے کو تیار نہ ہوئیں۔ برطانیہ کی اس گڑبڑ پالیسی کا، یعنی کبھی اس سے دوستی کبھی اس سے، نتیجہ صرف اتنا ہوا کہ اسکی پالیسی کی اہمیت دوسرے ملکوں کی نگاہوں میں گر گئی۔

اشتراکیت دشمن معاہدہ پر فرانس کی طرف سے مسٹر بلم نے کہا "اسوقت امن قائم رکھنے کی خاص طاقت لندن اور ماسکو کے تعلقات میں چھپی ہے یہ کام ۱۹۱۴ء میں فرانس نے کیا تھا۔ اور اب بھی وہی کریگا۔ انگلستان نے ان باتوں کو سنا تک نہیں وہ صرف فسطائی طاقتوں کی چوکھٹ پر ماتھا ٹیک رہی ہے۔

## برطانیہ کی فسطائی طاقتوں کی نگاہوں میں

کوئی عزت نہیں ہے۔ وزیر اعظم چیمبرلین نے اٹلی، جرمنی کی دوستی (اب اس میں جاپان بھی آگیا) پر اسی طرح رائے زنی کی گویا اس میں داخل ہونے کی بڑی تمنا ہے۔ اس پر اٹلی کے سرکاری اخبار نے تبصرہ کیا جس میں وزیر اعظم پر بڑے گرم گرم فقرے چست کئے تھے۔ قیاس ہے کہ مضمون مسولینی کا لکھا ہوا تھا۔ بیچارے وزیر اعظم نے سب فقرے کھسیانی ہنسی

ہنسکر حلق سے اتار لئے، اور لارڈ ہیلی فاکس (سابق لارڈ ارون) کو ہٹلر سے ملاقات کرنے، اور سمجھوتا کرنے کو بھیجا ہے۔

برطانیہ کی پریشانیاں دیکھنے کے قابل ہیں۔ اسوقت سات دو جماعتیں بن گئی ہیں۔ ایک طرف فسطائی طاقتیں اور دوسری طرف سوشلزی اور نیم سوشلزی طاقتیں اگر برطانیہ فسطائی طاقتوں کے خلاف جاتی ہے تو ان الطور اتنی مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔

(۱) بحیرۂ روم کی بدامنی۔ اٹلی نے یہ ٹھک کہیں کر برطانیہ کو سمجھا دیا کہ اگر بحیرہ میں امن قائم رکھنا ہے تو اٹلی سے دوستی رکھنا ضروری ہے بلا بحیرہ روم میں امن رکھے برطانیہ ہندستان اور نوآبادیات پر قبضہ نہیں رکھ سکتا۔ پہلے ڈرانے کو مسولینی ہی کیا کم تھا اب فرانکو بھی آگیا اسپین پر قبضہ ہو جانے سے جبرالٹر کا زور بھی بیکار ہو گیا۔

(۲) فسطائی طاقتوں سے دشمنی مول لینے پر چین کی تجارت میں ذرا بھی حصہ نہیں ملیگا۔ اس صورت میں برطانیہ کی تجارت گھٹ جائے گی، انگلستان کے مزدوروں میں بیکاری بڑھیگی، اور شورش بہت پھیل جائیگی

(۳) اگر لڑائی چھڑ گئی تو روس اتنی دور ہے، اور اس طرح فسطائی دشمنوں میں گھرا ہوا ہے کہ وہ انگلستان کی زیادہ مدد بھی نہیں کر سکے گا۔

(۴) اگر برطانیہ، فرانس اور روس کے ساتھ ہے تو لڑائی میں فریقین کا پلہ برابر رہیگا۔ کیا معلوم کس کو فتح ہو اور کس کو شکست۔ لیکن اس جانب رہنے میں فتح کی بہت زیادہ امید ہے۔

(۵) فسطائی طاقتیں ہیں لٹیرے، اور برطانیہ ساہوکار۔ ان کے پاس کچھ کھونے کو نہیں ہے، اور برطانیہ کے پاس بہت کچھ اس لئے محفوظ طریقہ یہی ہے کہ لٹیروں کے ساتھ رہکر اپنا مال بچاؤ

فسطائی طاقتوں کے ساتھ رہنے میں بھی ہزاروں خرابیاں ہیں۔ خاصکر جاپان کی طرف سے جاپان نے ایک انجمن جاپان و برما کے نام سے ٹوکیو میں قائم کی تھی۔ اب اس کی ایک شاخ برما میں کھولدی گئی ہے۔ اس کا مطلب یہ بتایا جاتا ہے، برما اور جاپان میں اچھے تعلقات "اچھے تعلقات" یہی تھے جو جاپان چین سے قائم کرنا چاہتا تھا اور قائم کر رہا ہے برما پر بھی جاپان کے دانت ہیں۔

جاپان کے ایک فوجی افسر نے کہا تھا کہ ہم آسٹریلیا کے جغرافیہ سے اتنا واقف ہیں جتنا آسٹریلیا والے کبھی نہیں واقف ہوں گے۔ اس واقعہ کے کیا معنی؟ جنگ عظیم سے کچھ ہی پہلے جرمنی کے ایک افسر نے کہا تھا کہ ہم روس کے جغرافیہ سے اتنا واقف ہیں جتنا روس والے بھی واقف نہونگے۔ برطانیہ اگر اس طرف آرہی ہے تو اس کو ہر وقت چوکنا رہنا پڑے گا۔

## مہاراجہ بیکانیر کی جبلی

مہاراجہ بیکانیر نے حال ہی میں بڑے دھوم دھوم سے اپنی طلائی جبلی منائی وائسرائے نے بھی اپنی تشریف آوری سے ریاست کو رونق بخشی اور ہر طرف سے مبارکباد کے پیغام آئے اور جی کھول کر مہاراجہ کی تعریف اور ریاست کے کارنامے بیان کئے گئے۔ اگر صحیح واقعات دیکھے جائیں تو یہ پتہ چلیگا کہ اس تعریف اور ترقی کی اصلی حقیقت کیا ہے

تعلیم پر ریاست کی آمدنی کا صرف ۲ فیصدی حصہ خرچ ہوتا ہے لیکن مہاراجہ کے گھر کا خرچ کبھی ۲۰ اور ۲۱ فیصدی سے کم نہیں ہونے پاتا۔ کل زمین کا تقریباً ایک چوتھائی حصہ صرف ڈیڑھ سو امرا کے قبضہ میں ہے ان امرا کے لئے علحدہ قانون بنائے گئے ہیں۔ اگر یہ جرم کریں تو ان پر مقدمہ تک نہیں چلایا جاسکتا یہ ہے مہاراجہ کے کارنامہ جنسے ریاست کی ترقی کا پتہ چلتا ہے اور انہیں کارناموں کے انعام میں مہاراجہ کو سامراج کی فوج میں جنرل بنا دیا گیا ہے۔

جبلی کے مصارف کیلئے رعایا سے علحدہ روپیہ لیا گیا ہے چھوٹے سے چھوٹے سرکاری ملازم کو اپنی تنخواہ کا دس فیصدی حصہ چندہ میں دینا پڑا کسانوں پر مزید محصول لگایا گیا اور ریل پر سفر کرنے والوں کو بھی ٹکٹ خریدتے وقت جبلی ٹیکس ادا کرنا پڑا۔

جبلی میں چراغاں کرنے کے لئے جو تیل آرہا ہے وہ واقعی غریبوں اور دکھیوں کی ہڈیوں سے نکالا گیا ہے

(کانگریسی سوشلسٹ۔ بمبئی)

## بمبئی کی کانگریسی حکومت

بمبئی میں سول نافرمانی کے زمانے میں کسانوں کی کچھ زمینیں ضبط کر لی گئی تھیں۔ اور کچھ معمولی داموں پر نیلام کر دی گئیں تھیں۔ اب کانگریسی حکومت نے ضبط کی ہوئی زمینوں میں سے ۵۰،۷ ایکڑ واپس کر دے۔

جو زمینیں معمولی داموں پر نیلام کر دی گئی تھیں۔ اس کے لئے ضلع کے افسروں، اور کانگرس کمیٹیوں سے تحقیقات کرنے اور اسی کی رپورٹ پیش کرنے کا حکم دیا گیا ہے

اسی طرح سول نافرمانی کے زمانہ میں صوبہ کانگریس کمیٹی بمبئی سے بیالیس ہزار روپیہ چھین لیا گیا تھا اب حکومت نے اس کو واپس کرنے کا حکم دیدیا

اسی طرح پچھلی حکومتوں کے مظالم کی تھوڑی بہت تلافی ہو گئی اور کسانوں کے کچھ آنسو پونچھ گئے۔ انکو اپنی حکومت کا مزا مل گیا۔ لیکن ابھی ہم کو بہت دور جانا ہے۔ جب تک سول نافرمانی کے زمانہ کی نیلام کی ہوئی سب زمینیں واپس نہ ہو جائیں۔ کانگریس کا کام ادھورا رہے گا۔

# جنگِ عظیم کی انیسویں برسی

۱۱ نومبر کو جنگ عظیم کی انیسویں برسی ہوئی۔ یعنی کھلی لڑائی کے بعد انیس سال خاموش لڑائی کے کٹ گئے۔ ان انیس برسوں میں انسان کی مصیبتیں دگنی تگنی ہو گئیں بیکاری اور غریبی نے گوشہ گوشہ میں اپنے ڈنک چبھو دئے۔ اس کے بدولت کروڑوں انسان جیل خانے میں سڑ رہے ہیں۔ لاکھوں پھانسی پر چڑھ گئے۔ ان گنت جانیں معمولی معمولی بیماریوں کے بھینٹ ہو گئیں۔ مانچوریا پر جاپان کا حملہ ہوا۔ بولیویا اور پراگے کی لڑائی ہوئی۔ حبش کو اٹلی نے لوٹ لیا۔ اسپین کی آزادی کی تحریک کو اٹلی

اور جرمنی نے کھلے خزانے فنا کیا، اور اب چین میں جاپانی ہاتھ لوٹ کھسوٹ کر رہے ہیں۔ دنیا کے تمام غلام ملکوں میں آزادی کی تحریکیں اٹھیں جس میں ہزاروں جانیں قربان ہوئیں اور قربان ہو رہی ہیں۔ اسی طرح مرنے والوں کی تعداد جنگ عظیم کی وقتی موتوں سے بہت زیادہ ہے۔ لیکن اس زمانے کو امن اور صلح کا زمانہ کہتے ہیں۔ اس لئے کہ کہنے والے وہ لوگ ہیں جو ان تباہ کاریوں سے محفوظ ساحل پر کھڑے تماشا دیکھ رہے ہیں۔

جنگ عظیم کیوں ہوئی؟ کیا اس لڑائی نے دنیا کا کوئی مسئلہ حل کر دیا؟ یہ دونوں سوال ایک لفظ "سرمایہ داری" کے گرد چکر کھاتے ہیں۔ "سرمایہ داری" (یعنی چند آدمیوں کا آمدنی کے ذریعوں کا مالک بن جانا) کی پیدائش مشینوں سے ہوئی، مشینوں، ریلوں اور جہازوں نے روپیہ پیدا کرنے کا بڑا سستا نسخہ مہیا کر دیا۔ اور جن کے پاس لگانے کو روپیہ تھا وہ بے تحاشا اس کیمیا کے نسخہ سے فائدہ اٹھانے پر جٹ گئے۔ پہلے یہ نعمت انگلستان کے ہاتھ آئی، اس نے فوراً بڑی بڑی کمپنیاں تیار کریں۔ دیوقامت مشینیں کھڑی کر دیں اور تیزی سے سامان تجارت تیار ہونے لگا۔

سامان تجارت کی دو زبردست مانگیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ سستا اور اچھا کچا مال لاؤ۔ اور دوسرے تیار سامان کے لئے بازار مہیا کرو۔ یہ کام بھی بڑا فائدہ مند ہے کچے مال کے مہیا کرنے والے، اور بازار میں سامان لے جا کر بیچنے والے بھی لاکھوں اور کروڑوں کا نفع کما سکتے ہیں۔ ان دونوں نعمتوں کی تلاش میں انگریز دنیا کے گوشہ گوشہ میں پھیل گئے۔

بھیڑیں پالنے کے لئے سرسبز چراگاہیں، چاء کی کاشت کے لئے پہاڑیوں کے دامن، ربڑ کے لئے ربڑ کے جنگل، لاکھ کی کاشت کے لئے جنگل جہاں جہاں ملے یہ لوگ پہونچ گئے اور ان پر قبضہ کرنے کے لئے کوئی کرتب اٹھا نہ رکھا اسی طرح لوہے، کوئلے اور دوسری دھاتوں کی کانوں کو، روئی اور سلک کی پیداوار کو بھی جس طرح بنا ہتھیا لیا۔ انگلستان کے پیچھے پیچھے فرانس، اور جرمنی بھی چلے ۱۸۷۰ء اور ۱۹۰۰ء کے درمیان میں جتنی زمین پر قبضہ کیا گیا ہے تاریخ میں اس کا مقابلہ صرف چنگیز خاں کے دور سے کیا جا سکتا ہے۔ ۱۸۷۰ء اور ۱۹۰۰ء کے درمیان برطانیہ نے ۴،۷۵۴،۰۰۰ مربع میل زمین پر قبضہ کیا، جس کی آبادی آٹھ کرور اسی لاکھ تھی۔ اسی طرح فرانس نے ۳،۵۸۳،۵۸۰ مربع میل پر قبضہ کیا، جس کی آبادی ۳۶،۵۵۳،۰۰۰ تھی اور اسی زمانے میں جرمنی نے جو سب سے پیچھے تھا ۱،۰۲۶،۲۲۰ مربع میل پر قبضہ کیا جس کی آبادی ۱۶،۶۸۷،۱۰۰ تھی۔

جرمنی میں سرمایہ داری بہت دیر میں آئی۔ لیکن جب آئی تو بہت تیزی سے ترقی کر گئی۔ اس کی کئی وجہیں ہوئیں۔ ایک تو یہ کہ انگلستان میں مشینیں اسی وقت بن گئی تھیں جب اس فن میں کچھ زیادہ ترقی نہیں ہوئی تھی لیکن جرمنی میں اس وقت بننا شروع ہوئیں جب مشین سازی نے بہت ترقی کر لی تھی۔ اس لئے جرمنی کی مشینوں پر خرچ کم ہوتا تھا اور سامان زیادہ تیار کرتی تھیں اور اچھا تیار کرتی تھیں۔ دوسری وجہ یہ ہوئی کہ جرمنی میں کانیں عمدہ ہیں اور موقع پر ہیں۔ ان باتوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ جرمنی کا بنا ہوا بعض بعض مال انگلستان کے مال سے بدرجہا اچھا ہوتا تھا۔

جرمنی کو تلاش ہوئی بازار ملکوں کی۔ اور بازار ملک تھے قبضہ میں برطانیہ اور فرانس کے۔ اس لئے یہ دونوں قدرتاً ایک دوسرے کے دشمن ٹھہرے، جرمنی کو یقین ہو گیا کہ بازار بلا لڑے بھڑے نہیں مل سکتے۔ اور فرانس و برطانیہ کو یقین آ گیا کہ جرمنی لڑیگا ضرور۔ جرمنی ہی کی ایسی حالت اٹلی کی بھی تھی۔ وہاں بھی سرمایہ داری کی بنیاد اس وقت پڑی جب کچے مال اور بازار والے ملکوں پر دوسروں کا قبضہ ہو چکا تھا۔ اس لئے وہ بھی آ کر جرمنی سے مل گیا۔ آسٹریا اور ترکی کو ان تھپنے سے زبردست ملکوں سے ڈر تھا وہ بھی ادھر آ ملے۔ فرانس اور برطانیہ کی طرف روس مل گیا۔ کیونکہ روس کے پاس بھی غلام ملکوں کی اچھی خاصی تعداد تھی پارٹیاں بن گئیں۔ لڑائی ٹھن گئی۔ برطانیہ اور فرانس کی طرف سے لڑائی ٹالنے کی بہت کوششیں ہوئیں۔ جرمنی کو کچھ ناکارے غلام ملک دیئے کے وعدے کئے گئے۔ بعض بعض بازار ملکوں میں تجارت کے حقوق دیئے گئے۔ لیکن ایسے ٹکڑوں سے جرمنی کے سرمایہ داروں کا کچھ بھلا نہیں ہوا۔ کیونکہ رفتہ رفتہ کر کے ذخیروں میں تجارتی سامان اتنا زیادہ بھر گیا تھا کہ ہر کارخانے دار اپنی جگہ پر ڈرنے لگا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ مجھ ہی کو کارخانہ بند کر دینا پڑے۔ اور میں ہی پہلے تباہ ہوں۔ اپنے بچاؤ کی خاطر ہر ایک لڑائی کرنے پر تل گیا دوسری طرف کوئی انگریز کارخانے دار اس بات پر نہیں تیار تھا کہ ذرا سے بھی پکے تجارتی حقوق جرمنی کو دے دئے جائیں تجارتی حقوق دینے کے معنی ہیں، انگریز سرمایہ داروں سے حقوق نکال لینا گیا معلوم اس کا نقصان کس کو پہونچے۔ گویا لڑائی ٹلنے کی کوئی صورت ممکن نہیں تھی۔

امن قائم کرنے کے لئے بڑی بڑی کانفرنسیں ہوئیں گفت و شنید ہوئی سمجھوتے ہوئے۔ اسلحہ بندی کو روکنے کی کوششیں ہوئیں۔ لیکن نتیجہ یہ ہوا کہ ایک جھڑپ ۱۹۰۵ء میں ہوئی۔ دوسری جھڑپ ۱۹۱۱ میں ہوئی، اور پورا ابال ۱۹۱۴ء میں آیا جس نے دنیا کو بتا دیا کہ سرمایہ داری میں انسانیت کو تباہ کرنے کا کتنا زہر بھرا ہوا ہے۔

جنگ عظیم غارتگری اور تباہ کاری میں تمام پچھلی لڑائیوں سے آگے نکل گئی۔ فوجی اور شہری لوگوں کو ملا کر چار کرور، چودہ لاکھ، پینتیس ۳۵ ہزار انسانوں کی جانیں اس کے بھینٹ ہوئیں۔ یا یوں کہو کہ دنیا کی آبادی کا چالیسواں حصہ اس بھوت کی خوراک بن گیا۔ انسان کی جان لینے کے نئے نئے آلے بنائے گئے طرح طرح کے کرتب ایجاد ہوئے۔ بربریت، اور درندگی کی مثال قائم کر دی گئی۔ صرف چند سرمایہ داروں کا نفع برقرار رکھنے کے لئے صلح ہوئی اور شرائط صلح سے یہ ہوا کہ جو امیر تھے وہ اور زیادہ امیر ہو گئے، جو غریب تھے وہ اور زیادہ غریب۔ تفریق بہت زیادہ بڑھ گئی۔ اسوقت تو برطانیہ اور فرانس کے جانباز سیاست داں بہت خوش تھے۔ کہ خوب مزے کی صلح کی؛ بڑے فائدے میں رہے۔ لیکن اب جو جرمنی اٹلی جاپان کے پسے ہوئے سرمایہ دار اپنے پنجے نکال کر انگریز و فرانسیسی مہاجنوں کو لوٹنے کی تیاریاں کر رہے ہیں تو بنائے کچھ نہیں بنتا۔ لڑائی کے بالکل وہی اسباب جو ۱۹۱۴ء میں جمع ہو گئے تھے۔ اب پھر جمع ہو گئے ہیں۔ جرمنی کا نوآبادیات کو مانگنا، یعنی بازار ملکوں کی اور کچے مال کی تلاش اٹلی، اور جاپان کا دنیا کی ساری طاقتوں کی مرضی کے خلاف حبش اور شمالی حبش پر قبضہ کر لینا اور اسی طرح ممالک متحدہ امریکہ اور برطانیہ کے تجارتی منافع کو کھٹرنا۔ دوسری طرف اسلحہ بندی کی بے تکان دوڑ یہ سب چیزیں بتاتی ہیں کہ افق پر پھر جنگ کے مہیب بادل منڈلا رہے ہیں۔ . . فرانکو کی شہریوں اسکولوں، اور اسپتالوں پر بمباری دیکھو اس سے کیا سمجھ میں آتا ہے۔

# ترقی پسند مصنفین

(جواہر لال نہرو)

[پنڈت جی نے ہندوستانی ترقی پسند مصنفین کی کانفرنس میں ترقی پسند ادب پر ایک تقریر کی تھی جسکو انھوں نے مضمون کی صورت میں لکھکر ہندستان کو بھیجا]

ادب پر رائے دینے کا مجھے حق تو نہیں۔ لیکن جب دیکھتا ہوں کہ مجھ سے بھی کم حق رکھنے والے لوگ رائے دے رہے ہیں تو مجھے بھی جرأت ہوتی ہے کچھ کہنے کی۔ مجھے دو کتابیں لکھنے کا اتفاق ہوا ہے اور لکھنے پڑھنے کا شوق بھی ہے۔ لیکن میرے پاس ان کاموں کے لئے اب وقت نہیں ہے۔ میری طاقت زیادہ تر دوسرے کاموں میں صرف ہوتی ہے جیسا کہ آپ لوگوں کو معلوم ہے۔ ترقی پسند ادب کیا ہے؟ ادب کن لوگوں کے لئے لکھتا ہے؟ اور کیوں لکھتا ہے؟ ان سوالوں کے جواب ہر شخص دے سکتا ہے۔ اور دئے گئے ہیں۔ انکو بار بار دہرانے سے کچھ حاصل نہیں۔ ان سوالوں کو سنکر میرا جی چاہتا ہے کہ پوچھوں آپ زندہ کیوں ہیں؟ کیا مقصد ہے زندگی کا؟ زندگی کا مقصد ایک ہے۔ اور دوسری باتیں اسکی جزو ہیں۔ یا زندگی کی ہر بات کے خانے الگ الگ ہیں جو لوگ مکمل ہوتے ہیں۔ ڈاکٹر ہوتے ہیں، پروفیسر ہوتے ہیں یہ سب الگ الگ ہیں یا یہ زندگی کی تصویر ایک مکمل تصویر ہے۔ اور یہ سب اس کے حصے ہیں؟ اگر یہ سب تصویر کے جزو ہیں۔ تو ہم انکو زندگی کی تصویر میں ہونا چاہیے۔ اگر ہم ان میں سے کسی چیز کو زندگی کی تصویر سے الگ ہوکر ڈھونڈھنا چاہیں گے تو ہم بھٹکتے رہیں گے، اور کوئی سیدھا راستہ نہ مل سکے گا۔

تم کیوں لکھتے ہو؟ اس کا جواب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ روٹی کھانے کو۔ یہ جواب سچ ہے اور بہت سے لوگ یہی کہیں گے۔ لیکن یہ جواب کوئی بنیادی جواب نہیں ہے۔ کچھ لوگ جواب یوں دیں گے کہ ہم صرف اس لئے لکھتے ہیں کہ لکھنے کا جی چاہتا ہے۔ وجہ کچھ بھی ہو مگر اسی لئے لکھتے ہیں۔ یہ جواب کچھ ٹھیک ہے۔ بہت سے لوگ کہیں گے کہ ہم لکھتے ہیں تاکہ لوگوں کی طبیعت بہلائیں۔ طبیعت بہلانے کے دو طریقے ہوتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ جو مصیبت میں پھنسا ہو کچھ دیر کے لئے اسکو بھلاوہ میں ڈالدیں اس کے دل سے درد دکھ کچھ دیر کے لئے نکال لیں جب پڑھنے والا ایسے ادیب کی چیز کو پڑھتا ہے تو اس میں کھو جاتا ہے اور کچھ دیر کے لئے اپنی پریشانیوں کو بھول جاتا ہے۔ گویا ایسے ادب کا دوسرا نام بھلاوا ہے۔ جب ہم موجودہ پریشانیوں سے بہت گھبرا جاتے ہیں تو سنیما دیکھنے جاتے ہیں۔ وہاں کچھ دیر کے لئے دنیا کو بھول جاتے ہیں۔ اور ہمارا تھکا ماندہ دماغ بہل جاتا ہے۔ ایسا ادب ہوتا ہے۔ لیکن یہ کچھ بڑا کارنامہ نہیں ہے۔ معقول آدمی کا کام ہے کہ ذرا زیادہ دور تک دیکھے۔ ایسا ادب بہت جلد ختم ہو جاتا ہے جیسے سنیما میں ہم تماشہ دیکھتے ہیں۔ اس وقت بہت پسند کرتے ہیں۔ اگر کوئی اسوقت کہانی پوچھے تو بتا بھی دیں گے۔ لیکن دس روز کے بعد سب کچھ بھول جاتے ہیں۔ اسی طرح جب تک لکھنے والے کے سامنے کوئی بڑی بات، کوئی نئی بات نہ ہو۔ پڑھنے والے کے دل پر زیادہ گہرا اثر نہیں کر سکتی۔ دنیا میں بہت سے لکھنے والے گذرے ہیں لیکن انکی وہی کتابیں باقی رہیں جن میں کوئی بڑا مسئلہ تھا جن میں دنیا کے بڑے بڑے سوالوں کو حل کرنے کی کوشش کی گئی۔

اب میں پھر اسی سوال کو دہراؤں گا کہ آپ کے سامنے دنیا کی تصویر کیا ہے؟ اگر وہ ایک مکمل تصویر ہے تو وہ کیسی ہے؟۔ آپ کہاں ہیں۔ اور کہاں جانا چاہتے ہیں؟ اپنے ساتھیوں کو اپنے ساتھ کہاں لیجانا چاہتے ہیں؟ یہ تصویر اگر صاف ہے اور لکھنے والے کو معلوم ہے کہ ہم کہاں ہیں۔ اور پڑھنے والے کو کہاں لیجانا چاہتے ہیں۔ تو انکی لکھی ہوئی چیز زیادہ اچھی ہوگی۔ انسان کا دماغ موجودہ دنیا سے نکل کر پرواز کرتا ہے اسکے عجیب غریب خیالات۔ اسکی عجیب عجیب خواہشیں اس کو ایک دوسری دنیا میں لیجاتی ہیں، جو آجکل کی دنیا سے مختلف ہوتی ہے۔ اور جہاں وہ تمام مسئلے حل ہوتے ہیں جو اس دنیا میں نظر آتے ہیں۔ انسان کا تخیل عجیب چیز ہے وہ اس دماغی دنیا کو رنگ دیکر ایک مکمل تصویر بنا دیتا ہے۔ اور آدمی بےچین ہوتا ہے کہ وہاں پہنچ جائے انسان میں سوچنے کی قابلیت تو زیادہ لیکن کرنے کی کم۔ اس لئے بہت سے لکھنے والے دماغی دنیا کو پسند کرتے ہیں۔ اسی میں بھولے رہتے ہیں۔ لیکن انکو نہ وہاں پہونچنے کا راستہ نظر آتا ہے۔ اور نہ وہ وہاں پہونچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ انکی دماغی دنیا ایک خانے میں رہتی ہے۔ اور واقعی دنیا دوسرے خانہ میں۔

زیادہ ہمت ور لکھنے والے ان دونوں دنیاؤں کو جوڑنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جب وہ دیکھتے ہیں کہ موجودہ دنیا وہ نہیں ہے جو انکے دماغ میں ہے۔ یعنی وہ نہیں کر سکتے جو انکے دماغ میں ہے تو انکے دل میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا ہم وہاں نہیں پہونچ سکتے؟ اگر پہونچ سکتے ہیں تو اسکا کیا راستہ ہے؟۔

یہ سوال پہلے زمانہ کے لکھنے والوں کے ذہن میں بھی اٹھا۔ لیکن انکو دماغی دنیا تک پہونچنے کی کوئی صورت نظر نہ آئی اسوقت انھوں نے اپنی کتابوں کو خیالی دنیا یعنی یوٹوپیا Utopea بنا یا یعنی اگر کرنیکی طاقت ہوتی تو ہم ایسا کرتے۔ ویسی ایسی دنیا بساتے۔ ان دنیاؤں کو بسانے کے لئے کبھی الہ دین کا چراغ نکالا اور کبھی اڑن کھٹولا تیار کیا یہ لوگ روز کی اصلی دنیا سے الگ تھلگ رہے اور خیالی دنیا میں زندگی بسر کرتے رہے۔

لیکن اب دنیا نے اتنی ترقی کر لی ہے کہ اس دماغی دنیا تک پہونچنے کی صورتیں نکال سکتے ہیں مثلاً پہلے کے لکھنے والوں کو نظر آتا تھا کہ غریبی اور امیری کی تفریق ہمیشہ رہنے والی ہے۔ کیونکہ دنیا میں اتنی دولت ہی نہیں تھی جو اس تفریق کے دور کرنے کی کوشش کرنے تک ذہن پہونچتا۔ لیکن اب سائنس، صنعت، و حرفت، اور اسباب نقل و حرکت نے اتنی ترقی کر لی ہے کہ یہ مصیبتیں دور ہو سکتی ہیں اور ایسی دنیا بنا سکتے ہیں جہاں ہر انسان کو ترقی کے یکساں موقعے میسر ہوں۔ جب ایسی کوشش ہو سکتی ہے تو کیوں نہ کی جائے کیوں کر ایسی صورتیں نہ نکالیں جو دماغی دنیا کو موجودہ دنیا کے قریب لے آئیں۔ اب ہم ان دونوں دنیاؤں کے بیچ میں پل بنا سکتے ہیں۔

ہم اس اچھی دنیا تک کیوں نہیں پہونچتے۔ وہاں تک پہونچنے میں زیادہ تر لوگوں کا فائدہ ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم اکیلے وہاں تک نہیں جا سکتے اور زیادہ تر لوگ ایسے ہیں جو وہاں جانا نہیں چاہتے کیونکہ انہوں نے کبھی اس دنیا کو محسوس نہیں کیا ہے۔

ان داغی باتوں کو [illegible] ہم اکیلے پورا کر سکتے ہیں جیسے انفرادی ہوں لیکن سماجی باتوں کو اسی وقت پورا کر سکتے ہیں جب سارا سماج اسی طرف جانا چاہے۔ کیونکہ چند خاص خاص لوگوں کو چھوڑ کر انسان ساتھ رہتے ہیں انسان حیوان متمدن ہے۔ اس صورت میں اگر کوئی اکیلا جانا چاہے گا۔ تو دوسرے اسکی راہ میں رکاوٹ پیدا کریں گے۔

ہم داغی دنیا تک نہیں پہونچ سکتے۔ اس میں قصور کس کا ہے؟ دنیا کا نہیں مجموعی طاقت ہمارے پاس ہے کہ ہم وہاں تک پہونچ سکیں سماج کے ہاتھ اتنے پھیل سکتے ہیں کہ وہ دنیا ہمارے قبضہ میں آ جائے لیکن زیادہ تر لوگ ایسے ہیں جو اس کو نہیں سمجھتے ہیں۔ ترقی پسند مصنف وہ ہے جو اس ہونے والی یا اس نوزائیدہ دنیا تک پہونچ گیا ہے۔ اب اس دنیا کو واقعی دنیا بنانا چاہتا ہے۔ اس لئے چاہتا ہے کہ اوروں کو بھی اپنے ساتھ وہاں تک کھینچ لے جائے۔

موجودہ دنیا کو اس خیالی دنیا تک لیجانے کی اور لوگ بھی کوشش کرتے ہیں مثلاً۔ سیاسی حضرات ہیں۔ انکی بھی یہی کوشش ہوتی ہے۔ لیکن سیاسی حضرات اور اسی قسم کے کوشش کرنے والے دوسرے لوگ چھوٹی چھوٹی باتوں میں پھنس جاتے ہیں۔ بڑی باتوں پر زیادہ توجہ دے نہیں سکتے ایک آرٹسٹ ایسی چھوٹی باتوں سے الگ رہتا ہے۔ اسکی زندگی اور ماحول سیاسی لوگوں کی زندگی اور ماحول سے مختلف ہوتا ہے اسی لئے وہ بڑی بڑی باتوں کو روزمرہ کی چھوٹی باتوں کے جنگل سے الگ کرکے سماج کو دکھا سکتا ہے

مثلاً، آجکل ایک سوال اردو ہندی کا ہے یہ جھگڑا۔ ایسا ہے جس نے ملک کی نگاہوں کو پھنسا لیا ہے۔ لوگ بڑی باتوں کو بھول کر اس میں رہ گئے ہیں۔ اگر اس سوال کے حل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے تو نئے نئے جھگڑے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ جذبات اتنے برانگیختہ ہو جاتے ہیں کہ لوگ اس پر صفائی سے غور نہیں کر سکتے۔ اگر کوئی اسکو حل کرنا چاہتا ہے تو شک ہوتا ہے کہ اس میں بھی کوئی چالبازی ہے

ادیب کی پہونچ جہاں ہوتی ہے وہاں سیاست داں کی نہیں۔ اس کے پاس عام لوگوں کی زبان ہوتی ہے اس سے مدد لیکر وہ خیالی دنیا، اور موجودہ دنیا کے درمیان ایک پل بناتا ہے جس پر ہو کر عام لوگوں کے دماغ خیالی دنیا تک پہونچ جاتے ہیں جب لوگ دماغی طور پر وہاں پہونچ جاتے ہیں تو پھر واقعی پہونچنے کی بھی کوشش کرتے ہیں

آرٹسٹ، اور ادیب میں، انفرادیت ہوتی ہے اگر کسی آرٹسٹ میں انفرادیت نہیں ہے تو میں اسکو آرٹسٹ نہیں کہہ سکتا لیکن اگر اسکی انفرادیت ایسی ہے کہ وہ سماج سے الگ ہے۔ اور جو چیزیں سماج کو ہلاتی ہیں ان سے متاثر نہیں ہوتا۔ تو وہ ادیب بے کار ہے۔ اس کی اصلی طاقت سماج کو آگے نہیں پہونچا سکتی۔ لیکن اگر اس کے برخلاف اسکی انفرادیت میں سماج کو دخل ہے یعنی وہ انفرادیت سماج کا نمائندہ کہی جا سکتی ہے تو وہ بڑی چیز ہے اس میں قوم کی طاقت آ جاتی ہے اور وہ دنیا کو ہلا دیتی ہے۔ گذشتہ دور میں جتنے بڑے بڑے لکھنے والے ہوئے شکسپیر وغیرہ وہ سب کسی نہ کسی طرح اپنے دور کے سماج کے نمائندہ تھے۔

انفرادیت کے معنی میں ایک الجھن ہے۔ ہم سوشلزم اور کمیونزم کی طرف جا رہے ہیں یہ بالکل سماجی چیزیں ہیں جو ایسا نظر آتا ہے کہ انفرادیت کو فنا کرتی ہیں۔ اس سے کمیونزم کے دور میں آرٹ کے مٹ جانے کا خطرہ ہوتا ہے۔ اس دور میں زندگی کا معیار ضرور اونچا ہو جائے گا۔ لیکن یہ معیار ایسی بلندی ہوگی جس کے اوپر تخیل کا کوئی پہاڑ نہ ہوگا۔ ایک چٹیل میدان ہوگا۔ آگے نگاہوں کی دوڑ بند ہو جائے گی۔

انفرادیت کو کمیونزم دبا ضرور دیتی ہے میں یہ ماننے کے لئے تیار ہوں لیکن انفرادیت کو فنا نہیں کرتی۔ اس دور میں دب کر انفرادیت کی صورت کیا نکلے گی یہ میں نہیں کہہ سکتا۔ کہا جاتا ہے کہ آجکل خیالات اور عمل کی آزادی ہے جو شخص جو چاہے کر سکتا ہے اناطول فرانس نے کہا ہے کہ ہمارا قانون آزاد ہے۔ اگر غریب روٹی چرائے تو اسکو بھی وہی سزا ملے گی جو [illegible] کو اگر وہ [illegible] روٹی چرائے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ [illegible] کو . . . . . . . روٹی چرانے کی ضرورت ہی نہ ہوگی۔ اس لئے اگر قانون کا [illegible] تو [illegible] غریب پر ہم کو ترقی کرنے کی بالکل آزادی نہیں۔ جب تک آدمی کو ضروریات کی طرف سے اطمینان نہ ہو۔ پڑھائی لکھائی نہ ہو۔ اس وقت تک وہ کیسے ان لوگوں کا مقابلہ کر سکتا ہے جنکو یہ نعمتیں میسر ہیں۔ شہروں میں اور خاص کر دیہاتوں میں کتنے لوگ ایسے ہیں جنکو اگر مواقع میسر ہوں تو انکی انفرادیت ملک کے کام آئے۔

آج کل کی دنیا میں انفرادیت دبائی جاتی ہے۔ اس زمانہ میں انفرادیت ترقی نہیں پا سکتی۔ کیونکہ ہر ایک کو ترقی کرنے کے موقع نہیں میسر آتے۔ جب کھانا پینا، رہنا سہنا میسر نہیں تعلیم نہیں سوچنے کے لئے وقت نہیں تو انفرادیت کیسے ترقی پائے گی۔

اگر انفرادیت ترقی پا سکتی ہے تو صرف سوشلزمی سماج میں۔ پچھلی دنیا میں پھر بھی ان لوگوں کو موقع حاصل تھا جو روپیہ پیسہ رکھتے تھے اور اقتدار رکھتے تھے۔ لیکن اب زمانہ ایسا ہو گیا ہے کہ وہ لوگ بھی جکڑے ہوئے ہیں اسلئے یہ کہنا کہ اس زمانہ میں خیالات کی ترقی کا اور انفرادیت کی ترقی کا موقع ہے یا یہ کہنا کہ سوشلزم آ کر انفرادیت کو فنا کر دیگی غلط ہے وہ [illegible] ایسا نہیں ہوگا کہ سب ایک سے ہو جائیں۔ بلکہ ہر ایک کو اپنے ڈھنگ پر ترقی کرنے کے موقع حاصل ہونگے۔

لکھنے والا کیوں لکھتا ہے؟ اس لئے کہ اسکے دماغ میں ایک دنیا ہے وہ سمجھتا ہے کہ اس دنیا تک پہونچ ہو سکتی ہے اسکی ترکیب یہ ہے کہ اور لوگوں کو بھی یہ دنیا دکھائی جائے۔ اپنی خیالی دنیا۔ اور موجودہ دنیا کے درمیان ایک پل باندھا جائے۔ زمانہ کے شاہکار اسی طرح کے ہوتے ہیں۔ پہلے تو پڑھنے والے حسرت سے خیالی دنیا کو دیکھتے رہتے ہیں اور پھر ادھر چلنے کی کوشش کرتے ہیں۔

ایک بات سے میں جھجکتا ہوں۔ وہ یہ کہ [illegible] لکھتے وقت اکثر لوگ خاص خاص فقرے خاص خاص نعرے دہرانے لگتے ہیں۔ اور سمجھتے ہیں کہ اس طرح انھوں نے ایک زبردست خیال لکھ دیا۔ لیکن معقول لکھنے والے کے لئے یہ زیبا نہیں۔ [illegible] اس میں [illegible] ہے۔ اور نہ کوئی خاص بات اور نہ کوئی خاص پیغام۔ ایسی چیزوں کی جگہ میں صرف سیاست ہے

ہندوستان کی انجمن ترقی پسند کی ایسی انجمنیں یورپ میں متعدد ہیں اور انھوں نے بڑے بڑے کام کئے ہیں۔ حالانکہ ان کاموں کو نمایاں نہیں جا سکتا کیونکہ وہ لوگوں کے دماغوں میں ہے انقلاب فرانس میں والٹیر کے لیکھ دیبوں کا بڑا دخل ہے۔ اسکا اثر انقلاب کے بعد سو برس تک باقی رہا۔

آنے والے انقلاب کے لئے ملک کو تیار کرنا، اسکی ذمہ داری ادیب پر ہوتی ہے۔ آپ لوگوں کے مسئلوں کو حل کیجئے، ان کو راستہ بتائیے۔ لیکن آپ کی بات آرٹ کے ذریعہ جانا چاہیئے۔ اگر منطق کے ذریعہ، آپ کی بات انکے دل میں اتر جانا چاہیئے۔ آرٹ کی منطق الگ ہوتی ہے۔ وہ آدمی کو پکڑ لیتا ہے، پھر منطق اپنا کام کرتی رہتی ہے۔

ہندستان میں بھی ادیبوں نے بڑا اثر کیا ہے۔ مثلاً بنگال میں ٹیگور نے لیکن ابھی تک ایسے ادیب کم پیدا ہوتے ہیں جو ملک کو زیادہ آگے لیجا سکیں اسی لئے انجمن ترقی پسند مصنفین کا قیام ایک بہت بڑی ضرورت کا پورا ہوتا ہے، اور اس سے ہماری بڑی بڑی امیدیں وابستہ ہیں۔

# ہندو مسلم اتحاد

قاضی یونس

"ہندو مسلم اتحاد" کس قدر دلفریب اور ساتھ ہی ساتھ کس قدر مایوس کن فقرہ ہے اس کے سنتے ہی اپنے ملک کی گذشتہ تیس سال کی سیاست نظروں کے سامنے آجاتی ہے۔ اور اپنی ناکامیوں پر بے اختیار آنسو نکل آتے ہیں کیونکہ گزشتہ تیس سال میں شاید کوئی ایسا جلسہ ہوا ہو شاید ہی کوئی ایسی تقریر ہوئی ہو، اور شاید ہی کوئی ایسا خطبہ صدارت پڑھا گیا ہو جس میں اس "اتحاد" پر زور نہ دیا گیا ہو۔ کتنے پیکٹ، کتنی کانفرنسیں، کتنے روزے اس اتحاد کے دیوتا کو خوش کرنے کے لئے بھینٹ چڑھائے گئے۔ مگر افسوس ہمیشہ مایوسی ہی مایوسی ہوئی دیوتا کے چہرے پر مسکراہٹ تک نہ آئی۔ جنگ آزادی کی کشتی ہمیشہ اس دیوتا سے ٹکرائی اور پاش پاش ہوتی رہی تعجب ہوتا ہے ان علاقوں پر۔ حیف ہے ان کی اس استقامت پر کہ اتنی ناکامیوں کے باوجود بھی استقلال میں ذرا فرق نہ آیا۔ وہ برابر اڑے رہے اور ان میں کچھ اب بھی اس فکر میں ہیں کہ کسی طرح اس دیوتا کو رام کرلیں۔ مگر اب وقت آگیا ہے کہ ہم اس سنہرے خواب ان ناکام کوششوں کو چھوڑیں اور سوچیں کہ اتنی کوشش اور اتنی دوڑ دھوپ جو ہم مبہم "ہندو مسلم اتحاد" کے لئے کرتے رہے ہے وہ کہاں تک درست اور بامقصد تھی۔ وہ لوگ جو ہمیشہ یہی سمجھتے رہے ہیں کہ ہندستان کی آزادی تب ہی مل سکتی ہے کہ جب یہاں کے ہندو مسلمان ایک دوسرے کو گلے سے لگالیں انہیں سوچنا چاہیئے کہ فی الواقع یہ "اتحاد" ممکن ہو سکتا ہے۔ کیا اس سے بہتر اور زیادہ پائیدار اتحاد اس ملک کے باشندوں میں نہیں ہو سکتا ہے۔ اگر بالفرض محال ایسا ہو بھی جائے کہ ہندو مسلمان ہر بات میں متفق ہو جائیں، گائے اور باجے کا مسئلہ ہندوستانیوں کیلئے محض قصہ اور کہانیوں سے زیادہ اہمیت نہ رکھے، اور انگریز بھی اس "اتحاد" سے مرعوب ہو کر ہندستان کو خیرباد کہنے پر راضی ہو جائیں۔ تو کیا ہمیں آزادی مل جائیگی اور یہ وہی آزادی ہوگی جس سے ہماری تمام مصیبتوں، ہمارے افلاس، اور بے کاری کا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہو جائے گا۔؟

متحدہ قومیت کا ایسا مسئلہ ہے جس نے نہ صرف ہمارے ہندوستان بلکہ اور دوسرے ممالک کو بھی برابر پریشان رکھا ہے یورپ کی انیسویں صدی کی دنیا کا سب سے بڑا کارنامہ یہ سمجھا جاتا ہے کہ اس نے انسانی برادری کو قومیت کی بنا پر گروہ در گروہ تقسیم کر دیا۔ متحدہ اٹلی۔ اور متحدہ جرمنی اسی زمانہ کی تخلیق کہا جاتا ہے۔ یورپ کی ترقی کا دور اسی وقت سے شروع ہوتا ہے جب وہاں کے مختلف باشندے اپنے کو فرانسیسی اور اطالوی، جرمن اور ڈچ کہنے اور کہلوانے میں فخر سمجھنے لگے۔ مذہب ہٹ کر قومیت پر زور دیا جانے لگا۔ فرانس انگلستان کی آپس میں خوب جنگیں ہوئیں۔ لیکن انگلستان کے کیتھولک باشندوں کو یہ خیال نہ آیا کہ جس ملک کے خلاف وہ لڑ رہے ہیں۔ وہ انکے اپنے مذہب کیتھولک چرچ کا ایک خاص گڑھ ہے بلکہ فرانس کے ہی ہیوگینوٹ (      ) نے ملک کے بجائے انگلستان کی مدد کی۔ یہی جذبہ ہندو مسلم اتحاد کے پجاری ہندوستان کے دلوں میں پیدا کرنا چاہتے ہیں تاکہ یہاں کے باشندے اپنے "ہندو" اور "مسلمان" کہلانے پر اتنا زور نہ دیں جتنا "ہندوستانی" ہونے پر۔ ان حضرات کے خیال کے مطابق آزادی کیلئے ہندو مسلم اتحاد مقدم ہے۔ یہ آپس ہی کے جھگڑے تو ہیں جنہوں نے انگریزوں کو یہاں رہنے کا موقع دیا ہے کچھ یہ قصے قضئے مٹ جائیں پھر کل ہی دیکھئے کہ ملک میں کیا کایا پلٹ ہوتی ہے ایک لحاظ سے ان حضرات کا خیال بھی درست ہے۔ اگر انگریزوں کا اس ملک سے چلا جانا آزادی کا مترادف ہے۔ تو واقعی اس چیز کی اشد ضرورت ہے کہ ہندو مسلمان کا باہمی نفاق کسی طرح سے ختم کیا جائے قاعدہ ہے کہ جب دو پارٹیاں آپس میں لڑتی ہوں تو ایک تیسری ثالث پارٹی کی ضرورت پڑتی ہے۔ جو ان دونوں کے جھگڑے طے کراتے اور ان کو لڑ لڑ کر مرنے سے روکے۔ ظاہر ہے کہ ہندوستان کے ہندو مسلمان باشندوں کیلئے انگریزوں سے بہتر اور کون ثالث ہو سکتا ہے۔ ان جیسا "غیر جانبدار" اور انصاف پرور تلاش کرو تو نہیں ملیگا۔

لیکن مشکل تو یہ ہے کہ اتحاد کا یہ گورکھ دھندا یہیں ختم نہیں ہو جاتا۔ ابھی تو اور بہت سے چھوٹے بڑے "اتحاد" سر اٹھاتے ہیں۔ ابھی تھوڑے دن کی بات ہے۔ کہ لکھنؤ اور کراچی سے دو مختلف آوازیں بلند ہوئیں "مسلمانوں آپس میں متحد ہو جاؤ باہمی شکر رنجیوں کو چھوڑ کر۔ ایک مرکز پر جمع ہو جاؤ۔ یا اپنے ہندو دھرم کے سیوکو تم جب تک آپس میں ایک دوسرے سے لڑتے رہوگے۔ کیوں نہیں آپس میں سنگٹھن کرتے۔" لیجئے ابھی تک تو ہم صرف ہندو مسلم اتحاد کے لئے روتے چلے آتے تھے۔ شکایت کچھ کم نہیں ہوتے۔ ان آوازوں سے پتہ چلا کہ یہاں یعنی مسلمان مسلمان اور ہندو ہندو میں بھی نفاق ہیں بیشتر اس کے کہ آگے متیجہ پیش کر دوں دیکھا یہ جائے کہ کس گروہ سے مشترکہ ایک متحدہ قومیت بنے۔ آخر ان کو ایک مرکز پر

لاتے ہیں۔ اور تحلیں کرتے ہیں تنظیم پیدا کیجئے۔ پہلے ان دھڑوں کو مناسب پھر آگے بڑھنے کا نام سمجھئے۔ تبلیغ، سنگٹھن، آریہ سماجی، ورن آشرم دھرمی کے نعروں کو چکا سنے پھر نام لیجئے۔ ہندو مسلم اتحاد کا۔ ہندو مسلم اتحاد کی پہلی سیڑھی یہ ہے کہ مدح صحابہ اور دلآزار تبرا … کے مسئلے طے ہو جائیں۔ الغرض ایک اتحاد کیلئے نہ معلوم کتنے جھگڑے فیصلے دور کرنے پڑیں۔ خدا کے فضل و کرم سے مسلمانوں میں ہی بہتر فرقے ہیں۔ اور ہندوؤں کے یہاں تو کوئی گنتی ہی نہیں تو گویا نتیجہ یہ نکلا کہ ہندو مسلم کا مسئلہ ہی ایک تنہا مسئلہ نہیں بلکہ اس سے اور بھی لاتعداد اور چھوٹے چھوٹے مسائل وابستہ ہیں جن کے بغیر جڑ سے مسئلہ کا تصفیہ محال ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کے لئے برسوں نہیں صدیوں اور قرنوں تک جائینگے۔ اتنی مدت دراز کے لئے ہندوستان کی آزادی ملتوی رہ سکتی لیکن کیا ہم اس کے لئے تیار ہیں۔ کیا ہم آزادی حاصل کرنے کیلئے صدیوں اور قرنوں تک انتظار کر سکتے ہیں کیا ہم اپنی فلاح و بہبود کو ہندو مسلم اتحاد کے بھینٹ چڑھا دینگے۔ اگر جواب نفی میں ہے جیسا کہ ہونا چاہئے۔ تو پھر وہ کونسا دوسرا راستہ ہے جو ہمیں منزل مقصود تک کم سے کم وقت میں پہنچا دے۔

سنئے وہ راستہ ہے غریب غریب کا اتفاق۔ وہ راستہ ہے بھوکوں بھوکوں کا اتفاق وہ راستہ ہے مظلوم مظلوم کا اتفاق چاہئے ان بھوکوں میں ان مفلسوں میں ان مظلوموں میں اتنی بیداری پیدا کیجئے۔ انہیں بتائیے کہ ہم کس خستہ حالت میں رہتے ہیں۔ ان کے لئے لازمی نعمتیں نہیں رکھی گئیں ان میں احساس پیدا کر دیجئے تاکہ وہ اپنی مظلومیت کا بدلہ لیں ان انسانی درندوں سے جو ان کی موجودہ پستی کا اصلی باعث ہیں۔ تب ہی آپ کے ہندوستان کو آزادی مل سکتی ہے۔ وہ "آئینی آزادی" نہیں جو صوبائی خودمختاری پر منحصر ہو۔ بلکہ وہ آزادی، وہ حقیقی آزادی جو ہماری عزت، ہمارے افلاس ہماری بیکاری، ہماری مظلومیت کا واحد درماں ہو گی۔ ہندو مسلم اتحاد کے گورکھ دھندے میں مت پڑئے۔ ہونے دیجئے، فرقہ وارانہ فسادات کٹنے دیجئے۔ مرنے دیجئے مذہبی دیوانوں کو۔ کیسے ممکن ہے کہ ایک تیسری پارٹی کی موجودگی میں جو آپ سے زیادہ قوت و دولت اور اثر رکھتی ہو۔ اور جس کی حکومت "پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو" پر منحصر ہو۔ کیسے ممکن ہے کہ ایسی حالت میں آپ فرقہ وارانہ فسادات، ہندو مسلم جھگڑوں کو روک سکیں، آپ ہزار کوشش اور لاکھ جتن کریں مگر ہندو کو بحیثیت ہندو کے ایک مسلمان سے جو اپنے مسلمان ہونے کا احساس بھی رکھتا ہو قیامت تک بغلگیر نہیں کرا سکتے ہیں۔ آپ بغلگیر کرانے کی کوشش کرینگے لیکن ایک تیسرا شخص ان دونوں کو چھرے دیدیگا تاکہ بغلگیر ہوتے وقت وہ ایک دوسرے کو ہلاک کر ڈالیں۔ ہمارے علی گڈھ ہی کی مثال لے لیجئے۔ باوجود دونوں قوموں کی متحدہ کوشش کے فرقہ وارانہ فساد روکے نہ رکا۔ اور مسلمانوں نے رام لیلا کے جلوس کو پان اور مٹھائی پیش کی۔ کالی مائی کے مجسمہ پر پھول پھینکے مگر پھر بھی فساد ہوا جس اتحاد کے سنہرے خواب آپ دیکھتے رہتے ہیں۔ وہ تھوڑے عرصہ کے لئے ممکن بھی ہو جائے مگر دیرپا نہ ہوگا آج آپ اتفاق کرا دیجئے لیکن کل ہی جا کر مندر میں گائے کا گوشت پھینک دیتا ہوں پھر آپ دیکھئے آپ کا اتحاد کتنی دیر تک رہتا ہے۔ اتحاد اگر ممکن ہے۔ تو وہ ایک ہی نوعیت کا ہو سکتا ہے۔ عوام کو اقتصادی اور معاشرتی بنا پر منظم کیجئے۔ کسان اور مزدور سبھائیں بنائیے۔ افلاس جیسے بلالحاظ مذہب و ملت ہندو مسلمان سب کو اپاہج بنا رکھا ہے۔ وہ درد مشترک کا احساس آپ کے ہندو اور مسلم کو ملا سکتا ہے۔ اور ملا ہی نہیں بلکہ ایک دوسرے سے پیوست کر سکتا ہے۔ اگر ممکن ہے کہ مہاجنوں اور تنخواہوں کیلئے زمیندارہ اور ساہوکارہ بچانے کیلئے بنگال، پنجاب، آسام اور سندھ کے مسلم لیگی اور مہا سبھائی آپس میں مل سکتے ہیں۔ اگر منوہر لال، اور سکندر حیات۔ نواب صاحب چھتاری۔ اور راجہ صاحب تروا۔ ناظم الدین اور سرکار کا ملاپ ممکن ہے تو کوئی چیز نہیں جو جہد والا اور ہندو والوں سے روک سکے وہ ہندو مسلم اتحاد جس کے لئے آپ رات دن چیخا کرتے ہیں۔ وہ تو بغیر آپ کی کوشش عملاً موجود ہے۔ ان چار صوبوں کی وزارتوں پر نظر ڈالئے وہاں ہندو مہا سبھائی۔ اور کٹر مسلم لیگی ایک دوسرے سے تعاون کر رہے ہیں یہی نہیں بلکہ وقت پڑنے ایک دوسرے کی مدد بھی کرتے ہیں حالت یہ ہے کہ یہ لوگ ایک دوسرے کو مضبوطی سے پکڑے ہوئے ہیں۔ کسی صورت سے جدا ہونے کو تیار نہیں۔ وہی لوگ جو پبلک میں آکر جداگانہ انتخاب کے حامی بنجاتے ہیں جو اپنے اپنے صوبوں سے نکل کر بڑے کٹر بن جاتے ہیں وہی لوگ اسمبلیوں اور کونسلوں میں مشترکہ اور مخلوط … بنائے بیٹھے ہیں۔ اس لئے نہیں کہ وہ ہندو مسلم اتحاد کا نمونہ بننا چاہتے ہیں بلکہ اس لئے اور محض اس لئے کہ ان کا اپنا مفاد بھی اسی میں ہے ان کی بہبودی اسی میں ہے کہ وہ ایک دوسرے کے دوست بنے رہیں تب ہی ان کا زمیندارہ اور ساہوکارہ قائم رہ سکتا ہے۔ تب ہی وہ کسانوں اور مزدوروں کا خون چوس سکتے ہیں۔ ہاں وہ امیر ہیں سرمایہ دار ہیں بڑے زمیندار اور مہاجن ہیں پڑھے لکھے اور تعلیم یافتہ ہیں دھواں دھار تقریر کر سکتے ہیں۔ اپنی فصاحت و بلاغت کے زور سے غریبوں کو مذہب کے آڑ میں دھوکہ دے سکتے ہیں لیکن کیا ذرا سی محنت سے وہی اتفاق کاشتکاروں اور مزدوروں مفلسوں اور بھوکوں میں پیدا نہیں کرایا جا سکتا یقین جانئے اگر وہ ممکن ہے تو یہ بھی ممکن ہے۔

# مزدوروں کا جھنڈا

(اسرار الحق مجاز)

شیر ہیں چلتے ہیں دراتے ہوئے بادلوں کی طرح منڈلاتے ہوئے
زندگی کی راگنی گاتے ہوئے
آج جھنڈا ہے ہمارے ہاتھ میں

ہاں یہ سچ ہے بھوک سے حیران ہیں پر یہ مت سمجھو کہ ہم بے جان ہیں
اس بری حالت میں بھی طوفان ہیں
آج جھنڈا ہے ہمارے ہاتھ میں

ہم وہ ہیں جو بے رحمی کرتے نہیں ہم وہ ہیں جو موت سے ڈرتے نہیں
ہم وہ ہیں جو مر کے بھی مرتے نہیں
آج جھنڈا ہے ہمارے ہاتھ میں

چین سے محلوں میں ہم رہتے نہیں عیش کی گنگا میں ہم بہتے نہیں
روٹیوں پر غیر کی جیتے نہیں
آج جھنڈا ہے ہمارے ہاتھ میں

جانتے ہیں ایک لشکر آئے گا توپ دکھلا کر ہمیں دھمکائے گا
پر یہ جھنڈا بھی یونہی لہرائیگا
آج جھنڈا ہے ہمارے ہاتھ میں

کب بھلا دھمکی سے گھبراتے ہیں ہم دل میں جو ہوتا ہے کہہ جاتے ہیں ہم
آسماں ہلتا ہے، جب گاتے ہیں ہم
آج جھنڈا ہے ہمارے ہاتھ میں

لاکھ لشکر آئیں کب ہلتے ہیں ہم آندھیوں میں جنگ کی کھلتے ہیں ہم
موت سے ہنس کر گلے ملتے ہیں ہم
آج جھنڈا ہے ہمارے ہاتھ میں

# کسانوں کی امداد کے طریقے

اس موقع پر جب کہ صوبہ متحدہ کی حکومت کسانوں کی بہبودی اور فلاح کی طرف متوجہ ہے اور جدید ایکٹ لگان ترتیب دینا چاہتی ہے چند باتیں عرض کرنی مناسب سمجھتا ہوں۔ جو اس صوبہ کے کسانوں کی بہتری کے متعلق عرصہ سے میرے دل میں ہیں۔ کسانوں پر سب سے بڑی مصیبت زمینداروں کی نہیں ہے بلکہ مختلف وجوہ سے یہ غریب پریشان رہتے ہیں۔ میں جہاں تک سمجھ سکا ہوں نہایت اختصار کے ساتھ اُنکو لکھتا ہوں

(۱) زمیندار

زمیندار اور بالخصوص بڑے بڑے زمیندار جو اپنی رعایا پر زیادہ قابو یافتہ ہیں انہوں نے سرکاری مقرر شدہ لگان کے علاوہ اور بہت سے حقوق اور بیگار وغیرہ ان کے اوپر لازم کر رکھے ہیں۔ یہ جملہ حقوق اور بیگار ختم ہونے چاہئیں کیونکہ ان شخصوں کے ماتحت کسان پنپ نہیں سکتے نہ کبھی وہ ترقی کر سکتے ہیں چھوٹے چھوٹے زمینداروں کے حق میں کسان اکثر خود ظالم ہوتے ہیں کیونکہ ان کو یہ اپنے ہی جیسا سمجھتے ہیں اور لگان مشکل سے اور کم ادا کرتے ہیں بلکہ ذرا بھی کمزور دیکھتے ہیں تو بالکل نہیں ادا کرتے میں ضلع اعظم گڈھ کا رہنے والا ہوں جہاں زمینداروں کے پاس بالعموم نہایت چھوٹی چھوٹی اور جزوی زمینداریاں ہیں اور ان میں اور کاشتکاروں میں کوئی نمایاں فرق نہیں ہے۔ وہاں لگان کی وصولی میں دونوں فریق کو جو زحمتیں ہوتی ہیں وہ انسانیت کے لئے ناقابل برداشت ہیں۔ چار چار آنہ لگان کے لئے زمیندار سال بھر چکر لگاتا رہتا ہے اور اسامی حیلوں اور بہانوں سے اُس کو ٹالتا رہتا ہے۔ کسان بھی اب بھولے بھالے اور نیک اور سیدھے کسان نہیں رہے جو پہلے زمانہ میں تھے۔ اب وہ بھی عداوت۔ نفاق۔ چالاکی اور فریب میں دوسروں سے کم نہیں ہیں اس لئے دونوں تنگ رہتے ہیں۔ میں اسکا علاج سوائے اس کے کچھ نہیں سمجھتا کہ ہر گاؤں میں نمبردار مقرر ہو وہی لگان وصول کرے اور وہی مالگذاری ادا کرے اور زمینداروں کو کھیوٹ کے مطابق یا کھتونی دیکھکر تقسیم کر دے کہ زمینداروں اور کسانوں کے فرد فرد میں جھگڑا اور عداوت نہ ہونے پائے۔ معلوم نہیں کہ اعظم گڈھ میں نمبرداری کا سسٹم کیوں نہیں ہے۔ یہ تو بہت ضروری چیز ہے۔

(۲) پٹواری

دیہات کا سب سے بڑا کارکن اور کسانوں کا سب سے بڑا حاکم پٹواری ہے۔ اس کے غلط اندراجات سے بھی کسان اور زمیندار دونوں مصیبت میں پڑ جاتے ہیں یا دو اکثر معاملہ مقدمہ بازی تک ہو جاتا ہے۔ اس کے غلط اندراجات میں فائدہ ہوتا ہے مقننین تو ان کے اندراجات پر زیادہ اعتماد ہی نہ رکھنا چاہیے یا ایسا کوئی طریقہ اختیار کریں جس کی وجہ سے یہ غلط اندراج کرنے کے بجائے فائدہ کے نقصان اٹھاوے اب تو یہ حالت ہے کہ اگر کبھی غلطی ثابت بھی ہو جاتی ہے تو غلطی ہی قرار پاتی ہے اور بہت کم حالتوں میں اس کا تدارک کیا جاتا ہے۔ پٹواری کبھی کبھی جب کسانوں کی فصلیں تیار ہوتی ہیں۔ تو ان کے گھروں پر گھومتا ہے۔ نہ صرف غلہ بلکہ بھوسہ اور پوال بھی بقدر ضرورت وصول لاتا ہے۔ اور جب اس کے یہاں کوئی شادی ہوتی ہے۔ تو اپنے حلقہ کی رعایا کو اس میں نیوتہ دیتا ہے۔ ان سے نذریں اچھی خاصی رقم وصول ہو جاتی ہے۔ یہ سارا سلسلہ یکقلم بند ہو جانا چاہئے۔

(۳) قانون

کسان ان پڑھ اور نادان ہوتا ہے۔ اس کے لئے قانون بھی سیدھا سادا اور صاف ہونا چاہئے۔ پیچیدہ قوانین سے اس کو نقصان پہونچتا ہے کیونکہ ان کو سمجھ نہیں سکتا۔ پچھلے ایکٹ لگان میں اس کا موروثی کاشتکاری کا حق بند کر دیا گیا۔ پھر نیا قانونی کاشتکاری کا حق اس کو دیا گیا۔ میرے خیال میں موروثی کاشت کا بند کر دینا انصاف نہیں ہے۔ اور صرف ایک ہی سال کی جوت سے قانونی کاشتکار ہو جانا بھی ظلم ہے۔ چھوٹے زمینداروں کو جو کسانوں سے کاشتکاروں کے ہم رتبہ ہیں اس قانون سے نقصان پہونچا ہے۔ میں اگر اپنے گاؤں کے ایک آدمی کو ضرورتمند دیکھکر ایک سال کے لئے اپنا کوئی کھیت اسے کاشت کے لئے دیدوں تو یہ کہاں تک انصاف ہے کہ وہ اس کی قانونی کاشت ہو جائے اور میں اس سے محروم ہو جاؤں۔ میرا خیال ہے کہ قانون میں ابھی اصلاح کی بہت گنجائش ہے۔

ایک قانونی آسانی جس کی ضرورت ہمیشہ میں نے محسوس کی ہونی چاہئے کہ کھیتوں کے تبادلے میں کوئی دشواری نہ ہو۔ بلکہ صرف دونوں فریق سادہ کاغذ پر تبادلہ لکھاکر پٹواری کو دیدیں وہ اس کے مطابق اندراج کرے۔ رجسٹری کے دفتر میں کسان کو نہ جانا پڑے۔ کیونکہ وہاں چاندی کے گھوڑوں پر چلنا پڑتا ہے۔ جو اس غریب کے پاس نہیں ہے۔

نیز تقسیم کاشت میں بھی کاشتکار کو آسانی نہیں ہے جس کی وجہ سے اس کو سخت زحمت اٹھانی پڑتی ہے۔ قانون اجازت دیتا ہے کہ زمیندار ڈگری کرکے پورے کھاتے کا لگان کسی ایک ہی کاشتکار سے جو اس کھاتہ میں شریک ہو وصول کرے۔ اس قانون کی رو سے میں نے کئی کاشتکاروں کو اجڑتے دیکھا ہے میرے نزدیک یہ قانون بہت تکلیف دہ ہے۔ زمیندار اس کے ذریعہ سے بعض صورتوں میں کسی خاص کاشتکار سے اپنی عداوت کا انتقام بھی لیتے ہیں۔ اس لئے قانون محدود کر دے کہ لگان صرف اسی کاشتکار سے وصول کیا جائے جس نے مندعوبہ کھیت کی کاشت کی ہو۔

الغرض کاشتکاروں کیلئے تقسیم اور تبادلہ باہمی کی آسانیاں اگر نہ دی گئیں تو انکی مصیبت میں کمی نہ آسکے گی۔

(۴) ناپ اور تول

یہ عجیب بات ہے کہ ایک ہی شہر میں مختلف قسم کے گز ہیں اور مختلف قسم کے سیر بلکہ ایک ہی دکان پر ایک چیز نمبری سیر سے بکتی ہے اور دوسری مقامی سیر سے میں اس کی کوئی معقول وجہ سمجھ نہ سکا۔ سوائے اس کے کہ ناواقف اور حساب نا جاننے والے کسان کے لئے یہ بھی ایک نقصان پہونچانیکا ذریعہ ہے اس میں فائدہ صرف بنیوں کا ہے اس لئے عقلاً اور انصافاً سارے صوبہ میں صرف ایکسری ناپ ایک ہی تول ہونی چاہئے اس کی اصلاح تو حکومت صرف ایک سرکلر کے ذریعہ سے کرسکتی ہے۔ (رتھو بار زمیندار)

# گدھی کی ہتیا

(چودھری محمد علی)

لچھمن تنبولی کی پان کی دوکان سب دوکانوں سے بڑی تھی۔ دساور سے پان منگواتے در پیسے میں بھی ہر شخص کی نگاہ لچھمن پر پڑتی تھی۔ مکان بھی پکا تھا اور جو عزت لچھمن کی برادری میں تھی وہ دور تک کسی تنبولی کی نہ تھی۔ لڑکا کچھ شد بد پڑھ بھی گیا تھا۔ لڑکی اچھے گھر بیاہ بھی گئی تھی۔ بی بی سر سے پاؤں تک چاندی کے زیور سے لدی تھی سونے کی بھی دو ایک چیز تھوڑے دن ہوئے بنوائی تھیں جس سے برادری کی نگاہ میں انکی آبرو اور بھی بڑھ گئی تھی اگر کمی تھی تو یہ کہ خود انکے کوئی بنواڑی نہ تھی۔ حالانکہ کوئی زیادہ ایسا حرج نہ تھا پھر بھی اگر ایک بنواڑی لگ جاتی تو اور اچھا تھا۔ برادری میں اور وقعت بڑھ جاتی کچھ تو اس وجہ سے کہ لڑکا لاڈ دوں کا پلا ہوا اسپر کام کا بار نہیں ڈالتے تھے دوسرے یہ خیال تھا کہ زمینداری سے اگر زمین مانگیں گے تو غریب شٹ پونجئے کے مقابلہ میں انسے زیادہ لگان مانگا جائیگا اور پھر انکا بیاسود اکرتے ان ادھار بھی دینا پڑیں گے۔ ادھار دینے میں کوئی حرج نہیں تھا پر کام ہی چلتا ہے مگر خرابی یہ تھی کہ بیاسوں کا معاملہ دو پیسے کے دو روپیہ لگے تو تو حرج نہیں مگر وقت پر روپیہ نہیں نکلتا انہیں وجوہ سے بنواڑی کی بات گھر گھر میں پڑی رہی۔ خدا کا کرنا دیکھا کہ ایک دن خود زمیندار نے کہا ارے لچھمن تم بنواڑی کیوں نہیں لگاتے۔ لچھمن بولے سرکار کام تو لگ جائے کون مشکل ہے یہ باتیں لڑکے نے بھی سنیں گھر جا کر اپنے باپ سے تقاضا شروع کیا لچھمن کی ہمت نہیں پڑتی تھی مگر لڑکے نے اپنی ماں سے بھی کہلانا شروع کردیا۔ تنبولن بولیں لڑکا سیانا ہوا اب ایک کے دو آدمی کام کاج کرنیکا ہو گئے اب بنواڑی نہ لگی تو کون لگن آئی۔ گھر سے تھوڑی ہی دور وہ ٹیکرا تھا جس پر لچھمن کی نگاہ بہت دنوں سے تھی اور جس کو زمیندار نے دینے کا وعدہ کیا تھا۔ ٹیکرے کے پیچھے تالاب بھی ہے جب تک اس میں پانی رہے گا تب تک سینچنے کی بھی آسانی ہوگی۔ البتہ یہ بات اُن دھوبیوں کو نہ پسند آئیگی جو وہاں کپڑے دھوتے ہیں لچھمن بہت مرنجاں مرنج آدمی تھے سوچا کہ اگر دھوبی لوگ بہت بُرا مانیں گے تو ہم اپنا کچا کنواں الگ کھودیں گے۔ آخر جیسا کہ میں جب تالاب کا پانی سوکھ جائیگا تو یوں بھی کنوئیں سے سینچنا ہے۔ بانس وغیرہ کا انتظام شروع ہو گیا اور تھوڑے دنوں میں بنواڑی لگ گئی۔ گھر کے دو آدمیوں میں سے ایک ہر وقت وہاں موجود رہنے لگا۔ روٹی وغیرہ کھانے کے لئے اگر گھر آنے کی ضرورت ہوئی تو انہیں دھوبیوں سے کہہ جاتے کہ ذرا دیکھتے رہنا۔ لچھمن کے سلوک کی وجہ سے تمام دھوبی بنواڑی کی حفاظت اپنے مال کی طرح کیا کرتے تھے مگر اجیالی دھوبن کی ایک گدھی تھی۔ وہ لنگڑی بھی تھی اور بیمار بھی رہتی تھی اس لئے وہ بغیر پھندے کے یوں ہی گھوما کرتی تھی۔ اس پر کپڑے بھی نہیں لادے جاتے تھے۔ تھی تو گدھی مگر جنس کی وجہ سے ضرورت نے اس کو بہت چالاک بنا دیا تھا یعنی نگاہ بچا کر بنواڑی کے اندر پہنچ جاتی تھی۔ اکثر دیکھا گیا تھا کہ لچھمن بیٹھے دھوبیوں سے خوش گپیاں کر رہے ہیں اور ادھر دیکھتے ہیں تو بی گدھی بنواڑی کے اندر براج رہی ہیں۔ لچھمن اسکو ہنکا کر باہر کر دیا کرتے تھے اور اجیالی سے اس طرح دوستانہ شکایت کرتے تھے گویا گدھی کی ناشائستہ حرکت میں اجیالی۔ گدھی اور لچھمن تینوں برابر کے شریک ہیں۔ لڑکا جوان خون آخر یہ گدھی کو بنواڑی میں۔ کچھ لینا نہ عقدہ سے اسے بہتا دیکھا تو اجیالی دونے میں کسی سے کہ دیتی کہ لچھمن کا برتاؤ اور اپنی ہی خطا ہے دو چار گالیاں گدھی کو دیتی اور تھیا سوال سہہ کر لڑکے سے معافی مانگ لیتی۔ ہفتے میں ایک دو میں ایک مرتبہ اجیالی گھاٹ پر آتی تھی اور کپڑوں پر استری کرنے کا کام گھروں کے یہاں کپڑے لے جانے کا کام کرتی تھی آج وہی دن تھا۔ لچھمن کا لڑکا بنواڑی دیکھنے جو آیا تو گدھی کو بنواڑی میں موجود پایا۔ ڈنڈے مارتا ہوا باہر تک لے آیا گدھی اونچی زمین سے نیچے آنے لگی تھی اس وقت ایک ڈنڈا اوپر سے پڑ گیا اور وہ اوندھی زمین پر گر سے لڑھکتی ہوئی پانی میں گر گئی دھوبیوں کی ہمدردی گدھی کے ساتھ تھی مگر دوسرے معاملہ میں لڑائی کون مول لیتا ان لوگوں نے گدھی کو پانی سے گھسیٹ کر کنارے ڈال دیا اور دبی زبان کچھ گالیاں دینے لگے جو غیب تو لچھمن کے لڑکے پر لیکن اگر وہ شکایت کرتا تو الفاظ ایسے تھے کہ دھوبی لوگ کہہ سکتے تھے کہ ہم تو اجیالی اور اس کی گدھی کو کہہ رہے تھے اگر تنبولی کا لڑکا بحث پر تیار ہوتا تو الفاظ میں لڑائی کی گنجائش ابھی خاصی تھی۔ مگر لڑکا کچھ نہ کچھ بہی زیادتی پر آمادہ تھا سو جب آ ٹل گئی وہ گدھی کسی نہ کسی طرح لنگ کرتی شام تک اپنے تھان پہ پہنچ گئی مگر جانبر نہ ہوئی اور تیسرے دن مر گئی۔ دھوبن زمیندار کے پاس آئی۔ زمیندار نے لچھمن کو بلوایا۔ گرو سے دو روپیہ دینا اسکو اچھا لگتا ہے کہ لچھمن تنبولی نے بہت نرمی اور آشتی سے کہا کہ سرکار جو فیصلہ کردیں عذر نہ ہوگا زمیندار نے چار روپیہ دھوبن کو دلوانے لیکن دھوبن نے چلانا شروع کیا کہ میری گدھی دس روپیہ کی تھی۔ دھوبن کی یہ زیادتی کسی کو بھی پسند نہ تھی لچھمن نے نہایت خوشامد سے کہا اچھا اجیالی اور جو کچھ دیں گے چلا دمت جب زمیندار نے لچھمن کو اس طرح ملیا۔ ایا تو تین روپیہ اور دلوا دیئے اور اپنے خیال میں فیصلہ ختم کردیا۔

دو تین کے بعد پنڈت برہمادت جی لچھمن تنبولی کے یہاں پہنچے پان لگی آشیرباد کے بعد کہنے لگے

ب۔ ارے لچھمن ای گدھی کا کا معاملہ ہوا

ل۔ مہاراج گدھی کا کون معاملہ

ب۔ ارے بےدھی جھلن تمہرا لڑکا گدھی مار ڈالس

ل۔ ہمرے لڑکا کا ہے کا مار ڈالس او تو بہت دن سے بیمار رہے مرگئی

ب۔ سب لوگ تو کہت ہیں کہ تمرا لڑکا مار ڈالس

ل۔ ارے رام رام لڑکا کاہے کا مار ڈالس میری سسری اپنی موت ... او کا مارے کوئی کا ہتا

ب۔ گدھی تمہری بنواڑی مان پڑی ..........

.............

........... کہہ پال.

ٹلاؤ ناگر بی کا ڈھکیل دہیں۔ کہو ہاں۔ پھر اور کس چوت ہے جیہ لیب ہ؟

ل ارے مہاراج اوکا تو بہت دن بیتے اور گدی تو مری ہے اب میں۔

پ تیسرو دن مری ہے۔

ل اب تیسرو دن۔ ما بیتے جات ہے جو تو دن۔ ل ابو تو جوالس کو اپنے پاؤں ملی گئی رہے۔ پھر سنا کہ مرگئی اور اوتو مہین سے بیار رہے۔

پ تو بنا تو لاگت ن۔

ل ارے رام رام ای ہتیا کیس

پ گوسٹ اترے کے پھر گدہن بنیا ہے۔

ل ارے مہاراج ای کا کہت ہو۔

پ ہم کا کہت ہن۔ ساستر کہت ہے۔ کہ ہم کہت ہن۔

ل تو مہاراج ایسا تو کبہوں سنا نہیں۔ گئو اور گدہی کیسے ... دربولی سکت ہے ای مجب اندھیر تو نہیں ہے۔

پ ارے اندھیر کہا۔ گائے گئو لکھا جات ہے اور گائے کے گدہیو ہے۔

لچھمن کی بی بی یہ باتیں سن رہی تھی وہ روتی ہوئی پنڈت جی کے قدموں پر گر پڑی۔

پ گھبراؤ نہیں۔ سب ٹھیک ہوئی جے ہے۔ ساستر ماں سب کچھ ہے۔ دھرم سے لدھرم نہ ہوتی ہو۔ پوجا پاٹ سے سب ٹھیک ہوئی سکت ہے

ل پھر مہاراج تم ہی ٹھیک کر دہیں تو ہم دونوں پرانے منہ ماں کھیری لگائے نہ کوئی اور نکس جاب "لڑکے کی طرف دیکھکر" یو سار تو دھرم تو ہس

پ ہنس کے ناہیں ترا دھرم تھوڑے جائے سکت ہے جب تک ہم جیت ہن تم اس بات منہ سے نہ نکالو۔ بس اتنا جان لیو کہ تمکا نیم پران تک کرا یانے کا پڑ ہے۔ اور بیاں جو کچھ کھلا دے مان لاگے اور ایک گئو سونے کی دان کرے کا پڑے ہے۔ ... کہاں بناوت بھر مو روپئے دے دیو۔

تین سو آدمیوں نے کھانا کھایا۔ پنواڑی ختم ہو گئی تین چار ماہ بعد لوگ یہ قصہ بھول گئے مگر لچھمن کو اب تک یاد ہے۔

بہت دنوں کے بعد زمیندار نے لچھمن سے کہا۔ ارے لچھمن پنواڑی تنے نام ... چھوڑ دی۔ لچھمن نے کہا سرکار اب نہ کہو۔ چار سو روپیہ خرچ کرے کا پڑے۔ ہم بلٹ گئین اب پنواڑی کا کبہوں نام لین تو صاحب بچاس جوتی مارو۔

---

# مشرق

(مخدوم محی الدین)

جہل، فاقہ، بھیک، بیماری، نجاست کا مکان
زندگانی، تازگی، عقل و فراست کا مسان

وہم زائیدہ خداؤں کا، روایت کا غلام
پرورش پاتا رہا ہے جسمیں صدیوں کا جذام

جھپ چکے ہیں دستِ و بازو جسکے اس مشرق کو دیکھ
کھیلتا ہے سانس سینے میں مریضِ دق کو دیکھ

ایک ننگی نعش بے گور و کفن ٹھٹھری ہوئی
مغربی چیلوں کا لقمہ، خون میں لتھڑی ہوئی

ایک قبرستان جسمیں ہوں نہاں کچھ بھی نہیں
اک بھٹکتی روح ہے جس کا مکاں کوئی نہیں

پیکرِ ماضی کا اک بے روح اور بے رنگ خول
ایک مرگِ بے قیامت ایک بے آواز ڈھول

اک مسلسل رات جس کی صبح ہوتی ہی نہیں
خوابِ اصحابِ کہف کو پالنے والی زمیں

اس زمینِ موت پروردہ کو ڈھایا جائے گا
اک نئی دنیا نیا آدم بنایا جائے گا

## برطانیہ سے تجارتی بات چیت

امید کی جاتی ہے کہ ہندستان اور انگلستان کی تجارتی گفت وشنید جسکے متعلق حکومت نے ۲۸ اکتوبر کو سرکاری اعلان کیا تھا کہ اب ہندستان میں ہوگی اب شروع ہونے والی ہے۔ غیر سرکاری نمائندوں کے لیڈر مسٹر پرشوتم داس ٹھاکر داس، مسٹر کستور بھائی لال بھائی سیٹ، دہلی پہنچ گئے ہیں اور نواب زادہ لیاقت علی خاں اور سردار بہادر داتار سنگھ پہلے ہی سے موجود ہیں۔ پانچویں ممبر سیٹھ ہرلال بھائی اس مہینے کی آخر تک دہلی پہونچ سکیں گے۔ سرکاری ڈیلیگیشنوں اور غیر سرکاری مشیروں کی موجودہ میٹنگ غالباً مہینے کے بیچ نہ ہو سکے گی۔ امکان یہ ہے کہ اسوقت تک سر ظفر اللہ خان بیماروں نمائندوں کو حالات سے آگاہ کرتے رہیں گے اور یہ طے کریں گے کہ آئندہ کس ڈھنگ پر کام کیا جائے۔ قیاس ہے کہ سر ظفر اللہ کی سرکاری پارٹی اور غیر سرکاری نمائندوں میں بہت اختلاف ہے۔

مدتوں سے حکومت پر یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ بعض نہایت ہی اہم باتوں کو اپنے موقعہ پر طے کرتی ہے کہ جب اسمبلی کو اپر نکتہ چینی کا موقع ہی نہیں مل سکتا۔ یاد ہوگا کہ پچھلے سال حکومت ہند نے وان اسمبلی میں ریلوے انکوائری کمیٹی کا نام تک نہیں لیا لیکن جو نہیں اسمبلی کا اجلاس ختم ہوا اسنے پوری فہرست شائع کر دی جسمیں صرف ایک ہندستانی تھا۔ اس مرتبہ بھی یہی چال چلی گئی۔ حکومت آسانی سے اسمبلی کے اجلاس کے زمانہ میں اپنا ارادہ ظاہر کر سکتی تھی لیکن اس نے ایسا نہیں کیا بلکہ جب ۲۴ اکتوبر کو اجلاس ختم ہو گیا تو ۲۸ اکتوبر کو وہ اعلان کرتی ہے کہ انگلستان میں معاہدے کی بات چیت فی الحال ملتوی کی جاتی ہے اور اب ہندستان ہی میں ہوگی ظاہر ہے کہ حکومت کے دماغ میں یہ خیال ۲۴ سے ۲۸ اکتوبر کے درمیان یکدم سے نہیں آگیا بلکہ پہلے ہی سے وہ اس نتیجہ پر پہنچ چکی تھی۔"

(امرت بازار پتریکا۔ کلکتہ)

## برطانیہ کی تجارت

اشیاء کی قیمت گر جانے کے متعلق ایک سوال کے جواب میں سر جان سائمن نے دار العوام میں کہا کہ کل اشیاء کی بابت ایسا کہنا مبالغہ ہے تاہم یہ صحیح ہے کہ بعض چیزوں کی قیمتیں گر گئی ہیں۔ لیکن یہ کسی طرح نہیں کہا جا سکتا کہ یہ حالت مستقل طور پر قائم رہیگی۔ اس کا سبب بیرونی حالات ہیں نہ کہ برطانیہ کے اندرونی معاملات درحقیقت اصل میں قیمتوں کا موجودہ معیار اوٹاوا کے راضی نامہ سے بڑھا ہوا ہے۔" برطانیہ کے بارے میں بھی انھوں نے حکومت کی پالیسی واضح کردی کہ وہ قیمتوں کو اسی معیار پر قائم رکھنا چاہتی ہے جو اوٹاوا میں طے ہوا تھا اور جس کو سلطنت کے تمام نمائندوں نے بین الاقوامی اقتصادی اور مالی کانفرنس کے اجلاس ۱۹۳۳ء میں دوبارہ تسلیم کرایا تھا۔"

## انگلستان اور امریکہ کی تجارت

واشنگٹن، مسٹر سمر ویلز ممالک متحدہ امریکہ کے موجودہ سکریٹری آف اسٹیٹس نے کہا کہ ان کو امید ہے کہ ممالک متحدہ امریکہ اور انگلستان کے درمیان تجارتی معاہدہ ضرور ہو جائیگا۔ انھوں نے بتلایا کہ معاہدہ کے متعلق جو گفت وشنید ہو رہی ہے وہ کافی اطمینان دلانے والی ہے۔

## برطانیہ کی طاقت

ایڈنبرگ میں تقریر کرتے ہوئے مسٹر نیول چیمبرلین وزیر اعظم برطانیہ نے کہا "برطانوی قوت کو بڑھانا ... برطانوی قومیت کا تحفظ کرنا، دنیا میں امن وامان قائم کرنا۔ اور جو باہری حکومتیں اس سے دوستانہ قائم رکھنا چاہیں۔ اور اسکے صلح پسند نظریے تعاون کریں ان سے دوستی کرنا انکی حکومت کا مقصد ہے۔ اب وہ وقت آگیا ہے کہ ہم غور کریں کے آپس کے اختلافات مٹا دیں۔ ایسا کرنا اپنی کمزوری کا اعتراف نہیں ہے۔ کیونکہ برطانیہ روز بروز طاقتور ہوتا جاتا ہے اس کو فلاح انسانی پر پورا بھروسہ ہے اور وہ امید کرتی ہے کہ اسکی اپیل پر تمام دوسری قومیں لبیک کہیں گی۔"

انھوں نے مزدور پارٹی کی اسکیم کو کہ بڈھوں کی پنشن بڑھادیا جائے ناقابل عمل بتلایا۔ اور کہا کہ انکے خیال میں برطانیہ تمام دوسرے صنعتی ممالک سے زیادہ خوشحال ہے۔ مسٹر چیمبرلین نے اپنی تقریر کے آخر میں کہا کہ عام طور سے خیال کیا جاتا ہے کہ اسلحہ بندی کی سکیم کے ختم ہونے پر برطانیہ کی تجارت کو دھکا پہنچیگا۔ لیکن فی الحال اسلحہ بندی کے پروگرام کے ختم ہونے کی کوئی امید نہیں۔ کیونکہ ابھی برسوں تک یہی صورت رہیگی اور اسکے علاوہ اسلحہ بندی کبھی بھی دفعتاً ختم نہیں ہوسکتی۔

۱۵

## دیہات سدھار

حکومت یوپی کی گرام سدھار کی اسکیم پر ایک پریس نوٹ شایع ہوا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے۔

اس اسکیم کا مقصد یہ ہے کہ دیہاتیوں میں ترقی کرنے کی خواہش اور ایسی ذہنیت پیدا کی جائے کہ وہ اپنی اصلاح کے لئے ہر وقت بے چین رہیں حکومت چاہتی ہے کہ دیہاتیوں کا نقطۂ نگاہ بدل جائے اور وہ اپنی باہمی کوشش ہی سے اپنی زندگی بہتر بنا سکیں۔ مقصد اسی وقت پورا ہو سکتا ہے جبکہ عام پبلک حکومت کا ہاتھ بٹائے اور غیر جانبداری سے کام کیا جائے۔ اس کے لئے فی الحال ذیل کے انتظامات کئے گئے ہیں۔

ایک گرام سدھار کا افسر اعلیٰ ہوگا اور ایک اس کا ماتحت ہوگا۔ افسر یا تو اعزازی طور پر کام کرے گا یا اس کو ۵۰۰ ماہوار تک کی تنخواہ ملیگی۔ ماتحت کی تنخواہ ۲۵۰ روپیہ ماہوار ہوگی۔ سارے صوبہ کا ایک بورڈ ہوگا جس میں ۴۸ ممبر ہوں گے ان ممبروں میں دو تہائی غیر سرکاری ہوں گے۔ گرام سدھار سے تمام محکموں کے اعلیٰ افسران بورڈ کے ممبر ہوں گے اور غیر سرکاری ممبروں میں ہر کمشنری سے ۱۰ ممبر لئے جائیں گے۔ لیجسلیٹو اسمبلی اور کونسل کے کچھ نمائندے بھی اس میں شامل ہونگے اور کچھ ایسے لوگ بھی ہونگے جو اس صوبہ میں گرام سدھار کا کام پہلے سے کر رہے ہیں۔ گرام سدھار کا افسر اعلیٰ بورڈ کا سکریٹری ہوگا اور وزیر جس کے تحت میں یہ محکمہ ہوگا اس کا صدر رہیگا۔

ہر ضلع میں ایک چھوٹا بورڈ بنایا جائیگا جس میں بھی غیر سرکاری ممبروں کی اکثریت ہوگی۔ اسمبلی و کونسل کے ممبر جو اس ضلع کے نمائندے ہیں اس بورڈ میں شریک ہونگے۔ ضلع کے افسر کو معائنہ کرنے کا غذات دیکھنے اور بورڈ سے سوالات کرنے کا پورا اختیار ہوگا۔ ضلع بورڈ میں دو سب ڈویژنل افسر بھی نامزد کریگا۔

ہر کمشنری کے لئے ایک ڈویژنل سپرنٹنڈنٹ ہوگا جس کی تنخواہ ۱۲۵ روپیہ ماہوار گی اور اس کے نیچے ہر ضلع میں ایک انسپکٹر مقرر کیا جائیگا جس کی تنخواہ ۵۰ روپیہ ماہوار ہوگی۔ اُن کی مدد کے لئے آرگنائزر رکھے جائینگے جن کو ۲۵ روپیہ بھتہ کے ملیں گے اور ہر ایک کے لئے ایک حلقہ مقرر ہوگا جس میں آبادی کے لحاظ سے ۸ سے ۱۰ تک موضع ہونگے۔

دیہاتیوں کی مدد سے ۲ یا زیادہ گاؤں پر ایک پنچائت قائم کی جائیگی اور ہر پنچائت کے لئے ایک پنچائت گھر ہوگا جس میں دیہات کی تمام ضروری چیزیں مثلاً دواخانہ کتبخانہ وغیرہ موجود رہینگی۔ اُمید کی جاتی ہے کہ اس طرح سے تقریباً ۶ ماہ میں ہر حلقہ اپنے پیروں پر کھڑا ہو سکیگا۔ اس کے لئے اگر اعزازی کام کرنے والے نہ ملیں تو پنچائت چندہ کرکے کام کرنے والوں کی تنخواہ کا انتظام کرے گی۔ یہی پنچائتیں بڑھ کر گرام سدھار کی انجمنیں ہو جائیں گی اور عام فائدے کے لئے اچھے اچھے کام کر سکیں گی۔ مثلاً انکے ذریعہ بچوں کی تعلیم کے علاوہ عورتوں اور مردوں کی تعلیم کا بھی انتظام ہو سکتا ہے۔ صفائی اور صحت کے عام اصولوں کا پروپگنڈا کیا جا سکتا ہے اور گھریلو دستکاری خصوصاً سوت کاتنے اور کپڑا بننے کے کام میں کافی ترقی کی جا سکتی ہے۔

ہر کمشنری میں ڈویژنل سپرنٹنڈنٹ اور ضلع انسپکٹروں کو گرام سدھار کا کام سکھانے کے لئے ایک تعلیمی مرکز قائم کیا جائیگا۔ حکومت کا خیال ہے کہ وہ ۵ سال کے عرصہ میں تمام دیہی اضلاع کو منظم کر دے گی۔ اس اسکیم کو کامیاب بنانے کے لئے پنشن یافتہ سرکاری ملازمین، زمیندار اور دوسرے با اثر لوگوں سے امداد کی درخواست کی جائیگی۔ اور خیال ہے کہ پٹواریوں اور دیہاتی مدرسوں وغیرہ کے لئے گرام سدھار کے محکمہ میں کم از کم تین مہینے کام کرنا ضروری ہوگا۔ اس سلسلہ میں اسکول اور کالج کے لڑکوں کی خدمات بھی طلب کی گئی ہیں۔

تمام محکموں کے کاموں پر غور کرنے کے بعد ایک مفصل اور عملی پروگرام تیار کیا جائیگا اور پھر اس پر تیزی کے ساتھ عمل شروع ہو جائیگا۔

## ضلع پولیٹیکل کانفرنس بارہ بنکی

بارہ بنکی میں ضلع پولیٹیکل کانفرنس کی پہلی نشست ۱۴ نومبر کو ہوئی۔ کانفرنس میں مسلمان خاص طور پر شریک تھے اور انکی تعداد ہندوؤں سے زیادہ تھی۔ پنڈت گووند بلبھ پنت۔ مسٹر رفیع احمد قدوائی۔ اور دوسرے لیڈران شریک تھے پنڈت جواہر لال صدر کانگریس نے بھی ۱۵ نومبر کو تقریر کی۔

مسٹر آصف علی نے نئے قانون کی برائیاں بیان کیں اور کہا "کانگریس کا مقصد ہندستان کے لئے ملکی و باہری معاملات میں خود مختاری حاصل کرنا ہے مگر اسوقت فوری ضرورت اس بات کی ہے کہ ملک کی تمام چھوٹی بڑی طاقتیں حکومت برطانیہ کے عائد کردہ فیڈریشن کو قائم ہونے سے روکیں۔ اس کے لئے تمام جماعتوں کو متحد ہو کر ایک ہی رشتہ میں شامل ہو کے یکساں طریقے پر کام کرنا ہوگا۔ کانگریس اس وقت ملک کی سب سے بڑی منظم جماعت ہے۔ اور اس کا دروازہ ہر اس شخص کے لئے کھلا ہے جو اس کے اصولوں کا حامی ہے۔"

مسلم لیگ کے بارے میں اُنھوں نے کہا کہ اسوقت ہندستان میں کانگریس کے علاوہ بہت ہی ایسی جماعتیں ہیں جس میں مسلمان داخل ہیں اور انجمن مسلم لیگ بھی ہے لیکن اس میں یہ خاص بات ہے کہ سوائے گنتی کے چند لوگوں کے کوئی بھی ایسا نہیں ہے جس نے کسی قسم کی ملک کی خدمت کی ہو یا قوم کے لئے کچھ ایثار کیا ہو۔ زیادہ تر ایسے لوگ ہیں جو قربانی سے دور رہنا چاہتے ہیں اور قومی لڑائی کے وقت رجعت پسندوں کا ساتھ دیتے ہیں۔ آج کل لیگ کو بڑا غصہ اس بات پر ہے کہ بغیر اس کی شرکت کے اتنے بڑے بڑے کام ہوتے چلے جا رہے ہیں لیکن یہ سب اسی کا کیا دھرا ہے۔

آخر میں انھوں نے اقلیتوں کے حقوق کے بارے میں کہا "کانگریس جیسا کہ پنڈت گووند بلبھ پنت اور دوسرے ذمہ دار کانگریسی کہہ چکے ہیں اقلیتوں کے حقوق کے تحفظ کو اپنا فرض سمجھتی ہے اور جو لوگ اس کی مخالفت کرتے ہیں وہ اپنی غیر ذمہ داری اور رجعت پسندی کا ثبوت دیتے ہیں۔"

## سرحدی حکومت کے کارنامے

سرحدی حکومت نے ہاتھی خیل کے تمام سرخ پوش قیدیوں اور انکے لیڈر محمد ایوب خاں کی رہائی کا حکم دے دیا ہے۔ اس گرفتاری کا واقعہ یوں ہے کہ ۱۹۲۹ء میں ایک موقع پر ایک انگریز کپتان مارا گیا تھا۔ اور چودہ سپاہی زخمی ہوئے تھے۔ جسکے سلسلہ میں ہاتھی خیل کے بہت سے سرخ پوش وزیری بھی فوج کی گولیوں کا نشانہ بنے اور بہت سی گرفتاریاں ہوئیں۔ تمام صوبہ میں حکومت کے اس کام کو تحسین کی نظروں سے دیکھا جا رہا ہے۔ حکومت نے اسلامیہ ہائی اسکول پشاور کی عمارت کے لئے جو زیر تعمیر ہے ۸ ہزار روپیہ کی منظوری دی ہے

سرکاری افسروں کے الاؤنس اور بھتے میں کمی پر غور کرنے کے لئے حکومت نے ایک کمیٹی بٹھائی ہے۔ ابھی تک افسروں کو ۱۲ آنہ فی میل کے حساب سے بھتہ ملتا ہے لیکن اُمید ہے کہ کمیٹی اسکو ۲ آنہ فی میل کر دے گی۔ اور اسکے علاوہ شہر کے باہر رہنے پر ابھی تک ۱۵ روپیہ یومیہ الاؤنس ملتا ہے اسکو بھی کمیٹی کم کرکے ۴ روپیہ کر دے گی۔

## بہار کا قضیہ

مولانا ابوالکلام آزاد زمینداروں اور کسانوں میں سمجھوتہ کرانے کیلئے ۹ نومبر کو پٹنہ آئے ابھی وہیں ہیں اور کسانوں۔ زمینداروں کے نمائندوں سے بات چیت کر رہے ہیں۔ اس میں بابو راجندر پرشاد جنکی صحت ابتک خراب ہے وزیر اعظم اور وزیر مالیات بھی شریک ہیں لیکن ابھی تک کوئی فیصلہ نہیں ہو سکا ہے۔ زیر بحث وہ ترمیمیں ہیں جو قانون مالیات میں کرنے کے لئے حکومت کے سامنے پیش ہیں۔ اسکے علاوہ اور کئی باتوں پر بھی بحث مباحثہ ہو رہا ہے مثلاً یہ کہ کسانوں کی جو زمین اقتصادی بے چینی کے زمانہ میں لگان ادا نہ ہونے سے فروخت ہو گئی تھی وہ واپس کر دی جائیں۔ بقایا لگان بالکل معاف کر دیا جائے جہاں کہیں لگان بڑھانے میں بے انصافی کی گئی ہے وہاں لگان کم کیا جائے کاشتکاروں کو زمین پر پورے پورے حقوق دلائے جائیں اور سرٹیفکٹ کے ذریعہ زمیندار کے اختیارات بڑھانے کا طریقہ بند کر دیا جائے۔

## جیلخانوں کی اصلاح

(پٹنہ) خیال کیا جاتا ہے کہ حکومت بہار جیلخانوں کی اصلاح کی طرف متوجہ ہے اور بہت سی تجویزیں اس کے پیش نظر ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ وہ قیدی جو اپنی دو تہائی سزا کاٹ چکے ہیں ان کو رہا کر دیا جائے لیکن رہائی کے بعد کم سے کم وہ پانچ سال تک نگرانی میں رہیں۔

اس بات کی بھی کوشش کی جا رہی ہے کہ جیلخانے خود اپنے پیروں پر کھڑے ہوں اور اس کے لئے ہاتھ کی کتائی اور ہاتھ کی بنائی کا انتظام کیا جائے۔ اس کام کی دیکھ بھال کے لئے امید ہے کہ آل انڈیا چرخہ سنگھ کے کارکن مقرر کئے جائیں گے۔

## سوتی صنعت کی طرف افغانوں کی توجہ

افغانستان میں صنعت و حرفت کو ترقی دینے کے لئے ایک اسکیم تیار کی گئی ہے جس کے مطابق سوتی مال تیار کرنے کے لئے ایک کارخانہ قائم ہونے والا ہے وہ پلِ خومری کے نام سے موسوم ہے۔ اس کے حصے خریدنے والوں میں خود حکومت اور خاص خاص دولتمند افغان ہیں۔ جگہ ہر لحاظ سے بہت موزوں ہے کیونکہ یہ اس رقبہ کے وسط میں واقع ہے جہاں روئی کی کاشت ہوتی ہے اور جہاں خاص خاص سڑکیں ملتی ہیں۔ بجلی پیدا کرنے کے لئے قریب ہی کافی مقدار میں پانی بھی موجود ہے۔

اس کارخانے کی مشینری انگلستان سے آئے گی۔ کارخانہ سنہ ۱۹۴۰ء تک بالکل مکمل ہو جائیگا۔ امید کی جاتی ہے کہ اس کارخانے میں تین ہزار آدمیوں کی کھپت ہو جائیگی۔

## چار قوتوں کا باہمی معاہدہ

کابل کا اخبار "اصلاح" لکھتا ہے کہ چند سال پہلے۔ عراق۔ ایران ترکی اور افغانستان کے درمیان جو معاہدہ ہوا تھا اس کو اب ۲۱ ستمبر کو انھیں چار طاقتوں کی میٹنگ نے جو جنیوا میں واقع ہوئی مکمل ہمنامندی ظاہر کر کے مضبوط کر دیا۔

میٹنگ میں ان طاقتوں نے اقبال کیا کہ ہم معاہدے کے مطابق بیرونی پالیسی میں ایک دوسرے کی مدد کریں گے۔ یہ بھی طے ہو گیا ہے کہ ہم لوگ پھر اکٹھے ہو کر معاملات پر غور کریں گے۔

## چین کے برے دن

شنگھائی کی ۱۴ نومبر تک کی خبروں سے خیال ہے کہ آئندہ چند روز چین کے حق میں بہت ہی خطرناک ہونگے جاپانیوں کو برابر امداد مل رہی ہے اور جیسے جیسے چینی افواج میدان خالی کرتی جا رہی ہیں۔ ویسے ہی ویسے وہ آگے بڑھ رہے ہیں اور اپنی پوری قوت صرف کر رہے ہیں۔ تاکہ چین کے پیر دوبارہ نہ جمنے پائیں اگر انکو کچھ کامیابی ہوئی تو نیکنگ بھی خطرہ میں پڑ جائے گا۔

چین کے بہت سے سرکاری افسر ہانگ کانگ جا رہے ہیں اور کئی سرکاری دفتر ہنگنگ منتقل کر دئے گئے ہیں جاپانی طیارے سوچو کے باشندوں کو اشتہار کے ذریعہ آگاہ کر رہے ہیں کہ وہ آدھی رات تک شہر خالی کر دیں۔ شہر کی آبادی ۲ لاکھ ہے خطرہ یہ ہے کہ جاپان سارے شہر کو بمباری سے تباہ کر دے گا۔ کچھ عرصہ قبل تک یہ شہر شنگھائی کے علاقہ میں چینی افواج کا مرکز تھا۔ اور اب اسمیں تقریباً ۲۰ ہزار زخمی سپاہی موجود ہیں۔

# تبصرہ

## کسان کی آواز

ڈاکٹر کے ایچ خان شاد ملیح آبادی نے ایک نظم کسان کی مصیبتوں کو کسان ہی کی زبان میں بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔ چونکہ یہ پہلا اتفاق ہے کہ ہمارے شعرا نے اس قسم کے ادب کی طرف توجہ کی ہے اس لئے ہم شاد صاحب کو مبارکباد دیتے ہیں۔ لیکن ساتھ ہی ادھر بھی اشارہ کرنا ہے کہ یہ نظم بجائے کسان کی زبان صرف کسان کے لہجہ میں لکھی گئی ہے۔ اس میں بہت سے الفاظ ایسے ہیں جو کسان نہیں سمجھ سکتا مثلاً گریو پھر، کھابے کپھلت، نگاہ تند کھو اور اس طرح کے دوسرے الفاظ جو در اصل مشکل الفاظ کی بگاڑی ہوئی صورتیں ہیں کسان کے لئے ایسے ہی مشکل ہیں جیسے کے عربی اور سنسکرت کے الفاظ۔

جہاں تک خیالات کا تعلق ہے ہم اس نظم کو ایک حد تک انقلابی کہہ سکتے ہیں۔ اس میں کسان اپنی مصیبتیں اور زمیندار کے مظالم بیان کرنے کے بعد سرمایہ پرست طبقہ کو ایک قسم کا چیلنج دیتا ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس نظم سے یا اسی قسم کی دوسری نظموں کا اثر کسانوں پر کیا ہوگا۔ ظاہر ہے کہ کسان زمیندار طبقہ سے دلی نفرت کرتا ہے اور یہ جذبہ اس کے دل میں بہت عرصہ سے پرورش پا رہا ہے۔ اگر اسی طرح سے اس کو جوش دلایا جاتے تو پھر نتیجہ معلوم۔

ضلع پولیٹکل کانفرنس سندیلہ میں ہمارے سامنے یہ نظم پڑھی گئی تھی اور جسمیں کسان بہت بڑی تعداد میں شریک تھے اس لئے وہاں اس کے اثر کا کچھ اندازہ ہو سکتا تھا۔ نظم میں جب تک کسانوں کی مصیبتوں کا ذکر رہا اس وقت تک کسانوں کے چہروں پر ایک خاص حسرت اور خاموشی چھائی رہی۔ لیکن جب زمیندار کو چیلنج کرنے کے اشعار آئے تو وہی حسرت اور خاموشی ایک لطیف مسکراہٹ اور خفیف جوش میں تبدیل ہو گئی۔ غرضکہ احتجاجی جلسوں میں اس قسم کی نظمیں بہت ہی کار آمد ثابت ہونگی۔ لیکن لکھتے وقت اس بات کا خاص طور پر خیال رکھنا چاہئے کہ پیچیدہ ترکیبیں اور مشکل الفاظ کا نام نہ ہو۔ اور نہ دیہاتی لہجہ پیدا کرنے کے لئے بلا ضرورت تصنع کو کام میں نہ لایا جائے۔

## اطلاع

۱۔ مضامین اور مضامین سے متعلق جملہ خط و کتابت ایڈیٹر سے ہونا چاہئے۔

۲۔ مضامین کی واپسی کے لئے ایک آنہ کے ٹکٹ آنا ضروری ہیں۔

منیجر
ہندستان ۶ لاٹیل روڈ
لکھنؤ

ہندستان نیوز پیپرز لمیٹڈ کی طرف سے حیات اللہ انصاری ایڈیٹر و پبلشر نے باہتمام گنگا پرشاد لال سکسینہ مالک نیشنل پرنٹنگ پریس امین آباد لکھنؤ سے چھپوا کر ۲ نیل روڈ لکھنؤ سے شائع کیا

نمبر (۱۷) جلد ۱ لکھنؤ ۲۸ نومبر ۱۹۳۶ء فی پرچہ ار سالانہ ۳ے ر

## فاقہ مست ہندستان کی دولت کی حفاظت

برطانوی حکومت نے فیصلہ کیا ہے کہ ہندستانی فوج کو نئے طرز پر مسلح کیا جائے۔ گھوڑے کی جگہ فولادی موٹر اور چھوٹے ٹینک دے جائیں۔ مشین گنوں کی تعداد بڑھائی جائے۔ اور نئے قسم کے جان لیوا ہتھیار مہیا کئے جائیں۔ اس جلادی نیت کو پورا کرنے کے لئے بہت روپیہ چاہئے۔ برطانوی پارلیمنٹ نے اس غرض سے چھ لاکھ پونڈ ہندستانی خزانے کو دینا منظور کیا ہے۔

گھوڑے کی جگہ ٹینک لانے کی وجہ یہ ہے کہ آج کل بم، گیس، اور گولیاں ایسی ہیں جن سے گھوڑوں کو بچانا غیر ممکن ہے اور گھوڑا جہاں زخمی ہوگیا سوار کی زندگی خطرے میں پڑجاتی ہے۔ اور گھوڑا چاہے کام میں ہو یا تھان پر بندھا ہے ہر حال میں یکساں خرچ ہوتا ہے۔ جنگ عظیم میں پیرس کے محاصرے کے موقع پر اصطبل، سائیس اور گھوڑے کے لئے چارہ مہیا کرنے میں جتنا خرچ ہوا، وہ گولہ بارود کے خرچے سے بھی زیادہ تھا۔ اس لئے اگر اگلی لڑائی میں گھوڑے کی جگہ فولادی موٹر اور چھوٹے ٹینک رکھے جائیں تو بہت سا روپیہ بچ جائیگا۔ اور دوسری طرح کی جان لینے کی ترکیبوں پر خرچ ہوسکے گا۔

روس اور جرمنی کو فکر ہے کہ گھوڑے کی نسل درست کی جائے، اور اس کی پیداوار بڑھائی جائے۔ لیکن برطانیہ نے ہندستانی فوج کے لئے یہ اسکیم تیار کی ہے۔ یہ اختلاف کیوں؟ روس اور جرمنی کے لئے گھوڑے کی جو اہمیت ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر ان دونوں میں لڑائی چھڑ گئی تو ان دونوں کو پہاڑی خطوں میں فوج کشی کرنا ہوگی۔ وہاں گھوڑا موٹر سے زیادہ کام دیتا ہے۔ ٹینک صرف میدانی خطے میں گھوڑے سے بازی لیجاتا ہے۔ وہ کونسا میدانی خطہ ہے جو برطانیہ کی نگاہوں کے سامنے ہے۔ اور جس کے لئے فوج کے انتظام میں یہ ترمیمیں ہو رہی ہیں؟ ذرا کوئی سوچے!

چھ لاکھ پونڈ تبادلہ میں تقریباً نوے لاکھ روپیہ ہوتے ہیں۔ اتنا سا روپیہ، اتنی بڑی اسکیم! سمجھ لینا چاہئے کہ جو کمی پڑے گی وہ ہندستانی خزانے سے پوری کی جائے گی۔ اور یقین ہے کہ "اس کمی" کی مقدار بہت زیادہ ہوگی، گویا کریلی رستم کے پھانسنے کے لئے یہ چارہ لگایا گیا ہے۔ ایک ہنگامہ تھا، شور تھا کہ عنقریب برطانوی پارلیمنٹ اپنی دریادلی دکھلائے گی اور ہندستانی فوج کے اخراجات میں بہت کچھ ہاتھ بٹائے گی، یہ ہے اس ہنگامہ کی تعبیر۔

دلیل یہ ہوگی کہ زمانہ بہت خراب ہے۔ جاپان چین پر حملہ کر رہا ہے اس لئے ہندستان کے بچاؤ کا اچھا انتظام ہونا چاہئے۔ بیچارے یہاں کے فاقہ مست کسانوں۔ اور بے گھر مزدوروں کے پاس کیا دھرا ہے جو دوسری سامراج طاقتیں چھیننے آئیں گی۔ یہاں کی ساری دولت پر برطانیہ کا قبضہ ہے جس کی حفاظت کے لئے اس نے کچھ ہندستانیوں کو کچھ دے کر ملا لیا ہے اسی منافع کی حفاظت کے لئے فوج ہے۔ اس لئے جن کے قبضہ میں یہ منافع ہیں وہی اس کی حفاظت کے لئے خرچ بھی کریں۔

ہندستانی خزانے پر یہ بار کیوں؟

وائسرائے کی کونسل میں کمانڈر انچیف سے پوچھا گیا تھا کہ ہندستانی کی ہندستانی فوج، اور انگریزی فوج پر الگ الگ کیا خرچ ہوتا ہے۔ اور دونوں کو کتنا کتنا بھتہ دیا جاتا ہے۔ کمانڈر انچیف نے جو اعداد شمار بتائے وہ اچنبھے میں ڈالنے والے ہیں۔ انگریزی سپاہیوں کو بھتہ میں سات لاکھ ستائیس ہزار روپیہ ماہوار دیا جاتا ہے۔ لیکن ہندستانی سپاہیوں کو تین لاکھ ستاسی ہزار ماہوار بھتہ دیا جاتا ہے۔ رہی تنخواہ۔ سو انگریزوں کو ۳۸۷۶۱۲۵ ملتی ہے، اور ہندستانیوں کو ۲۷۰۸۸۱۵ ماہوار۔ اگر ان اعداد شمار کو اس روشنی میں دیکھا جائے کہ یہاں انگریزی فوج ۵۲,۴۶۶ ہے، اور ہندستانی ۲۲,۵۳۱ واہے تو اس بے تکے تناسب کا حال کھل جاتا ہے۔ اس غیر انصافی میں ایک اضافہ اسی خبر سے اور ہوگیا کہ پچھلے

سال وزیرستان کی مہم پر سولہ کروڑ روپیہ خرچ ہوا۔ حالانکہ اس لڑائی کے اثنا میں زبان بکلتے رہے کہ سب ٹھیک ہے

اگر اس شاہ خرچی کے مقابل میں ان چھ لاکھ پونڈ (نوے لاکھ روپیہ) کو رکھو جو برطانوی پارلیمنٹ ہندستانی فوج کی مشین بندی کے لئے دے رہی ہے تو اونٹ کے منھ کو زیرہ معلوم ہوتا ہے۔

---

## مولانا ظفر علی خاں کا عقیدہ

زمیندار ۱۲ نومبر میں مولانا ظفر علی خاں کی ایک نظم چھپی ہے جس کے چار شعر درج ذیل ہیں:۔

"حکومت گرچہ اپنی طرز کی اچھی ہی جمہوری ؛ پر ہے کچھ اور شان قیصری و آن فغفوری"
"کہاں مٹی کی ٹھلیا اور کہاں مینائے بلوریں ؛ نظر آتا ہے کس میں پر تو صہبائے انگوری"
"امارت ہی وہ کیا جو خالی از اورنگ و افسر ہو ؛ کہ ہے فانوس سے قائم فروغ شمع کافوری"
"مٹائی گرچہ آزادی نے وضع سابق عالم ؛ مگر انسان کی فطرت کے بدلنے میں ہے مجبوری"

جمہوری حکومت بے رنگ ٹھہری وہ حکومت ہی کیا جس میں بادشاہ ہو، تاج و تخت ہو اور آزادی۔ ٹھہری انسان کی فطرت کے خلاف۔ اچھی بات ہے اگر وہ تباہ کاریاں اور خونریزیاں جن پر مبنی ہے بادشاہی؟ وہ دستبرد اور لوٹ جس سے تیار ہوتے ہیں تاج و تخت؟

"خون ہے خادم کا، آقا کے گلستاں کی بہار"

اس طرح پہیلیاں بجھانے سے نہ مسلم لیگ ہی کا کچھ بھلا ہوگا، اور نہ کانگریس کا نقصان۔ صاف صاف کہئے، مولانا صاف صاف

سلطنت برطانیہ اور مسلم لیگ زندہ باد!!
آزادی کی لڑائی اور کانگریس مردہ باد!!

## مسلم لیگ کا پروگرام

لاہور میں مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن کے ایک جلسہ میں فیڈریشن کے سکریٹری نے کہا کہ "مسلمان ہمیشہ آزادی کا علمبردار رہا ہے۔ اور جب بھی موقع آئیگا مسلمان جنگ آزادی میں سب سے آگے ہوگا۔" انکے بعد مولانا ظفر علی خان نے اپنی تقریر میں فرمایا "ہندو آزادی کو کیا جانے آزادی کی گود میں تو اسلام نے پرورش پائی ہے مجھے ہنسی آتی ہے جب وہ کہتے ہیں کہ آزادی چرخہ چلا لے، لمبے بڑ بڑ مچانے اور انگریز کے بوٹ کی ٹھوکر کھانے سے ملے گی"!

مذہب کا نام لے کر کانگریس کو برا بھلا کہنا تو آسان ہے لیکن کیا لیگ کے پاس بھی آزادی کی لڑائی کا کوئی پروگرام ہے؟ تو کیا ہے؟ جب بھی موقع آئے گا، تو ظاہر ہوگا گویا کہ ہندستان کی اتنی تحریکیں اور ۱۹۲۱ء اور ۱۹۳۱ء کی قربانیاں کوئی چیز ہی نہیں اب رہا مرنے کا طریقہ تو لیگ کے مسٹر جناح پہلے ہی فرما چکے ہیں کہ وہ عدم تشدد کے قائل نہیں۔ چنانچہ مولانا ظفر علی خاں نے بھی یہی کہا۔ مگر حیرت ہے کہ ابھی تک لیگ نے نہیں بتایا کہ تشدد کا طریقہ کیا ہوگا۔ البتہ ان کے دو لیڈروں نے عملی پروگرام پیش کر دیا ایک نے تو کھلے خزانہ مولانا نصیر ایمن پر حملہ کرکے بتا دیا۔ کہ ایمکا لائحہ عمل مسلمانوں پر حملہ کرنا ہے۔ اب دوسرے نے چھپ کر جناح نہرو پر حملہ کرنے کی کوشش سے اسی طریقہ کار کی تائید کر دی۔ لیگ نے کسی ذمہ دار نے ابھی تک ان دونوں حادثوں پر اظہار نفرت نہیں کیا

## فرقہ پرست ہندو

فرقہ پرست مسلمانوں نے ایک مسلمان کے جنازے کی نماز پڑھنے سے جو انکار کر دیا تھا کہ اس نے مرتے وقت بھی کانگریس کی ممبری سے توبہ نہیں کی تھی، اسی ہی گرم جوشی سلہٹ میں کچھ اونچی ذات کے ہندو دکھلانے بھی دکھائی اسپو ترش بھٹا چاریہ کے مرنے پر ان کی ارتھی میں شریک نہیں ہوئے۔ کیونکہ آسو توش زندگی بھر ہریجنوں میں کام کرتے رہے تھے۔ ایسے شخص کی ارتھی میں شریک ہونے سے بچارے اونچی ذات کے ہندو بے دھرم ہو جاتے۔ اگر انکے دھرم کے معنی "انسان دشمنی" کے ہیں تو ان لوگوں نے بڑا اچھا کیا۔

## مہاراجہ بیکانیر کی عذر خواہی

مہاراجہ کی طلائی جوبلی کی خوشی میں ریاست کی طرف سے ۱۷ نومبر کو ایک دعوت ہوئی۔ جس میں وزیر اعظم مسٹر ودیا - ان مہتا نے جوبلی پر جو اعتراض ہوئے ہیں ان کی صفائی یوں پیش کی۔

"خاص الزام یہ ہے کہ جوبلی منانے کے لئے پبلک چندہ کیا گیا۔ لیکن اس کی تردید اس اطلاع سے ہو گئی کہ لوگوں نے خود سے درخواستیں دی تھیں کہ ان سے چندہ لیا جائے۔ ساتھ ہی یہ خبر بھی دی گئی کہ یہ چندہ صرف پبلک کاموں میں خرچ کیا جائے گا۔"

"اس پر اعتراض ہوا کہ مہاراجہ نے اپنی جیب خاص سے چندے میں شرکت کی۔ جوبلی منانے میں پبلک چندے سے کچھ نہیں خرچ کیا گیا، بلکہ اس کا کل خرچ ریاست کے خزانے کے ذمہ رہا"

"ایک اعتراض یہ بھی ہے کہ اس تقریب میں ایک کروڑ روپیہ خرچ ہوا۔ یہ بالکل غلط ہے۔ تین لاکھ کا سونا ملاکر، جس سے مہاراجہ تولے گئے تھے، اور اب جس سے ایک نیا اسپتال بن رہا ہے، کل خرچ مشکل سے ایک کروڑ کا بارھواں حصہ ہوگا ہے"

ہندستان کے لئے اب جوبلی کوئی نئی چیز نہیں رہی۔ لوگوں کو خوب معلوم ہے کہ کس طرح لوگ خود سے درخواستیں دیتے ہیں کہ ان سے چندہ لیا جائے۔ اور یہ کہ جن پبلک کاموں پر یہ مقدس رقم خرچ کی جاتی ہے اس سے چندہ دینے والوں کا کتنا بھلا ہوتا ہے۔ یہ عذر خواہی تو کسی ایسے ملک کے رہنے والوں کے سامنے کی ہوتی جو ابھی جوبلی کو اور جوبلی کے چندوں کو نہیں جانتے۔

جوبلی بھی کیا بلا ہے! ایک آدمی، جس کی موت و زندگی سے عوام کے درد دکھ میں کسی طرح کی کمی و بیشی نہیں ہوتی، اگر ۲۵ سال زندہ رہجاتا ہے تو ناداں ہزاروں کو بھگتنا پڑتا ہے۔

جواب سے معلوم ہوتا کہ ریاست کا خزانہ اور مہاراج کا جیب خرچ، وہ چیزیں ہیں جن پر عوام کا کوئی حق نہیں۔ یہ مہاراج کی بنائی ہوئی چیزیں ہیں۔ اگر ان میں سے ۶-۷ لاکھ روپیہ کسی عیاشی میں خرچ کر دیا گیا تو کسی کو اعتراض کا حق؟ اس کا جواب تو وہی ننگے، فاقہ مست کسان اور مزدور دے سکتے ہیں۔ جن کی گاڑھی کمائی سے مہاراج کے زندہ رہجانے کی خوشی میں چراغاں ہوا۔ اگر ان کی جماعتیں منظم ہوتیں تو اچھی طرح سمجھا دیتیں کہ ریاست کا خزانہ کیا ہے، اور جیب خاص کیا چیز ہے!

## نوبل انعام

اس سال ادب میں "نوبل انعام" ایک فرانسیسی [illegible] روجر مارٹن

ڈوگارڈ کردیا گیا ہے، ان سے شاید ہمارے ملک کے لوگ اتنا واقف نہیں ہیں جتنا پہلے، نوبل انعام، پانے والوں سے۔

ڈوگارڈ کا شاہکار "تھی بالٹ کا خاندان" ہے جسکی تیسری جلد فرانس میں سم گریا کے نام سے ۱۹۲۳ء میں شائع ہوئی تھی۔

جیسا کہ اٹھارہویں اور انیسویں صدی کے مصنفین کا قاعدہ ہے ڈوگارڈ نے اس کتاب میں ہمارے سامنے ایک اوسط گھرانے کی خصوصیات کی نقاب کشائی کی ہے، جسکا پس منظر ایک سماجی انقلاب ہے، ڈوگارڈ "تھی بالٹ گھرانے" کا مورخ بن جاتا ہے، مگر اس طرح اس گھرانے کی پرتیں کھولتا ہے، اور ساتھ ساتھ جنگ عظیم سے پہلے کی فرانسیسی اوسط طبقے والوں کی سوسائٹی، اور سرمایہ داری نظام کے پول کھولتا ہے

(کانگرس سوشلسٹ)

## بوائے اسکاوٹ

لارڈ لنلتھگو نے آل انڈیا بوائے اسکاوٹ ادارہ منعقد کی جس میں تمام صوبوں کے اسکاوٹ نمائندے شریک تھے بمبئی کے نمائندے نے یہ اسکیم پیش کی کہ اس تحریک کی سرداری پوری طرح ہندستانیوں کے ہاتھوں میں رہے۔ اور سرکاری افسر صوبہ اسکاوٹ افسروں کا فرض انجام دیں۔ اور صوبوں کو اندرونی معاملات میں آزاد کردیا جائے۔ پنجاب کے نمائندے نے اس کی تائید کی۔

قراردادوں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اب یہ تحریک براہ راست برطانوی سامراج کے ماتحت نہیں رہے گی بلکہ سامراج کے ہندستانی ایجنٹوں کے ہاتھوں میں رہے گی۔ اور سیوا سمتی بوائے اسکاوٹ کے بہت قریب آجائے گی۔ بوائے اسکاوٹ کے اس نئے انتظام کی صدارت نواب چھتاری کے سپرد کی گئی۔

پارسال جاڑوں میں دنیا کے سب سے بڑے اسکاوٹ لارڈ بیڈن پاول ہندستان آئے تھے، اس موقع پر دہلی میں آل انڈیا جنبوری - (اسکاوٹوں کا اجتماع) منعقد کیا گیا۔ لارڈ بیڈن پاول صاحب نے وہاں شرکت کی اس کے بعد ہندستان کا دورہ کیا، اور مختلف جگہوں کے اسکاوٹوں کا معائنہ کیا۔ یہاں سے جانے پر انھوں نے ہندستان کی تنقید کی، اور فرمایا کہ ہندستانیوں میں کچھ "کردار" نہیں ہوتا ہے، حد تو یہ ہے کہ ان لوگوں میں "کیرکٹر" کے لفظ کے ادا کرنے کے لئے کوئی لفظ ہی نہیں

ہندستان میں قومی تحریکیں اٹھیں، برطانیہ نے دبانے کے لئے ڈنڈوں، اور گولیوں کا استعمال کیا، جیل خانے بھر دئے۔ اس تحریک کے لیڈروں کو سخت سے سخت، وحشیانہ سزائیں دیں، مگر یہ لوگ نہ دبنا تھا نہ دبے یا یہ کردار کی طاقت نہیں ہے؟ لارڈ صاحب نے اگر اپنی جہالت پر دھاڑ نہ بھرو۔ اگر یہ حکم نہ لگا دیا ہوتا تو انکو "ایمان" کا لفظ مل جاتا ہے، جو سارے ہندستان میں بولا جاتا ہے، اسی طرح اس کا مرادف "دھرم" ہے۔ ان لفظوں میں "کیرکٹر" سے بھی زیادہ مفہوم ہے۔

لارڈ صاحب کی یہ بدتمیزی سب ہندستانیوں کو ناگوار گزری مختلف جگہ بوائے اسکاوٹوں کے جلسے ہوئے۔ انھوں نے اس بیان پر اظہار نفرت کیا۔ اور اپنے کو "بیڈن پاول" کی تحریک سے نکال کر "سیوا سمتی" میں داخل کرلیا۔

برطانوی حکومت فوراً سمجھ گئی کہ اب اس تحریک کا وائسرائے کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی بنکر رہنا مشکل ہے۔ اس لئے تھوڑی سی ڈھیل دیدی۔ پہلے وائسرائے براہ راست حکومت کرتا تھا۔ اب نواب چھتاری کے ذریعہ حکومت کریگا۔

# بنگال میں عدم تشدّد

مسٹر فضل الحق کی وزارت کے سامنے جب بھی نظربندوں، اور انڈمن کے قیدیوں کا مسئلہ آیا، اس نے ٹال مٹول سے کام لیا۔ بنگال کی کانگرس پارٹی ہمیشہ ان لوگوں کی رہائی پر زور دیتی رہی، مگر وہاں کی حکومت نے عجب عجب بہانے کئے۔ آخر یہ مرحلہ یوں طے ہوا کہ گاندھی جی بیچ میں پڑے۔ انھوں نے بنگال کی وزارت سے بات چیت کی۔ گورنر سے ملے اور ان دونوں کو راضی کرلیا کہ یہ بنگالی نوجوان قید سے رہا کردئے جائیں گے۔ نظربندوں کی ایک جماعت تو دیہاتوں اور قصبوں میں مکانوں میں گرفتار ہے، اور دوسری جماعت جیل خانوں، اور کیمپوں میں سڑ رہی ہے پہلی جماعت کی تعداد گیارہ سو ہے۔ حکومت نے انکو تو ابھی رہا کردینے کا وعدہ کیا ہے، اور دوسری جماعت جسکی تعداد چار سو پچاس ہے، انکے لئے طے پایا ہے کہ گاندھی جی ان نظربندوں میں سے ہر ایک سے الگ الگ ملیں گے، اور اس بات کا اطمینان کرلینگے کہ اب "تشدد پسندی" ان لوگوں کی طبیعت سے نکل گئی۔ اسوقت وہ لوگ بھی رہا کردئے جائیں گے۔

مسٹر فضل الحق نے اس موقع پر اخباروں کو ایک بڑے مزے کا بیان دیا ہے۔ کہتے ہیں۔

"یہ کام ہم لوگوں کے لئے، یعنی ایک مسلمان وزیر اعظم، اور ایک مسلمان وزیر داخلہ کے لئے جسکی حمایت مجلس قانون ساز کی متحدہ پارٹی کررہی ہو، رکا ہوا تھا یعنی ایک ایسا کام کرنے کی ابتدا کرنا جو ہزاروں ہندو گھرانوں کو خوش کردے"

گویا اس کارنامے کا سہرا انہیں کے سر ہے۔ اور اب تک وزیر اعظم صاحب اسی پھیر میں تھے، مگر ان کی متحدہ پارٹی نے ساتھ نہیں دیا، یا گورنر نے اختلاف کیا۔ لیکن آگے چلکر خود ہی کہتے ہیں۔

"میں اس بات کو بھی بالکل صاف کردینا چاہتا ہوں کہ ہز اکسلنسی گورنر کا برتاؤ شروع سے آخر تک قانونی رہا۔ انھوں نے کبھی کسی خاص بات پر دباؤ نہیں ڈالا۔ اور نہ کسی ایسی بات سے اختلاف کیا جو ہم لوگوں نے پیش کی۔

سمجھ میں یہ آتا ہے کہ مسٹر فضل الحق ایک طرف نظربندوں کی رہائی کیلئے پریشان تھے، دوسری طرف گورنر بھی تیار تھے لیکن پھر بھی وہ بدنصیب نظربند رہا نہ ہوئے۔ نجانے کیوں؟

جو لوگ مسٹر فضل الحق کے اقوال اور بیانات دیکھتے رہے ہیں وہ جانتے ہیں کہ انکے نزدیک کہی ہوئی بات، پیٹ کی سانس، اور منھ کی ہوا ہوتی ہے، نکل گئی تو نکل گئی۔ اس کی ذمہ داری کیسی؟ ابھی لکھنؤ میں مسلم لیگ... کے سالانہ اجلاس میں ہزاروں سفید پوش تعلیم یافتہ لوگوں کے سامنے کہا تھا کہ اگر کسی صوبہ میں ہندو وزارت مسلمانوں پر ظلم کرے گی، تو اس کا بدلہ بنگال کے ہندوؤں سے لوں گا۔ اس پر رفیع احمد قدوائی صاحب نے کہا کہ آنریبل

فضل الحق وہ شخص ہے کہ جو بنگال تک پہونچتے پہونچتے اپنے قول سے پھر جائے گا۔ اور ہوا بھی وہی۔ وہاں پہونچتے ہی لگے تاویلیں کرنے۔ اسی سلسلہ میں جو آخری بیان دیا ہے اس میں ایک طرح سے انھوں نے اس قول کے معنی و مطلب ہی سے انکار کر دیا، اس لئے تعجب کیا جو یہ کہتے کہ ابھی نظر بندوں کا رہا کرنا مناسب نہیں، یہ کہنے لگے کہ میں رہائی چاہتا ہی تھا

اس معاملہ میں سی۔ آئی۔ ڈی تک کا شکریہ ادا کر ڈالا۔ مگر گاندھی جی کے شکریہ میں ایک لفظ نہیں کہا۔ حالانکہ سرکاری اعلان، اور سر ناظم الدین کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ سارا کیا دھرا گاندھی جی کا ہے۔

نظر بندوں کی رہائی کا مسئلہ طے ہوتے ہی انکی روزی کا مسئلہ اٹھ کھڑا ہوا ہے۔ سر ناظم الدین نے ایک بیان دیا ہے۔

"مجھے امید ہے کہ تجارتی حلقہ جہاں تک ممکن ہوگا۔ رہائی پائے ہوئے نظر بندوں کو ملازمت دیگا، تاکہ وہ لوگ اطمینان سے زندگی بسر کریں۔ میں یہ بات سب پر ظاہر کر دینا چاہتا ہوں کہ حکومت کی واقعی کوشش ہے کہ نظر بندوں کو جگہ مل جائے۔ اور وہ اپنی روزی پیدا کرنے لگیں"

حکومت بھی اب روزی کا مسئلہ سوچنے لگی۔ کاش اس نے تیس سال پہلے اس مسئلہ پر غور کیا ہوتا، تو بنگال میں نہ یوں بم گرائے جاتے، اور نہ بہت سے سامراج کے ایجنٹ سامراج پر بھینٹ چڑھ جاتے، نہ سیکڑوں بلکہ ہزاروں جیل میں سڑتے سڑتے، پاگل ہو جاتے، دق کا شکار ہوتے، یا بےکسی کی موت مرتے۔

کہنے کو تو حکومت نے کہدیا ہے۔ مگر اس پر عمل ہو چکا۔ بنگال کی وزارت اگر وہاں کے کاشتکاروں کی صحیح نمائندہ ہوتی، اور کاشتکاروں کی منظم جماعتیں وزارت کی حمایت کے لئے وجود ہوتیں اسوقت وزارت یہ کر سکتی تھی کہ زمینداروں تاجروں اور مہاجنوں پر ایسے ٹیکس لگاتی، اور اس آمدنی سے نوجوان بےکاروں کی مدد کرتی، لیکن اسوقت تو وہ زمینداروں اور مہاجنوں ہی کی نمائندہ ہے۔ انکو خفا کرکے باقی کب رہ سکتی ہے۔ اس لئے یہ وزارت صرف باتیں بنا سکتی ہے، گھریلو صنعت و حرفت وغیرہ کی اسکیمیں بنا سکتی ہے، جس سے نہ آج تک کچھ ہوا ہے، اور نہ ہو سکتا ہے۔

اگر ان بےکار نوجوانوں کو ملازمت نہ ملی تو یہ کیا کریں گے؟ کیا پھر بم پھینکنے لگیں گے؟ اور گاندھی جی کی امیدیں جھوٹی ثابت ہوں گی؟

انگریزوں نے بنگال کی تجارت پر بہت پہلے سے قبضہ کر لیا تھا، اور وہاں بیٹھ جانے کی یہ ترکیب کی کہ دوامی بندوبست کرکے زمینداروں کے طبقہ کو اپنے میں ملا لیا۔ مشینوں نے گھریلو صنعتوں کا صفایا کرکے انکو بےکار کر دیا۔ اس تباہی سے اگر سو آدمی بیکار ہوتے تو صرف پانچ کو تو مشینوں میں جگہ ملتی۔ باقی ۹۵ مارے مارے گھومتے۔ اسی طرح بیکاری بڑھتی گئی، دوسری طرف زمینداروں کی جائدادیں بچوں میں بٹتی گئیں اور انکے حصے چھوٹے ہوتے گئے۔ اور زمینداروں کو ضرورت ہوئی کہ اپنے بچوں کے لئے کوئی ذریعہ معاش نکالیں۔

آمدنی پیدا کرنے کا پہلا زینہ تعلیم ہے۔ تمام چھوٹے اور بڑے زمینداروں کے لڑکے اسکولوں میں پڑھنے لگے۔ ممکن ہے دو ایک عجیب و غریب طبیعت کے لڑکوں کا مقصد پڑھنے سے صرف پڑھنا ہو، مگر سب کے سب انکی مدد سے اپنی زندگی میں کچھ سایا پیدا کرنا چاہتے تھے، مثلاً روپیہ پیدا کرنا، اچھا مکان موٹر، اچھی رہائش، اچھی بیوی ملنا، اچھی سوسائٹی وغیرہ۔

کتابیں، اسکول کی صحبت، پروفیسروں کی نصیحتیں سب لڑکوں کے دماغ میں یہ خیال بٹھاتی رہیں کہ تم کو ترقی کرنا چاہئے، اور کوشش کرو تو کر سکتے ہو۔

حوصلہ مند نوجوان اپنے شاعرانہ، اور جذبات بھرے دلوں کو خوشی خوشی سلے جا، کتابوں میں دفن کر دیتے، صرف اس لالچ میں کہ کبھی وہ وقت آئے گا کہ ہم دل کی اونچی تمنائیں پوری کر سکیں گے۔ پڑھ کر نکلے، دو ایک تو اونچی جگہوں پر پہونچ گئے۔ باقی بچے تو مقابلے کے امتحانوں اور اونچی جگہوں کی تلاش میں سرگرداں رہے، پھر بیس تیس اور پچیس پچیس روپیہ ماہوار کی جگہ کی تلاش میں آفسوں کی خاک چھانتے رہے۔ اس میں ذلتیں سہیں۔ دوستوں اور عزیزوں کے طعن اور طعنے سنے۔ انکی بے مہریاں جھیلیں۔

اس جگہ پہونچکر بھولا نوجوان خواب سے چونک پڑتا ہے۔ اب اسکو نظر آتا ہے کہ موجودہ نظام میں صرف چند انسان آرام کر سکتے ہیں، ترقی کر سکتے ہیں۔ اور یہ کہ ان نعمتوں کے حاصل کرنے کے لئے ہر ایک کو یکساں موقعے نہیں ہیں۔ بڑے زمیندار کا لڑکا معمولی سی توجہ سے ایسی بڑی جگہ حاصل کر سکتا ہے جو چھوٹے زمیندار کا لڑکا اپنا خون پسینہ ایک کرکے بھی نہیں پا سکتا۔

تو کیا جو کچھ سمجھتے تھے سب غلط تھا؟ سب دھوکا تھا؟ سب سپنے بالو کے گھروندے تھے

اگر وہ ہمت ور ہے تو اسکے دل میں نفرت کی آگ بھڑک اٹھتی ہے۔ اسکو اس اندھے نظام سے دشمنی ہو جاتی ہے، اس کی بسی ہوئی [illegible] بکھر جاتی ہے۔ اسوقت وہ جھنجھلا کر اپنے اردگرد کے لوگوں کو دیکھتا ہے، مگر ادھر احساس بھی نہیں، ایسے حوصلہ مند جو کسی طرح بھی ذلیل زندگی پر قناعت نہ کریں، تھوڑے سے ہوتے ہیں، اور پھر اس زمانے میں قومی تحریک نے زور پکڑا نہیں تھا۔ غریب کسانوں اور مزدوروں میں نہ بیداری تھی نہ احساس، نوجوان پہلے انھیں کیطرف متوجہ ہوئے، انکو جگانے کی کوشش کی، مگر اس میں کامیاب نہ رہے، اور مایوس ہو گئے۔ اور یہ سمجھے کہ اگر یہ اندھا نظام ٹوٹ سکتا ہے، تو صرف یوں کہ چند آدمی مثال قائم کریں، اس نظام کے ایجنٹوں کو بم سے ختم کریں، یہ چیز ایک طرف تو عوام میں بغاوت کے جذبات کو جگائے گی، اور دوسری طرف ایجنٹوں کو خوفزدہ کر دے گی۔

بم گرائے گئے، نوجوان گرفتار ہوئے، سزائیں ہوئیں مگر دوسرے نوجوان ان کی مثال سے متاثر ہو کر میدان میں آ گئے۔ مرض بڑھتا گیا۔ حکومت صرف گرفتاریاں کر سکتی تھی، مگر مرض کو نہیں مٹا سکتی تھی۔ کیونکہ اسکے اسباب پر قابو پانا اسکے بس سے باہر تھا۔

لیکن اب حالات بدل گئے ہیں، اب اگر کوئی نوجوان موجودہ نظام سے جھنجھلائے گا، تو اسکو فوراً ساتھ دینے والے مل جائینگے، دوسری طرف اصلی نگاہوں میں بنگال جوٹ ملوں کے مزدوروں کی اسٹرائکیں، بہار کی کسان سبھائیں، کانگرس کی الکشن میں کامیابیاں ہو رہی ہیں، جو اسکو فوراً بتا دیں گی کہ مزدوروں اور کسانوں کی جماعتیں منظم کی جا سکتی ہیں، ان کی مدد سے سامراج کے کمزور ترین مورچوں پر یعنی ملوں اور زمینداری پر حملہ کیا جا سکتا ہے اگر یہ حملہ سمجھ بوجھ کر کیا جائے تو ناکامیابی کا خیال بھی نہیں آ سکتا۔ گویا کہ انقلاب ہوگا۔ اور صرف عوام کے ہاتھوں ہوگا، اس طرح اب بےچین نوجوانوں کو کام کرنے کو ایک پروگرام مل جائے گا۔ اب بم پھینکنے کی کیا ضرورت؟

زمانہ بدل چکا ہے۔ گاندھی جی کی امیدیں ضرور بار آور ہوں گی۔ خاصکر ان نوجوانوں کا اس طرح رہا کیا جانا بہت اچھا رہا۔ تشدد پسندی کا زمانہ اب ختم ہو گیا۔ مگر یہ ڈر ضرور تھا کہ نظر بند نوجوان رہا ہونے کے بعد پھر تشدد پسندی سے کام لیں گے، لیکن اب گاندھی جی کے ہاتھوں رہا ہو جانا ہی اس بات کی دلیل ہے کہ کانگرس نے کچھ میدان ضرور جیت لیا۔ اور عدم تشدد کا سیاسی حربہ کام دے رہا ہے۔ لیکن تشدد پسندی پر جتنی جانیں بھینٹ ہوئیں ان سے کچھ پھل نہ ملا۔

# کانگریس اور مسلم لیگ کا دوسرا الیکشن

## بجنور کے ضمنی انتخاب پر ایک نظر

محمد غضنفر

یہ واقعہ ہے کہ گزشتہ عام انتخابات کے موقع پر مسلم لیگ کے امیدواروں کی کم از کم صوبہ متحدہ میں کامیابی کی بڑی وجہ صرف یہی تھی کہ کانگریس نے علانیہ ان کی حمایت کی تھی۔ صدر کانگریس نے اپنے دورہ میں جگہ جگہ اسکا اعلان کردیا تھا کہ سرکاری پارٹی (یعنی ایگریکلچرسٹ پارٹی) کے مقابلہ میں ہر آزاد اور غیر کانگریسی امیدوار کی کھلم کھلا حمایت اور مدد کرنی چاہیئے۔ مسلم لیگ کی حمایت کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ لیگ کے ذمہ دار لوگوں نے تحریری طور پر اسکا وعدہ کیا تھا کہ مسلم لیگ پارلیمنٹری بورڈ کی تنظیم سے ان کا منشا محض اسقدر ہے کہ جو کام کانگریس کرنا چاہتی ہے۔ وہ مسلم لیگ پارلیمنٹری بورڈ مسلمان حلقوں میں کرے۔ جداگانہ انتخابات کی صورت میں یہ طریقہ کار اور تقسیم ذمہ دار کانگریسی حلقوں میں اچھی نگاہوں سے دیکھی گئی چنانچہ مولانا حسین احمد اور دوسرے ذمہ دار لوگ اس بورڈ میں شریک ہوئے اور انتخابات کا نتیجہ حسب امید نکلا۔

الیکشن ہو جانے کے بعد اندازہ ہوا کہ بورڈ کے بنانے والوں کا دلی منشا کانگریس، اور جمعیت العلماء کے لوگوں کو شریک کرنے سے محض اتنا تھا کہ کامیابی حاصل کرنے کے بعد وزارت کا مطالبہ کیا جائے۔ کانگریس پارٹی کی اکثریت کا تقاضا تو یہ تھا کہ یہ حضرات کانگریس کے عہد نامہ پر دستخط کرتے اور کانگریس پارٹی میں برابری کے شریک ہوتے مگر یہ صورت انہیں منظور نہ تھی۔ اس لیے کہ ان کے اور کانگریس کے نقطہ نگاہ میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ مسلم لیگ کے لوگ اصولاً اس کے قائل تھے کہ دستور کو مان لینا چاہیئے۔ اور آئین پرستی کے مطابق چلانا چاہیئے کانگریس اور آزادی کی مخالف قوتیں یہ نہیں چاہتی تھیں کہ آئین پرست ذہنیت کو مضبوط کر کے کانگریس کے ضمیر اور انقلابی نظریہ کو بدل دیا جائے۔

ایسی حالت میں کشمکش کا ہونا لازمی تھا جس کا اظہار بندیلکھنڈ کے ضمنی انتخاب میں ہوا۔ جداگانہ انتخابات کی صورت میں مسلم لیگ یا کسی فرقہ پرست جماعت کو ایک قومی جماعت کے مقابلہ میں ہر طرح کی آسانی ہوتی ہے وہ مذہب اور ہر قسم کے تعصبات سے اپیل کر سکتے ہیں اور ہماری عام جہالت سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ چنانچہ مسلم لیگ نے وہ سب کچھ کیا جسکی ایک فرقہ پرست جماعت سے توقع تھی اور مسلم لیگ جیت گئی۔

اس انتخاب سے متعلق ہم ہندستان کے پڑھنے والوں کو مفصل طور پر کسی گذشتہ اشاعت میں بتا چکے ہیں۔ حیرانی کی بات یہ تھی کہ ہمنے ۴۲ فیصدی ووٹ حاصل کیے اور دیہاتی رقبہ میں ہماری اکثریت رہی۔ مولانا شوکت علی اور مسلم لیگ کے دوسرے کام کرنے والوں نے بعض قصبات کے لوگوں کو جمع کر کے ہمارے جانے سے پہلے قرآن پاک پر عہد لے لیا تھا۔ اور اس کا نمایاں طور پر اثر پڑا۔

مولانا شوکت علی کو بندیلکھنڈ کی کامیابی سے ایسی غلط فہمی ہوئی کہ موصوف نے واپسی میں لکھنؤ کے اخبارات میں اعلان کردیا کہ "اگر آئندہ میں کانگریسی امیدوار کی ضمانت نہ ضبط کرا دوں تو میرا نام بدل دینا"۔ جناح صاحب بھی اس درجہ خوش ہوئے کہ بندیلکھنڈ الیکشن کی ایک موٹر اور مسلم لیگ کا ایک جھنڈا اس شان سے یادگار کے طور پر محفوظ کر دیا۔ گویا۔ نپولین۔ اپنی فیصلہ کن جنگوں کی نشانی جمع کر رہا ہے۔

اس الیکشن کے بعد مسلم لیگ کی طرف سے یہ مطالبہ شروع ہوا کہ جن لوگوں نے مسلم لیگ بورڈ کے ٹکٹ پر کامیابی حاصل کرنے کے بعد کانگریس پارٹی میں شرکت کی ہے۔ وہ از سر نو چناؤ کرائیں یہ مطالبہ فی نفسہ بے جا نہ تھا لیکن دقت یہ تھی کہ اول تو مسلم لیگ کے ذمہ دار ارکان نے اپنی بنیادی پالیسی بدل دی تھی۔ پہلے وہ کانگریس کے حامی اور ساتھی تھے اور اب مخالف۔ دوسری بڑی تبدیلی یہ ہوگئی کہ مسلمانوں نے مسلم لیگ پارلیمنٹری بورڈ میں جمعیت العلماء کی شرکت وحمایت کی وجہ سے اُن کے حق میں رائے دی تھی اور اب پارلیمنٹری بورڈ کو ختم کرکے سب لوگ صاف صاف مسلم لیگ میں آگئے تھے اور قوم پرست اور ترقی پسند ارکان بورڈ سے نکال دیئے گئے۔

بہرحال "اسلامی" سیاست والوں کو منطق سے کیا تعلق اور پھر مسلم لیگ کے منتظمین کو دیانتدارانہ سیاست سے کیا واسطہ۔ اس پر بندیلکھنڈ کی کامیابی کا اثر اور آئندہ کا یقین نہیں، کیسے یقین آتا کہ بجنور کے مسلمان ایمان کے علاوہ عقل سے بھی کام لے سکتے ہیں

(۲)

حافظ ابراہیم صاحب ہمارے صوبہ کے اُن چند لوگوں میں ہیں جو برابر کانگریس کے ساتھ رہے ہیں اور مولانا حسین احمد صاحب کے احکامات پر خاموشی سے عمل کرتے رہتے ہیں۔ مولانا کے اصرار پر حافظ صاحب اسمبلی کے ٹکٹ پر بلا مقابلہ منتخب ہوئے اور مولانا کے استعفا دینے کے بعد مسلم لیگ سے کنارہ کش ہو گئے۔ حافظ صاحب، کانگریس پارٹی میں اسوقت بھی تھے جب پنتھ جی ہمارے صوبہ کی وزارتی پارٹی کے لیڈر تھے چنانچہ دوبارہ شریک ہوئے اور وزیر بنائے گئے

مسلم لیگ کے ارکان حافظ صاحب کے بہت سے گناہ معاف کر سکتے تھے لیکن وزیر بنایا جانا ایسا جرم تھا جسے وہ کبھی نہ بھول سکتے تھے اس کا صحیح اندازہ کرنا ہو تو آپ مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس لکھنؤ کی کارروائی پڑھیئے۔ صدر کا خطبہ، فضل الحق صاحب کی تقریر، دوسرے مقررین کا غیظ وغضب ہر بات سے معلوم ہوتا تھا کہ ان حضرات کی ذاتی جائداد غصب کر لی گئی ہے۔ مسٹر جناح نے نپولین کے لب ولہجہ میں فرمایا کہ میں کانگریسی امیدوار (حافظ ابراہیم) کی شرمناک شکست [illegible] ہوں۔ چنانچہ مولانا شوکت علی اور دوسرے کہنہ مشق روانہ ہو گئے اور [illegible] محترم ایک دن تو ہمکو ۷۰ فیصدی رائے شماری دے دی گئی تھی [illegible]

پرانی مسلم لیگ کے امیدوار سے مقامی طور پر بڑی توقعات وابستہ تھیں۔ مولانا شوکت علی کے اخبار نے خود اس امیدوار کے متعلق لکھا تھا کہ "مسٹر عبدالسمیع پبلک اعتماد کا ادنیٰ ثبوت یہ ہے کہ وہ نہ صرف عام انتخابات میں کئی مرتبہ کامیاب ہو چکے ہیں بلکہ میونسپل بورڈ (بجنور) کے چیرمین بھی ہیں۔ ان کا حلقۂ اثر بہت وسیع ہے اور پبلک خدمات کی وجہ سے کافی ہر دلعزیزی حاصل کر چکے ہیں، غرضیکہ ہر معنی کر کے حافظ محمد ابراہیم صاحب کے ٹکر کے ہیں۔ ان کی امیدواری نے کانگرس پارٹی کو یقیناً فکر میں ڈال دیا ہوگا کیونکہ مقابلہ برابر کا ہوگا اور بہت زور کا ہوگا۔" اخبار خلافت کے لئے اس سے زیادہ اطمینان کی بات یہ تھی کہ "مولانا حسرت موہانی اور مولانا شوکت علی نے یہ معاملہ اپنے قوی ہاتھوں میں لے لیا ہے۔ اور ان زعمائے ملت سے ٹکرانا حافظ محمد ابراہیم صاحب تو کیا پنڈت جواہر لال نہرو بلکہ خود گاندھی جی کے لئے بھی ناممکن ہے، ہمارا یہ دعویٰ محض تصورات و تخیلات پر مبنی نہیں ہے بلکہ واقعات پر مبنی ہے۔"

(خلافت ۱۰ اکتوبر)

اب پروپگنڈے کی آن بان دیکھئے جس کے ماہرین میں صرف مولانا شوکت علی ہی نہیں بلکہ برادر مولانا محمد علی مرحوم "قد آدم پوسٹر" یعنی حضرت خواجہ حسن نظامی بھی شامل تھے۔ اشتہار کے لئے حضرت ظفر الملت والدین، مذہبی حیثیت سے حضرت قطب الدین عبدالوالی اور مخالف دوسری حیثیتوں کیلئے الحاج مولانا مظہر الدین بگرانی سید ذاکر علی صاحب کے سپرد تھی جو گذشتہ انتخاب میں مسٹر جناح کے جعلی پوسٹر کے سلسلہ میں کافی شہرت اور مہارت حاصل کر چکے ہیں۔

پروگرام کا شروع ہی سے سوال نہ تھا مسلم لیگ کے رنگ بجا طور پر اس مطالبہ کو اپنی دینی اور ایمانی توہین سمجھتے ہیں۔ سوال صرف اسقدر تھا کہ مسلمانوں کو کسی طرح اسکا یقین ہو جائے کہ کانگرس کے نام پر ووٹ دینا کفر صریح ہے۔ مسلم لیگ کے کارکنوں کے نزدیک یہ ادنیٰ سی بات تھی کہ حافظ ابراہیم صاحب کے متعلق مشہور کر دیا جائے کہ موصوف نے مندر میں قشقہ لگایا ہے جسکے [illegible] مسلم لیگ کے کیمپ میں ایک دو نہیں درجنوں تھے [illegible] یہ ہے کہ حافظ صاحب نے درجنوں عدد [illegible] ڈبوا دئے۔ اور [illegible] کے متعلق وہی کانگرسی مسلمان [illegible] کر دیا ہے۔ پیر [illegible] دینی تو [illegible] یہ ہے کہ مسلم لیگ کے الکشنی علماء کی تردید کرتے ہوئے خود مجھے شرم آتی ہے لیکن پنڈت جواہر لال کے متعلق جدید انکشافات ہوئے۔ معلوم ہوا کہ صدر کانگرس نے دو وقت کی نماز بند کرا دی ہے۔ اور اذان دینا اب قطعاً ممنوع ہے۔ درجنوں مسلم لیگی عالموں نے چشم دید واقعہ کے طور پر بیان کیا کہ انہوں نے خود جواہر لال کو اللہ اکبر کے جھنڈے پھاڑتے دیکھا ہے کیونکہ ان کو خوب دین سے اور اسلامی نشان اور بالخصوص نعرۂ تکبیر سے نفرت ہے۔

مسلم لیگ کے ایک کارکن کسقدر ضرورت سے زیادہ طباع اور ذہین تھے۔ ہر جگہ کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں حکم دیا ہے کہ ہندوؤں سے دوستی حرام ہے۔ چنانچہ اس کی تائید میں کلام پاک کی آیت "لا تتخذوا الیھود والنصاریٰ اولیاء ...... الخ" کو خفیف سے تصرف سے پڑھتے تھے یعنی یہود کے بجائے ہنود پڑھتے تھے اور سند کے لئے قرآن پڑھتے تھے۔ یہ ان کی بدنصیبی کہ سوئے اتفاق سے ایک کانگرسی مسلمان نے ان کی اصلاح کی جس کے بعد وہ اس درجہ غضبناک ہوئے کہ قرآن چھین لیا اور کلام اللہ کی بے حرمتی ہوتے ہوتے رہ گئی۔

یہ قصور مسلم لیگ کے کارکنوں کا نہ تھا بلکہ اوپر سے فضا اسی قسم کی پیدا کی گئی تھی۔ اس الکشن کے متعلق حضرت مولانا قطب الدین عبدالوالی جیسے بزرگ نے صاف اعلان فرما دیا تھا کہ:

"معاملہ اب مسلمانوں کی عزت و ذلت کا ہو کر رہ گیا ہے۔ اس الکشن میں مسلم لیگ کا خدانخواستہ ناکامیاب ہونا مسلمانوں کا من حیث الجماعت فنا ہو جانے کے مرادف سمجھا جاتا ہے"

(ماخوذ از "حضرت مولانا محمد قطب الدین عبدالوالی صاحب کا مخلصانہ مشورہ بنام مسلمانان گڑھوال و بجنور")

جوائنٹ سکریٹری مسلم لیگ پارلیمنٹری بورڈ کا جوش مخالفت اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ موصوف نے اپنے لمبے چوڑے اعلان کا عنوان یہ کہا تھا کہ "مسلمانو! حافظ محمد ابراہیم کو ہرگز ووٹ نہ دو" اور کانگرس کے متعلق یہ ظاہر فرمایا کہ "کانگرس کامل طور پر ہندو جماعت ہے اور جبوقت سے اسکے ہاتھ میں تمہارے صوبہ کی اور پانچ صوبوں کی حکومت آگئی ہے اس نے یہ تہیہ کر لیا ہے کہ مسلمانوں کو ایسا مرعوب، مضطرب اور پامال کر کے چھوڑے کہ وہ کبھی سر نہ اٹھا سکیں۔ مسلمانوں سے سید ذاکر علی صاحب نے فرمایا کہ تم اللہ کے سوا کسی کے سامنے نہیں جھکاتے۔ تم ہندوؤں کیطرح گاندھی جی اور پنڈت جواہر لال نہرو کو پوجنے کیلئے تیار نہیں ہو۔ وہ تمہارے اس مزاج کو بدلنا چاہتے ہیں۔ وہ تمہیں فاران اور سینا کی بلندیوں سے اتار کر واردھا کی تیرہ تر [illegible] پر آمادہ کرنا چاہتے ہیں۔ یورپ نے تمہاری تہذیب اور تمدن کو مٹانے کے لئے توپ، تلوار اور بم سے میدان جنگ کی اور نیچا دیکھا۔ اب ہندوؤں کی سیاسی انجمن کانگرس تم سے الکشن کے میدان میں وہی جنگ کر رہی ہے اور اپنے سیاسی اختیار کے ذریعہ تمہارے سیاسی، اجتماعی، تمدنی اور لسانی امتیاز کو مٹانا چاہتی ہے۔ چونکہ ابھی طریقہ انتخاب جداگانہ ہے اسلئے وہ مسلمان کے مقابلہ میں ہندو کو تو کھڑا کر نہیں سکتی۔ وزارت اور عہدوں کے عوض مسلمانوں کو خرید رہی ہے اور مسلمانوں کو اپنے زرخرید مسلمانوں کے ہاتھ سے ذلیل کرانا چاہتی ہے۔ کیا تم اس لڑائی میں پیٹھ دکھاؤ گے؟"

جب بظاہر کافی ذمہ دار لوگ یہ بیانات دیں تو باقی لوگ قابل معافی ہیں۔ ہم اس لٹریچر کے صرف دو نمونے پیش کرتے ہیں۔ ایک رسالہ ابو البیان آزاد دہلوی کے نام سے شائع ہوا جسمیں عجیب و غریب انکشافات درج ہیں۔ کانگرسی حکومتوں میں "مسلمانوں کے مذہبی حقوق کے گلوں پر کند چھری پھیرنے" کا تذکرہ ہے۔ اردو زبان مٹا کر سنسکرت رائج کرنے کا ذکر ہے۔ ہمیں بتایا گیا ہے کہ مسلمان ملازم برخاست ہو رہے ہیں مسلم اسکولوں کی امداد بند کی جا رہی ہے غرضکہ "مسلمانوں سے گن گن کر بدلے لئے جا رہے ہیں" نتیجہ یہ نکالا کہ "اب سوال کانگرس اور مسلم لیگ کا نہیں بلکہ ہندوؤں اور مسلمانوں کا ہے" چنانچہ رائے دہندوں کو ہدایت ہے کہ مسلم لیگ کے نمائندہ کو ووٹ دینے کے علاوہ "دعا مانگئے کہ اللہ مسلمانوں کی فتح کرے"۔

ایک دوسرے بیان میں حضرت ابو البیان اس طرح ارشاد فرماتے ہیں کہ "مسلمانو! غیر اللہ کی جماعت سے مرعوب نہ ہو...... مسلمانوں کا ساتھ دو۔ کفار اور مشرکوں کا اعتبار نہ کرو۔ یہ ہمارے پرانے دشمن ہیں۔ ہم سے تعصب کرتے ہیں ........ ہم جو کچھ یہ "کانگرسی رونق" دیکھ رہے ہیں سب مشرکوں کے روپئے کی رونق ہے" وغیرہ وغیرہ

یہ تو تھی نثر کی عبارت۔ اب نظم کی شان دیکھئے۔ بطل حریت جناب مولانا ظفر علیخاں صاحب نے "مسلم لیگ کا پیغام" کے عنوان سے ایک نظم لکھی جس کی آب و تاب ملاحظہ ہو۔ مقابلہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:-

حافظ ابراہیم اُدھر ہیں اور ادھر عبدالسمیع
ہر دو آری درشن اُدھر ہے یثربی تعلیم ادھر
اس طرف گاندھی کے فرماں پر سرِ تسلیم خم
اور رسول اللہ کی تعلیم کی تعظیم ادھر
اس طرف نہرو پرستوں کے لئے بھارت کا راج
اور خدا والوں کے سر پر تاجِ ہفت اقلیم ادھر
مقطع میں فرماتے ہیں:

ووٹ دینے والو! سن لو کان دل کے کھول کر
خطرۂ ایماں کو ادھر سے ہو نہیں یہ بیم ادھر

مولانا ظفر علیخاں اور مسلم لیگ کی "یثربی تعلیم" کا ایک ادنیٰ کرشمہ یہ بھی تھا کہ کانگرس کے "زرخرید" اور "بے دین" مسلمانوں کو جہاں موقعہ ملتا تھا مسلم لیگ کے مجاہد اور سر فروش زدوکوب کرتے تھے۔ گویا کہ یہاں اور آخر میں تھا صاحب اسلام اور جوشِ ایمانی کا ہی سبب۔ میں نے کافی ذمہ دار لوگوں کو کہتے سنا ہے کہ ایک کانگرسی "بے دین" کے مارنے کے لئے جاتے خود دیکھا ہے مسلم لیگ کے لیڈر کے ولنٹیر ہر جگہ اعلان کرتے تھے کہ ہم سر پر کفن باندھ کر نکلے ہیں یا جیتیں گے یا مر جائینگے۔ چنانچہ انھیں میں سے ایک سر فروش نے مولانا لطیف الدین پر حملہ کر دیا۔ اتحاد ملت کے ایک کارکن کی خصوصیت صرف یہ تھی کہ وہ ہر جگہ مولانا ظفر علی کو فحش گالیاں دیتے تھے اور سمجھتے تھے کہ مسلم لیگ کے لئے فضا ہموار کرتے ہیں۔ بعد میں جب ان حضرات کو اندازہ ہو گیا کہ شکست یقینی ہے تو بدحواس ہو گئے اور ہر جگہ بلا وجہ مزاحمت اور فساد کے درپے ہو گئے مجھے شبہ ہے ان کو ایسی ہدایات بھی کسی نے کی ہوں، اسلئے کہ متعدد مقامات پر ایک ہی وقت میں ہمارے کارکنوں پر حملے ہوئے۔ اور ہمیں خصوصیت سے اپنے لوگوں کو ضبط اور صبر کی ہدایت کرنی پڑی۔ اب پولنگ کا دن آیا اور ہمیں اپنے کام اور اثر کا نتیجہ معلوم ہوا۔ مولانا شوکت علی کا بیان ہے کہ وہ ان کی محنت میں مسلم لیگ بڑھتے بڑھتے ۹۰ فیصدی پر آگئی تھی، اخبار خلافت کو یقین تھا کہ مسلم لیگ کو ۹۵ فیصدی ووٹ ملیں گے اور میرے حضرت خواجہ حسن نظامی نے تو روحانی فیض و برکت کے بھروسہ پر اعلان کر دیا کہ کانگرسی امیدوار کی ضمانت ضبط ہو جائے گی۔ بلکہ جواہر لال نہرو سے دریافت کیا کہ "اگر کانگرس کے امیدوار کامیاب نہ ہوں اور مسلم لیگ کے امیدوار کامیاب ہو جائیں تو کیا آپ مسلم لیگ اور مسلم قومیت کی ہستی اور وجود کو تسلیم کرینگے؟"
(اخبار منادی ۵ر نومبر)

ہمیں کامیاب ہونے کا ابتدا ہی سے خیال نہ تھا مگر مسلم لیگ کا پروپگنڈا، مولانا ظفر علی خاں اور مولانا شوکت علی کی تقریریں اور مجاہدین مسلم لیگ کے کارنامے دیکھکر ہمیں یقین ہو گیا کہ مسلم لیگ ناکام ضرور ہوگی۔

آخر میں جب ہمنے وہ باتیں دیکھیں جو اخلاق اور دیانت داری سے گری ہوئی ہیں اور مسلم لیگ کے ذمہ دار لوگوں کو عجیب عجیب قسم کے اثرات ڈالتے اور مہاراجہ محمود آباد کو دوبارہ آتے دیکھا تو ہمیں اپنی کامیابی پر ایمان آگیا۔

چنانچہ ہم ہر پولنگ اسٹیشن سے اور بڑی کثرت سے کامیاب ہوئے۔ پورے گڑھوال میں مسلم لیگ کو صرف ۴ ووٹ ملے، اور لطف یہ کہ بعض پولنگ اسٹیشن ایسے تھے جہاں یہ نوبت بھی نہ آئی کہ تو ووٹ ہی نہ ملے۔ ہم سے زیادہ مستورات کے ووٹ پڑنے سے رہ گئے، چونکہ ووٹ لینے کا انتظام ناکافی تھا ورنہ مسلم لیگ کے نمائندہ کی ضمانت کا ضبط ہو جانا بعید از قیاس نہ تھا۔ موجودہ حالت میں ہمیں ۸۰ فیصدی ووٹ ملے اور دس ہزار سے کم ووٹ کی جملہ تعداد میں ہم ۶۹۱ ووٹ سے جیتے۔

ہم اس کامیابی کیلئے مولانا شوکت علی اور ان کی "مجاہدانہ" جذبہ اسلامی کو مبارکباد دیتے ہیں۔ ہمارا خیال ہے کہ مسلم لیگ ہی نہیں مولانا ظفر علیخاں، مولانا شوکت علی، مولانا عبدالحامد قادری، میاں فیروز الدین، مولوی ظہیر الدین اور علی بہادر حبیب اللہ جیسے بزرگ جس جماعت کے ساتھ ہونگے یہ بزرگ خود اس کی تخریب اور بربادی کیلئے کافی ہیں۔ ع
ہوئے تم دوست جسکے دشمن اسکا آسماں کیوں ہو

ہمیں اس بات کی خوشی ہے کہ مسلمان اپنی غریبی اور غلامی دور کرنے کے لئے آج شعوری طور پر عمل پیرا ہو رہا ہے۔ مذہبی نعروں سے اس کی تسکین نہیں ہوتی۔ اور اس رجحان کی وجہ سے ہمیں آئندہ بھی کانگرس کی کامیابی کی امید ہے۔ اس الکشن سے علاوہ اسکے کہ مسلمانان بجنور، گڑھوال، نجیب آباد کی سیاسی تعلیم ہو گئی، ایک بڑا فائدہ یہ بھی ہوا کہ کانگرسی مسلمانوں میں تنظیم اور یگانگت ہو گئی۔ اس الکشن میں باوجود روکنے کے بیکڑوں کانگرسی مسلمان آ جمع ہوئے۔ سرحد، پنجاب، بہار حتیٰ کہ بمبئی تک سے مسلمان کام کرنے کیلئے آئے اور رفاقت کا حق ادا کیا۔

اگر مسلم لیگ کی کوششیں ہمارے شامل حال رہیں تو ہمیں یقین ہے کہ مراد آباد، سہارنپور، اور بلند شہر کے ضمنی انتخابات کے بعد کانگرسی مسلمانوں میں ایسی تنظیم ہو جائے گی کہ ہم ۱۵ سال کی غفلت اور غلط رہنمائی کی چند مہینوں میں تلافی کر لینگے۔ اور الکشن کی کامیابی سے بڑھ کر ہماری کامیابی یہ ہوگی۔ ع
خدا شرے برانگیزد کہ خیرِ ما دراں باشد۔

اس کے بعد مسلم لیگ کے لوگ اور مولانا شوکت علی خصوصیت سے کسی معقول وجہ کے متلاشی ہیں جس سے اپنی شکست کی صفائی پیش کر سکیں۔ کاش ان بزرگوں کو اسکا یقین ہوتا کہ کسی قوم کو خواہ وہ مسلمان جیسی غریب اور سادہ لوح ہی کیوں نہو، بار بار اور ہمیشہ دھوکا نہیں دیا جا سکتا۔ ہم تو آپ کو بتا سکتے ہیں کہ لیکن یہ بھی اللہ کے بندے تھوڑا بہت پہچاننے کے قابل ہو جاتے ہیں۔

# سرمایہ داری نظام کی لعنت

(علی سردار جعفری)

وہ معاشی اور معاشرتی نظام جس کے ماتحت برطانیہ اور امریکہ کے لوگ زندگی بسر کرتے ہیں سرمایہ داری کے نام سے مشہور ہے۔ سرمایہ داری سے ہماری مراد وہ اقتصادی نظام ہے جس میں زمینوں، مشینوں اور کانوں کے مالک افراد ہوتے ہیں جو لوگ مالکانہ حیثیت نہیں رکھتے وہ ان زمینوں، مشینوں میں کام کرتے ہیں جو وسائل آمدنی کہلاتی ہیں اور ان کے مالکوں کو منافع بہم پہنچاتے ہیں سرمایہ داری میں روپیہ پیدا کرنے اور منافع حاصل کرنے کی ہوس کا نام زندگی

ہے کیونکہ پیداوار کے لئے وسائل آمدنی کا استعمال صرف منافع کی اُمید پر کیا جاتا ہے۔

یہی نہیں کہ منافع کی اُمید لوگوں کو کام کرنے یا وسائل آمدنی کو استعمال کرنے کی ترغیب دیتی ہے بلکہ پیداوار کا نصاب بھی اس سے قائم ہوتا ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام کے ماتحت منافع ہی اصل چیز ہے۔ یعنی صرف وہ چیزیں پیدا کی جاتی ہیں جن سے اچھا منافع ملنے کی اُمید ہے۔ اگر کوئی ایسی چیزیں پیدا کرے جن سے منافع نہ حاصل ہو سکتا ہو تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ کچھ دنوں بعد دیوالیہ ہو جائیگا اور اس کے سارے وسائل آمدنی اس کے قبضے سے نکل جائیں گے۔ اس لئے سرمایہ داری میں پیداوار کا اصل معیار منافع ہی پر قائم کیا جاتا ہے۔

اگر اس سے یہ نتیجہ نکالا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ صرف وہ چیزیں پیدا کی جاتیں جن کی بازار میں مانگ ہے کیونکہ منافع اسی طرح مل سکتا ہے۔ چونکہ مختلف چیزوں کی مانگ مختلف ہوتی ہے اس لئے جس چیز کی مانگ جتنی زیادہ ہو وہ چیز اتنی ہی زیادہ مہیا کی جائے اور جس چیز کی مانگ جتنی کم ہے وہ چیز اتنی ہی کم بہم پہونچائی جائے۔ اس طرح منافع ہمارے ذرائع پیداوار کو آہستہ آہستہ وہ چیزیں پیدا کرنے پر مجبور کر رہا ہے جن کے لئے زیادہ سے زیادہ مانگ ہی یہ ہے وہ طریقہ جس پر سرمایہ داری کا نظام قائم ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ سرمایہ داری ٹھیک کام کرتی ہے یا نہیں۔ ظاہرا یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کا نظام یقیناً بیحد مفید ہوگا کیونکہ اس میں پیداوار مانگ کے مطابق ہوتی ہے جس سے اچھا منافع ملتا ہے گویا ہمارے تمام وسائل آمدنی بہتر سے بہتر طریقے پر استعمال ہوتے ہیں۔ یہی چیز ہے جس کی تعریف میں سرمایہ دار زمین و آسمان کے قلابے ملا دیتے ہیں۔ ان کا دعویٰ ہے کہ اس طریقۂ کار میں صرف وہ چیزیں پیدا کی جاتی ہیں جن کی زیادہ سے زیادہ مقدار یا تعداد زیادہ سے زیادہ آدمی طلب کرتے ہیں اور اس طرح کوئی دوسرا اقتصادی نظام اس سے بہتر طریقۂ کار پیش نہیں کر سکتا۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ ایک بہت بڑا دھوکا ہے ایک کھلا ہوا فریب ہے۔ سراسر آنکھوں میں دھول جھونکنا اسی کو کہتے ہیں۔

سرمایہ داری نظام میں وہ سامان تیار نہیں کیا جاتا جس کی زیادہ آدمیوں کو زیادہ ضرورت ہوتی ہے بلکہ اس کی بجائے وہ چیزیں مہیا کی جاتی ہیں جن کی کم آدمیوں کو تھوڑی مقدار یا تعداد میں ضرورت ہوتی ہے۔

مثال کے طور پر ہم امریکہ اور برطانیہ کو لے سکتے ہیں جو اس وقت دنیا کے سب سے بڑے سرمایہ دار ممالک ہیں۔ آج کل روٹی کپڑا۔ دودھ گوشت اور مکانات وغیرہ جنکی یہاں کے باشندوں کو بڑی سخت ضرورت ہے۔ مقررہ تعداد سے زیادہ مہیا نہیں کئے جا سکتے کیونکہ اس میں گھاٹا ہے۔ منافع تو عیاشی کے اس سامان کے پیدا کرنے میں ہے جس کی ایک مٹھی بھر آدمیوں کو ضرورت ہوتی ہے۔ چنانچہ اب بھی امریکہ کے باشندوں کو رہنے کے لئے (۱۰۵۵۰۰۰۰۰۰۱) مکانات کی اور ضرورت ہے جو پوری نہیں کی گئی۔

واقعہ یہ ہے کہ جب تک پیداوار کا نظام منافع پر قائم رہیگا عیاشی کی چیزیں زیادہ اور ضرورت کی چیزیں کم تیار ہونگی۔ یہی وجہ ہے جو ہم یہ کہتے ہیں کہ موجودہ اقتصادی نظام میں ضرور کوئی اصولی خرابی ہے ورنہ اس کے کیا معنی ہیں کہ پیداوار کے ذرائع متابلتہً زیادہ ہوتے ہوئے بھی لوگوں کی ضرورتیں پوری نہیں ہوتیں۔

بصورت دیگر اگر سرمایہ دارانہ نظام میں وہ چیزیں تیار کی جائیں جنکی امیروں کو ضرورت نہیں اور غریب قیمت ادا نہیں کر سکتے تو بھی کوئی فائدہ نہیں۔ اس لئے پیداوار کا جو موجودہ معیار ہے وہی سرے سے غلط ہے۔ یہ بیہودگی جس میں کھانے کی چیزوں کا ایک معتد بہ حصہ محض بازاروں کا نرخ قائم رکھنے کے لئے یا تو پیدا ہی نہیں کیا جاتا یا برباد کر دیا جاتا ہے۔ سرمایہ داری کا طرۂ امتیاز ہے۔

اس سے زیادہ تباہ کن چیز موجودہ سرمایہ دارانہ نظام میں یہ ہے کہ اُس نے انسانوں کی ایک بہت بڑی تعداد کو بیکار بنا دیا ہے اور انھیں اس بات کا موقع نہیں ملتا کہ وہ کچھ پیدا کر سکیں۔ برطانیہ اور امریکہ میں اسی وجہ سے وسائل آمدنی اور ذرائع پیداوار کا استعمال دن بدن کم ہوتا جا رہا ہے۔ ۱۹۲۹ء میں امریکہ کے لوگ اپنے وسائل آمدنی کو (۸۱) فیصدی تک استعمال کرتے تھے لیکن اُس کے بعد سے اُنھوں نے اس کا استعمال (۵۰) فیصدی سے بھی کم کر دیا۔ تقریباً یہی حالت برطانیہ کی ہے گو صحیح طور پر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اُنھوں نے اپنے وسائل آمدنی کو کس حد تک استعمال کیا۔

اگر ان وسائل کو صحیح طریقے سے استعمال کیا گیا ہوتا تو شاید اس روز بد کا منھ آج نہ دیکھنا پڑتا۔ وہ نقصان جو اس خود اختیاری کاہلی سے ہوا ہے اس کا اندازہ لگانا مشکل ہے اور اس کا کفارہ ادا کرنا اس سے بھی زیادہ دشوار۔ اتنے عرصے تک بہت سی محنت جس کا نتیجہ بہتر سے بہتر ہوتا استعمال ہی نہیں کی گئی۔ وسائل آمدنی کا ایک بہت بڑا حصہ فضول پڑا رہا اور دنیا کی بیکاری اور بے روزگاری دن بدن بڑھتی رہی۔ عالمگیر اقتصادی مصیبت ( ) موجودہ سرمایہ داری نظام کی سب سے بڑی لعنت ہے۔

سرمایہ داروں کی حماقت منافع کی ہوس سے نہ محض یہ نقصان ہوا کہ بہت سی محنت غیر استعمال شدہ رہ گئی اور بہت سامان جو پیدا کیا جا سکتا تھا پیدا نہیں کیا گیا۔ بلکہ یہ بھی ہوا کہ بہت سے آدمیوں نے گھبرا کر خودکشی کر لی اور خدا جانے کتنے جرائم پیشہ لوگوں کی تعداد بڑھ گئی۔ لیکن میں بذات خود اُسے جرم نہیں سمجھتا۔ اگر حرام کی دولت کو جبر سے چھیننا جرم ہے تو مکاری اور عیاری سے دوسروں کی محنت کے بل بوتے پر دولت جمع کرنا اس سے بھی بڑا جرم ہے۔

موجودہ زمانے میں انسانیت کے نظام کو ستیاناس کرنے والے سرمایہ دار ہیں جن کی اقتصادی لوٹ کھسوٹ پر نہ تو کوئی قانونی پابندی عاید ہے اور نہ مذہبی اور نہ اخلاقی پابندی۔ تہذیب ان کی طرفدار۔ تمدن انکا پاسبان، مذہب ان کا محافظ اور قانون تو زر خرید غلام ہے۔ لیکن یہ طلسم کب تک ؟

باوجود اس کے کہ برطانیہ اور امریکہ کا سرمایہ داری نظام اب بھی کام کر رہا ہے لیکن اب اس کی بیہودگیوں سے نظر پوشی کرنا گناہ ہے کیونکہ اسکے ماتحت دن، دن بھر کام کرنے والے صرف ظالم اور ہوسکار امیروں کی عیاشیوں کا سامان تیار کرتے ہیں۔ لیکن اپنے اور اپنے ہم جنس دوسرے انسانوں کے تن ڈھکنے اور پیٹ بھرنے کا سامان تیار نہیں کر سکتے۔

وہ یہ سامان کیسے تیار کر سکتے ہیں اس کا جواب صرف اشتراکیت کے پاس ہے !

# میں انکے گیت گاتا ہوں

جاں نثار حسین اختر

میں انکے گیت گاتا ہوں، میں انکے گیت گاتا ہوں

جو شانے پر بغاوت کا علم لیکر نکلتے ہیں — کسی ظالم حکومت کے دھڑکتے دل پہ چلتے ہیں

میں انکے گیت گاتا ہوں، میں انکے گیت گاتا ہوں

جو رکھ دیتے ہیں سینہ گرم توپوں کے دہانوں پر — نظر سے جنکی بجلی کوندتی ہے آسمانوں پر

میں انکے گیت گاتا ہوں، میں انکے گیت گاتا ہوں

جو آزادی کی دیوی کو لہو کی بھینٹ دیتے ہیں — صداقت کے لئے جو ہاتھ میں تلوار لیتے ہیں

میں انکے گیت گاتا ہوں، میں انکے گیت گاتا ہوں

جو پردے چاک کرتے ہیں حکومت کی سیاست کے — جو دشمن ہیں قدامت کے جو حامی ہیں بغاوت کے

میں انکے گیت گاتا ہوں، میں انکے گیت گاتا ہوں

بھرے مجمع میں کرتے ہیں جو شورش خیز تقریریں — وہ جنکا ہاتھ اٹھتا ہے تو اٹھ جاتی ہیں شمشیریں

میں انکے گیت گاتا ہوں، میں انکے گیت گاتا ہوں

وہ مفلس جنکی آنکھوں میں ہے پرتو قہر یزداں کا — نظر سے جنکی چہرہ زرد پڑ جاتا ہے سلطاں کا

میں انکے گیت گاتا ہوں، میں انکے گیت گاتا ہوں

وہ دہقاں جنکے خرمن میں ہیں پنہاں بجلیاں اپنی — لہو سے ظالموں کے سینچتے ہیں کھیتیاں اپنی

میں انکے گیت گاتا ہوں، میں انکے گیت گاتا ہوں

وہ محنت کش جو اپنے بازوؤں پر ناز کرتے ہیں — وہ جنکی قوتوں سے دیو استبداد ڈرتے ہیں

میں انکے گیت گاتا ہوں، میں انکے گیت گاتا ہوں

کچل سکتے ہیں جو مزدور زر کے آستانوں کو — جو جل کر آگ دے دیتے ہیں جنگی کارخانوں کو

میں انکے گیت گاتا ہوں، میں انکے گیت گاتا ہوں

جھلس سکتے ہیں جو شعلوں سے کفر و دیں کی بستی کو — جو لعنت جانتے ہیں ملک میں فرقہ پرستی کو

میں انکے گیت گاتا ہوں، میں انکے گیت گاتا ہوں

وطن کے نوجوانوں میں نئے جذبے جگاؤں گا — میں انکے گیت گاؤں گا میں انکے گیت گاؤں گا

میں انکے گیت گاتا ہوں، میں انکے گیت گاتا ہوں

**مزدور پارٹی کی ابتدا** روسی مزدور پارٹی کا بنیادی پتھر ۱۸۸۳ء میں روس سے بھاگے ہوئے چند انقلاب پسندوں نے رکھا۔ جنمیں سے پلے خانوف۔ پال اکسیل راڈ۔ ویرا زاسولچ کے نام قابل ذکر ہیں۔ اس کا نام "مزدوروں کو آزادی دلانے والی انجمن" رکھا گیا۔ اس انجمن کی طرف سے ۱۸۸۹ء میں پلے خانوف "دوسری انٹرنیشنل" کی پہلی کانگرس میں شریک ہوا۔ وہاں ایک تقریر میں جو مشہور ہوگئی۔ روسی مزدوروں کا ان الفاظ میں تعارف کرایا "روسی انقلاب کی تحریک اگر کامیاب ہوسکتی ہے تو صرف روسی مزدوروں کی تحریک بنکر ہو سکتی ہے اسکے سوا کوئی دوسری صورت ہے اور نہ نکل سکتی ہے۔"

**سوشلزم کا مطالعہ** اس زمانے میں جگہ جگہ مارکسیوں کی جماعتیں بن گئیں۔ لینن نے پہلی بار ۱۸۸۸ء میں مارکس کی کتابوں کا کوکشکینوں کا میں مطالعہ کیا۔ وہاں اس کا زیادہ وقت مارکس کی کتاب "کیپیٹال" (سرمایہ) کے مطالعہ میں صرف ہوتا تھا۔ پھر وہ قازان کی ایک جماعت میں شریک ہوگیا۔

جو فی ڈوسی یوف نے قائم کی تھی پھر ۱۸۹۳ء میں پیٹرز برگ واپس آکر سمارا میں تعلیم یافتہ نوجوانوں کی ایک مارکسی انجمن بنائی۔ یہاں سے اس کے علمی کارناموں کا آغاز ہوتا ہے، اس انجمن کے جلسوں میں، اس نے کسانی سوشلزمی جماعت پر تنقیدی مضامین پڑھے۔ ان میں سے ایک مضمون آجتک محفوظ ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ اسوقت بھی لینن کے معلومات کیسے گہرے اور ٹھیک ٹھیک تھے۔ یہی چیز اسکے تصانیف کی نمایاں خصوصیت رہی۔ اور اسی نے سیاسی معاملات میں اسکو صحیح النظر بنا دیا۔

**عملی کام کی ابتدا** سمارا اور قازان کی مارکسی انجمنیں آنے والی جدوجہد کی تیاریاں ہی تھیں۔ ان سے خیالات اور معلومات ضرور پختہ ہوگئے۔ مگر زیادہ کچھ نہ ہوسکا۔ کیونکہ ان شہروں میں مزدور بہت کم تھے۔ جب ۱۸۹۳ء میں لینن پیٹرز برگ آیا۔ اور وہاں کے مزدوروں سے ملا تو پھر رفتہ رفتہ انقلابی جدوجہد کا جوشیلا کارکن بن گیا۔

# تیسرا درجہ

### از ایم، ایف، باسو

کبھی کبھی اتفاقات بھی عجیب ہوا کرتے ہیں اور ایسی باتیں ایک جگہ جمع ہو جاتی ہیں کہ انسان یہ سمجھنے لگتا ہے کہ یہ سب ایک دوسرے سے متعلق ہیں، جیسے میں آپ کو بتلاؤں کہ کانگریسی وزارت، بارش کا اس سال بہترین موقع سے ہونا، برانچ لائنوں سے فرسٹ، سکنڈ اور تھرڈ کلاسوں کا نکل جانا۔ اب آپ بتلائیے کہ ان میں بظاہر کیا تعلق ہے۔ لیکن میں آپ کو بتلاؤں کہ جب حکومت کی نیت اچھی ہو گورنمنٹ ایماندار ہو۔ تو خدا بھی برکتیں نازل کرتا ہے۔ اچھے سامان و اسباب بھی فراہم ہو جاتے ہیں۔ میں اسی دسہرہ کی چھٹیوں میں جونپور سے الہ آباد جانے کے لئے ٹکٹ لے رہا تھا چھٹی ہوئی تھی، مجمع بہت تھا۔ اور تیسرے درجہ کے لوگ بھی تھے۔ اس لئے لڑائی بھی تھی کشمکش بھی اور ایک دوسرے سے پہلے ٹکٹ بھی حاصل کرنا چاہتے تھے۔ کھڑکی تو تنگ ہوتی ہی ہے۔ صرف دو ہاتھ اندر جا سکتے ہیں۔ لیکن اسمیں تو تین پھنس گئے تھے اور مٹھیاں بند تھیں ایک نکالنا چاہتا ہے دوسرے روکے ہوئے ہیں۔ اب فیصلہ کیجئے کہ کیا کچھ نہ ہو جائے گا۔ جبکہ گاڑی کا وقت بہت تنگ ہو۔ ابھی ہم اسی کشمکش میں تھے کہ ایک اردلی، ایک سپاہی ایک خاکی سوٹ پہنے ہوئے معمر آدمی (چہرہ سے خشکی اور عونت ٹپکتی تھی) تشریف لائے۔ پاس ہی اونچے درجہ والوں کے لئے بھی ٹکٹ لینے کی جگہ ہے صاحب بولے کہ فرسٹ کلاس کا ٹکٹ لاؤ۔

ٹکٹ بابو:- فرسٹ کلاس نہیں ہے صاحب:- اچھا تو سکینڈ کا سہی۔

بابو:- یہ بھی نہیں ہے۔ صاحب یہ کیا بات ہے؟ تو پھر انٹر ہی کا لاؤ۔

بابو:- یہ بھی نہیں ہے تینوں درجے برانچ لائینوں سے نکال دئے گئے ہیں صاحب- ہائیں یہ کیا بات، کیا تو اب ہم لوگ تیسرے درجہ میں چلیں گے یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ بابو:- جناب آپ کی خوشی جیسا چاہئے مگر مجبوری ہے

تیسرے درجہ والے بھی کھڑے یہ باتیں سن رہے تھے۔ ان میں کچھ بعض مسکرا رہے تھے بعض متحیر تھے ان میں سے کچھ صاحب کو پہچانتے بھی تھے کہ کوئی جج صاحب ہیں وہ کھڑے تھے اور سوچ رہے تھے اردلی کہہ رہا تھا کہ حضور کیا حکم ہے سامان گاڑی پر رکھوا آدوں؟

جج صاحب:- تو کیا کریں گے جانا ہی ہے چلو!

انکی باتیں اور صورت دیکھ کر ہمیں دلچسپی پیدا ہوئی اور سوچا کہ اعلیٰ کے ڈبہ میں بیٹھیں گے کہ دیکھیں کیسے چلتے ہیں یہ لوگ۔ ہم بھی ٹکٹ لیکر ان کے ساتھ ساتھ چلے سب آہستگی سے چل رہے تھے جیسے کوئی مغموم چل رہا ہو۔ گاڑی کے پاس پہونچے آنکھوں نے پھر ایک بار نرم و گداز گدے والے ڈبے کی جستجو کی لیکن یہاں کیا تھا؛ یہاں تو وہی صرف تین لکھا ہوا درجہ تھا بلا گدوں کے تختے تھے میلے کچیلے قلی اور مزدور ان کے بیمار و ناتواں اور نحیف۔ جیسے ایک درجہ میں سامان رکھا گیا۔ لیکن ناپسند ہوا اس لئے کہ بہت سے لوگ تھے یہ جو سے بھالے انسان، سول لائینوں میں رہنے والے آدمیوں سے وحشت کھاتے ہیں۔ بھلا اتنے آدمیوں میں کیسے بیٹھ سکتے تھے ایک پندار تو لوٹ چکا تھا کہ ادنیٰ قسم کے درجہ میں بیٹھنا پڑا لیکن ابھی شکست کی آواز باقی تھی اس لئے سب سے الگ درجہ میں سامان رکھوا یا بڑی کراہت ناپسندیدگی اور گھبرائی ہوئی آنکھوں سے چاروں جانب دیکھا اور بیٹھ گئے۔ پہونچانے والوں کی باتیں سنئے جنمیں کتنی خوشامد اور کتنی چاپلوسی ہے "یہ کتنی واہیات بات ہے اتنے بڑے لوگ اور تیسرے درجہ میں چلیں۔ کیا کلکٹر صاحب بھی اس میں چلیں گے"۔ "کیا حاکم لوگ بھی قلی کباڑیوں کے ساتھ سفر کیا کریں گے؟ اسکی تو رپورٹ کرنی چاہیے"۔ غرض وہ سب ایسی باتیں کر رہے تھے اور جج صاحب چپ چاپ اور متفکر تھے جلدی ہی گاڑی روانہ ہوئی اسٹیشنوں پر رکتی ہوئی گذری چلی جا رہی تھی کہ ایک اسٹیشن کے بہت سے مسافر ہمارے ہی درجہ میں

آ نے جنہیں دیہاتی بھی تھے اور سفید پوش بھی جج صاحب کی سیٹ پر ان کے
قریب ایک شخص بیٹھ گیا۔ بولے کہ یہاں نہ بیٹھو دیکھتے نہیں کہ ہم بیٹھے ہیں
مٹھو میاں سے نہ پہلے تو وہ خاموش رہا مگر انکا انداز تحکمانہ بڑھتا ہی جا رہا تھا
کہ تم لوگ کتنے گندے اور کیسے میلے ہوتے ہو۔ پہلے تو وہ آہستگی سے جواب
دے رہا تھا پھر بولا ہاں جی ہم غریب اور بھوکے ہیں تو کیا۔ مگر ہیں تو آدمی ہی
اور پھر تم نے بھی ٹکٹ لیا ہے اور ہم نے بھی پھر کیوں نہ بیٹھیں تم بھی بیٹھو ہم بھی۔
ایک جج اور اسکے لئے یہ سخت جواب، وہ لوگ جو کبھی چھوٹے لوگوں سے آپ
نہ کرتے ہوں اور کریں بھی تو سوائے خوشامد اور عاجزی کے کوئی دوسرا
جواب نہیں وہ جج جو ہمیشہ عدالت کی اونچی کرسی پر بیٹھ کر فیصلے کیا کرتا ہو
اور پھر کلب میں اپنے ہمسر سے بیٹھ کر گپیں اور تفریحیں کرتا ہو۔ اچھا کھاتا ہو اور
اچھا پہنتا ہو، بھوک کی تکلیف اور غریبی کی لذت سے جسکو کبھی سابقہ نہ پڑا ہو
نرم و گداز موٹر کے گدوں اور اونچے درجوں میں بیٹھ کر سفر کیا کرتا ہو تو بتلائیے
یہ بات اوسکے لئے کتنی ایذا رساں اور کتنی دردناک ہوگی۔
یہ لوگ ہندوستان کے غریب اور بھوکے لوگوں کی تکالیف کیا جانیں

یہ تو دور سے اون کے لاغر نحیف اور نیم عریاں جسم کو دیکھتے ہیں اور گذر جاتے
ہیں یہ ہندوستان کے آنے والے انقلاب سے بے خبر ہیں یا رہنا چاہتے
ہیں ابھی تو کہتے ہیں۔ کیا ہم تیسرے درجہ میں سفر کریں۔ تیسرے درجہ والے
جب انقلاب کی پکار کے آگے دوڑیں گے اور جب اوسکی ہنگامہ آفریں صدا
پر جاگیں گے تو یہی اونکو حقارت سے دیکھنے والے یہی ذلیل سمجھنے والے
ان کے رحم و کرم کے محتاج ہوں گے یہ ہندوستانی مگر ہندوستانیوں سے
نفرت کرنے والے یہ غریبوں کی کمائی سے بڑی بڑی تنخواہیں پانے والے
یہ الگ تھلگ رہنے والے جب کسی عام مجمع میں پہونچتے ہیں اور انکی آزاد باتیں
اور کھری کھری باتیں سنتے ہیں تو ان کو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دماغ پراگندہ
ہو جائے گا اور طبیعت ان کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہے۔
درجہ والے باتیں کر رہے تھے تنقیدیں ہو رہی تھیں۔ بیڑی پی جا رہی تھی
بیمار و ناتواں بچے ماؤں سے لپٹے ہوئے تھے جج صاحب کھڑکی سے باہر بھاگتے
ہوئے درخت اور لہلہاتے ہوئے کھیت دیکھ رہے تھے اور ہم ان کو۔
ایم۔ الیف۔ باسو۔ جو بتور۔

# آل انڈیا کانگریس کمیٹی کا جنرنامہ

## وزیر ہند کا بھولا پن

وزیر ہند۔ لارڈ زیٹلینڈ نے ۱۶ نومبر کو آکسفورڈ مجلس میں تقریر کی۔ انہوں نے
کہا کہ ڈر ہے کہ ساری دنیا میں ڈکٹیٹر آجائیں گے جو کسی نہ کسی دن دنیا کو
لڑائی میں دھکیل دینگے۔ انھوں نے امید ظاہر کی کہ اس خطرے کا
مقابلہ کرنے میں برطانیہ اور ہندوستان ایک دوسرے کا ساتھ دینگے
انکو تعجب تھا کہ ہندوستان کے بعض قومی لیڈر منتظر ہیں کہ برطانیہ کسی بڑی لڑائی
میں پھنس جائے تاکہ وہ برطانیہ سے اپنا رشتہ توڑ لیں۔
پچھلی جنگ عظیم میں بھی ان ہی اصولوں کو لیکر برطانیہ جنگ میں شامل
ہوئی تھی۔ اسیطرح ڈکٹیٹروں کا خوف دلاکر ہندوستانیوں کی مدد حاصل کی
تھی۔ لیکن اب بیس سال کے تجربے نے ہمکو کافی سبق دیا ہے۔ اور آج
صرف لیڈر ہی نہیں بلکہ ہماری ساری قومی تحریک کی بنیاد یہی ہے کہ ہم آئندہ
کسی جنگ میں سلطنت برطانیہ کو کسی قسم کی امداد نہیں دینگے
لارڈ زیٹلینڈ کو ہندوستان کے لیڈروں کی اس سامراج دشمن
حرکت پر حیرت ہے اور ہمیں لارڈ صاحب کے اس بھولے پن پر تعجب!

## فیڈریشن

ہندوستان مورخہ ۱۴ نومبر میں ہمنے پنڈت جواہر لال نہرو کا بیان شائع کیا تھا کہ برطانیہ اجمیر میرواڑہ کے
علاقے اودے پور اور جودھپور کی ریاستوں کو بطور رشوت کے دے رہی ہے
تاکہ وہ آسانی سے فیڈریشن قبول کریں اور جن لوگوں نے اس کو ناپسند کیا
ہے انکے اوپر طرح طرح کے مظالم کئے جارہے ہیں۔
پنڈت جی کے اس بیان سے حکومت اور اس کے طرفدار پریس میں
طرح طرح کی چہ میگوئیاں ہونے لگیں حال ہی میں ایک سرکاری بیان
شائع ہوا ہے جس میں پنڈت جی کے بیان کی تردید کرنے کی کوشش
کی گئی ہے تاہم یہ بیان اقرار کرتا ہے کہ اجمیر میواڑ کا علاقہ برطانوی ہند
کا حصہ تو نہیں ہے لیکن اب تک وہ محض انتظامی امور کیلئے برطانوی ہند کے
ماتحت تھا۔ ظاہر ہے کہ یہ علاقہ انتظامی وجوہات سے ریاستوں کو واپس
کیا جا رہا ہے۔ اور کہا جاتا ہے کہ اس بات کو منتقل کرنا، نہ کہ یہ واقعات
کی خلاف ورزی اور قانونی غلطی ہے۔

---

کلکتہ کے اجلاس میں بھی آل انڈیا کانگریس کمیٹی نے ریاست میسور کی
استبدادی پالیسی پر اپنی رائے ظاہر کی تھی اور برطانوی ہند و نیز دیسی ریاستوں
کے باشندوں سے اپیل کی تھی کہ وہ میسور کے لوگوں کی ہر ممکن طریقہ سے
مدد کریں۔ اس پر بعض حلقوں سے اعتراضات بھی کیے گئے خصوصاً مہاتما گاندھی
کے خیال میں یہ ریاستوں میں کانگریس کی غیر جانبدارانہ روایات کے
بالکل خلاف ہے۔
ہندوستان کے ایک تہائی رقبے اور ایک چوتھائی آبادی پر والیان
ملک قابض ہیں ایک طرف برطانوی سامراج ملک کے اتنے بڑے حصہ کے
انتظام کی پریشانیوں سے بچ گئی ہے دوسری طرف اسکو پورا بھروسہ ہے کہ
امن کا موقع ہو یا لڑائی کا یہ والیان ملک بے دل سے اسکی مدد کریں گے
چنانچہ اسکی تجویز ہے کہ انکو فیڈریشن میں داخل کیا جائے اور مرکزی اسمبلی کے
۳۷۵ نمائندوں میں ۱۲۵ یعنی ایک تہائی ریاستوں کے نامزد نمائندے ہوں
اور مرکزی کونسل میں ریاستوں کے نمائندوں کی تعداد ۲۶۰ میں سے ۱۰۴
یعنی چالیس فیصدی رکھی جائے۔ ساتھ ہی ساتھ واضح رہے کہ فیڈرل
یا مرکزی حکومت کی تین چوتھائی سے بھی زیادہ آمدنی پر گورنر جنرل کو
پورا اختیار ہوگا اور مرکزی قانون ساز مجالس کو اسمیں دخل نہ ہوگا فوج
کے خرچ، سول سروس کے آدمیوں کی تنخواہوں اور پنشنوں اور ملک
کے قومی قرضہ پر گورنر جنرل کا پورا پورا تسلط رہے گا۔
اس فیڈریشن کے متعلق آل انڈیا کانگریس کمیٹی نے یہ تجویز منظور
کی ہے۔" فیڈریشن کو قائم کرنے کے لئے حکومت برطانیہ کی طرف سے جو

اعلانات ہوئے ہیں آل انڈیا کانگریس کمیٹی ان کے خلاف ایک بار پھر بڑی نفرت کا اظہار کر چکی ہے۔ اور اپنے ارادوں کو دہرانی ہے کہ فیڈریشن کو روکنے کے لئے ہر ممکن طریقہ اختیار کیا جائے گا۔ ہندوستانی قوم کی مرضی کے خلاف فیڈریشن کو قائم کرنے کی کوشش کرنا عام ہندوستانیوں کو ایک طرح کا چیلنج دینا ہے۔ اس لئے یہ کمیٹی صوبجاتی اور مقامی کانگریس کمیٹیوں سے عوام سے اور صوبجاتی وزارتوں سے مطالبہ کرتی ہے کہ وہ فیڈریشن کے قیام کو روکیں اس سے ہندوستان کو سخت نقصان ہوگا اس لئے کہ اسکا مقصد ملک میں سامراج کی غلامی اور رجعت پسندی کے قبضہ کو اور زیادہ مضبوط بنانا ہے۔ کمیٹی کی ۔۔۔ سے ہے کہ صوبجاتی حکومتیں اسمبلیوں میں فیڈریشن کے خلاف تجاویز پاس کریں اور حکومت برطانیہ پر زور دیں کہ وہ انکے صوبوں میں فیڈریشن کو قائم کرنے کی کوشش نہ کرے۔

مسٹر سانی نے ۔۔۔ میں ترمیم پیش کی کہ اسکو روکنے کا ۔۔۔ یہی طریقہ ہو سکتا ہے کہ لوگ اپنے اپنے صوبوں میں قانون توڑ کر دیں۔ لیکن یہ تجویز بکثرت رائے سے مسترد ہو گئی بحث کا جواب دیتے ہوئے مولانا ابوالکلام نے کہا کہ ممکن ہے کہ یہ بھی روکنے کا ایک طریقہ ہو لیکن ابھی سے کوئی خاص طریقہ مقرر کرنا۔ نادانی ہو گی۔

# خبریں

## ہمارے صدر

۱۱ر نومبر۔ امروہہ۔ رات کو پنڈت جواہر لال نہرو نے، مولانا بشیر احمد کی حمایت میں جو کانگریس کی طرف سے مرادآباد کے شمالی مغربی مسلم حلقہ سے چھوٹے الکشن میں کھڑے ہوئے ہیں تقریر کی اس میں کہا۔

آج کل آپ لوگ الکشن کے جھگڑوں میں پھنسے ہیں یہ کچھ دنوں کے بعد ختم ہو جائیگا۔ لیکن وہ روح جو کانگریس میں بسی ہوئی ہے، اور جو کروڑوں بے زبان انسانوں کے درد دکھ کی ترجمانی کرتی ہے نہیں بھلائی جا سکتی۔ ہم لوگ آگے بڑھ رہے ہیں اور ملک نے اس کے لئے بڑی بڑی قربانیاں کیں۔ ہندستان فاقہ زدہ ہے۔ قدرت کی فیاضیوں پر بھی یہ حالت ہے کہ یہاں کی حد سے زیادہ غریبی کا اندازہ ہی نہیں ہو سکتا جب تک اس کا مقابلہ ان ملکوں سے نہ کریں جہاں یہاں سے کم پیدا ہوتا ہے۔ اپنے ملک کی آزادی کے لئے تمام فرقوں کو مل جانا چاہئے۔ کانگریس کے دروازے ان لوگوں کے لئے کھلے ہوئے ہیں جو ملک کو آزاد کرانا چاہتے ہیں۔ ہم یہ چاہتے ہیں کہ کانگریس کو سچی قومی پنچایت بنا دیں۔ کانگریسی راج کے معنی ہیں ہندستانی سوراج نہ کہ کسی ایک فرقہ کا راج۔ کانگریس کی سیاسی جماعت۔ غریبی، بھوک اور بیکاری کے خلاف لڑ رہی ہے۔ اور قوم کی حالت کو سدھارنا اس کا مقصد ہے۔ ان لوگوں سے معترض نہ رکھو جو واقعات کو دوسری طرح دیکھتے ہیں۔

---

۲۲ر نومبر۔ مرادآباد۔ صدر کانگریس نے۔ امروہہ سنبھل، نور پور اور ۔۔۔ کے چھوٹے الکشن کے سلسلہ میں مضافات کی خاص خاص جگہوں کا دورہ کیا ہر جگہ ان کا استقبال بہت جوش سے کیا گیا جلسوں میں مجمع بہت زیادہ تھا۔ انھوں نے پبلک سے التجا کی کہ مولانا بشیر احمد (کانگریسی) کو ووٹ دیں جو مسٹر اختر حسین (مسلم لیگی) کے مقابل میں کھڑے ہوئے ہیں۔ مسٹر اختر حسین ایک

بہت بڑے تعلقدار ہیں۔

پنڈت جواہر لال نہرو نے اس بات کو خوب صاف کر دیا کہ کانگریس میں اقلیتوں کے حقوق ہر طرح محفوظ ہیں۔

## کانگریس کی مقبولیت

امسال صوبہ پنجاب میں کانگریس کے ممبروں کی تعداد ایک لاکھ ۲۸ ہزار ۸ سو ۵۵ تک پہنچ گئی۔ جس میں سے ۹۴ ہزار ۷ سو ۲۷ دیہی علاقوں کے ہیں اور ۳۴ ہزار ۱۳۸ شہروں کے۔ گذشتہ سال پنجاب میں کل ۲۰ ہزار آدمی کانگریس کے ممبر تھے۔

آل انڈیا کانگریس کمیٹی کی خبر ہے کہ اس سال کے ممبروں کی تعداد ۳۱ لاکھ ۳۴ ہزار ۱ سو ۹۴ ہے۔ صوبہ سرحد اور برما سے ابھی اطلاع نہیں آئی ہے پچھلے سال کل تعداد ۶ لاکھ ۳۶ ہزار ایک سو ۳۱ تھی۔

## سپاسناموں پر بیجا خرچ

آنریبل مسز وجے لکشمی پنڈت وزیر لوکل سیلف گورنمنٹ صوبہ متحدہ نے ذیل کا بیان دیا ہے

میں عرصہ سے افسوس کے ساتھ دیکھ رہی ہوں کہ مختلف لوگ اور پبلک جماعتیں میرے استقبال پر بڑی بڑی رقمیں خرچ کرتے ہیں۔ ان دعوتوں سپاسناموں اور تحفوں کا جن کی مجھپر اس طرح بارش کی گئی شکریہ ادا کرتی ہوں لیکن میری رائے میں جبکہ ہمارا ملک غریبی اور مالی مشکلات میں گرفتار ہے کسی ایک آدمی کے استقبال کے لئے اتنا خرچ کرنا ٹھیک نہیں۔ بجائے دعوتوں اور سپاسناموں کے میں محبت اور خوشی کا اظہار حکومت کی پالیسی کے مطابق عمل کرنے اور اس طرح اس کی طاقت میں اضافہ کرنے سے بھی ہو سکتا ہے اور یہ طریقہ بہتر ہوگا کیونکہ یوں ہم اپنا مقصد آسانی سے حاصل کر سکیں گے۔

ان واقعات کو سامنے رکھتے ہوئے ان دوستوں اور جماعتوں سے جو مجھے بلانے کے خواہشمند ہیں میں درخواست کروں گی کہ ایسے بیجا اخراجات سے بچیں۔ جو رقم استقبال اور سپاسناموں پر خرچ کرنا چاہتے ہیں وہ مہربانی کر کے کسی خیراتی کام میں خرچ کریں یا ایسے اداروں کو بھیجیں جن کو مالی امداد کی ضرورت ہو۔ اس طرح بہت سے مقامی محکموں کی امداد کی جا سکتی ہے اور اس کو میں اپنی عزت افزائی خیال کروں گی مقامی بورڈ کے سپاسناموں کے متعلق میری خواہش ہے کہ وہ معمولی کاغذ پر چھپائے جایا کریں اور ان کو کسی کشتی وغیرہ میں رکھکر پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہے جو روپیہ اس کے لئے منظور کیا جاتا ہے وہ عوام کے فائدے کے دوسرے کاموں پر خرچ کیا جائے۔

## کانگریسی مسلمان کافر ہیں

۱۴ر نومبر کو مظفر پور کے مسلمانوں کا ایک جلسہ ہوا، جس کی صدارت مولوی نذیر احمد صاحب نے کی تقریباً دو سو کا مجمع تھا۔ مولوی عبدالغنی نے دیر تک تقریر کی مسلمانوں کو لیگ کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو جانے کی دعوت دی اور جا بجا مسلم لیگ کی شاخیں قائم کر دینے کی خواہش کی

مولوی نذیر احمد صاحب نے دوران تقریر میں مولانا ابوالکلام آزاد کا تذکرہ کیا اور کہا کہ وہ تمام لوگ جو کانگریس میں شریک ہیں کافر ہیں۔ انھوں نے جمعیتہ العلماء پر بھی لعنت بھیجی۔ کہنے لگے کہ کانگریس مسلمانوں کا کام پورا نہیں کر سکتی۔ اس لئے مسلمانوں کو مسلم لیگ میں شریک ہو جانا چاہئے۔ مولوی نذیر احمد صاحب کی تقریر ایسی تھی جس پر مسلمانوں کی

ایک جماعت ناراض ہوگئی اور تقریباً ستر مسلمان حکیم شکور، حکیم ریاض اور مولانا بہاؤالدین کے ساتھ جلسہ چھوڑ کر چلے آئے۔

## ریاستی دنیا

جودھپور دربار سے ایک فرمان نکلا ہے جس میں جودھپور راج پر جامنڈل جودھپور سول لبرٹیز یونین غیر قانونی قرار دیدی گئی ہیں، اور ناڑھواڑ میں ان کی شاخیں بھی غیر قانونی قرار دیدی گئی ہیں۔ جودھپور پرجامنڈل کے صدر مسٹر اچلیشور پرشاد شرما کو ۲ نومبر کو گرفتار کرلیا گیا تھا۔ اور اب بالوترا میں ان پر مقدمہ چل رہا ہے۔ مسٹر شرما نے عدالتی کارروائی میں کوئی حصہ نہیں لیا کیونکہ ریاست نے وکیل کرنے میں انکی مدد کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ انکو دوسرے ملزموں کی طرح رکھا جا رہا ہے اور ریاست انکے لئے تین آنے یومیہ سے زیادہ خرچ کرنے کے لئے تیار نہیں، انکو حوالات میں کوئی اخبار وغیرہ بھی نہیں ملتا

یاد ہوگا کہ کچھ عرصہ ہوا جب پنڈت جواہرلال نے کہا تھا کہ حکومت برطانیہ جودھپور اور اودے پور کی ریاستوں کو اجمیر ماڑواڑ کا کچھ علاقہ بطور رشوت کے دینے والی ہے تاکہ وہ فیڈریشن کو منظور کرلیں اسپر اس کی تردید میں پریس میں حکومت اور ریاستوں کی طرف سے بیانات شائع ہوئے ہیں، اسی سلسلہ میں ماڑواڑ کی انتقال دشمن کمیٹی نے اجمیر سے ایک بیان شائع کیا ہے جسکا خلاصہ یہ ہے۔

"ماڑواڑ کا ایک حصہ جسکا رقبہ ۱۰۲ مربع میل ہے اور جس میں ۱۱۰ گاؤں آباد ہیں ۱۸۱۸ء اور ۱۸۴۲ء کے درمیان میں حکومت برطانیہ کے قبضہ میں آگیا تھا۔ اور برطانوی حکام اسکو جودھپور اور اودے پور کی ملکیت سمجھکر ان سے انتظامی اخراجات لیا کرتے تھے۔ لیکن اس پہاڑی علاقہ کے بہادر لوگ کبھی بھی کسی ریاست کے ماتحت نہیں رہے، تاریخ بتاتی ہے کہ برطانیہ کی آمد سے پہلے بھی یہ علاقہ ہمیشہ آزاد اور خودمختار رہا تھا۔ لہٰذا اب اسکو ریاستوں کے حوالہ کر دینا ایمانداری کے خلاف ہوگا،

اسکے علاوہ اس علاقہ کے لوگوں کو ڈسٹرکٹ بورڈ اور مرکزی اسمبلی کے انتخابات میں رائے دینے کا حق حاصل ہے اور فوجی بورڈ میں بھی انکا نمائندہ جاتا ہے غرضکہ انکو وہ تمام حقوق حاصل ہیں جو اس برطانوی صوبہ کے دیگر باشندوں کو ہیں، اس طرح وہ برطانوی ہند کا حصہ ہے اور رجعت پسند ریاستوں کے قبضے میں نہیں دیا جا سکتا۔

اس علاقہ پر جودھپور اور اودے پور کا دعویٰ بالکل ایسا ہے جیساکہ مغل بادشاہوں کے ورثا کا دعویٰ برطانوی ہند پر

جب کمیٹی کے کارکن اس علاقہ میں گئے تو لوگوں نے ان سے کہا کہ وہ لوگ کسی حالت میں بھی ان ریاستوں کی محکومیت قبول کرنے کو تیار نہیں۔ اور اگر اس مسئلہ پر رائے لی جائے تو ایک شخص بھی نہ ہوگا جو بخوشی اس کی طرفداری کرے "

## ہندستان کی برطانوی فوج

سلطنت برطانیہ نے ہندوستان کی فوج کو جدید مشینوں سے مسلح کرنے کے لئے ۶ لاکھ پونڈ (تقریباً ۹۰ لاکھ روپیہ) منظور کئے ہیں یہ رقم پہلی اپریل سے تین سال تک سالانہ قسطوں میں فوج پر خرچ ہوگی۔ لیکن خیال ہے کہ اس کام کو پورا ہوتے ہوتے پانچ سال لگ جائیں گے۔ امید کی جاتی ہے کہ اگلی برسات تک برطانوی سواروں کی ۵ پلٹنوں میں سے ۴ کو ٹینک مل جائینگے۔ اس رقم میں سے چار دستے مشین گنوں سے مسلح کئے جائیں گے۔ اور اس میں ایک سال لگے گا ابھی تک ہندوستانی پلٹنوں کی بابت اس قسم کی کوئی تجویز نہیں پیش کی گئی۔ لیکن کہا جاتا ہے کہ اسپر بھی غور کیا جا چکا ہے۔ ہندوستان اور برطانیہ دونوں جگہ فوجی حلقوں میں اس خبر پر اظہار مسرت کیا جا رہا ہے لیکن سوار پلٹنوں کے بعض افسروں کو یہ تبدیلی پسند نہیں کیونکہ وہ گھوڑوں کو زیادہ پسند کرتے ہیں مگر بحیثیت مجموعی انگریزی فوج کا خیال ہے کہ فوجی ترقی کیلئے یہ تبدیلی ناگزیر ہے۔

## خطابات

آل انڈیا کانگریس کمیٹی نے تمام کانگریسی وزارتوں کو ہدایت کی ہے کہ وہ اعلان کر دیں کہ آئندہ انکے صوبے کے لوگوں کو کوئی خطاب یا اعزازی لقب نہیں دیا جائے گا اور ملک معظم کو بھی آگاہ کر دیں کہ انکے صوبوں سے آئندہ خطاب یا لقب کیلئے کسی شخص کی سفارش نہیں کی جائے گی۔

## آل انڈیا کانگریس کمیٹی اور وزارتیں

آل انڈیا کانگریس کمیٹی نے ذیل کی تجویز ورکنگ کمیٹی کے پاس بھیجی ہے کہ وہ اس پر غور کرکے ضروری کارروائی کرے۔

"آل انڈیا کانگریس کمیٹی سیاسی قیدیوں اور نظربندوں کی رہائی کے سلسلہ میں کانگریسی وزارتوں کے رویہ کا خیر مقدم کرتی ہے لیکن اسکے خیال میں ابھی بعض کانگریسی صوبوں میں بہت سے سیاسی قیدی موجود ہیں اور پابندیوں کے قوانین اور بغیر مقدمہ کے نظربند رکھنے کے قوانین ابھی تک بند نہیں کئے گئے ہیں۔ کمیٹی کو شکایت ہے کہ بعض کانگریسی وزارتوں نے جارحانہ قوانین مثلاً دفعہ ۱۲۴-الف اور دفعہ ۱۴۴ کا بھی استعمال کیا ہے۔

آل انڈیا کانگریس کمیٹی وزارتوں سے خواہش کرتی ہے کہ وہ کانگریس کے انتخابی اعلان کے مطابق تمام سیاسی قیدیوں کو فوراً اور غیر مشروط طور پر چھوڑ دیں اور جارحانہ قوانین کو بند کرنے کیلئے ضروری کارروائی کریں۔"

## جاپان کے کرتوت

جاپانی فوج کے کمانڈر نے شنگھائی کی بین الاقوامی آبادی کی انگریزی اور امریکن میونسپلٹیوں کی کمیٹیوں کو، اور فرانسیسی قنصل کو ایک تحریر بھیجی ہے۔ جسکی عبارت ذرا گول گول ہے۔ مطلب یہ سمجھ میں آتا ہے کہ بین الاقوامی آبادی پر جاپان کے دانت ہیں، اس تحریر نے ان تینوں حکومتوں کو پریشان کر دیا۔ کیونکہ امیدیں تو یہ تھیں کہ جاپان سارا چین فتح کرلیگا۔ مگر ان طاقتوں کے حقوق سے چھیڑ نہیں کریگا۔

برسلز کانفرنس کا جواب معلوم ہوتا ہے، جاپانی اخباروں نے اس کانفرنس پر سخت ناراضگی کا اظہار کیا۔ اور صاف صاف کہا کہ کسی قوم کو یہ حق نہیں ہے کہ چین و جاپان کے معاملہ میں دخل اندازی کرے اور جاپانیوں نے جلسے کئے جن میں انگریزوں کے بائیکاٹ کی اسکیم پاس کی۔

قابل فروخت

# اطلاعنامہ بنام اشخاص دربارہ پیش کرنے اپنے دعوی کے حسب دفعہ ۱۱- ایکٹ - جائداد ہائے مقروضہ ممالک متحدہ ایکٹ ۲۵ - سنہ ۱۹۳۴ء

بعدالت جناب بابو سیٹھ - بندو بھوشن بیرجی اسپشل جج صاحب بلو گونڈہ درجہ دوم بمقام گونڈہ

مقدمہ نمبری نمبر ۲۵۲ سنہ ۱۹۳۶ء

عبدالواحدخاں ولد یادر علیخان قوم پٹھان پیشہ زمینداری ساکن موضع گور ہوال پور پرگنہ و تحصیل اترولہ ضلع گونڈہ قرضدار سائل

بنام

الہ یار وغیرہ قرضخواہ فریق ثانی

چونکہ عبدالواحدخاں ولد یاور علی خاں ساکن گور رسوال پور ضلع گونڈہ نے ایک درخواست حسب دفعہ ۴ - ایکٹ جائداد ہائے مقروضہ پیش کی ہے اور چونکہ جائداد جس کی تفصیل فہرست ہائے منسلکہ میں درج ہے درخواست دہندہ نے حسب دفعہ ۸ یا فریق ثانی نے حسب دفعہ ۱۰ - ایکٹ سائل مذکور کی جائداد ظاہر کی ہے۔

لہٰذا حسب دفعہ ۱۱ (۱) ایکٹ مذکور تم کو اطلاع دیجاتی ہے کہ اگر جائداد مذکور کے متعلق تم کوئی دعوی رکھتے ہو تو گزٹ ممالک متحدہ میں اس اشتہار کے شائع ہونیکی تاریخ سے تین ماہ کے اندر ایک درخواست عدالت ہذا میں اصالتاً یا بذریعہ مختار پیش کرو۔

مہر عدالت

فہرست ہائے جائداد پیش کردہ قرضدار حسب تفصیل مندرجہ دفعہ ۸ و پیش کردہ قرضخواہ حسب تفصیل مندرجہ دفعہ ۱۰ - ایکٹ جائداد ہائے مقروضہ ممالک متحدہ

فہرست (الف)

قرضدار کے حقوق مالکانہ متعلقہ آراضی

| نمبر سلسلہ وار | ضلع | نام جائداد | موضع مع نمبر پرگنہ و حال | [illegible] | [illegible] | [illegible] |
|---|---|---|---|---|---|---|
| ۱ | گونڈہ | حقیت تعدادی کھاتہ ... | گور پرگنہ اترولہ ضلع گونڈہ | ،، | دسل - اکڑ ۱۵ — ۱۴ | [illegible] |
| | | | | | ۲۹½ — ۲۴ | [illegible] |
| ۲ | ،، | ،، کھاتہ ... | موضع گور پرگنہ و تحصیل اترولہ ضلع گونڈہ | | ۲۹½ — ۲۴ | [illegible] |
| ۳ | ،، | ،، کھاتہ ... | ،، ،، | | ۶۸ — ۸ | [illegible] |
| ۴ | ،، | ،، کھاتہ ۱۲ | ،، ،، | ،، | بگہی دسل - اکڑ ۴۴ — ... | [illegible] |
| ۵ | ،، | حقیت تختہ داری کھاتہ ... | ،، ،، | ،، | دسل - اکڑ ۱۳ | ۴ / ۶ |
| ۶ | ،، | ،، کھاتہ ... | ،، ،، | ،، | ۹۳ — ۷ | ۱۲/ |
| ۷ | ،، | حقیت زمینداری | موضع اناپار | ،، | رقبہ حصہ ۱/۰ بہہ ۱ کس | |

| | | |
|---|---|---|
| ہہتیر پا ضلع اترولہ ضلع گونڈہ | بگہی — ایکڑ ۲۰۸ — ۱۴۰ ایکڑ | ۱۰ر ۱۰ / ۵ |

۸- ایک قطعہ باغ مع کھاد رموضع گور رورہ رسوال پور پرگنہ و تحصیل اترولہ ضلع گونڈہ ۲۵ درختان

۹- ایک قطعہ باغ مع کھاد رموضع پہڑہ سورہ ہنی پرگنہ و تحصیل اترولہ ضلع گونڈہ

۲۵ درختان

۱۰- درختان متفرق از قسم شیشم وساکھو و مہوا دسل و برگد پیپر و کٹھل و اسنا و گمہم و کوکھی ہائے بانکس موقوعہ موضع گور پرگنہ اترولہ ضلع گونڈہ

۲۵۰ درختان

۱۱- جنگل ساکھو و اسنا موقوعہ موضع رسوال پور پرگنہ اترولہ ضلع گونڈہ

محدودہ ذیل پورب پچھم دکھن اتر

تالاب سرحد گور بنسا آراضی مزروعہ - موضع گور حا و آراضی مزروعہ

۱۲- ایک قطعہ مکان مسکونہ موقوعہ رسوال پور موضع گور پرگنہ اترولہ ضلع گونڈہ

محدودہ ذیل پورب پچھم دکھن اتر

مکان رگھوبیال مکان جعفر خاں مدرسہ گڑھا

۱۳- ڈگریات عدالت دیوانی منصفی اترولہ اڈیشنل سیول جج گونڈہ خلاف محمد جعفر خاں وغیرہ یافتنی سائل معہ سود و خرچہ مقدمہ تخمیناً الصلہ

۱۴- ٹھیکہ موضع بانسی کڑیلہ و فیروز پور از ریاست بلرام پور بحق سائل۔

فہرست (ب)

قرضدار کی جائداد جو باستثنائے حقوق مالکانہ متعلقہ آراضی حسب دفعہ ۶ ضابطہ دیوانی سنہ ۱۹۰۸ء قرق اور نیلام ہوسکتی ہے

| نمبر سلسلہ وار | نوعیت جائداد | دست حقیقت خواست دہند |
|---|---|---|
| بھینس ۲ راس | بیل ۴ راس | چارپائی ۴ عدد |

جائداد ظاہر کردہ فریق ثانیان

بیل گاڑی یکنرل اعلاد کرسی ۳ عدد پلنگ چوبی ۱۵ عدد -

گھوڑا ۱ راس دھان ۴۰۰ من خام گندم ۱۰۰ من خام

ارہر ۵ من خام چنا ۵۰ من خام مٹر ۱۰۰ من خام -

دھان جڑہن ۵۰۰ من خام چاول ۴۰۰ من خام دیگر غلہ ۲۰۰ من خام

بیل گاڑی ۳ راس بھینس ۲ راس

بحکم دستخط بخط انگریزی

مہر عدالت

# نرخنامہ اشتہارات

## اخبار ہندستان

| | باہر کا آخری صفحہ | اندر کے صفحے |
|---|---|---|
| پورا صفحہ | ۲۵ روپئے | ۲۰ روپئے |
| آدھا صفحہ | ۱۳ روپئے | ۱۱ روپئے |
| چوتھائی صفحہ | ۷ روپئے | ۶ روپئے |

مستقل اشتہار دینے والوں کے ساتھ رعایت۔ منیجر ہندستان ۶ نیپیئر روڈ لکھنؤ

ہندستان نیوز پیپرس لمیٹڈ کیطرف سے حیات اللہ انصاری ایڈیٹر و پبلیشر نے باہتمام گلزاری لال سکینہ سلطانیہ برقی پریس نظیر آباد لکھنؤ سے چھپوا کر ۶ نیپیئر روڈ لکھنؤ سے شائع کیا۔

جلد ۱ نمبر ۱۸ | لکھنؤ۔ ۵ دسمبر ۱۹۳۷ء عیسوی | فی پرچہ ۲ سالانہ ۳عہ

# بدنصیب چین

چین کی بدنصیبی ۱۸۴۰ء سے شروع ہوتی ہے جب کچھ یورپی سفید فام قوموں نے چین کو افیون کھانے پر مجبور کیا، اسکے بعد سے چین کی تمام نعمتوں پر یورپ کے سامراج کے دانت لگ گئے۔ ۱۸۴۰ء سے لیکر چینی انقلاب تک چین کی تاریخ یہی رہی ہے کہ اس کی آزادی اور آمدنی کے ذریعے رفتہ رفتہ گھٹتی رہیں۔ اسکے ذرائع آمدنی ایک ایک کرکے بیرونی طاقتوں کے ہاتھوں میں آتے گئے۔ چین کی تمام قسموں کی چنگیاں یورپی حکومتوں کے ہاتھوں میں تھیں، جو اس طرح سے ٹیکس لگاتے تھے کہ ان کی تجارت کو فائدہ پہونچے، اور چینی تجارت کو نقصان۔ ان حقوق کے چھیننے میں لڑائیاں ہوئی تھیں، جن میں چین ہارتا تھا اس لئے اس کو تاوان کی لمبی لمبی رقمیں ادا کرنا پڑیں۔ جو اس نے انھیں یورپی قوموں سے قرض لیکر ادا کیں، ٹکس اور چنگیوں سے جو تھوڑی بہت آمدنی ہو بھی جاتی تھی وہ اس بدنصیب ملک کو اس قرضہ کے سود میں دیدینا پڑتی۔ ان حکومتوں نے جائدادوں پر قبضہ کرلیا۔ [illegible] بنائیں، اور اپنے قبضہ میں رکھیں۔ جو روپیہ اندرونی معاملات پر خرچ ہوتا۔ اسکا بجٹ تیار کرنے میں بھی یورپی قوموں کے ایجنٹوں کی جو پیکنگ میں رہتے تھے منظوری ضروری ہوتی۔ حقیقت یہ ہے کہ تمام آمدنیاں اور تمام حقوق یورپی قوموں کے ہاتھ میں تھے۔ مگر ذمہ داریاں چینی حکومت کے سر۔

۱۹۱۱ء میں مانچو خاندان کی حکومت کے خاتمہ کے بعد، ڈاکٹر سن یات سین نے غیر قوموں کو نکالنے کی کوشش کی۔ اس نے کومنتانگ پارٹی تیار کی، جس کا مقصد یہ تھا کہ ایسے تمام سمجھوتوں، اور صلحناموں کو ختم کردے، جس سے غیر قوموں کا ناجائز فائدہ ہوتا ہو، اور چینیوں کا کم ٹیکسوں اور چنگیوں کو پردیسیوں کے ہاتھوں سے نکال لے۔ اور چینی حکومت کو اتنی آزادی دلائے کہ وہ ملک کا خاطرخواہ انتظام کرسکے۔

جنگ عظیم میں جب چین نے اتحادیوں سے [illegible] تو یہ امید بندھی تھی کہ ایسے سخت صلحناموں سے نجات مل جائے گی اور صلحنامہ پیرس کے موقع پر چینی نمائندے نے یہ خواہش کی کہ پرانے صلحناموں کو بدلا جائے، اور چینی حکومت کو صوبہ شانٹنگ، جو جرمنی کو ٹھیکہ پر دیا گیا تھا، واپس ملجائے۔ [illegible] تھا۔ [illegible] نے صلحنامہ کا نام لیکر کہا، کہ ان صلحناموں کو بدلنا ہمارے اختیار سے باہر ہے، جرمنی تو ہار چکا تھا، اسلئے شانٹنگ جاپان کے حوالہ کردیا گیا۔

چین کو لڑائی میں شریک ہونے کا انعام صفر ملا۔ بیچارہ کمزور تھا اسلئے رہ گیا۔ اور کمزور تھا اسلئے جب ڈاکوؤں میں آکر شریک ہوا تو اپنا حق نہ لے سکا۔

چین میں بغاوت کی آگ بھڑکنے لگی ۱۹۲۳ء میں سن یات سین نے امریکہ سے مدد کی التجا کی، امریکہ کیوں پرائی آگ میں جلتا، اس نے انکار کردیا۔ اس نے پھر برطانیہ سے اپیل کی۔ مگر برطانیہ، اور جاپان دوسرے پھیر میں تھے۔

برطانیہ نے اپنی [illegible] فوج کی مدد کی جو یانگ ٹسی پر قبضہ جما رہا تھا، جاپان نے موقع غنیمت دیکھا اور مانچوریا میں بغاوت اٹھائی، کومنتانگ نے سوویٹ روس سے مدد مانگی۔ روس نے مظلوم کی مدد کی۔ اور اس کی مدد سے کومنتانگ ایک زبردست جنگی طاقت بن گئی۔ اس کی ممبری کے دروازے مزدوروں اور کسانوں پر کھول دئے گئے۔ چینی فوجی افسروں کی تیاری کے لئے ایک فوجی کالج کھولا گیا۔ اور یہ امید ہوتی کہ جلد ہی چین کے پاس اچھی فوج ہو جائے گی ۱۹۲۵ء میں ڈاکٹر سن یات سین مرگئے۔ اور ساتھ ہی کومنتانگ پارٹی میں پھوٹ پڑگئی۔ ایک طرف تاجروں اور زمینداروں کی جماعت تھی، اور دوسری طرف مزدوروں اور کسانوں کی۔

چیانگ کائی شیک نے تاجروں اور زمینداروں کی سرداری کی، اور مزدوروں اور کسانوں کی پارٹی کو جو ابھی زور بھی نہ پکڑنے پائی تھی، بری طرح ختم کردیا۔ [illegible] کے جھنڈے کے نیچے کچھ لوگ جنوب کی طرف ہٹ آئے، اور کیانگسی میں [illegible] حکومت قائم کی۔

جیانگ کائی شیک نے قومی حکومت کے نام سے حکومت قائم کی جسکی راہنمائی ناممکن ہو
بنا یا، انکی حکومت نے مزدوروں اور کسانوں کو دبانے میں کوئی ظلم اٹھا نہیں رکھا۔ اس
طرح جیانگ کائی شیک کی حکومت بھی ایک طرح کی سامراجی رہی، اس نے زمینداروں
اور تاجروں کو فائدہ پہونچایا، ملکی صنعت کے لئے لڑے، مگر یہ کبھی نہیں گوارا کیا کہ
مزدور کسان اپنے ہاتھوں میں اختیارات لیں۔ یا منظم ہو کر کسی حق کے لئے لڑیں
آج اس رجعت پسندانہ پالیسی کا سخت خمیازہ بھگتنا پڑ رہا ہے، اگر آج حکومت
میں مزدوروں اور کسانوں کا دخل ہوتا، تو کبھی جاپان یوں دراندازیاں کرتا۔
گھستا نہ چلا آتا۔ اسوقت مزدوروں اور کسانوں کی جماعت کو یہ احساس ہوتا کہ
ہمارے یہ حقوق ہیں جو جاپانی سامراج چھیننا چاہتا ہے۔ اسوقت وہ اسی پامردی
سے اٹھتے جیسے روسی مزدور لڑے ہیں، اسوقت جبکہ سوویٹ روس پر ہر رخ سے
حملے کئے گئے تھے، اگر روس کے مزدوروں نے یورپ کی تہذیب یافتہ طاقتوں کو
مار بھگایا تھا، تو کیا چینی مزدوروں کی اتنی بڑی تعداد، ایک سامراجی طاقت سے
پیچھے نہیں ہٹا سکتی تھی، جیانگ کائی شیک نے اب مزدوروں اور کسانوں کی
جماعت کو ملانا چاہا، مگر جب وہ منظم ہی نہیں ہیں تو کیا بھلا ہو سکتا ہے۔
ہندستان کے رجعت پسندوں کو اس سے سبق لینا چاہئے۔ ہندستان پر بھی لڑائی
منڈلا رہی ہے، اور اگر یہاں کی مزدور اور کسان منظم ہو گئے تو یہاں کی سب جانوں
سے خطرہ ہے۔

## یوپی کے کانگرسی کابینہ کے کارنامے

اخباروں میں ایک بیان آیا ہے جس میں یوپی کابینہ کے چار مہینے کے
کارنامے بیان کئے گئے ہیں۔ بہتر ہے کہ ہم لوگ غور سے دیکھتے رہیں کہ ہماری وزارت
کیا کر رہی ہے اس کی ترقی کی رفتار مناسب ہے، یا اور تیز ہونا چاہئے۔
انجمنیں جو غیر قانونی قرار دی گئی تھیں، انکو آزادی دیدی گئی، اس ملک میں
الہ آباد، اور دوسری جگہوں کی بہت سی انجمنیں ہیں۔ کانگرس نے سیاسی قیدیوں پر
نظرثانی کی (۲۸۲) الفاظ کے ماتحت جتنے قیدی تھے انکو چھوڑ دیا۔ ۱۰۷ اور ۱۰۸
کے ماتحت جنکی ضمانتیں داخل تھیں وہ واپس کردی گئیں۔
پولیس کو ممانعت کردی گئی کہ وہ سیاسی حضرات کی نگرانی نہ کرے۔
پبلک جلسوں کی رپورٹ نہ لے، کسی طالب علم کو اسبات کا سارٹیفکٹ پیش کرنے
کی کوئی ضرورت نہیں رہی کہ اس نے سیاست میں کسی طرح کا حصہ نہیں لیا ہے، رشوت
کو مٹانے کی پوری کوشش ہو رہی ہے، پبلک کو اسکے خلاف لڑائی پر آمادہ کیا
گیا ہے۔ ایک خاص افسر اس کام کی نگرانی کے لئے رکھا گیا ہے۔
اخباروں اور اڈیٹروں کو اپنے خیالات ادا کرنے کی پوری آزادی دیدی گئی۔
ساتھ ہی ساتھ عدالتی نوٹس [illegible] اور سرکاری چھپائی کے معاملہ میں، کسی خاص
خیال کے اخباروں کے ساتھ رعایت نہیں کی جائے گی۔ اخباروں اور پریسوں سے
جو ضمانتیں لی گئی تھیں وہ واپس کردی گئیں۔ جو ضمانتیں فرقہ وارانہ ذہنیت
کے بچاؤ کے لئے باقی رکھی گئی ہیں۔
جیل میں تبدیلیوں کی ضرورت ہے، وہاں کی تربیت ایسی ہونا چاہئے کہ قیدی
اچھا شہری بنکر نکلے۔ اس غرض سے تعلیم کا انتظام کیا جائے گا۔ ایک سکیم بنائی گئی
ہے، جس سے قیدیوں کی تعداد بہت کم ہو جائے گی۔ اور ایک سوسائٹی بنائی
جائے گی۔ جو چھوٹے قیدیوں کے لئے روزگار مہیا کرے۔

کسانوں کی امداد کے لئے دو کمیٹیاں بنائی گئی ہیں۔ ایک اس بات پر غور
کرنے کے لئے کہ موجودہ لگان اور مالگذاری کے قوانین میں کیسی تبدیلیاں کی جائیں
جن سے کسانوں کی مصیبتیں کم ہوں۔ اس کمیٹی کے فیصلے تک کسانوں کے خلاف
بیدخلی اور بقایا لگان کے سب مقدمے روک دئے گئے ہیں۔ دوسری کمیٹی
[illegible] فصلی سے پہلے کے دیہی قرضوں کی حالت پر غور کرے گی، اور یہ بتائے
گی کہ اسکے مٹانے کے لئے کیا تدبیر اختیار کی جائے۔ جب تک اس کا فیصلہ ہو جائے
حکومت نے دیہی قرضوں کے مقدمے عدالت میں رکوا دئے ہیں۔ زمینداروں
کی یہ شکایت دور کرنے کے لئے کہ ان کو ۱۳۴۴ فصلی کا لگان نہیں وصول ہوا
ہے، حکومت کسانوں میں اس بات کا پروپیگنڈہ کر رہی ہے کہ وہ لوگ لگان
ادا کریں، حکومت نے ضلع افسروں کو ہدایت کردی ہے کہ جہاں اولے
گرے ہوں، یا فصل خراب ہو گئی ہو، وہاں تحصیل وصول کرنے میں سختی نہ کریں
مگر ایسے زمینداروں کے ساتھ حکومت رعایت نہیں کرسکتی جو خواہ مخواہ لگان ادا
نہ کئے ہوئے ہیں۔

دیہات سدھار کی اسکیم پر بڑی توجہ کی جا رہی ہے، اس محکمہ میں جو ملازم
ہوں گے انکو تنخواہ زیادہ نہیں دی جائے گی۔ بلکہ وہی لوگ رکھے جائیں گے جو
پبلک کاموں میں دلچسپی لیتے ہیں، اس غرض سے دیہاتوں کی سبھائیں بنائی
جائیں گی جن کی ممبری میں ذات پات، اور فرقہ کا کچھ خیال نہیں کیا جائے گا۔
ان لوگوں کا ایک پنچایت گھر ہوگا، جہاں گاؤں کے انتظام کے سب جھگڑے
چکائے جائیں گے [illegible] ان کاموں پر جو لوگ
ہوں گے وہ گرام سیوک کہے جائیں گے، یہ لوگ چھوٹی لڑکیوں کو تعلیم دینگے، اور [illegible]
لوگوں کی تعلیم والنٹیروں کے سپرد ہوگی، ایسی ہی ۵۰-۶۰ پنچایتوں کی ایک
یونین ہوگی جسکو دو تین ہزار روپیہ دیا جائے گا، تاکہ دیہاتوں کی سڑکیں، آب
رسانی، حفظان صحت، اور اسی قسم کی دوسری مفید اصلاحوں کا انتظام
کرے۔ ان تحصیل پنچایتوں سے ضلع پنچایت بنائی جائے گی جس کے ممبروں میں
ضلع کے حکام، اور اسمبلی کے نمائندے بھی ہوں گے۔

صنعت وحرفت کی ایسی اسکیمیں بنائی گئی ہیں، جن سے تعلیم یافتہ نوجوان
اور بیکار مزدور فائدہ اٹھاسکیں۔ جو نوجوان کسی صنعت میں مہارت حاصل
کریں گے ان کو کام شروع کرنے کے لئے کچھ رقم دی جائے گی، حکومت نے اس
غرض سے ایک لاکھ روپیہ رکھ لیا ہے۔ محکمہ صنعت وحرفت کو اب زیادہ رقم دی
گئی ہے تاکہ وہ صنعتی اداروں کی زیادہ مدد کرسکے۔ اور تجربہ گاہوں کی
مدد کرسکے، انکے لئے آلات مہیا کرے، تیار مال کے لئے بازار مہیا کرے۔ اور خاص
خاص صنعتوں، مثلاً تیل، چمڑا، گرہ، شیشہ کو گھریلو صنعت بنانے کی کوشش کرے۔

انتظامی معاملات میں دو خاص تجویزیں ہیں، ایک تو یہ کہ عدالت کو افسروں
کے ہاتھوں سے الگ کردیا جائے، اور دوسری تجویز آنریری مجسٹریٹوں اور
آنریری منصفوں کی اصلاحوں کے بارے میں ہیں۔

مزدوروں کا جھگڑا جو کانپور میں ہوا اس پر وزارت نے ادھر بہت
توجہ دی، مل کے مالکوں اور مزدوروں کے تعلقات بہت عرصہ سے خراب تھے،
وزیر اعظم اور وزیر صنعت نے کئی بار مزدور سبھاؤں کے کارکنوں سے، اور
مل کے مالکوں کے جلسے کئے۔ ۱۰ اور ۱۹ اگست کو ایک سمجھوتا ہوا، کابینہ نے بابو
راجندر پرشاد کی ماتحتی میں ایک جانچ کمیٹی مقرر کی، ایک مزدوروں کا افسر
مقرر کیا، جو انکی شکایات دور کرنے کی کوشش کرے۔

زراعت میں اصلاحات کی کوششیں ہو رہی ہیں، آب پاشی کے لئے نہریں تیار ہو رہی ہیں، اس کی مدد سے کاشتکاروں کی مالی حالت بہت سدھاری جاسکتی ہے، اچھے بیج، اچھے پودوں، اور اچھی کھاد کا بھی انتظام کیا جا رہا ہے، اور کاشتکاری کے سائنسی طریقوں کو رائج کیا جائیگا، اس غرض سے بجٹ میں ایک رقم مقرر کی گئی ہے، اسی سلسلہ میں پھلوں کی کاشت کی اصلاح اور مویشیوں کی نسل کی ترقی کی بھی کوشش کی جا رہی ہے۔ امداد باہمی کے طریقوں کو کاشتکاری، اور گھی کی تجارت میں چلانے کی اسکیم بنائی گئی ہے۔

دیہی لائبریریوں کیلئے بیس ہزار روپیہ رکھا گیا ہے۔ اور نیچی ذاتوں کی تعلیم کا بھی انتظام کیا گیا ہے۔

دیہاتوں میں کنووں کی تعمیر کے لئے ۳۵۰۰ میریا کی روک تھام کے لئے ۰۰۰،۱ روپیہ منظور کیا گیا ہے۔

دیہات جہاں پانی کے کنویں نہیں ہیں ۱۶۶۲ ہیں۔ جو منظور ہیں سے ہوتے ہیں، اگر پانچ روپیہ فی کنویں کا اوسط رکھا جائے تو سب خرچ ساڑھے آٹھ لاکھ روپیہ ہوتا ہے، انتظام کیا گیا ہے کہ یہ سب کام دو سال میں پورا کیا جائے۔

اسپتالوں کے لئے ایسا انتظام کیا جا رہا ہے کہ ہر دس میل کے حلقے کے اندر ایک اسپتال ضرور ہو جائے۔

میونسپلٹیوں اور دسٹرکٹ بورڈوں کی اصلاح کی کوشش ہو رہی ہے، انجمنوں اور کانگرس کمیٹیوں سے کہا گیا ہے کہ وہ اپنی اپنی تجویزیں کابینہ کے پاس بھیجیں، ہندستانی زبان کو اسمبلی کی سرکاری زبان بنانے کے لئے صدر اسمبلی نے فیصلہ کر دیا۔

کانگرسی وزارت کے یہ کارنامے معمولی نہیں ہیں۔ چار مہینوں کے اندر وہ کچھ ہو گیا جو برطانیہ پرست وزارتیں تیس سال میں بھی نہ کر سکی تھیں۔ لیکن جیسا کہ ہمارے وزیروں نے بار بار کہا ہے کہ ہمکو یہ نہ بھولنا چاہئے کہ ابھی سوراج نہیں ملا ہے سوراج کوسوں دور ہے، اسکے لئے ہمکو ابھی لڑنا ہے، اور سخت لڑائی لڑنی ہے۔ بیس سال کی ان تھکا دینے والی لڑائی کے بعد اگر قوم تھک نہ جاتی تو تعجب تھا۔ ہمارے ملک کو دم لینے کی ضرورت تھی۔ کام کرنے والوں کو ستانے کی ضرورت تھی اس لئے کانگرس نے بستی ملک کے نمائندوں نے وزارت قبول کر لی، بیٹھی آگے چلیں گے، دم لے کر۔

وزارت کے اختیارات بالکل محدود ہیں، اور ہندستان کے کاشتکاروں اور مزدوروں کی غریبی اور مصیبتیں بہت بڑی اور بہت پیچیدہ، اگر مصیبتیں گھٹ سکتی ہیں تو مصیبت زدہ جماعت کے اپنے ہاتھ سے، وہ اپنی تنظیم کرے اپنی سبھاؤں سے کانگرس کابینہ کی پشت پناہی کرے۔ اور رجعت پسند طاقتوں کو ستانے کی کوشش کرے، اس صورت میں ملک کی لڑائی انھیں جماعتوں کی طاقت بڑھائے گی، اور جو نئی زمین ہوگا وہ بھی انھیں جماعتوں کے ہاتھوں میں آجائے گا پھر کوئی طاقت واپس لے سکے گی۔ اور نہ چھین سکے گی، بہار کے کسانوں نے اپنی جماعت بندی سے کانگرس کو مضبوط کر دیا ہے، اسی کی ہر صوبہ میں ضرورت ہے

## آہ سر جگدیش چندر بوس

ساری دنیا میں مشہور سر جگدیش چندر بوس، دل کی حرکت بند ہو جانے سے انتقال کر گئے، دنیا کی متعدد یونیورسٹیاں، اور کالج اس غم میں بند کر دئے گئے۔ ان کی تعزیت کے تار دنیا کے ہر گوشے سے آئے۔

آپ ۱۸۵۸ء میں پیدا ہوئے، کلکتہ میں تعلیم پائی اور پھر لارڈ کلوں کی سفارش سے "انڈین ایجوکیشن سروس" میں جہاں کبھی ہندستانی نہیں جا سکتے تھے، لے لئے گئے۔ پنشن پانے کے بعد آپ نے "بوس تحقیقاتی ادارہ کلکتہ" قائم کیا۔ جس پر اپنی ساری کمائی خرچ کر دی۔

آپ کی خاص دریافت پودوں کے حساس عضلات اور مقناطیسی برقی کی لہریں ہیں، یہ ایسی دریافتیں ہیں جو علمی دنیا میں کبھی کسی زمانے میں بھلائی نہیں جا سکتیں۔

## زمینداروں کا جہاد

کچھ عرصہ ہوا بہار میں مہاراجہ دربھنگہ اور انکے دوستوں نے دھمکی دی تھی کہ اگر کانگرسی حکومت یا کسان اپھر ذرا بھی سختی کریں گے تو وہ بلا خوف و خطر ستیہ گرہ شروع کر دیں گے۔ انھوں نے عملاً بھی دکھا دیا کہ انکے نزدیک ستیہ گرہ کے معنی کیا ہیں چنانچہ موضع نشانی ضلع پٹنہ کی خبر ہے کہ وہاں زمینداروں نے کسانوں کے خلاف جہاد بول دیا جسمیں ایک کسان مر گیا اور بہت سے بری طرح زخمی ہوئے۔

زمینداروں کے اس جہاد سے پتہ چلتا ہے کہ اب وہ کھلم کھلا طبقاتی جنگ پر اتر آئے ہیں اور اپنے ظالمانہ حقوق کی حفاظت کے لئے ہر طرح قتل و غارت کرنے کو تیار ہیں! یہ کانگرس وزارت کو جو درحقیقت کسانوں کی جماعت ہے۔ زمینداروں کے خلاف قدم اٹھانا چاہئے، اور اس طبقاتی جنگ میں کسانوں کی کھلم کھلا مدد کرنا چاہئے۔

## مسلمانوں پر جہاد

۲۶ نومبر کو بعد نماز جمعہ مولانا سمیع اللہ اور مولانا عظمت اللہ جامع مسجد دہلی میں تقریر کر رہے تھے کہ بعض لیگیوں نے جلسہ میں گڑبڑ پیدا کرنے کی کوشش کی لیکن انہوں نے انکو مسجد سے باہر نکال دیا۔ اسکے بعد ۲۸ نومبر کو جبکہ مولانا سمیع اللہ اور مولانا عظمت اللہ جامع مسجد کے پاس سے گذر رہے تھے کچھ لیگیوں نے ان پر دھاوا بول دیا جس میں ان حضرات کے چوٹیں آگئیں۔

# چھوٹے الکشن

اب تک کونسل کی ممبری ایک اعزازی چیز تھی اور لوگ ممبر ہو گئے تو افسروں ... [illegible] ... ایک طرف چھوٹے لوگ دبنے لگے، اور دوسری طرف اپنے کام بننے لگے عوام ان باتوں کو دیکھتے تھے، اور سمجھتے تھے ... الکشن ... [illegible] ... کے سامنے یہ مقدمہ پیش ہوتا،

کہ ووٹ کس کو دیا جائے۔ تو وہ یوں غور کرتے کہ اس اعزاز کا یہ ممبر حقدار ہے یا وہ۔ انکے دل میں یہ آتا تک نہیں تھا کہ کسی کو ممبر بنانے سے اپنے درد دکھ میں کمی ہو سکتی ہے، اس لئے عموماً اسی کو ووٹ دیتے جس سے "تعلقات" ہوتے۔ الکشن کا تعلقات ہی خاص ہتھیار رہوتا، اور اسی کا دباؤ سخت پڑتا۔ آدمی کے آدمی سے تعلقات ہوتے ہیں تو سو طرح کے کام نکل آتے ہیں اور بچانے کتنے کاموں کا آسرا لگ جاتا ہے۔ مگر تعلقات کسی وجہ سے بگڑ جاتے ہیں تو ایک طرف تو بندھے ہوئے آسرے ٹوٹ جاتے ہیں، اور دوسری طرف جن لوگوں سے تعلقات سدھرے ہوتے ہیں وہ لوگ کھٹک جاتے ہیں۔ اس لئے ووٹ والا دیکھتا کہ امیدوار سے، یا امیدوار کے طرفدار سے کیسے تعلقات ہیں۔ انکے ٹوٹ جانے سے کتنا نقصان پہونچتا ہے۔ جیت اسی کی ہوتی جسکے تعلقات لوگوں سے زیادہ ہوتے۔ الکشن میں مذہبی ہتھیار بھی چلتا تھا، مسلمانوں کے الکشن میں یہ فقرے بہت کام کرتے کہ فلاں شخص تو شیعہ ہے۔ یا وہابی ہے، یا ملحد ہے، اور ان سے ان لوگوں میں خاصا کام ہو جاتا جو تعلقات کی زد میں نہیں آتے تھے۔

مسلم لیگ ابھی تک انھیں ہتھیاروں سے کام لے رہی ہے، تعلقات، اور اسکے بعد مذہب، تعلقات پر اب بھروسا نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ دوسری طرف سے بھی استعمال ہی کئے جائینگے اس لئے مسلم لیگ زیادہ زور دیتی ہے مذہب پر۔ وہ کہتی ہے کہ کانگرس میں جانے سے اسلام مٹ جائیگا۔ کانگرسی سب کافر ہیں۔ کانگرسی مسلمانوں کی بخشائش نہیں ہو گی وغیرہ وغیرہ کانگرسی علما نے ان باتوں کا جواب یوں دیا کہ سب فتوے غلط ہیں، انھوں نے سمجھایا کہ الکشن کا مطلب ہے کسی ایسے آدمی کو چننا جو عوام کے درد دکھ کو اسمبلی میں پیش کرے اور ایسے قانون بنوائے جس سے عوام کی بیکاری اور تنگدستی دور ہو۔ ایسے قانون کیسے ہوں گے اسکے لئے کانگرس اپنا پروگرام پیش کرتی ہے۔ گویا کانگرس کو وہی شخص ووٹ دیگا جو مذہبی دلدل سے نکل آیا ہو، اپنے درد دکھ، اور اسکے علاج پر غور کر چکا ہو۔

مسٹر جناح نے لکھنؤ اجلاس کے خطبۂ صدارت میں کہا تھا کہ "غریبی اور بیکاری کی باتیں کرکے یہاں کمیونزم اور سوشلزم پھیلانا ہے، جس کے لئے ابھی ملک کسی طرح تیار نہیں" اسی طرح جناح بلکہ دوسرے ذمہ دار لیگیوں نے اس بات کا مذاق اڑایا کہ موجودہ لڑائی روٹی کی لڑائی ہے۔ وہ بار بار اسی بات پر زور دیتے ہیں کہ خالص مذہبی لڑائی ہے، کبھی مسلمان کو صبر و قناعت کی تلقین کرتے ہیں، کبھی غریبی کی مدح و ثنا، کبھی تو یہاں تک کہہ جاتے ہیں کہ غریبی اور امیری کی تفریق، خدا کی بنائی ہوئی ہے۔

ایسی باتیں صرف پیٹ بھرا آدمی کر سکتا ہے، اور صرف بھرے پیٹ والا کر سکتا ہے؟

جہاں وہ روز مرہ کی مصیبتوں اور الجھنوں سے دو چار ہوتا ہے ورنہ اوسط طبقہ والوں کی زندگی ایسی ہے جو ان لفظوں کو دھو ڈالتی ہے۔ آجکل سردی کا زمانہ ہے، کتنے رہنے والے مسلمان ایسے ہوں گے جنکے پاس، اور جنکے بال بچوں کے پاس اتنے کپڑے ہیں جو انکو سردی سے بچا سکیں، اور کون ایسے ماں باپ ہوں گے جنکے دلوں میں یہ تمنا تک نہ ہو کہ میرے بچے سردی میں نہ ٹھٹھریں، اسی طرح ہزاروں ضرورتیں ہوتی ہیں جو چاروں طرف جھانکتی رہتی ہیں، مثلاً بہن بیمار ہے۔ لڑکے کی پڑھائی کا کوئی انتظام نہیں ہو رہا ہے۔ مہاجن پچھلے قرضہ کا تقاضا کر رہا ہے، برسات میں مکان کے گر جانے کا اندیشہ ہے۔

بہت سی ایسی ضرورتیں ہوتی ہیں جنکو موجودہ نظام کی تباہ حالیوں میں ہم ضرورت ہی نہیں سمجھتے، مگر جو ملک پر بہت گہرا اثر ڈالتی ہیں، بچہ کھلونا اور مٹھائی مانگتا ہے، بیوی کے دل میں زیور کی تمنا ہے، لڑکا ورنا کیولر اسکول میں نہیں بلکہ انگریزی اسکول میں پڑھنا چاہتا ہے، یہ خواہشیں دلوں میں گھٹتی رہتی ہیں، اور رفتہ رفتہ انسان کی طبیعت کو ہمیشہ کے لئے "بے ہمت" بنا دیتی ہیں، اگر یہ خواہشیں حوصلہ مندوں میں گھٹتی ہیں تو انھیں چور، ڈاکو، اور دہشت پسند بنا دیتی ہیں۔

یہ مصیبتیں اکثر بڑھتے بڑھتے بہت بھیانک شکل لے لیتی ہیں، جیسے ایک طرف بہن بیمار ہے، اور دوسری طرف لڑکا، روپیہ صرف اتنا ہے کہ ایک ہی کے علاج پر خرچ کیا جائے، سو میں ننانوے ایسے ہوں گے جو ایسے موقع پر لڑکے کی جان کو ترجیح دیں گے کیوں؟ صرف اس لئے کہ لڑکا جو بڑا کمائے گا، اس سے امید ہیں، یہ بھی ایک طرح کا اقتصادی پروگرام ہے۔

بھائیوں بھائیوں میں لڑائیاں ہوتی ہیں، آپس کی قرابتیں چھوٹ جاتی ہیں باپ بیٹے میں جدائی ہو جاتی ہے، اگر ان کی وجہوں پر غور کیجئے، تو یہی نکلتا ہے کہ ایک سے دوسرے کی ضرورتیں ٹکرا جاتی ہیں۔

زندگی کاٹنے کے لئے کچھ اسباب کی ضرورت ہوتی ہے، اور وہ بلا روپیہ کے نہیں ملتے۔

مسلم لیگ کے یہ فقرے کہ "روٹی کے لئے لڑتے نہیں کتے" لوگ سن لیتے ہیں صرف اس لئے کہ انکو ابھی تک اس بات کا احساس بھی نہیں کہ ہماری مصیبتیں کم ہو سکتی ہیں، اور اس کے لئے سیاسی اور اقتصادی پروگرام لڑنا چاہئے۔ جھانسی، بجنور، مراد آباد، سہارنپور، اور بلند شہر کے چھوٹے الکشن خاص کام یہی کر رہے ہیں کہ مسلمانوں کی ایک خاص تعداد کے دلوں میں یہ خیال بھر رہے ہیں کہ ہماری تکلیفیں ہیں، اور انکے دور کرنے کی صرف ایک صورت ہے، وہ یہ کہ کانگرس میں شریک ہو جائیں، ان مصیبتوں کے دور کرنے کا یہ پروگرام نہیں ہو سکتا کہ ہندو مسلمان سے لڑے، یا مسلمان ہندو سے۔ بلکہ صرف ایک یہ پروگرام ہو سکتا ہے کہ غریب ہندو، اور غریب مسلمان ملکر اس جماعت سے لڑیں جو دولت کی مالک بنی بیٹھی ہے، یعنی کارخانہ داروں سے زمینداروں سے یہی ہے اقتصادی پروگرام۔ اور جو ادارہ اسکو چلا رہا ہے اسی کا نام ہے کانگرس۔

جو لوگ کانگرس کو ووٹ دیتے ہیں وہ اپنی مفلسی اور مفلسی سے اٹھنے والی مصیبتوں پر غور کر چکے ہوتے ہیں، اور اس کا مقابلہ کرنے کو تیار ہو چکے ہیں، کہیں چالیس فیصدی، کہیں اسی فیصدی غریب مسلمان کانگرس کے پروگرام کو لیکر لڑنے کے لئے آمادہ ہو گئے ہیں۔

ہمیں اس طاقت کو دیکھنا چاہئے جس جماعت کو ہم نے فرقہ پرستوں کے پنجوں سے لڑکر نکال لیا ہے، اسکو اپنے ہی ہاتھوں میں رکھنا چاہئے، یہ کام ہے مسلمان عوام کی طاپ کمیٹی کا، اگر یہ کمیٹی الکشن کے بعد ہی یہ کام شروع کر دے کہ غریبوں کی موٹی موٹی اقتصادی ضرورتوں کو لیکر سمجھائیں بتائے، اور ان حقوق کے چھیننے کی کوشش کرے جو ایک چھوٹی سی جماعت نے غریبوں کے ہاتھوں سے لے لئے ہیں تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ایک بہت بڑی جماعت کو اپنی ضرورتوں کا احساس ہو جائیگا اور یہ عملاً سمجھ جائیں گی کہ ان ضرورتوں کے لئے لڑنے میں، کون ہمارے دوست ہیں اور کون دشمن۔ اور اسکے لئے لڑنے کا صرف ایک ڈھنگ ہو سکتا ہے، اور وہ وہی ہے جو کانگرس کا ہے۔

ابھی ہم ان کو ضرورتوں کا احساس دلا دیتے ہیں، اسکا حل سمجھا دیتے ہیں۔ مگر لڑائی انکے ہاتھوں میں نہیں دیتے ہیں۔ طریقہ کار انکے ذہنوں میں وضع کیا جاتا ہے۔ جب سمجھائیں بتاکر، لڑائی انکے ہاتھوں میں دیدیں گے۔ تو پھر وہ لوگ ہمیشہ کے لئے فرقہ پرستوں کے ہاتھوں سے نکل جائیں گے

ابھی مسلم لیگ کے ذمہ دار ممبر ہمکو دھمکی دیتے ہیں کہ اگر ہمارے مسلم لیگ کے ممبروں کو وزیر نہیں بنایا تو ہندو مسلم فساد ہو جائیگا۔ اگر پہلے سے پیش بندی نہیں کی تو یہ اندیشہ ہے، اور پیش بندی کی صرف ایک ہی صورت ہے، وہ یہ کہ ادھر کسی جگہ کا الکشن ختم ہو، اور ادھر مسلم ماس کنٹیکٹ کمیٹی وہاں کے ہندوستانی عوام کو انکی اقتصادی ضرورتوں پر منظم کرنا شروع کر دے۔

# تشدد کا سوال

سجاد ظہیر

تشدد کا مسئلہ بار بار ہمارے سامنے مختلف طریقوں سے آتا ہے۔ عام طور سے لوگ اس مسئلہ کو دو صورتوں میں ہمارے سامنے پیش کرتے ہیں۔ ایک تو یوں کہ تشدد کا استعمال اخلاقی نقطۂ نظر سے کیسا ہے، اور دوسرے یوں کہ ہندستان کی موجودہ حالت میں آزادی حاصل کرنے کیلئے تشدد کرنا مناسب ہے یا نہیں۔ ہمارے ملک میں گاندھی جی کی سرکردگی میں سیاسی کارکنوں کا ایک گروہ ہر قسم کے تشدد کو اخلاقی حیثیت سے ایک گری ہوئی چیز خیال کرتا ہے۔ ان لوگوں کا خیال ہے کہ عدم تشدد یا اہنسا دھرم کا بلند ترین اصول ہے۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ خیال، گفتگو، اور عمل تینوں سے تشدد کو بالکل نکال دینا چاہئے۔ انسان کے لئے نجات کا اسکے علاوہ اور کوئی راستہ نہیں، اگر وہ اس اصول پر عمل نہیں کرتا تو وہ پاپی ہے، گنہگار ہے۔ پنڈت جواہرلال نہرو غالباً عدم تشدد کے اس نظریہ کے قائل نہیں۔ لیکن تھوڑے دن ہوئے جو بیان انھوں نے دہلی میں دیا، اس میں انکے اس قول میں "میں تشدد کو ایک ذلیل چیز سمجھتا ہوں" گاندھی جی کے عدم تشدد کے فلسفہ کی جھلک معلوم ہوتی ہے

عدم تشدد کے اس نظریہ میں خاص بات سمجھنے کی یہ ہے کہ اسکی رو سے عدم تشدد خود ایک مقصد ہو جاتا ہے، کسی دوسرے مقصد کو حل کرنے یا نہ کرنے سے اس کا کوئی خاص تعلق نہیں۔ یعنی فرض کیجئے اگر ہندستان کی آزادی کیلئے تشدد کرنے کا سوال پیدا ہو تو گاندھی جی یا انکے چیلے کہیں گے کہ وہ کبھی بھی اس تشدد میں حصہ نہیں لے سکتے۔ چونکہ وہ ہر صورت میں تشدد کو گناہ سمجھتے ہیں ایسی حالت میں وہ اگر تشدد کریں تو ان کی ذاتی نجات اور دوسری دنیا یا دوسرے جنم میں خطرے میں پڑ جائے گی۔ ایک طرح سے یہ کہنا صحیح ہوگا کہ اس ذہنیت کے لوگوں کے لئے اپنی ذاتی نجات کا تصور ہر دوسرے مقصد سے بلند تر ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ لوگ سماجی بہبودی کو انسان کی روحانی، شخصی، اور ذاتی بہبودی سے علیحدہ نہیں پاتے، اس لئے انکے لئے ایسی کوئی صورت ہی پیدا ہی نہیں ہوسکتی، جبکہ وہ تشدد کو سماج کیلئے مناسب سمجھیں۔

انھیں اصولوں کے ماتحت مہاتما گاندھی نے ستیہ گرہ کی تحریک اور اپنی لڑائی کو چلانے کی کوشش کی۔ گاندھی جی کا عقیدہ ہے کہ تمام یا اکثر ہندستانی انکے اصولوں پر چلنے لگیں تو انکے طریقوں سے ہندستان مکمل آزادی حاصل کرسکتا ہے۔ تین بار ان کی سرکردگی میں بڑی بڑی تحریکوں کے چلنے کے بعد اور جب بھی سوراج نہ حاصل ہونے سے وہ یہ نتیجہ نہیں نکالتے کہ ان کے نظریہ میں کوئی غلطی ہے، یا انکے جنگ کرنے کے طریقے میں کسی قسم کی خامی ہے، وہ ناکامیابی کا الزام ملک پر رکھتے ہیں جو انکی باتوں کو اچھی طرح نہیں سمجھا اور جس نے ان کی باتوں پر پوری طرح عمل نہیں کیا۔

دوسرا گروہ تشدد کو اخلاقی حیثیت سے برا نہیں سمجھتا لیکن ہندستان کی موجودہ حالت کو دیکھتے ہوئے وہ اس نتیجے پر پہنچا ہے کہ گاندھی جی کے جنگ کرنے کا طریقہ ہمارے لئے مناسب ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم نہتے ہیں، ہمارے پاس ہتھیار نہیں، اگر ہم تشدد کریں گے بھی تو برطانوی شہنشاہیت کے ہاتھ اتنے مضبوط و مسلح ہیں کہ وہ بیدردی کے ساتھ ہمیں کچل کر رکھ دے گی جسکا نتیجہ یہ ہوگا کہ ہماری آزادی کی تحریک کو زبردست دھکا لگے گا اور وہ برسوں کے لئے کمزور ہو جائے گی۔ غرض کہ یہ لوگ بھی گاندھی جی کے آزادی حاصل کرنے کے طریقے کے پیرو ہو جاتے ہیں اور جہاں تک عملی باتوں کا تعلق ہے ان میں اور مہاتما جی کے سچے چیلوں میں کوئی خاص فرق باقی نہیں رہتا۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے۔ اور یہ ایک بنیادی سوال ہے کہ تشدد ہے کیا چیز، اور ہمارے سماج میں تشدد کا سب سے زیادہ کس جانب استعمال ہوتا ہے؟ میرے خیال میں تشدد کا عام مفہوم یہ ہے کہ کسی شخص یا جماعت کے ساتھ اس قسم کے فعل کا ارتکاب ہونا جس سے اسے فوراً کوئی جسمانی اذیت پہونچے۔

اب اگر ہم موجودہ سماج پر نظر ڈالیں تو ہم پاتے ہیں کہ تشدد کا سب سے منظم استعمال سلطنت کیجانب سے ہوتا ہے، اور سلطنت نام ہے ایک طبقہ کی دوسرے طبقہ کے اوپر حکومت کا، وہ ایک ایسا ہتھیار ہے جسکے ذریعہ سے ایک طبقہ دوسرے طبقہ کو دباتا ہے۔ اسکے ذریعہ سے سماج میں ہمیشہ جاری رہنے والی طبقہ وارانہ جنگ یعنی، جو مختلف طبقوں کے متضاد اقتصادی مفاد کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے، کچھ حد تک دبائی جاتی ہے۔ یہی فوجوں، پولیس، دفتر شاہی، اور جیل خانوں کے ذریعہ سے سلطنت ( ) محکوم طبقے کو دبا کر رکھتی ہے۔ وہ اس قسم کے قانون نافذ کرتی ہے جسکی مدد سے وہ مظلوموں کو جبر کی زنجیروں میں جکڑ سکے۔ اگر اسکے بنائے ہوئے قوانین کے خلاف کوئی شخص یا کوئی گروہ بغاوت کرتا ہے تو سلطنت کا منظم تشدد اسے فوراً پیس ڈالنے کی کوشش کرتا ہے۔ مثلاً ہندستان کو لے لیجئے۔ آج اس ملک پر برطانوی سرمایہ داروں کا تسلط ہے۔ اس ملک کا کانسٹی ٹیوشن چاہے جس صورت میں بھی برطانوی پارلیمنٹ ہمارے سامنے پیش کرے، ہم پائیں گے کہ اپنے تجارتی اور دیگر مالی تحفظ کے لئے انگریزی سامراج کے آہنی پنجے بالکل طور پر ہندستان کا گلا گھونٹتے رہیں گے۔ اگر ہندستانی قومیت کی بڑھتی ہوئی طاقت انگریزی سرمایہ داری کے ان مفاد پر ہلکی سی نظر بھی ڈالے تو شہنشاہی طاقت فوراً حرکت میں آتی ہے اور انسانیت و انصاف کے تمام اصولوں کو پیروں سے نیچے روند کر اپنے اقتدار کے جھنڈے کو انسانی کھوپڑیوں کے ڈھیر پر گاڑ دینے سے باز نہیں رہتی جس اطمینان کے ساتھ سرحد کے گاؤں پر ہوائی جہاز سے آتشیں گولے برسائے جاتے ہیں، جس بے تکلفی کے ساتھ نہتے اور پر امن ہندستانی جلوسوں پر گولیاں چلائی جاتی ہیں، جس بیباکی کے ساتھ گذشتہ سول نافرمانی کے موقعہ پر ہزاروں لاکھوں باشندوں پر جن میں بچے، بوڑھے اور عورتیں شامل تھیں ڈنڈے بازی ہوئی اور جیلوں میں انکے ساتھ وحشیانہ سلوک کیا گیا، اسے ہم کبھی بھول نہیں سکتے، اور مہوں ہیں، کیسے؟ آج بھی ملک میں وہی نظام قائم ہے جس کے سر [illegible] لکھے ہوئے جرموں کا الزام ہے۔ اور آج بھی ملک کے کسی نہ کسی گوشہ سے اسی قسم کی حرکتیں سرزد ہونے کی خبریں ہمارے کانوں تک آ رہی ہیں، بنگال کے جوٹ مل کے مزدور جب ہڑتال کرتے ہیں تو ان پر گولی چلتی ہے، دو بچے ایک دس برس کا ایک بارہ برس کا زخمی ہوتا ہے، مزدوروں کے جلوس پر لاٹھیاں برستی ہیں۔ کانگرسی وزارت کے بعد غریبوں کے دلوں میں نئی امیدیں اور ولولے جوش مارتے ہیں، لوگ سمجھتے ہیں کہ سوراج مل گیا، لیکن چند ہی مہینے بعد لاٹھیاں، گولیاں، مار پیٹ مزدوروں پر

برستے ہیں، وہی سرمایہ دار، وہی پولیس، اور وہی سامراج، اور وہی نچوڑ بھی، مہ اس سے ننگے اور بھوکے مزدور، دیہاتوں میں حالت کچھ زیادہ بہتر نہیں ہزاروں کی تعداد میں کاشتکار جو کسی کہلاتے ہیں (جنکے شاید یہ معنی ہیں کہ انکے پیٹ کا سوال سب سے زیادہ تکلیف دہ ہے!) تعلقداروں اور زمینداروں کے غنڈوں اور بدمعاشوں کے ہاتھوں زبردستی اپنے کھیتوں سے بیدخل کئے جا رہے ہیں، وہ پیٹے بھی جاتے ہیں، انکے ہرے بھرے کھیتوں پر زبردستی ہل چلوا دیا جاتا ہے اور انکے لئے بسر کرنے کی کوئی صورت باقی نہیں رہ جاتی۔

شہنشاہیت، سرمایہ داری اور جاگیرداری نظام کا تشدد تو آج ہماری آنکھوں کے سامنے ہو رہا ہے۔

ہندستان کے باہر سامراج شاہی کی عریاں دہشت انگیزی اور خون آشامی کا مرقعہ آج چین اور اسپین میں بھی ملتا ہے۔

چین کے لوگ پرامن طریقے سے اپنے ملک میں رہنا چاہتے ہیں انھوں نے جاپان پر حملے کرنے کے بالکل کوئی منصوبے نہیں بنائے تھے، لیکن جاپان ایک آفت ناگہانی کی طرح بے قصور چین پر ٹوٹ پڑا اور قتل، غارتگری اور آتش زدگی کا بازار گرم کر دیا۔

اور آج اگر ہم دنیا پر بحیثیت مجموعی ایک نظر ڈالیں تو ہم پائیں گے کہ دنیا کے تمام سرمایہ دار ممالک ایک ایسی ہولناک جنگ عظیم کی تیاری میں مصروف ہیں جو ممکن ہے کہ تمام تر انسانیت کو خون کی ندی میں نہلائے اور اتنی زیادہ تباہی اور بربادی کا باعث ہو کہ تہذیب و تمدن کی بنیادیں تک ہل جائیں۔

حاکم طبقوں کے جبر و ظلم و تشدد کی مثالیں ہم نے دیکھ لیں، ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ دنیا کے مظلوم جب کبھی اس تشدد کے خلاف کوئی جد وجہد شروع کرتے ہیں، جب کبھی وہ یہ کوشش کرتے ہیں کہ اس نظام کو بدل لیں جسکی بنیاد ذاتی منافع، لگان، مالگذاری اور سود کی حصول یابی پر ہے اور جو انسان کو منافع کی منڈی میں رکھ کر اپنے کو بیچنے پر مجبور کرتا ہے، تو پھر حاکم طبقے اپنے ہی بنائے ہوئے قانون اور انصاف کے اصول کو بالائے طاق رکھ کر محکوم پر وحشیانہ تشدد کے استعمال کرنے سے باز نہیں رہتے۔

تو پھر سب سے بڑا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ دنیا کے مظلوم، مزدور، کسان اور دوسرے چھوٹی حیثیت کے لوگ کس طریقے سے اس نظام کو بدلیں جسکے خمیر میں جبر و تشدد ملا ہوا ہے، اور جو بغیر جبر و تشدد کے اب دنیا میں ایک دن بھی قائم نہیں رہ سکتا۔

تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ کوئی حاکم طبقہ اپنی جگہ سے کبھی بھی خود بخود نہیں ہٹا، ایک وقت ایسا آتا ہے کہ آگے بڑھنے والے، سماج کو ترقی دینے والے، سماج کو ترقی کی طرف لے جانے والے طبقے جنکو تشدد کی زنجیروں سے جکڑ دینے کی کوشش کی جاتی ہے یکایک زنجیروں کو توڑ دیتے ہیں، اور محکوم ہونے کے بجائے حاکم بن جاتے ہیں، حکومت کی باگ ڈور بالکل نئے ہاتھوں میں آجاتی ہے، اسی تبدیلی کو انقلاب کہتے ہیں۔ تاریخ ہمیں یہ بھی بتاتی ہے کہ سماج میں اس قسم کی بنیادی تبدیلی سخت جد وجہد کے کا نتیجہ ہوتی ہے، ایسی جد وجہد جس میں تشدد سے کام لیا جاتا ہے۔ انقلاب فرانس اور انقلاب روس، اسکی زبردست مثالیں ہیں۔

اور آج بھی ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ اسپین کی جمہوری حکومت کے خلاف فاشسٹی طاقتوں نے بیرونی مداخلت کرنے سے دریغ نہیں کیا اور ایک پرامن جمہوریت عامہ کو تشدد سے مٹا دینے کی پوری کوشش کی۔ میں نے ہندستان میں بڑے بڑے اہنساء کے پوجارین سے پوچھا ہے کہ اگر آپ آج اسپین میں ہوتے تو کیا کرتے، تو انھوں نے صاف لفظوں میں بتایا کہ ہسپانوی جمہوریت کی افواج کے ساتھ وہ بھی رائفل ہاتھ میں لیکر فاسسٹی دشمنوں کا مقابلہ کرتے۔ پنڈت جواہر لال نہرو نے بھی حال میں اپنے ایک بیان میں یہی بات کہی ہے۔

ایسی صورت میں تشدد کو اور عدم تشدد کے مسئلہ کو سماجی کش مکش سے، امیروں کی غریب طبقوں کے ساتھ شدید جنگ سے، اور اس جنگ کی مختلف صورتوں سے ہم علیحدہ نہیں رہ سکتے۔

اس بات کا انحصار کہ ہم اس ہمیشہ جاری رہنے والی بیدرد جنگ میں کن ہتھیاروں کا استعمال کریں گے ہمارے اوپر نہیں۔ دنیا کے مظلوم طبقے یہ نہیں طے کر سکتے کہ دنیا سے تشدد ختم ہو جائے۔ ان کا منشا یہی ہے لیکن اس بات کا ہو جانا انکے ہاتھ میں نہیں ہے یہ سراسر نادانی ہوگی، اپنے دشمنوں کے ہاتھوں میں کھیلنا ہوگا۔ اگر ہم پہلے سے کہدیں کہ ہم ہمیشہ تشدد یا عدم تشدد کا استعمال کریں گے۔ اسکا فیصلہ کسی مبہم اخلاقی نظریہ کی روسے نہیں بلکہ موقع کی ضرورت کے اعتبار سے کیا جا سکتا ہے، ہمیں صرف یہ یاد رکھنا ہے کہ دشمن عیار ہے، مسلح ہے، بے رحم ہے، ہم ہاتھ پر ہاتھ دھر کر نہیں بیٹھے رہ سکتے۔ موقع کی ضرورت کے اعتبار سے ہمیں نہ صرف مقابلہ بلکہ حملے کے لئے تیار رہنا چاہئے۔

# چناؤ میں اصلی سوالات کیا ہیں

سکریٹری صوبہ کانگریس کمیٹی

آج کل آپ کے سامنے سب سے بڑا سوال یہ ہے کہ اس چناؤ میں آپ کس کے حق میں رائے دیں۔ بہت سے لوگ آپ سے آکر کہینگے کہ یہ اسلام کا سوال ہے لیکن سوچنے کی بات ہے کہ آپ کو ایک ہندو اور ایک مسلمان میں نہیں بلکہ دو مسلمانوں میں ایک آدمی چننا ہے جنکے حق میں آپ رائے دیں۔ اسلام اور مذہب کا سوال اس چناؤ میں ہے ہی نہیں لیکن اب سے کئی مہینہ پہلے الیکشن میں اٹھایا جا چکا ہے اسوقت تو یہاں تک کہا گیا تھا کہ مسلم لیگ کے حق میں رائے نہ دی گئی تو مسلمانوں کا اجتماعی وجود ہی سرے سے مٹ جائیگا۔ لیکن آپ ہی بتائیے کہ کیا اگر بجنور کے مسلمانوں نے مسلم لیگ کے حق میں رائے نہ دی تو بجنور کے مسلمان مٹ گئے

یہ عجب بات ہے کہ جب کبھی ہمارے سامنے کوئی ہندستان کی یا مسلمانوں کی بھلائی کا سوال آتا ہے تو بعض لوگ فوراً مذہب کا سوال لا کھڑا کر دیتے ہیں تاکہ ہم آپ ایک بات کی اصلیت نہ سمجھنے پائیں۔

آپ کو معلوم ہے کہ مسلمان عام طور پر بڑی غریبی کی حالت میں رہتے ہیں، لاکھ دو لاکھ میں ایک آدھ مسلمان بہت بڑا زمیندار یا تعلقدار ہے لیکن اسکی بڑی زمینداری یا تعلقداری سے عام غریب مسلمانوں کا کوئی بھلا نہیں ہوتا بلکہ موجودہ تعلقداری اور بڑی زمینداری کے قانونوں کی وجہ سے ہزاروں لاکھوں ہندو مسلمان کسان ترقی کرنے اور بڑھنے سے رک جاتے ہیں، ہزار دو ہزار مسلمانوں میں کوئی کوئی چھوٹی حیثیت کا زمیندار یا خوشحال کاشتکار ہے مگر آجکل کے زمانہ

ہیں انکی حالت بھی لگان کے بڑھنے اور قرضہ کی وجہ سے بہت بگڑی ہے۔ عام طور پر مسلمان دستکاروں چھوٹی حیثیت کے کسان ہیں جنکی حالت آئے دن بگڑتی جاتی ہے ایسی حالت میں عام غریب مسلمانوں کا بھلا اس میں ہے کہ ایسے قانون بنائے جائیں جن سے غریبوں کا بوجھ ہلکا ہو اور لوگ اطمینان سے زندگی بسر کر سکیں۔

انگریزی حکومت کا قاعدہ یہ تھا کہ کسان اور مزدور اور چھوٹی حیثیت کے لوگ طرح طرح سے محصول لگان اور ٹیکس ادا کرتے تھے۔ اور یہ روپیہ بڑے بڑے تعلقہ داروں اور زمینداروں، بڑے بڑے افسروں اور انگریزی حکومت کی فوج اور پولیس پر صرف ہو جاتا تھا، قانون ایسے بنائے جاتے تھے جن سے غریبوں کے بوجھ اور بڑھ جائیں، اور رئیسوں اور افسروں کے مزے رہیں۔

کانگرس نے گورنمنٹ پر طرح طرح سے زور دیا کہ یہ ظلم کا طریقہ اور یہ مصیبت بڑھانے والے قانون بدلے جائیں۔ آپ کو معلوم ہے کہ اس کام کے لئے کانگرس کے لوگوں نے بڑی بڑی مصیبتیں سہیں، ہزاروں بلکہ لاکھوں آدمی جیلخانے گئے جن میں ہندو اور مسلمان ہر جماعت کے آدمی تھے۔ سرحد میں تو پہا تک ہوا کہ ملک کی آزادی کی لڑائی میں سیکڑوں پٹھان گولی کا نشانہ بنے۔ تب جاکر کہیں آپ لوگوں میں سو میں سے دس آدمی کو رائے دینے کا حق اور تھوڑی سی گورنمنٹ کے قانون بدلنے کی طاقت ہمارے ملک کو نصیب ہوئی ہے۔ انگریزی حکومت اور اس کا ساتھ دینے والے ہندستانی رئیس اور تعلقدار یہ کب گوارا کر سکتے تھے کہ حکومت کے کاموں میں غریب لوگوں سے رائے لی جائے، وہ تو آج بھی معمولی آدمیوں کو اس قابل نہیں سمجھتے کہ انکی بات پوچھیں اسکے علاوہ انھیں یہ بھی اچھی طرح معلوم تھا کہ جب غریب آدمی اپنی رائے سے اپنے پنچ اور وزیر چنینگے تو وہ اپنی بھلائی کے قانون بنائیں گے اور کسانوں اور چھوٹی حیثیت کے لوگوں کے بوجھ ہلکے کرینگے جس سے انگریزی حکومت اور ہندستانی رئیسوں کی شان شوکت اور حکومت خاک میں مل جائیگی، مگر کرتے کیا، کانگرس کی تحریک غریب ہندستانیوں کی طاقت اور ایثار نے انھیں مجبور کر دیا اور آخر کار انگریزی حکومت کو یہ حق تسلیم کرنا پڑا۔ غرضیکہ ووٹ ایک پبلک کی امانت ہے جسکے متعلق فیصلہ کرنے میں خوب غور و فکر کرنا چاہیئے۔ اب بھی عام لوگوں کی طاقت روکنے کے لئے انگریزی شہنشاہیت نے امیروں اور رئیسوں کو خاص۔ مائینٹی کو کمی ہیں اور بڑے بڑے افسروں کی تنخواہیں اور فوج کا خرچ محفوظ کر لیا ہے۔ جسکے لئے ہمیں بہت سی لڑائی لڑنا باقی ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہم اور آپ رائے دینے کے حق یعنی ووٹ کو کیسے استعمال کریں، بڑے بڑے رئیس اور انگریزی حکومت کی طاقت بڑھانے والے لوگ یہ چاہینگے کہ آپ کانگرس کے خلاف رائے دیکر انکی طاقت بڑھائیں تاکہ آپ کی بھلائی کے قانون نہ بن سکیں اور عام لوگ اسی حالت میں رہیں جیسے پہلے رہا کرتے تھے۔ دوسرے الفاظ میں انکا منشا یہ ہے کہ رائے دینے کا حق ہی بیکار ہو جائے۔

آپ کو معلوم ہے کہ اب تک گورنمنٹ کا قاعدہ یہ تھا کہ غریب لوگ بھوکوں مرتے تھے اور امیر لوگ بڑے بڑے افسر مزے کرتے تھے۔ اب یہ اختیار آپ کے ہاتھ میں ہے کہ آپ اپنی جماعت کو رائے دیں جو اس قاعدے کو الٹ دے۔ یا ایسی جماعت کو جو نام بیکار ظلم کی باتوں کو جاری رکھے۔ آپ کو معلوم ہے کہ کانگرس نے صاف صاف اعلان کر دیا ہے کہ وہ غریب ہندستانیوں کی بھلائی کے قانون بنانا چاہتی ہے، جب سے کانگرس کی وزارت قائم ہوئی ہے غریب کسانوں اور چھوٹی حیثیت کے زمینداروں کی بقایا لگان کی ڈگریاں ملتوی ہو گئی ہیں، اور کانگرس کے وزیر ایسے قانون بنا رہے ہیں جن سے آپ کے لگان اور قرضہ کا بوجھ ہلکا ہو، اسکے علاوہ کانگرس ایسی تجویزیں سوچ رہی ہے کہ غریبوں کے بچوں کو مفت تعلیم مل سکے اور انکی بے روزگاری دور ہو، ظاہر ہے کہ بہت سی باتیں موجودہ قانون کے اندر نہ ہو سکیگی اسلئے کانگرس کے وزیروں اور کانگرس کی تحریک کو جلد اس کی ضرورت ہوگی کہ ہم پہلے سے زیادہ بڑھکر انگریزی شہنشاہیت کے خلاف جنگ کریں اور باقی اختیارات بھی اس سے چھین لیں، ایسی حالت میں کانگرس کے وزیر آج بھی اور آئندہ اس سے زیادہ ہماری آزادی کی تحریک کے سپاہی ہونگے، کانگرس کے مخالف لوگ وزارت کے معنی صرف یہ سمجھتے ہیں کہ بڑی بڑی تنخواہیں لیکر انگریزی حکومت کا ساتھ دیا جائے اور عوام کی طاقت اور آزادی کی تحریک کا ان وزارتوں سے کوئی تعلق نہ ہو۔ ظاہر ہے کہ ایسے قانون بنانے کے ساتھ ساتھ ہمیں بڑے بڑے تعلقہ داروں اور بڑے بڑے زمینداروں کے بیجا حقوق اور زیادتیوں کو روکنا پڑے گا۔ اور کسانوں کے لگان کم کرنے کے ساتھ حکومت کے اخراجات برابر کرنے کے لئے لوگوں پر بڑے بڑے ٹیکس لگانے ہوں گے، چھوٹے ملازموں کی تنخواہیں بڑھانے کے لئے بڑے بڑے افسروں کی تعداد اور ان کی تنخواہوں میں کمی کرنا پڑے گی، یہی وجہ ہے کہ ان بڑے بڑے زمینداروں، تعلقہ داروں اور ان بڑے بڑے افسروں کی پارٹیاں اور جماعتیں آج کانگرس کے خلاف ہیں اور طرح طرح کی کوششیں کرتی ہیں کہ کانگرس کی طاقت کمزور ہو جائے مسلمان اور ہندو انکے بہکانے میں نہیں آتے اسلئے یہ لوگ اب مذہب کے نام پر عام لوگوں کو بہکاتے ہیں کبھی کہتے ہیں کہ مسجدیں بند ہو جائیں گی کبھی کہتے ہیں کہ گاؤکشی بند ہو جائے گی، کبھی کانگرسی مسلمانوں کے متعلق بے بنیاد الزام لگاتے ہیں تاکہ آپ لوگ انکے بہکانے میں آکر کانگرس کا ساتھ دینے سے باز آجائیں، آپ کو معلوم ہے کہ ہمارے ملک کے بہادر اور سچے مسلمان آج سے نہیں بلکہ بہا سال سے کانگرس کے ساتھ ہیں، مولانا ابوالکلام آزاد حضرت مولانا حسین احمد مدنی، مفتی کفایت اللہ، مولانا احمد سعید، اور جمیعۃ العلماء، اور مجلس احرار الاسلام کے لوگ کانگرس کے ساتھ ہیں، کانگرس کے ممبروں میں ایک دو نہیں بلکہ ہزاروں اور لاکھوں مسلمان ہیں، آپ نے سرحد کے مسلمانوں کا نام سنا ہوگا، خان عبد الغفار خاں، اور سرحد کے ہزاروں بلکہ لاکھوں خدائی خدمتگار کانگرس کے جھنڈے کے نیچے جمع ہیں۔

کانگرسی وزارت کے زمانہ میں آپکو خود اس کا اندازہ ہو گیا ہوگا کہ کانگرس سچے اور بہادر مسلمانوں اور مذہب اسلام کی کتنی عزت کرتی ہے، آپ کو معلوم ہے کہ حکومت ہاتھ میں لیتے ہی کانگرسی وزیروں نے اعلان کر دیا ہے کہ گاؤکشی کے خلاف قانون بنانا تو کیا معنی کسی مسودہ کے پیش ہونے کی بھی اجازت نہ ہوگی جمعہ کے دن کونسل اور اسمبلی کی کارروائی نماز کے لئے بند کر دی جائے گی، مدراس میں یہ بھی قاعدہ ہو گیا ہے کہ اسمبلی کی کارروائی کی ابتدا کلام پاک اور دوسرے مذاہب کی مقدس کتابوں کی تلاوت سے ہوگی، مدراس کی کانگرسی حکومت نے اردو ہندی کتابوں کی ترتیب اور تصنیف کا کام جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کے سپرد کیا ہے، ویسے بھی ہندستان میں تعلیم کے متعلق جو کمیٹی بنائی گئی ہے اسکے صدر جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کے شیخ الجامعہ بنائے گئے ہیں، اور ممبروں میں خواجہ غلام السیدین صاحب پرنسپل ٹرنینگ کالج مسلم یونیورسٹی علیگڈھ ہیں، ان باتوں سے آپ کو اندازہ ہو گیا ہوگا کہ مسلمانوں کے بارہ میں کانگرس کی پالیسی کیا ہے اور یہ بات آج نہیں کانگرس نے ۱۹۳۱ء میں کراچی کے اجلاس میں طے کر دی تھی کہ سب اقلیتوں کے مذہب، تمدن، زبان، اور روایات کی پوری پوری حفاظت ہوگی، کانگرس آج بھی اس پر عمل کر رہی ہے، اور جیسے جیسے اس کی طاقت بڑھیگی ہمیشہ عمل کرتی رہے گی، آپ خود سوچئے کہ کہنے کو ہمارے صوبہ میں مسلمان وزیر ہی نہیں بلکہ گورنر تک ہوئے ہیں لیکن کیا اسلام کی ایسی ہمدردی کسی نے کبھی کی۔

آخری بات آپ کے سمجھنے کی یہ ہے کہ ہم اور آپ نہ اس ملک کے قانون مسلمان کی حیثیت سے تنہا بنا سکتے ہیں اور نہ صرف اکیلے مسلمانوں کو بیکار موجودہ قانون کو بدل سکتے ہیں، آپ جس اسمبلی کے لئے ایک پنچ چننے والے ہیں اس میں

قاعدہ کے مطابق دو نمائندے ہندو ہوں گے اور ایک نمائندہ مسلمان ہوں گے۔ اور دونوں کی رائے سے قانون بنیگا۔ ایسی حالت میں اگر آپ نے کانگرس کے مسلمان امیدوار کے بجائے غیر کانگرسی ممبر کی حمایت کی تو اسکے معنی یہ ہونگے کہ آپ کانگرس کے ہندو اور مسلمان نمائندوں کے بجائے ہندو مہا سبھا اور مسلم لیگ کے بڑے بڑے تعلقہ دار ممبروں کی حمایت کرتے ہیں جنھوں نے ہمیشہ یہ کوشش کی ہے کہ آپ اپنی حالت نہ بدلنے پائیں اور غریب ہندستانی انگریزوں اور ہندو مسلمان رئیسوں کے پنجے میں دبے رہیں۔ یوں بھی آپ سوچئے کہ غریب ہندوؤں اور مسلمانوں کے لئے ایک سا قانون بنتا ہے۔ یہ تو ہو ہی نہیں سکتا کہ مسلمان کسانوں کے لئے لگان کا ایک قانون ہو اور ہندو کسانوں کے لئے دوسرا یا مسلمانوں سے زمین کا لگان، نمک یا چنگی کے لئے الگ ریٹ سے محصول لئے جائیں اور ہندوؤں سے دوسری طرح سے۔ اسیطرح جب نئے قانون بنینگے تو سب ہندو مسلمانوں کے لئے ایک سے ہونگے۔ فرق صرف اتنا ہوگا کہ غریب ہندو مسلمانوں کے بوجھ گھٹینگے اور امیر ہندو اور مسلمانوں پر بوجھ بڑھیگا۔ یہی وجہ ہے کہ ہندو اور مسلمان انگریز پرست اور امیر لوگ ہندو مہا سبھا اور مسلم لیگ بناکر آپ کو بہکا رہے ہیں۔ کانگرس کے لوگوں نے ہندو مہا سبھا یعنی انگریزوں کی طاقت بڑھانے والے ہندوؤں اور رئیسوں کی طاقت ختم کردی ہے۔ اب آپ غریب و چھوٹی حیثیت کے مسلمانوں کا فرض ہے کہ مسلم لیگ والے مسلمان انگریز پرستوں کی طاقت ختم کرکے کانگرس کی طاقت بڑھائے تاکہ ہمارے ملک سے غریبی اور غلامی دور ہو۔

آج اس چناؤ کے موقع پر آپ کی سمجھ اور پرکھ کی جانچ ہے۔ اسلئے اپنی بھلائی کو سامنے رکھکر کانگرس کے امیدوار کو رائے دیجئے۔ ترقی کرنے یا نہ کرنے کا فیصلہ آپ کی رائے پر موقوف ہے۔

# ہلال عید

(معین احسن جذبی)

اے ہلال عید، اے چھوٹے سے ٹکڑے نور کے — اے حیا پرور تبسم آسمانی حور کے

آسماں کی گود میں تو کوئی طفل نور ہے — جسکے طفلانہ تبسم سے جہاں مسحور ہے

تو نگاہ مہر کی بھٹکی ہوئی تنویر ہے — یا نگاہ شوق کی سمٹی ہوئی تصویر ہے

تو کوئی شمع سحر ہے جس کی لو بے اختیار — چومتی ہے خاک پروانوں کی جھک کر بار بار

آسماں نازاں کہ تو اس کا خط تقدیر ہے — کاتب روز ازل کی زر فشاں تحریر ہے

اہل عشرت کی نظر میں آنکھ کا تارا ہے تو — آہ لیکن دل جلے کہتے ہیں انگارا ہے تو

تیری موجوں میں خراماں چشمۂ حیواں بھی ہے — تیری موجوں میں ہلاکت آفریں طوفاں بھی ہے

تیری نظروں میں سرور بادۂ احمر بھی ہے — تیری نظروں میں جراحت آفریں نشتر بھی ہے

اک طرف کرتا ہے تو ہنس ہنس کر لوگوں سے کلام — اک طرف تو کھینچتا ہے اپنی تیغ خوش خرام

اک طرف تو عیش کا احساس کر دیتا ہے تیز — اک طرف تو نشۂ افلاس کر دیتا ہے تیز

تیری زر پاشی ہے کب ہم غم کے ماروں کیلئے
آہ تو نکلا ہے ان سرمایہ داروں کیلئے

# فقیر کا خطاب

## صدر مسلم لیگ سے

(شہاب ملیح آبادی)

مسلم ہوئے تو جنگ کا اعلان بھی کیا شاداب پھر سے قوم کا ایمان بھی کیا
مشکل جو مرحلہ تھا وہ آسان بھی کیا قابو میں اپنے، زور سے شیطان بھی کیا

سب کچھ کیا ہے لیگ نے، احسان بھی کیا
بابا کہیں سے پیٹ کا سامان بھی کیا؟

عزت ملی ہے قوم کو کچھ نام بھی ہوا روشن قلوب ہو گئے۔ الہام بھی ہوا
بیدار دل میں جذبۂ اسلام بھی ہوا سنئے مگر یہ کان میں کچھ کام بھی ہوا؟

سب کچھ کیا ہے لیگ نے، احسان بھی کیا
بابا کہیں سے پیٹ کا سامان بھی کیا؟

لندن گئے جہاد کا سکہ بٹھا دیا مذہب کا، گول میز پہ، گو لا گرا دیا
اسلام کا جہان میں ڈنکا بجا دیا ٹپکا دیا جو لفظ سمندر بنا دیا

سب کچھ کیا ہے لیگ نے، احسان بھی کیا
بابا کہیں سے پیٹ کا سامان بھی کیا؟

جانے نہ کتنے ہند میں "صاحب" بنا دیے دیوان انقلاب کے پرزے اڑا دیے
ہندو سے لڑ کے دین کے رتبے بڑھا دیے دیکھا یہ زور؟ کفر کے چھکے چھڑا دیے

سب کچھ کیا ہے لیگ نے، احسان بھی کیا
بابا کہیں سے پیٹ کا سامان بھی کیا؟

گلپوش و سرفروش یہ گلفام واہ وا! رستم کا زور قیس کا اندام واہ وا!
آغوش زر میں شوکت اسلام واہ وا! دنیا و دیں کے کام! بڑے کام واہ وا!

سب کچھ کیا ہے لیگ نے۔ احسان بھی کیا
بابا کہیں سے پیٹ کا سامان بھی کیا؟

اللہ رے وقار، یہ اجلاس آتشین کانپا فلک بھی ڈر سے، لرزنے لگی زمیں
بجلی سی تھی دماغ میں، چمکی کہیں کہیں سب کچھ ملا، پہ پیٹ کو روٹی جڑی نہیں
سب کچھ کیا ہے لیگ نے، احسان بھی کیا
ہاہا کہیں سے پیٹ کا سامان بھی کیا؟

کہتا ہے کون صاحب ایمان نہیں ہیں آپ کونسل میں مثل شمع فروزاں نہیں ہیں آپ
یہ بھی غلط کہ حافظ قرآں نہیں ہیں آپ یہ بھی غلط، غلط کہ مسلماں نہیں ہیں آپ
سب کچھ کیا ہے لیگ نے، احسان بھی کیا
ہاہا کہیں سے پیٹ کا سامان بھی کیا؟

کونسل کو چھوڑ، جیل میں خدام دیں گئے یہ کروڑوں میں کون سا ایسا یقیں گئے؟
گھستے ہوئے زمین پہ اپنی جبیں گئے اچھا کیا۔ فضول تھا۔ حضرت نہیں گئے
سب کچھ کیا ہے لیگ نے۔ احسان بھی کیا
ہاہا کہیں سے پیٹ کا سامان بھی کیا؟

شورش ہے، کشمکش ہے، الکشن ہے، اژدھام روئے زمیں ہے رفعتِ گردوں سے ہمکلام
ایسی وجیہہ لیگ کا لازم ہے احترام لیکن خطا معاف ہو، اے رہبرانام
سب کچھ کیا ہے لیگ نے، احسان بھی کیا
ہاہا کہیں سے پیٹ کا سامان بھی کیا؟

مرتا ہے ہند، آنکھ میں آنسو لئے ہوئے ہر وسوسہ ہے موت کا پہلو لئے ہوئے
سودا ہے انقلاب کا ہند وبلئے ہوئے مسلم ہے اب بھی شانِ "من و تو" لئے ہوئے
سب کچھ کیا ہے لیگ نے، احسان بھی کیا
ہاہا کہیں سے پیٹ کا سامان بھی کیا؟

# کفر کے فتوے

از قاضی محمد یونس

ابھی تک تو یہی خیال تھا کہ کفر سازی کی مشین سرسید مرحوم کے بعد سے ٹوٹ پھوٹ گئی، علیگڈھ کالج کی ایک ایک اینٹ پر کچھ نہیں تو سو سو مرتبہ تو مردہ دو دستکفیر پڑھا گیا ہوگا۔ مگر تاریخ گواہ ہے کہ اس شکست کے بعد سے آجتک کوئی اس ٹوٹی پھوٹی مشین کی مرمت نہیں کر سکا، حالانکہ ابھی درمیان میں اس کی بہتیری کوشش ہوئی، کئی بار سیاسی تحریکات میں اس سے کام لیا گیا، کتنے ہی الکشن اس کے بل بوتے پر لڑے گئے، خدا بخشے سرسید کچھ ایسا عمل پڑھ گئے تھے کہ کوئی شخص بھی اس مہلک ترین ہتھیار سے پورا پورا کام نہ لے سکا، لیکن اس سال اکتوبر کے مہینے پھر فتووں کی بھرمار ہوگئی، معلوم ہوتا ہے کہ خاک پاک ادودھ نے کسی خاص مشین ساز کو پیدا کیا، یا ممکن ہے کہ وہاں کی تاریخی خصوصیت ہے کسی استاد کو باہر سے بلا لیا، کچھ بھی ہو اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ کفر سازی کا موجودہ دور لیگ کے اجلاس سے شروع ہوتا ہے۔ جب لیگ کے معمل کفر سازی سے یہ فتوے نکلے تو معلوم ہوا کہ جس مسالے سے یہ فتوے بنکر آئے ہیں، اس مسالے سے بالکل مختلف ہے جس سے پہلے والے فتوے بنے تھے۔ پہلے فتووں کے مسالے یہ تھے۔

جو کوٹ پتلون پہنے وہ کافر جو چھری کانٹے سے کھانا کھائے وہ کافر جو سائنس پڑھے وہ کافر، جو مغربی تعلیم حاصل کرے وہ کافر جو انگریزوں سے میل جول بڑھائے وہ کافر جو انگریزی بولے وہ کافر،

لیکن اب وہی سب باتیں بنیاد ہوگئی ہیں ایمان کی، زیادہ تر کوٹ پتلون پہننے والے، چھری کانٹے سے کھانے والے، انگریزی پڑھنے والے اور انگریزوں سے ملنے والے "سچے، اور حقیقی، پکے مسلمان"، ہیں۔ موجودہ مشین فتوے یوں ڈھالتی ہے۔

جو مسلم لیگ کے ممبروں میں "زید وعمرو" کو وزیر نہ بنانا چاہے وہ کافر جو محمد علی جناح کو امیر المومنین نہ مانے وہ کافر جو مخلوط انتخاب چاہے وہ کافر جو سر یامین اور سر یوسف کی شفاعت سے منکر ہو وہ کافر، صرف اسی لئے اور اسی لئے مولانا ابوالکلام کافر مولانا کفایت اللہ کافر مولانا حسین احمد کافر مولانا احمد سعید کافر، خان عبد الغفار خاں، اور تمام سرحدی پٹھان کافر جہانسی کے ۴۲ فیصدی اور بجنور کے ۸۰ فیصدی مسلمان کافر، یہ واضح رہے کہ ابھی تین الکشن باقی ہیں،

ذی النظر میں کفر سازی نہایت ہی سطحی چیز معلوم ہوتی ہے، مجنون صفت، اور مضحکہ انگیز، کچھ لوگ کانگرس میں شرکت کرنا گناہ کبیرہ ہی نہیں بلکہ اسلام سے انحراف کے برابر سمجھتے ہیں، اور مسلم لیگ میں شامل ہونا مسلمان بنے رہنے کا معیار، اسلئے ان کے نزدیک جو کانگرس میں شریک ہوا ور مسلم لیگ کا معتقد نہ ہو وہ کافر ہے، اگر یہ رائے محض ان لوگوں کی زبانی سنتے ہیں، آنکھ کھلتے ہی دنیا میں پیدا ہوتے ہی جو الفاظ پہلے پڑے وہ تھے مسلم لیگ، کیونکہ نواب زادہ وغیرہ وغیرہ تو کوئی تعجب کی بات نہ تھی، مگر حیرت اس چیز پر ہے کہ وہ حضرات جو کل تک لیگ کے سخت ترین مخالف رہے، جنکے نزدیک لیگ کانگرس کی شاخ تھی، وہی حضرات آج ہم کانگرس میں شرکت کرنے والوں کو کافر کہیں، جب ہم سرکندر اور سر یوسف، سر یامین اور سر شفاعت، ڈاکٹر ضیاء الدین اور سر علیم غزنوی کی زبانی سنتے ہیں، تو پھر حیرت و استعجاب نہیں، بلکہ طرح طرح کے شکوک پیدا ہوجاتے ہیں، مثلاً یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ ان کفر کے فتووں کی تہہ میں کوئی گہری چال تو نہیں!

دنیا ہمیشہ ترقی کرتی رہتی ہے، مگر اس ترقی کی راہ میں ہمیشہ مشکلات پیدا ہوجاتی ہیں، سوسائٹی کا ایک طبقہ اس ترقی کو غیر پسندیدہ نگاہوں سے دیکھتا ہے، جس میں کچھ تو حد کچھ جہالت اور کچھ خود غرضی کی جھلک ہوتی ہے، یہی غیر ترقی پسند طبقہ، ترقی پسند طبقہ کو اپنا مخالف سمجھنے لگتا ہے، یہاں تک کہ کچھ عرصہ بعد اس کیساتھ جنگ کیلئے آمادہ ہوجاتا ہے، ترقی پسند اور غیر ترقی پسند طبقہ کی یہ جنگ ہر دور، ہر ملک اور ہر جگہ ہوئی ہے اور ہوتی رہے گی، ابوجہل اور ابولہب ایک عرب ہی میں نہیں بلکہ ہر ملک اور ہر سوسائٹی میں نمودار ہوئے، اور زمانہ کی دوڑ کے سامنے حائل ہوئے، گو آخر میں ہمیشہ پس کر رہ گئے، زمانہ یونہی ترقی کرتا چلا گیا، ہاں، تھوڑے وقت کیلئے کبھی کبھی اس کی رفتار سست ہوگئی،

ہمارے ملک ہندستان میں بھی ترقی پسند اور غیر ترقی پسند طبقہ کی جنگیں ہوتی رہیں، اور امید ہے کہ برابر جاری رہیں گی، کبھی رام موہن رائے، کبھی سرسید کی مخالفت ہوئی، مخالفین کی قیادت کا فخر کبھی دیوبند کبھی کاشی کو ہوا یہی جنگ آجکل جاری ہے، ایک طبقہ ملک کو ترقی کی آخری منزل تک پہنچانا چاہتا ہے، دوسرا موجودہ حالات میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں چاہتا، ایک غیر ملکی اثر کو یہاں سے باہر کرنا چاہتا ہے، دوسرا اس کا مخالف، ایک طبقہ ملک کی بڑھتی ہوئی بیکاری اور مفلسی کی روک، کاشتکار اور مزدور کا بھلا چاہتا ہے، دوسرے کو اس سے کچھ سروکار نہیں، بلکہ کھلم کھلا اس کا مخالف لامحالہ ان دونوں طبقوں میں جنگ ہے، پہلے طبقے کی قیادت جواہر لال نہرو کو حاصل ہے، دوسرا طبقہ جناح کو اپنا "امیر" تسلیم کرتا ہے، یہ جنگ ایسی نہیں جس میں توپ بندوق کی ضرورت پڑے بلکہ خیالات کی جنگ ہے۔ گو کبھی کبھی اس میں چاقو اور تھپڑوں کی "آورد" ہوجاتی ہے، اس پارٹی کی طرف سے جو بقول شخصے جنون مذہب کی مریض رہی ہمیں اس لڑائی کے نفسیاتی پہلو پر غور کرنا چاہئے۔ ترقی دشمن طبقہ ایمانداراً نہ طور پر لڑتا ہے۔ سوائے چند افراد کے، اکثریت فی الحقیقت یہ محسوس کرتی ہے کہ وہ چیز جسکو ایک طبقہ ترقی کہتا ہے وہ ہرگز ترقی نہیں، اسی کا نام جہالت ہے، اسی کے اندر کا دوسرا گروہ جو اقلیت میں ہے۔ اس کی ترقی دشمنی جہالت پر نہیں بلکہ خود غرضی کی بنا پر ہے۔ وہ خوب سمجھتا ہے کہ واقعی جواہر لال ملک سے افلاس اور بیکاری دور کرنا چاہتا ہے۔ اسے یقین ہے کہ جواہر لال کامیاب ہو کر رہیگا مگر اسے یہ چیز کھٹکتی ہے اور بڑی طرح کھٹکتی ہے کہ جواہر لال کی اس اصلاح سے انکا وجود ہی خطرہ میں پڑ جائیگا، اسی لئے مخالفت کرتا ہے، یہ جانتے ہوئے بھی کہ یہ مخالفت زیادہ دن تک نہیں چلے گی۔

کسی خاص فرد یا کسی خاص جماعت کو موجودہ حالات کی بنا پر غیر ترقی پسند نہیں کہا جا سکتا۔ یہ لقب محض مسلم لیگ وغیرہ کے لئے ہی مخصوص نہیں ہے بہت ممکن ہے کہ جو فرد یا جماعت موجودہ حالات کے لحاظ سے ترقی پسند ہے وہ کل کو منتقلات کے اعتبار سے سخت ترین مخالف ترقی بن جائے۔ کسی زمانہ میں ہندستان کے لبرل بہت ہی ترقی یافتہ سمجھے جاتے تھے، سر تیج اور سری نواس دنیائے سیاست میں ممتاز ترین حیثیت رکھتے تھے، وہ انگریزوں کو کبھی

کبھی ڈانٹ دیتے تھے ایسے زمانہ میں کہ جب محض لال پگڑی سے ہی کانپ جاتے۔ اس زمانہ کے لحاظ سے واقعی یہ حضرات بہت آگے تھے۔ مگر ایک ایسا وقت آیا کہ وہ غیر ترقی پسند طبقہ میں شمار کئے جانے لگے۔ سیاسیات نے پلٹا کھایا اور ان حضرات کو پس پشت ڈال دیا۔ کسی کو کیا خبر ہے کہ دس سال بعد خود ہماری کانگرس بھی اس لقب سے یاد نہ کی جانے لگے جو آج مہاسبھا ... لیگ کا طرۂ امتیاز ہے بلکہ بعض لوگ تو یہاں تک کہتے ہیں کہ اس کے آثار ابھی سے شروع بھی ہوگئے ہیں اس میں کوئی تعجب کرنے کی بات نہیں۔ جیسا کہ میں نے پہلے کہا ہمیں نفسیاتی پہلو کو دیکھنا چاہئے ناموں اور افراد پر نہ جانا چاہئے۔ جب بھی کوئی فرد یہ محسوس کریگا کہ ایک خاص تحریک سے اسے نقصان پہونچ جانے کا اندیشہ ہے، اس کی خوب مخالفت کریگا، جس تحریک کا کل تک وہ حامی رہا، جس جماعت کا وہ کل تک سرگرم کارکن شمار کیا جاتا تھا، اسے آج اسی تحریک اور جماعت سے خدشہ پیدا ہوتا ہے۔ وہ یہ دیکھتا ہے کہ وہ تحریک جس کا خود اسی نے بیج بویا تھا، وہ جماعت جس کی بنیاد ڈالنے کا وہ خود ہی باعث تھا، آج بہت قوت پکڑ گئی ہے۔ پہلے اس کا ایک خاص طرف رخ تھا مگر موجودہ رخ ایک خاص منزل کی طرف ہے، اس منزل کو وہ پہلے ہی سے جانب گیا ہے۔ اگر تحریک وہاں تک پہونچ گئی تو پھر انقلاب ہے، اور انقلاب کا لفظ ہی اس کی موت کا مترادف ہے۔ وہ اسکے لئے خطرہ کی گھنٹی ہے۔ آج جو حضرات ہمیں برطانوی سامراج کے ڈھڑ نظر آتے ہیں وہ اس لئے کہ موجودہ جنگ آزادی سے انھیں سخت نقصان پہونچ رہا ہے، ان کی زمینداریاں ماری جارہی ہیں، ان کا ساہوکارہ ختم ہو رہا ہے۔ لیکن کسی کو کیا معلوم کہ آج ہمارے ساتھی کل ہمارے دشمن بن جائیں جبکہ کانگرس پورے طور پر عوام کی جماعت بن جائے گی تو وہ لوگ خود بخود اسے چھوڑ کر بھاگ جائیں گے۔ جمہور کی طاقت ان کے لئے خطرہ ہوگی اور برطانوی سامراج ان کی پشت پناہ۔ پنجاب کی زمیندار پارٹی اور مسلم لیگ کا اتحاد محض اس بنا پر ہوا کہ سر سکندر نے محسوس کیا کہ لیگ اب وہ لیگ نہیں رہی جس کا مقصد کانگرس سے تعاون کرنا تھا بلکہ وہ سراسر کانگرس کی دشمن ہے۔ پھر انھیں کون سی چیز لیگ میں شامل ہونے سے باز رکھ سکتی تھی۔ اگر آج لیگ کانگرس کی ہمنوا بن جائے کل ہی دیکھ لیجئے گا سر سکندر اور ان کی پارٹی ہر بار بدھائیاں ... لیگ سے بھاگتے نظر آئیں گے۔

کفر کا فتوی محض ایک ہتھیار ہے جو ترقی پسند طبقہ کے خلاف استعمال ہوتا رہا ہے۔ یہ لوگ یہ ہتھیار کو صرف اس لئے استعمال کرتے ہیں کہ انھیں اس کی بدولت عوام کو ایک خاص طبقہ سے متنفر کرنے کیلئے ایک بہترین گر ہاتھ آجاتا ہے ہندستان جیسے ملک میں جہاں جہالت، توہم پرستی، تعصب اور تنگ نظری نے بسیرا ڈالا ہو، اس مذہبی ہتھیار سے بہتر چیز کوئی مل نہیں سکتی۔ ڈاکٹر اشرف کا اثر عوام پر بڑھتے دیکھکر یہ ضروری ہے کہ اشرف کو کافر قرار دیا جائے، تاکہ لوگ ان کی تقریر سننے سے پہلے ان سے بدظن ہو جائیں۔ مگر ہمیں اس کفرسازی سے گھبرانا نہیں چاہئے، جمہور جلد پہچان جائیں گے کہ کافر کون ہے، وہ جو غریبوں کا بھلا چاہے یا وہ کہ جو امیروں اور سرمایہ داروں کا۔

# آل انڈیا کانگرس کمیٹی کا خبرنامہ

ڈاکٹر کنور محمد اشرف نے ادھر ہی آل انڈیا چرخا سبھا (ایک سبھا جو کانگرس کے تحت ملک کی سماجی اور اقتصادی خدمتیں کرتی ہے) کے کچھ اعداد و شمار چھپوائے تھے جس میں دکھلایا تھا کہ بنائی اور کتائی کا کام کرنے والوں میں مسلمان کتنے ہیں۔ چرخا سنگھ میں سب کام کرنے والے ایک ... سے کم ہیں جنمیں مسلمان ... ہیں۔ ہمارے پاس اس سبھا کی طرف سے کچھ ... اعداد و شمار آئے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسرے اداروں میں مسلمانوں کی تعداد پچاس فیصدی سے زیادہ ہے۔ کام کرنے والوں کی مجموعی تعداد ... ہے جنمیں چار سو چھتیس مسلمان ہیں۔ ابھی کچھ اعداد و شمار آنا باقی ہیں۔

ان اعداد کے دیکھنے سے معلوم ہوگا کہ مسلمانوں کو کانگرس سے کتنا فائدہ پہونچ رہا ہے

[منظر رضوی — ادارۂ معلومات سیاسی و اقتصادی]

| کام کرنیوالے | بنگال | | کشمیر | | کرالا | | پنجاب | | راجستھان | | تامل ناد | |
|---|---|---|---|---|---|---|---|---|---|---|---|---|
| | مجموعہ | مسلمان | مجموعہ | مسلمان | مجموعہ | مسلمان | مجموعہ | مسلمان | مجموعہ | مسلمان | مجموعہ | مسلمان |
| دھوبی | ۴ | ۰ | ۴ | ۴ | ٦ | ۰ | ٦۰ | ٦۰ | ۵ | ۴ | ۵٦ | ۰ |
| درزی | ۴ | ۱ | ۱۹ | ۱۹ | ۰ | ۰ | ۲ | ۰ | ۴ | ۰ | ۱۲ | ۳ |
| رنگریز | ۵ | ۲ | ۴ | ۴ | ۰ | ۰ | ۱۰ | ۳ | ۴ | ۰ | ٦٦ | ۱ |
| چھاپنے والے | ۳ | ۰ | ۰ | ۰ | ۰ | ۰ | ۲۵ | ۳ | ۲ | ۰ | ۰ | ۰ |
| بڑھئی | ۲ | ۰ | ۰ | ۰ | ۴ | ۰ | ۴ | ۲ | ۳ | ۰ | ۲ | ۰ |
| کندی گر | ۳ | ۳ | ۰ | ۰ | ۰ | ۰ | ۹ | ۳ | ۰ | ۰ | ۰ | ۰ |
| مستری | ۰ | ۰ | ۰ | ۰ | ۰ | ۰ | ۱٦ | ۰ | ۰ | ۰ | ۰ | ۰ |
| بلاک بنانیوالے | | | | | | | ۲ | ۱ | | | | |
| روئی جمع کرنیوالے | | | | | | | ٦ | ۰ | | | | |
| لوہار | | | | | | | ۱ | ۱ | | | | |
| بیل بنانیوالے | | | | | | | ۴ | ۱ | | | | |
| کاڑھنے والے | | | | | | | ۱۴۱ | ۵ | | | | |
| موٹے تاگے کے کاریگر | ۰ | | ۴۹ | ۴۰ | | | | | | | | |
| پرچہ گر | | | ۱۳ | ۱۳ | | | | | | | | |
| رفوگر | | | ۹ | ۹ | | | | | | | | |
| لیموگر | | | ۳۴ | ۳۲ | | | | | | | | |
| کامدانی کا کام بنانے والے | | | ۲۳۴ | ۲۳۴ | | | | | | | | |
| میزان کل | ۳۳ | ٦ | ۳٦۱ | ۳۴۲ | ۱۰ | ۲ | ۲۸۱ | ۸۱ | ۱۵ | ۴ | ۱۳٦ | ۴ |

# خبریں

## ہمارے صدر

پنڈت جواہر لال نہرو ۲۶ نومبر کو آسام کے لئے کلکتہ سے روانہ ہو گئے۔ رخصت کرنے کے لئے اسٹیشن پر بہت سے طالب علم جمع تھے۔ پنڈت جی نے سوال کیا کہ وہ اپنا وقت تعلیم پر کیوں نہیں خرچ کرتے؟ طالب علموں نے جواب دیا کہ یہاں سیاست بھی تعلیم کا ایک حصہ ہے۔ اسپر پنڈت جواہر لال نہرو نے کہا کہ ممکن ہے کہ یہ ٹھیک ہو لیکن پھر بھی طلبا کو چاہئے کہ وہ بھی مسائل پر غور کریں اور انکے سلجھانے کی ترکیبیں نکالیں صرف اسی طرح وہ اپنے ملک کے لئے کار آمد طاقت بنا سکتے ہیں۔

غیر کانگرسی وزارت کی وجہ سے جو بے چینی بنگال میں پھیل رہی ہے اسکے لئے کہا کہ عوام کو ان چھوٹی چھوٹی باتوں پر زیادہ دھیان نہ دینا چاہئے بلکہ آنے والے بڑے بڑے مسئلوں کو سوچنا چاہئے۔

۲۸ نومبر کو پنڈت جی ڈبری (آسام) پہنچ گئے۔ وہاں ایک بہت بڑے جلسہ میں ڈبری میونسپلٹی اور مقامی بورڈ نے آپ کی خدمت میں سپاسنامہ پیش کیا۔ آسام کی تاریخ میں یہ پہلا اتفاق تھا کہ پبلک جلسہ میں لاؤڈ اسپیکر کی ضرورت پڑی۔

سپاسنامہ کے جواب میں پنڈت نہرو نے معافی چاہی کہ وہ دوسرے کاموں کی وجہ سے ابتک آسام نہیں آسکے حالانکہ عرصہ سے خواہشمند تھے۔ اسکے بعد عوام سے اپیل کی کہ وہ بڑی تعداد میں کانگرس میں شریک ہو جائیں کیونکہ غریبی اور بیکاری میں صرف کانگرس ہی انکی مدد کر سکتی ہے۔ فیڈریشن کے متعلق کہا کہ اس کی وجہ سے ہماری قوم کی ترقی رک جائے گی اور سوراج کے راستہ میں بھی ایک نئی رکاوٹ پیدا ہو جائے گی۔

صدر کانگرس نے ڈالمیا نگر کے کارخانے کے مزدوروں کی جو [illegible] سے ہڑتال کئے ہوئے ہیں، تعریف میں کہا کہ اتنی بڑی ہڑتال سے پتہ چلتا ہے کہ مزدوروں میں انقلابی روح کتنی پیدا ہو گئی ہے۔

کلکتہ سے ڈبری تک کے راستہ میں متعدد اسٹیشنوں پر کسان بڑی تعداد میں آگئے۔ پنڈت جی نے ان سے اپیل کی کہ وہ صوبہ متحدہ کے کسانوں کی مثال سامنے رکھیں اور کانگرس سے ملکر کام کریں۔

## آنریبل مسز پنڈت کانپور میں

۲۴ نومبر کو آنریبل مسز وجے لکشمی پنڈت کانپور گئیں۔ مسٹر سریواستو چیرمین میونسپل بورڈ نے سپاسنامہ میں کہا کہ کانپور تجارتی حیثیت سے شمالی ہند کے بڑے شہروں میں ہے۔ اس کی ضروریات معمولی شہروں کی سی نہیں ہیں اور اسلئے اسکے مقامی بورڈ کو کارپوریشن کے اختیارات ملنے چاہئیں موجودہ صورت میں میونسپل بورڈ بغیر صوبجاتی حکومت کی منظوری کے قرض نہیں لے سکتا ہے جس کی وجہ سے عوام کے فائدے کے کاموں میں مالی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ انھوں نے حکومت سے درخواست کی کہ میونسپلٹی کو اپنی ذمہ داری پر قرض لینے کا اختیار دیدیا جائے۔ جواب میں مسز پنڈت نے کہا کہ مجھکو تعجب ہے کہ کانپور میونسپلٹی نے اپنی شکایات کی فہرست ابتک حکومت کے پاس نہیں بھیجی۔ کارپوریشن کا درجہ دینے کیلئے ابھی حکومت کوئی وعدہ نہیں کر سکتی ہے اب جو میونسپلٹی کے قانون بنیں گے اس میں اسکا خیال رکھا جائے گا۔

پھر مسز پنڈت نے کہا کہ میونسپلٹی میں انقلابی تبدیلیاں کرنے کی ضرورت ہے، ابھی لوگ صرف عزت کے لئے ممبری چاہتے ہیں۔ اسکے بجائے عوام کی بہبودی کا خیال ہونا چاہئے۔ آجکل میونسپلٹیوں میں کسی ایک جماعت یا فرقہ کی طرفداری کی جاتی ہے جسکی وجہ سے آپس کی کشمکش بڑھ جاتی ہے، اگر حکومت انکے کام میں دخل دیتی ہے تو انکے دلوں کو تکلیف ہوتی ہے اور اگر حکومت خاموش رہتی ہے تو بے چینی بڑھتی جاتی ہے۔ مقامی بورڈ کے ممبروں کو انھوں نے صلاح دی کہ وہ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کی مدد سے ایک کانفرنس کریں اور اس طرح آپس کی شکر رنجی دور کر ڈالیں۔

میونسپل نسواں اسکول کا سنگ بنیاد رکھتے ہوئے انھوں نے کہا کہ صرف تعلیم ہی ہندستانی عورتوں کی مسائل کا حل نہیں ہے۔ لیکن پھر بھی یہ اس کا ایک ضروری حصہ ہے۔

اسکے بعد مسز پنڈت نے مسٹر [illegible] مہروترا کے خیراتی اسپتال کا سنگ بنیاد رکھتے ہوئے کہا کہ جہانتک طبی امداد کا تعلق ہے انکی حکومت دس سال کے اندر صوبہ متحدہ کو دوسرے صوبوں کے لئے ایک نظیر بنا دے گی۔

## بہار کے زمیندار

بہار کے تقریباً سو زمینداروں نے وزیر اعظم کے پاس ایک عرضداشت بھیجی ہے اور درخواست کی ہے کہ حکومت زمینداروں کو مناسب معاوضہ دے کر زمینداری نظام کو ختم کر دے کیونکہ ایک طرف کچھ لوگ ایسے ہیں جو خیال کرتے ہیں کہ کاشتکاروں کی تباہ حالی کا باعث صرف زمیندار ہیں اور دوسری طرف زمیندار سمجھتے ہیں کہ انکے ساتھ بے جا سختی برتی جا رہی ہے اور موجودہ فضا ایسی ہے جو تھوڑے ہی دنوں میں انکے طبقہ کو فنا کر دے گی۔ کاشتکار لگان دینے سے انکار کرتے ہیں اور اکثر جگہ انھوں نے زمیندار اور انکے آدمیوں کے ساتھ بہت ہی برا سلوک کیا ہے۔ ان تمام وجوہ ... کی بنا پر بہت سے زمینداروں کے لئے ان کی زمینداری عذاب جان ہو گئی ہے۔

## ہندستان اور افریقہ کے تعلقات

سیٹھ گووند داس جو حال میں افریقہ کی نوآبادیات کا دورہ کرنے گئے ہیں ۲۹ نومبر کو ممباسا (کنیا) پہنچ گئے۔ وہاں ہندستانیوں کے ایک بہت بڑے مجمع میں تقریر کرتے ہوئے انھوں نے کہا۔ "ہندستانیوں کے واسطے اپنے ملک کے بعد اگر کوئی ملک اہمیت رکھتا ہے تو وہ افریقہ ہے جہاں تمام دیگر ممالک سے زیادہ ہندستانی آباد ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ ہندستانیوں کا افریقہ آنا یہاں کے باشندوں کے لئے مضر ہے، اگر واقعی ایسا ہوتا تو ہندستانی نہ صرف اپنی آمد بند کر دیتے بلکہ جو ہندستانی یہاں موجود ہیں وہ بھی واپس چلے جاتے لیکن صرف ہندستانی ہی نہیں بلکہ مسٹر سی۔ ایف۔ اینڈریوز جیسے غیر جانبدار یورپین کے نزدیک بھی یہ خیال حقیقت سے کوسوں دور ہے"

سنہ ۱۹۲۱ء کے بائیکاٹ کی تحریک سے آجتک کی کانگرس کی تاریخ دہرا کر انھوں نے بتلایا کہ کانگرس کی طاقت کتنی بڑھ گئی ہے اور کہا کہ آج بھی افریقہ کے ہندستانیوں کے معاملات ہمارے کانگرس کے پیش نظر ہیں۔ اگرچہ ابتک انکے لئے کوئی بڑا کام نہیں کر سکی وجہ صرف یہ ہے کہ اسکے پاس کافی اختیارات نہیں ہیں۔ یہ اختیارات اور پوری طاقت صرف مکمل آزادی سے حاصل ہو سکتے ہیں، اور اسلئے ہندستان کی آزادی ہندستان اور افریقہ دونوں کے ہندستانیوں کے لئے برابر کی اہمیت رکھتی ہے۔

## الکشنی پروپگنڈے کا نیا طریقہ

مرادآباد کے دیہی حلقہ میں مخالف جماعتوں نے اپنا اپنا پروپگنڈا کرنے کے لئے ایک بالکل نیا طریقہ اختیار کیا ہے۔ چنانچہ امروہہ کے ایک جلسہ میں کانگرس اور مسلم لیگ دونوں جماعتوں کے لوگوں نے شرکت کی۔ پہلے مولانا ظفر علیخان اور مسٹر اختر حسین نے عوام کے سامنے لیگ کی طرفداری میں تقریریں کیں اور کانگرس کو خالص ہندوؤں کی جماعت بتاتے ہوئے گاندھی جی اور پنڈت جواہرلال نہرو پر طرح طرح کے اعتراضات کئے۔ اسکے بعد مولانا محمد اسمٰعیل ایم۔ ایل۔ اے نے جو حال ہی میں مسلم لیگ سے مستعفی ہو کر کانگرس میں داخل ہوئے ہیں مجمع کے سامنے کانگرس کا اقتصادی پروگرام اور کانگرسی وزارتوں کے کارنامے بیان کئے۔ آخر میں مجمع نے باتفاق آرا کانگرس کے نمائندے مولانا بشیر احمد کی حمایت کا اعلان کیا۔

## مزدور

احمدآباد۔ ۲۸ر نومبر۔ احمدآباد کی تمام ملوں کے منتظمین نے اعلان کر دیا ہے کہ مزدور سبھا کی شرط کے مطابق اب مزدوروں کو جنوری ۱۹۳۵ء کے برابر اجرت ملے گی۔ اس پر جن مزدوروں نے ابھی ہڑتال نہیں ختم کی تھی انھوں نے بھی آج سے کام شروع کر دیا۔ ہڑتال کمیٹی۔ مل کامگار یونین اور مزدور سبھا کے ذمہ دار لوگ مزدوروں کو ہدایت کر رہے ہیں کہ وہ باقاعدہ کام شروع کر دیں۔

سردار ولبھ بھائی پٹیل بھی احمدآباد میں موجود ہیں اور ان کی صلاح سے مزدور سبھا اور مل مالکوں کی انجمنیں کوشش کر رہی ہیں کہ اب آئندہ اس قسم کی پیچیدگیاں نہ پیدا ہوں۔

## سیاسی قیدیوں کا ہفتہ

دہلی میں سیاسی قیدیوں کا ہفتہ ۲۸ر نومبر کو ختم ہوا۔ شہر کے تمام محلوں سے جلوس نکالے گئے اور دو بجے دن کو گھنٹہ گھر سے ایک بہت بڑا جلوس اٹھا اور سارے شہر کا گشت کرنے کے بعد شام کو گاندھی پارک میں ختم ہوا جہاں ایک پبلک جلسہ ہوا اور کئی تجویزیں پاس ہوئیں ایک قرارداد میں حکومت ہند سے اپیل کی گئی کہ وہ تمام سیاسی قیدیوں اور نظربندوں کو چھوڑ دے ورنہ انکو چھڑانے کیلئے سارے ہندستان میں تحریک شروع ہو جائے گی۔ ... صوبہ دہلی کی حکومت سے بھی استدعا کی گئی کہ وہ کانگرسی وزارتوں کی مثال پر عمل کرے اور دفعہ ۱۴۴ کے تمام قیدیوں کو رہا کر دے، اور اسکے علاوہ دہلی کی سازش کے قیدیوں اور دوسرے قیدیوں کو جو دہشت پسندی کے جرم میں سزا کاٹ رہے ہیں چھوڑ دے۔

دوسری قرارداد میں ریاست الور کے اس رویہ کے خلاف اظہار نفرت کیا گیا کہ اسنے کانگرس کو دبانے کیلئے پرامن کانگرسیوں کو گرفتار کر لیا ہے اور انکو کوئی باہر کا وکیل تک کرنے کی اجازت نہیں دی، اسکے علاوہ انکو سی کلاس میں رکھا گیا ہے اور جیل میں ان سے دوسرے قیدیوں کی طرح برابر کام لیا جا رہا ہے، جلسہ نے ریاست سے مطالبہ کیا کہ ان قیدیوں کو اپیل کرنے کے لئے باہر سے وکیل بلانے کی اجازت دی جائے، انکو کم از کم "بی کلاس" دیا جائے، اور ان سے کسی قسم کی مشقت نہ لی جائے۔

ایک تیسری قرارداد میں حکومت دہلی سے اپیل کی گئی کہ وہ کانگرسیوں کے اوپر سے بندش اٹھالے، اور مسٹر بی۔ کے۔ دت کو جو دہلی جیل میں ہیں "بی کلاس" دے۔

باقی صفحہ ۲

## ہندستانی فوج کی مشین بندی

ٹائمس آف انڈیا کا خاص نامہ نگار نئی دہلی سے لکھتا ہے کہ ۲ لاکھ پونڈ کی جو رقم ملک معظم کی حکومت نے ہندستانی فوج کو مشین بندی کے لئے دی ہے، ناکافی ہے، ہمارا ابھی یہی خیال ہے، لیکن اس پر بھی سرکاری اخبارون، اور سرکار کے بہی خواہوں نے اس اسکیم کی تائید کی، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اتنی سی رقم دے کر برطانیہ اپنی کمال دریا دلی دکھا رہی ہے، تین سال گزرے مسٹر ہیرو جنوبی افریقہ کے سیاست داں نے کہا تھا کہ اگر برطانوی حکومت نے اپنی فوجی اسکیم جنوبی افریقہ میں چلانے کا ارادہ وہاں کے لوگوں کی مرضی کے خلاف کیا تو خانہ جنگی چھڑ جائے گی، برطانوی حکومت میں اتنی سمجھ ہے کہ وہ جنوبی افریقہ کی مرضی کے خلاف ایسی بات نہیں کرے گی، لیکن وہی حکومت ہندستانیوں کی مرضی کی پرواہ تک نہیں کرتی۔ کیوں؟ اسی لئے کہ ہندستان کوئی نوآبادی نہیں ہے۔ جب ذمہ داری کا جائز ہو یا ناجائز سوال اٹھے تو ہندستان سب کچھ ہے۔ جب حقوق کا مطالبہ ہو، تو ہندستان کچھ نہیں ہے۔"

(لیڈر ۲۸ر نومبر)

## روسی بچوں کی تعلیم

ماسکو میں تین مدرسوں کو جو موت کی سزا اس جرم پر دی گئی ہے کہ وہ لڑکوں کے ساتھ خراب برتاؤ رکھتے تھے، اور انکو خراب غذا دیتے تھے، دیکھنے میں سخت معلوم ہوتی ہے۔ لیکن اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ کسی ملک نے اپنے یہاں کے بچوں کی تربیت اور تربیت کا اتنا خیال کیا ہے جتنا سوویٹ روس نے۔ جرمنی اس کا تھوڑا بہت مقابلہ کر سکتا ہے۔ وہاں کی تعلیم کا یہ حال نہیں کہ صرف کتاب کی پڑھائی سے شروع ہو اور اسی پر ختم ہو جائے، صحت کا بہت خیال رکھا جاتا ہے، اور ساتھ ہی نوجوان دماغوں میں قومی خودداری پیدا کی جاتی ہے، سوویٹ روس مستقبل کی نسل کو اپنے اصولوں کا محافظ بنانے کیلئے سب کچھ قربان کر دیتی ہے یہی وجہ ہے کہ وہ ہر ایسی کوشش کو جو اسکے اصولوں کو مٹانے کیلئے کی جائے، بری طرح دبا دیتی ہے، ایسے جرم دوسری جگہ معمولی سمجھے جاتے ہیں مگر روسی حکومت اس پر سزائے موت دیتی ہے، غیرملکی اخباروں میں اس پر چاہے جیسی رائے زنیاں ہوں۔ مگر یہ ماننا پڑے گا کہ روسی حکومت نے بیس سال میں جو کچھ کر دکھایا دوسری حکومتیں اسکو نصف صدی میں بھی مشکل سے کر سکتی ہیں۔"

ہندستان خود ہیرس لمیٹڈ کی طرف سے ... نے اہتمام ... پرنٹنگ پریس ... سے چھپوا کر ... روڈ لکھنؤ سے شائع کیا۔

جلد ۱ نمبر ۱۹ | لکھنؤ۔ ۱۲ر دسمبر ۱۹۳۷ء عیسوی | فی پرچہ ۱؍ سالانہ ۳؍

## فرانس میں سرمایہ داروں کے کرتوت

فرانس کی خبر ہے کہ پیرس کی پولیس نے ایک بڑی عظیم الشان سازش کا پتہ لگایا ہے، کاغذات دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک باقاعدہ خانہ جنگی کی تیاریاں تھیں، اس غرض سے ایک فوج تیار کی گئی تھی، جس کے چھوٹے دستے، افسر، اعلیٰ افسر مقرر تھے، ان کے لئے چھوٹی مشین گنوں، چھوٹی توپوں، اور بندوقوں کا انتظام تھا۔ پیرس کی سڑکوں، اور وزیر اعظم بلم کے مکان کے راستوں کے مفصل نقشے معہ ہدایتوں کے موجود تھے، ایک تجویز یہ بھی تھی کہ پارلیمنٹری نمائندوں کے نام دیدیئے گئے تھے جو اشارہ پاتے ہی فوراً گرفتار کرلئے جاتے، اس سازش کا مقصد یہ تھا کہ فرانس کی جمہوری حکومت کو مٹاکر اس کی جگہ بادشاہت ازسرنو قائم کی جائے، سازش میں حکومت کے پرانے افسر، فوج کے اعلیٰ افسر، ڈاکٹر اور بڑے بڑے مہاجن شریک ہیں، اس سازش کے انکشاف سے بڑی دہشت پھیل گئی ہے۔

روس کے لئے تو برابر سننے میں آرہا ہے کہ وہاں سوشلزمی حکومت کو توڑنے کے لئے وہاں کے حکام سازشوں پر سازشیں کرتے چلے جاتے ہیں، لیکن عوام پر ان سازشوں کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ کیونکہ وہ لوگ حکومت سے خوش ہیں، اس لئے سازشوں کا حال کھل جاتا ہے، اور سازشی گرفتار ہوکر سزا پاتے ہیں، اوپر والی خبر سے معلوم ہوتا ہے کہ فرانسیسی حکومت پر بھی رجعت پسندوں کی بلا اسی طرح مسلط ہے، وہاں کی کوئی وزارت مشکل سے چند مہینے ٹھہر پاتی ہے، اس پر آفت یہ سازش ہوئی۔ اس کا صریحی مطلب یہ ہے کہ سرمایہ دار اپنے نفعوں کو بچانے کے لئے ہر قسم کی سیاہ کاریاں اور خونریزیاں کرنے کو تیار ہیں، جو رجعت پسند اشتراکیوں کو اسی لئے برا کہتے ہیں کہ وہ خونی انقلاب کے حامل ہیں، وہ ذرا اپنے سرمایہ داروں کے کرتوت دیکھیں، اشتراکی خون بہانا چاہتے ہیں تاکہ وہ نعمتیں جو چند لوگوں تک محدود ہیں عام ہوجائیں، مگر فرانسیسی سرمایہ دار خونریزی کرنا چاہتے ہیں، صرف اس لئے کہ وہ نعمتیں جو عوام تک پہونچ گئی ہیں پھر چھین کر چند لوگوں کے ہاتھوں میں دیدی جائیں، کس کا مقصد بلند ہے، انصاف کیا کہتا ہے دونوں صورتوں سے

کون صورت امن قائم کرسکتی ہے؟

## سامراج کی ہمرنگی

جب جاپانی فوجیں شنگھائی کی بازاروں سے گذر رہی تھیں، تو ہندستانی سپاہی ناکہ بندی کی خدمت انجام دینے کے لئے تعینات کئے گئے، گویا ہندستانی سپاہیوں کا کام یہ ٹھہرا کہ جب شنگھائی کی آزادی جاپانی فوج کے جوتوں سے کچلی جارہی ہو وہ راستہ صاف کریں سامراجی طاقتوں میں کتنی ہمرنگی ہے۔ جو آپس میں لڑائی رہتے پر بھی یکجہتی رہتی ہے یہی پالیسی رہی ہے برطانیہ کی ہمارے ملک میں، ہمیشہ ایک جگہ کے سپاہیوں کو پندرہ پندرہ روپیہ پر نوکر رکھکر دوسرے ہندستانیوں کی جان و مال پر لوٹ مچائی، اور ہندستان پر قبضہ کرلیا۔ اور اب پنجاب کے سپاہیوں سے اودھ کو اور اودھ کے سپاہیوں سے پنجاب کو دبایا جاتا ہے، اور یوں ہندستان کی آزادی چرائی جاتی ہے

## ہندستانیوں کی تندرستی

ہز ایکسیلنسی وائسرائے نے ڈاکٹری تحقیقات والوں کی انجمن کے پندرھویں اجلاس میں ایک تقریر کی انھوں نے کہا کہ ہندستان کے لئے طبی تحقیقات بہت ضروری چیز ہے۔ یہاں گرم ممالک والی بیماریاں بہت

تیزی سے پھیل رہی ہیں۔ ملیریا، ہیضہ، چیچک، دق وسل، اور زچگی میں بکثرت موتیں ہو رہی ہیں، ان میں زیادہ تر واقعات ایسے ہوتے ہیں جو ابتدا میں آسانی سے سنبھل سکتے تھے، بیماری سے لڑنے کے لئے آدمی کے پاس دو ہتھیار ہیں، غذا اور قوت برداشت، اس لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ ملک کی غذا کی پیداوار بڑھائی جائے، لوگوں کو بتایا جائے کہ اچھی غذا کیا چیز ہے، اور لوگوں کو اس کے استعمال کی ترغیب دیجائے۔

ہز اکسلنسی نے بیان کیا کہ اس ملک میں سب سے پیچیدہ بات یہ ہے کہ غذا کا مسئلہ اور ملک کا اقتصادی مسئلہ ایک دوسرے میں بہت کچھ پیوست ہے، غریبی، جس پر ہم سب بہت افسوس کرتے ہیں، یہاں کے گوشوں میں پھیلی ہوئی ہے۔

ہز اکسلنسی نے ڈاکٹری تحقیقات پر اس طرح زور دیا گویا اب تک حکومت اس پر بڑی توجہ کر رہی ہے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ حکومت صرف باتیں بنا رہی ہے، ہندستان میں جو ادارے ڈاکٹری تحقیقات کے لئے قائم ہیں اس میں حکومت کا کوئی دخل نہیں ہے، وہ صرف ہندستانیوں کی کوشش کا نتیجہ ہیں یا پھر کلکتہ کا آل انڈیا ہائیجین اور پبلک ہیلتھ کا ادارہ ہے راکفلر کے روپیہ سے قائم ہوا ہے، دنیا کی سب حکومتیں اپنی آمدنی کا بہت بڑا حصہ ملک کی تندرستی پر خرچ کرتی ہیں، مگر حکومت ہند نے اس سلسلہ میں جو کچھ کیا ہے وہ برائے نام ہے، کیا حکومت ہند کے پاس روپیہ نہیں ہے؟ سب کو معلوم ہے کہ حکومت ہند کی آمدنی کتنی زیادہ ہے، مگر وہ کس بیدردی سے صرف ہندستان کو غلام رکھنے والی مشین پر خرچ کیجاتی ہے،

غذائی تحقیقات، کا ایک ادارہ ہے، جہاں کے ڈاکٹر ایکرائڈ نے خود کہا ہے کہ اچھی غذا، روزمرہ کی غذا سے بہت قیمتی ہوتی ہے۔ اور ہندستان کے بہت کم باشندے اس قابل ہیں کہ اسکو استعمال کر سکیں، ڈاکٹر نے اچھی غذا کی جو فہرست دی ہے، اس میں چاول، دودھ مکھن ترکاریاں، سبزیاں، چربی، تیل اور پھلوں کی مناسب مقدار دی گئی ہے، اس کو دیکھ کر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ سارے کا سارا ادارہ صرف سول سروس والوں کی زندگی بڑھانے کی ترکیبیں نکالنے کے لئے قائم کیا گیا ہے۔

## لیڈی لنلتھگو کے اوصاف کریمانہ

لیڈی لنلتھگو نے ایک اپیل شائع کی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ہندستان میں دق وسل لاکھوں جانوں کو کھائے جا رہے ہیں، اس کا مقابلہ کرنا بہت ضروری ہے اس مقابلہ کی تیاری کے لئے ایک انجمن بننا چاہئے جس کی شاخیں تمام صوبوں اور ریاستوں میں ہوں، اور وہ کوشش کریں کہ اس بلا کو ہندستان سے دور کیا جائے، یہ انجمن ملک معظم کی تاجپوشی کی یادگار میں قائم ہوگی، اس انجمن کے قیام کے لئے والیان ریاست، امیروں اور رئیسوں سے چندہ مانگا گیا ہے۔ تھوڑا چندہ جمع بھی ہو گیا ہے۔

اس منحوس بیماری نے ہندستان میں جو تباہیاں مچائی ہیں وہ ظاہر ہیں ۱۹۳۶ء میں بیس لاکھ موتیں اسی بیماری سے ہوئیں، جو بیماری میں بھگت رہے تھے انکا شمار نہیں، شہروں کی گھنی آبادی، گندے مقاموں میں یہ بیماری اپنا گھر بناتی رہی ہے ہزاروں عورتیں اور بچے اس کا شکار ہو رہے ہیں، مگر لیڈی صاحب نے اس بیماری کی وجہ پر شاید اتنا غور نہیں کیا جتنا ہز اکسلنسی نے غور کیا ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ بیماری کا مسئلہ، ہندستان کے اقتصادی مسئلوں سے الجھا ہوا ہے جن ڈاکٹروں نے اس مرض پر تحقیقات کی ہے، انکا بیان ہے کہ اس کی اصل وجہ بدن کی کمزوری اور خراب غذا ہے، اسی وجہ سے یہ بیماری اب شہروں سے نکل کر دیہاتوں میں پھیلتی جا رہی ہے، اگر اس کی اصلاح کرنا ہے تو غریبی اور بیکاری دور کیجئے۔ غریبی اور بیکاری کی وجہ خود انگریزی حکومت کا وجود ہے، اسی لئے اگر دق دور کرنا ہے، اور اس ارادے میں سچائی ہے تو ہندستان سے تشریف لے جائیے، ورنہ ایسی چمکیلی ترکیبوں سے دق محلوں سے تو دور ہو سکتی ہے، مگر جھونپڑوں سے نہیں، جہاں اس کے جراثیم پیدا ہوتے ہیں۔ پروان چڑھتے ہیں، اور پھر غذا کی تلاش میں محلوں کی طرف جاتے ہیں۔

اس تحریک سے ایک فائدہ ضرور ہوا، ملک معظم کی تاجپوشی منانے کے لئے روپیہ ملجائیگا۔ کون ایسا ظالم ہے جو اتنی انسانی ہمدردی سے بھری تحریک کی مخالفت کرنے کی جرات کرے۔

## اڑیسہ کے زمینداروں کی گھبراہٹ

۲۸ - ۲۹ نومبر کو اڑیسہ کے زمینداروں کی کانفرنس راجہ صاحب دھارکی صدارت میں گنجام میں منعقد ہوئی۔ اس میں مہاراجکمار بردوان بھی شریک تھے، کیونکہ ان کی زمین اڑیسہ میں بہت ہے۔ اس صوبہ کے سب بڑے بڑے زمیندار جمع ہوگئے تھے، اس میں مذہب و ملت کی ذرا تفریق نہیں تھی۔

صدر صاحب نے کہا کہ دوامی بندوبست، حکومت اور زمینداروں میں ایک معاہدہ ہے جس میں ابھی تک دونوں فریق ایمانداری سے قائم رہے، لیکن کانگرس نے وزارت قبول کرتے ہی یہ "بداخلاقی" شروع کر دی کہ معاہدہ کی خلاف ورزی کرنے پر تل گئی۔ اس لئے گورنر کو چاہئے کہ اس معاملے کو اپنے ہاتھ میں لے۔ اور زمینداروں کی حقوق کی پوری طرح حفاظت کرے، صدر نے اس بات پر بڑی ناراضگی ظاہر کی کہ ہز اکسلنسی نے زمینداروں کا ساتھ چھوڑ دیا۔ اور سوشلسٹ اثر میں آگئے۔

اس گھبراہٹ کی خاص وجہ یہ ہے کہ کانگرس کابینہ دو ایسے بل اسمبلی میں پیش کرنے والی ہے جس سے زمینداروں کے اختیارات بہت کچھ کم ہو جائیں گے، اور کسانوں کی حالت تھوڑی بہت سنبھل جائے گی، بھلا زمیندار اس بداخلاقی کو کب گوارا کر سکتے ہیں، اور یہی وہ موقع ہے جہاں پر مذہبی فرق نہ کر دیا جاتا ہے، اور صرف قانون خود غرضی، پر عمل درآمد ہوتا ہے، اب نہ زمینداروں کی لیڈر مسلم لیگ ہے، اور نہ مہاسبھا، صرف ذاتی منافع، عقیدہ بنے ہوئے ہیں، اس پاک برادری کی سرداری گورنر سے زیادہ اور کون مستحق ہو سکتا ہے، اس لئے جو دوستانہ شکایت ہے، بجا ہے۔ مگر مجبوریاں ایسی ہیں کہ وہ سر دست اپنے لاڈلوں کی حمایت نہیں کر سکتا، ہاں۔ ذرا کسان اور زمیندار کی کشمکش اور آگے بڑھے، پھر یہ سب سامراجی دیو ایک ساتھ شکایت کرنے نکلینگے کہیں لاٹھی مارے پانی جدا ہوتا ہے۔

## آسام کی کابینۂ وزارت

آسام کی سعد اللہ وزارت کو کئی بار اسمبلی میں شکست ہو چکی ہے مگر وزارت پارلیمانی اصول کے خلاف اپنی جگہ پر جمی رہی۔ شاید وہ اپنے نکلنے کے لئے کچھ نئے رسوم چاہتے ہیں، اس مرتبہ اسمبلی نے پاس کر دیا ہے کہ لگان میں ۳۳ فیصدی کی تخفیف ہونا چاہئے، مگر وزارت نے اس پر کوئی توجہ نہیں دی اسلئے طے پایا ہے کہ وزارت کے خلاف عدم اعتماد کی قرارداد پاس کیجائے۔ بہت ممکن ہے کہ آسام کی موجودہ وزارت اب ختم ہو جائے، اور اس کی جگہ سرحد کی طرح کانگرسی وزارت ہو، ادھر پنڈت جواہر لال کے دورے نے اس بات کا امکان بہت بڑھا دیا ہے۔

# کانپور کے واقعات

کانپور میں یکبارگی مزدور تحریک پر سرمایہ داری اور شہنشاہیت نے مل کر وحشیانہ حملہ کر دیا، ملوں کے آدھے میل کے دائرے کے اندر مزدوروں کو اپنے جلسے کرنے اور جلوس نکالنے کی اجازت تو کبھی مہینوں سے چھین ہی لی گئی تھی، اب اس حکم کو تین مہینے کے لئے اور بڑھا دیا گیا ہے۔

مزدور سبھا کے ہر دلعزیز جنرل سکریٹری کامریڈ یوسف کو پہلے سرمایہ داروں کے غنڈوں نے بزدلانہ طریقہ سے مار کر ادھ مرا کر دیا اسکے بعد وہ دفعہ ۳۰۵، تعزیرات ہند کے ماتحت جیل میں ڈال دئے گئے۔

کامریڈ سنتوش چندر کپور، اخبار "لال جھنڈا" کے نوجوان ایڈیٹر اور مزدور سبھا کے جوائنٹ سکریٹری دفعہ ۱۴۴ توڑنے کے جرم میں جیل بھیج دئے گئے، ان پر الزام یہ تھا کہ وہ پانچ آدمیوں سے زیادہ کے ایک مزدوروں کے حلقے میں کھڑے ہوئے ان سے گفتگو کر رہے تھے، جب آپ کچہری میں لائے گئے تو پولیس نے آپ کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈال دی تھیں، آپ کو تین مہینے کی سزا ہوئی۔

کامریڈ گجپت رائے، اخبار "پرتاب" کے نائب ایڈیٹر اور کانپور کانگرس کے پرانے کارکن بھی اسی سلسلے میں جیل میں ہیں

اسوقت تک تقریباً سو مزدور گرفتار ہو چکے ہیں، سنا جاتا ہے کہ مل کے منیجر جن مزدوروں کو شورہ پشت خیال کرتے ہیں، انکے نام لکھ کر پولیس کو بھیج دیتے ہیں اور پھر ان کی گرفتاری عمل میں آجاتی ہے۔

مزدور سبھا کے ان تھک کارکن، وہ لوگ جو برسوں سے دن رات مزدور تحریک میں ڈوبے ہوئے ہیں، جنھوں نے ہمارے صوبے میں مزدوروں کو منظم کرنے کا پہلا قدم اٹھایا تھا، دفعہ ۱۴۴ کے نوٹس کی وجہ سے کانپور میں تقریر کرنے سے محروم ہیں۔

پولیس مزدوروں کے محلوں میں گشت کرتی ہے، اور ایک عام دہشت انگیزی کا بازار گرم ہے۔

یہ سب آخر کیوں ہو رہا ہے؟ کہا جاتا ہے کہ مزدور اور ان کے لیڈر تشدد پر اتر آئے ہیں، اس لئے سرکار کی یہ کارروائی جائز ہے۔ اس بات کے ثبوت میں ماسٹر سمیع کے قتل کا واقعہ پیش کیا جاتا ہے۔ یہ قتل چند دن ہوئے نامعلوم حالات میں واقع ہوا۔

سرمایہ داروں کے جھوٹے پروپیگنڈے کے باوجود یہ سراسر غلط ہے کہ مزدور سبھا کا ہاتھ کسی طرح سے اس افسوسناک واقعہ میں ہے۔ مزدور سبھا موجودہ حالات میں ہر قسم کے تشدد کے خلاف ہے، مزدور لیڈر، جو سوشلسٹ جماعت سے تعلق رکھتے ہیں، بار بار اس کا اعلان کر چکے ہیں کہ ذاتی تشدد سے ان کی تحریک کو نقصان پہونچے گا۔ وہ انقلاب کے ضرور قائل ہیں لیکن انقلاب کسی آئندہ موقع پر لاکھوں کروروں انسانوں کی منظم کارروائی کی صورت میں ہوگا، سوشلسٹ ہر قسم کی ذاتی دہشت انگیزی کو جنتا کی تحریک کے لئے مضر اور فضول سمجھتے ہیں۔

وہ کبھی ان حرکتوں کو پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھتے۔ مزدور سبھا کے لیڈروں نے بھی صاف طور سے اعلان کر دیا ہے کہ ماسٹر سمیع کے قتل میں وہ کانپور کے غنڈوں کا ہاتھ دیکھتے ہیں، غالباً اس کی وجہ ذاتی مخاصمت تھی۔

اصل بات تو یہ ہے کہ کانپور کے سرمایہ دار اس قتل کو بہانا بنا کر مزدوروں کے حقوق اور ان کی تنظیم کو کچل دینا چاہتے ہیں۔ ان کی ان حرکات میں کانپور کی امپیریلیسٹ نوکر شاہی بھی شامل ہے، ان دونوں گروہوں کی مدد کرنے کیلئے غریب مسلمانوں کی خیر خواہ مسلم لیگ کے جانباز بھی شامل ہیں، یہ حضرات لگاتار اس کوشش میں لگے ہوئے ہیں کہ کانپور کی آتش فشاں سرزمین پر فرقہ وارانہ فسادوں کے شعلے بھڑک اٹھیں۔

یہ تمام گروہ آخر کیوں اس سراسیمگی کے ساتھ کانپور کو اپنی مجرمانہ سازشوں کا مرکز بنائے ہوئے ہیں؟

کانپور کے مزدوروں کی بڑھتی ہوئی طاقت۔ سرمایہ داری، شہنشاہیت اور فرقہ پرستی، تینوں کے لئے نہایت خطرناک ہے۔

سرمایہ دار ہمیشہ سے مزدوروں کو پیٹتا چلا آیا ہے ۱۹۲۹ء میں کانپور کے مزدوروں کی چالیس فیصدی مزدوریاں گھٹائی گئی تھیں۔ مزدور کہتے ہیں کہ آج جبکہ چیزوں کے دام بڑھ گئے ہیں ان کی مزدوری میں کم از کم ۲۵ فیصدی کا اضافہ ہونا چاہئے، ان کو اتنی مزدوری ملنا چاہئے جس میں ان کی بسر اوقات ہو سکے۔

مزدور کہتے ہیں کہ سرمایہ دار کو اس بات کا حق نہ ہونا چاہئے کہ وہ جب جی چاہے انھیں نکال باہر کر دے، اور وہ اور ان کے بال بچے بھوکوں مریں، وہ مستقل نوکری کا مطالبہ کرتے ہیں۔

مزدور کہتے ہیں کہ ملوں میں ان پر مار پیٹ بند ہونا چاہئے اور ان سے کوئی ناجائز مطالبات نہ ہونے چاہئیں

مزدور کہتے ہیں کہ انھیں منظم ہونے کا حق ملنا چاہئے، وہ مطالبہ کرتے ہیں کہ سرمایہ دار ان کی تنظیم میں کسی قسم کی مداخلت نہ کریں، وہ چاہتے ہیں کہ ان کی سبھا کو سرمایہ دار ان کی جماعت کا نمائندہ مانیں،

یہ تھے وہ خاص خاص مطالبات جو مزدوروں نے عام ہڑتال کے موقع پر پیش کئے۔ عام ہڑتال کے وقت جو سمجھوتا ہوا اس میں مزدوروں کے تمام مطالبات تو نہیں ملنے گئے لیکن پھر بھی جیت انھیں کی رہی، سرمایہ داروں کو مزدور سبھا کی نمائندہ حیثیت کو ماننا پڑا۔

لیکن وہ برابر اس کوشش میں ہیں کہ مزدور منظم نہ ہونے پائیں، انھوں نے علانیہ سمجھوتے کو توڑا۔

سمجھوتے کے خلاف انھوں نے دو سو سے زیادہ مزدوروں کو برخاست کر دیا۔

سمجھوتے کے خلاف انھوں نے تین ملوں میں مزدوریاں گھٹا دیں

سمجھوتے کے خلاف انھوں نے وقت سے زیادہ کام لیا۔ اور سمجھوتے کے خلاف انھوں نے مزدور سبھا میں کام کرنے والے مزدوروں کو نکالنا، اور ہر طریقے سے ستانا شروع کیا۔

لکشمی رتن مل اور علی مال کملا پت ملوں میں غنڈا ایکٹ کے ماتحت شہر بدر کئے ہوئے غنڈے مزدوروں کو پیٹنے اور ڈرانے کے لئے نوکر رکھے گئے۔ بیسیوں مزدور مارے اور پیٹے گئے۔

تحقیقاتی کمیٹی کے سامنے سرمایہ داروں نے اپنے بیان میں ان سوالات کا جواب نہیں دیا جو ان سے پوچھے گئے تھے۔

غرض کہ سرمایہ دار کسی حالت میں بھی اپنے منافع میں کمی ہوتے دیکھنا نہیں چاہتے، مزدور چاہے زندہ رہیں یا مریں۔ یہ تو سرمایہ داروں کے کرتوت ہیں۔

انگریزی شہنشاہیت ان سرمایہ داروں کی مدد اس لئے کر رہی ہے کہ وہ مزدوروں کی منظم طاقت میں اپنا ایک ایسا دشمن دیکھتی ہے جو ہندستان کے سامراج دشمن مورچے میں سب سے زیادہ بے پناہ، سب سے زیادہ بہادر، اور سب سے زیادہ آگے بڑھی ہوئی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ کلکٹر صاحب کانپور، جناب لاٹ صاحب بہادر، اور برطانوی استعمار کا سارا گروہ عملہ، کانگرس وزیروں کے باوجود بھی کانپور میں ہر طرح کی جابرانہ کارروائی کرنے پر تلے ہوئے ہیں، یہ لوگ کانگرس کو بدنام کرنا چاہتے ہیں۔ مسلم لیگ یہ سمجھتی ہے کہ اگر کانپور کے ہندو مسلم مزدور ایک ہو گئے تو یہ ایک زندہ مثال ہوگی قومی اتحاد کی، غریبوں کا یہ اتحاد ایک ایسی چیز ہوگی جو فرقہ پرستی کا قلع قمع کر دے گی۔

آج کانپور میں ہندستانی قومیت کے سب سے آگے بڑھے ہوئے دستے سرمایہ داری، استعمار، اور فرقہ پرستی سے بیک وقت دست و گریباں ہیں، کانگرسی وزارت کا ایک اور صرف ایک فرض ہے، وہ کانپور کے بہادر مزدوروں کی مدد کرنا ہے۔ اگر ہمارے وزیر رجعت پسند طاقتوں سے گھبرا کر مزدوروں کی منظم طاقت کو کمزور کرنے میں لگ جائیں گے تو پھر ہماری ساری آزادی کی تحریک خطرے میں پڑ جائے گی،

کانپور کے مزدور صرف اپنے جماعتی حقوق کے لئے نہیں بلکہ تمام ہندستانی عوام کے حقوق کے لئے لڑ رہے ہیں۔ وہ کھانے کے لئے روٹی مانگ رہے ہیں۔ وہ تقریر کی اور تنظیم کی آزادی مانگ رہے ہیں۔ وہ ہندستان کے دشمنوں کو نیچا دکھانے کیلئے اپنا جان و مال سبھی قربان کرنے کے لئے تیار رہیں۔

کیا ہندستان کی آزادی کے دوسرے سپاہی اپنے بہادر مصیبت زدہ بھائیوں کی مدد نہیں کریں گے؟ کیا کانپور سے دفعہ ۱۴۴ جلد سے جلد واپس نہیں لی جائے گی؟ کیا گرفتار مزدور رہا نہیں کئے جائیں گے؟ کیا مزدور لیڈروں کو تقریر کی آزادی نہیں ملے گی؟ کیا سرمایہ داروں اور فرقہ پرستوں کی سرکوبی نہیں ہوگی؟ کیا شہنشاہیت کے نوکر اپنی سازشوں سے روکے نہیں جائیں گے؟

صرف کانپور ہی کے مزدور نہیں بلکہ تمام ہندستان کے آزادی کے سپاہی گوش بر آواز ہیں!

# جرمنی کی دلالی

رنگون میں جاپانی مال کے بائیکاٹ کا پروپگنڈا کرنے کے لئے، تصویریں اور اشتہارات لگائے جاتے تھے، سوانگ نکالے جاتے تھے۔ مگر ۴؍دسمبر کی خبر ہے کہ وہاں کے پولیس کمشنر نے ایسی تمام باتوں کی ممانعت کر دی۔ اس سے وہاں کے چینیوں کو بہت حیرت ہوئی، کیونکہ پہلے خود حکومت اس تحریک کی درپردہ سرپرست تھی۔ یہ چھوٹا سا واقعہ بہت بڑا بھید کھول دیتا ہے۔ وہ یہ کہ لارڈ ہیلی فاکس ہٹلر سے ملنے کیوں گئے، اور دونوں میں کیا سمجھوتا ہوا۔

جاپان نے اپنے کو "چینی لوٹ" سے بچانے کے لئے حملہ کر دیا۔ چینی لوٹ یہ تھی کہ نانکن کی حکومت چینی رعایا کی قسمت کو جاپان کے حوالے کر دینے پر راضی نہیں ہوئی۔ جاپان نے بچاؤ کے لئے کئی مقامات پر حملے کئے، ہوائی جہازوں سے غیر سپاہیوں پر بمباری کی، غیر ملکیوں پر بمباری کی۔ اور لاکھوں کی دولت مٹا ڈالی، جاپان کی ایک فوج شمال کی طرف سے میدان بر میدان جیتتی، زرد دریا تک، اور صوبہ شانسی سے گذر منگولی حکومت کی سرحد تک پہونچ گئی۔ دوسری فوج نے شنگھائی فتح کیا، سوچاؤ فتح کیا، اور اب نانکن ایک دو روز میں چھیننا چاہتی ہے۔

چین کی آزادی میں تو خیر، ہاں چین کی تجارت میں برطانیہ اور ممالک متحدہ کو خاص دلچسپی ہے۔ اسی لئے برسلز میں نو طاقتوں کی کانفرنس کی گئی۔ سب طاقتوں کو جاپان کا حملہ اتنا معصوم نظر آیا کہ کسی کو بھی یہ گوارا نہ ہوا کہ اسکو "چڑھائی" کہتے، صرف روسی سفیر اتنا گستاخ تھا جس نے چڑھائی کہکر پکارا۔ ان سب طاقتوں نے بہت ملائم الفاظ کی ایک سخت قرارداد جاپان کے خلاف پاس کر دی، اور اس کے بعد کارروائی ختم کر دی گئی۔

مسٹر ایڈن نے بحیرۂ روم کے معاملہ کے سلسلہ میں کہا تھا کہ برطانیہ اس جگہ نہیں دب سکتی جہاں اس کی تجارت خطرہ میں ہو۔ اس بات میں کسی کو کیا شک ہو سکتا ہے۔ کون ایسا ہے جو اپنی جان بچانے کے لئے نہ لڑے، اس لئے ہم کو امید تھی کہ چین و جاپان کی لڑائی میں برطانیہ ضرور بیچ میں پڑے گی۔ دو صورتیں ہو سکتی ہیں، ایک ظالم کی طرفداری، اور ایک مظلوم کی حمایت، پہلی صورت سہل ہے، فائدہ مند ہے، اور برطانیہ کے رسم و رواج کے موافق ہے دوسری صورت میں بہت خطرے ہیں نقصان ہیں، اور انوکھی بات ہے، اس لئے قیاس تھا کہ برطانیہ جاپان ہی کی طرفداری کرے گی، ادھر اسپین کی لڑائی میں برطانیہ نے اس فن میں ایک خاص ایجاد بھی کر لی ہے۔ وہ یہ کہ غیر جانبداری کے ذریعہ جانبداری کرنا اسکے استعمال کا خطرہ تھا، اور معلوم ہوتا ہے کہ ہوگا بھی یہی۔

جاپان اور چین کی لڑائی اب اس حد تک پہونچ گئی ہے کہ عالمگیر لڑائی چھڑ جانے کا ڈر ہے۔ شنگھائی کی فتح کی خوشی میں جاپانیوں نے جلوس نکالا۔ ایک دل جلے چینی نے اس پر بم پھینک دیا۔ جاپان مجبور ہے اس قسم کے

(باقی صفحہ ۱۲ پر)

# نیا ادب اور ہماری ذمہ داریاں

منظر رضوی

نومبر کی ۱۳ر ۱۴ر کو الہ آباد میں ترقی پسند ادیبوں اور مصنفوں کی دوسری کانفرنس ہوئی، جس میں ادب کے متعلق بعض اہم باتیں زیر بحث آئیں۔ مثلاً "ہم کیوں لکھتے ہیں؟" اور "ہم کس کے لئے لکھتے ہیں؟" اسکے علاوہ اور بھی مسئلے ہیں لیکن ہم اس بحث و مباحثہ کے لئے انجمن کو مبارکباد نہیں دے سکتے۔ کیونکہ انجمن ان مسئلوں پر پچھلے سال بحث کو ختم کر چکی تھی، امسال اسے آگے بڑھنا چاہئے تھا۔

بہرحال ہمیں ایک منظم جماعت کی حیثیت میں یہ سوچنا ہے کہ نئے ادب کی ترقی کے لئے ہمیں کیا کرنا ہے۔ انجمن کی حیثیت ایک رہنما کی ہے۔ ہندستان میں جدید ادب اور جدید ادبی نظریہ کی ابتدا شروعات ہو چکی ہے۔ ادیبوں کے رجحانات بدل رہے ہیں۔ ادب کے نئے نئے نظریے سامنے آرہے ہیں۔ اور ادب کے جدید مفہوم کی تعیین ہو رہی ہے۔ ہمیں ان بکھرے ہوئے نظریوں کو منظم راہ پر لگانا ہے۔ دونوں سالانہ کانفرنسوں کی بحث سے یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ ہمارے ادب میں موجودہ سماجی کشمکش، محنت پیشہ اور فاقہ کش عوام کی جد و جہد، انکے حوصلے، انکی امیدیں اور تمنائیں، انکی کامیابی اور ناکامیاں، انکی زندگی کے تمام پہلوؤں کی نفسیات ہونی چاہئے۔ ہم اب "واقعیت" کی طرف بڑھ رہے ہیں، اور اس آرٹ کی طرف رجوع ہو رہے ہیں جو عوام سے پیدا ہوتا ہے۔ اس اعتبار سے ہم پر ایک بہت بڑی ذمہ داری آتی ہے، اور وہ یہ کہ ان کوششوں کو جو پچھلے سال سے ملک کے اندر شعوری یا غیر شعوری طور پر جاری ہیں ایک منظم راہ پر لگانا ہے۔ جو آرٹ عام لوگوں میں رہ کر عام لوگوں میں پیدا ہوتا ہے اسکے بگڑنے کے اور غلط راستوں پر لگ جانے کے خطرے بہت ہوتے ہیں، اور خاص کر کے اس وقت جبکہ ملک میں سامراج شاہی کا دور دورہ ہے، تمدن اور کلچر کو یوں بھی خطرہ ہے، پھر اس نئے آرٹ کے مخالفوں کی تو اور بھی کثرت ہوگی جس میں خود ہمارے ساتھی اور بہت سے ساتھ کام کرنے والے بھی شامل ہونگے۔ یہ بالکل صحیح ہے کہ ہم موجودہ حالات میں جبکہ سیاسی اقتدار ہمارے ہاتھوں میں نہیں اور جبکہ ہماری راہ میں ہر طرح کی سیاسی، سماجی اور مالی رکاوٹیں موجود ہیں زیادہ کامیابی کی توقع نہیں کر سکتے۔ تاہم ہمیں کچھ کرتے رہنا ہے۔ جیسا کہ پچھلے دو برسوں سے کرتے آئے ہیں۔

ایک اہم سوال ہے۔ وہ یہ کہ ادب میں حقیقت اور واقعیت ہو ورنہ وہ ادب مردہ ہے۔ لیکن یہ واقعیت جسکے ہم چرچے کرتے ہیں وہ عام لکھنے والوں کے نظریے سے کچھ مختلف ہے۔ جب ہماری نظر اپنے پرانے ادب یا موجودہ ذخیرہ پر پڑتی ہے تو اس میں ہمیں زندگی کے اکثر و بیشتر حقائق نظر آتے ہیں، کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ میر کے شعر بے حقیقت ہیں۔ واقعیت کا وجود اٹھارھویں اور انیسویں صدی کے ادب میں بھی ایک بڑی حد تک ہے۔ لیکن ان میں زندگی کے وہ ابال نہیں ہیں جن سے سماج آگے بڑھتی ہے، ان میں قنوطیت، اور غارت مندی (سلسلہ سنسم) کی روحیں دوڑتی ہیں، دوسرے یہ کہ سماج کے ایک خاص طبقہ کی ہیں جسے ہم جاگیرداری حقیقت کہہ سکتے ہیں۔ ان میں عام لوگوں کی زندگی کے نقشے نہیں ملتے! آج جبکہ ہم عام لوگوں کی طرف رجوع کر رہے ہیں تو ہمیں انکے متعلق بہت سی باتیں سمجھنے کی ضرورت پڑتی ہے۔ موجودہ سماج میں ان کی جگہ سماجی اور اقتصادی نظام سے انکا تعلق، انکی عام سماجی اور اقتصادی حالت، ان کی نفسیات، انکا ذوق، انکی تفریح۔ اس اعتبار سے ایک نئے آرٹسٹ کے لئے یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ وہ یا تو عام لوگوں میں سے ہو یا خود عام لوگوں سے تعلق اور ربط رکھتا ہو۔ "انقلاب زندہ باد" (ایک نظم جو ہندستان میں چھپ چکی ہے) کی کامیابی کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ شاعر خود اس کشمکش میں شریک تھا۔ (اور ہے) اس اپریل کو ایک طرف سامراج کے مسلح سوار اور پیادے صف باندھے کھڑے تھے۔ اور دوسری طرف پٹنہ کی دکھی جنتا کانگرسی میدان میں جمع ہو رہی تھی، اور یہ نظم اسی رات میں لکھی گئی تھی، اسی شاعر کی دوسری نظمیں جو اس سے پہلے لکھی گئی ہیں بعض تو معمولی درجہ رکھتی ہیں، اور ان میں ہم وہ روح نہیں پاتے جو "انقلاب زندہ باد" میں ہے۔

عوام بے تحاشہ عمل اور جد و جہد کے عادی ہوتے ہیں، انکے یہاں مایوسی اور ہمت ہارنے کا نام نہیں ہوتا۔ اس لئے نئے آرٹسٹ کو بہرحال عوام سے مربوط ہونا پڑے گا ورنہ اسکے ادب کے لئے خدشہ ہے کہ وہ آج شہرت پا لینے کے بعد کل ہی بے وقعت و بے حقیقت ہو جائے۔ جیسا کہ بہت سے ادیب اور آرٹسٹ کے ساتھ ہوا۔ بنکیم گور کی اس کی ایک مثال ہے۔

عوام میں سے جو ادبی آرٹ پیدا ہو رہا ہے یا آئندہ ہونے کو ہے اسکے طرز بیان، اسلوب اور زبان پر بھی ادیب کو غور کرنا پڑے گا۔ الفاظ کی تراش خراش میں اسے خاص طور پر محنت کرنا پڑے گی، اسے رسم خط پر بھی سوچنا پڑے گا۔ آج جو زبان اور رسم خط ہمارے ادب میں رائج ہے وہ یقیناً نئے ادب کے لئے موزوں نہیں۔ اسے کچھ نیچے لانا پڑے گا اور کچھ اوپر بھی۔

۱۳ر اور ۱۴ر نومبر کی بحثوں کا خلاصہ یہ ہوتا ہے کہ:

(۱) ادب میں جدید طرز کی حوصلہ افزا واقعیت ہو۔

(۲) ادیب عوام کی نفسیات پر مکمل عبور رکھتا ہو۔

(۳) ادیب طرز تحریر میں عوام کا خاص لحاظ رکھے۔

یہ تینوں باتیں ظاہرا بہت سہل اور آسان معلوم ہوتی ہیں۔ اور معلوم نہیں ہمارے ترقی پسند ساتھی ان تینوں چیزوں کو حاصل کرنے کیلئے یوں سمجھ کر ان تین اصولوں کے زیر اثر جو آرٹ وجود میں آنے والا ہے اس کی منظم ہدایت اور اسے صحیح راہ پر لگا لینے کے لئے کون سی صورت اختیار کرنے والے ہیں۔ ہمارا فرض یہاں چند اصولوں کو مرتب کر کے ختم نہیں ہوتا۔ اور خاص کر اس حالت میں جبکہ یہ اصول دھندلے اور مشتبہ ہوں اس بات کا ہمیشہ خطرہ رہتا ہے کہ ادیبوں اور فن کاروں کی آنیوالی نسل غلط راستہ پر نہ لگ جائے۔ آج کے ادب میں بہت سے نمونے ہمیں ایسے ملتے ہیں جنہیں ان تینوں اصولوں کا حاصل کہا جا سکتا ہے۔ لیکن ان کو پرکھئے تو معلوم ہو کہ آرٹسٹ نے کہاں ٹھوکر کھائی ہے۔ اور کہاں اس سے چوک ہوئی ہے۔ حال ہی میں "کمزور پودا" دیکھنے میں آیا۔ موجودہ ادب کا اسے ایک شاہکار کہا جا سکتا ہے۔ اور یقیناً ہے۔ "عزت آبرو بڑے لوگوں کی باتیں ہیں" میں سماج کی پوری کہانی بھری ہے۔ آرٹسٹ نے سماج میں سماجی پس منظر کو

اسی ایک فقرے میں واضح کر دیا ہے۔ لیکن افسانہ ختم کر چکنے پر غریبوں کے ذہن پر جو نقش بیٹھتا ہے وہ یہ کہ "زندگی میں ایسا ہی ہوتا ہے" یہ فالسطانیانہ نظریہ! جس سے جد و جہد اور بغاوت کے جذبے پیدا ہونے کے بجائے صبر و شکر ابل پڑتے ہیں۔ یہ چیز ہماری سماجی کشمکش کے منافی ہے۔ اس کمزوری کی ذمہ داری ترقی پسند ادیبوں پر ہے جنھوں نے نئے ادب کی ایک مبہم تعریف متعین کر دی ہے۔ اس ابہام نے نئے اور نوخیز ادیبوں کو غلط کر دیا ہے، اور ضرور کرے گی۔ اس میں بیچارے ان لکھنے والوں کا کیا قصور ہے۔ انجمن اور انجمن کے ادبا نے نہ تو اس کی تربیت کی اور نہ ان کی ہدایت کے لئے کوئی موثر اور نتیجہ خیز قدم اٹھایا۔

سوال یہ ہے کہ واقعیت کیا ہے؟ واقعیت کیا تھی اور اب کیا ہے، کیا ہونی چاہئے؟ اسکے بنیادی نظرئے اور بنیادی اصول کیا ہیں؟ تاریخی قوتوں نے اسے کیا شکلیں دی ہیں۔؟

اس سوال کو کسی ایک نشانہ میں بند کر کے سمجھنا دشوار ہے۔ ہمیں پورے ادب، ڈرامہ، فن تنقید اور ہر دور کے سماجی اور معیشی نظام اور انسانی نفسیات سے لگاؤ سے اسے سمجھنے کی کوشش کرنی پڑیگی۔ اس صورت میں نئے ادب کی دشواریاں بہت بڑھ جاتی ہیں۔ اس طرح یہ ممکن ہے کہ نئے ادیب گھبرا کر ایک تخیلی انفرادیت میں ڈوب جائیں اور بچر لیوپ سی چیزوں سے موجودہ ادب کی گندگیوں میں اضافہ کرنے لگیں۔

ہم نے اوپر کہا ہے کہ نئے ادب کو راہ پر لگانے کے لئے ایک منظم ہدایت اور نظم و ضبط کی ضرورت ہے۔ اس ہدایت کے لئے اور جدید ادب کے تصور (Conception) کے لئے چند خاص موضوع پر اور وہ بھی خالصتاً جدید اور ترقی پسندانہ نقطۂ نظر سے لکھنے کی ضرورت ہے۔ ہم ذیل میں انجمن ترقی پسند مصنفین کی غور و فکر کے لئے اور عملی قدم اٹھانے کے لئے چند موضوع پیش کرتے ہیں۔

(۱) سماجی اور اقتصادی نظام کی مختصر تاریخ۔
(۲) نفسیات (ایک اوسط شخص کی زندگی کے مختلف دور کی)
(۳) تاریخ ادب۔
(۴) ادب اور ڈرامہ کا نظریہ۔
(۵) فن تاریخ کی تاریخ
(۶) تنقید کے اصول اور نظرئے۔
(۷) واقعیت کے اصول اور نظرئے اور انکی تاریخ۔
(۸) طرز تحریر کے اصول۔

ہمیں بخوبی معلوم ہے کہ ترقی پسند مصنفین کی انجمن کی راہ میں بڑی بڑی دشواریاں اور رکاوٹیں ہیں۔ اسلئے ممکن ہے کہ اس کے لئے ان موضوعات پر لکھنا دشوار بھی ہو۔ ان پر لکھنے کے معنی ہزاروں روپیوں کے خرچ کے ہیں جو ہرگز انجمن کے بس کی بات نہیں۔ ایسی صورت میں کیا ہو؟ اگر ہم اسکے لئے کچھ کرتے نہیں تو اسکے معنی کلچر اور آرٹ کو بربادی کی طرف لیجانے کے ہیں۔ انجمن سوچے! اور انجمن سے ہمدردی رکھنے والے سوچیں۔

ظاہر ہے کہ ان مباحث پر ہر شخص نہیں لکھ سکتا۔ یہ ہر شخص کے لکھنے کی چیزیں نہیں ہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو ہمارے ذخیروں میں ان میں سے ہر موضوع پر بڑی بڑی کتابیں ہیں۔ لیکن وہ ہمارے کام کی نہیں۔ وہ ایک مردہ دور کی مردہ یادگاریں ہیں، ہم انھیں بہت پیچھے چھوڑ چکے ہیں۔ ہمیں آگے بڑھنا ہے، آگے بڑھانے والے ساز و سامان چاہئیں۔ اس وقت ہندوستان میں خاص ہی خاص لوگ ہیں جو ان پر لکھ سکتے ہیں۔ لیکن وہ تو مذہب میں ایک اور ہی دنیا ہیں۔ اس کشمکش کی دنیا میں جہاں سے زندگی ابلتی ہے۔

انجمن اگر کچھ لٹریچر ان مباحث پر مہیا کر سکی تو بہت بڑی کامیابی ہوگی۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ ایک اور صورت بھی ہے جس سے ہم کچھ کر سکتے ہیں۔ وہ یہ کہ ہم سال میں ایک مرتبہ پندرہ دن کے لئے مطالعہ کا کیمپ کھولیں۔ موضوع اوپر والے ہوں۔ (وقت اور ضرورت کے اعتبار سے جو بھی ہوں زیادہ یقیناً بھی ہوں گے) جنھیں اعلان کر دیا جائے۔ خاص خاص لوگ لکچروں کے لئے پوری طرح تیار ہوں اور کیمپ کے موقع پر لکھنے والوں کو اس فن میں اور ان موضوعات میں درس دیں۔ ہمارا خیال ہے کہ ایسا کرنے میں انجمن کو چنداں دشواری نہیں ہوگی۔ جس طرح ہم سوشلسٹ لکچروں کے سلسلے شروع کرنے میں اسی طرح اور کامیابی کے ساتھ ہم اسے بھی انجام دے سکتے ہیں۔

ہم امید کرتے ہیں کہ انجمن اس کی طرف توجہ کرے گی۔ اور جلد!

جو موضوع اوپر پیش کئے ہیں ان کی ایک مستقل حیثیت ہے۔ اور وہ لکھنے والوں کے لئے ایک مستقل نصاب بن سکتے ہیں۔ پندرہ دن کا یا ایک ماہ کا مطالعہ کیمپ اسکے لئے یقیناً ناکافی ہے لیکن نئے ادب کے مقابلے میں اس وقت جو غلط فہمی اور جو ابہام پھیل رہا ہے اسے مٹانے میں ایک بڑی حد تک ہم کامیاب ہو سکتے ہیں۔

# کانگرس میں مسلمانوں کی شرکت کا مفہوم

(جلیل الرب)

جب سے کانگرس نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ وہ عوام سے براہ راست تعلق پیدا کرے گی اور ان کو اپنا پروگرام سمجھائے گی۔ فرقہ پرور لیڈروں میں بدحواسی پھیلی ہوئی ہے۔ ان کی بدحواسی اور سراسیمگی کی وجہ بھی ہماری سمجھ میں آتی ہے۔ یہ عوام کو اپنی ملکیت سمجھتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اگر کانگرس کو ان سے سودا کرنا ہے تو ہمارے ذریعہ سے کرے۔ مگر کانگرس نے فیصلہ کر دیا ہے کہ نہ تو ہمیں سودا کرنا ہے اور نہ دلالوں کی ضرورت ہے۔ کانگرس کے اس فیصلہ میں ان کی موت ہے اور اسی لئے یہ اس قدر برہم اور بدحواس ہیں۔ عوام کانگرس کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو رہے ہیں۔ غریب اور مظلوم مسلمان بھی سمجھتے جا رہے ہیں کہ وہ کانگرس میں شامل ہو کر ہی اپنی غریبی اور بیروزگاری دور کر سکتے ہیں۔ اسلئے کہ ہندوستان میں صرف کانگرس ہی ایک ایسی جماعت ہے جو سامراج دشمن ہے اور مکمل آزادی کے ساتھ ساتھ اقتصادی انقلاب بھی کرنا چاہتی ہے۔ یہ بڑی خوشی کی بات ہے کہ آج جو مسلمان کانگرس میں آرہے ہیں وہ کسی وقتی جذبہ کے ماتحت نہیں آرہے ہیں۔ انھوں نے اپنی شرکت کے لئے کانگرس سے کوئی سمجھوتہ نہیں کیا۔ وہ خوب سوچ سمجھ کر ملکی حالات اور اقتصادی رجحانات کا جائزہ لے کر کانگرس میں شامل ہو رہے ہیں۔ یہ چیز بڑی امید افزا ہے۔ اب کانگرس میں ان کی شرکت مستحکم اور مستقل ہوگی۔ نہ وہ

ہوا کے جھونکے کیسا تھ آتے ہیں نہ ہوا کے جھونکے کے ساتھ جائیں گے۔

مسلمانوں کی رجعت پسند اور فرقہ پرور جماعتیں بوکھلائی ہوئی ہیں اور کانگرس میں شریک ہونے والے مسلمانوں کو برا بھلا کہتی ہیں۔ ان کے خیال کے مطابق کانگرس میں مسلمانوں کی شرکت کا مفہوم اپنے کو ہندوؤں کی قدموں پر ڈال دینے اور آنند بھون کو سجدہ کرنے کا مترادف ہے۔

جب کوئی جماعت بے عمل اور نکمی ہوتی ہے اور اس میں سیاسی شعور کا افلاس ہوتا ہے تو اس کے افراد کو اسی طرح کی چڑ اور نامعقول باتیں سوجھا کرتی ہیں، ان کے پاس خود کوئی عملی پروگرام نہیں ہوتا۔ ان کے کام کا سب سے بڑا جزو یہ ہوتا ہے کہ کام کرنے والی جماعتوں کو کوسا جائے اور ان کے افراد کو مطعون اور بدنام کیا جائے، یہی حال اسوقت مسلم لیگ والوں کا ہے۔ دراصل ان کی مخالفت کانگرس سے اتنی نہیں ہے جتنی کہ اسکے فیصلے سے۔ انکا پارہ چڑھا ہوا ہے اس لئے کہ کانگرس نے ان کی ضرورت اور اہمیت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا ہے۔

کام کرنے والوں کو ان سطحی اعتراضات اور نامعقول باتوں سے کوئی دلچسپی نہیں تاہم اس سلسلہ میں ایک بات قابل غور ہے، وہ یہ کہ کانگرس میں مسلمانوں کی شرکت کا مفہوم کیا ہے، اس مسئلے کا طے ہو جانا اس لئے ضروری ہے کہ ہم سیاسی جماعتوں اور دوسری تحریکوں میں خاص مقصد لے کر شامل ہوتے ہیں، ہم اس جماعت میں ہرگز نہیں شامل ہوتے ہیں جس سے ہیں خاص اجتماعی فائدہ نہ پہونچتا ہو، کانگرسی مسلمانوں کے سامنے کانگرس میں ان کی شرکت کا مفہوم بہت واضح ہے۔ وہ کسی لالچ سے یا کانگرس کی طاقت اور اثر سے مرعوب ہو کر اس میں شامل نہیں ہوئے۔ ان کی ذہنیت پست اور شکست خوردہ نہیں ہے جیسا کہ مسلم لیگ اور اسی قسم کی دوسری جماعتیں کہا کرتی ہیں، حقیقت میں یہ جماعتیں خود ہندو اکثریت سے خوفزدہ ہیں اور ہمیشہ اقلیتوں کے تحفظ کا رونا رویا کرتی ہیں۔ ان کے بلند آہنگ دعووں میں پستی اور شکست خوردہ ذہنیت کی جھلک نظر آتی ہے۔ یہ حال ہے ان جماعتوں کی بہادری اور خود اعتمادی کا جو اپنے کو خوددار کہتی ہیں اور دوسروں کی چوکھٹ پر گردن جھکانا گناہ خیال کرتی ہیں۔

برعکس اسکے کانگرسی مسلمانوں کو اپنے اوپر پورا اعتماد اور اپنی قوت طاقت پر پورا بھروسہ ہے، وہ سمجھتے ہیں کہ وہ ایک بڑی قوم ہیں کے افراد اور زندہ روایات کے حامل ہیں، اور اس لئے کوئی طاقت ان کے حقوق کو پامال نہیں کر سکتی اگر وہ بدنفسی سے ایسا کرنے کی کوشش کرے گی تو وہ اس کا منہ توڑ جواب دیں گے، ان کو احساس ہے کہ ان کی قوم نے بازار سیاست میں دوسری اقوام کی قسمتیں خریدی ہیں اور اس لئے وہ یہ گوارا نہیں کر سکتے کہ آج ان کی قیمت لگائی جائے۔ وہ اپنی جانبازی، بہادری اور ایثار و قربانی کی قیمت مانگنا شعار قومی کے لئے ننگ خیال کرتے ہیں۔ وہ ملک کی آزادی کی جنگ میں برابر کے شریک ہو کر آزاد اور باعزت زندگی میں برابر کے حصہ دار بننا چاہتے ہیں۔ وہ اپنے حقوق ہندو اکثریت سے انگیں گے نہیں بلکہ منوائیں گے۔ ہماری فرقہ پرور جماعتیں بھی کتنی مضحکہ خیز ہوتی ہیں۔ یہ اپنی ایک جنبش لب سے بلند ہمت کو بزدل اور "زرخرید غلام" اور بزدل کو بلند ہمت اور خوددار بنا دیا کرتی ہیں۔

غیر کانگرسی مسلمان لیڈروں کو کانگرس میں ہر جگہ ہندو ذہنیت چھائی ہوئی نظر آتی ہے۔ ان کو اپنی انفرادیت، مذہبی اور تمدنی روایات اور زبان حتیٰ کہ اسلام، سب خطرہ میں نظر آتا ہے حالانکہ سوا ان کے اور کوئی چیز خطرہ میں نہیں ہے۔ اس سلسلہ میں بڑی دلچسپ چیز یہ ہے کہ چاہے آپکو اسلامی تمدن سے واقعی کوئی تعلق نہ ہو۔ اسلامی روایات سے کوئی دلچسپی نہ ہو۔ قومی لباس سے پرہیز کرتے ہوں، اور زبان سے صرف اتنا لگاؤ ہو کہ اس جماعت میں انگریزی میں تقریر کر دیتے ہوں اور کبھی کبھی بیانات دے دیتے ہوں۔ آپ سچے مسلمان، معاشرت، زبان اور مذہب کے حامی اور مسلمانوں کے حقوق کے محافظ سمجھے جائیں گے بشرطیکہ آپ دوسروں کو گالیاں دیتے رہتے ہوں۔ کانگرسی مسلمان چاہے اسلامی روایات کے حامل، قومی وضع اور شعار کے پابند اور زبان کے عملی خدمت گذار کیوں نہ ہوں مگر ان بے عمل انسانوں کے نزدیک اسلام کو مٹانے والے ہیں۔

کانگرس نے بنیادی حقوق کے سلسلہ میں اپنے کراچی والے اجلاس میں اس بات کا صاف طور پر اعلان کر دیا ہے کہ اقلیتوں کے مذہب، معاشرت، تہذیب اور زبان کا احترام کیا جائے گا اور قومی حکومت ان کی حفاظت کی ذمہ دار ہوگی۔ پچھلے مہینے میں کانگرس کی مجلس عاملہ نے کلکتہ میں پھر کراچی کی پاس شدہ تجویز کا مستقل طور پر اعادہ کیا ہے۔ اس اعلان کے بعد نظری طور پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا۔ عملاً یہ ہو سکتا ہے کہ اس میں ہندو ذہنیت چھائی ہوئی نظر آئے اور وہ اپنے اعلان کی پوری پوری پابندی نہ کر سکے مگر اسکی دو وجہیں ہیں ایک تو یہ کہ اس زمانہ میں مسلمان بحیثیت جماعت کے کانگرس سے الگ رہے، پچھلی سول نافرمانی کی تحریک سے ان کی علیحدگی نے خصوصاً انکو کانگرس سے علیحدہ اور دور کر دیا اور اس لئے کانگرسی تحریک میں ہندو زیادہ آگئے۔ یہ ہندو اثر ان جگہ بہت نمایاں ہو گیا جہاں ان کی اکثریت تھی دوسرے ہم اس صوبے سے تعلق رکھتے ہیں جہاں ہندوؤں کی اکثریت ہے اور اس لئے ہر قومی تحریک میں بسا اوقات ہم محض کثرت کو ہم "ہندوپت" سے تعبیر کرتے ہیں، بالکل اسی طرح جیسے کہ ہم صوبہ سرحد کے ہندوؤں کو کانگرس مسلم جماعت معلوم ہوتی ہے صوبہ پنجاب اور بنگال کے مسلمان اگر کانگرس پر چھا جائیں تو وہاں کی ہندو اقلیت کانگرس کو اسی طرح شبہ اور خوف کی نگاہوں سے دیکھے گی جسطرح بہار کے مسلمان دیکھتے ہیں، دراصل یہ باتیں بہت چھوٹی ہیں، آپ کو کون مجبور کرتا ہے کہ آپ "ہندو ذہنیت" سے اثر ضرور قبول کیجئے، آپ ہر مذہبی معاملہ پر لڑ سکتے ہیں "بندے ماترم" اور "بندے" کے بجائے "زندہ باد" اور "اللہ اکبر" کے نعرے لگا سکتے ہیں، یہ چیزیں اتنی معمولی ہیں کہ ان پر اپنا قیمتی وقت ضائع کرنا انتہائی درجہ کی حماقت ہے بنیادی مسائل سے غفلت برتنا ہے۔

فرقہ پرور اور نکمے لیڈر زندگی کی تلخ حقیقتوں کا سامنا کرنے سے گھبراتے ہیں وہ ہمیشہ ایسے سوالات اٹھایا کرتے ہیں جو بے جان ہوتے ہیں اور جنکو بنیادی معاملات سے کوئی تعلق نہیں ہوتا، وہ ۳۵ کروڑ انسانوں کی مفلسی اور بے روزگاری کے سامنے "کلچر" "معاشرت" اور "زبان" کی بحث چھیڑ دیتے ہیں، حالانکہ متوسط طبقہ کے علاوہ عوام تو ان الفاظ کا مفہوم بھی نہیں سمجھتے، اور بالفرض انھیں سوالات کو اگر بنیادی مسائل قرار دے دیں تو بھی غور کرنے کی بات ہے کہ ان چیزوں کا واقعی دشمن کون ہے، میں تو نہیں سمجھ سکتا کہ ایک غلام کی تہذیب، معاشرت اور زبان دوسری قوم کے مذہبی اور تمدنی روایات اور زبان کو کس طرح مٹا سکتی ہے۔ جس کی ہر چیز خود ہی خطرہ میں ہوتی ہے وہ کسی اور کو کیا نقصان پہنچا سکتا ہے۔ ہمارے مذہب، تمدن اور زبان کو نہ تو ہندو مٹا رہے ہیں اور نہ مٹا سکتے ہیں، دراصل ان کو تباہ کرنے والی قوتیں دوسری ہیں، غیر ملکی حکومت اور اس کا سامراجی نظام انکو مٹا رہا ہے۔ ہماری سماجی زندگی کی بنیادوں کو غلامی اور بدحالی کی ملوکیت نے کھوکھلا کر دیا ہے۔ ہم نے ہندو معاشرت نہیں اختیار کی، تمک نہیں لگاتے

چوٹی نہیں رکھتے اور ہندی نہیں پڑھتے، لیکن انگریزی وضع اور انگریزی زبان کے دلدادہ ہیں، جو انگریزی نہیں پڑھے ہیں ان میں بھی "صاحبیت" اس درجہ آگئی ہے کہ اسلامی وضع کی خو بھی باقی نہیں رہی ہے۔ غدر کے زمانہ تک ملک میں لاکھوں عربی مدارس تھے، لیکن انگریزی حکومت نے رفتہ رفتہ ان کو مٹا دیا اور آج جو عربی مدارس باقی رہ گئے ہیں ان کی مالی حالت انتہائی ابتر ہے اور وہ جاں بلب ہو رہے ہیں، ان مدارس کے نکلے ہوئے طلبا کی کہیں کھپت نہیں۔ فلسفہ، منطق تاریخ اور ادب میں کتنے ہی قابل کیوں نہ ہوں مگر ان کی کہیں پوچھ گچھ نہیں، عربی مدارس کے فارغ التحصیل طلبا کی ناقدری کی انتہا ہے کہ سرکاری اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں عربی، فارسی اور اردو پڑھانے کے لئے بھی ان کے بجائے بی۔ اے۔ اور ایم۔ اے کو رکھا جاتا ہے۔ یونیورسٹیوں میں عربی پروفیسر جو اسلام کے مظہر کے منتہی نہیں ہو سکتے، ان کے پاس انگلستان کی ڈگری ہونی چاہئے۔ یہ ایک معمولی سی مثال ہے۔ اگر ہماری غلامانہ ذہنیت ہمیں ایک لمحہ کے لئے آزاد طریقہ سے سوچنے کا موقعہ دے تو ہمیں معلوم ہوگا کہ ہماری زندگی کے ہر ہر شعبہ پر سامراجی قوتیں اپنا اثر ڈال رہی ہیں۔ ہمارے مذہب، تمدن اور زبان کی سب سے بڑی دشمن برطانوی حکومت اور اس کا سامراجی نظام ہے۔

برطانوی ملوکیت نے صرف ہندستان کے مسلمانوں کو برباد نہیں کیا بلکہ تمام اسلامی حکومتیں اس گرفت میں ہیں، ہر جگہ انکا اقتدار ہے۔ فلسطین کے مسلمانوں پر آج جو ظلم ڈھایا جا رہا ہے وہ اسی برطانوی شہنشاہیت کا ایک چھوٹا سا کرشمہ ہے۔ ایسی حالت میں ضروری ہے کہ ہم حکومت اور اسکے استبداد کے خلاف مشترکہ محاذ قائم کریں اور ان تمام جماعتوں سے پوری طرح اشتراک عمل کریں جو اس سے جنگ کر رہی ہیں۔

کانگرس میں مسلمانوں کی شرکت کا مفہوم مختصر الفاظ میں یہ ہے کہ وہ حکومت برطانیہ سے سیاسی اور اقتصادی جنگ کرنے کے لئے اس میں شامل ہیں اور جہانتک ان مذہبی معاملات اور معاشرتی میلانات کا تعلق ہے وہ قطعاً آزاد ہیں اور ان کو پورا پورا حق حاصل ہے کہ وہ پرامن طریقوں سے ان کی ترویج اور اشاعت کریں، کانگرس میں شرکت کا یہ مفہوم ہرگز نہیں ہے کہ مسلمان اپنی مخصوص تہذیب اور اپنے تمدنی میلانات سے قطع تعلق کر لیں۔

کانگرس کے مخالفین اکثر کہا کرتے ہیں کہ جب کانگرس غیر متعصب قومی جماعت ہونے کا دعویٰ کرتی ہے تو اس کی ذمہ دار ہستیاں ہندی پرچار اور اچھوت ادھار اور اس قسم کے دوسرے کاموں میں کیوں حصہ لیتی ہیں۔ اس کا جواب آسان ہے۔ خالص سیاسی کاموں سے دلچسپی رکھنے والے ان کاموں کو ضروری اور بنیادی نہیں خیال کرتے لیکن چونکہ ان کاموں کا ان کی تحریک سے کوئی خاص تعلق نہیں ہے اس لئے اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔ مسلمان آزاد ہیں کہ وہ کانگرس کے ممبر ہونے کے اوجود اپنی معاشرتی اصلاح اور زبان کی ترقی کے لئے جد و جہد کریں ان کو کوئی روک نہیں سکتا۔ اور اسوقت بھی اردو کے سچے خدمت گذار، مثلاً مولانا سلیمان ندوی، مولانا مسعود علی ندوی، مولانا ظفر الملک علوی، ڈاکٹر حسین، ڈاکٹر عابد حسین، اور پروفیسر محمد مجیب پکے کانگرسی ہیں۔ انکی زندگی کا ہر ہر لمحہ اپنی قوم کی علمی اور ادبی خدمت کرنے میں گزرتا ہے۔ کانگرس انکی راہ میں حائل نہیں ہوتی۔

کانگرس ایک سامراج دشمن جماعت ہے، اس کی جنگ اقتصادی اور سیاسی ہے اور اسی لئے اس کا محاذ بہت وسیع ہے۔ اس میں مختلف مذاہب اور فرقوں کے لوگ ہی شامل نہیں ہو سکتے بلکہ لامذہبوں کے لئے بھی اس میں جگہ ہے۔ وہ تمام کسانوں، غریبوں، مظلوموں اور بے روزگاروں کو بلا امتیاز مذہب و ملت اپنے جھنڈے کے نیچے جمع کرنا چاہتی ہے تاکہ وہ سب مل کر سامراجی نظام حکومت کے خلاف ایک مضبوط محاذ قائم کر سکیں۔

آج سے دس پانچ سال پہلے مکمل آزادی کے متعلق کانگرس کا مفہوم واضح نہ تھا۔ وہ صرف یہ چاہتی تھی کہ ہندستان سے حکومت برطانیہ کا خاتمہ ہو جائے۔ بالفاظ دیگر ہندستان کی حکومت ہندستانیوں کے ہاتھ میں ہو۔ مگر دنیا میں کچھ ایسے سیاسی حالات رونما ہوئے جن کی وجہ سے کانگرس اس اہم نتیجہ پر پہنچی کہ محض "گورے افسروں" کے بجائے "کالے افسروں" کے ہو جانے سے عوام کو کوئی خاص فائدہ نہیں پہونچ سکتا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ آزاد اور حکمران ممالک میں بھی آئے دن مزدوروں اور سرمایہ داروں، غریبوں اور امیروں میں جنگ ہوا کرتی ہے، اس لئے بمبئی کے اجلاس ۱۹۳۱ء میں کانگرس نے یہ اہم اعلان کیا کہ عوام کی حالت سدھارنے کے لئے محض آزادی کی نہیں بلکہ سماجی اور اقتصادی انقلاب کی ضرورت ہے۔

کانگرس کے اس اہم فیصلہ کے بعد کسی فرقہ وارانہ معاہدہ یا مفاہمہ کی ضرورت نہیں رہتی۔ ہم آج اپنی جد و جہد کو فرقہ وارانہ نہیں بلکہ طبقاتی جنگ میں تبدیل کر دینا چاہتے ہیں۔ ملک کی سیاسی فضا اس وقت بھی بتا رہی ہے کہ جنگ آزادی میں امیر و غریب ایک نہیں بلکہ دو جماعتیں ہیں۔ ہم نے پچھلے الکشن میں دیکھا ہے کہ تمام سرمایہ دار، مہاجن، ساہوکار، بڑے زمیندار، تعلقدار مل کر بلا کسی مذہبی اور قومی امتیاز کے ترقی پسند جماعتوں کا مقابلہ کر رہے تھے، پنجاب میں اتحاد پارٹی اور ہمارے صوبہ میں "قومی زرعی" پارٹی بنی اور سر سکندر حیات کا سر چھوٹو رام اور سندر سنگھ مجیٹھیا جیسے متعصب ہندوؤں سے میل جول ہوا ادھر نواب صاحب چھتاری اور نواب یوسف صاحب نے بدترین ذہنیت کے ہندوؤں سے اشتراک عمل کیا اور وزارت میں بھی راجہ صاحب تروا اور راجکمار وڑ پانگرم کو اپنی وزارت میں لیا جو کہ بھائیوں میں ہیں اور شدھی اور سنگٹھن کی تحریکوں میں پیش پیش رہے ہیں۔ اسوقت نہ اسلام خطرہ میں تھا نہ مسلمان۔

دوسری طرف غریب، مظلوم اور فاقہ کش مخلوق ہے۔ اس میں ہندو مسلمان اور سکھ عیسائی کا کوئی امتیاز نہیں ہے۔ مزدوروں اور کسانوں میں بے پناہ یک جہتی نظر آ رہی ہے اور ان میں اپنے دشمن کے خلاف مل کر لڑنے کا جذبہ بیدار ہو چکا ہے۔ کانپور کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ وہاں مزدوروں کو منظم اور متحد کرنے اور مزدور تحریک کو آگے بڑھانے کا سہرا مسلمان مزدوروں کے سر ہے۔ انھوں نے مل والوں کے خلاف مشترکہ محاذ قائم کر رکھا ہے۔ لیکن کیا اس میل سے "اسلام خطرہ میں ہے"۔

آج دنیا میں جو سیاسی ہنگامے ہو رہے ہیں وہ امیری اور غریبی، ملوکیت پسندی اور آزادی کی جنگ کی مختلف صورتیں ہیں۔ ہر ملک میں کھلم کھلا دو محاذ بن رہے ہیں، ایک غریبوں کا اور دوسرا سرمایہ داروں کا۔ اب جو بڑی جنگ ہوگی وہ اقتصادی ہوگی، ہندستان اس عالمگیر جنگ سے الگ نہیں رہیگا، وہ مظلوموں، فاقہ کشوں اور مصیبت زدوں کی فوج میں ہوگا۔ کانگرس اسی وجہ سے صرف برطانیہ کی نہیں بلکہ ہر ملوکیت پسند قوم کی مخالف ہے۔ اس نے صرف فلسطین کے عربوں کے ساتھ ہمدردی نہیں کی بلکہ وہ ابی سینیا، چین اور اسپینی جمہوریت کے حامیوں کی دل سے

حمایت کرتی ہے۔ وہ دنیا کی تمام ہوسناکیوں، جنگوں اور خونریزیوں کو ایک عالمگیر سامراجی نظام کی کڑیاں سمجھتی ہے اور اس سلئے ان کو توڑنے کے لئے ہر طرف ہاتھ پاؤں مار رہی ہے۔

جب آج ملکی سیاست کا یہ رنگ ہے تو ہمیں علیحدہ پلیٹ فارم کی کوئی ضرورت سمجھ میں نہیں آتی۔ مسلم لیگ یا اور کوئی فرقہ وارانہ جماعت لاکھ کوشش کرے وہ عوام کو اپنے ساتھ نہیں لے سکتی۔ مسلمان مزدور اور کسان، سرمایہ داروں، مہاجنوں اور زمینداروں کے ہاتھوں اسی طرح پس رہے ہیں جس طرح کہ ہندو مزدور اور کاشتکار۔ ان کی زندگی ایک سی ہے۔ ان کی مصیبتیں یکساں ہیں۔ تعلیم کا انتظام نہ ہندو عوام کے لئے ہے نہ مسلم عوام کے لئے۔ صفائی کے انتظامات اور شفا خانے نہ انکے لئے ہیں نہ انکے لئے۔ مفلسی، فاقہ، قرضہ اور بے روزگاری نے دونوں کی زندگی کو یکساں اور دردناک بنا رکھا ہے۔ اور اس لئے یہ اپنی مشترکہ دشمنی کے خلاف الگ نہیں بلکہ مل کر لڑیں گے اور ظاہر ہے وہ میل کانگرس کے جھنڈے کے نیچے ہوگا۔

جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا کانگرس میں مسلمانوں کی شرکت اعتراف شکست نہیں ہے، یہ موجودہ صورت حالات کا سیاسی اور اقتصادی تقاضا ہے۔

ہمیں ہندوؤں کے تعصب سے نہ تو ڈرنا چاہئے اور نہ ان کی تنگ نظری کا شکوہ کرنا چاہئے۔ ہم محض برطانوی شہنشاہیت سے جنگ کرنے کے لئے کانگرس کے ساتھ ہیں مگر اپنے مذہبی اور معاشرتی معاملات میں بالکل آزاد۔ اگر ہندو کانگرس کے ممبر رہ کر اپنی انفرادی حیثیت میں ہندی پرچار اور دوسرے اصلاحی کاموں میں حصہ لیتے ہیں تو ہمیں ان سے شکایت نہ ہونی چاہئے ہم بھی کانگرس کو اپنا سیاسی پلیٹ فارم مانتے ہوئے اپنے تمدن کی اصلاح اور اپنی معاشرت اور زبان کی اصلاح اور ترقی کے کوشاں رہ سکتے ہیں۔ رہا اقلیتوں کے حقوق کا سوال۔ اس کے متعلق ہم سمجھتے ہیں کہ اس سوال کا اٹھانا مہمل اور اپنی بے چارگی اور بے بسی کا اعتراف ہے۔ حقوق کے دستاویز کسی قوم کی بقا کی ضامن نہیں ہوا کرتے۔ جب آئے دن سیکڑوں بین الاقوامی معاہدے ٹوٹا کرتے ہیں تو پھر ہندو اکثریت سے معاہدہ کرنا اور اس پر اعتماد کرنا سیاسی بھول نہیں تو اور کیا ہے۔ ہمیں غیر مشروط طور پر بغیر اپنے کو کسی طرح سے پابند کئے ہوئے جنگ آزادی میں کانگرس کا ساتھ دینا چاہئے۔ بعد میں اگر کانگرس کی ہندو اکثریت ہم سے بدنفسی کرے گی تو ہم اس سے بھی نپٹ لیں گے، لیکن زمانے کے آثار بتا رہے ہیں کہ آئندہ جنگ طبقاتی یعنی امیر و غریب کی ہوگی، فرقہ وارانہ نہیں۔

# سوویٹ روس کی ترقی کا ایک نمونہ

از عباسی

۲۰ سال ہوئے ۱۹۱۷ء میں روسی اشتراکی پارٹی نے مزدوروں اور کسانوں کی مدد سے زار کی شہنشاہیت کو تباہ کر دیا۔ دنیا میں انقلابات ہر ملک میں ہوئے ہیں لیکن ۱۹۱۷ء کا روسی انقلاب بالکل جداگانہ حیثیت رکھتا ہے گزشتہ زمانے میں جو انقلابات ہوتے تھے انکو عام مہر عوام سے چنداں تعلق نہیں ہوتا تھا۔ ان کی حیثیت صرف اتنی ہوتی تھی کہ ایک شخص کی جگہ دوسرا حکمران ہو گیا، یا ایک قوم کے قبضے سے حکومت دوسری قوم کے قبضہ میں چلی گئی۔ مستقبل قریب میں یورپ کے سامراجی ممالک میں جو انقلاب ہوئے ہیں وہ یا تو کسی کی ذات سے تعلق رکھتے ہیں یا پارٹی سے۔ عوام کی حالت پر اس تبدیلی سے کوئی اثر نہیں ہوتا۔ ان کی تکالیف اور ان کی پریشانیاں اور ضروریات ویسی ہی رہتی ہیں۔ اگر کسی پارٹی نے یا شخص نے کبھی کچھ کیا بھی تو اس کا دائرہ محدود ہوتا ہے یا صرف جب تک کرنے والے کا وجود ہے، برقرار ہے۔ اور اسکے مرنے کے بعد وہی پرانی حالت۔ روسی انقلاب اس سے بالکل جدا ہے۔ اس کا اثر روس کے ہر فرد و بشر پر پڑا ہے۔ خواہ وہ کسی مذہب اور کسی فرقے سے تعلق رکھتا ہو۔ اشتراکیت کا مقصد بنی نوع انسان کی فلاح و بہبود ہے۔ اس کا مقصد کسی پارٹی یا جتھے کو فائدہ پہونچانا نہیں۔ اشتراکیت نہیں چاہتی کہ انسان انسان کا غلام اور دست نگر بن کر رہے۔ اشتراکیت اس کی دشمن ہے کہ ایک انسان دوسرے انسانوں کی کمائی ہوئی دولت سے فائدہ اٹھائے۔ اشتراکیت اس کی خواہشمند ہے کہ قدرت کی بنائی ہوئی چیزوں سے ہر شخص کو آرام اور فائدہ پہونچے۔

مندرجہ بالا مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے لینن اور اسکے ساتھیوں نے برسوں طرح طرح کی، دل ہلا دینے والی تکالیف برداشت کیں اور آخر کار ان کو اس کا ثمر ملا۔ انقلاب کے بعد چھ سال کا زمانہ روس کے لئے خطرناک زمانہ تھا۔ یورپ کی تقریباً ہر سلطنت کی فوجیں چاروں طرف اسے گھیرے پڑی تھیں ۱۹۱۷ء سے پیشتر روس ہندستان کی طرح زراعتی ملک تھا۔ اپنی خام اشیاء دوسرے ملک کے ہاتھ فروخت کرتا تھا اور ان سے بنی ہوئی چیزیں خریدتا تھا۔ ۱۹۱۷ء کے بعد تمام ممالک سے قطع تعلق ہو گیا۔ انگریزی۔ فرانسیسی، جرمن و جاپانی جہازوں نے چاروں طرف گھیر رکھا تھا۔ کوئی چیز ملک سے باہر آجا نہیں سکتی تھی۔ چاروں طرف دشمنوں کی تقریباً بیس لاکھ فوج پڑی تھی جو زار کے پرانے ڈھنگ کی حکومت قائم کرنا چاہتی تھی۔ دشمنوں کی فوج ہر قسم کے ہتھیاروں سے مسلح تھی۔ روس کے مزدور اور کاشتکار ننگے تھے۔ ان کے پاس کھانے کی کمی تھی۔ ان کے پاس ہتھیار نہ تھے۔ اور جو تھے وہ پرانے قسم کے۔ البتہ ان میں ایک بات تھی جس میں وہ اپنے دشمنوں پر سبقت رکھتے تھے اور وہ یہ تھی کہ انھوں نے اچھی طرح سمجھ لیا تھا کہ یہ ملک ہمارا ملک ہے، اسکے مالک ہم ہیں۔ اگر ہم کامیاب ہوئے تو ہماری حالت بہتر ہو سکتی ہے ورنہ پھر وہی غلامی اور غریبی کی زندگی بسر کرنا ہوگی۔ اسی احساس نے ایسا جوش پیدا کر دیا کہ انکے مقابلے میں دشمن کی ایک پیش نہ گئی، اور باوجود خطرناک مشکلات کے ڈھائی سال کامل جنگ کے بعد انھوں نے تمام دشمنوں کو اپنے ملک سے مار کر نکال دیا۔

خارجی دشمن سے نجات مل گئی۔ لیکن اب داخلی مصیبتوں کا آغاز ہوا۔ یہی ملک غریب تھا۔ باہر کی سلطنتیں کسی طرح یہ قرض دینے کے لئے تیار نہ تھیں۔ اپنے ملک میں ہزاروں قسم کی چیزیں رائج کرنے کے لئے کروڑوں روپئے کی ضرورت تھی۔ نوے فیصدی آبادی جاہل تھی۔ ریلوں کی کمی تھی۔ کھیتی پرانے اور فرسودہ طریق پر جاری تھی اور پیداوار بڑھانے کیلئے نئے طریقوں کا اختیار کرنا ضروری تھا۔ ملک میں سڑکوں کی کمی تھی جس کی وجہ سے سلسلہ آمد و رفت میں دقتوں کا سامنا تھا۔ ان باتوں کو دور کرنا ضروری تھا کیونکہ انکو دور کئے بغیر

انکا وجود خطرہ میں تھا۔

اشتراکی پارٹی کہاں تک اپنے مقصد میں کامیاب ہوئی۔ اس کا اندازہ ذیل کی سطور اور اعداد و شمار سے کیا جا سکتا ہے۔

اعداد و شمار دینے سے پہلے یہ بتلا دینا ضروری ہے کہ ملک روس دنیا کی سرزمین کا تقریباً ⅙ حصہ ہے۔ اس کی آبادی ۱۹۳۳ء کے اعداد و شمار کے مطابق ۱۶ کروڑ ہے۔ اس آبادی میں تقریباً ڈیڑھ سو سے زیادہ مختلف قومیں فرقے، قبیلے اور مذاہب کے لوگ ہیں۔ جنکی اپنی اپنی علاحدہ علاحدہ زبانیں ہیں، بعض زبانیں ان میں زار کے زمانہ حکومت تک صرف بولی جاتی تھیں، انکے حروف نہ تھے۔ ان کی مثال ایسی ہی تھی جیسی ہندستان کے گونڈوں کی زبان۔

اسی سلسلہ میں یہ بھی یاد رکھنا ضروری ہے کہ سوویٹ روس صرف ایک ہی حکومت نہیں بلکہ متعدد ریاستوں کا مجموعہ ہے جنکا نظام حکومت ایک ہے۔ خارجی اور چند اور امور کے علاوہ یہ ریاستیں خود مختار ہیں۔ ان کا اندرونی نظام حکومت اسی ملک کی اور اسی حصہ کی زبان میں رائج ہے۔ ان تمام ریاستوں کی تعداد تقریباً تیس یا اس سے کچھ زیادہ ہے۔ ان ریاستوں میں تہذیب اور تمدن کے لحاظ سے سب سے گری ہوئی مندرجہ ریاستیں ہیں۔

کوہ قاف کی ریاستیں (یہ تقریباً تین ہیں)

۱۔ ترکمانستان۔
۲۔ ازبکستان۔
۳۔ تاجکستان۔

نقشہ میں دیکھنے سے معلوم ہوگا کہ یہ ممالک ماسکو اور لینن گراڈ سے ہزاروں میل کے فاصلہ پر ہیں اور زار کی حکومت نے ان ممالک اور ان کے باشندوں کی فلاح کی کبھی توجہ نہیں کی۔ دوسری قابل غور بات یہ ہے کہ یہ ممالک مسلمان ممالک سے ملے ہوئے ہیں اور اسوجہ سے ان میں مسلمان زیادہ آباد ہیں۔

روس کی اشتراکی پارٹی نے خانہ جنگی اور قحط سالی اور دوسری مصیبتوں سے نجات پانے کے بعد جب عوام کی فلاح و بہبود کی فکر کی تو ان ممالک کی طرف بھی توجہ کی، یہ عام طور پر خانہ بدوشوں سے آباد تھے۔ جانور پالنا انکا پیشہ تھا۔ انکی مثال ہو بہو ویسی ہی تھی جیسی ہمارے سرحدی پٹھان بھائیوں کی۔ انہیں ننانوے فیصدی جاہل تھے۔ آپس کی خانہ جنگیاں، لوٹ مار، قتل و غارت۔ انکے مشاغل تھے۔ موجودہ زمانہ کے معیار کے مطابق تہذیب ان کو چھو تک نہیں گئی تھی۔ ۱۹۲۵ء تک یہ تمام سرحدی قبائل اسی حالت میں تھے۔ لیکن ۱۹۲۵ء سے اشتراکی پارٹی نے ان کی درستی کی طرف توجہ کی۔ اور آج وہی باشندے جنکو دنیا دس سال پیشتر وحشی شمار کرتی تھی کسی مہذب قوم سے کم نہیں۔ اشتراکی پارٹی کی توجہ اور اس کی کوششوں کا نتیجہ صرف تاجکستان ہی کی مثال سے اچھی طرح سمجھ میں آ سکتا ہے۔

تاجکستان جو اب ایک علاحدہ ریاست ہے اور سوویٹ روس کی ایک ممبر ہے، دریائے آکسس کے شمال میں پامیر پہاڑ کی وادی میں واقع ہے اس کی سرحد جنوب میں افغانستان، اور مشرق میں چینی ترکستان سے ملتی ہے۔ اور اس لئے یہ ہندستان کی سرحد سے گو ملا ہوا نہیں مگر بہت قریب ہے زار کے زمانۂ حکومت میں یہاں امیر بخارا کی حکومت تھی جو خود زار کا باجگذار تھا ۱۹۲۰ء میں بخارا میں انقلاب ہوا اور سوویٹ قسم کی حکومت قائم ہوئی جسمیں تاجکستان اور ازبکستان بھی شامل تھے ۱۹۲۴ء میں ازبکستان کی ایک علاحدہ جمہوریت قائم ہوئی اور ۱۹۲۹ء میں تاجکستان بذات خود علاحدہ جمہوریت ہوگئی گویا تاجکستان کو ازبکستان سے علاحدہ ہوئے آٹھ سال کا عرصہ ہوا۔ ۱۹۲۸ء وہی سال ہے کہ جبمیں روسی اشتراکی حکومت نے ملک کو ترقی دینے اور عوام کی فلاح و بہبود کے لئے اپنی مشہور پانچ سالہ اسکیم شروع کی تھی۔ اب ذرا ذیل کے اعداد و شمار سے تاجکستان کی زار کے زمانہ کی حالت اور اشتراکی حکومت کے پانچ سالہ دور کی ترقی کا مقابلہ کرکے دیکھئے۔ یہ اعداد و شمار ۱۹۳۳ء تک کے ہیں، یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ تاجکستان کی آبادی تقریباً دس لاکھ ہے، اور زیادہ تر حصہ ملک پہاڑی ہے۔

زار کے زمانہ حکومت میں تمام ملک تاجکستان میں صرف ایک اسپتال تھا۔ کوئی سڑک نہ تھی۔ ریل کا نام و نشان نہ تھا۔ ذرائع آبپاشی اور نہروں کے نام سے لوگ ناواقف تھے۔ بجلی ہوائی جہاز اور موٹر وغیرہ کسی نے دیکھے نہ تھے۔ تعلیم اور حفظان صحت کا کوئی انتظام نہ تھا۔ لیکن انقلاب کے بعد اس ملک کا رنگ بدلا۔ اشتراکی روح کی ایک لہر دوڑی۔ سڑکیں تیار ہوگئیں، ریلوے لائن تیار ہوئی اور روس خاص سے سلسلۂ آمد و رفت قائم ہوا۔ بجلی کا کارخانہ تیار ہوا۔ ہوائی جہازوں کی باقاعدہ سروس شروع ہوئی۔ روئی کی کاشت نہایت اعلیٰ درجہ پر شروع ہوئی۔ اور ترقی کر رہی ہے۔

تعلیمی جدوجہد سب سے زیادہ قابل غور ہے۔

۱۹۱۴ء میں صرف چھ اسکول تھے۔

۱۹۲۶ء میں ان کی تعداد ایک سو تیرہ ہوگئی جن میں ڈھائی ہزار طلباء تعلیم پاتے تھے۔

۱۹۲۹ء میں پانچسو اسکول ہوگئے اور ۱۹۳۲ء میں یہ تعداد دو ہزار تک پہونچ گئی جن میں ایک لاکھ بیس ہزار طلباء تعلیم پانے لگے۔ جنکو دوپہر کا کھانا اسکولوں میں مفت دیا جانے لگا۔ تعلیم کا بجٹ دس لاکھ کی آبادی کے لئے ۱۹۳۱ء میں تقریباً ایک کروڑ روپیہ کا تھا۔ ۱۹۳۲ء میں یہ تین کروڑ کر دیا گیا اور یہ فیصلہ کیا گیا کہ آئندہ دو سال کے اندر جہالت کی لعنت کو تاجکستان کے حدود سے دور کر دیا جائے۔ محکمۂ حفظان صحت بھی محکمۂ تعلیم سے پیچھے نہ رہا۔ ۱۹۲۲ء میں صرف ایک اسپتال تھا۔ لیکن ۱۹۳۲ء میں ان کی تعداد اکسٹھ ہو گئی۔ اسکے علاوہ عشقیں دانتوں کے اسپتال تھے جن میں دو ہزار مریضوں کے لئے انتظام کیا گیا اور چھبیس ڈاکٹر ان کی دیکھ بھال کیلئے مقرر ہوئے۔

مندرجۂ بالا اعداد و شمار کا مقابلہ ہندستان کے اعداد و شمار کرنے پر یہ بات صاف ظاہر ہو جاتی ہے کہ غیر قوم کا تسلط جسکا نصب العین شہنشاہیت اور سامراج ہو ہماری کہاں تک بہی خواہ ہو سکتی ہے۔ آج انگلستان کو اس بدنصیب ملک پر حکمرانی کرتے ڈیڑھ سو سال کا عرصہ گذر گیا مگر ہماری تعلیمی پستی کا یہ عالم ہے کہ ہم میں سو میں آٹھ آدمی ایسے نکلینگے جو اپنا نام لکھ لیتے ہوں، لیکن ایک ایسا خطہ جسکی حکومت خود وہاں کے باشندوں کے ہاتھ میں ہے اور جس کی آبادی بمبئی اور کلکتہ سے بھی کم ہے پانچ سال کے قلیل عرصہ میں وحشی حالت سے نکلکر مہذب اور تعلیم یافتہ بنگیا۔ یہ سب کس طرح ممکن ہوا؟ اس طرح کہ انھوں نے غلامی کی زنجیروں کو توڑ کر پھینکدیا۔ سرمایہ داری اور زمینداری کی لعنت کو نیست و نابود کیا۔ اور قومیت کا ایک ایسا خاکہ تیار کیا کہ انسان انسان کی تفریق فنا ہوگئی۔

# رہبران قوم

شہاب ملیح آبادی

روشن ہیں منور ہیں، نایاب ہیں نادر ہیں    سیرت میں خدا جانے، صورت میں پیمبر ہیں
یہ قوم کے رہبر ہیں

بجلی ہیں چمکتے ہیں، شعلے ہیں بھڑکتے ہیں    آفاق سیاست پر، کوندے ہیں، لپکتے ہیں
یہ قوم کے رہبر ہیں

سیلاب کے دھارے ہیں، آتش ہیں شرارے ہیں    سینے کو ابھارے ہیں، مشرقین پہ دھاوے ہیں
یہ قوم کے رہبر ہیں

لہجے میں حرارت سی، فکروں میں نقاہت سی    داڑھی کے توسل سے، چہرے پہ رعونت سی
یہ قوم کے رہبر ہیں

مے عیش کی پیتے ہیں، آرام سے جیتے ہیں    محبوب حکومت ہیں، خالق کے چہیتے ہیں
یہ قوم کے رہبر ہیں

طوفان رسالت ہیں، سیلاب بغاوت ہیں    کرسی صدارت دو، حقدار امامت ہیں
یہ قوم کے رہبر ہیں

دل موت کا دہلا دیں، گر خون پہ ٹیکا دیں    تہذیب کی چکی ہیں، چاہیں تو یہ پسوا دیں
یہ قوم کے رہبر ہیں

سلطاں ہیں گدائی میں، بلبل ہیں خدائی میں    پائی ہے شہنشاہی، امت کی کمائی میں
یہ قوم کے رہبر ہیں

ہنستے ہیں، رلاتے ہیں، قسمت کو بناتے ہیں    انگلی کے اشارے پر، خلقت کو نچاتے ہیں
یہ قوم کے رہبر ہیں

جو ہم ہیں وہ ظاہر ہیں، مومن انہیں کافر ہیں    اللہ انھیں رکھے، یہ دین کے ناظر ہیں
یہ قوم کے رہبر ہیں

اک رو میں بیاباں ہیں، اک رو میں گلستاں ہیں    کچھ تم بھی سمجھتے ہو؟ یہ کون سے انساں ہیں؟
یہ قوم کے رہبر ہیں
یہ قوم کے رہبر ہیں

# ننّھا بھکاری

(اختر انصاری)

وہ شام کے وقت گھر سے نکلا تھا اور اب رات کے آٹھ بج چکے تھے، جنوری کا مہینہ تھا۔ دن بھر بارش ہوتی تھی اور سردی حد سے زیادہ تھی۔ ہوا کے جھونکے تیر و نشتر معلوم ہوتے تھے۔ سڑک کیچڑ سے بھری ہوئی تھی۔ وہ اس کیچڑ اور اس سردی میں تقریباً تین گھنٹے مارا مارا پھرا تھا، لیکن اسے کہیں سے کچھ نہ ملا تھا، اور اب بازار کی چہل پہل ختم ہو چکی تھی، لوگ موسم کے ناخوشگوار ہونے کی وجہ سے بہت جلد اپنے گھروں کو لوٹ گئے تھے، گلیاں سنسان تھیں اور سڑکیں ویران، دوکانیں البتہ کھلی تھیں، ان دوکانوں سے اسے روزانہ دو چار پیسے ضرور ملا کرتے تھے، لیکن آج وہ جس دوکان پر گیا اسے جھڑکیوں کے سوا کچھ نہ ملا۔ دوکاندار اپنی دوکانوں میں بجلیاں روشن کئے ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے تھے، اور ناراض معلوم ہوتے تھے۔

اس کی عمر مشکل سے چھ سات سال کی ہوگی۔ وہ اپنی ننھی باریک آواز اور ادھورے بولوں سے بالکل ایک شیر خوار بچہ معلوم ہوتا تھا۔ جسم پر ایک پھٹے ہوئے پرانے کوٹ کے سوا کچھ نہ تھا، اور اس کوٹ میں بھی بٹن نہ تھے۔

اس کی ماں نہ تھی، صرف باپ تھا۔ یہ باپ ایک بہت پرانا بھکاری تھا، اور اپنے فن کی نفسیات سے اچھی طرح واقف۔ وہ جانتا تھا کہ جتنی آسانی سے ایک بھوکے ننگے بچے کو بھیک مل سکتی ہے ایک ہٹے کٹے مرد کو نہیں مل سکتی، چنانچہ اب وہ خود بہت کم بھیک مانگنے کے لئے نکلتا تھا۔ زیادہ تر بیٹے ہی کو بھیجتا تھا۔ وہ کبھی اسکو پیٹ بھر کر کھانا نہیں دیتا، کیونکہ اس کا تجربہ اسے بتاتا تھا کہ اگر لڑکے کا پیٹ بھرا ہوگا تو وہ اپنے فرض سے غافل ہو کر کاہلی کے ساتھ بازار میں ادھر اُدھر پھرتا رہیگا۔ اور اگر وہ بھوکا ہوگا تو ہر راہگیر کے آگے ہاتھ پھیلائے گا اور ہر نانبائی کی دوکان پر کھڑا ہو کر گڑگڑائے گا۔ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ صرف فاقہ کشی سے ہی لڑکے کے چہرے پر مظلومیت اور فلاکت کے وہ آثار پیدا ہو سکتے ہیں جو لوگوں کے جذبۂ ہمدردی کو تحریک میں لاتے ہیں۔ وہ رات کی سردی میں اکثر اس کو ننگا کر کے گھر سے باہر کر دیتا تھا کیونکہ اسے علم تھا کہ جب بیش قیمت اونی پوشاکیں پہننے والے ایک ننھی سی جان کو سردی میں اکڑتا ہوا دیکھیں گے تو اپنی جیب سے ایک آدھ پیسہ نکالنے میں بہت زیادہ تامل نہ کریں گے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ ہوتا بھی ایسا ہی تھا۔ جب بھوک اور سردی کا مارا بچہ سڑک پر چلنے والوں کے پیچھے دوڑتا اور اپنے باپ کے یاد کرائے ہوئے الفاظ "میں بھوکا ہوں، میری ماں مر گئی" دہراتا تو اسے کچھ مل ہی جاتا۔

لیکن آج باوجود اسکے کہ وہ حسب معمول ننگا بھی تھا اور سردی بھی غیر معمولی تھی اُسے کسی نے ایک پیسہ بھی نہ دیا تھا، اور اب رات کے آٹھ بج چکے تھے، وہ بہت تھک گیا تھا اور بھوکا تھا۔ گھر جانے کی خواہش اسکے دل میں پیدا ہو رہی تھی لیکن ڈر یہ تھا کہ باپ مارے گا۔ کہے گا، "خالی ہاتھ کیوں آیا؟ پیسے کیوں نہیں لایا؟ کچھ خرید کے کھا لیا ہوگا۔ یا بھیک ہی نہیں مانگی ہوگی۔ ادھر ادھر تماشا دیکھتا رہا ہوگا!" وہ جب کبھی خالی ہاتھ لوٹتا تھا اس کا باپ ناراض ہوتا تھا۔ اگر مارتا نہیں تو گالیاں ضرور دیتا اور کھانے سے یقیناً محروم کر دیتا۔ چنانچہ یہ خوف اسکے ذہن میں راسخ ہو گیا تھا، اور وہ خالی ہاتھ واپس جاتے بہت ہی ڈرتا تھا لیکن آج یہ ڈر اسے زیادہ دیر بازار میں نہ روک سکا، جب دوکانداروں نے دوکانیں بڑھانی شروع کیں تو اس کے قدم خودبخود گھر کی طرف اٹھنے لگے، دو تین گلیاں عبور کر کے ایک تاریک مقام پر پہنچا وہاں ایک لکڑی کی ٹال تھی، ٹال کے پیچھے ایک پھونس کا جھونپڑا تھا، یہی اس کا گھر تھا قریب پہونچکر ذرا ٹھٹکا۔ باپ اندر بیٹھا حقہ پی رہا تھا، تھوڑی دیر حقے کی گڑگڑ سنتا رہا۔ پھر جھجکتا ہوا آگے بڑھا اور اندر جھانک کر دیکھا۔ سامنے چولھے پر لکڑیاں ہلکی ہلکی آنچ سے جل رہی تھیں، جس سے جھونپڑی میں دھیمی دھیمی روشنی تھی۔ چولھے کے برابر ایک ٹاٹ پر اس کا باپ بیٹھا ہوا لحاف بڑا تھا۔ اور لحاف پر وہ کرتہ جو باپ نے شام کو چلتے وقت اسکے جسم سے اتار لیا تھا۔ باہر کی سرد فضا کے مقابلے میں یہ جگہ اس کو اتنی دل پذیر معلوم ہوئی کہ بے اختیار اندر گھس جانے کے لئے آگے بڑھا۔ لیکن اسی وقت اس کا باپ زور سے کھانسا۔ وہ سہم کر وہیں رہ گیا۔ دل میں فوراً خیال آیا کہ باپ مارے گا، اور کہے گا، "خالی ہاتھ کیوں آیا؟" اس خیال کے آتے ہی وہ وہاں سے لوٹ گیا۔

گلیوں میں ہوتا ہوا پھر اسی بازار میں آگیا جہاں ذرا دیر پہلے تین چار گھنٹے گذار چکا تھا۔ سب دوکانیں بند ہو چکی تھیں۔ ہر طرف سناٹا تھا۔ تھوڑے تھوڑے فاصلے پر بجلی کے قمقمے روشن تھے، سڑک پر جو گڑھے تھے ان میں مینھ کا پانی بھرا ہوا تھا اور روشنیوں کے عکس سے چمک رہا تھا۔

---

## رباعی

غم سے سینہ فگار ہے اپنا
جسم اپنا مزار ہے اپنا
عید کی تمکو کیا خوشی جعفر
فاقہ مستی شعار ہے اپنا

محمد علی جعفر

## ہمارے صدر

پنڈت جواہر لال نہرو نے آسام کا دورہ ختم کر دیا، گوہاٹی میں انکے استقبال کے لئے ہزاروں کا مجمع ہو گیا تھا، یہاں کے کالج کیطرف سے ایڈریس پیش کیا گیا۔ جسکے جواب میں پنڈت جی نے کہا۔

"ہم آپ ایسے دور میں ہیں جو بدل کر رہے گا، اگر کوئی شخص انقلاب کو پسند نہیں کرتا تو پھر اس نے اپنی پیدائش کے لیے غلط زمانہ چنا، کوئی شخص کسی طرح اس زلزلے سے بچ نہیں سکتا جو دنیا کے نظام کو کبھی نہ کبھی ایک دم سے بدل دیگا۔ دنیا ایک مکمل انقلاب کی طرف جا رہی ہے، اور یہ آپ ہی لوگوں کا، یعنی طلبار کا کام ہے کہ اس انقلاب کی تیاریوں میں حصّہ لیں۔ اور اس کو تکمیل کو پہونچائیں۔"

"اگر ہمارے خیالات صاف نہیں ہوں گے، تو ہمارے کام اچھے نہیں ہوں گے، اسوقت جبکہ دنیا ایسے انقلاب کے لئے تیار ہے، ہمارے خیالات ہر چیز کے متعلق صاف ہونا چاہئیں، جس قوم میں یہ خوبی ہے: وہی سب سے آگے رہے گی، تاریخ رکا ہوا پانی نہیں ہے، بلکہ بہتی ہوئی چیز ہے، ہندستان جو کل تھا آج نہیں ہے، اور جو آج ہے کل نہیں ہوگا، یہ تبدیلیاں کبھی تو آہستہ آہستہ آتی ہیں، اور کبھی ایکدم سے، دنیا جنگ عظیم کے بعد سے تبدیلی کی طرف دوڑ رہی ہے، تباہیوں کے بعد تباہیاں آتی رہیں، اور ابھی تک سکون نہیں قائم ہوا۔"

آسام کا دورہ آندھی کی طرح کیا گیا، ہر جگہ انکے استقبال کے لئے اتنا مجمع تھا جتنا اس سے پہلے آسام میں سنا نہیں گیا، اس میں کسان بھی تھے، اور چار کے باغوں کے مزدور بھی، خبروں سے پتہ چلتا ہے کہ اس دورے سے جو عجیب بیداری کی لہر دوڑی، وہ آسام میں بالکل جدید چیز ہے۔

## آسام پر خیالات

جواہر لال نے اپنے ایک خط میں آسام کے متعلق کچھ خیالات ظاہر کئے ہیں، اس میں حکومت کی افیم کی پالیسی کو ناپسند کیا ہے، اور کہا کہ افیم کا استعمال بالکل بند ہو جانا چاہئے، لیکن یہ نہ کیا جائے کہ ادھر کی آمدنی کی کمی پوری کرنے کے لئے، شراب کا استعمال شروع کر دیا جائے۔

کانگرس کی پالیسی سلہٹ کے متعلق صاف ہے، سلہٹ میں بنگالی بولی جاتی ہے، اور بنگال ہی کا ٹکڑا ہے۔ سلہٹ والوں کو بنگال سے مل جانا پسند کرنا چاہیے، اقتصادی حیثیت سے یہ اچھا رہے گا۔

آسام میں زمینیں خالی ہیں جس سے فائدہ اٹھانے کے لئے لوگ وہاں بسنے جا رہے ہیں، جس کو آسامی نہیں پسند کرتے، کیونکہ یوں ان کی تہذیب اور زبان خطرے میں پڑ جاتی ہے، انکا یہ مطالبہ بالکل بجا ہے، سے علاوہ اگر لوگ یوں بس گئے تو نئے نئے مسئلے اٹھ کھڑے ہوں گے۔ اس لئے حکومت کو اس طرف توجہ کرنا چاہئے۔

## چھوٹے الکشن

الکشن کے سلسلے میں پنڈت پنتھ، رفیع احمد قدوائی مراد آباد پہونچ گئے ہیں اور مسلمانوں کے شمالی مغربی حلقہ میں الکشن کے لیے دورہ کرنے والے ہیں۔

---

**پنتھ جی اور رفیع احمد قدوائی** نے میرٹھ کے ٹاؤن ہال میں ایک بہت بڑے مجمع کے سامنے تقریریں کیں، رفیع احمد قدوائی نے کہا کہ مسلم لیگ کے مقاصد دراصل سمجھنا ہوں تو یہ دیکھنا چاہئے کہ لیگ نے کیا کیا رنگ بدلے ہیں، راجہ نواب، تعلقدار، خطاب یافتہ، یوپی زرعی پارٹی کے ممبران، اس کے خاص کارکن ہیں، کہنے کو تو وہ مسلمانوں کے حقوق کے لئے لڑ رہے ہیں، لیکن اصل میں چند اہل غرض لوگ اپنے مطلب کے لئے اس کو چلا رہے ہیں، اسکے برخلاف کانگرس عوام کے فائدے کے لئے ہے، جو قانون وہاں بنتا ہے، وہ نہ ہندوؤں کے لئے ہوتا ہے، نہ مسلمانوں کے لئے، بلکہ سب کے لئے بنتا ہے۔

پنتھ جی نے کہا کہ قانون اساسی ہند نے جو اختیارات دیئے ہیں وہ بہت کم ہیں، لیکن اگر ہم لوگ "عدم تشدد" کے اصولوں پر عمل کریں اپنے کو متحد کریں، اور اپنے مطالبوں پر اڑ جائیں تو بہت کچھ حاصل کر سکتے ہیں۔

پھر انھوں نے دیہات سدھار کے متعلق کہا کہ یہ کام بہت بڑا ہے، اور بڑے فائدے کا ہے، لیکن اسوقت تک وہ کچھ نہیں کر سکتے جب تک اس میں عوام کی مدد نہ شامل ہو۔

---

**مدراس کی وزارت نے کھادی** کی ترقی کے لئے دو لاکھ روپیہ منظور کیا ہے، یہ روپیہ آل انڈیا چرخا سنگھ کو دیدیا جائے گا وہ اسکو حسب ضرورت مختلف جگہوں پر تقسیم کرے گی۔

---

الہ آباد میں ایک کانفرنس ہوئی جس میں سیوا سمتی بوائے اسکاؤٹ، اور بیڈن پاول بوائے اسکاؤٹ، دونوں شریک ہوئے، اور اس قسم کا سمجھوتا ہوا جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اب یہ دونوں جماعتیں مل جائیں گی۔

---

**بہار** کے کسانوں کا پٹنہ میں ایک بہت بڑا جلسہ ہوا، جہاں تمام ضلعوں کی کسان سبھاؤں کے بڑے بڑے جتھے آئے تھے، اس میں بہار کے ہر گوشہ کا کسان شریک تھا، ان لوگوں کے نعرے تھے "زمینداری مٹا دو" "کسان کابینٹ بھرو" بہار کے کانگرسی وزیروں نے شرکت کی: اور وعدہ کیا کہ اپنے امکان بھر ان کے مطالبات پورے کریں گے۔

---

**خان عبد الغفار خاں** سرحد میں کانگرسی تنظیم میں بہت پھنسے ہوئے ہیں۔ اس لئے یوپی کے چھوٹے الکشنوں میں نہیں آ سکیں گے۔

---

**پٹیالہ۔** آل انڈیا ریاستی کانگرس میں اطلاع آئی ہے کہ ایک سیاسی لیڈر مسٹر ناہر سنگھ پٹیالہ میں گرفتار کر لئے گئے۔

حلوں کو دبانے کے لئے، کیونکہ یہ بتاتے ہیں کہ چین کو فتح کر لینا تو آسان ہے مگر اس پر قبضہ جمانا مشکل ہے۔ اسکو دبانے کے لئے جاپانی سپہ سالار کے نمائندے کرنل کوسوموتو نے شنگھائی کی بین الاقوامی آبادی کے انگریزی پولیس کمشنر کو ایک نوٹس دیا ہے، جس میں چار احکام ہیں، جنکا مطلب یہ ہے کہ شنگھائی کی موجودہ پولیس کو جاپان دشمن تحریکوں کو پوری طرح دبانا چاہئے، اگر ناکامیاب رہی، یا جاپانی فوج کو اس کی ورکیوں پر بھروسا نہ ہوا، تو سارا انتظام جاپانی پولیس اپنے ہاتھوں میں لے لے گی، اور ایسی تحریکوں کے دبانے کے لئے جو مناسب سمجھے گی، کارروائی کرے گی، بین الاقوامی آبادی میں فرانس، ممالک متحدہ، اور برطانیہ کا بہت روپیہ لگا ہوا ہے ابتک یہ طاقتیں معمولی معمولی نقصان اٹھاتی رہیں۔ اس سے بھی ان کی ساکھ کو بہت نقصان پہونچا ہے۔ اگر اس موقع پر بھی خاموش رہیں تو ساکھ بالکل گر جائے گی، اور ڈر ہے کہ چھوٹی چھوٹی طاقتیں ہنگامے کر کے ان سب سامراجوں کو کمتر نے لگیں۔

دوسرا واقعہ یہ ہوا ہے کہ چینیوں کو بے بس کرنے کیلئے ضروری ہے کہ "چنگی، اور ٹیکس" کو جاپان اپنے قبضہ میں کرے۔ مگر "یہ چنگی اور ٹیکس" اس قرضہ کے عوض جو چین کے سر تھوپا گیا تھا، فرانس، برطانیہ اور امریکہ کے پاس رہن ہیں، جاپان کے اس ارادے کو ان ملکوں کے مہاجن کبھی نہیں پورا ہونے دیں گے، اس موقع پر ان تین طاقتوں نے "بہادری" سے جاپان کو دھمکایا ہے۔

دوسری طرف چین کا اس طرح مٹ جانا روس کے لئے بہت خطر ہے، بہت ممکن ہے کہ وہ اپنے بچاؤ کی خاطر کھلم کھلا چین کا شریک ہو جائے، اگر روس نے یوں جاپان سے لڑائی چھیڑ دی، تو جرمنی بھی موقع سے پورا فائدہ اٹھائے گا، اور فوراً مشرقی یورپ پر حملہ کر دے گا۔ یہ حملہ فوراً فرانس کو لڑائی میں کھینچ لائے گا، کیونکہ فرانس یہ کبھی نہیں گوارا کر سکتا کہ جرمنی بہت زیادہ طاقتور ہو جائے، اور مشرقی ریاستوں میں زو کو سلا دیا، اور پولینڈ میں فرانس کا روپیہ لگا ہوا ہے جو آسانی سے دوسرے کے حوالے نہیں کیا جا سکتا یورپ میں اس طرح لڑائی چھڑ جانے کا نتیجہ وہی ہوگا جو ۱۹۱۴ء میں ہوا۔ کون جانے کس کی فتح ہو، اور کس کی تباہی۔ ایسی لڑائی کے لئے اس وقت کوئی حکومت تیار نہیں، فرانس، برطانیہ کی تیاری کا تو سوال ہی نہیں، جاپان، جرمنی اور اٹلی یوں نہیں تیار ہیں کہ اب انکو امید ہے کہ جسطرح حبشہ، اسپین اور چین ملا ہے، اسی طرح رفتہ رفتہ دنیا فتح کر لیں گے۔

اس خطرے سے بچنے میں جاپان سب کا شریک ہے، اس خطرے سے بچا کیسے جائے؟ اب لڑائی بند کر دی جائے۔ جتنا جاپان نے فتح کیا ہے اسی پر بس کرے، غالباً برطانیہ نے برسلز کانفرنس میں جاپان کو اسی لئے بلایا تھا، لیکن فسطائی طاقتوں کو یہ گوارا نہ ہوا کہ اب بھی، بلا وجہ برطانیہ کو دنیا کا چودھری تسلیم کیا جائے، اسی لئے جاپان اور جرمنی شریک نہیں ہوئے، اٹلی شریک ہوا بھی تو بہت بے رخی دکھائی اور صاف صاف جاپان کی وکالت کی، امریکہ نے اپنا عندیہ صاف ہی نہیں کیا، اسکو یقین تھا کہ برطانیہ اپنے منافعے بچانے کیلئے کچھ نہ کچھ ضرور کرے گی، اسکے بھاگوں امریکہ کے منافعے بچ ہی جائیں گے۔ اس کے بیچ میں پڑنے سے، اپنی ساکھ پر آنچ آنے کا ڈر تھا۔

برسلز کانفرنس ادھر بے نتیجہ ختم ہوئی، اور ادھر برطانوی مہاجنوں کے اخباروں نے، اور نمائندوں نے غل مچانا شروع کیا کہ برطانوی تجارت خطرے میں ہے، برطانوی نے بار بار بیان دیا کہ سب محفوظ ہے، مگر غل وشور میں کمی نہ ہوئی، مجبوراً برطانیہ کو جرمنی کے سامنے جھکنا پڑا، اور یہ درخواست کرنا پڑی کہ برطانیہ جرمنی کو مشرقی یورپ کی ریاستوں پر دخل درانداز ی کرنے کا موقع دیدے گی، اگر وہ جاپان اور چین میں صلح کرا دے جرمنی نوآبادیات کا مطالبہ کر رہا تھا، مگر اس کا مطلب یہی تھا کہ اسے مشرقی یورپ میں لوٹ مچانے کی اجازت دیدی جائے، اب اجازت کا کیا سوال، عرضداشت پیش کی کہ "تم لوٹ لو" اور اس طاقت نے بیٹھی کی جو دنیا کی چودھری، برسوں تک رہ چکی ہے۔ یہ ذلیل کام تھا، جس کے لئے لارڈ ہیلی فاکس ہٹلر کے در پہ گئے تھے، برطانیہ نے اپنی اس حالت کو اخباروں سے چھپانے کے لئے خوب خوب پردے ڈھاکے، کہ اس گفت وشنید کا مطلب "صلح و امن" ہے، وہ یوں کہ جرمنی راضی ہو گیا ہے کہ چھ سال تک نوآبادیات کا مطالبہ نہ کرے گا، مگر جرمنی اور فرانس کے اخباروں نے لفظوں کی قلعی کھول دی، انھوں نے بتا دیا کہ یہ درخواست ہٹلر کی طرف سے نہیں، بلکہ برطانیہ کی طرف سے ہوئی ہے۔

جرمنی بیچ میں پڑنے کے لئے بڑھا، اٹلی نے فوراً سر ہلایا۔ وہاں کے خاص اخبار میں ایک مضمون نکلا، جسکے متعلق خیال ہے کہ وہ مسولینی کا لکھا ہوا تھا۔ اس میں اس دلالی کی تائید کی گئی ہے، اور کہا گیا ہے کہ چین کو صلح کر لینا چاہئے۔

غالباً جاپان تیار ہے، جاپان کے ایک خاص اخبار نے لکھا ہے کہ اگر دوست صلح کی باتیں چھیڑے، اور شرائط سمجھدارانہ ہوں تو جاپان سننے کے لئے تیار ہے، اس تیاری کی کئی وجہیں ہیں، ایک تو یہ کہ اب معاملہ حد سے گزرا جا رہا ہے، اور ڈر ہے کہ بجائے نفع کے نقصان ہوگا، فتح کرنے کو تو چین کا سارا علاقہ فتح کیا جا سکتا ہے، مگر سب پر قبضہ جمانا بہت مشکل کام ہے۔ صرف مانچوکو پر قبضہ جمانے میں کروڑوں روپیہ خرچ ہو گیا، اور ابھی تک آمدنی کے آثار نہیں ہیں، دو سکر تشدد و لبندی، روز روز کی بغاوت کا سلسلہ سالہا سال تک مقابلہ کرنا ہوگا، جو جاپان کو اسی طرح الجھائیگا جیسے اب برطانیہ اپنے غلام ملکوں کی بغاوتوں میں الجھی ہوئی ہے، نتیجہ یہ ہوگا کہ پھر جاپان کو مجبوراً سب سے ہاتھ دھونا پڑیگا۔ اس لئے ابھی تو یہی مناسب ہے کہ پانچ شمالی صوبوں پر بس کیا جائے۔ ان صوبوں پر جاپان کا اقتصادی قبضہ پہلے سے ہے، یہاں کی آبادی میں بھی ایسی خاص تعداد ہے جو جاپان دوست ہے۔ اور ان صوبوں کا کچا مال، اور بازار جاپان کی موجودہ ضرورتوں کو پورا کر سکتا ہے۔

کیا چین تیار ہو جائے گا؟

نانکن کی تباہی کے بعد یہ سوال ہی بیکار ہے، اگر تیار نہ ہوگا تو کریگا کیا؟ چین کے جنوبی حصہ میں کومنگ ٹانگ کی کچھ طاقت ہے، مگر اتنی نہیں کہ جاپان کے سائنسی جنگی آلات کا مقابلہ کر سکے، اسکے علاوہ چین روپیہ، اور جنگی آلات میں جرمنی، امریکہ، اور برطانیہ کا محتاج ہے، اسی لئے ان لوگوں کا دباؤ بھی اس کو صلح کرنے پر مجبور کر سکتا ہے،

اگر یہ صلح ہو گئی تو بھی دنیا کی چودھراہٹ، فسطائی طاقتوں کے ہاتھ میں آ جائے گی، جس سے ان کا اثر، اقتدار، اور تجارت بہت چمک جائے گی، اور برطانیہ دن بدن ماند ہوتی جائے گی، لیکن برطانوی مہاجن اتنی دور کیوں دیکھنے لگے، وہ تو اس امید پر مگن ہوں گے، کہ جاپان کو شمالی چین میں لگانے کے لئے روپیہ کی ضرورت ہوگی، اور چین کو ہار جانے کا تاوان ضرور

دینا ہوگا، روپیہ کس سے لیا جائے گا، کیوں نہ صلح نامے میں یہ شرط ہو کہ روپیہ ہم سے کیا جائے۔

---

قابل فروخت]

## اطلاعنامہ بنام اشخاص در بارہ پیش کرنے اپنے دعوی کے حسب دفعہ ۱۱۔ ایکٹ جائدادہائے مقروضہ ممالک متحدہ (ایکٹ ۲۵ ر ۱۹۳۴ء)

بعدالت جناب بابو بشمبھر ناتھ بھوش نبرجی اسپشل جج صاحب بہادر درجہ دوم مقام گونڈہ

مقدمہ نمبری ۲۷۹ نمبر ۱۹۳۶ء
تاریخ پیشی ۲۶ر فروری ۱۹۳۸ء

پرتھی پال وغیرہ۔ قرضدار سائل۔

بنام

مہتہ منوہر داس وغیرہ قرضخواہ فریق ثانی

چونکہ

۱- پرتھی پال } پسران برج موہن عرف برج بھوکن
۲- دوار کا پرشاد }
۳- جیسدی پرشاد عرف رام کمار پرشاد } بالغان } پسران دوارکا پرشاد
۴- شیو کمار }
۵- راج کمار } نابالغان بولایت پرتھی پال
۶- راج نریش }

اقوام برہمنان ساکن بھوبت پور پرگنہ نواب گنج ضلع گونڈہ سائلان کی جانب سے ایک درخواست حسب دفعہ ۴۔ ایکٹ جائدادہائے مقروضہ پیش کی گئی ہے اور چونکہ جائداد جس کی تفصیل فہرست ہائے منسلکہ میں درج ہے درخواست دہندہ نے حسب دفعہ ۸ یا فریق ثانی نے حسب دفعہ ۱۰ اسامان مذکور کی جائداد ظاہر کی ہے۔

لہذا حسب دفعہ ۱۱ (۱) ایکٹ مذکور تم کو اطلاع دی جاتی ہے کہ اگر جائداد مذکور کے متعلق تم کوئی دعوی رکھتے ہو تو گزٹ ممالک متحدہ میں اس اشتہار کے شائع ہونے کی تاریخ سے تین ماہ کے اندر ایک درخواست عدالت ہذا میں اصالتاً یا بذریعہ مختار مجاز پیش کرو۔

میرے دستخط اور مہر عدالت سے آج بتاریخ ۱۱ر نومبر ۱۹۳۷ء جاری ہوا۔

مہر عدالت

فہرست جائداد پیش کردہ قرضدار حسب تفصیل مندرجہ دفعہ ۸ و پیش کردہ قرضخواہ حسب تفصیل مندرجہ دفعہ ۱۰۔ ایکٹ جائدادہائے مقروضہ ممالک متحدہ۔

### فہرست (الف)

قرضدار کے حقوق مالکانہ متعلقہ آراضی

| نمبر سلسلہ وار | ضلع | نام جائداد | موضع مع نمبر پٹی محال | [illegible] | درخواست دہندہ کی حقیت [illegible] |
|---|---|---|---|---|---|
| ۱ | گونڈہ | حق اعلی | رالی پور کالبی محال مہاراج بھوکن | ۸ر | ۷۷/۹۴۰ |
| ۲ | // | پختہ داری | بھوبت پور محال پختہ داری | ۲ر(۴ر) | ۹۸/۱۰/۰ |
| ۳ | // | ماتحت داری | // | ۲ر۴را | بلا لگان |
| ۴ | // | // | بھوبت پور محال لچھمن داس | ۸/۲را | // |
| ۵ | // | // | بھوبت پور محال رام داس | ۸/۲را | // |

### فہرست (ب)

قرضدار کی جائداد جو باستثنائے حقوق مالکانہ حسب دفعہ ۶۰ ضابطہ دیوانی ۱۹۰۸ء قرق اور نیلام ہوسکتی ہے۔

| نمبر سلسلہ وار | نوعیت جائداد | وسعت حقیت درخواست دہندہ | کیفیت |
|---|---|---|---|
| ۱ | باغ | ۹/۸ — ۶-۹۱ بقدر نصف | درخواست بیان تحریری مہاجنان حسب دفعہ ۱۰ موضع بیری محال تعلقداری پرگنہ نواب گنج ضلع گونڈہ |
| ۲ | // | ۳/۸۴ — ۱-۷۵ // | موضع بھوبت پور // // // // |
| ۳ | // | ۲۵/۶۲ — ۱-۲۳ // | محال پختہ داری پرگنہ نوابگنج ضلع گونڈہ |
| ۴ | // | ۳/۵۴ — ۳-۵۹ // | // // // // // |
| ۵ | // | ۳۶/۲ — ۲-۰۶ // | موضع بھوبت پور محال تعلقداری پرگنہ نواب گنج ضلع گونڈہ |
| ۶ | تین قطع مکان و گھاری مسکونہ دوارکا پرشاد موضع بھوبت پور پرگنہ نواب گنج ضلع گونڈہ | | |
| ۷ | گائے ایک راس، بیل ایک راس، بھینس ایک راس، گاڑی ایک عدد | | |

دستخط بخط انگریزی

مہر عدالت

# چین و جاپان پر کتابیں

**صحیفۂ چین** } از مشہور حکیم فلسفی کنفیوشس، ترجمہ سید اسد علی انوری۔ آئی الف۔ الیس۔ اصل ترجمے کے علاوہ تین ضمیمے موجودہ دور تک کے سیاسی، اقتصادی، تعلیمی اور فوجی حالات پر روشنی ڈالتے ہیں مکتبہ نے اس کتاب کو ستمبر ۱۹۳۷ء میں شائع کیا۔ قیمت مجلد عہ

**چینی مسلمان** } از بدر الدین چینی بی۔ اے (جامعہ) گمنام مسلمان چین کی مفصل تاریخ، ان میں تمدن کا احساس اور اصلاح کی کوشش حیات و بقا کے لئے نئی راہوں کی تلاش قیمت عہ

**جاپان** } جاپان کے رازہائے سربستہ، تازہ ترین اور سبق آموز حالات ہندستان کے لئے درس عبرت کتاب جلد لوازم طبع سے آراستہ اور گیارہ تصویریں۔ قیمت مجلد عہ

**حقیقت جاپان** } مولفہ بدر الاسلام صاحب فضلی بی اے۔ بی ٹی (علیگ) مولف نے زندگی کے تمام اہم شعبوں سے متعلق کتابوں سے استفادہ کرتے ہوئے اپنے مشاہدے اور ذاتی تحقیقات کی بنا پر مفصل طور سے بحث کی ہے قیمت مجلد ۸ ۸

**جاپان اور اسکا تعلیمی نظم و نسق** } سعید احمد صاحب مسعود بی اے (آکسن) نے ملک کی سیاسی حالت کا تذکرہ کرتے ہوئے وہاں کے تعلیمی نظم و نسق کی مفصل توضیح کی ہے قیمت مجلد

مکتبہ جامعہ نئی دہلی، دہلی، لاہور۔

# ایک اور آسانی

بجائے اسکے کہ آپ سفر میں بہت سے نوٹ لیکر چلیں، آپ

**سنٹرل بنک کے روپئے والے سفری چیک**

ساتھ لے جا سکتے ہیں، ان کی وجہ سے آپ بہت سی زحمتوں سے بچ جائیں گے، اور روپیوں کے کھو جانے کا ڈر بالکل نہ رہے گا۔

۲۵، ۵۰، اور ۱۰۰ روپئے کے چیک مل سکتے ہیں، ان کا روپیہ آپ کو سنٹرل بنک آف انڈیا کی ہر شاخ سے مل سکتا ہے۔

**سنٹرل بنک آف انڈیا لمیٹڈ لکھنؤ۔**

بیمہ کرائیے    حصہ خریدئے    بیمہ کرائیے

# دی آدرش بیمہ کمپنی لمیٹڈ

## الہ آباد

اگرچہ نئی لیکن کامیابی میں قریب ۵۰ پرانی کمپنیوں سے

**اچھی**

۱۹۰ ۲/۱ ماہ میں بارہ لاکھ کا کاروبار، صوبہ اور ضلع آرگنائزر

اور ایجنٹوں کی ضرورت ہے

**پتہ**

**دی آدرش بیمہ کمپنی لمیٹڈ**

**شیوچرن لال روڈ، الہ آباد**

# برص اور کوڑھ

اس دوا کے چند روز لگانے سے برص اور کوڑھ غائب ہو جاتا ہے، سیکڑوں حکیموں، ڈاکٹروں، کویراجوں اور اشتہار بازوں کے علاج ناکامی ہو جانے کے باوجود یہ دوا لگا کر ان موذی امراض سے نجات حاصل کیجئے، اگر فائدہ نہ ہو تو

**انعام پانچسو روپیہ انعام**

قیمت ۸؍ دو روپیہ آٹھ آنے

**ویدیا راج کھیل کیشو رام ۲۷ پوسٹ آفس کرتی سرائے گیا**

(GAYA)

# نرخنامہ اشتہارات

## اخبار ہندستان

| باہر کا آخری صفحہ | | اندر کے صفحے | |
|---|---|---|---|
| پورا صفحہ | ۲۵، روپئے | | ۲۰، روپئے |
| آدھا صفحہ | ۱۳، روپئے | | ۱۱، روپئے |
| چوتھائی صفحہ | ۷، روپئے | | ۶، روپئے |

مستقل اشتہار دینے والوں کے ساتھ رعایت۔

**مینجر ہندستان ۲۶ نیل روڈ۔ لکھنؤ۔**

ہندستان نیز ہندستان پبلشنگ کی طرف سے حیات اللہ یڈیٹر و پبلشر نے بہتمام گزاری لال سکسینہ سلطانیہ برقی پریس نظیر آباد لکھنؤ سے چھپوا کر ۲۶ نیل روڈ لکھنؤ سے شائع کیا

جلد ۱ نمبر ۲ | لکھنؤ ۱۹ ر دسمبر ۱۹۳۷ء | فی پرچہ ۱ ر سالانہ ۳ ر

## مولانا اشرف علی تھانوی الکشن میں

اخباروں میں ایک فتویٰ شائع ہوا ہے۔

(مولانا اشرف علی صاحب تھانوی کا تازہ ترین ارشاد)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ آج کل سہارنپور میں اسمبلی کی ایک نشست کے لئے دو امیدوار کھڑے ہوئے ہیں۔ ایک مولوی منفعت علی صاحب وکیل جن سے جناب خود بھی ذاتی طور پر واقف ہیں اور دوسرے چودھری ظفر احمد صاحب جو مولوی صاحب سے قابلیت میں ہر طرح سے کم ہیں۔ اور مولوی صاحب موصوف ہی کی برادری کے ہیں۔ مولوی منفعت علی صاحب مسلم لیگ کی طرف سے کھڑے ہوئے ہیں۔ اور دوسرے صاحب کانگرس کی طرف سے لہذا سوال یہ ہے کہ:-

(۱) جناب کے نزدیک کانگرس کے امیدوار کو ووٹ دینا جائز بھی ہے یا نہیں۔

(۲) اور کیا مسلم لیگ کے امیدوار کو ووٹ دینا جائز ہے۔ اور چونکہ مولوی منفعت علی صاحب سے جناب ذاتی طور بھی واقف ہیں، اس لئے اگر خلاف مصلحت ہو تو اس سے بھی مطلع فرمائیں کہ آپ مولوی صاحب موصوف کو اسمبلی کی ممبری کے لئے مناسب خیال فرماتے ہیں یا نہیں۔ اگر ایسے دیندار لوگ اسمبلی میں جائیں تو مسلمانوں کی نمائندگی بہت بہتر طریق سے ہو۔ کیا ہمارا یہ خیال صحیح ہے والسّلام۔

المستفسر سید ریاض الحسن وکیل و قاضی محمد حنیف گنگوہی۔

### حضرت مولانا کا جواب

مُبسِلاً وحامداً ومُصلّیاً۔ اس سوال کے دو جزو ہیں ایک عام کہ مسلم لیگ و کانگرس میں سے کس کے امیدوار کو ممبری کا ووٹ دینا جائز و مفید ہے اور کس کے لئے ناجائز و مضر۔ دوسرا خاص ایک صاحب کے متعلق کہ انکو ووٹ دینا میرے نزدیک بہتر ہے یا نہیں۔ سو پہلے جزو کے متعلق تو کانگرس کے واقعات کا معلوم ہونا کافی ہے۔ جو یقیناً اس آیت کے عموم میں داخل ہے۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا بِطَانَةً مِّن دُونِكُمْ لَا يَأْلُونَكُمْ خَبَالًا وَدُّوا مَا عَنِتُّمْ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاءُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ وَمَا تُخْفِي صُدُورُهُمْ أَكْبَرُ

(ترجمہ) اے لوگو جو ایمان لائے ہو۔ تم سوائے مسلمانوں کے دوسروں کو دلی دوست مت پکڑو۔ وہ تم کو تباہ کرنے میں کمی نہیں کرتے، اور اسی بات کو دوست رکھتے ہیں کہ تم ایذا میں پڑو تحقیق تم سے ان کی ناخوشی ان کے منہ سے ظاہر ہو چکی۔ اور جو کچھ ان کے سینوں میں چھپا ہوا ہے، وہ اس سے بہت بڑھا ہوا ہے۔

اس لئے موجودہ حالت میں یقین کے ساتھ میری یہ رائے ہے کہ جو شخص کانگرس کی موافقت میں ممبری کا ساعی ہے وہ مسلمانوں کا خیر خواہ نہیں ہو سکتا۔ اور اس کی موافقت اور اسکے لئے سعی کرنے کو میں اہل اسلام کیلئے مضر سمجھتا ہوں، رہی مسلم لیگ سو جماعتی حیثیت سے تو اس

میں کوئی وجہ معصیت و عدم جواز کی معلوم نہیں ہوتی۔ اب صرف فتویٰ کے حالات پر حکم دائر ہوگا۔ پس اگر کوئی شخص دیندار تجربہ کار مسلمانوں کا خیر خواہ مسلم لیگ کیطرف سے ممبری کا امیدوار ہو تو بلا شبہ اسکو ووٹ دینا جائز بلکہ افضل و بہتر ہے۔ یہ تو پہلے جزو کا جواب تھا اور دوسرے جزو کے متعلق یہ جواب ہے۔ کہ مولوی منفعت علی صاحب وکیل سے زمانہ طویل سے احقر کو ذاتی واقفیت ہے۔ وہ ایک دیندار تجربہ کار خوش فہم، نیک نیت قانون داں مسلمانوں کے سچے خیر خواہ ہمدرد مسلمان ہیں۔ ان کو ووٹ دینا میرے نزدیک ہر طرح افضل و بہتر ہے۔ واللہ العالم وھو المستعان۔"

(کتبہ اشرف علی عفی عنہ ۲۵ ر رمضان المبارک ۱۳۶۴ھ)

مولانا عبدالماجد نے صدق ۱۱ ر نومبر میں ایک نوٹ دیا ہے بہتر ہے کہ وہ یہاں نقل کر دیا جائے۔

"یہ سب جانتے ہیں کہ الکشن میں کیسی غلیظ اچھلتی ہے۔ اور علماء اس میں حصہ لیتے ہیں ان کی عزت اور وقار میں بجائے اضافہ ہونے کے کمی ہو جاتی ہے۔ یقین نہ آئے تو بجنور کے الکشن کے بعد بجنور کے عام مسلمانوں سے پوچھئے۔ کہ اب ان کی نظروں میں ان علماء کی کیا وقعت رہ گئی ہے جن کو الکشن سے پہلے وہ قابل احترام سمجھتے تھے۔ (حقیقت لکھنؤ)

(صدق کی عبارت) لیکن اس میں اس قدر افسوس کی کیا بات ہے؟ علماء کا احترام اسی وقت تک واجب ہے، جبتک وہ اپنے حدود کے اندر رہیں۔ فقہ میں، حدیث میں، تفسیر میں جس مضمون میں، انھوں نے مہارت خصوصی حاصل کی ہو اسکے اندر یقیناً ان کی رائے (ہر دوسرے ماہر فن کی طرح) قابل عظمت و توقیر ہے۔ لیکن کوئی فقیہہ اگر مسائل فقہ سے باہر نکل کر انجینیرنگ کے کسی مسئلہ پر رائے دے رہا ہو، تو یقیناً اس میدان میں وہ شخص ایک عامی کی حیثیت رکھتا ہے۔ اور یہاں ہرگز عالمانہ عظمت سے متاثر ہونا صحیح نہ ہوگا۔ طبیب کیسا ہی حاذق ہو، کوئی انجینیر اسے اس فن میں کیسے استاد تسلیم کرلے گا۔ یہ تو اساسی اور اصولی ہے۔ اور بالکل صاف و واضح ہے۔ ہمارے عوام و خواص دونوں کی سمجھ میں جس قدر جلد آئے اسی قدر بہتر ہے۔"

اس قول کی صداقت فتویٰ دیکھکر معلوم ہو جاتی ہے۔ مولانا تھانوی نے کانگرس کی ساری دلیل اس ایک فقرے سے نکالی ہے۔

"تم سوائے مسلمانوں کے دوسروں کو دوست مت پکڑو"

کانگرس میں شریک ہونا، پنڈت جواہر لال، کو دلی دوست بنانا نہیں ہے۔ بہت سے لوگ کانگرس میں شریک ہیں جنھوں نے پنڈت جواہر لال نہرو سے باتیں تک نہ کی ہوں گی۔ اگر دلی دوستی میں معاملاتی تعلقات بھی شامل ہیں تو میونسپلٹی اور کونسل میں جانا، جہاں غیر مسلموں سے ملکر، کام کیا جاتا ہے ناجائز، خاص کر کسی معاملہ میں انکے موافق رائے دینا۔ بلکہ غیر مسلموں سے مال خریدنا غیر مسلموں کے ہاتھ مال فروخت کرنا، غیر مسلموں کی ملازمت کرنا۔ یا کسی ایسی جگہ کام کرنا جہاں کا افسر یا ماتحت غیر مسلم ہو، یہ سب ناجائز ہیں۔ اسی طرح ریل پر سوار ہونا ناجائز ہے۔ کیونکہ اسے غیر مسلم بناتے اور چلاتے ہیں، اور اس سے جو نفع ہوتا ہے اس سے مزے اٹھاتے ہیں۔

مولانا "ووٹ" دلا رہے ہیں لیگی امیدوار کو کیونکہ وہ "ایک دیندار، تجربہ کار، خوش فہم، نیک نیت، قانون داں، مسلمانوں کے سچے خیر خواہ، ہمدرد مسلمان ہیں" مولانا شاید ووٹ کو زکوٰۃ، خیرات، صدقہ، فطرہ، ہدیہ کے قسم کی کوئی چیز سمجھے ہیں۔ جو اچھے آدمی، کو دینا چاہئے تاکہ قبول ہو۔

ووٹ خالص دنیاوی چیز ہے۔ بیکار ووٹ دیتا ہے، ملازمت حاصل کرنے کے لئے۔ کاشتکار، ووٹ دیتا ہے لگان کم کرانے کیلئے، مزدور ووٹ دیتا ہے تنخواہ بڑھوانے کے لئے۔ اور اگر یہ لوگ سمجھ کر ووٹ دیں گے تو ایسی جماعت کو دیں گے جو انکے کاموں کو کر سکے۔ لگان کی لڑائی مسلم کاشتکار اور مسلم زمیندار میں بھی ہو سکتی ہے۔ اور جہاں لگان کا سوال اٹھا ہندو مسلم کا سوال ہٹ گیا لگان مسئلہ کا کوئی ایسا حل ممکن نہیں جو کاشتکار اور زمیندار دونوں کو مطمئن کر دے۔

جب مولانا کانگرس کو ہندو جماعت کہتے ہیں وہ یہ فرض کر لیتے ہیں کہ ہندو ایک جماعت ہے۔ اور ان سب کے منافع کی نگرانی کانگرس کر رہی ہے گویا کہ ہندوؤں نے کوئی ایسا ڈھنگ نکال لیا ہے جس سے حاصل کئے منافع کو آپس میں بانٹ لیں۔ وہ ڈھنگ کیا ہے؟ دنیا میں روپیہ بٹتے وقت مزدور و کارخانہ دار، کاشتکار و زمیندار کا سوال اٹھتا ہے۔ اور یہ ہندوؤں میں بھی اسی طرح جماعتوں کو الگ الگ کر دیتا ہے۔ جیسے مسلمانوں میں۔

## اخبار حق نے "احکامات" کا مطلب سمجھا

ہندستان ۲۸۔ نومبر میں ڈاکٹر اشرف کا ایک مضمون ہے "کانگرس اور مسلم لیگ کا دوسرا الکشن" جس میں ایک جگہ لکھتے ہیں

حافظ ابراہیم صاحب ہمارے صوبے کے ان چند لوگوں میں ہیں جو برابر کانگرس کے ساتھ رہے ہیں۔ اور مولانا حسین احمد صاحب کے احکامات پر خاموشی سے عمل کرتے رہے ہیں مولانا کے اصرار پر حافظ صاحب مسلم لیگ کے ٹکٹ پر بلا مقابلہ منتخب ہوئے، اور مولانا کے استعفا دینے کے بعد مسلم لیگ سے کنارہ کش ہوگئے۔"

اس پر حق نے ایک نوٹ دیا ہے۔

غالباً ڈاکٹر صاحب کا مطلب یہ ہے کہ آنریبل حافظ محمد ابراہیم صاحب کی کوئی ذاتی رائے نہیں۔ ان کے مذہبی عقائد سیاسی خیالات، اور ان کی ہر جنبش مولانا حسین احمد کے اشارہ اور ہدایت کی محتاج ہے، مولانا نے مسلم لیگ میں شرکت کی حافظ محمد ابراہیم صاحب بھی بلا سوچے سمجھے مسلم لیگ میں شامل ہوگئے۔ مولانا مسلم لیگ سے مستعفی ہوئے۔ حافظ صاحب نے بھی لیگ سے استعفےٰ دیدیا۔ ایسی صورت میں کیا اس کی توقع نہیں کی جاسکتی کہ اگر کسی وجہ سے مولانا کانگرس کے مخالف ہو جائیں تو حافظ محمد ابراہیم بھی مولانا کا ساتھ دینگے اور اس طرح پر حافظ صاحب کو کامیاب بنانے کی کانگرس نے جو جد و جہد کی ہے وہ بیکار جائے گی۔

مؤقر حق، نے مطلب دھونڈنے میں ذرا کفائیت کی ورنہ ابھی "احکامات" سے کچھ اور بھی نکل سکتا ہے۔ مثلاً حافظ ابراہیم، انگریزی گرامر، تعزیرات ہند کے دفعات اور ریلوے ٹائم ٹیبل بھی مولانا ہی سے پوچھتے ہوں گے، یا یہ کہ مویشیوں کی خرید و فروخت۔ مکان کی مرمت میں بھی مولانا ہی کا فتویٰ لیتے ہوں گے۔ لفظ "احکامات" کی وسعت کا کیا کہنا، جو چاہے اس میں سے نکال لو۔

"مذہبی عقائد، سیاسی خیالات، اور ان کی ہر جنبش" سے تو ایسا پتہ چلتا ہے کہ حق کے نزدیک یہ تینوں چیزیں الگ الگ ہیں۔ اور مولانا کا مشورہ حافظ صاحب کو صرف "مذہبی عقائد" میں لینا چاہیے تھا۔ ابھی ہم کہتے کہ "سیاسی خیالات" "مذہبی عقائد" سے الگ چیزیں ہیں تو لگ جاتا کفر کا فتویٰ، مگر یہ تو ٹھہرے بھائی لیگی۔ جو چاہیں سو کہیں۔

## من قبلہ راست کردم بسمت کج کلاہے

خبر ہے کہ مسٹر جناح نے سورت میں ایک تقریر کی، اس میں کہا "مسلم لیگ بھی ملک کی آزادی کی حامی ہے، اور اندریں صورت حالات مسلم لیگ سے کانگرس کے اعلیٰ اراکین کا جھگڑنا اور اسے فنا کرنے کی کوشش کرنا ایک شدید غلطی سے کم نہیں، لیگ مسلمانوں کے جائز حقوق کو کچلتے ہوئے دیکھنا ہرگز گوارا نہیں کر سکتی، یہی وجہ ہے کہ لیگ کانگرس کو رسوا کر رہی ہے بہرحال نئے آئین میں مسلمانوں کے لئے ایک تسکین کا ذریعہ موجود ہے، وہ یہ ہے کہ اس میں تحفظات اور گورنروں کے مخصوص اختیارات موجود ہیں۔ اگر ہم نے یہ دیکھا کہ ہمارے مذہب یا انصاف کے خلاف ہمارے سر کوئی بات ٹھونسی جا رہی ہے تو ہمیں مجبوراً گورنر کے پاس جانا ہوگا، اور مداخلت کے لئے درخواست کرنا ہوگی۔"

معلوم ہو گیا کہ "پوری آزادی" سالانہ اجلاس میں کیوں پاس کی گئی تھی، غصہ یہ ہے کہ کانگرس وزارت کیوں نہیں دیتی۔ دیدے "پوری آزادی" حاصل کرنے کا پروگرام بھی اچھا ہے۔ اٹھے اور گورنر کے پاس چلے گئے۔ یہ نہ کریں تو کیا کریں ستیہ گرہ بزدلی، جارحانہ کارروائی حماقت۔

لیگیوں، اور زمینداروں میں ایک بڑی ہم رنگی یہ ہے کہ دونوں کو مصیبت کے وقت گورنر یاد آتا ہے۔

## لارڈ لوتھین ہندستان کیوں آئے

امرت بازار کا نامہ نگار لکھتا ہے کہ لارڈ لوتھین کی آمد پر بمبئی میں یہ افواہیں اڑ رہی ہیں کہ یہ فیڈریشن کے متعلق کانگرس کے لیڈروں سے بات چیت کرنے آئے ہیں۔ اس خیال کی یوں اور تصدیق ہوتی ہے کہ پہلے پہل بھولا بھائی ڈیسائی نے لارڈ صاحب کا پبلک استقبال کیا۔ بہت ممکن ہے کہ بات یہی ہو۔ کہنے کو تو لارڈ لوتھین نجی طور پر آئے ہیں۔ لیکن ابھی ایک ایسی ہی نجی تفریح لارڈ ہیلی فاکس نے کی تھی، کہ وہ جرمنی، شکاری نمائش دیکھنے گئے تھے۔ اس کا جو نتیجہ ہوا وہ اب سب پر ظاہر ہو چکا ہے۔

کانگرس نے بار بار ظاہر کیا کہ فیڈریشن کو منظور کرنے کیلئے ہندستان کسی طرح تیار نہیں ہے۔ بھولا بھائی نے دھمکی بھی دی ہے کہ اگر برطانیہ نے زبردستی فیڈریشن سر تھوپنا چاہا تو سول نافرمانی سے اس کا مقابلہ کیا جائے گا۔ برطانیہ اب سمجھ چکی ہے کہ کانگرس کی دھمکی کے کیا معنی ہو سکتے ہیں۔ اس لئے مناسب نظر آیا ہو کہ کچھ سمجھوتا کر لیا جائے۔ ایسی گفت و شنید کے لئے لارڈ لوتھین بہت موزوں ہیں۔ کیونکہ وہ کانگرس کے ساتھ ہمدردی دکھاتے رہے ہیں۔

# مسلم لیگ کا طریقہ کار

روزنامہ انقلاب میں ایک سرخی ہے۔

"عطاء اللہ شاہ بخاری کو مسلمانوں کے خوف سے کانگرس کے دفتر میں چھپکر نماز پڑھنا پڑی۔"

پاک ہیں وہ مسلمان جن کی طرف سے مولانا کو ڈر تھا کہ نماز میں گردن کاٹ لیں گے۔ اور گردن زدنی ہیں وہ کانگرسی ہندو جنھوں نے سینہ سپر ہو کر نماز پڑھوائی۔

ایک دوسری خبر تھی۔

### "خدائی خدمت گاروں کی اسلام سے دشمنی"

خبر صرف اتنی تھی کہ خدائی خدمت گاروں کا ایک گروہ کانگرس کی طرف سے کام کرنے سہارنپور اور بلند شہر کے الکشنوں میں جا رہا ہے، جرم ایسا نہیں تھا جس پر ان لوگوں کو "انقلاب" صرف اسلام سے خارج کر کے چھوڑ دیتا۔ بلکہ "اسلام کا دشمن" بھی بنا دیا۔ ان پر جہاد جائز، مرد مومن، انکو قتل کر کے غازی ہو۔ اور ان کے ہاتھوں سے مر کر شہید۔

مسلم لیگ کی طرف بھی کچھ "علماء" ہیں، اور وہ لوگ مسائل سے بھی واقف ہیں، لیکن انھوں نے ابھی تک ایسی تحریروں کے بارے میں ایک فقرہ نہیں کہا۔ یہ سمجھنا چاہئے کہ ایسے فقرے جز ملزم ہی تک ہیں، جب تحریر کا یہ رنگ ہے تو تقریریں کیسی ہوں گی۔ ان میں "ووٹ لینے" کے لئے کتنا زہر بھرا گیا ہوگا۔ اور بیچارے ناواقف مسلمانوں کو انھوں نے کتنا بہکایا ہوگا، اگر یہ سمجھنا ہو "ہندستان ٹائمس" کی خبر دیکھ لیجئے۔

### "خدائی خدمتگاروں پر بلا وجہ حملہ"

"(ہمارا خاص نامہ نگار) ایسوسی ایٹڈ پریس کی جو خبر شائع ہوئی ہے کہ حسن پور کا جھگڑا اس وجہ سے ہوا کہ خدائی خدمتگاروں نے مسجد کے سامنے باجہ بجایا بالکل غلط اور خلاف واقعہ ہے، تحقیق پر یہ معلوم ہوا کہ جب خدائی خدمتگاروں کا جلوس ایک ایسی جگہ سے نکلنے لگا، جو مسلم لیگیوں سے بسا تھا، تو ان پر اینٹوں سے لیگیوں نے حملہ کر دیا، جس سے کئی آدمی زخمی ہو گئے۔ اس پر بھی خدائی خدمتگار خاموش رہے۔"

کیا واقعی لیگی علماء جائز سمجھتے ہیں کہ لیگی مسلمان، کانگرسی مسلمان کو "واصل جہنم" کریں؟

ہمکو آٹھ پوسٹر ملے ہیں، جنکا درجہ بہت بڑھ چڑھ کر ہے۔ ان میں سے ایک اخبار "وحدت" دہلی کی طرف سے ہے، اور باقی سات، مولانا حسن نظامی کی طرف سے۔ اعلان اس قابل ہیں کہ ان کا خلاصہ دیا جائے۔

(پہلا پوسٹر)

"سورت میں پردرد اپیل کی گئی ہے ... کہ جمعیۃ علمائے ہند دہلی نے کئی مکتب اور مدرسے میدان ارتداد میں قائم کر رکھے ہیں، اور کئی ہزار غیر مسلموں کو اسلام میں داخل کیا ہے۔ سرحدی مسلمانوں کی مصیبت میں امداد کی شاردا ایکٹ کے سلسلے میں قربانیاں کیں، وغیرہ۔ اسوقت مالی حالت ایسی کمزور ہے کہ دفتر کا کرایہ اور ملازمین کی تنخواہیں تک ادا نہیں ہو سکتی ہیں، اس لئے مسلمانوں کا فرض ہے کہ زکوٰۃ، صدقہ، خیرات، فطرہ وغیرہ سے جمعیۃ علمائے ہند کی امداد کریں۔

اس اشتہار پر لوگوں نے جو الفاظ ان علماؤں کی خدمت میں تحریر کئے ہیں لکھتے شرم آتی ہے۔"

پوسٹر نکالنے والے شرم نہ آئی؟ جمعیۃ علماء کی سب قربانیاں بیکار، جن لوگوں کا اس جماعت کے ذریعہ بھلا ہوا تھا، وہ لکھتے، صرف اس جرم پر کہ مولانا جمعیۃ بحیثیت ناظم جمعیت نہیں، بلکہ انفرادی حیثیت سے اس بات پر ایمان نہیں لاتے ہیں کہ لیگیوں کو وزیر بنایا جائے۔ مولانا مسلم لیگ میں بھی تھے، کیا اسوقت کانگرسی علماء نے جمعیۃ پر ایسے ہی حملے کئے تھے؟

دوسرا پوسٹر ایک طرح کا تجارتی اشتہار ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ساری دنیا کے مسلمانوں کو متحد کرنے کی اسکیم یہ ہے کہ ایسے پوسٹر چھپوا کر ساری دنیا میں بانٹے جائیں۔ پوسٹروں کا نیا استعمال ہے۔ اسکیم خوب ہے۔ کاش چین کو معلوم ہو جاتی تو بیچارہ پوسٹروں سے جاپان کو مار بھگاتا۔

(تیسرا پوسٹر)

## "مختار الملک محمد علی جناح کا بیان"

وہ (کانگرس) ایک پارٹی اور بالخصوص مسلمانوں کو ختم کر دینا چاہتی ہے۔ ..... پس اگر مسلمان منظم نہ ہوئے تو ان پر بہت بڑی مصیبت آ جائے گی:

باقی پانچ پوسٹر یہ ہیں۔

(چوتھا پوسٹر) "مختار الملک محمد علی جناح صدر مسلم لیگ شیعہ ہیں۔ اس لئے سب شیعہ مسلم لیگ کے حامی ہیں ..... سرور زیر حسن کے خانہ ساز پولیٹیکل شیعہ جماعت مشرکین کی کانگرس سے مل گئی ہے۔ مگر اصلی اور سچے شیعہ مسلم لیگ کے ساتھ ہیں ..... کیونکہ شیعہ کو مشرکین کا چھوا کھانا جائز نہیں، اور سرور زیر حسن چاہتے ہیں کہ شیعہ مشرکین کی کانگرس کا جھوٹا اور چھوا کھانا کھانے لگیں (حسن نظامی دہلی)"

## تمام ہندستان تسلیم کرتا ہے کہ اس ملک کی حکومت اچھوت قوموں کا حق ہے

مگر اس پر برہمنوں اور بنیوں نے قبضہ کر لیا ہے ..... اگر اچھوتوں نے آنکھیں نہ کھولیں ..... تو کل ان کو سر پر ہاتھ رکھکر رونا ہوگا۔ (حسن نظامی دہلی)"

## "کلکی پران کی پیشین گوئی"

کلکی (آخری زمانہ) میں دولت مندی کے سبب برہمن کلین (عالی خاندان) مانے جائیں گے۔ یہ برہمن سود سے بسر اوقات کریں گے ..... آخر سب برن سنکر (بے دین) ہو جائیں گے۔ اور سب ایک ذات بن جائیں گے۔

اے سناتن دھرم بھائیو یہ سب باتیں کانگرسی لوگوں میں ہیں۔ اس کارن تم کانگرس سے الگ ہو جاؤ تاکہ تمہارے ہندو پن پر دھبہ نہ لگے۔

## "منوجی کی دھرم شاستر میں برہمن اور بنیہ کو پولیٹیکل کام کی منائی ہے"، (حسن نظامی دہلی)"

نہرو جی برہمن ہیں اور گاندھی جی بنئے ہیں۔

اگر وہ منوجی کی دھرم شاستر کو نہیں مانتے تو ہندو نہیں ہیں۔ اور جب ہندو نہیں ہیں تو ہندو ہونے کا دعویٰ کر کے سیاسی حق نہیں مانگ سکتے۔

(حسن نظامی۔ دہلی)

## کانگرس کلجگ کشش ہے

کلکی پران ..... میں یہ عبارت ہے: "یہ شخص پاکھنڈی (فریب) [illegible] کام کرنے والے اور ماں باپ کو تکلیف دینے والے ہوتے ہیں، اور ان میں جو برہمن ہوتے ہیں، وہ وید نہیں پڑھے ہوتے، اور ہمیشہ شودروں [illegible] کو تیار رہتے ہیں"

پنڈت جواہر لال نہرو نے وید نہیں پڑھا۔ اور وہ شودروں [illegible] کرنے کو تیار رہتے ہیں، اور ان کے کانگرس کے اکثر نما پاکھنڈی [illegible] ہیں، اور اکثر ممبر اپنے ماں باپ کو ستاتے ہیں۔ جو کشش (برے لوگوں) کا کام ہے اور کانگرس سے کشش لفظ سے قافیہ ملتا ہے۔ ترسناتن دھرم ہندؤں کو کشش کانگرس سے الگ ہو جانا چاہیئے۔"

ان پوسٹروں کا مطلب صرف یہ ہے کہ کانگرس کی مخالفت ہو، چاہے جسطرح ہو، مسلمانوں سے کہو کہ کانگرس ہندؤں کی جماعت ہے اس لئے اس کو چھوڑ دو، اور سناتن دھرمیوں سے کہو کہ کانگرس ہندو جماعت نہیں ہے اس لئے اسے چھوڑ دو، ذرا بھی سمجھ میں آتا ہے کہ پوسٹروں کے تیار کرنے والے کے سامنے کسی طرح کا تھوڑا بڑا بھی، سیاسی میدان ہے۔ وہ کیا چاہتا ہے مسلمانوں سے؟ اور کیا چاہتا ہے ہندؤں سے؟ یہ نادان دوست مسلم لیگ کے حق میں بھی سخت مضر ہیں بیچاری لیگ حقوق یعنی وزارتوں کے مقدس نام پر کانگرس سے گلے ملنے پر تیار ہے، کیا یہ فتوے راہ میں حائل نہ ہوں گے۔

دراصل ان پوسٹروں کی پوجھ نیچے لکھی ہے۔

"ایسے پوسٹر چار آنے سیکڑہ "تبلیغ کمپنی دہلی" سے منگا کر اپنے علاقہ میں تبلیغ کیجئے۔"

واقعی تبلیغ اسی کا نام ہے، اور یونہی ہو سکتی ہے۔ ابھی دلوں میں تھوڑا بہت مذہب باقی ہے، بیچو، خوب بیچو۔ چار آنے سیکڑہ بیچو۔

پوسٹروں میں ایسی "تبلیغ" کی اور اسکیمیں بھی ہیں۔ لکھتے ہیں۔

"بڑھاپے اور اعصاب کی کمزوری" دور کرنے کے لئے "فاسفورس کا تیل" بدن پر ملا کیجئے۔"

ابھی ایک "سسم" اور ہے جو پوسٹروں کے پیٹ کھول دیتا ہے۔ اور معنی، مطلب، مقصد کو خوب واضح کر دیتا ہے

(صفحہ ۹۔ منادی۔ ۲۰ دسمبر)

## حسن نظامی کا خط ناظرین کے نام

اپنے علاقہ کے ہندو مسلمان زمینداروں اور سرمایہ داروں سے کہیے کہ کانگرس کے ہاتھوں تباہ و برباد ہونے سے بچنا ہے۔ تو ایک کمپنی دہلی لمیٹڈ کے حصہ خرید لیجئے جو ..... ہر زمیندار اور سرمایہ دار کو ایک دل اور ایک عمل بنائے گی، اور انقلاب کے حملوں سے بچائے گی۔ اور ہندو مسلمان والیان ملک کی حکومتوں اور حقوق کی حفاظت بھی کرے گی ....... مستعدی سے کام نہ لیا گیا تو ہر ایک کو کانگرس کا اور عوام کا غلام بن جانا پڑے گا"

آخری فقرے میں یہ بھی آ گیا کہ کانگرس کن لوگوں کا نام ہے، جیسے اب لیڈ جاہے جتنی کوشش کریں۔ مگر سب کو عوام کا غلام بننا پڑے گا۔

# کانگرس کی مختصر تاریخ

## ۱۸۹۵ء سے ۱۹۳۸ء تک

از رام منوہر لوہیا

انڈین نیشنل کانگرس کی ابتدا بالکل معمولی ہوئی ۱۸۸۵ء میں قائم ہوئی۔ مقاصد تھے مختلف صوبوں کے نمائندوں میں میل جول بڑھانا۔ قومیت کے جذبات کو جگانا، تعلیم یافتہ جماعت کو تبادلۂ خیال کا موقع دینا۔ اور دوسرے اصلاحات کیلئے طریقہ کار تیار کرنا۔

تعلیم یافتہ طبقے کی رہنمائی اور قومی اتحاد کو جو اہمیت حاصل ہوئی یہ اس زمانے کے حالات کا براہ راست نتیجہ تھا۔ برطانیہ نے ہندستان کو ٹکڑے ٹکڑے کرکے فتح کیا تھا۔ ۱۷۵۷ء سے ۱۸۵۹ء تک یہ رہا کہ ایک مفتوح صوبہ کے سپاہیوں سے دوسرے آزاد صوبے کو فتح کیا۔ ہارے ہوئے حکمراں طبقے کے سب سے بڑے سرکش لوگ غدر میں ختم ہوگئے اب ایک نیا طبقہ پیدا ہوا، انگریزی تعلیم یافتہ طبقہ۔ جس کی ابتدا یوں ہوئی کہ برطانوی نظام حکومت میں ایسے لوگوں کی مانگ تھی۔ اور ترقی یوں ہوئی کہ صنعت و حرفت والوں کو ایسے لوگوں کی ضرورت تھی۔

اسی لئے کانگرس کا پہلا دور ۱۸۸۵ء سے ۱۹۰۵ء تک یہ رہا کہ برطانوی حکومت کو تسلیم کر لیا گیا، لیکن اسکے خاص خاص طریق کار کے خلاف احتجاج کیا گیا۔ کانگرس کا نصب العین جو ابتدائی چودہ سال تک رہا یہ تھا۔

"ہندستانی رعایا کی ترقی اور منافع کو دستوری طریقوں سے حاصل کرنا۔"

رعایا کی ترقی اور منافع سے کیا مراد ہے، یہ کانگرس کے ابتدائی مطالبوں سے معلوم ہوجاتا ہے، کانگرس نے بار بار اس بات پر زور دیا کہ سول خدمتوں اور فوج میں ہندستانی زیادہ لئے جائیں۔ حکومت کے عملے میں، اور مجالس قانون ساز میں کچھ اصلاحیں ہونا چاہئیں۔ اور رعایا کے سول حقوق میں توسیع ہونا چاہئے۔ صنعت و حرفت کے میدان میں کانگرس یہ چاہتی تھی، ٹیکنیکل تعلیم بڑھائی جائے۔ ہندستانی کپڑوں پر ٹکس کم کیا جائے، جو ہندستانی صنعت کو گھٹا اور لنکاشائر کی صنعت کو بڑھا رہا تھا۔ کانگرس یہ بھی احتجاج کرتی تھی کہ بار بار مالگذاری میں اضافہ نہ کیا جائے، اور جنگلات کو لوگوں کے استعمال سے نہ چھینا جائے۔

ظاہر ہے کہ ایسے مطالبوں کا تعلق صرف اوسط طبقے سے ہی ہے جس کا سب سے بڑا حوصلہ یہ ہوتا ہے کہ اچھی ملازمتیں ملجائیں، لیکن وہ کچھ دبی زبان سے کسانوں، اور مزدوروں کی ضرورت کی بات بھی ادا کرتے رہتے ہیں، کیونکہ اوسط طبقہ کے تعلقات ان جماعتوں تک اترتے ہیں۔ یہ واقعہ ہے کہ اس وقت کانگرس میں صرف خوشحال لوگوں کی جماعت تھی کچھ گرفتاریاں ضرور ہوئیں، اور کام کرنے میں لوگوں نے قربانیاں بھی کیں، لیکن طریقہ کار یہ رہا، عرضداشت بھیجنا۔ حق مانگنا، قراردادیں پاس کرنا اور جلسے کرتے رہنا۔

اس دوران میں ہندستان کی اقتصادی حالت بدل گئی۔ سن چار روئی اور اسی قسم کی پیداواروں کی مقدار بڑھ گئی۔ اور یہاں سے باہر ملکوں میں جانے لگیں۔ دلالی کرنے والوں کے پاس کچھ جمع ہوگیا، اور وہ روپیہ لگانے کے پھیر میں سوچنے لگے۔ خاصکر کپڑے کی تجارت والے۔ ملک میں تجارت میں دقتیں حائل تھیں دور ہوگئیں۔ اور ریلوں، سڑکوں، اور بیرونی تجارتی سامان ذریعوں کو تجارت کیلئے کھول دیا، ہندستان تجارتی مال کیلئے بازار بن گیا۔ اسی وقت گھریلو صنعتوں کی تباہی، اور آبادی کی بیشی سے کسانوں پر بار بڑھ گیا۔ اور اتفاق سے قحط بھی بار بار پڑنے لگے۔ اسی زمانے میں جاپانیوں نے روس پر فتح حاصل کرلی، جس نے ہندستانی اوسط طبقے میں قومیت کی آگ بھڑکا دی۔

۱۹۰۵ء میں کچھ کانگرسی مقررین کہنے لگے کہ وہ بھیک نہیں مانگتے ہیں "اب حقوق کے لئے لڑتے ہیں۔" یہ کانگرس کا دوسرا دور تھا جو ۱۹۰۵ء سے ۱۹۲۰ء تک رہا۔ ۱۹۰۸ء میں اس کا نصب العین یہ رکھا گیا۔ "ایسے طرز حکومت کا حاصل کرنا جیسا برطانوی حکومت کے ماتحت خود مختار حکومتوں کو حاصل ہے" لیکن پرانی مانگیں کانگرس کے طریقہ کار میں اب بھی نمایاں تھیں، حکومت کی مالی پالیسی آمدنی کے ذرائع۔ فوجی اخراجات، سکہ سازی تبادلہ پر تنقیدیں، ضرور پہلے سے زیادہ سخت اور پر معلومات تھیں اور اس میں حکومت پر حملے ہوتے تھے۔ ابتدائی لازمی تعلیم کا مطالبہ زیادہ بڑھ گیا مختصر یہ کہ ملک کی مجموعی زندگی کے مختلف مسئلوں کو سمجھنے کی کوشش ہو رہی تھی، لیکن اب بھی اوسط طبقے کے مطالبات پر زیادہ زور تھا،

قومی تحریک کا طریقہ کار بھی بدلا تقسیم بنگال کے خلاف جھگڑنے کے لئے انگریزی سامان کے بائیکاٹ کا سیاسی حربہ استعمال کیا گیا، جس کو سارے ملک نے پسند کیا، سودیشی مال، اور گھریلو صنعت کی تحریک نے پورا قومی رنگ پکڑ لیا۔ پھر ملک میں ایک ابال آیا۔ اور ملک کے انتہا پسندوں کی ایک جماعت کانگرس سے کٹ گئی، اور آٹھ برس تک الگ رہی خود مختاری کی تحریک، اور جنگ عظیم کے زمانے میں برطانیہ کے اس وعدے نے کہ ہندستان کو ذمہ دار حکومت دیدی جائے گی، دونوں ہندستانی سیاسی گروہوں کو لاکر کانگرس میں پھر ملا دیا۔

جنگ عظیم نے اور پھر حکومت برطانیہ کے برتاؤ نے ہندستان پر بڑا گہرا اثر کیا، جنگ عظیم نے ہندستانی قومیت کی گہری بنیاد ڈالی جس کے نتیجہ میں رولٹ ایکٹ آیا۔ امرتسر کا قتل عام، اور اصلاحات، بتاتے ہیں کہ برطانیہ کے قول اور فعل میں کتنی بڑی خلیج حائل تھی۔ اسی زمانے میں ہندستانی صنعت نے بڑی ترقی پکڑ لی۔

کانگرس کا تیسرا دور ۱۹۲۰-۲۹ء میں عظیم الشان انقلاب ہوگیا۔ اس کا نصب العین، آزادی کا مفہوم جد وجہد کے طریقے سب ایک سرے سے بدل گئے، "سوراج (خود مختاری) تمام امن پسند، اور جائز طریقوں سے" حاصل کرنا اب کانگرس کا مقصد ہوگیا۔ اس کی تشریح یوں کی گئی "زیر سایہ برطانیہ اگر ممکن ہو ورنہ اگر ضرورت ہو تو اس سے جدا ہوکر۔ اس کے آزادی کے مفہوم میں عوام کی خاصکر کسانوں کی بہبودی کا خیال رہتا۔ یہ بتاتا ہے کہ وہ کن لوگوں کی جماعت بن گئی تھی، اور اس میں عوام کتنا حصہ لینے لگے تھے، اس کی جد وجہد کا طریقہ ستیہ گرہ ہوگیا۔

ستیہ گرہ کا ہتھیار مہاتما گاندھی نے جنوبی افریقہ میں وہاں کے ہندستانی

کی جد و جہد میں استعمال کیا تھا۔ ستیہ گرہ مظالم کا مقابلہ کرنے کا ایک پرامن طریقہ ہے، اس کا خاص مقصد یہ ہے کہ لوگوں کو اپنے جذبات، خیالات، اور اعمال میں استقلال کا عادی کیا جائے۔ یہ ہر گروہ صرف فوری اپیل تک رہ جائیں۔ اور یہی مطلب ہے کہ مظالم کا مقابلہ اس طرح کیا جائے کہ ظالم کی اصلاح ہو جائے۔ چرخا، آزادی کا، اور انگریزی صنعت کی مخالفت کا نشان بن گیا ساتھ ہی کسانوں کو بچا ٹیکسوں اور زیادہ لگان کو مٹانے۔ اور عدالتوں کا بائیکاٹ کرنے کے لئے بلایا گیا۔ تعلیم یافتہ طبقہ کا عوام سے میل پیدا ہوا، سکہ اور تبادلہ۔ اور محفوظ تجارت کے مسئلے اب بھی کانگرس کی خاص توجہ کا مرکز بنے گئے۔

اسی دوران میں دستور اساسی بنانے کے لئے ایک شاہی کمیشن مقرر کیا گیا۔ جس کا سارے ملک میں بائیکاٹ کیا گیا۔ اسی زمانے میں ۱۹۲۶ء کی کساد بازاری شروع ہوئی۔ جس نے ہندستانی کسانوں کو بالکل تباہ کر دیا۔ ملوں کے مزدوروں نے اسٹرائکیں کر کے تجربے حاصل کر لئے، روسی انقلاب والی لہریں ہندستان میں بھی دوڑنے لگیں۔ ہندستانی صنعت و حرفت اس درجہ پر پہونچ گئی جہاں سے آگے برطانوی صنعت چھایا مارے بیٹھی ہے۔

کانگرس کا چوتھا دور ۱۹۲۸ء کے آخری دن کے بارہ بجے رات سے شروع ہوتا ہے، جبکہ کانگرس نے اپنا نصب العین 'پورن سوراج' یا مکمل آزادی، رکھا آزادی کے عہدنامہ میں، جس کو قوم نے منظور کر لیا ہے، برطانیہ سے علیحدگی کی شرط مان لی گئی ہے۔

سول نافرمانی کے زمانے میں۔ جو تین سال تک رہی اور صرف ان چند مہینوں کے لئے بند ہو گئی جس میں کانگرس نے گول میز کانفرنس میں حصہ لیا۔ ہندستان نے تمام لغو قوانین کو توڑ ڈالا۔ مثلاً نمک، جنگلات، اور بغاوت وغیرہ کے قانون ایک لاکھ سے زیادہ آدمی جیل گئے۔ پولیس کی بربریت اور گولیوں نے خوفناک ظلم ڈھائے۔

آزادی، کا مفہوم اب کانگرس میں پہلے سے بہت زیادہ صاف ہو گیا ہے، قوم کے اس مطالبے میں، کہ تمام بالغوں کے ووٹوں سے ایک دستور ساز اسمبلی بنائی جائے۔ ایک ایسی جمہوریت کا مفہوم ہے جس میں تمام سیاسی اختیارات عوام کے ہاتھوں میں ہوں۔ کسانوں کے حوصلوں نے اب عملی رنگ اختیار کر لیا ہے۔ اور کانگرس کے زراعتی پروگرام میں لگان، ٹیکس، اور قرضہ شامل ہیں، اس طرح مزدوروں کے لئے گذر بسر تنخواہ، زندگی کا معیار جو دوسری قوموں کے معیار تک پہونچا ہوا ہو اور اس میں ہندستان کے خاص حالات کا لحاظ ہو، اور چالیس گھنٹے فی ہفتہ کام، پروگرام میں آ گیا، بنیادی صنعتیں (کانیں، جنگلات وغیرہ) قومی صنعتیں کر دی جائیں گی۔ سات صوبوں میں جہاں کانگرسی وزارتیں نئے دستور اساسی پر تیار ہو گئی ہیں، وہاں زرعی اصلاحات سول آزادی، شراب کی بندش، تعلیم، اور مزدور سدھار کی کوششیں جاری ہیں، ریزرو بنک آف انڈیا کی ساکھ پالیسی کی وجہ سے جسکو برطانوی روپیہ، اور حکومت ہند کی مالی پالیسی سے مدد ملتی ہے، صوبجاتی حکومتوں کو صنعتی اصلاحوں کی بہت کم گنجائش ملتی ہے، یہ بھی طے شدہ ہے کہ نئے دستور اساسی کو توڑا جائے گا، اور کانگرس نے بار بار اس بات کو ظاہر کیا ہے کہ ہندستان اور برطانیہ کے تعلقات ٹھگوں اور لٹنے والوں کے تعلقات ہیں۔ کانگرس نے شروع ہی سے نئے دستور اساسی کے وفاقی حصے سے لڑنے کا تہیہ کیا ہے۔

گذشتہ سترہ برسوں میں کانگرس نے سرحدیوں کی آزادی کی لڑائی سے پوری ہمدردی ظاہر کی ہے، گذشتہ دو برسوں سے کانگرس دیہات کی سیاسیات سے اور زیادہ قریب ہو گئی۔ متحدہ طور پر حبشہ، اسپینی جمہوریت، اور چین سے ہمدردی ظاہر کی گئی۔ کانگرس برابر لوگوں کو اس بات پر آمادہ کرتی رہی ہے کہ برطانوی سامراج کو اس کی لڑائیوں میں وہ آدمی اور سامان سے مدد نہ کریں۔

اس سال کانگرس کی ممبری تیس لاکھ سے اوپر نکل گئی۔ کانگرس کے جلسوں اور جلوسوں میں حاضرین کی تعداد بیس گنا، اور تیس گنا بڑھ گئی۔ ہری پور کی کانگرس میں ملک کے تین ہزار سے زیادہ ڈیلیگیٹ آ رہے ہیں۔ کانگرس کی شاخیں، تمام صوبوں، شہروں، قصبوں، اور دیہاتوں کے حلقوں میں قائم ہو گئی ہیں۔

صوبوں کے نمائندوں میں میل جول بڑھانے سے مکمل آزادی تک، سرکاری ملازمتوں کے لئے لڑنے سے، قانون ساز اسمبلی تک تعلیم یافتہ طبقے کی رائے لینے سے زرعی پروگرام تک۔ زیر سایہ برطانیہ سے برطانوی سامراجی لڑائی کے بائیکاٹ تک۔ یہ وہ ساخت ہے جو کانگرس نے ۱۸۸۵ء سے ۱۹۳۷ء تک کی جد

# مسٹر جناح کے ۱۴ چودہ نکات اور کانگرس

— از رفیق صہبائی —

آزادی کی بڑی لڑائی کی تیاریوں کو زیادہ زوردار بنانے کے لئے کانگرس نے ملک کے کونے کونے میں جو پارلیمنٹری لڑائی لڑی تھی اس سے ایک فائدہ تو ہوا ہی کہ لڑائی کا ایک مضبوط محاذ وقت سے پہلے ہمارے قبضہ میں آ گیا۔ لیکن ایک بڑا فائدہ یہ ہوا کہ عام لوگوں سے کانگرس کا تعلق زیادہ گہرا ہو گیا ہے، اور یہ اتنی عمدہ بات ہے جس نے ہمیں سامراج کو جیت لینے کا پورا یقین دلا دیا ہے۔

یہ کوئی چھپی بات نہیں کہ جنتا کی طاقت ہی وہ طاقت ہے جو آزادی کی لڑائی میں بدیشی سامراج کی جڑیں وطن کی سرزمین سے اکھاڑ پھینکے گی، اور اس لئے ہم ہیں کانگرس کی ہوڑ سے بہت خوشی محسوس کر رہے ہیں کہ اس مہلت میں جنتا زیادہ سے زیادہ طاقت حاصل کر کے سامراجی قوت کو پچھاڑ دینے کے قابل بن سکتی ہے۔

جو لوگ بے سمجھے بوجھے جلدی میں، یا اپنی بیجا ناراضی کی بنا پر کانگرس کے اس کام پر یہ اعتراض کر رہے ہیں کہ کونسلوں اور اسمبلیوں میں جانے سے کانگرس کی آزادی کی لڑائی ختم ہو گئی، وہ ایک ایسی غلطی کرتے ہیں جو خود ان کی سیاست دانی کی ہنسی اڑاتی ہے، یہ تو پالیٹکس کی چالیں ہیں ان چالوں کی ظاہری حالت سے کوئی نتیجہ نکال کر اپنی غلط رائے کا ڈھنڈورا پیٹنا اور لوگوں کو گمراہ کرنا یا تو کم سمجھی کی نشانی ہے یا بیجا تعصب کی۔

کون نہیں جانتا کہ ہندستان میں پچاس سال سے آزادی کی جو لڑائی لڑی جا رہی ہے وہ آج تک محض اس لئے کمزور رہی کہ انگریزی راج کا قانونی پنجہ ہماری جنبوطنی کی ہر تحریک کو اپنی زد و اریکرہ سے

تو طرح طرح رہا ہے۔ کسے یاد نہیں کہ ۱۹۲۱ء میں جب ہندو مسلمانوں نے مل جل کر "تحریک عدم تعاون" کو چلایا اور بڑی تیزی سے آزادی کی لڑائی لڑنا شروع کی، تو رولٹ ایکٹ کا حملہ اس قدر زور سے ہوا تھا کہ بار بار کی بڑی بڑی کوششوں کے بعد بھی ہم کو اپنی جگہ سے ہٹنا پڑا۔ اگر یہ قانونی ڈنڈا سر پر نہ پڑتا تو اس بات میں کیا شک ہے کہ ہم لڑائی کو جیت لیتے۔

اسی طرح ایک نہیں پچاسوں بار قانون کے بیجا حملوں سے آزادی وطن کی لڑائی کو بڑا نقصان پہونچا ہے۔ اب اتفاق سے یہ موقع مل گیا ہے کہ کانگرس قانون بنانے والی کونسلوں میں بھی پہونچ سکے تو کون سی عقلمندی ہوگی اگر اس موقعہ سے فائدہ نہ اٹھایا جائے۔

کونسلوں میں پہونچ کر کانگرس سامراجی قوتوں کا مقابلہ کرکے قانونی پنجہ کی گرفت کو جتنا ہو سکے گا ڈھیلا کر دے گی۔ اور جنتا کیلئے ایسے موقعے نکال سکے گی کہ اس کے ہر کمزور پہلو کی معقول اصلاح ہو جائے! اور وہ آنے والی لڑائی میں دشمن کو میدان سے بھگا سکے۔ اس طرف سے ہم اپنی لڑائی کو اتنی تیزی سے طاقت کے ساتھ آگے بڑھاتے رہیں گے کہ جلد سے جلد کامیابی کی منزل تک پہونچ سکیں۔

یہ کوئی خیالی اور نظری بات نہیں ہے بلکہ ہم اس اسکیم کو کامیاب ہوتے ہوئے بھی دیکھ رہے ہیں۔ جب سے کانگرس نے اسمبلیوں میں پہونچکر وزارت بنائی ہے، مزدور تحریک بہت آگے بڑھ گئی ہے، کسانوں میں نیا جوش پیدا ہو گیا ہے۔ سیاسی انجمنیں اور سبھائیں زیادہ آزادی کے ساتھ کام کرنے لگی ہیں، عام لوگ پرانے ڈر اور خوف کو دل سے نکال کر بہت کافی تعداد میں سیاسی پلیٹ فارموں پر آنے لگے ہیں، اور تقریر و تحریر کی آزادی نے وطن اور قوم کے ہمدردوں کو اس بات کا موقع دیا ہے کہ وہ بڑی آزادی سے اپنے خیالات کو جنتا تک پہونچائیں اور اس کو جگا کر کام میں لگائیں، چنانچہ وہ ایسا کر بھی رہے ہیں۔

یہ سب باتیں اس بات کا ثبوت تو نہیں ہیں کہ کانگرس کی آزادی کی لڑائی ختم ہو گئی۔ بلکہ اس بات کا ثبوت ہیں کہ لڑائی تیزی سے آگے کی طرف بڑھ رہی ہے۔

کانگرس کی منسٹری قائم ہو جانے اور اسکے اسمبلیوں میں جانیکا ایک بڑا فائدہ یہ بھی ہے کہ لوگ آزادی کی طرح طرح کی آرام پہونچانے والی اچھائیوں کا کچھ کچھ مزہ اٹھانے لگے ہیں، اور ان کی سمجھ میں یہ بات آ چلی ہے کہ ہم آزاد ہو کر ہی آرام اور اطمینان کی زندگی بسر کر سکتے ہیں، اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ جنتا غلامی کے بندھنوں کو زیادہ سے زیادہ توڑنے کے لئے تیار ہو جائے گی، اور اگر کسی وقت کانگرس منسٹری کو کونسلوں سے باہر آنا پڑا تو غلامی کے بندھنوں کو پھر سے مضبوط ہوتے دیکھ کر ہندستان کے کونے کونے میں آزادی کی ایک زبردست لڑائی کا بگل بج جائے گا۔

پارلیمنٹری لڑائی کے بعد سے چونکہ کانگرس کا تعلق عوام سے بہت گہرا ہو گیا ہے اور اس نے غریب جنتا کیلئے جو کام کرنا شروع کئے ہیں اس سے ہر ہندستانی غریب کو چاہے وہ ہندو ہو یا مسلمان یا عیسائی، یکساں فائدہ پہونچ رہا ہے۔ اس لئے قدرتی طور پر ہر شخص کا دل کانگرس کی طرف کھنچنے لگا اور کسی نہ کسی پہلو سے ہر شخص کے سامنے کانگرس میں شریک ہونیکا سوال آ گیا ہے۔

خصوصیت سے اس وقت ہمارے سامنے مسلمانوں کا سوال ہے۔ اس حیثیت سے بھی کہ آجکل اس کو بعض لوگوں نے بہت الجھاؤ اور بہت زور کے ساتھ اٹھایا ہے۔ اور اس حیثیت سے بھی، کہ ۱۹۲۲ء کے بعد سے مسلمان، ایک خاص سنگاری کا شکار بن کر اور قوموں کی نسبت کانگرس سے زیادہ دور رہے۔

یوں تو اس مدت میں جس میں کہ مسلمان کانگرس سے عام طور پر علیحدہ رہے ہیں ان کی رہنمائی کی دعویدار بہت سی مسلم جماعتیں ایسی ہیں جو کسی نہ کسی صورت میں اب تک زندہ ہیں مثلاً مسلم لیگ، جمعیۃ العلمائے ہند دہلی۔ اور مجلس احرار اسلام وغیرہ۔

اب جبکہ کانگرس کے ٹھوس پروگرام، اور اس کی جنتا سے بلا لحاظ مذہب و فرقہ ہمدردی کا اثر بہت بڑھ گیا ہے اور برابر بڑھتا جا رہا ہے اور عام مسلمان بھی کسی نہ کسی صورت میں کانگرس سے دلچسپی ظاہر کرنے لگے ہیں، تو لازمی طور پر ان جماعتوں کو بھی کانگرس کے متعلق اپنی پالیسی کو زیادہ صاف کرنا پڑا۔ چنانچہ آجکل بہت زور کے ساتھ ملک میں جو "کانگرس اور مسلمان" کا سوال پھیلا ہوا ہے وہ ان ہی مختلف جماعتوں کی مختلف پالیسیوں، اور ان کو عوام سے منوانے کی کوششوں کا نتیجہ ہے۔

مجلس احرار، اور جمعیۃ العلمائے ہند دہلی کی پالیسی یہ ہے کہ "مسلم عوام کو بالکل بے دھڑک کانگرس کیساتھ شامل ہو کر، برطانوی سامراج کے خلاف آزادی کی لڑائی میں حصہ لینا چاہیئے کیونکہ یہ وقت کا بہت ضروری کام ہے۔ اور اگر مسلمان اس کام میں دوسروں سے پیچھے رہ گئے تو بڑے گھاٹے میں رہیں گے"

لیکن مسلم لیگ کی پالیسی اس سے بالکل جدا ہے۔ وہ یہ کہ "کانگرس خالص ہندو جماعت ہے۔ اور جو چند مسلمان اس میں شریک بھی ہیں وہ بھی ان ہی جیسے ہیں۔ پھر اس کا عقیدہ یہ ہے کہ مذہبی یا قومی فرقہ بندیوں کو مٹا کر غریبی اور امیری کی بنیاد پر آزادی کی جنگ لڑی جائے۔ لیکن چونکہ مسلمانوں کی مذہبی اور قومی فرقہ واریت کا باقی رہنا ایک ضروری چیز ہے۔ اسلئے اگر مسلمان بغیر کسی ایسے سمجھوتے کے، جس میں ان کی مذہبی اور قومی فرقہ واریت کو باقی رکھا گیا ہو، کانگرس میں شامل ہو گئے تو ان کی پوزیشن بالکل مٹ جائے گی اور پھر وہ کسی حالت میں زندہ نہ رہ سکیں گے۔ لہذا جب تک ایسا کوئی سمجھوتہ نہیں ہو جاتا مسلمانوں کو کانگرس سے علیحدہ رہنا چاہیئے"

اس سمجھوتے کے حق میں مسلم لیگ اپنی طرف سے مسٹر جناح کے چودہ (۱۴) مطالبات پیش کرتی ہے جو ۱۹۲۹ء میں سر آغا خاں جیسے سامراجی کی نگرانی میں، مسٹر جناح نے دہلی میں مرتب کئے تھے۔

یہاں پہونچکر ہم اس چیز کو محسوس کئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ مسلمانوں کی دوسری بڑی بڑی جماعتیں جس بات کو بہت ضروری نہیں سمجھتیں اسے مسلم لیگ اس قدر ضروری کیوں سمجھ رہی ہے کہ چاہے آزادی کی لڑائی میں نقص پیدا ہو جائے لیکن اس کی ضد اپنی جگہ پر باقی رہے گی۔

اگر ہم حقیقی نظر سے اس مسئلہ کو دیکھیں تو یہ الجھن بالکل صاف ہو جائے گی جمعیۃ العلمائے ہند دہلی اور مجلس احرار اسلام جیسی آزاد خیال جماعتوں میں جو لوگ شریک ہیں وہ عام طور پر ہندستان کے اس طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں جو غریب ہے اور جس کی روٹی کا سوال آج سب سے بڑا سوال ہے،

یا غریبوں کے سچے ہمدرد اوسط طبقہ سے تعلق رکھنے والے وہ لوگ ہیں جنھوں نے نہایت غیر متعصبانہ تعلیم حاصل کی ہے۔ اور جن کی زندگی غریبوں ہی سے وابستہ ہے۔ جب وہ کانگرس کے پروگرام اور اس کے جھنڈا کی بھلائی والے کاموں پر نظر ڈالتے ہیں تو فطرتاً اس کی طرف جھکنے لگتے ہیں اور محسوس کرنے لگتے ہیں کہ کانگرس کی شرکت بڑی ضروری چیز ہے

اسکے برخلاف مسلم لیگ کے کرتا دھرتا، نواب ہیں۔ تعلقہ دار ہیں راجہ ہیں۔ مہاراجہ ہیں، زمیندار ہیں۔ سرمایہ دار ہیں۔ کانگرس کا یہ ارادہ انھیں تھرتھرا دیتا ہے کہ "غریبوں کو اپنی بھلائی کے لئے مالداروں سے زبردستی روٹی حاصل کرنی پڑے گی" اور جب وہ ننگے بھوکے غریب مسلمانوں کو کانگرس کی طرف جھکتے دیکھتے ہیں تو اور بھی سراسیمہ ہوجاتے ہیں۔ اب کریں تو کیا کریں؟ کانگرس کا غریبی اور امیری کا مسئلہ ایسا ہے کہ جنتا کو لبھائے لیتا ہے۔ چنانچہ وہ مذہبی فرقہ داری کے نام پر اللہ اور رسول کا واسطہ دے کر تہذیب و تمدن کے مٹ جانے کا خطرہ دکھا کر مذہب اور قومیت کے فنا ہوجانے کا اندیشہ ظاہر کرکے۔ کانگرس سے سمجھوتے کے مطالبات تیار کرکے، عوام کو روکنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس قسم کے مذہبی اور قومی فرقہ وارانہ مطالبات سے چونکہ کانگرس کے "غریبی اور امیری" کے مسئلہ کی مخالفت ہوتی ہے، لہذا وہ جانتے ہیں کہ کانگرس انھیں منظور نہیں کرے گی۔ اور ہم عام مسلمانوں کے سامنے اس کی "ہندویت" کا رونا رو کر انھیں شرکت سے روکے رکھیں گے۔ یہ ہے اصل بات!

مسلم لیگ کے سب سے بڑے لیڈر مسٹر محمد علی جناح کے چودہ مطالبات کے اصولی حیثیت سے دو حصے کئے جا سکتے ہیں۔ ایک حصہ وہ ہے جو "لیجسلیچر کی بناوٹ" سے تعلق رکھتا ہے اور دوسرا حصہ "بنیادی آزادی" سے متعلق ہے۔ پہلے حصہ میں، آئندہ حکومت کی شکل، صوبوں کی حیثیت، چناؤ، تجویزوں کی منظوری، وزیروں کی تقرری قانون کی بناوٹ وغیرہ شامل ہیں، اور دوسرے حصہ میں بنیادی طور پر مسلمانوں کے عقائد عبادات، رسوم و معاشرت، تہذیب و تمدن زبان و مذہب وغیرہ کی حفاظت شامل ہے۔

اصلیت یہ ہے کہ یہی دوسرا حصہ عام مسلمانوں کا سب سے زیادہ ضروری مسئلہ ہے۔ اسلئے کہ مذہبی اور قومی بنیادوں پر تہذیب و تمدن، عبادات و عقائد۔ زبان و معاشرت کا رواج ہر قوم کے غریب لوگوں ہی میں پایا جاتا ہے اور وہی اسکے برتنے والے ہوتے ہیں۔ بڑے آدمیوں کو تو ان کا "بڑا پن" قومیت اور مذہبیت کے سارے بندھنوں سے آگے پہونچا دیتا ہے جس کی مثالیں آج بھی ہمیں بہت سی مل جائیں گی، اگر ہم غریبوں اور امیروں کی عادتوں کو پرکھ کی نگاہ سے دیکھیں۔ اور یہ باتیں چونکہ غریبوں کی روزمرہ کی زندگی میں شامل ہوتی ہیں، اس لئے وہ کسی قیمت پر بھی ان کو چھوڑنے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔ کبھی کبھی تو ایسا دیکھا جاتا ہے کہ وہ اپنی جان کی بازی لگا دیتے ہیں لیکن یہ گوارا نہیں کرتے ان کے اصولوں میں کوئی ذرا سی بھی تبدیلی کرے۔

عوام کا یہ سارا "جوش تقلید" چونکہ ایک گہری مذہبی اسپرٹ کے تحت ہوتا ہے اس لئے یہ چیز بڑی آسان ہے کہ ان کا رخ تہذیب و تمدن اور رسوم و معاشرت کے نام پر جس طرف چاہے پھیر دیا جائے اور جیسا جی چاہے جائز و ناجائز فائدہ اٹھا لیا جائے یہی وجہ ہے کہ کانگرس کی طرف نظریں لگائے ہوئے ہوئے بھی، آج عام مسلمان بڑی کافی تعداد میں مسلم لیگ کے جنگل میں پھنسے ہوئے ہیں۔ اور مسلم لیگ کے بڑے بڑے لوگ ان کو اپنی لکڑی کے بل پر جس طرح چاہتے ہیں نچاتے ہیں۔

عام طور پر ان کو یہ کہکر بہکایا جارہا ہے کہ کانگرس میں شامل ہونے کے بعد ہندو تمھارے سارے مذہبی طریقوں کو مٹا ڈالیں گے اور اسکے بعد تم بھی فنا کردئے جاؤگے۔ اس لئے اس وقت تک کانگرس کی طرف رخ بھی نہ کرو جبتک ہم اپنے چودہ مطالبات منظور نہ کرالیں پھر اپنے اس بیان کی تائید میں یہ دلیل پیش کردیتے ہیں کہ دیکھو! کانگرس ان مطالبات کو منظور نہیں کرتی جس کا کھلا ہوا مطلب یہ ہے کہ وہ مسلمانوں کو مٹا دینا چاہتی ہے۔

لیکن یہ ایک بڑی دلچسپ بات ہے کہ مطالبات کے جس حصہ کی بنا پر مسلم لیگ کے بڑے بڑے سامراجی عام مسلمانوں کو کانگرس کی طرف سے بہکا رہے ہیں۔ اس کو خود ضروری سمجھ کر کانگرس اپنے کراچی کے اجلاس میں آج سے چند سال پیشتر ہی منظور کرچکی ہے اور نہایت صاف صاف لفظوں میں اس بات کا اعلان کرچکی ہے کہ "ہر اقلیت کی تہذیب و تمدن۔ رسوم و معاشرت۔ عقائد و عبادات زبان اور مذہب کی پوری حفاظت کی جائے گی اور وہ ان باتوں میں بالکل آزاد ہوگی" اس صورت میں عام مسلمانوں کو کانگرس کی شرکت سے روکنا ایسا زبردست دھوکا اور ایسی بڑی چالاکی ہے جس سے عوام اگر خود سمجھ بوجھ کر نہ بچیں۔ تو ان کو بڑا نقصان اٹھانا پڑیگا

ہاں مطالبات کا وہ حصہ جو "لیجسلیچر کی بناوٹ" سے تعلق رکھتا ہے، ابھی تک کانگرس نے منظور نہیں کیا ہے اور کانگرس کے بعض ذمہ دار لیڈر تو اسے بالکل منظوری کے قابل ہی نہیں سمجھتے۔ سچ پوچھئے تو نامنظوری کی وجوہ میں سے بعض باتیں ہیں بھی ایسی اہم جن کو کسی حالت میں نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

سب سے پہلی اصولی بات یہ ہے کہ اس قسم کے مسئلے اس وقت سے تعلق رکھتے ہیں جب آئندہ ہندستان کے لئے کوئی "مستقل نظام حکومت" بنانے کیلئے تیاری کا وقت آجائے۔ ابھی تو یہی نہیں کہا جا سکتا کہ آزادی کی لڑائی کا رخ آنیوالے انقلاب تک کس طرف ہوگا؟ انقلاب کی بنیادیں کیا ہونگی؟ اور انقلاب کے بعد کی عام فضا کیسی ہوگی۔؟ ایسی حالت میں اس قسم کے سارے مسئلے جو آئندہ نظام حکومت سے تعلق رکھتے ہوں! بالکل قبل از وقت ہیں۔

علاوہ اس کے، اپنی آزادی کی لڑائی میں ہم کئی بار اس بات کو اچھی طرح دیکھ چکے ہیں کہ فرقوں اور قوموں کی بنیاد پر لڑائی کو آگے بڑھانا ہمیشہ ناکامی کا پیش خیمہ ہوتا ہے۔ اور آپس کے معاہدوں کی روشنی میں آزادی کی تحریک کو چلانے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اپنے ہی آئے دن پیدا ہونے والے نئے نئے جھگڑوں میں پھنسکر تحریک کو ختم کردیا جائے۔ سب جانتے ہیں کہ سنہ ۱۹۱۶ء کے لکھنؤ پیکٹ کے بعد کچھ دنوں تو ایسی باہمی میل جول کی فضا قائم رہی کہ ہندو مسلمان دونوں نے بڑے زور شور سے، ترک موالات میں دوش بدوش حصہ لیا اور تحریک خلافت کے ساتھ ساتھ ہندستان کی آزادی کی لڑائی بڑی محبت اور رواداری کے ساتھ لڑی مگر چونکہ اس سارے میل جول کے بعد بھی فرقہ بندی اپنی جگہ پر قائم تھی، اس لئے رفتہ رفتہ ۱۹۲۶ء تک نہ صرف بڑے بڑے لیڈر بلکہ عوام بھی ایک دوسرے سے پوری طرح کھنچ گئے اور ایک فریق دوسرے کو اپنی حق تلفی اور فرقہ بندی کا ملزم گرداننے لگا۔ اس طرح ایک طرف تو سارا اتحاد و اتفاق ختم ہوگیا اور دوسری طرف آزادی کی لڑائی کو بہت سخت نقصان پہونچا۔

فرقہ پرستی کا زہریلا اثر اگر صرف بڑے بڑے سیاسی لیڈروں تک ہی رہ جائے تب بھی غنیمت ہے مشکل تو یہ ہے کہ کسی خالص سیاسی قسم کے مسئلے پر بھی اختلاف ہونے کے بعد چند "پوشیدہ اشاروں" کی وجہ سے عوام اس قدر مشتعل

ہو جاتے ہیں کہ ملک میں جا بجا ہندو مسلم فساد، بلوے اور قتل و غارت کے واقعات ہونے لگتے ہیں۔ اور اس موقعہ پر بڑے بڑے سیاسی و سماجی مسائل پھر دلوں کیلئے پیچھے جا پڑتے ہیں جس سے آزادی کی لڑائی کو سخت نقصان پہونچتا ہے۔

آخر کار بڑی محنت، اور کئی بار کے تلخ تجربوں کے بعد کانگرس نے اس چیز کا حل یہ نکالا کہ جنتا کو مذہبی اور قومی فرقہ بندی کے سائے سے ہٹا کر خالص اقتصادی بنیادوں پر منظم کیا جائے۔ اس لئے کہ ہندستان کے رہنے والوں کا چاہے وہ ہندو ہوں۔ یا عیسائی۔ یا مسلمان اقتصادی مسئلہ بالکل ایک ہے، اور آج سب کے سامنے جو ایک مشترک مقصد ہے وہ یہ کہ "پیٹ بھر روٹی آسانی کیسا تھ حاصل ہو سکے" کانگرس کی یہ پالیسی اسقدر عمدہ ہے جس کی کامیابی ہم اپنی آنکھوں سے برابر دیکھ رہے ہیں۔ اس سے ایک طرف تو خود بخود آہستہ آہستہ مذہبی اور قومی فرقہ بندیاں ختم ہوتی جا رہی ہیں اور دوسری طرف سارے غریب اور اوسط طبقہ کے لوگ عام اس سے کہ وہ ہندو ہیں یا مسلمان یا عیسائی رفتہ رفتہ کانگرس کے پلیٹ فارم پر جمع ہوتے جا رہے ہیں اور آزادی کی لڑائی دن بدن زور پکڑتی جاتی ہے۔

ایسی صورت میں جبکہ کانگرس مذہبی اور قومی فرقہ بندیوں کیخلاف پالیسی اختیار کر چکی ہے اور اس کو اس میں کامیابی بھی حاصل ہو رہی ہے۔ کس طرح ایسا کوئی قدم اٹھا سکتی ہے جس سے فرقہ بندی کی لعنت کو پھر سے طاقت پہونچے اور اس کی آزادی کی لڑائی فرقہ پرستی کی بھینٹ چڑھ جائے۔

چونکہ مسٹر جناح کے مطالبات کا وہ حصہ جو "لیجسلیچر کی بناوٹ" سے تعلق رکھتا ہے۔ خالص فرقہ بندی کے اصولوں پر تیار کیا گیا ہے۔ اس لئے قطعی ناممکن ہے کہ کانگرس اُسے منظور کرلے۔ اسکو منظور کرنا تو ایسا ہوگا جیسا کہ جان بوجھ کر اپنے آپ کو دوبارہ تباہی کے گڑھے میں گرا دینا۔

آزادی کی موجودہ جنگ اسی لئے لڑی جا رہی ہے کہ آئندہ کوئی ایسا نظام حکومت قائم کیا جائے جو بالکل ہمارے ہاتھ میں ہوگا وہ ہر شخص کو بغیر یہ لحاظ کئے وہ کس فرقہ یا قبیلہ سے تعلق رکھتا ہے یکساں فائدہ پہونچائے۔ ظاہر کہ ایسی رواداران حکومت ہم اس وقت تک قائم نہیں کر سکتے جبتک کہ فرقہ پرستی کے اثرات کو بالکل ختم نہ کر دیں۔ لہذا مسٹر جناح کا یہ مطالبہ کہ آزادی کے بعد بھی نظام حکومت فرقہ بندی کی بنیاد پر قائم کیا جائے کسی طرح غریبوں کی بھلائی، قوم کی بہتری اور جنتا کے مقصد کے مطابق نہیں۔ اور اسی لئے کانگرس اُسے نامنظور کرنے پر مجبور ہے۔

ہمارے سامنے اسوقت فرقہ بندی کی بنیاد پر چلنے والی لڑائی کے خطرناک اور تباہ کن نتائج بھی ہیں اور خالص اقتصادی جنگ کے فوائد بھی۔ اور یہ دونوں چیزیں ایک دوسرے کی ایسی ضد ہیں کہ اگر ایک موجود ہو تو دوسری کا مٹ جانا لازمی ہے۔ لہذا ہم کسی حالت میں بھی یہ پسند نہیں کر سکتے کہ فرقہ بندی کے سنہرے دھوکے میں پھنس کر اپنے آرام سے پیٹ بھر کھانے کا سوال کھو بیٹھیں۔

# بغاوت

(علی سردار جعفری)

بغاوت میری منزل ہے، بغاوت رہنما میرا بغاوت ہے دھرم میرا، بغاوت دیوتا میرا
مری نظروں میں عالم سوز شعلوں کی حرارت ہے مری بیتاب نبضوں میں رواں خونی بغاوت ہے
بغاوت نے بنا رکھا ہے اپنا راز داں مجھکو کیا ہے اپنے ہاتھوں سے بغاوت نے جواں مجھکو

کروں گا کیا بھلا ایوان کسریٰ، جام جم لیکر
نکل آیا ہوں شانے پر بغاوت کا علم لیکر

بغاوت رسم چنگیزی سے، تہذیب تتاری سے بغاوت جبر و استبدادی، سرمایہ داری سے
بغاوت سرسوتی و لکشمی و بھیم و ارجن سے بغاوت دیویوں اور دیوتاؤں کے تمدن سے
بغاوت وہم کی پابندیوں سے، قید ملت سے بغاوت آدمی کو پیسنے والی مشقت سے
بغاوت عزت و پندار و نخوت کی اداؤں سے بغاوت بوالہوس ابلیس سیرت پارساؤں سے
بغاوت زرگری کے مسخ مذہب کے ترانوں سے بغاوت عہد پارینہ کی رنگین داستانوں سے
بغاوت اپنی آزادی کی نعمت کھونیوالوں سے بغاوت عظمت رفتہ کے اوپر رونے والوں سے
بغاوت دور حاضر کی حکومت سے، ریاست سے بغاوت سامراجی نظم و قانون و سیاست سے
بغاوت سخت پتھر کی طرح بےحس خداؤں سے بغاوت مفلسی کی عاجزانہ بددعاؤں سے
بغاوت درد سہنے سے، بغاوت غم اٹھانے سے بغاوت، ہاں بجز انسان کے سارے زمانے سے

بغاوت حریت کے دیوتا کا آستانہ ہے
بغاوت عہد حاضر کے سپوتوں کا ترانہ ہے

# مزدور

سنہ ۱۹۳۰ء کی سول نافرمانی کی تحریک کے بعد ہی راج پور گاؤں میں بڑا دنگا ہوگیا۔ چونکہ میں اس وقت ایک انگریزی اخبار کا نمائندہ تھا، اسلئے اس خبر کو معلوم کرنے کیلئے وقوع تک جانا طے کر لیا اور دوسرے دن راستہ پوچھتا ہوا میں راجپور کی طرف چل پڑا۔

صبح کا وقت تھا، قریب ساڑھے سات ہوئے ہوں گے، آفتاب کی سنہری کرنیں دیہات کے کھیتوں پر پڑ رہی تھیں۔ پختہ سڑک آبادی سے قریب دو بیگہ کے فاصلہ پر گذرتی ہے۔ میں موٹر سائیکل پر، آخر کر بیل گاڑی کی ایک پگڈنڈی پر چلنے لگا۔ راستے کے دونوں طرف دھتور، چکوڑا اور روس کے پیڑ لگے تھے، ابھی میں چند ہی قدم گاؤں کی طرف گیا ہوں گا کہ میری نگاہ بائیں طرف پڑی۔ آم کے دو بڑے بڑے درختوں کے نیچے ایک نوجوان مرد کُرتا اُتارے دھوتی پہنے، کندھے پر ایک چھوٹی لاٹھی رکھے اور اس میں ایک گٹھری لٹکائے چلا آ رہا تھا۔ اس کے ایک طرف ایک بڈھا اور دوسری طرف ایک بڑھیا اور ساتھ ساتھ دس بارہ برس کا ایک لڑکا تھا اور اسی کے پیچھے بہت سی عورتیں تھیں۔ سکوت کا عالم طاری تھا، کوئی کسی سے باتیں نہیں کرتا تھا۔ غور سے دیکھنے پر مجھے کچھ عورتوں کے چہروں پر آنسوؤں کے قطرے ڈھلکتے نظر آئے۔ بڈھا بھی انگوچھے سے اپنے آنسو پونچھ رہا تھا۔ میں نے آگے جا کر اپنی سائیکل ایک بیل گاڑی سے لگا دی، اور ایک مکان کے دیوار کے سائے میں کھڑا ہو کر وہ غمگین جلوس دیکھنے لگا۔ کچھ دور جا کر عورتیں اور بچے واپس آئے لیکن وہ بڈھا اور بوڑھیا اور وہ لڑکا اس نوجوان کے ساتھ آگے نکل گئے، میں ارہر کے کھیتوں کی آڑ کی وجہ سے اُن کو دیکھ نہ سکا کہ وہ لوگ کہاں تک گئے اور پھر کس طرف مُڑے۔

میں نے پوچھا کہ اس کا پُورا پتہ گاؤں کے زمیندار ہری بابو سے لگے گا ان کے مکان کی طرف چلا، اتنے میں پُورب کی طرف سے ایک عورت آ نکلی۔ کپڑے اور رنگ ڈھنگ سے وہ کوئی مزدورن معلوم ہوتی تھی۔ اس کو میرے صاف کپڑوں سے یہ شبہ ہوا کہ شاید میں ہری بابو کا کوئی مہمان ہوں، مجھے دیکھ کر ٹھٹھک کر کھڑی رہ گئی۔ مجھ سے پوچھا۔

"بابو، آپ کا ہری بابو کے وہاں جانا ہے"

میں نے گھبرا کر جواب دیا "ہاں"

عورت — ہری بھیا تو آج ہیں ناہیں، تحصیل گیل ہیں"

عورت کی باتوں سے کچھ میری ہمت بڑھی اور یہ جان کر کہ اب تو ہری بابو بھی نہیں ملینگے، میں نے اُسی سے پوچھا۔

"کیوں کوئی بات ہوگئی ہے جو ہری بابو تحصیل گئے ہیں"؟

عورت "نا ہیں، گاؤں ماں تو کوئی بات نہیں ہو بھیل"۔

میں۔ مگر یہ لوگ کدھر گئے تھے"؟

عورت — "ارے ہو بابو، اُ دھیرو نی والے رہل ہیں، تربینی آج پُورب نکماسے گیل ہو وَیں"!

میں — "لیکن یہ سب رو کیوں رہے تھے"؟

عورت — "ارے بابو جیسے کلیجہ ہو وتی وہ کاہے نہ رُوئی"؟

پوچھنے پر معلوم ہوا کہ تربینی جس کو میں نے کاندھے پر لاٹھی رکھے جاتے دیکھا تھا وہ سکھدیو چمار کا لڑکا تھا۔ اس کے ساتھ بوڑھا اور بوڑھیا، اسکے ماں باپ اور لڑکا اس کا چھوٹا بھائی منّو تھا۔ اس عورت نے شرماتے ہوئے۔ افسوس سے یہ بھی بتلایا کہ اسی گاؤں میں ایک سکھیا نامی چمار کی لڑکی تھی۔ تربینی اس کے ساتھ لڑکپن میں کھیلا تھا، بڑے ہونے پر ساتھ ساتھ محنت مزدوری بھی کی تھی، اور گرمی کی کڑی دھوپ میں دونوں نے مل کر کام بھی کئے تھے۔ سکھیا گاؤں کے ناتے سے اس کی بہن لگتی تھی۔ رفتہ رفتہ تربینی کی اس سے زیادہ بڑھی اتنا کہتے کہتے وہ عورت رُک گئی اور جھجک کر کہنے لگی اس کے واسطے گاؤں کے چماروں نے تربینی کے باپ سکھدیو کو ذات سے نکال دیا اور مجبور کیا کہ وہ تربینی کو کچھ دنوں کے لئے گاؤں سے باہر بھیجدے مجبور ہو کر سکھدیو نے اپنے کو کلکتے جانے کو کہا۔ میں نے تربینی کو کلکتے ہی جاتے دیکھا تھا اور اس کے ساتھ سکھدیو نے اپنے چھوٹے لڑکے منّو کو بھی کہدیا تھا۔ وہ عورت یہ قصہ سنا کر ہری بابو کے گھر میں کام کرنے چلی گئی۔ ہری بابو چونکہ نہیں تھے اس لئے میں بھی سیدھا گاؤں میں گیا جہاں گیا وہاں یہی ایک ذکر تھا، چنانچہ اس دن اپنی تحقیقات میں زیادہ کامیابی نہ ہوسکی اور میں دس بجے تک شہر واپس آگیا۔

اوپر کے واقعات کو ڈائری میں درج کئے مجھے سات سال کے قریب ہوئے۔ کچھ دنوں اعظم گڈھ رہنے کے بعد اخباروں کی نمائندگی سے مجھے زیادہ دلچسپی بڑھی اور اسی کے ساتھ ساتھ میری طبیعت وکالت کی طرف سے پھر گئی۔ چنانچہ یونائیٹڈ پریس کا نمائندہ ہو کر میں مختلف شہروں اور جگہوں میں گھومتا رہا۔ اس کے بعد جدید قانون کے عام چناؤ کے سلسلے میں اپنے پریس کا خاص الکشن نمائندہ اس صوبہ کے واسطے مقرر کیا گیا۔

فروری کا مہینہ تھا، مجھے اعظم گڈھ جانا پڑا۔ پنڈت جواہر لال نہرو اپنے الکشن کے سلسلے میں وہاں جانے والے تھے۔ چنانچہ ان کے پہونچنے کے ایک دن پہلے ہی میں اعظم گڈھ پہونچا اور رات اسٹیشن پر گذار کر صبح ہی ایک یکہ سے منصور دا گاؤں کے لئے روانہ ہوا۔ کئی دنوں سے بدلی خوب ہو رہی تھی اور تھوڑا تھوڑا پانی برس چکا تھا مٹی اور بالو کی کچی سڑک تھی، بہت مشکل سے گھوڑا یکہ کو آگے بڑھا رہا تھا۔ قریب آٹھ کا وقت تھا، ہم لوگ ندی کے کنارے تھے، اتنے میں بڑے زور سے آندھی آئی اور پھر پانی برسنے لگا۔ میں نے اپنی برساتی ڈال لی، یکہ والے نے اپنی دہر سنبھالی۔ میرے ساتھ یکہ پر ایک اور صاحب سوار تھے، یہ کوئی چھوٹے زمیندار تھے جنھیں کانگرس سے دلچسپی تھی، یہ بات مجھے اُن کے کھدر کے کپڑوں اور اُنکے تھیلے سے معلوم ہوئی۔ تھا گھرا ندی سے کچھ فاصلے پر ہم لوگوں کا یکہ چلا جا رہا تھا۔ پانی برسنا دھیرے دھیرے بڑھتا گیا۔ میں نے اپنے کو برساتی سے بالکل ڈھک لیا، ہم لوگوں کی سڑک ندی کے بالکل نزدیک سے گذرتی تھی، میں اپنا منھ چھپائے بیٹھا تھا، اتنے میں میرے بیچ کے ساتھی کہنے لگے "ہمارے دیش میں اتنی غریبی ہے کہ بہت سے لوگوں کو لکڑی تک نہیں ملتی کہ لاش جلا سکیں، مُردے کو یونہی پانی میں پھینک دیتے ہیں"!!

یہ سننے ہی میں نے اپنا منھ کھول کر دیکھا تو ندی کے کنارے کچھ آدمی بیٹھے تھے اور چار آدمی ایک گندے کپڑے سے لپٹی ہوئی لاش بانس کی ٹکٹکی پر رکھے ہوئے گہرائی میں جا کر ندی کی گود میں اسے سونپ رہے تھے۔ میری پریشانی اس منظر کو دیکھ کر بڑھ گئی۔ کانگرسی ساتھی نے میرے چہرے سے کچھ بھانپا اور موقع پا کر ایک لمبا لیکچر

ہندستان کی غریبی اور گاندھی پر چھیڑ دیا۔ ان کے لکچر کو ختم کرنے کے خیال سے میں نے بجھ دان سے باتیں شروع کر دیں۔ بجھ دان ایک غریب سامان تھا جو کچھ رات اپنا پایہ بیکر یہ سوچ رہا تھا کہ اعظم گڑھ سے کافی سواریاں منصور واجواہر لال کا لکچر سننے جائیں گی۔ جتنی زادھی پر سنے پانی کے قطرے تھا باکر وہ ادھر ادھر کے قصے کہانیاں سنانے لگا۔ دوران گفتگو میں اس نے لالہ وشن کے بارے میں بھی کچھ کہا لیکن جب اس نے ہری ہر بابو کا نام لیا تو مجھے پریشانی ہوئی آخر میں۔ آج پورگاؤں کے نام پر میری یادداشت کا دروازہ بالکل کھل گیا اور وہ گذشتہ واقعات نگاہ کے سامنے آگئے۔

ترمبنی کے کلکتہ جا چکنے کے کچھ دنوں تک تو سکھیا کی زندگی میں کوئی نمایاں تغیر نہیں ہوا۔ جیسے گاؤں کی اور کمسن اور کنواری لڑکیاں تھیں اسی طرح سکھیا بھی اپنی زندگی گذار رہی تھی، لیکن ہاں اُسے ترمبنی اور منکو کی یاد اکثر آتی تھی، جیسے جیسے دن بیتتے گئے سکھیا کی زندگی کو سستی اور غم نے گھیر لیا۔ بسنت کے زمانے میں جب شاخوں میں کونپلیں پھوٹیں، سرسوں کے پھول پیلے پیلے کھلتے، آموں میں بور آئے اور کوئلیں کوکنے لگیں اور گاؤں والے کرتال پر ہولی گاتے۔ اسوقت سکھیا کے دل میں ایک ٹیس سی اٹھتی گاؤں کے لڑکے لڑکیاں بدھیا کے گیت گاتے جس میں بسنت کی کیفیتوں کا ذکر ہوتا تھا۔ کیریوں کے بڑھ کر آم بننے کے چرچے ——— لیکن پورب گئے ہوئے ترمبنی کی کچھ خبر نہ ملتی تھی۔ ترمبنی گاؤں والوں کے لئے ایک بھولا ہوا افسانہ تھا، غرضیکہ یہ موسم جب کہ اوروں کے لئے زندگی اور حیات لیکر آتا تھا وہی موسم سکھیا کے لئے فرسودگی اور سستی، درد و غم، موت کے آثار اپنے ساتھ لاتا تھا۔ بدھیا کے گیت اسے تیر کی طرح لگتے تھے، دھیرے دھیرے سکھیا کی نوجوان صورت پر غم کی لکیریں کھنچنے لگیں، گاؤں کے بڈھے بوڑھے سکھیا کے بارے میں اکثر کانا پھوسی کرتے، آج تک تو سکھیا کے والدین اس کے کہنے کو ٹالتے گئے تھے لیکن اب وہ اس کی شادی نہیں ٹال سکتے تھے۔

سکھیا گاؤں کے زمیندار کے یہاں کام کرکے اپنے ماں باپ کا ہاتھ بٹاتی تھی۔ گاؤں کے زمیندار ہری ہر بابو اچھی اور شریف طبیعت کے نوجوان آدمی تھے۔ پڑھنے لکھنے کے بعد کچہری میں نوکر ہو گئے تھے۔ اس لئے ان کا رہنا زیادہ تر شہر میں ہوتا تھا اور ان کی نئی بیوی تو بہت ہی کم گاؤں یہاں آتی تھیں۔ بڑے دن کی جاڑوں میں تعطیل تھی۔ ہری ہر بابو گاؤں پر آئے ہوئے تھے۔ دروازے پر تحصیل وصول ہو رہی تھی اور میدان میں عورتیں دھان کوٹ رہی تھیں۔ ہری ہر بابو کی نظر سکھیا پر پڑی، انھوں نے پہلے سکھیا کے بارے میں سنا تھا آدمی نیک تھے۔ انھوں نے اپنے کارندوں کو تاکید کر دی تھی کہ جو بھی کام نکلے سکھیا اور اسکے گھر والے ضرور لگائے جائیں، انھیں اس پر رحم آتا تھا اور ہمیشہ سے چاہتے تھے کہ وہ سکھیا کی مدد کریں، آج بھی جب اُن کی نظر پڑی تو اُن کی نظر میں اس کی بہبودی ہی تھی، لیکن دنیا اور زندگی میں بھلے ارادوں کا بُرا نتیجہ کس طرح ہوتا ہے، اُسے خود دنیا والے ابھی تک نہیں سمجھ سکے۔ ہری ہر بابو نے جب سکھیا پر دوسری نظر ڈالی تو انھیں سکھیا کی بہبودی میں اپنی ذاتی بہبودی بھی نظر پڑی، چنانچہ انھوں نے سکھیا کو خواہش اور بہبود دونوں کا مقصود بنانا چاہا۔ جب سکھیا پر یہ بات ظاہر ہوئی تو اس نے اپنی ساری جسمانی اور روحانی کوشش سے اپنے بچانے کی کوشش کی لیکن یہ دنیا اور زندگی کا دوسرا معمہ ہے کہ جسمانی طاقت ہمیشہ ظالم کا ساتھ دیتی ہے مظلوم کا نہیں۔

سکھیا اب وہ سکھیا نہیں تھی، اُسے ہر وقت بخار سہنے لگا تھا۔ کھانسی کی شکایت بڑھتی گئی اور وہ ایسی گری کہ پھر نہ اُٹھ سکی۔ یہ وہی سکھیا تھی کہ جس کی لاش بغیر کفن اور آگ کے ندی کے سپرد اُس کے ماں باپ کر چکے تھے۔ بدھے یکے والے نے کہا "بابو راجپور کے چار سکھیا کے گھر والوں کو ذات باہر کر دیں گے کیونکہ گاؤں کی عورتیں کہتی تھیں کہ سکھیا کے پیٹ میں بچہ بھی تھا۔" ......

کل ہی راجپور سے لوٹا ہوں، گاؤں والوں سے ترمبنی کا حال پوچھا تو وہ لوگ مجھے سکھدیو کے دروازے پر لے گئے۔ تھوڑی دیر میں میرے سامنے وہی لڑکا آیا جسے میں نے ترمبنی کے ساتھ کلکتہ جاتے دیکھا تھا، ترمبنی کا حال پوچھنے پر اس کی مایوس آنکھوں سے آنسو چھلکنے لگے۔ میری تسلی دینے پر اس نے بتایا کہ کلکتہ پہونچنے پر وہ اور ترمبنی کئی دنوں تک اِدھر اُدھر بھٹکتے رہے اور مانگ کھا کر سڑک کے کنارے سوتے تھے۔ پھر اس کے بعد ایک جوٹ کے کارخانے کے بارے میں گئے۔ وہاں گھومتے پھرتے اُن کی ملاقات کچھ لوگوں سے ہوگئی جو کہ ان کے گاؤں کے پاس ہی کے تھے، ان کے وہاں وہ دونوں بھائی مہمان رہے اور اس طرح سے کچھ دن اور کٹ گئے۔ اسی اثنا میں اس کے گاؤں سے مل کے ایک مزدور کے پاس خط آیا جس میں ترمبنی و سکھدیو کے ذات سے خارج کر دیئے جانے کے سارے حالات درج تھے، فوراً یہ بات بانٹے میں آگ کی طرح پھیل گئی اور لوگ ترمبنی کی طرف سے بدظن ہونے شروع ہو گئے۔ ترمبنی کی صحت اندرونی اور پریشانی اور گھبراہٹ سے یوں ہی خراب ہو گئی تھی۔ گندی زندگی و بے سر و سامانی نے اُس کے اوپر اور بھی بُرا اثر ڈالا۔ ایک دوسری جوٹ مل میں ترمبنی کو عارضی طور پر ہفتہ میں دو ایک دن کی نوکری لگ جاتی مگر ان کے گذارے کے لئے کافی نہیں تھا۔ مل کے پاس ایک بڑھیا رہتی تھی، اس سے ان لوگوں کی ملاقات ہوئی۔ بڑھیا پہلے اسی مل میں کام کرتی تھی لیکن اب بڑھاپے کی وجہ سے آنکھوں سے کم دیکھ پاتی تھی اور کام کرنے سے مجبور تھی، اس کی جھونپڑی میں دونوں رہنے لگے بڑھیا کے کوئی نہیں تھا ترمبنی سے یہ شرط ہوئی کہ وہ بڑھیا کو اپنی کمائی میں سے کچھ حصہ دے گا اور اسکے عوض میں اسکے ساتھ رہے گا۔

بڑھیا مل منیجر کی نیک دلی سے مل میں جاتی تھی اور کام شروع ہونے کے وقت حاضری کا ٹکٹ لٹکا کر ایک کونے میں بیٹھ جاتی اور ہفتہ پورا ہونے پر اپنی پوری مزدوری کا چیٹھا پا جاتی لیکن بڑھیا کو اپنی مزدوری میں سے آدھا حصہ انسپکٹر صاحب کو دینا پڑتا تھا جو اس کے عوض میں مل منیجر کو ہمیشہ اس بات کی اطلاع دیتے تھے کہ بڑھیا ابھی زندہ ہے۔

بڑھیا کے امید دلانے کے مطابق ترمبنی کو بھی مل میں نوکری مل گئی۔ منو کو بھی اینٹیں ڈھونے کا کام مل گیا۔ دونوں بھائی اپنے میٹوں کو مقررہ حصہ رشوت دینے کے بعد اپنی گذر بھر کا کما لیتے تھے۔ بڑھیا کو بھی اب اطمینان سا ہو گیا تھا، مگر ترمبنی کی صحت خراب ہی ہوتی جا رہی تھی اور وہ دن بدن لاغر و زرد ہوتا گیا۔ لوگ کہتے تھے کہ اسے کلکتہ کا پانی لگ رہا ہے لیکن در اصل ترمبنی کو کالا زار ہو گیا۔ کچھ دنوں کے بعد ترمبنی کالا زار کا مستقل مریض ہو گیا۔

منو اتنا بیان کرتے کرتے سسکنے لگا، لیکن میرے ڈھارس دینے پر اس نے کہا کہ اس کا بھائی بیمار ہی تھا کہ اس درمیان میں کلکتے کی جوٹ ملوں میں ہڑتال ہو گئی۔ بڑھیا اور منو دونوں کی روزی بند ہو گئی۔ اب ایک پیسا بھی کھانے کو نہیں رہا، جو کچھ بڑھیا کے پاس تھا اس نے ترمبنی کی دوا دوش میں صرف کر دیا۔ مل کے کھلنے کی امید روز بروز کم ہوتی جاتی تھی۔ آئے دن مزدوروں اور مل مالکوں میں نئے جھگڑے بڑھتے جاتے تھے اور یکے بعد دیگرے کلکتے کی تمام جوٹ ملیں بند ہو گئیں۔ اس درمیان میں ترمبنی کی طبیعت کچھ سنبھل گئی۔ لیکن گھر میں کھانے پینے کے نہ ہونے کی وجہ سے کئی روز تک ترمبنی کو کچھ نہ ملا۔ اس کا اثر اسکے بخار پر پڑا۔ اور

چند روز بعد مر گیا۔
منوہر بیان کرتے کرتے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ اسے میں نے بمشکل چپ کیا، پھر وہ گھر سے تربینی کی ایک گٹھری لے آیا۔ کھولنے پر اس میں ایک گندا لال رنگ کا کرتہ جو تربینی پہنا کرتا تھا، اور چھوٹا سا ایک لال جھنڈا — جس پر بنا تھا ایک ہنسیا اور ایک ہتھوڑا۔ میں وہاں سے مظلوم تربینی سکھیا اور لال جھنڈے کو سوچتا چل پڑا۔

# آل انڈیا کانگرس کمیٹی کا خبرنامہ

گاندھی جی ۲۵ اکتوبر سے ۱۶ نومبر تک کلکتہ میں ٹھہرے، اور دوران خون ہونے پر بھی انھوں نے بہت کام کیا۔ گورنر اور وزیروں سے بہت طویل طویل گفت وشنید کی، بہت سے نظربندوں، اور سیاسی قیدیوں سے ملے، اور کلکتہ سے آسے تین جگلی کے قیدیوں کے کیمپ میں گئے۔ اور وہاں کے سولہ سیاسی قیدیوں سے دو گھنٹہ تک باتیں کیں۔ اب حکومت نے ایک فرمان نکالا ہے جس میں گیارہ سو نظربندوں کی آزادی کا اس شرط پر حکم ہے کہ وہ اپنے پتوں کی تبدیلی کی پولیس کو خبر دیتے رہیں "باقی نظربندوں کے مسئلے پر جو ۵۰۰ ہیں جن کی بڑی تعداد کیمپوں اور جیلوں میں ہے، حکومت جلد ہی غور کرے گی" مسٹر گاندھی نے ایک نظربند سے ملنے کو کہا ہے، جس کو وہ چار مہینے کے اندر پورا کریں گے۔ جس کے لئے حکومت ہر قسم کی آسانیاں فراہم کرے گی، اور حکومت کو امید ہے کہ اس وقت ان تمام نظربندوں کو رہا کر سکے گی جب ملاقات کے بعد مسٹر گاندھی اپنا اطمینان ظاہر کریں گے۔ اس درمیان میں حکومت انفرادی رہائیاں کرتی رہیگی، اور اگر وہ اطمینان بخش ثابت ہوئے تو سب کو آزاد کر دے گی۔"

گاندھی جی نے کہا ہے کہ صوبہ میں عدم تشدد کی فضا رہنا چاہئے۔ حکومت کے الفاظ مختلف ہیں "اس کی (نظربندوں کی رہائی) کامیابی پبلک اور لیڈروں پر موقوف ہے، جو ایسی فضا قائم رکھیں جہاں، قانون کی خلاف ورزی، کی گنجائش نہ ہو۔ گاندھی کو اطمینان ہے، اور امید دلاتے ہیں کہ "قانون کی خلاف ورزی، کا مطلب" صرف یہ ہے کہ ایسی تحریکیں نہ ہوں جس میں تشدد پسندی سمجھ، یا جو تشدد پسندی کو ابھارتی ہیں"

اخباروں میں ایک مشکوک بیان، یہ بھی ہے کہ انڈمن کے سب سیاسی قیدی جنوری ۱۹۳۸ء تک واپس آجائیں گے، اس درمیان میں برابر ایسی خبریں مل رہی ہیں کہ انڈمن سے واپس آتے ہوئے قیدی دق کے آخری درجہ کے شکار رہیں۔ حکومت ہند نے اسی انڈمن کو "دنیاوی جنت" کہا تھا۔ نند الال نندی کو، جو ۲۰ برس کا جوان تھا انڈمن میں دق ہو گئی۔ ۱۹ نومبر کو علی پور جیل کلکتہ میں مر گیا۔ بہاری لال بروا ایک نظربند، ۲۷ نومبر کو دق میں مر گیا، دق کے علاوہ لمبی نظربندی، اور قید نے ان سیاسی کارکنوں کو کھا لیا ہے۔ ان کی تندرستی بگڑ گئی ہے، اور رہائی کے بعد ان کی روزی کا کوئی سرکاری بندوبست نہیں کیا گیا۔ ان کے سامنے کوئی راستہ نہیں ہے۔ چٹاگانگ سے خبر آئی ہے کہ ایک نظربند امولیا چرن چودھری نے جسکی رہائی کا حکم آچکا تھا، خودکشی کر لی۔

جیل کی اصلاحوں پر کانگرسی وزارتوں کی خاص توجہ ہو رہی ہے، اس انتظام کی تبدیلی ہونے تک یو۔ پی کی وزارت نے ۰۰۰۰ سے لیکر ۰۰۰۰ قیدیوں کے رہا کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ یو پی کی خبر ہے کہ برطانوی راج کی تاریخ میں پہلی بار قیدیوں کو سچ بولنے کی ہمت پڑی، اور انھوں نے جیل کے افسروں، اور وارداتوں کی غیر انسانی روش پر شہادتیں دیں، معلوم ہوا کہ جیل کے افسروں کا، قیدیوں کو جوتوں سے مارنا، روزمرہ کی بات تھی، بنگال کی وزارت بھی دو ہزار قیدیوں کے رہا کرنے کو سوچ رہی ہے۔

## فیڈریشن

بھولا بھائی ڈیسائی نے حکومت برطانیہ کو دھمکی دی ہے کہ اگر فیڈریشن کو زبردستی سر پر لادنے کی کوشش کی گئی تو اس کا مقابلہ سول نافرمانی سے کیا جائے گا۔ انھوں نے ملک کو عام جارحانہ کارروائی کے لئے تیار ہو جانے کو کہا ہے۔

عورتوں کی آل انڈیا کانفرنس کا سالانہ اجلاس دسمبر کے آخری ہفتہ میں ناگپور میں ہو رہا ہے۔ اس کو صوبجاتی، اور حلقہ وار شاخیں اپنے سالانہ اجلاس کر رہی ہیں۔ اس اجلاس میں جو قراردادیں پیش ہونیوالی ہیں ان میں سے ہندمیں عورتوں اور مردوں میں تعلیم کو عام کرنے پر زور دیا گیا ہے، زچگی سے پہلے اور بعد کو چھ ہفتے، دائیگی، ملنا چاہئے۔ اور مزدور عورتوں کے لئے طبی امداد اور بچہ گھروں کا انتظام کیا جائے۔ یو۔ پی کی شاخ نے ایک قرارداد پیش کرنے کیلئے منظور کی ہے جس میں تین برسوں کی متعدد لڑائیوں، اور اسلحہ بندی پر اظہار نفرت کیا ہے۔ عورتوں کو اپنے ملک کی حفاظت کے لئے آمادہ کیا گیا ہے، اور چینی عورتوں اور بچوں کے قتل کرنے پر جاپان کو ہدف ملامت بنایا گیا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سب سے دلچسپ مسئلہ، اس کانفرنس میں "نصب العین" کا رہیگا۔ اب تک اس کا "نصب العین" "معاشرتی، اور تعلیمی بہبودی" رہا ہے ابھی تک عورتوں نے جو ہندستان کی سیاسی اور قومی تحریکوں میں حصہ لیا ہے اس سے کانفرنس نے اپنے کو الگ رکھا ہے، کئی صوبجاتی شاخوں نے اس بندش کی دوری پر اصرار کیا ہے، اور نصب العین یہ رکھنا چاہا ہے "قومی تعلیمی اور معاشرتی بہبودی"۔

## کسانوں اور مزدوروں کی بے چینی

بہار کے کاشتکاروں نے پٹنہ میں ایک عظیم الشان جلسہ کیا اور پچاس ہزار کسانوں کے دستخط سے ایک درخواست تیار کی جس میں قانون بیدخلی، لگان، قرضہ کے قانون کے متعلق اپنی مانگیں پیش کی تھیں۔ یہ درخواست ایک گاؤں میں رکھ کر ساتھ ساتھ دو کسان، ایک کانگرس کا جھنڈا لئے، اور ایک دوسرا لال جھنڈا لئے اور وزیر اعظم کے مکان تک پہونچائی گئی۔
کانگرسی صوبوں کی قانون ساز جماعتوں کی بنائی کمیٹیاں زرعی اصلاحوں پر غور کر رہی ہیں۔ کانپور، اور احمد آباد کے مزدوروں میں بے چینی پھیلی ہی تھی، لیکن اب بمبئی کے کپڑوں کے کارخانوں میں بھی اسٹرائکیں ہونے والی ہیں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ احمد آباد کے کچھ مل مالکوں نے تنخواہ کے اس عہدنامے کو توڑ دیا جو مل مالکوں نے مزدور سبھا سے کیا تھا، احمد آباد کی منصفت کمیٹی کام کر رہی ہے، بمبئی کی حکومت نے جو مزدور کی حالت کی جانچ کمیٹی کا ارادہ کیا تھا، ابھی تک اس کا کچھ فیصلہ نہیں ہوا۔ احمد آباد کی ایک چھوٹی سی سبھا پر الزام ہے کہ اس نے ایک بے ضرورت اسٹرائک کرائی۔ اب اسٹرائک ختم ہو گئی ہے۔

# خبریں

## ہمارے صدر

آسام کا بارہ دن کا سفر طے کر کے واپس آگئے۔ واپسی میں سلہٹ میں، چھوٹے بچے جو اہر لال جی سے ملنے آئے۔ اور بہت ہنس ہنس کر اُن سے باتیں کرتے رہے، جو اہر لال جی نے، نپولین، افلاطون، ارسطو، اور جون آف آرک کے قصے سنائے، اور پوچھا کہ تم لوگ زندگی میں کیا بننا چاہتے ہو، پھر ہدایت کی ہمیشہ حوصلے بلند رکھو۔

## گھریلو صنعت اور یوپی کی کانگرسی وزارت

گھریلو صنعت کو ترقی دینے کیلئے یوپی کی حکومت نے تمام محکموں کو ہدایت کی ہے کہ جہاں تک ممکن ہو ہاتھ بنے کاغذ استعمال کریں۔ کم از کم بلاٹنگ اس سال جتنا خریدا جائے، سب ہاتھ کا بنا ہونا چاہئے، جو لفافے اسمبلی کے ممبران کے لئے منگوائے جائیں وہ بھی ہاتھ کے بنے ہوں۔

ساتھ ہی ساتھ اس بات کی طرف توجہ دی جا رہی ہے کہ گھریلو صنعتوں، میں یہ چیزیں اچھی قسم کی تیار ہوں۔

## سی پی میں شراب بندی

سی پی کی اسمبلی کا اجلاس شروع ہو گیا۔ پہلے سرجی سی۔ بوس کی تعزیت ادا کی گئی۔ پھر معاملات شروع کئے گئے۔ وزیر مالگذاری۔ ڈی۔ پی۔ کول نے شراب بندی کا بل پیش کیا۔ کول جی نے اپنی تقریر میں کہا کہ پہلے اس کا تجربہ کسی ایک حصہ میں کیا جائے گا۔ مجھے یقین ہے کہ ہم اس اسکیم میں کامیاب ہو جائیں گے، کیونکہ جسوقت سی۔ پی میں شراب بندی کا نفاذ ہو گا، اس وقت تک مدراس میں اس کے نفاذ کو تین مہینے ہو چکے ہوں گے، ہم اس تجربہ سے فائدہ اُٹھائینگے۔

ہم میں سے ایک شخص سیلم بھیجا جائے گا، اور وہاں کے حالات کا مطالعہ کرے گا۔

ناجائز شراب کشی کو بھی روکنے کی کوشش کریں گے۔ مگر اس کیلئے سرکاری طاقت کافی نہیں ہے۔ ہم پبلک سے مدد کی درخواست کرینگے۔ پبلک شراب، کے نقصانات سے واقف ہے۔ وہ ضرور ہماری مدد کرے گی۔

آخر میں یہ بل غور کرنے کیلئے ایک منتخب کمیٹی کے سپرد کیا گیا۔

## کسان کانگرسی وزارت کی پشت پناہی کو

١٣۔ دسمبر۔ ناگپور۔ آس پاس کے دیہاتوں، واردھا۔ بندرا، جھنڈ ورا، اور سگور ہائے پور سے کئی ہزار کسانوں کا جھنڈ آیا۔ پہلے جلوس کی صورت میں لال جھنڈے لئے شہر کی خاص سڑکوں پر گھومتے رہے اور زمینداری کے خلاف نعرے بلند کرتے رہے اور پھر اسمبلی کی عمارت کے سامنے آکر جمع ہو گئے۔ سی پی کے وزیر اعظم مسٹر کھرے اسمبلی کے بعد باہر آئے، کسانوں کی مانگیں سنیں، اور پھر تقریر کی جس میں انھوں نے کہا کہ ہم لوگوں کو آپ کی مانگوں کا علم ہے اور ہماری حکومت ہر طرح آپ کے ساتھ ہے۔ مگر اس کو آپ کی پشت پناہی کی ضرورت ہے۔ دستور اساسی میں جو اختیارات دیئے گئے ہیں وہ بہت معمولی ہیں۔ اور اس کی اصلاح کرنے میں زمانہ لگے گا۔ لیکن کانگرس نے چھوٹے کاشتکاروں کو، جن کی تعداد تقریباً ٥ فیصدی ہے۔ ١٢½ فیصدی چھوٹ دینے کا تصفیہ کیا ہے۔ ہمکو امید ہے کہ آپ لوگ ہماری پشت پناہی کرتے رہیں گے۔ کانگرس نے رعیت ہی کی بھلائی کے لئے وزارت منظور کی ہے۔

## بہار کی کسان سبھا اور کانگرس میں ناچاقی

بہار کی کانگرس کمیٹی نے اپنے بعض ممبروں کو یہ نوٹس دیا ہے کہ اگر وہ کسان سبھا کو نہ چھوڑیں گے۔ تو ان کو کانگرس سے الگ کر دیا جائے گا۔ ان کے سر الزام ہے کہ وہ لوگ کسانوں کو بھڑکاتے ہیں جو ملک کے لئے مضر ہے، اور جس سے بہار کی فضا مکدر ہو گئی ہے۔

## لونگ کے بائیکاٹ کا زنجبار پر اثر

زنجبار کے برطانوی رزیڈنٹ نے اپنی بجٹ کی تقریر میں کہا کہ ہندستانیوں نے زنجباری برطانوی حکومت کی "لونگ اسکیم" کا جو بائیکاٹ کیا ہے، اس سے تیس ہزار پونڈ کا اب تک نقصان ہو چکا ہے اور اگر یوں ہی جاری رہی تو اسکا اثر سب قوموں کی مالی حالت پر پڑے گا۔

## جمعیتہ العلماء کی ایک کانفرنس گورکھپور میں ہونیوالی ہے۔

جسکے لئے مولانا حسین احمد، مولانا احمد سعید، مولانا عطاء اللہ بخاری مولانا حفظ الرحمن، مولانا محمد الفاروقی، مولانا سید سلیمان ندوی، اور دوسرے بڑے بڑے علما عام مسلمانوں کو شرکت کی دعوت دی گئی ہے۔

## شمالی چین میں جاپانی راج

پکنگ میں پرانی حکومت جو نانکن کے ماتحت مانی جاتی تھی توڑ دی گئی اور اور ایک نئی جمہوری حکومت قائم کر دی گئی جو جاپان کے ماتحت فرمانروائی کرے گی۔ اس حکومت کا کام جاپان کی دوستی کا پرچار کرنا، اور سوشلزم کی مخالفت کرنا ہے۔

جاپان کے نمائندہ کا بیان ہے کہ جب تک سارے چین میں جاپان دشمنی ختم نہیں ہو جاتی، لڑائی جاری رہے گی۔

## روس میں سوشلزم

"روس میں الکشن کے موقع پر اسٹالن نے جو ماسکو کے حلقے سے نمائندہ بنکر کھڑے ہوئے ہیں۔ بولوئی میں ایک بھرے مجمع میں تقریر کی، اس میں سوشلزی حکومت کے دس سال کے اندر جو کامیابیاں ہوئی تھیں بتائیں۔ اور پھر کہا کہ ساری دنیا میں صرف ہمارے الکشن ہیں جو صحیح معنی میں "جمہوری" کہے جاسکتے ہیں۔ جہاں روپیہ اور اثر کا دباؤ لوگوں پر کام نہیں کرتا، ہمارے یہاں سوشلزم کا صرف تجربہ ہی نہیں ہوا ہے۔ بلکہ سوشلزم روسیوں کی زندگی کا جز بن گئی ہے۔ دس سال پہلے ہم لوگ بحث کیا کرتے تھے کہ سوشلزم کامیاب ہو سکتی ہے یا نہیں لیکن آج وہ واقعہ ہے ہماری زندگی، ہماری عادتوں، اور طور طریقوں میں نفوذ کر گئی ہے"

حاضرین نے بہت جوش و مسرت سے اسٹالن کا استقبال کیا، اور اسکے ہر فقرے پر تالیوں سے جلسہ گونج گیا۔

بدست عوام فروخت کیلئے

# فارم اطلاعنامہ حسب دفعہ ۱۱ ایکٹ جائداد ہائے مقروضہ ممالک متحدہ

بعدالت جناب بابو لکشمی پرشاد صاحب بہادر اسپشل جج درجہ اول غازیپور
مقدمہ انکمبرڈ نمبر ۲ سنہ ۱۹۳۶ء

مصطفائی بی بی وغیرہ - سائلان

بنام رام سروپ وغیرہ - طرفثانیان

ہرگاہ مصطفائی بی بی - اطہر حسین - مہدی حسن - مظہر حسین - امین احمد - امیر احمد - زین العما نابالغ طیبہ بی بی - حسین احمد - انیس احمد - واصغیہ بالغہ - ضیاء النساء اکرام حسین - انعام حسن نابالغ - ناظم حسین سائلان - ساکن محلہ نورالدین پورہ شہر غازیپور - ضلع غازیپور - کی جانب سے ایک درخواست حسب دفعہ ۴ ایکٹ جائداد ہائے مقروضہ پیش ہوئی ہے - لہذا اس تحریر کی رو سے حسب دفعہ ضمنی ۱ دفعہ ۱۱ - ایکٹ مذکور اطلاع دی جاتی ہے کہ اس جائداد کو جس کی تفصیل ضمیمہ ہائے منسلکہ میں درج ہے درخواست دہندہ نے حسب دفعہ ۸ یا قرضداران نے حسب دفعہ ۱۰ سائلان مذکور کی جائداد بتایا ہے -

اگر کوئی شخص جائداد مذکور پر کوئی دعوی رکھتا ہو تو جس اشتہار کے گزٹ ممالک متحدہ میں شائع ہونے کی تاریخ سے تیس ۳۰ کے اندر اپنے استحقاق کے بارہ میں اس حاکم کے روبرو اپنی عرضی پیش کرے جس کے دستخط ذیل میں ثبت ہیں -

## ضمیمہ (الف)

قرضدار کے استحقاق مالکانہ متعلقہ آراضی -

| نمبر شمار | ضلع | نوعیت جائداد | محال | [illegible] |
|---|---|---|---|---|
| ۱ | غازیپور | زمینداری | پوری محال علی حسین پرگنہ خاص ... | ۱۶/ |
| ۲ | ″ | ″ | حسین پور ″ | ۱۶/ |
| ۳ | ″ | ″ | چک ″ ″ | ۱۶/ |
| ۴ | ″ | ″ | حوض پور ″ | ۱۶/ |
| ۵ | ″ | ″ | گوبند سرائے ″ | ۱۶/ |
| ۶ | ″ | ″ | مہارتھہ پور ″ | ۱۶/ |
| ۷ | ″ | ″ | کمیان پور ″ | ۱۶/ |
| ۸ | ″ | ″ | نصرتھہ پور ″ | ۱۶/ |
| ۹ | ″ | ″ | باغ نورالدین سکینہ بی بی پرگنہ غازیپور | ۸/ |
| ۱۰ | | | عالم بنی ″ ″ | ۸/ |
| ۱۱ | | | روضہ ثبات الدین ″ ″ | ۸/ |
| ۱۲ | | | الیضاً بنی گلشن بی بی ″ ″ | ۳/ گنڈہ ۳ بٹ |
| ۱۳ | | | الیضاً ″ | ۱/ ۴ بٹ |
| ۱۴ | | | باغ نوراللہ ″ ″ | ۱/ گنڈہ ۳ بٹ |
| ۱۵ | | | الیضاً ″ | ۱/ ۴ بٹ |
| ۱۶ | گورکھپور | ″ | نظام آباد دبلوا ادائیگی پرگنہ سلیم پور ضلع گورکھپور | ۲/ |
| ۱۷ | ″ | ″ | الیضاً ″ | ۲/ |
| ۱۸ | ″ | ″ | بیکین پورہ کچھو پور محاذ یوربا | ۲ پائی - ۱ بٹ - ۵۰ سرت |
| ۱۹ | غازیپور | زمینداری | پوری محال صاحب جان بی بی پرگنہ آباد | ۶/۶ پائی |
| ۲۰ | ″ | ″ | حسن پور ″ ″ ″ | ۶/۶ پائی |
| ۲۱ | ″ | ″ | چک شادی آباد ″ | ۶/۶ پائی |
| ۲۲ | ″ | ″ | گوبند سرائے ″ ″ | ۶/۶ پائی |
| ۲۳ | ″ | ″ | مہارتھہ پور ″ ″ | ۶/۶ پائی |
| ۲۴ | ″ | ″ | نصرتھہ پور ″ ″ | ۶/۶ پائی |
| ۲۵ | ″ | ″ | کمیان پور ″ ″ | ۶/۶ پائی |
| ۲۶ | ″ | ″ | جمن پور ″ ″ | ۶/۶ پائی |
| ۲۷ | ″ | ″ | عالم بنی ″ | ۸/ |
| ۲۸ | ″ | ″ | روضہ شہاب الدین بنی سکینہ بی بی | ۸/ |
| ۲۹ | ″ | ″ | باغ نوراللہ ″ ″ | ۸ |
| ۳۰ | ″ | ″ | رسول پور کندھوارہ محال بنی بی بی پرگنہ شادی آباد | |
| ۳۱ | ″ | ″ | کرنپورہ بنی گلشن بی بی پرگنہ محمد آباد | ۱/ گنڈہ ۲۰۰ بٹ ۲۰ سرت ۲ - بیٹنک |
| ۳۲ | ″ | ″ | الیضاً بنی مسکین بی بی ″ | ۱/ گنڈہ ۱ بٹ ۳ سٹ ۲ چھٹانک |
| ۳۳ | ″ | ″ | داؤد پور ″ ″ | ۱/ ۳ گنڈہ ۱ بٹ ۳ سٹ ۲ چھٹانک |
| ۳۴ | ″ | ″ | الیضاً بنی گلشن بی بی ″ | ۱/ گنڈہ ۲ بٹ ۳ سٹ ۲ چھٹانک |
| ۳۵ | ″ | ″ | قاضی پور سرائے محال محمد اکبر | [illegible] |
| ۳۶ | ″ | ″ | مرتضی پور | [illegible] |
| ۳۷ | ″ | ″ | چک زینب | ۵ لر ۱۶/ |
| ۳۸ | ″ | ″ | باری کرنگ بہار محال صاحب جہاں بی بی پرگنہ ... | ۱/ |

## ضمیمہ (ب)

قرضدار کی جائداد جو باستثنا حقوق مالکانہ متعلق آراضی حسب دفعہ ۶۰ ضابطہ دیوانی سنہ ۱۹۰۸ء قرق اور نیلام ہو سکتی ہے -

۱ - مکان مسکونہ مردانہ و زنانہ جملہ سائلان معہ احاطہ پیش دروازہ محدودہ ذیل ہے

| اوتر | پورب | دکھن | پچھم |
|---|---|---|---|
| سڑک خام پورب پچھم رواں | مکان حافظ فرید شاہ حسین احمد | گڑھی پورہ راستہ | مکان علی اکبر و ہاشم وغیرہ و سڑک پختہ |

۲ - اثاث البیت خانہ داری جو بحیثیت طلب سائلان ضروری ہیں مبلغ ۲۰۰۰ روپیہ

مہر عدالت

دستخط بخط انگریزی (دستخط حاکم)

۔ ہندستان نیوز پیپرس لمیٹڈ کی طرف سے حیات اللہ انصاری ایڈیٹر و پبلشر نے باہتمام گلزاری لال سکینہ سلطانیہ برقی پریس نظیر آباد لکھنؤ سے چھپوا کر ۶ نیل روڈ لکھنؤ سے شائع کیا۔